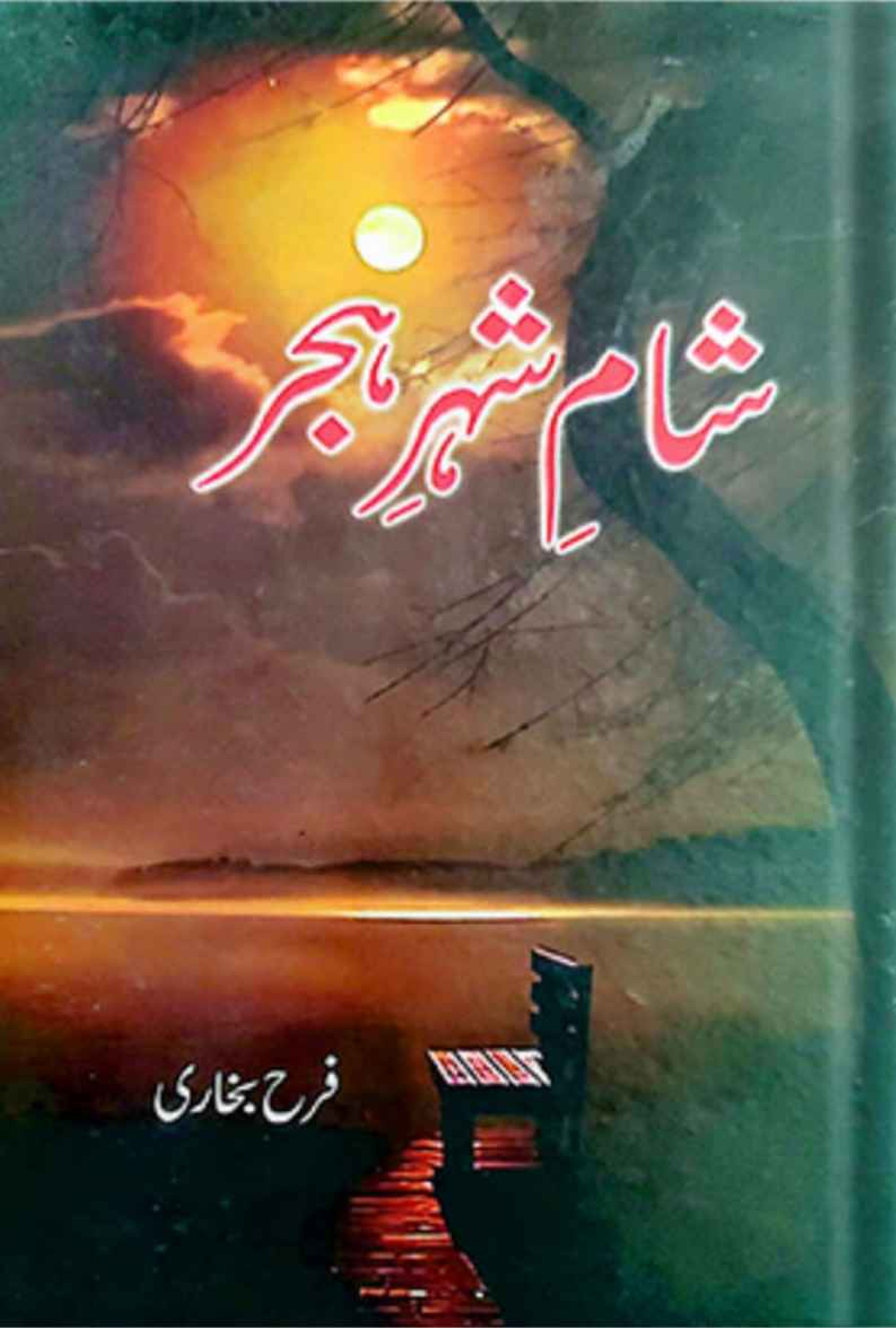
شامِ شہرِ ہجر
فرح بخاری

فرح بخاری

شامِ شہرِ ہجر

مکمل ناول

میاندم کی اُس ٹھنڈی روپہلی سی صبح میں دھوپ کے چمکتے رنگوں پر دھند کے ہلکے پردے غالب دکھائی دیتے تھے۔ موسم کی خزاں کی جانب اس بار نہایت ہی دھیمی چال تھی۔ دن سست اور ایک جیسے ہوں تو وقت بھی رُکا رُکا سا لگتا ہے۔ اُسے جاتے گرما سے تو شکوہ نہیں تھا، پر یہ آنے والی سردیاں ابھی سے بے چین کر رہی تھیں۔

اب سے پہلے کا وقت لحاف میں دبک کر پڑھتے گزر رہا تھا۔ لیکن یہ ایل ایل بی بھی کیسے پلک جھپکتے گزر گیا اور جب عملی پریکٹس کا وقت آیا تو امی کی علالت نے اسے ہر بات بھلا دی۔ پریکٹس بھلا کہیں بھاگی جا رہی ہے۔ ہمیشہ کی طرح اپنی ترجیح کو ایک طرف رکھتے اس نے امی کی صحت کی جانب توجہ دی۔

تحریم سے یہ امید کبھی کسی نے لگائی نہ تھی کہ کچھ لوگ پیدا ہی اپنا خیال رکھنے کے لیے ہوتے ہیں،

لہٰذا انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے، خصوصاً اِن حالات میں کہ جب "اپنا خیال رکھنے والوں" کی شادی بھی سر پر آجائے تو اللہ اللہ، پھر تو یہ امید بھی عبث ہے کہ وہ پلٹ کر آپ کے کسی سوال کا جواب دینے کی بھی مہلت نکالیں گے۔

وسیلہ نے کارنس پہ آئی تحریم کی تصویر کو محبت بھری نظروں سے دیکھا پھر گردن پھیر لی۔ نگاہیں مبالغہ کے اونچے سرسبز پہاڑوں پر گئیں اور وہاں اپنے گھر کے چھوٹے چھوٹے مسائل کو سوچتے کہیں سے کہیں۔

تحریم اگر اس سے دو سال بڑی تھی تو چھوٹی ایلیا سات برس چھوٹی۔ لیکن وسیلہ کا مزاج ایلیا سے ملتا تھا۔ دونوں ہی انتہا درجے کی حساس تھیں۔ باوجود عمر کے فرق کے اُن دونوں کی کمال ذہنی ہم آہنگی تھی 'ایلیاء' کا ابھی کالج کا پہلا سال تھا۔ وسیلہ کے لیے چھوٹی بہن کی تعلیم اور بہتر مستقبل ہر بات سے بڑھ کر اہم تھا۔ کہنے کو بظاہر شوگر اور بلڈ پریشر کا مسئلہ تھا لیکن امی ابو کی وفات کے بعد بہت وہمی اور کمزور دل ہوگئی تھیں۔ اسے امی کے کھانے پینے کے معمولات، ان کی واک اور علاج وغیرہ کے معاملے میں معمولی سی بھی کوتاہی قبول نہ تھی۔ امی کو شوگر کے ساتھ ایڈجسٹ کرنے میں جتنا وقت درکار تھا، وسیلہ وہ وقت مکمل طور پر انہی کو دینا چاہتی تھی۔

"فی الحال تو یہ دھیرے دھیرے قریب آتا سرما۔" وسیلہ مسکرائی 'میاندم کے اونچے پہاڑوں پر جاتے تصور میں سبزے پر غالب آتی سفیدی کو دیکھتے ایک گہری سانس کھینچی اور ایک بار پھر ہنس دی۔ اسے سرما پسند تھا' بہت شدت سے مزاج پر اثر کرتا محسوس ہوتا۔"

وسیلہ نے ہلکی نم ہوا کی تازگی و شگفتگی کو اندر کھینچا تب ہی گھر کی پرسکون خاموشی میں زوردار چھناکے سے کچھ ٹوٹنے کی آواز سنائی دی۔ وہ تیزی سے کمرے کے دروازے پہ آئی۔ کتاب پر جھکی ایلیاء نے چونک کر آواز کی سمت۔ دیکھا، جبکہ بیگم رضوانہ نے بنا ادھر اُدھر دیکھے ہتھیلی ماتھے پر ماری۔

"کچن کا کام اس نالائق تحریم کو کس نے بتا دیا؟"

"ہم کیا پاگل ہیں جو اسے کچن کا کوئی کام بتائیں، خود ہی گئی ہیں۔ صبح سے کسی ہوم میڈ اُبٹن کی تیاری کر رہی ہیں۔" ایلیا نے اطلاع فراہم کی۔

"مطلب باقی بچے پندرہ دنوں میں یہ میرے کچن کا ستیاناس کر کے جائے گی؟" رضوانہ بڑی طرح بھنائی تھیں۔

"جی، اور یہی اگر توڑ پھوڑ رہی تو اسے برتنوں سے خالی کر کے بھی۔" وسیلہ نے ماں کے غصے کی پرواہ نہ کرتے ہنس کر جملہ جوڑا اور ایلیا کے نزدیک ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔

"بلکہ نئے سامانِ جہیز اور کراکری کے۔" ایلیا نے "کراکری" پہ بطورِ خاص زور دیا۔ وسیلہ اور ایلیا تو اپنے ہی جملوں سے حظ اٹھاتی ہنسنے لگیں پر رضوانہ اُٹھ کر کچن کی طرف چل دیں۔ اس تحریم سے کہاں کوئی اچھی امید تھی۔ اگلی آواز چھناکے کے بجائے کسی دھماکے کی بھی ہوسکتی تھی۔ صبح وہ ناشتہ کر کے ندرت کی طرف چلی گئی تھیں۔ پچھلے ہفتے اچانک ہی مومن اور تحریم کی شادی کا پروگرام بن گیا تھا۔ دونوں کی چار سالہ منگنی پہلے مومن کی جاب اور پھر ندرت کے بھائی کی آسٹریلیا سے آمد کی وجہ سے ٹلتی رہی، لیکن پچھلے ہفتے ہی قاسم بھائی نے اپنی چھٹی کی خبر سنائی تو ندرت نے اس موقع کو غنیمت جانتے، مومن کی شادی کا پروگرام بنا لیا اور رضوانہ کو بھلا کیا اعتراض ہوسکتا تھا۔ تین بیٹیوں کی ذمہ داری جبکہ سر پر شوہر بھی موجود نہ، ہو کم پریشانی تو نہ تھی۔ تینوں بچیوں کے لیے زیور اور رقم انہوں نے بہت پہلے سے جوڑنا شروع کر دی تھی، سامان کے متعلق ان کے خیالات یہ تھے کہ وقت پر ٹرینڈ کے حساب سے ہی خریدنا چاہیے۔ ندرت کے پاس وہ چھوٹے موٹے کاموں کی لسٹ بنا کر ڈسکس کرنے گئی تھیں۔ ویک اینڈ پر مینگورہ جانے کا پروگرام طے پایا تا کہ فرنیچر اور باقی کا سامان لایا جائے۔

"کیا کر رہی ہو ریم، ابھی چار دن پہلے تم نے کریموں کا ڈھیر لیا ہے۔ اچھی بھلی صورت کا بھی ستیاناس کر بیٹھو گی۔ اور۔" انہوں نے ٹوٹے ہوئے گلاس کی کرچیوں کو دیکھا "ابٹن کی تیاری میں شیشے کے گلاس کا کیا کام؟"

"کوئی کام نہیں تھا۔ پھر میں کون سا شیشے کے برتن استعمال کرتی ہوں" تحریم نے منہ بنایا، امی نے اسے سختی سے شیشے کے برتنوں سے دور رہنے کا آرڈر دیا ہوا تھا۔ "میں نے تو بس اپنا دوپٹہ کندھے کے پیچھے ڈالا، اب گلاس ٹیبل کے کونے پر پڑا تھا تو میرا کیا

قصور۔"

"کوئی قصور نہیں" وہ نیچے بیٹھ کر کانچ چننے لگیں "بختی ماری چیزیں آپ ہی تمہارے قدموں میں نچھاور ہونے لگتی ہیں"۔

"ہاں تو اور کیا۔" وہ ہنس کر منہ پہ ہاتھ رکھتی باہر نکل گئی۔ اور رضوانہ تعجب سے بس یہی سوچے جا رہی تھیں کہ اگلے گھر آخر کب تک اس کے چاؤ اٹھائے جائیں گے۔ مومن تو ویسے بھی بگڑے مزاج کا تھا۔ اس کی چہیتی ممانی ہی آڑے آئے تو آئے۔ یہ بھی شاید تحریم کے حق میں قدرت نے اچھا کیا تھا کہ تحریم کو ندرت نے بچپن سے اپنی بیٹی بنا رکھا تھا۔ وہ بھی اس کی حرکتوں کو ایسے اگنور کرتی تھیں جیسے سگی ماں۔ رضوانہ جب گاؤں سے واپس آئی تھیں تو گود میں وسیلہ تھی اور تحریم دو سال کی معصوم بچی تھی۔ ندرت کو ہمہ وقت اسی پہ ترس آتا رہتا کہ ابھی تو تحریم خود گود والی تھی اور وسیلہ نے اس کی جگہ لے لی۔ تب ہی وہ سارا وقت تحریم کو اپنے پاس رکھتیں بلکہ اس کے کھانے پینے نہلانے، سلانے کا پورا دھیان خود رکھتیں۔ مومن بھی فورتھ کلاس کا بچہ تھا۔ زیادہ تنگ نہ کرتا۔

ندرت کو جتنا بچوں کا شوق تھا خصوصاً لڑکیوں کا۔ اللہ پاک نے چھ سات سال کی دعا علاج کے بعد ایک ہی بیٹا عطا کیا تھا۔ ننھی تحریم ان کے ہاتھوں کا چھالا تھی اور اسی محبت میں بچپن میں اسے مومن سے منسوب کر دیا۔ مومن مزاجاً ذرا سخت طبیعت کا نکلا تھا لیکن سعادت مند انتہا کا تھا۔ ماں باپ نے اس کے لیے تحریم کو پسند کیا تو مومن نے ان کی پسند پر سر تسلیم خم کیا اور اب دو ہفتوں کے بعد ان کی شادی خانہ آبادی ہونا قرار پائی تھی۔

☆☆☆

حویلی کی اونچی پختہ دیوار سرخ اینٹوں اور سیمنٹ کی باریک فائن لائنوں سے بنی ہوئی تھی۔ شمالی دیوار پر اوپر تک چڑھی الگ طرح کی بیلوں کا ایک جال پھیل چکا تھا۔ جنا کاٹے جسے قابو میں لانا اب مشکل تھا۔ دوپہر کی دھوپ آدھی دیوار پر پھیلی اب سہ پہر کی جانب بڑھ رہی تھی۔ منصب کی نظریں سرخ دیوار کے کالے پراسرار روشن دانوں کو تکتے آج ایک مدت بعد برسوں پیچھے چلی گئی تھیں۔

اونچی چھت کے خالی دالانوں میں اُن بھائی بہنوں کی کھلکھلاتی آوازیں بازگشت کی صورت گونجا کرتیں۔ دادی بیگم کا ان شرارتوں کے چونچلے اٹھانا، شہناز بی بی کا غصے میں خوں خوار نظروں سے گھورنا اور ماں بابا کی تنبیہی جھڑکیاں۔ سب جیسے آج بھی حویلی میں قید تھیں۔ منصب نے اپنے ماتھے سے پیچھے گردن تک انگلیاں چلائیں۔ صاف گندمی رنگت کے ساتھ گھنے ابروؤں اور کالی مونچھوں کا امتزاج اسے سنجیدہ اور کسی حد تک سخت گیر دکھاتا تھا۔ چہرے پر سب سے نمایاں اس کی گہری براؤن آنکھیں، اونچی ناک سے متین اور بردبار دکھاتا دہانہ تھا۔ وہ اپنے چہرے سے جیسا نظر آتا تھا، مزاجاً بھی اتنا ہی سنجیدہ اور بارعب تھا۔ قد کاٹھ انتہائی متناسب اور جسم ورزشی تھا۔ بائیک دیوار کے کنارے لگا کر اسے لاک کیا اور پچھلے دروازے کی بیل پر ہاتھ رکھا۔ خمارہ بی بی نے جھانک کر ایک نظر دیکھا اور بنا کچھ کہے اندر غائب ہو گئی۔ منصب ہاتھ پیچھے باندھتے وہیں ٹہلنے لگا جبکہ خمارہ دائیں بائیں ہوشیار نگاہوں سے دیکھتے دادی بیگم کے کمرے میں آئی۔

"بی بی جی! منصب آیا ہے"۔ آواز کچھ دبی دبی سی تھی، ہاجرہ بیگم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"ہیں، اچھا۔ منصب آیا ہے"۔ چشمہ سنبھالتے وہ کسی قدر عجلت سے اٹھیں، خمارہ نے آگے بڑھ کر اٹھنے میں مدد دی۔ انہوں نے اپنا سفید دوپٹہ بال سمیٹ کر سر پر جمایا اور جھک کر چپلیں ڈھونڈنے لگیں۔

"بی بی اندر بلانا ہے؟" خمارہ نے آواز نیچی رکھی تھی، ہاجرہ بی بی نے پھر بس ہاتھ جھٹک کر اسے آہستہ بولنے کا اشارہ کیا تھا۔

"پچھلے صحن میں جا رہی ہوں۔ جا بھاگ کر چھوٹا دروازہ کھلوا۔ منصب کو پیچھے والی سائیڈ سے ادھر کبوتروں والے لان میں لے آ۔" خمارہ کو باہر

بھگایا اور خود بھی کمرے سے نکل کر، بائیں ہاتھ کے جالی والے دروازے سے چھوٹے صحن میں آگئیں۔ جاتی دھوپ کے لمبے سائے دیوار تک چڑھ چکے تھے۔ لان میں تین کرسیاں پہلے ہی رکھی تھیں۔ ہاجرہ بی بی چھوٹے قدم اٹھاتی جب تک لان کی کرسیوں تک پہنچیں، خمار پچھلے دروازے سے منصب کو لیے اندر داخل ہو رہی تھی۔

"السلام و علیکم دادی اماں۔" منصب نے ادب سے سلام کیا تو ہاجرہ بی بی نے شفقت سے ہاتھ اس کے سر پر پھیرا اور اس کا چہرا دونوں ہاتھوں میں لے کر اس کی پیشانی چومی، منصب کی جوانی اس کا سراپا ہمیشہ ہی ان کی آنکھیں نم کر دیتا۔

"کمزور لگ رہی ہیں میری دادی۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" منصب نے ان کے دونوں ہاتھ پیار سے اپنے ہاتھوں میں لیے۔

"بس اب ہر گزرتے دن کے ساتھ صحت نے بھی تو جواب دینا ہے۔ بڑھاپے کے تحفے ہیں بیٹا۔"

"کس کی مجال ہے جو آپ کو بوڑھا کہے۔ بوڑھے ہوں آپ کے دشمن" منصب نے ابرو ذرا سا ایک جانب شرارت سے اُٹھایا تو ہاجرہ بی بی ہنس دیں۔

"چپ رہو، دشمنوں کو اگر تمہاری آمد کی اطلاع ہوئی تو نکال دیے جاؤ گے۔ وہ بھی کھڑے کھڑے۔" ہاجرہ بی بی نے اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی بالکل پاس والی کرسی پر بیٹھ گئیں جیسے اس سے دور بیٹھنے کو جی نہ چاہتا ہو۔

"فی الحال تو آپ کے شہر سے نکالا جا رہا ہوں۔ منصب نے اپنی گہری معصوم آنکھیں معنی خیزی سے دادی پر جمائیں، جواباً ہاجرہ بی بی نے گھبرا کر ہاتھ سینے پہ رکھا۔"

"ہائے کیوں۔ کہاں؟"

"پریشان نہ ہوں۔" وہ اب میٹھی مسکان لیے محبت سے انہیں دیکھ رہا تھا" آپ کی دعا میں رنگ لائی ہیں دادی! آپ کہا کرتی تھیں نا میرا منصب افسر بنے گا۔ آج آپ کی دعا۔" وہ کچھ کہتے کہتے رُکا "صرف دعا ہی نہیں آپ کے دستِ شفقت اور میری تعلیم پر خرچ شدہ ایک ایک پائی میں چھپی آپ کی محبت آپ کے خلوص کا اثر ہے سب۔ آپ کا بیٹا اب سے اے ایس آئی منصب علی کہلائے گا"۔ اس نے مسکرا کر ہاجرہ بی بی کو دیکھتے محبت سے آنکھیں میچیں۔

"پولیس انسپکٹر لگا ہوں"۔ اس نے دادی کی سہولت کے لیے وضاحت کی، اور وہ تو تب سے منہ کھولے بے یقینی سے منصب کو دیکھ رہی تھیں۔

"سچ کہتے ہو منصب! افسر۔" وہ حیرت سے دہرانے لگیں اور منصب نے میز سے مٹھائی کا ڈبا اٹھا کر دادی کی جانب بڑھایا۔

"بالکل سچ، اور اس خوشی میں آج آپ خود بھی جی کھول کے میٹھا کھائیں گی اور میرا منہ بھی میٹھا کروائیں گی"

"جیتا رہ بچے۔ میری زندگی کی آخری خواہش پوری ہوئی ہے، اب تو خوشی سے مرنا بھی قبول ہے"۔ وہ آنکھوں میں نمی لیے ابھی تک اُس خوش خبری کے زیرِ اثر تھیں۔

"آخری کیوں"۔ منصب نے منہ پھلایا "مطلب میرے وہ سہرے شہرے اور پوتوں کو کھلانا وغیرہ۔ یعنی کہ ایسے کچھ ارمان ہی نہیں پالے، دادی ہو کر ایسی لاپرواہی۔ ہوں؟" منصب نے چمکتی آنکھوں میں بھرپور شرارت لیے دادی کو دیکھا۔

"ارے۔ وہ تو ہے ہی"۔ وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑیں۔ "اللہ پاک مجھے اتنی مہلت ضرور عنایت کر دے کہ میں اپنے بچے کی ہر خوشی دیکھ کر جاؤں۔"

"یہ خوشی بھی آپ کی بدولت ہے دادی" منصب کا لہجہ کچھ سنجیدہ سا ہوا" آپ نے میرے لیے اتنا کچھ کیا اگر آپ کا ساتھ۔"

"میں نے کچھ نہیں کیا منصب!" انہوں نے اس کی بات کو بیچ میں روکتے محبت سے اس کا ہاتھ دبایا" افسری کا تعلق تو تمہاری لیاقت سے ہے بچے۔ تم اتنے لائق فائق نہ ہوتے تو میرا اتنا ترددو بھی بھلا کس کام کا تھا۔ یہی اپنے گھر میں ہی دیکھ لو۔ اِدھر کیا کم

دولت لٹائی ہوگی"۔ انہوں نے بھی ابرو اُسی جانب اٹھایا جہاں منصب نے اشارہ کیا تھا۔ وہ بھی سر جھٹک کر ہنس دیا۔

"چلتا ہوں دادی! رمشہ اکیلی ہے گھر پہ"۔

"اچھا۔ ہاں وہ تم کہاں جانے کی بات کر رہے تھے"۔ ہاجرہ بی بی کو یاد آیا کہ بات تو منصب کے کہیں جانے سے شروع ہوئی تھی۔

"جاب لگی ہے نا دادی! کہیں نہ کہیں تو پوسٹنگ کے آرڈرز آئیں گے۔ اس لیے کہا۔"

"تو یہیں نہیں رہ سکتے۔ یہ کیسی جاب ہے۔"

وہ ایک دم ہی اداس ہوگئی تھیں۔

"نئی جاب میں پہلے پہل دوری تو جھیلنا ہی پڑتی ہے"۔

"تو رمشہ۔ اسے میمونہ کی طرف یا"

"نہیں دادی، رمشہ کو خود سے الگ نہیں کرسکتا، پھر اپنی ذاتی رہائش ملے گی، اس لیے کوئی پریشانی والی بات نہیں۔"

"اچھا، چلو۔ ماشاء اللہ"۔ ان کا چہرا رہائش کے ذکر سے کھل اُٹھا۔ منصب کو ان کی خوشی دیکھ کر دلی سکون حاصل ہوا۔ کون کہتا ہے کہ رشتے صرف خون کے ہوتے ہیں۔ وہ "دادی" کہلواتے بھی دراصل اس کی کچھ نہ تھیں لیکن شاید سب کچھ تھیں۔

"جی دادی! جہاں بھی رہا اپنا گھر ملے گا۔ اس لیے رمشہ میرے ساتھ رہے گی۔ اور گھر نہ بھی ملتا تو میں رمشہ کی خاطر کرائے کا مکان لے لیتا لیکن اسے خود سے کبھی الگ نہیں کرسکتا"۔

"تم سے یہی امید ہے ہمیشہ، خوش رہو، اور ہاں رمشہ سے کہنا میرے بیٹے کا خیال رکھے اسے اچھے اچھے کھانے بنا کر کھلائے"۔

"بس۔ یہی۔؟" منصب نے شرارت سے دادی کو دیکھا تو انہوں نے سوچنے میں بس چند لمحے لیے پھر ہنس پڑیں۔

"نہیں۔ بلکہ اپنے لیے ایک پیاری سی بھابی بھی دیکھے۔" خوش۔"

"ہوں"۔ اس نے دادی کا ہاتھ تھاما "میں تو آپ کو خوش کرنے کے لیے کہہ رہا تھا، ورنہ آپ جانتی ہیں، میرے لیے رمشہ کی کسی اچھی جگہ شادی میری پہلی ترجیح ہے۔ آپ اس کے لیے بہت دعا کیا کریں دادی!"

"میری دعائیں ہر دم تم دونوں کے لیے ہیں۔ سدا خوش رہو"۔

"چلتا ہوں دادی! جانے سے پہلے پھر آؤں گا۔ آپ کی ڈھیر ساری دعائیں لینے۔"

"جیتے رہو" انہوں نے منصب کے سر پر ہاتھ پھیرا اور وہ اجازت لیتے باہر نکل آیا۔ دل ہی دل میں شکر ادا کرتے کہ کسی ناپسندیدہ شخصیت سے سامنا نہیں ہو پایا تھا لیکن یہ بھی اس کی خام خیالی ثابت ہوئی کیونکہ گیٹ سے نکلتے ہی، پہلا سامنا ارحم خان سے ہوگیا۔ بائیک پر کہیں سے واپس آتے وہ شاید اپنی بائیک پچھلے صحن میں کھڑی کرنے کے لیے آیا تھا۔ نظروں کا سرسری تبادلہ ہونے پر منصب نے رُک کر مصافحہ کیا۔ اس کے بابا جب تک حیات تھے حویلی کے منشی رہے تھے، اس حساب سے ارحم خان کا رویہ ہمیشہ سے مالکانہ انداز لیے رہتا۔ اگرچہ دادی منصب کو بارہا سمجھا چکی تھیں کہ وہ خود کو حویلی کا خادم کبھی نہ سمجھے، "آخر اتنا پڑھایا لکھایا کس لیے ہے تمہیں؟ وہ شکوہ کرنے کے انداز میں کہتیں اور منصب اپنا جوابی جملہ ان کی محبت دیکھتے اپنے دل میں رکھ لیتا کیونکہ دادی نے پہلی جماعت سے اب تک اس کی تعلیم پر ہونے والے سب ہی اخراجات اٹھائے تھے حتیٰ کہ اس کے یونی فارم جوتے، بیگ وغیرہ کے معاملے میں بھی کبھی کوتاہی نہیں برتی وہ اس کے بابا سے کہتیں کہ منصب میں اپنے ظاہری حلیے کی بنا پر بھی احساس کمتری نہیں آنا چاہیے۔ منصب ان سب اخراجات کو دادی کا تحفہ نہیں بلکہ حویلی کا احسان سمجھ کر وصول کرتا رہا۔ ایک دن اسے یہ احسان چکانا تھا چاہے جیسے بھی ہو۔

☆☆☆

”السلام علیکم رضوانہ آپی۔“

”وعلیکم السلام۔ آؤ بھئی ندرت! تمہاری ہی راہ دیکھ رہی تھی۔ اچھا یہ دیکھو“۔ کیلنڈر سامنے میز پر پھیلاتے انہوں نے پنسل ہاتھ میں لی ”مجھے تو اکتوبر کا آخری ہفتہ ہی ٹھیک لگ رہا ہے۔ پھر اتوار کو ولیمہ۔“

ندرت نے بغور کیلنڈر کو جانچا ”بھیا کی فلائٹ بائیس اکتوبر کی ہے۔ اور آج سات اکتوبر۔ کیوں باجی! تیاری مکمل تو ہو جائے گی نا، اگر ستائیس سے تیس تک کے درمیان کی ڈیٹس رکھیں؟“

”ارے سب کچھ تیار ملتا ہے آج کل۔ کون سی لمبی چوڑی تیاری کرنی ہے۔ پھر کوئی کمی بیشی رہ بھی گئی تو ایک دیوار ہے اپنی، بعد میں بھی کر لیں گے“

”صحیح کہتی ہیں۔ بس مومن سے کہتی ہوں روم کی ڈیکور جلد از جلد اسٹارٹ کروا لے۔ اور۔“ ندرت نے سر اٹھا کر ادھر اُدھر دیکھا ”لڑکیاں کہاں گئیں سب؟ کوئی دکھائی نہیں دے رہا۔“

”ملیحا تو کالج گئی ہے۔ وسیلہ اور تحریم کو درزن کے ہاں بھیجا ہے، جو کپڑے خرید چکی ہیں، میں نے کہا ان کو تو سلنے دے آؤ۔ ایک بار درزی وقت پر چیز دے دے، بس بوجھ ہی اتر جاتا ہے۔“

”ہاں، مجھے بھی تحریم کو ساتھ لے جانا ہے، اپنی پسند سے بری خرید لیتی۔“

”اگلی اتوار کا پروگرام بنایا تھا نا“

”نہیں آپی، میں سوچ رہی ہوں، کپڑوں کے لیے کل یا پرسوں ایک چکر مینگورہ کا لگا آتے، پھر وہی بات کہ سلنے بھی تو دینے ہیں اور کپڑے پسند کرنا کتنا وقت لیتا ہے، پھر ایک ہی دن میں کپڑے فرنیچر کرا کری۔ مشکل ہو جائے گی۔“

”ہاں ویسے بات تو ٹھیک ہے“۔

”اور مومن کا ٹیلر بھی ادھر مینگورہ میں ہے۔ میں سوچ رہی ہوں پرسوں صبح کپڑوں کے لیے الگ سے چلے جاتے ہیں۔“

”اچھا، تو پھر تم اور تحریم ہی چلے جاؤ، اُسی نے پسند کرنے ہیں، مجھ سے بار بار نہیں جایا جاتا“

”ٹھیک ہے، میں مومن سے کہتی ہوں، تحریم آئے تو اسے میرے پاس بھیج دیں۔“ ندرت ذہن میں دو دن بعد کا پروگرام ترتیب دیتی اُٹھ کھڑی ہوئیں

☆☆☆

”تیار ہو گئے مومن!“ ندرت نے کمرے میں جھانکا تو وہ ابھی تک رائیٹنگ ٹیبل پر جھکا کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔

”کیا کر رہے ہو مومن! تحریم تیار ہو کر آ گئی۔“

”کیا مصیبت ہے۔ کوئی کام ڈھنگ سے نہیں کرنے دیا جاتا۔“ مومن نے سخت بدمزگی سے منہ بسورا ”اتنی کیا جلدی ہے؟“

”کیا بات ہے تمہاری۔“ ندرت اب آگے بڑھ کر خود ہی اس کے سامنے سے کتابیں سمیٹنے لگی تھیں۔ ”پہلے تو خود ہی ڈنر سے منع کر دیا۔ اور اب وہ بے چاری چار بجے کے لیے مان گئی ہے تو کہتے ہو جلدی کس بات کی ہے۔ چلو اٹھو تیار ہو جاؤ۔“

”بس اب تیار کیا ہونا، ایسے ہی ٹھیک ہوں“۔ مومن نے اسی بگڑے موڈ کے ساتھ کار کی چابی اٹھا کر باہر کا رخ کیا۔

”کیا لڑکا ہے۔؟“ وہ بس حیرت سے اپنے نواب زادے کو دیکھ کر رہ گئیں پتا نہیں نبھے گی کیسے ان کی۔ ایک وہ ہے تحریم جمال۔

شوخی، شرارت، ہنسی مذاق، گھومنا پھرنا، سوائے اس کے لائف کا دوسرا مطلب ہی کوئی نہیں۔ اور دل دیکھو بے چاری کس سے لگا بیٹھی۔“ وہ ہنس کر اپنے سپوت کی بے زاری دیکھے گئیں۔ شادی وہ تحریم سے ہی کرنے والا تھا۔ اس معاملے میں بھی ندرت نے اس کی طرف سے کوئی اعتراض آتا نہیں دیکھا تھا۔ ہاں البتہ عادات کی تفاوت ضرور تھی۔ ڈیٹ فکس ہوتے ہی تحریم نے رٹ لگا دی تھی ٹریٹ کی۔ وہ بھی اکیلے، بس وہ اور مومن۔ بقول اس کھسکی ہوئی کے، منگنی شدہ زندگی کا آخری ڈنر وہ مومن کی سنگت میں اکیلے کرنا چاہتی ہے۔ اور مومن عظیم خان، ڈنر کا نام سنتے ہی اکھڑ گیا۔

''اتنی ٹھنڈ ہے، میں نہیں جا رہا رات وات کو کہیں۔''

''اچھا ٹھیک ہے، لیکن اس طرح دل نہ توڑو ریم کا۔'' ندرت بوکھلا گئیں اور مومن بھی فوراً ڈھیلا پڑ گیا۔ ماں کی محبت ان کی کمزوری اسے کبھی سخت نہ بننے دیتی۔ تحریم کی خوش قسمتی تھی کہ وہ میکے سے اٹھ کر میکے ہی آنے والی تھی۔

''اوکے، میں سیکنڈ ٹائم کہیں چار پانچ کے قریب سہی کہیں آؤٹنگ کے لیے لے جاؤں گا اسے۔''

''ٹھیک ہے، میں ـــ کہہ دیتی ہوں۔'' ندرت ـــ کے لیے تحریم کو منانا آسان تھا۔ عظیم خان زادہ ماں بیٹے کی باتیں سن کر مسکراتے ہی رہے۔

''منا لیا ماں کو۔؟'' انہوں نے اٹک اٹک کر آہستہ آواز میں پوچھا۔ چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ بھی تھی۔ فالج کے حملے نے یوں تو انہیں بالکل خاموش کر دیا تھا لیکن کبھی کبھار وہ مشکل سے سہی لیکن اپنی بات کہہ ہی دیا کرتے۔

''یوں کہیں منوالیا ماں نے''۔ مومن نے جملے کی تصحیح کی، تو وہ ہنس دیے۔ مومن نے اپنی رائے بنا کسی لگی لپٹی کے ظاہر کر دی تھی۔ وہ اولاد تھا ان کی، جانتے تھے ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہے اور سنجیدگی کے اس خول کے اندر بھی ایسا ہی مومن چھپا تھا۔

☆☆☆

''آؤ، آؤ بسم اللہ، کیسا ہے میرا منصب بیٹا''۔ دادی آج اسے اپنے کمرے تک لے آئی تھیں۔ ایسا وہ اس وقت کرتیں جب ان کی بہو شہناز گھر پر نہ ہوتیں، دادی کا پرسکون رویہ بتاتا تھا کہ ذہنی طور پر آج وہ مطمئن ہیں۔

''میں ٹھیک ہوں دادی! آپ کی دعائیں ہیں۔''

''میمونہ اور رمشہ کیسی ہیں؟''

''دونوں ٹھیک ہیں دادی، میمونہ تو اداس ہے ہمارے جانے سے، کیونکہ دوری کافی آجائے گی، رمشہ بہت خوش ہے۔''

تو۔ آگئے کاغذ۔ وہ تمہارے جانے والے؟ دادی نے مدعا سمجھایا۔

''جی دادی، میانوالی کا آرڈر آیا ہے۔''

''میانوالی'' دادی نے مسکرا کر دہرایا۔ ''موسم تو خوب ٹھنڈا ہوگا اُدھر، اور جگہ بھی اتنی پیاری، رمشہ واقعی بڑی خوش ہوگی اُدھر جا کر''

''جی دادی بہت خوش ہے۔''

''کب جانا ہے منصب؟''

''اتوار کی صبح نکلیں گے، کوارٹر ملا ہے رہنے کے لیے۔ اتوار کا دن سامان سیٹ کرنے میں لگے گا۔ پیر سے ڈیوٹی ہے ان شاء اللہ!''

''اچھا، اچھا، اللہ پاک ہر قدم پر تمہاری حفاظت فرمائے، ملنے تو آؤ گے نا؟''

''جی دادی، تھانہ تو وطن ہے میرا، پھر میمونہ بھی تو یہیں ہے۔ مکان کرائے کا تھا، وہ تو اب نہیں رہا لیکن اب جاب ہوگئی ہے تو یہاں ان شاء اللہ اپنا ایک چھوٹا موٹا زمین کا ٹکڑا خریدوں گا۔''

''ہاں میرا بیٹا، اللہ پاک تمہیں اپنا مکان دے۔ بہنوں کا میکہ ہنستا بستا رہے تو وہ بڑا سکون محسوس کرتی ہیں۔''

''جی دادی، آپ بس دعا کرتی رہیے گا۔ اور میں جب بھی تھانہ آیا، آپ سے ملنے ضرور آؤں گا۔''

''تمہاری تو میں ہر وقت راہ دیکھوں گی، پر تم میمونہ سے بھی کہہ دینا کہ یہاں اب خود کو اکیلی نہ سمجھے، جب بھی دل کرے کہنا دادی سے ملنے چلی آیا کرنا۔''

''جی دادی میں کہہ دوں گا۔'' منصب نے مسکرا کر اجازت چاہی اور باہر نکل آیا۔ آج چونکہ وہ سامنے کے دروازے سے آیا تھا تو نکلا بھی اسی راستے سے تھا۔ گھر میں آج واقعی کوئی دکھائی نہ دیتا تھا۔ خمارہ بی بی بھی اسے چھوڑ کے جانے کے بعد دوبارہ دکھائی نہیں دی۔ وہ صحن سے گزر رہا تھا جب ایک سیاہ ہیولا بگولے سا اس کے سامنے سے گزرا، وہ بوکھلا کر اپنی جگہ رُکا اور سمجھنے کی کوشش کی۔ آندھی طوفان جیسی تیزی سے گزرتی وہ چیز برآمدے میں جا کر رک گئی تھی۔ منصب نے جب اس سمت میں دیکھا تو وہ

دھیرے دھیرے پلٹ رہی تھی اور پھر کالی چادر میں سے اس کا سفید سرد چہرہ اور بھوری ایک دم سپاٹ ،بے تاثر آنکھیں منصب پر جم گئیں۔ جبکہ اُدھر برسوں بعد کسی کو پہچان لینے پر منصب بھی اپنی جگہ جم چکا تھا۔

وہ تو وچ تھی۔ اس کے بچپن کی سب سے بھیانک اور ڈراؤنی یاد۔ وہ گردن پھیرے ابھی تک اسے چبھتی ہوئی آنکھوں سے دیکھے جا رہی تھی۔ منصب کو لگا ابھی اس کی آنکھیں بھوری سے نیلی اور پھر لائٹیں مارتی سفیدی میں تبدیل ہو جائیں گی اور وہ وہیں کھڑے کھڑے بازو بڑھا کر اس کی گردن دبوچ لے گی۔ یہ بچپن کے وہ وہم تھے جو اُس وقت بالکل سچ اور حقیقت لگا کرتے تھے۔

''گلے۔ اے گلے بی بی۔ اندر آ جاؤ، خانم بلاتی ہے'' خمارہ بی بی آواز دیتی اُس جانب کو بڑھی اور منصب ایک دم جیسے ہوش میں آتے تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔

اوہ... ! درخت کا سہارا لیتے ہوئے اس نے اپنی گہری گہری سانسوں کو رُک کر درست کیا۔

''وچ !'' یہ نام بہت بچپن میں میمونہ، رمشہ اور منصب نے ہی دیا تھا۔ ان کا پرانا گھر حویلی کے بالکل قریب تھا۔ منصب کے بابا نوریز، کمال خان اور جمال خان کے منشی تھے۔ سارا دن ڈیرے پر رہتے۔ ماں گھر پر ہوتیں اور وہ تینوں بھائی بہن بڑی حویلی میں کھیلنے اور یہاں کے پراسرار در و دیوار اور راستوں کو کھوج لینے کی چاہ میں گھومتے رہتے۔ منصب نے جب پہلی بار اسے بالکل تنہائی میں عین اپنے مقابل پایا تو اس کی یادداشت میں وہ چھ سات سال کی عمر بنی تھی۔ بگولے سی اڑتی وہ کالی چیز چھپن چھپائی کھیلتے ایک دم اچانک اس سے آٹکرائی تھی۔ تب سرپٹ باہر کی طرف بھاگتے وہ ''وچ، وچ'' چلا رہا تھا۔ میمونہ اور رمشہ کے لیے چھوٹے بھائی کا چلانا ہمیشہ ہی برداشت سے باہر رہا تھا، وہ دونوں بھاگ کر اس سے لپٹی تھیں۔

''کیا ہوا مانی، کس نے مارا؟'' دس سالہ میمونہ نے بھائی کو گود میں ہی اٹھا لیا۔

''اُدھر وچ ہے۔'' وہ گھبرائی نظروں سے مڑ مڑ کر دیکھتے جب بہن کو بتا رہا تھا تو آنکھیں آنسوؤں سے بھری گئیں۔''

''وچ۔؟'' وہ پریشانی سے رمشہ کو دیکھ رہی تھی جب برآمدے کے کونے میں ستون کے پیچھے سے اس نے ذرا سا سر نکال کر ان تینوں کو دیکھا۔ کالی چادر سے جھانکتا، ڈرانے کی حد تک سفید چہرا اور بھوری چمکتی آنکھیں۔

''پ۔ پپ...... پگلی۔ آپی بھاگو''۔ رمشہ نے میمونہ کو بازو سے کھینچا، اور وہ منصب کو اٹھائے کچھ یوں بھاگ کھڑی ہوئی کہ چپلیں بھی وہیں رہ گئیں۔ اور گھر واپس آکر اماں کو بتاتے ہوئے ان سب کا رویہ یہی بتا تا تھا کہ وہ سب اس پگلی سے پہلے سے واقف ہیں البتہ اس واقعے کے بعد میمونہ اور رمشہ بھی منصب کی دیکھا دیکھی اسے ''وچ'' کہنے لگیں۔ منصب نے حویلی میں کھیلنا کم کر دیا تھا۔ وچ اسے خوابوں میں بھی ڈرانے لگی تھی۔ وہ اکثر روتے روتے اٹھ کر بیٹھ جاتا لیکن بنا آنکھیں کھولے بس روئے ہی جاتا۔ اماں تنگ آکر اسے تھپڑ لگاتیں تا کہ وہ اپنی آنکھیں کھول کر اردگرد دیکھے اور اپنے ڈراؤنے خواب کے اثر سے باہر نکل سکے۔

آنے والے وقت میں جوں جوں وہ بڑا ہوتا گیا، اس کے اندر بس ایک ہی خواہش جاگا کرتی کہ کاش وہ وچ اسے دوسری عورتوں کی طرح بالکل نارمل چلتے میں دکھائی دے تا کہ اس کے ڈر خوف بھی ختم ہو جائیں۔ اسے حویلی میں کھیلنے کودنے سے زیادہ اپنے ڈراؤنے خوابوں کی طرف سے فکریں لاحق تھیں جو دن بہ دن بڑھتے ہی جا رہے تھے۔ لیکن اس کی یہ خواہش کبھی پوری نہ ہو سکی، بڑا ہونے تک جب اور جتنی مرتبہ بھی وچ دکھائی دی، پہلے سے زیادہ پراسرار اور خوفزدہ کرنے والی۔ البتہ گزرتے وقت کے ساتھ وچ کے وچ بننے کا قصہ اسے ضرور ازبر ہو گیا۔

اس کی درد بھری کہانی میں جو چیز منصب کو سب سے زیادہ پریشان کرتی وہ یہ بھی کہ تہہ خانے کی تنہا اکیلی زندگی جو دچ نے اپنے لیے خود پسند کی تھی، اس میں سے مہینے ڈیڑھ بعد وہ اچانک ایک دن کچھ یوں فرار ہوتی کہ نہ کسی کو پتا چلنے دیتی اور نہ کسی کے ہاتھ آتی۔ اس بے اختیار اندر سے امڈتی آزادی سے لطف اٹھاتے وہ بے تابانہ حویلی میں بھاگتی پھرتی۔ نجانے اس کی رفتار اتنی تیز کیسے ہوتی، وہ آندھی طوفان کی طرح حویلی کا کونا کونا چھانتی، اسی دن کے خوف سے منصب کی نیندیں حرام رہتیں۔ اب وہ پہلے کی طرح بھی حویلی میں آزادی سے کھیل نہ پاتا۔ ہر لمحہ اسے سیاہ بگولے کے کہیں آس پاس ہونے کا وہم ستاتا رہتا۔ حتیٰ کہ وقت بیت گیا اور زندگی نے بچپن کو کہیں بہت پیچھے چھوڑ دیا۔

☆☆☆

''مومن! ہم شادی کے بعد روز یہاں آیا کریں گے۔'' تحریم کی آنکھوں میں اس سرسبز چراگاہ کی خاموشی اس کی وسعت کو مومن کی موجودگی سمیت محسوس کرتا اندر تک سرشار کر رہا تھا۔

''روز ہی۔؟؟'' مومن نے آنکھیں پھیلا کر غش کھانے کی ایکٹنگ کی تو وہ بھی ہنس دی۔

''پتا ہے مجھے۔ کتنے کنجوس ہیں کہیں آنے جانے کے معاملے میں۔''

''ارے یار، کام والے بندے کے لیے سکون کا دوسرا نام ''گھر'' ہے، تم عورتوں کو پتا نہیں باہر نکلنے میں کیا چارم نظر آتا ہے۔''

''ڈرائیونگ سے چڑتے ہیں نا۔ تو ٹھیک ہے میں خود سیکھ لوں گی ڈرائیونگ۔''

''قسم سے ریم! اگر یہ کر لو نا تو کمال مانوں گا تمہارا۔ وسیلہ کو نہیں دیکھتیں۔ کتنے کم وقت میں لائسنس ہولڈر ہو گئی۔ تم بڑی ہو اس سے، تمہارے پاس تو پہلے ہونا چاہیے تھا۔''

''اللہ رے۔ مجھ سے کام نکلوانے کے لیے کیسے زبان چل رہی ہے۔ ابھی میری تعریف کی بات ہوتی تو گونگے بہرے بن جاتے۔''

''اندھے بھی۔'' وہ خوش گوار موڈ میں ہنس پڑا۔ ریم نے منہ بنا کر دیکھا۔

''شادی کے بعد بھی یہی کریں گے، مجھے پتا ہے۔''

''بھئی اب اپنے اپنے مزاج کی بات ہے، بیویاں آخر یہ کیوں چاہتی ہیں کہ پورے کا پورا شوہر ہی اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیں۔''

''تو کیا شوہر ایسا نہیں چاہتے؟''

''اوروں کا تو نہیں پتا، لیکن میں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ تمہیں تھوڑا سا'' ۔ اس نے رک کر بغور تحریم کو دیکھتے کان کھجایا۔ ''نہیں، بہت سارا بدل دوں لیکن۔ یہ میرے بس کی بات نہیں۔'' وہ اسے چڑا رہا تھا تحریم نے پاؤچ اس کے کندھے پہ مارا۔

''میں نہیں بدلنے والی، ایسے ہی گزارا کریں۔''

''گزارا ہی تو کرنا ہے۔'' وہ نہایت دھیرے سے منمنایا، تحریم نے سوالیہ ابرو اچکائے تو مسکرا کر سرنفی میں ہلا دیا۔

''پتا نہیں کیا بڑبڑا رہے ہیں۔ ۔ چلیے شام ہونے والی ہے۔ یہاں بور ہونے سے اچھا ہے بندہ ٹی وی پر کوئی مزاحیہ سوپ دیکھ لے۔'' وہ بے چاری اکتا کر خود ہی جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ مومن نے پچھلے ایک گھنٹے میں چپ بیٹھ کر سخت بور کیا تھا۔ وہ تو گھر سے نکل کر ہی پچھتائی۔ مومن نے البتہ دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر شکر ادا کیا تھا۔ اچھا بھلا اپنے کمرے کی تنہائی میں بیٹھا آفس کا کام مکمل کر رہا تھا۔ یہاں وقت ضائع جانے کا اسے پہلے ہی سخت افسوس تھا۔ واپسی کی بات پر ایک گونہ سکون محسوس کیا۔ جبکہ تحریم نے دل میں تہیہ کیا کہ شادی کے بعد بھی کبھی مومن کے ساتھ اکیلے باہر نہیں آئے گی۔ گھومنے پھرنے کا مزا تو اپنے پورے ٹولے کے ساتھ ہی آتا تھا۔

☆☆☆

سہ پہر کچھ گہری گہری سی تھی۔ شمالی سمت کی

ہواؤں نے کالے بادلوں کو یک لخت جمع کیا۔ کلینک کی کھڑکی چونکہ جنوب کی طرف کھلتی تھی تو اسے اندر بیٹھے موسم کی تبدیل ہوتی شکل کی خبر نہیں ہو سکی تھی۔

فرید بابا کار لے کر آچکے تھے۔ تانیہ حجاب درست کرتی بابا کو سلام کر کے کار میں بیٹھ گئی۔ کار روانہ ہوئی اور وہ پل پل بدلتے موسم کو دلچسپی سے دیکھنے لگی۔

آج اس کا موڈ بہت خوش گوار تھا۔ امی کہتی تھیں، "تم نے بھی کیسا پیشہ چنا ہے تو، ایک طرف عام ہسپتال اور کلینک ہیں، مریضوں کی لائنیں ختم ہونے کا نام نہیں لیتیں، ایک تمہارا کلینک ہے، کسی دن کوئی بھولا بھٹکا مریض آجائے تو ہر نماز میں الگ سے شکر ادا کرتی ہوں۔"

"وہ اس لیے زیبا معصوم مورے، کہ ذہنی امراض کو ہماری طرف کوئی بھی توجہ کے قابل سمجھنے کو تیار نہیں، اور اگر کسی کو ایسے کسی خلل کا شبہ ہو تو وہ بجائے اس کا علاج کرنے کے اُسے دنیا سے چھپانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔"

"تو جہاں ایسے حالات ہیں، وہاں کیا ضرورت ہے نفسیاتی معالج بننے کی۔"

"وہ اس لیے کہ ایسی سوچ اکثر لوگوں کی تو ہے سب کی نہیں ہے۔ تو وہ قلیل تعداد بے چاری کیا کرے جو نہ صرف اس طریقہ علاج کو سنجیدگی سے لیتی ہے بلکہ اپنے اردگرد اس کی عدم موجودگی سے باقاعدہ متاثر ہوتی ہے۔ ویسے بھی ہر کام بزنس پوائنٹ آف ویو سے نہیں کیا جاتا۔" آخر میں وہ ہلکا سا مسکرائی۔

"ہاں، کچھ کام خدمت خلق کے لیے بھی کیے جاتے ہیں۔ اور سرفراز خان کا گھرانہ تو بنا ہی اسی لیے ہے۔" وہ جل بھن کر جملہ مکمل کرتی اٹھ کر چلی جاتیں اور تانیہ مسکرا کر رہ جاتی۔ مینگورہ میں اپنا کلینک شروع کیے اسے اب سات ماہ ہو چکے تھے۔ گھر سیدو شریف میں تھا اور کلینک سے گھر کی مسافت بس بیس منٹ کا کار کا سفر۔ وہ پیشے سے ماہر نفسیات تھی۔ جی جان سے لوگوں کی ذہنی الجھنوں اور پریشانیوں کی گرہیں کھولنا چاہتی تھی لیکن عملی پریکٹس نے بتایا کہ لوگ کس طرح کی، ذہنی الجھنوں سے اندر ہی اندر کڑھتے اپنی صحت کو وقت سے پہلے برباد تو کر بیٹھتے ہیں لیکن اپنی الجھنوں کا کسی ماہر سے حل نکلوانے کے لیے قطعاً سنجیدہ نہیں ہوتے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ہماری اکثر جسمانی پریشانیوں کے پیچھے بھی ہماری کوئی نہ کوئی ذہنی پریشانی کارفرما ہوتی ہے لیکن ہم آخری دم، ایک یہی بات ماننے کو تیار نہیں ہوتے اور باقی بچی زندگی جسمانی بیماریوں سے لڑتے گزارتے چلے جاتے ہیں۔

شروع شروع میں تانیہ پر بھی مایوسی کا بہت غلبہ رہتا تھا، جب سارا سارا دن کلینک میں گزار لینے کے باوجود بھی کوئی مریض ادھر نہ جھانکتا۔ مہینے بھر کی ایسی سچویشن کے بعد تو شدید ذہنی دباؤ کے باعث اسے خود اپنے علاج کی فکر ستانے لگی۔ اس کی تعلیم پر خرچ، بابا کا سارا روپیہ پیسہ ضائع ہوتا دکھائی دیا تو فکر ستانا برحق تھا۔ لیکن قدرت نے اس میں ایک اچھی عادت ضرور ودیعت کی تھی کہ وہ پریشانی میں بجائے گھبرا کر ہاتھ پاؤں چھوڑنے کے خود کو اور زیادہ مضبوط تصور کرتی۔ باوجود تمام تر مایوسی کے اس کا دل کہتا کہ یہ سب کچھ یقیناً کسی اچھے کے لیے ہوا ہے۔ اور آج اس کا خوش گوار موڈ یونہی نہیں تھا۔

پہلے مہینے کی صفر کارکردگی کے بعد آنے والے چار ماہ کے دوران روزانہ کے حساب سے بھی ایک کبھی دو تو کبھی تین مریض بھی آنے لگے۔ جس دن تین مریض آتے اس سمیت امی اور بابا کا دن بھی اچھا گزرتا۔ یہ روٹین اب چھ ماہ سے اسی طرح چل رہی تھی، پر آج ایک ساتھ چھ مریض اس کے پاس علاج کے لیے آئے۔ تانیہ کے لیے مریضوں کی کمائی مسئلہ نہیں تھی، اس کے بابا، خوش حال زمین دار تھے اور وہ ان کی اکلوتی اولاد۔ معاشی مسائل نے کبھی سر ہی نہیں ابھارا۔ اسے خوشی لوگوں کی اپروچ پر ہوئی، ان میں پیدا ہوتے شعور پر وہ سکون محسوس کرتی۔ آج اسے امی کو تین نئی کہانیاں سنانی تھیں۔ تین مریض وہ

تھے جو اس سے پہلے سے کونسلنگ لے رہے تھے، تین نئے مریضوں کی آمد کے ساتھ اس کے پاس کل چھ پیشنٹ ہو گئے۔ سات ماہ کے دوران یہ پہلی مرتبہ ہوا تھا۔ صبر کے نتائج ہمیشہ ہی مثبت نکلتے ہیں۔ یہ اس کا یقین تھا اور آج ثابت بھی ہو گیا تھا۔ مستقبل سے اب بہت اچھی امیدیں تھیں۔

☆☆☆

"کیا سوچ رہے ہو منصب؟" رمشہ نے باہر کے منظر سے نظریں ہٹا کر بھائی کو دیکھا۔ وہ منصب سے ایک ہی برس بڑی تھی، تب ہی دونوں ایک دوسرے کو ناموں سے بلاتے تھے۔

"سوچ رہا ہوں "سفر" کا لفظ بھی کتنا عجیب ہے۔ بنا کسی ہیر پھیر کے اپنے مطلب و معنی میں تو بس ایک ہی۔ پر ہر سفر بھی اپنے مقصد تو کبھی اپنی منزل کی بدولت کتنے الگ حالات پر مبنی ہوتا ہے۔ ہماری زندگی میں کچھ سفر چھوٹے ہوتے ہیں کچھ بڑے، کچھ اہم، کچھ بالکل بے مقصد اور غیر اہم، کچھ خوش کن، کچھ بے زار کن، حتیٰ کہ تم، سوچو۔ بظاہر ایک ہی جگہ رکی اور ٹھہری ہوئی زندگی گزارنے والے بھی زندگی کا سفر" تو لگاتار گزارے ہی جا رہے ہیں۔"

"یعنی، ایک جیتے جاگتے انسان کی زندگی سفر سے خالی نہیں۔" رمشہ نے سر ہلایا۔

"ہاں، اور ہم دونوں بھی اس وقت اپنی زندگی کے ایک بہت اہم سفر کی طرف رواں دواں ہیں۔ ہے نا؟" منصب نے تائید چاہی۔

"ہاں"۔ رمشہ نے ایک آہ کھینچی "یہی بات میں سوچ رہی تھی۔ کہ ہماری زندگی بھی کتنی الگ ہونے جا رہی ہے۔"

"یوں کہو کہ کیا سے کیا ہونے جا رہی ہے۔" منصب نے مسکرا کر سر جھٹکا۔

"مجھے واقعی یقین نہیں ہو رہا منصب، یوں جیسے کسی کی غربت زدہ زندگی اچانک چراغ رگڑنے سے امارت میں تبدیل ہو جائے۔ بلکہ" وہ کہتے کہتے رکی "یہ کہنا بے جا ہوگا کہ چراغ رگڑنے سے، کیونکہ وہ بھی شارٹ کٹ ہے، ہاتھ پیر ہلانے کی محنت کے بغیر، جبکہ ہمارے حالات بدلنے میں تمہاری برسوں کی محنت شامل ہے۔ آج میں جیپ میں سفر کر رہی ہوں، میرے بھائی کی سرکاری جیپ، تو اپنا آپ ہواؤں میں اڑتا محسوس ہو رہا ہے۔"

"دادی کو دعا دو رمشہ! انہوں نے میرے لیے اتنا کچھ کیا۔ اور میں سوچتا ہوں آخر کیوں کیا۔ میں ان کی بے غرض محبت کا ہر پل خود کو مقروض سمجھتا ہوں۔"

"تم سے محبت کرتی ہیں منصب، تمہیں ہمیشہ اپنا بیٹا کہا ہے۔ خلوص اور محبت کا بھی قرض ہوتا ہے کیا۔"

"کیوں نہیں ہوتا، خلوص اور محبت کی قدر کرنا، اسے یاد رکھنا اور اس اچھائی کا ادنیٰ سا صلہ دینے کی کوشش تو انسانیت اور اخلاقیات میں آتا ہے۔"

"منصب! ہم دادی کو اپنے پاس نہیں بلا سکتے۔؟" رمشہ کی خواہش میں ہی مایوسی دبی تھی، منصب نے لب بھینچے۔

"اس روز آخری بار دادی سے ملنے گیا تو اندر سے بار بار یہی خواہش سر اٹھاتی کہ دادی سے کہوں، کیا آپ میرے پاس میانڈم آ کر رہ سکتی ہیں۔ لیکن تم جانتی ہو، ان کے پاس میرے سوال کا کوئی جواب نہ ہوتا۔"

"کاش وہ ہمارے پاس آ سکتیں منصب! کچھ تو ہمیں بھی ان کی خدمت کا موقع ملتا۔"

"اور یقین کرو رمشہ! وہ تو سن کر ہی خوش ہو جاتیں۔ جیسی زندگی وہ ادھر گزار رہی ہیں، اس کے مقابلے میں میرے گھر کی فضا میں وہ کئی گنا زیادہ آزادی اور سکون محسوس کر سکتی ہیں۔"

"ایسا کیوں ہوتا ہے منصب۔ کہ ہم چاہنے کے باوجود اپنی چھوٹی چھوٹی معصوم خوشیوں کو جبراً پیچھے دھکیلتے، ان چاہی زندگی گزارتے چلے جاتے ہیں۔ حالانکہ بعض حالات میں جبر بے معنی ہوتا ہے۔ اب جیسے دادی کو ہی لے لو، خان جی کے بستر پر آنے کے بعد حویلی کا نظام برسوں سے ایک اڑیل، ضدی اور خود غرض عورت کے ہاتھوں میں آ گیا ہے۔ رہ گیا

ارحم خان تو گھر میں بستے نفوس سے کہیں بڑھ کر اس کے لیے اہم اصطبل میں بندھے اپنے گھوڑے ہوں گے۔ ایسے حالات میں دادی کی تنہائی پر بھلا کس کی نظر پڑتی ہوگی۔"

"اور ایسے میں اگر ہم دادی کو اپنے پاس رکھنے کا اعلان کریں تو بھی بے حس لوگ اپنی انا کی جنگ جیتنے میدان میں اتر آئیں گے"۔ منصب نے تاسف سے نتھنے پھلاتے اپنا دل درد سے بھرتا محسوس کیا۔ واقعی جبر بعض حالات میں بالکل بے معنی ہوتا ہے لیکن یہ زمینی حقائق ہمیں یہ تلخ گھونٹ بھرنے پر مجبور کیے رکھتے ہیں۔

"چلو مایوس نہیں ہوتے، ہوپ فار بیٹر فیوچر"۔ رمشہ نے تسلی آمیز مسکراہٹ سے بھائی کی طرف دیکھا تو اس نے بھی پلکیں موند کر تائید کی۔

"کب تک پہنچیں گے میانم؟"

"میانم نہیں سویٹ سسٹر۔ ابھی ہم مینگورہ میں رکیں گے۔"

"اچھا۔ وہ کیوں؟؟"

"جب جوائننگ کے لیے آیا تھا دو دن، تو جہاں میانم میں گھر کا بندوبست کیا۔ وہیں مینگورہ میں کچھ ضروری سامان پسند کر کے بک کروا دیا تھا۔ فی الحال تو بس بہت ضروری فرنیچر خریدا ہے۔ یہیں مینگورہ سے کوئی اوپن ڈاٹسن وغیرہ ہائیر کر کے ساتھ لے جانا ہے۔ لیکن اس سے پہلے تم کچن کے لیے کچھ ضروری سامان ساتھ ساتھ پسند کرتی جانا، اس کے علاوہ بھی دیکھ لینا جو بھی ضروری سامان نظر آتا جائے۔"

"یہ تو میں بھی سوچ رہی تھی۔ پھر مجھے لگا شاید میانم سے لیں گے۔"

"نہیں وہاں ذرا مشکل ہو جائے گی۔ چھوٹی جگہ ہے۔ مینگورہ میں ورائٹی زیادہ ہے۔"

"لیکن منصب، یہ اتنا کچھ خریدا کیسے، ابھی تو پہلی تنخواہ ہی کہیں ملی ہوگی۔"

"ہاں۔" اس نے متانت سے سر ہلایا "پہلی تنخواہ میانم میں ملے گی اور ڈائریکٹ بینک میں آئے گی۔ یہ ضروری سامان کچھ پس انداز کی ہوئی رقم سے لیا ہے۔ یہاں بھی دادی ہی دعا کی مستحق ہیں۔ میری پڑھائی کے لیے وہ اتنا بھیج دیتیں کہ ضروری رقم کے علاوہ کافی ساری بچ رہتی تھی، اور وہی میں جمع کرتا رہا۔"

"مجھے یقین ہے منصب! ایک دن دادی ضرور ہمارے پاس آئیں گی۔"

"ان شاء اللہ!"

☆☆☆

"تحریم، ایلیا جلدی کرو، ندرت آنٹی اور مومن بھیا تیار بھی ہو چکے"۔ وسیلہ نے کھڑکی کے پردے ہٹا کر باری باری دونوں کے کمبل کھینچے۔ کپڑوں وغیرہ کی شاپنگ تین روز پہلے مکمل ہو گئی تھی اور آج اتوار کے دن وہ سب مینگورہ جا رہے تھے۔ باقی ماندہ شاپنگ کے لیے مومن بھائی نے سوزوکی کا بندوبست کرنے کی کوشش کی تا کہ سب ایک ساتھ جا سکیں لیکن ان کا دوست شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ اس لیے اب وہ سب دو کاروں میں مینگورہ جا رہے تھے۔ ارادہ ایک ہی دن میں شادی کی سب شاپنگ ڈن کر لینے کا تھا۔ فرنیچر وغیرہ مومن اور تحریم نے خود پسند کرنا تھا۔ ندرت اور رضوانہ نے کراکری اور الیکٹرانکس کا سامان لینا تھا۔ وسیلہ ایلیا نے اپنے لیے شادی کی شاپنگ کرنا تھی۔

آگے مومن کی کار تھی، وسیلہ دوسری کار خود ڈرائیو کرتے ان کے پیچھے پیچھے تھی۔ تحریم اگلی کار میں ندرت آنٹی اور مومن کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔ ایلیا اگرچہ منع کرتی رہ گئی کہ آپی چھوری لگو گی ہمارے ساتھ بیٹھو لیکن وہ بڑے ہونے کا فائدہ اپنی من مانی کر کے خوب اٹھا لیا کرتی۔

"بس رہنے دو، کچھ دنوں تک تو خیر سے ایک ہونے والے ہیں، ہفتہ دس دن کی تو بات ہے۔ کرنے دو اسے اپنی مرضی" رضوانہ تو بیٹی اور ہونے والے داماد کی محبت دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں۔ ایلیا نے افسوس سے سر ہلایا۔

"یہی تو میں سمجھانا چاہ رہی ہوں کہ ہفتہ دس دن کی تو بات ہے۔"

"بس کروایلیا" وسیلہ نے ہلکا سا مسکرا کر ایلیا کی ناگواری کو دیکھا۔ یوں تو ان دونوں کی بہت عادتیں مشابہہ تھیں لیکن ایلیا برداشت کے معاملے میں تھوڑی پیچھے تھی۔ وسیلہ کے لیے ان چاہی باتیں اگنور کرنا یا ہضم کرلینا نسبتاً زیادہ آسان رہتا تھا۔"

"وسیلہ! ڈرائیونگ پہ فوکس کرو، میرا ابھی بڑا دل ڈر رہا ہے۔" رضوانہ مستقل وسیلہ پر پھونکیں مارے جارہی تھیں۔ اگرچہ عرصہ دو سال پہلے وسیلہ ڈرائیونگ لائسنس لے چکی تھی لیکن کار چلانے کا موقع کم کم ہی میسر آتا۔ آج بھی مومن ساتھ نہ ہوتا تو وہ وسیلہ کو کبھی اجازت نہ دیتیں۔"

"بلاوجہ ڈر رہی ہیں آپ۔ میں بہت آرام سے ڈرائیو کررہی ہوں۔ پھر روڈ تو دیکھیں، ٹریفک کا دور دور تک اتا پتا نہیں ہے۔" وسیلہ نے انہیں تسلی دینے کے لیے متوجہ کیا۔ وہ سب رش سے بچنے کی خاطر ہی صبح سویرے نکلے تھے۔

"ایلیا، تم بالکل چپ بیٹھو، ورنہ اگلی کار میں بھیج دوں گی۔" رضوانہ نے پلٹ کر ایلیا کو گھورا۔

"مجھے نہیں بیٹھنا اگلی کار میں" اس نے منہ بنا کر ہاتھ جوڑ دیے کہ اگلی کار والوں کے ساتھ وہ ہرگز نہیں بیٹھنا چاہتی تھی۔ معلوم نہیں کیوں پر تحریم، مومن کی لو اسٹوری اسے ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔۔ کچھ مصنوعی سی دکھائی دیتی تحریم کی شوخیاں اور مومن بھیا۔ وہ کندھے اچکا کر سوچ کر رہ گئی۔۔ وہ تحریم کو گھمانے لے جاتے تھے، فون پر اس سے باتیں کرتے تھے۔ وہ کوئی فرمائش کرتی تو باہر سے آتے ضرور اس کی مطلوبہ چیز لے کر آتے۔ محبت یقیناً دوطرفہ تھی پر اسے کھلتی تھی کیونکہ اسے لگتا یہ سب شادی کے بعد ہی سج لگتا ہے۔ ایک ایک پر یہ ظاہر کرتی لڑکیاں کہ ان کا منگیتر ان پہ کس قدر فدا ہے، مشرقی لڑکیوں کی حیا سے میچ نہیں کرتا۔ اس نے موبائل سائیڈ پہ رکھتے سیٹ کی پشت سے سر لگا دیا۔

معمول سے تقریباً دو گھنٹے پہلے اٹھنا پڑ گیا تھا۔ اسے نیند کے جھونکے آنے لگے۔ اگرچہ وسیلہ کی ڈرائیونگ سے کچھ کچھ تحفظات، اُسے بھی لاحق تھے لیکن فرنٹ سیٹ پر بیٹھی امی فی الحال کافی تھیں۔

☆☆☆

"پولیس والے سے ٹکر ہونے سے اچھا ہے بندہ کسی چور اچکے کے ہتھے چڑھ جائے۔" وہ جو کوئی بھی تھی، اس کی بیک سے گزرتی اپنی ساتھ والی لڑکی کے ساتھ نہایت بے زاری سے "پولیس" کی دھلائی کررہی تھی۔ منصب کی بے ساختہ نظر رمشہ کی طرف گئی جس نے منہ پہ ہاتھ رکھ کے ہنسی روکی تھی۔

"اب ایسے جملوں کی عادت ڈال لو۔"

"عادت کیوں ڈال لوں، ایسی مینٹلٹی کو بدلنے کی ضرورت ہے نہ کہ اس پر شرمندہ ہوتے کی۔" اس کا موڈ حقیقتاً کچھ بگڑا تھا۔ صبح رمشہ کو ہوٹل میں ریسٹ کرنے کا کہہ کر جب وہ بازار کے لیے نکلا تو تقریباً سب ہی بھاری آئٹم لوڈ کروا دیے۔ ڈائسن والے نے اس کی کار کے پیچھے پیچھے نکلنا تھا۔ دوپہر کو رمشہ کو ساتھ لیے باہر نکلا تو پہلے دونوں نے ایک ریسٹورنٹ میں لنچ کیا۔ پھر وہ رمشہ کی ذاتی شاپنگ کے ساتھ ساتھ نئے گھر کے لیے چھوٹا موٹا کچھ اور ضروری سامان دیکھنے لگ گیا۔

اُس وقت وہ اور رمشہ کچھ بیڈ شیٹس وغیرہ پسند کررہے تھے جب ایک لڑکی تیز تیز بولتے کسی پولیس والے کے لتے لیتے پیچھے سے گزری۔ منصب نے ابرو چڑھا کر اس جاتی لڑکی کی پشت کو دیکھا۔ لائٹ انگوری دوپٹہ سر پر لیے وہ ایک سفید رنگت والی لڑکی تھی، جو اگلی ہی شاپ پر رُک کر کچھ خریدنے لگ گئی تھی۔ چہرا سائیڈ سے بس ذرا سا ہی دکھائی دے رہا تھا۔ منصب اس کا مکمل چہرا کیوں دیکھنا چاہتا تھا یہ تو اسے خود بھی معلوم نہیں تھا لیکن دل میں اس کے لیے غصے کے جذبات ضرور اُمڈ رہے تھے۔

"بس منصب! میں تو اب بہت تھک گئی۔" رمشہ نے بیڈ شیٹس کا شاپر دکان دار سے لیتے

منصب کو دیکھا اور تائید میں سر ہلایا۔
"ہاں بس نکلتے ہیں۔ موسم بھی خراب ہو رہا ہے۔" منصب نے ہاتھ میں پکڑے بیگز جیپ کی پچھلی سیٹ پر ڈالے رمشہ نے بھی نظر آسمان پر ڈالی۔
"ایک دم ہی بارش کا ماحول ہو گیا ہے؟"
"ہوں"۔ منصب نے لب چبائے" نکلنا چاہیے۔"
"راستہ خطرناک ہے آگے"رمشہ نے بھائی کی سنجیدگی کو پریشانی سے دیکھا۔"
"اونہیں۔" وہ ہلکا سا مسکرایا" بس ہم نے ٹائم زیادہ لگا دیا۔ وہاں پہنچتے رات ہو جائے گی۔ کم از کم ایک ڈیڑھ گھنٹہ پہلے نکلنا چاہیے تھا۔"
"سوری، مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا"۔
"ارے، تم کیوں سوری کر رہی ہو۔ اور ہاں۔ کھانے پینے کے لیے کچھ دیکھ لو، راستے میں رک کر ڈنر نہیں کر سکتے۔ زیادہ لیٹ ہو جائیں گے۔"
"ابھی تو بھوک نہیں ہے۔ بس گھر جا کر کچھ بنا لیں گے۔"
"اچھا تم بیٹھو، میں سامنے سپر اسٹور سے بیکری کے آئٹم اور جوسز لے لیتا ہوں"۔ رمشہ نے سر ہلا دیا اور منصب سامنے کی شاپ میں چلا گیا۔ سامنے سیدو شریف کی طرف بجلیاں چمکنے اور گھن گرج کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ رمشہ کا دل ہلکا سا گھبرایا۔ پہلا سفر، نئے راستے اور ایسا موسم۔۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھ کر سب خیریت کی دعا مانگی۔

☆☆☆

"سب آپ لوگوں کی سستی ہے" مومن کا بگڑا مزاج درست ہونے میں نہ آ رہا تھا" ایک دکان میں کوئی گھنٹوں گھنٹوں کیسے لگا سکتا ہے۔ ہور یبل۔" وہ جھرجھری لے کر خواتین کی بے مہار شاپنگ کو تصور میں لا رہا تھا۔ آج کے تھکا دینے والے دن کے اختتام پر بھی وہ سب راضی دکھائی نہ دیتی تھیں۔ اتنا کچھ لدوا کر بھیج دینے کے بعد بھی انہیں لگ رہا تھا کہ ابھی کچھ نہیں لیا، اوپر سے ایسا گمبھیر موسم۔ بارش بس برسا ہی چاہتی تھی۔ سفر آغاز ہونے لگا تھا اور وہ سب بدیدوں کی طرح کھانے پینے کی اشیاء جمع کر رہی تھیں۔
"لینے دو مومن! اچھا ہے نا، راستے میں کہیں رُکنا نہیں پڑے گا"۔ ندرت نے کبابوں اور بریانی کے پارسل ویٹر سے لیتے احتیاط سے پیچھے رکھے۔ سیٹ ارینجمنٹ جاتے وقت بھی وہی تھی۔ تحریم ان کے ساتھ آبیٹھی اور ایلیا، اور رضوانہ، وسیلہ کے ساتھ۔ مومن کو ساری فکر وسیلہ کی وجہ سے تھی۔ برستی بارش میں رات کا سفر اور اس کی ناتجربہ کار ڈرائیونگ۔
"وسیلہ! تم کمفرٹ ایبل ہو؟" وہ موبائل فون سائیڈ جیب میں رکھتا دوسری کار کی جانب آیا۔ وسیلہ ابھی اندر نہ بیٹھی تھی۔
"جی بھیا، کیوں؟"
"یار، موسم کافی خراب ہے اور۔"
"اللہ پاک سب خیریت فرمائے گا۔ آپ پریشان نہ ہوں"
"اچھا اگر بارش شروع ہو جائے تو اسپیڈ ہلکی رکھنا۔ زیادہ گھبراہٹ ہو تو مجھے بتا دینا۔ سفر روک لیں گے۔"
"ٹینشن نہ لیں بھیا! امی تو سن کر ہی ہاتھ پیر چھوڑ دیں گی" اس نے آواز ہلکی رکھتے اندر اشارہ کیا تو مومن ہلکا سا مسکرا کر آگے بڑھ گیا۔ تحریم اگلی کار سے سر نکالے پیچھے دیکھے جا رہی تھی۔
"بر اندر کریں محترمہ آپ کے کمرے کی کھڑکی نہیں ہے" مومن کا آف موڈ چہرے سے ظاہر تھا لیکن تحریم کھی کھی کرتے اندر ہوئی۔ سفر کا آغاز ہوا اور مینگورہ سے میاندم جاتی ان کی دو کاریں دریائے سوات کے کنارے کنارے آگے کو روانہ ہوئیں۔

☆☆☆

"منصب ڈرائیونگ روک دو، بارش بہت طوفانی ہے" رمشہ نے اپنی بھیگی چادر سختی سے اپنے گرد لپیٹی۔ جیپ کی کھلی کھڑکیوں سے خوب بارش اندر آئی تھی۔ یہ صرف برستی بارش ہی نہ تھی، ہوا کے

تیز جھکڑ اور کڑکتی بجلیاں بھی ساتھ شامل تھیں۔ ہوا کا زور ڈرائیونگ کے آڑے آرہا تھا۔ جیپ بار بار کنٹرول کھونے لگتی۔

"منصب، یہ ہم تو اونچائی کی طرف جارہے ہیں" رمشہ تو اب رو دینے کو تھی۔ پہلا سفر بھی عجیب عجیب وا ہمے پیدا کرتا ہے۔ اسے لگاتار اپنے خیریت سے منزل پر پہنچنے کی فکر لگی تھی۔

"ہاں لیکن اب یہاں رُک بھی نہیں سکتے۔ رواں دواں سڑک ہے۔ اور نیچے دریا۔ رک بھی جائیں تو پناہ کہاں لیں" منصب نے جیپ پر اپنے ہاتھ کا دباؤ بڑھایا۔ اسٹیرنگ بار بار پہاڑ کی جانب ڈولنے لگتا۔ بائیں طرف کھلے دریا کی جانب سے آتی تیز ہوائیں توازن بگاڑ رہی تھیں۔

"آگے کہیں رُکنے کی جگہ ہے؟" رمشہ کا دل خوف سے بے قابو ہو رہا تھا۔ منصب کی باتوں سے بھی کوئی تسلی آمیز نتیجہ نہیں نکل پایا تھا۔

"کہہ نہیں سکتا، لیکن اگر ہوئی تو رُک جائیں گے" منصب اس سے قبل ایک مرتبہ ہی آیا تھا، یہ دوسری مرتبہ تھی، ٹھیک سے جگہوں کا اندازہ تو اسے نہیں تھا لیکن دل سے اس وقت ایک ہی دعا تھی کہ یا تو آگے جانے پر بارش رُک جائے یا سائیڈ پر رُکنے کی کوئی جگہ مل جائے۔

☆☆☆

طوفان تھا کہ اس رات رُکنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ سفر کا ابھی آغاز ہی ہوا تھا پر بارش مالم جبہ کا موڑ آنے سے پہلے ہی زیادہ تیز جبکہ رات مزید گہری ہو چلی تھی۔ سڑک پر آگے پیچھے چلتی وہ چار کاریں تھیں جو بہت دیر سے ہلکی رفتار رکھے آگے پیچھے وہاں تک پہنچی تھیں۔ مالم جبہ کا راستہ وہاں سے تھوڑا اوپر دائیں ہاتھ جانے پر شروع ہوتا تھا۔ یہ چڑھائی عام حالات میں بھی کم خطرناک نہیں تھی، سڑک کے دوسری جانب نیچے دریائے سوات کی وجہ سے خوب احتیاط برتنا پڑتی کیونکہ چڑھائی چڑھتے، اگر کسی وجہ سے بیک پر جانا پڑ جائے تو اس کے لیے نہایت مہارت کی ضرورت تھی۔ اس وقت البتہ برستی بارش میں بہت سی کاریں مالم جبہ سے کچھ پہلے ایک جگہ رکی ہوئی تھیں، سامنے سے آنے والی کچھ کاریں عین برستی بارش میں اس خطرناک چڑھائی کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ رمشہ نے سامنے سے آتی ایک کار کو بل کھا کر جب اوپر چڑھتے دیکھا تو خوف سے تھوک نگلا۔ رولر کوسٹر جیسے راستے پر گیلی سڑک میں گھومنا۔ اس نے خوف سے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔

"اوہ نو"۔ منصب کی گھبرائی آواز پر رمشہ نے آنکھیں کھولیں تو جیپ کا کھٹ سے دروازہ بند کرتے منصب جیپ سے اتر کر ایک جانب کو بھاگ چکا تھا۔

"یا اللہ خیر......" بے ساختہ اس کے منہ سے بس یہی نکل سکا۔

"ہائے میرے مالک"۔ رضوانہ نے ہاتھ کلیجے پہ رکھا۔ اوپر جاتی کار کیسے عجیب بے ڈھنگے انداز میں پیچھے کو آرہی تھی۔ ڈرائیور اپنی کار کو قابو کرنے میں ناکام لگ رہا تھا۔ پھر برستی بارش اور گیلی سڑک پر کنٹرول ممکن بھی کہاں رہا تھا۔ اگلی کار سے مومن کو باہر نکلتے دیکھ کر وسیلہ بھی گاڑی سے نکلی۔

"وسیلہ کہاں جا رہی ہو"۔ رضوانہ بے ساختہ چیخیں لیکن انہوں نے دیکھا کہ کئی کاروں سے لوگ نکل کر پیچھے اترتی کار کی جانب بھاگے تھے۔ کار کی بے قابو حالت بتا رہی تھی کہ اگر اسے پیچھے سے روکا نہ گیا تو وہ دریا میں گر سکتی تھی۔ وسیلہ کو دیکھ کر ایلیا بھی نیچے اتر کر اس جانب دوڑی۔ رضوانہ تحریم اور عدرت بھی کار سے باہر نکل آئیں۔ تیز لگاتار برستی بارش نے سیکنڈز میں ان سب کو مکمل بھگو دیا تھا۔

کار میں موجود فیملی میں عورتیں اور بچے زیادہ تھے اور اس وقت گھبراہٹ کی وجہ سے ان کی دلدوز چیخیں گونج رہی تھیں۔ کسی بچے یا عورت نے دریا کو اتنے قریب دیکھ کر گھبراہٹ میں کار کا دروازہ کھولا اور بچوں نے باہر چھلانگ لگا دی۔ وسیلہ نے پھٹی آنکھوں سے کار کو پانی میں گرتے دیکھا جس کی پشت پر مومن بھیا تھے اور کار سمیت وہ بھی پانی میں

گر چکے تھے۔ وسیلہ کے حواس ابھی کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل بھی نہ ہوئے تھے کہ اس نے ایلیا، کو پانی میں گری کار کی چھت پر یک لخت کودتے دیکھا۔ کنارے کھڑی ایلیا، نے اچانک کار کی چھت پر چھلانگ کیوں لگائی تھی۔ وہ سمجھنا تو چاہتی تھی لیکن لگاتار برستی بارش، کار کے حادثے، بچوں کی چیخ پکار اور اندھیرے نے مل کر پورے ماحول پر جو ہیبت طاری کر دی تھی وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو بالکل جامد کر چکی تھی۔ وسیلہ کو اندھیرے میں ایک دو ڈھائی سال کا بچہ لڑھک کر پانی کی موجوں کی طرف جاتا دکھائی دیا۔ وہ پانی میں کار گرنے اور اس کے نتیجے میں اچھل کر باہر آتی شوریدہ سر موجوں کے ساتھ کنارے کنارے، بہت دور جا پڑی تھی۔ چلاتی ہوئی عورتیں اور پانی میں گری کار وہاں سے بہت دور تھے ، پانی کے اس نسبتاً دور کنارے پر اس کے علاوہ وہ بچہ بھی تھا جسے وسیلہ نے اپنی آنکھوں کے سامنے موجوں کی جانب جاتے دیکھا تھا۔

قدرت نے معصوم بچے کی غیبی امداد کی تھی، موجوں نے اسے بھی کنارے کنارے دور جا پھینکا تھا اور وہ گہرے پانی میں گرنے سے بچ گیا تھا۔ وسیلہ کا دل ڈوب رہا تھا، پانی جیسے ایک خوفناک عفریت بن کے اس کے حواسوں پر چھا کر اسے ہوش سے بیگانہ کرنے لگا تھا، عنقریب اس ہیبت کے زیر اثر شاید وہ بے ہوش ہو کر گر پڑنے کو تھی کہ بچے کی خطرے میں پڑی زندگی نے اسے اپنے حواس مجتمع کر کے آگے بڑھنے کی ہمت دی۔ اس نے اپنی بے دم بے جان ٹانگوں کو کسی طرح چلنے کے قابل بنایا اور پانی کی طرف لڑھکتے بچے کو لپک کر اٹھا لیا اگرچہ پھسلن زدہ گھاس کی وجہ سے بچے تک پہنچتے وہ کئی مرتبہ، گری لیکن بالآخر بچے کو دوبارہ پانی کی طرف جانے سے پہلے ہی اس نے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔ اس کی ہمت مکمل جواب دے چکی تھی، معلوم نہیں وہاں حادثے والی جگہ کیا حالات تھے۔ اس نے مومن بھیا کو دریا میں گری کار کی پچھلی طرف دیکھا تھا۔ نجانے انہوں نے خود کو اس کار سے کیسے بچایا ہوگا، اور پھر ایلیا، کی اچانک چھلانگ۔ وسیلہ کی آنکھوں سے بے بسی کے آنسو بہہ کر گرتے جا رہے تھے۔ کسی انہونی کا خوف اس کے قدم جامد کر چکا تھا۔ سب خیریت سے ہوں۔ یہ دعا ایک ورد کی طرح اس کے لبوں پہ جاری تھی۔

وہ روتے ہوئے بچے کو سینے سے لگائے ڈری ڈری نگاہوں سے بپھرے ہوئے پانی کو دیکھتی ڈھلان کی طرف چلنے لگی۔

وہ بہت ہمت کرتے بس دو قدم ہی آگے بڑھی تھی کہ اپنے پیچھے ایک دردناک کراہتی آواز سنتے گھبرا کر پلٹی۔۔۔ اور وہ ایک مرد تھا جو پانی میں سے۔۔۔ آہ۔ وسیلہ کی چیخ اندر ہی کہیں گھٹ کر رہ گئی۔ وہ آدمی دریا میں ڈوب گیا تھا شاید۔ اور اب وہ کسی طرح کنارے کی طرف آنکلا تھا۔ وسیلہ نے بنا پھسلن کی پرواہ کیے، بچے سمیت بھاگ کر اس کے کنارے پر آئے ہاتھ کو تھام لیا اور اگلے ہی پل وہ شخص اپنے دوسرے بازو کا دباؤ کنارے کی زمین پر دیتے آپ ہی باہر نکل آیا۔ وہ مکمل ہوش میں تھا، یہ بات وسیلہ کے لیے حیران کن تھی کیونکہ وہ تو ابھی ابھی دریا سے نکلا تھا اس کے سامنے۔

''آ۔ آپ۔ ٹھیک ہیں؟'' دریا کے شور میں اس نے تقریباً چلا کر اس آدمی سے پوچھا اور وہ سر ہلاتے پورا اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ باوجود بچ نکلنے کے نہایت بے چینی سے اب بھی دریا کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''میں نے ایک بچے کو ڈوبتے دیکھا تھا، میں اسے بچانے کے لیے کودا تھا لیکن''۔۔۔ وہ سخت مایوسی سے اپنے پورے بالوں کو پیچھے لے جاتے نہایت تاسف سے پانی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''میں بھی بچے کو بچا رہی تھی۔ لیکن شکر ہے یہ دریا میں جانے سے بچ گیا''۔ وسیلہ نے اس دو ڈھائی سالہ بچے کو اپنے بازوؤں پر پیچھے کرتے اس کا چہرا دیکھا تو دوپٹے میں لپٹا وہ بچہ اب مکمل منصب کے سامنے تھا۔

"ارے، وہ بھی بچہ تو تھا"۔ منصب کی پلکوں پہ پانی کی نمی تو ہونٹوں پہ ہنسی تھی۔ وسیلہ کے سینے سے لپٹے اس بچے کی پیلی شرٹ اب تک وسیلہ کی دوپٹے کی وجہ سے دکھائی نہ دے رہی تھی لیکن جونہی منصب کو وہ پیلی شرٹ نظر آئی اس کا دل اطمینان سے بھر گیا۔ وہ بھی بچہ تھا۔

"اوہ شکر ہے۔ ورنہ آپ تو شاید دوبارہ کودنے والے تھے" وسیلہ کو اس کی چند لمحے پہلے کی پریشانی یاد آئی۔

"جی، میں یہی سوچ رہا تھا۔" منصب نے بات کرتے کار والی جگہ کو دیکھا۔ وہاں اب بھی رش تھا۔ شور تھا اور عجیب سی افراتفری تھی جو طوفانی بارش اور اندھیرے کی وجہ سے صاف دکھائی اور سجھائی نہ دے رہی تھی

"ہمیں وہاں تک پہنچنا چاہیے۔ معلوم نہیں وہاں کیا حالات ہیں۔"

"جی، وہاں میری پوری فیملی ہے، پتا نہیں وہ سب کس حال میں ہیں، مجھ سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا" مرد کا سہارا میسر آیا اور وہ زیادہ شدت سے رونے لگی۔

"اوہ، شاید بچے کی اور ہماری تلاش جاری ہو۔ اندھیرے میں کچھ سجھ بھی تو نہیں آرہا" منصب نے قدم آگے بڑھائے اور ساتھ چلتی وسیلہ پہلے قدم پر ہی بچے سمیت بری طرح گھاس پر پھسل گئی۔

"اوہ نو" منصب نے پہلے بچے کو سنبھالتے وسیلہ کو بازو سے تھاما، اور اوپر اٹھتی وسیلہ نے لڑکے کی شرٹ کو ہاتھ میں مضبوطی سے دبوچ کر کھڑا ہونے کی کوشش کی، شدید پھسلن اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہونے دے رہی تھی۔ وہ کسی طرح سنبھل کر کھڑی تو ہوگئی لیکن ہاتھ کی چپ چپ کچھ عجیب سی تھی۔ اس نے حیرت سے اپنے ہاتھ کو چہرے کے نزدیک کیا تو آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

"خون؟" اس نے متوحش نظروں سے لڑکے کی طرف دیکھا۔ "آ۔آپ کی کمر سے خون بہہ رہا ہے۔"

☆☆☆

"مومن"۔ ایلیا پوری شدت سے چلائی، پانی کی طرف جاتی کار کے دروازے میں سے ایک عورت نکلنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن ابھی وہ پوری باہر نہ آئی تھی کہ کار پوری طاقت سے پانی میں جا گری۔ مومن اب تک کار کے پچھلے دروازے اور ڈگی پر ہاتھ رکھے اسے روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور جب کار کے دروازے کھول کر عورتیں اور بچے باہر آنا شروع ہوئے تو اسے کنارے کی طرف آنے کا موقع نہیں ملا، اور انہی لمحوں میں دیکھتے ہی دیکھتے کار تیزی سے پانی کی طرف پھسلنے لگی۔ مومن سائیڈ سے نکل کر سامنے آنا چاہتا تھا کیونکہ کار اب خالی ہو چکی تھی اس لیے اس کی پشت پر سہارا دینے کی اب کوئی ضرورت نہ تھی لیکن ڈوبتی کار میں سے آخری عورت کے باہر نکلتے ہی کار تیزی سے پیچھے پانی کی طرف پھسلی جس کی وجہ سے مومن کو سنبھلنے کا موقع نہیں ملا اور وہ پانی میں جا گرا۔

ایلیا نے مومن کو پانی میں ڈوبتے دیکھا تو بنا سوچے کار کی چھت پر چھلانگ لگا دی۔ پانی پہ ڈولتی کار کی چھت پر لیٹے اس نے ایک ہاتھ کار کی کھڑکی میں ڈال کر بمشکل خود کو پانی میں گرنے سے بچایا۔ کار تیز بہتے پانی کی لہروں کے ساتھ دور جانے لگی۔ پانی گہرا ہوتا تو ڈوب بھی سکتی تھی لیکن تہہ کے پتھر کار کے ڈوبنے میں حائل تھے۔۔۔اور اب کافی دور جانے پر اچانک کار دھکا کھا کر رک گئی تھی۔ آنکھوں میں آتے بارش کے چھینٹے پانی کے درمیان اس نے بڑی دقت سے آنکھیں کھول کر دیکھنے کی کوشش کی، وہ خود کہاں پہنچ چکی تھی، مومن کہاں تھا۔ اس نے دوسرا ہاتھ بنا کچھ دیکھے بھالے ہوا میں ٹٹولنا شروع کیا۔

"مومن۔۔۔ مومن بھیا کک کہاں ہیں؟" وہ پوری جان سے چلا رہی تھی۔ مومن کو کار کے پچھلے حصے میں ڈگی کے آس پاس کہیں ہونا چاہیے۔ کار پانی میں دور تک جا نکلی تھی اور تیرتی جا رہی تھی۔ ایلیاء نے چھلانگ لگا کر بہت بڑا رسک لیا تھا۔ لیکن اسے صرف مومن کی فکر تھی۔

''مومن بھیا'' وہ گلا پھاڑ کر چلائی، وہ اسے دکھائی کیوں نہیں دے رہا تھا۔ وہ رو رہی تھی اور تب ہی ڈگی کی طرف پھیلے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ پر ایک لمس محسوس کرتے اس نے سر اٹھایا۔ وہ ایک ہاتھ تھا جس نے آگے ہوتے اس کے ہاتھ کو پورا تھام لیا تھا۔ ایلیا نے بھی بنا سوچے زور لگا کر اس ہاتھ کو اوپر کھینچا، لیکن زیادہ وقت نہیں ہوئی مومن خود ہی کوشش کر کے اوپر کو نکل آیا تھا۔

''تم نے چھلانگ کیوں لگائی بے وقوف لڑکی؟''

مومن نے اپنی رکی ہوئی سانس بحال کی، پانی منہ میں چلے جانے کی وجہ سے کچھ دیر وہ کھانستا رہا، پھر ناک کو گیلی آستین سے صاف کرتے گھور کر ایلیا کو دیکھا۔ وہ اسے ڈانٹ رہا تھا لیکن ایلیا اس سے بے نیاز اب ارد گرد دیکھ رہی تھی۔ کار اس وقت تقریباً دریا کے بیچوں بیچ تھی، کنارہ دور تھا اور درمیان میں ڈھیروں ڈھیر پانی۔

''ہم کنارے تک کیسے پہنچیں گے'' ایلیا کو پہلی مرتبہ اچھلتے ڈراتے پانی کی خوفناکی نے لرزایا۔

''اس وقت سوچنا تھا پاگل'' مومن نے بالوں کو پیچھے کرتے کنارے کی طرف دیکھا۔ ہر کسی کی نگاہیں کار پر جمی تھیں۔ ملا جلا شور اور ہلتے ہوئے ہاتھ بتاتے تھے کہ وہ ان کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ مومن نے اٹھ کر کھڑا ہوتے ہاتھ ہلایا تاکہ انہیں بتا چل سکے کہ یہاں موجود لوگ بچ تو گئے ہیں لیکن امداد چاہتے ہیں۔

☆☆☆

''آپ کی کمر سے خون بہہ رہا ہے'' وہ پوری آواز سے لڑکے کے کان کے قریب چلائی تو منصب نے چونک کر اپنی کمر پہ ہاتھ رکھا، جس وقت سے وہ دریا سے نکل کر اٹھا تھا اسے داہنے ہاتھ کمر کی ہڈی میں شدید درد محسوس ہو رہا تھا لیکن خون۔ اس نے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو پینٹ کی بیلٹ سے اوپر پورا ایک بالشت جتنا زخم کا نشان تھا، اس نے ٹٹول کر دیکھا۔ گرم خون ایک تواتر سے بہہ رہا تھا جواب سے پہلے بارش کی وجہ سے اس کی سمجھ میں ہی نہیں آسکا تھا۔

''بچہ مجھے دیں'' وسیلہ نے زبردستی بچے کو واپس لیا اور منصب نے جیب سے ایک رومال نکالا جو کہ بالکل گیلا تھا لیکن اس سے بہتے زخم کو دبایا جا سکتا تھا۔

''چلیے'' منصب نے کہہ کر وسیلہ کے دائیں ہاتھ کی طرف آتے اپنے بائیں ہاتھ سے اس کے بازو کو مضبوطی سے پکڑ لیا تاکہ پھسلنے سے بچا جا سکے اور اپنا دایاں ہاتھ اس نے رومال کی مدد سے اپنے زخم پر دبا رکھا تھا۔ ''ہمیں بہت خیال سے چلنا ہوگا، جلدی مت دکھائیے۔''

''جی جی''۔ وسیلہ گھبرائی آنکھوں سے پھاڑ پھاڑ کر راستہ دیکھتی نہایت آہستہ روی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ کنارے کنارے آگے بڑھنا اتنا آسان نہ تھا۔ وسیلہ نے بچے کو مضبوطی سے اپنے ساتھ لگاتے خوف بھری نظروں سے لڑکے کو دیکھا۔ منصب اس کی پریشانی سمجھ رہا تھا۔

''گھبرائیں نہیں، میں تیرنا جانتا ہوں، کسی کو ڈوبنے نہیں دوں گا، بے جھجک ہو کر پانی والی جگہ میں پیر رکھ دیں۔'' اس نے کہتے ساتھ ہی وسیلہ کو سائیڈ سے نکال کر اپنے آگے کیا البتہ اس کا بازو اسی طرح تھامے رکھا، وہ لڑکے کی گرفت کی وجہ سے کسی قدر ہمت سے تیز، ٹھنڈے یخ پانی میں پاؤں رکھتے آگے بڑھنے لگی۔ بالآخر پیروں کے نیچے پانی محسوس ہونا ختم ہوا اور وسیلہ نے آنکھیں کھولیں تو پھر ایک گھاس زدہ جگہ تھی۔ ڈھلان والی جگہ قریب آچکی تھی لیکن ابھی تک کسی نے بھی انہیں نہیں دیکھا تھا۔ ایک عورت نیچے بیٹھی زور زور سے رو رہی تھی۔ ان کے پاس ندرت ماسی اور اس کی امی بیٹھی تھیں۔

''ریم۔'' وسیلہ نے سامنے کھڑی تحریم کو آواز دی جو چہرا دوسری جانب کیے کھڑی تھی۔ چونک کر پلٹی تو وسیلہ کو دیکھ کر شور مچا دیا۔

''امی، امی وسیلہ''۔ وہ ازحد بوکھلائی ہوئی سی اس سے آکر لپٹ گئی

''سونو، سونو۔'' بہت سے لوگوں نے سونو سونو

کہہ کر اس کی گود سے بچے کو اچک لیا اور وہ نیچے بیٹھی روتی بلکتی عورت غالباً سونو کی ماں تھی۔ وہ تڑپ کر اٹھتے اپنے بچے کو چومتی جا رہی تھی۔

"تم ٹھیک ہو وسیلہ!" امی اس سے لپٹ کر اس کے چہرے کو پیار کرنے لگیں۔

"مومن بھیا۔ اور ایلا۔ ؟" وہ کھوئی کھوئی نظروں سے سب کو دیکھنے لگی۔

"ہاں دونوں ٹھیک ہیں لیکن وہاں۔" امی نے دور دریا کے سینٹر میں پھنسی کار کی طرف اشارہ کیا۔

"وہاں سے یہاں تک آنے کا مسئلہ ہے۔ پولیس سے مدد لی ہے، وہ لوگ لائف بوٹ اور ائیر ٹیوبس وغیرہ لے کر آتے ہی ہوں گے۔"

"کوئی لاپتا تو نہیں؟ یہ فیملی ٹھیک ہے؟" وسیلہ ان عورتوں اور بچوں کو دیکھ رہی تھی۔

"تم تین لوگ لاپتا تھے، بچے سمیت تم دونوں کی وجہ سے سخت پریشانی تھی۔" رضوانہ نے آنکھیں صاف کیں، وہاں موجود ہر شخص کو اب مومن اور ایلیا کے بخیریت کنارے تک آ جانے کی فکر تھی۔ لیکن کچھ ہی دیر میں چند نوجوان وہاں پر لائف بوٹ اور ٹیوبز لیے ہوئے آئے اور مومن ایلیا کی جانب بڑھ گئے۔

☆☆☆

"چھٹی کی درخواست دے دیجیے منصب! ڈاکٹر نے تین دن کا ریسٹ بتایا ہے۔ چلنے جلنے سے زخم متاثر ہوگا۔" رمشہ نے جوس کا گلاس منصب کی طرف بڑھایا تو وہ تکیے کے سہارے ہلکا سا اٹھ کر بیٹھ گیا۔ گھر پہنچتے ہی اسے نزدیکی کلینک جانا پڑ گیا تھا۔ پانی میں کوئی نوکیلا پتھر تھا جس کے لگنے سے پیٹ پر ایک بالشت جتنا لمبا زخم لگ گیا تھا۔ خون بھی بہت بہا تھا۔ ڈاکٹر نے چار ٹانکے لگا کر ڈریسنگ کی اور تین دن کا بیڈ ریسٹ بتایا تا کہ زخم جلدی بھر جائے۔

"کل میرا پہلا دن ہے ڈیوٹی کا، کیا امپریشن پڑے گا۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو منصب۔ میڈیکل رپورٹ ساتھ ہوگی، پھر تم کون سا بہانہ بنا رہے ہو۔"

"یار انگلوں کو نہیں پتا ہوتا۔ وہ بس یہی تاثر لیتے ہیں کہ یہ بندہ آگے بھی یہی کرے گا۔"

"اور اس گہرے زخم کا کیا۔" وہ جھنجلا رہی تھی۔

"دیکھو، مجھے کل صبح جانے دو۔ آرام سے جا کر سیٹ پر بیٹھ جاؤں گا۔ رپورٹ ساتھ لے جاؤں گا۔ سر کو ساری سچویشن خود بتاؤں گا۔ زخم بھی دکھا سکتا ہوں۔ پھر امید ہے دو دن وہ خود ہی ریسٹ کا کہہ دیں گے۔"

"ہوں۔" رمشہ نے نیم رضامندی ظاہر کی۔ کھڑکی سے باہر دیکھا، بارش اب رک چکی تھی لیکن تیز ہوا چلنا شروع ہو گئی تھی۔

"تم بھی اب ریسٹ کرو۔ صبح کوئی کام والا بندہ ارینج کرتے ہیں۔ اتنا بھاری سامان کھولنا ہے۔ میری ایسی حالت نہیں ہے اور تمہیں کرنے نہیں دوں گا۔"

"ہاں خیر، سارا سامان تو نہیں کھولا جا سکتا، لیکن مجھے جیپ والا سامان کچن میں رکھنے دو، وہ زیادہ بھاری نہیں ہے۔ کم از کم میں تمہیں سونے سے پہلے گرم دودھ، چائے یا کافی تو بنا دوں۔"

"میں بہتر محسوس کر رہا ہوں۔ دوا بھی لے لی ہے۔ کیک پیس اور جوس کافی ہوئے تھے۔ بس اب سونا چاہتا ہوں۔ گولی کھانے کے بعد سکون مل رہا ہے۔"

"اوکے۔ تم آرام کرو۔ میں نے اپنا میٹرس ساتھ والے روم میں کھول لیا ہے۔ آج رات اسی طرح گزارا کرتے ہیں۔" رمشہ اس کے کمرے کی لائٹ آف کر کے باہر چلی آئی۔ دو سنگل بیڈز کے ساتھ جو میٹرس خریدے تھے۔ ڈاکسن کے سامان میں سے رمشہ نے ڈرائیور سے کہہ کر وہی نکلوا لیے تھے۔ بیڈ کو اگلے روز فٹ کروانا تھا۔ چھوٹا سا یہ دو کمروں اور لاؤنج، کچن اور باتھ پر مبنی کوارٹر بہت خوب صورت جگہ پر تھا۔ پیالے نما میدان کی وہ نسبتاً اونچی جگہ پر تھے۔ پہاڑوں پر بنے گھروں کی روشنیاں جنگل میں جگنوؤں جیسی چمک رہی تھیں۔ وہ تھکے تھکے قدم اٹھاتی اپنے کمرے میں آ گئی۔ اگلے روز یقیناً ڈھیروں ڈھیر کام تھے، کچھ دیر پہلے تک انتہا کی ایکسائٹمنٹ تھی۔ لیکن وہ حادثہ۔ رمشہ نے ایک جھرجھری لی، رمشہ کے دل کو نجانے کیسے کیسے وہم اور ڈر

ستانے لگے تھے۔ اُس نے منصب کے کمرے کا دروازہ بند کرتے کچھ دیر پہلے کے حادثے کو سر جھٹک کر خیال سے باہر نکالا، جو کچھ بھی ہوا بہت پریشان کن تھا لیکن اللہ پاک نے سب کو محفوظ رکھا تھا۔

"اللہ میاں جی۔ آگے ایسی ہنگامہ خیزی سے محفوظ فرمانا" اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اوپر دیکھا تو آنکھیں ایک بار پھر نم ہو گئیں۔

☆☆☆

وہ ایک اداس سی صبح تھی۔ رضوانہ نے ناشتہ بچوں کے سامنے رکھا لیکن وہ دونوں ہی چپ چپ اور غمگین دکھائی دے رہی تھیں۔ وسیلہ صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی اور ایلیا اس کی گود میں رکھے کشن پہ سر رکھے باقی کے صوفے پر سیدھی لیٹی تھی۔

"تم نے دریا میں چھلانگ کیوں لگائی ایلا؟" وسیلہ نے اس کے کھلے بالوں میں انگلیاں پھیریں تو اس نے نظریں چرا لیں۔

"مومن بھیا تو خطرے میں کودے ہی تھے، تم نے خود کو بھی مصیبت میں ڈال دیا"

"آپ بھی تو کسی کے بچے کو بچانے کے لیے پانی کی طرف دوڑ گئیں، بلکہ ریورس میں آتی کار کو روکنے کے لیے بھی آپ ہی سامنے آ گئیں"

"بس ہوتے ہیں کچھ لمحے، جن میں ایمرجنسی فیصلے کرنے پڑ جاتے ہیں" وسیلہ بدستور اس کے بالوں میں نرمی سے ہاتھ سہلا رہی تھی۔

"میرے ساتھ بھی یہی ہوا" وہ ہلکا سا مسکرائی اور تب ہی بیرونی دروازہ کھول کر تحریم اندر آئی تو تینوں نے اس کی طرف دیکھا۔

"کیسی ہیں تمہاری ممانی؟" رضوانہ نے تھرماس سے چائے انڈیلی۔

"بی پی ابھی تک بہت لو ہے۔ کہتی ہیں پچھلی ساری رات جیسے بے ہوش اور بے سدھ پڑی رہی، ہلنے کی بھی سکت نہیں تھی"

"اعصابی دباؤ بہت خطرناک چیز ہے" رضوانہ نے اس وقت کو یاد کر کے ایک جھرجھری لی۔ شدید سر درد نے ابھی صبح ان کا پیچھا چھوڑا تھا۔

"مومن بھیا کیسے ہیں؟" وسیلہ نے چائے کی طرف ہاتھ بڑھایا کہ شاید چائے پینے سے ہی طبیعت کی سستی بھاگ جائے۔

"ان کی ہتھیلی زخمی ہوئی ہے۔ کہہ رہے تھے کہ بہت دیر مسلسل کار کی سائیڈ کو مضبوطی سے پکڑے رہے تھے اس لیے۔"

"تم بھی چائے پی لو" رضوانہ نے ایلیا کی طرف دیکھا، زکام اور بخار نے اس کا چہرا سرخ کر دیا تھا۔ لیکن چائے اسے پسند نہ تھی اس لیے رضوانہ نے اس کی طبیعت دیکھتے زبردستی کپ آگے کیا۔

"مومن کہہ رہے تھے ایلیا کو رسک نہیں لینا چاہیے تھا۔ کون سا اسے تیراکی کی کچھ الف بے بھی معلوم ہے۔"

"پاگل ہے یہ تو۔ اپنا کہاں سوچتی ہے، ہمیشہ ہی دوسروں کے لیے خطرہ مول لیا ہے" رضوانہ نے اس کے بال پیچھے ہٹاتے محبت سے اس کا گال ہاتھ میں لیا۔ رات اس لڑکی نے ان کی جان ہی نکال دی تھی۔ وہ تحریم اور وسیلہ کی پیدائش کے بہت سالوں بعد ان کی گود میں آئی تھی۔ باپ کا سایہ بھی اس نے نہ ہونے کے برابر دیکھا تھا۔ سات سال بھی کوئی عمر ہوتی ہے باپ کی شفقت کو محسوس کرنے کی۔ کمال کے بعد رضوانہ نے ایلیا کا بہت خیال رکھا تھا۔ تحریم اور وسیلہ تقریباً ہم عمر تھیں اس لیے ہر وقت ساتھ ساتھ رہتیں۔ ایلیا شروع سے ہی اکیلے رہنے کی عادی تھی۔ کم گو اور شرمیلی بھی تھی۔ اسے بس ہمیشہ دوسروں کی دل جوئی کی پڑی رہتی۔ اپنے علاوہ اسے سب مظلوم لگتے۔ ہر شخص اس کی کسی نہ کسی مدد کا محتاج تھا، یہ اس کا خیال تھا اور اندر ہی اندر بہت مضبوط تھا۔

"وسیلہ اسے کوئی کام مت بتانا۔ ابھی صبح ہی اس کا بخار اترا ہے۔ میں ذرا تمہاری ممانی کی طبیعت پوچھ آتی ہوں۔"

"جی، جی، دوپہر کے کام میں دیکھ لوں گی۔" وسیلہ بھی عادت کے مطابق فوراً مستعدی سے اُٹھ

کھڑی ہوئی۔ ایک تحریم ہی تھی جسے لفظ ''کام'' سے خصوصی چوتھی۔ وسیلہ کا معاملہ یہ تھا کہ انکار اس کے منہ میں تھا ہی نہیں۔ بنا اس بحث میں پڑے کہ کون سا کام اسے پسند ہے، کون سا نہیں، وہ فوراً حکم بجا لاتی۔ اس کی عادات کو دیکھتے رضوانہ بھی پہلی آواز وسیلہ کو لگاتیں، وہ موجود نہ ہو تو دوسری ایلیا کو، تحریم البتہ وہ آخری فرد ہوتی جسے رضوانہ بامر مجبوری ہی پکارتیں، زیادہ تو خود ہی اٹھ کر وہ کام کرلیا کرتیں۔ اب نقصان کروانے سے تو بہتر ہوتا ہے کہ بندہ خود ہی تھوڑی مشکل اٹھالے۔

''اچھا ہاں وسیلہ! ذرا چولہے کی آنچ دھیمی کردو، دودھ ابلنے والا ہوگا بہہ نہ جائے، اور دیکھنا یہ آواز کیسی تھی۔؟ رضوانہ جاتے جاتے چونک کر رکیں، کچن سے کچھ گرنے کی آواز تو آئی لیکن زیادہ واضح نہیں تھی۔

''جی امی، جارہی ہوں۔'' وہ جو ایلیا پر چادر ڈال کر اب پچھلے دن کی شاپنگ کو اسٹور روم میں ایڈجسٹ کرنے جارہی تھی کچن کی طرف بڑھ گئی۔ شادی میں چونکہ دو ہفتے باقی تھے تو جہیز کی چیزیں نزدیکی دنوں میں جب مومن اور تحریم کا کمرہ سیٹ ہوجاتا تب عدرت ممانی کے ہاں پہنچانی تھیں۔ رات تو تھک ہار کر عجیب سی بوجھل پن کی کیفیت میں سب کچھ یہاں وہاں رکھ کر سب سو گئے تھے۔ صبح ایلیا تو بخار میں دھت تھی، ریم سے امید کوئی نہیں تھی، وسیلہ سے ہی پھیلاوا دیکھا نہیں جاتا تھا۔ تب ہی سامان سمیٹنے کا ارادہ کیا۔ لیکن امی کی ہدایت پر اب وہ پہلے کچن کی طرف بڑھی۔ فریج کی اوٹ سے ہوتے وہ جونہی سامنے آئی، فرش پہ بکھرا ڈھیر سارا خون دیکھ کر اس کی زوردار چیخ نکل گئی۔ الٹے پیروں واپس بھاگتے وہ پاگلوں کی طرح چیختی جارہی تھی۔ رضوانہ اس کی چیخیں سن کر بنا دوپٹے کے دوڑتی آئیں۔

''کک۔ کیا ہوا وسیلہ، کیا ہوا؟'' انہیں چیخیں سن کر پہلا خیال گرم دودھ کا آیا کہ شاید وہ اس پر الٹ گیا ہے۔ لیکن وسیلہ چیخیں مارتی بھاگ کر ماں سے لپٹ گئی تھی۔ لبوں پہ خون خون کی گردان تھی۔

''خون؟؟'' وہ شدید حیران تھیں۔ کہاں ہے خون۔ وہ اسے چھوڑ کر کچن کی طرف جانے لگیں جب وہاں سے گھبرائی ہوئی ریم نکلتی نظر آئی۔

''کیا ہوا وسیلہ کو؟''

''خون ہے، کک کچن میں خون ہے'' وسیلہ کی دہشت سے ابھی تک آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں۔

''خون نہیں ہے پاگل، سوس ہے۔ مجھ سے بوتل ٹوٹی ہے۔'' وہ بتاتے ہوئے اب ڈری ڈری نظروں سے ماں کو بھی دیکھ رہی تھی۔ رضوانہ نے پھر ماتھا پیٹتے وسیلہ کو خود سے الگ کیا اور کچن کے اندر آگئیں۔ فریج سے چند قدم آگے سوس کی بوتل گری ہوئی تھی۔ انہیں حیرت ہوئی کہ وسیلہ کو بوتل کیوں دکھائی نہیں دی اور اس نے باوجود اتنی روشنی ہونے اور ہر چیز واضح نظر آنے کے سوس کو اتنی آسانی سے خون کیوں سمجھ لیا۔

''خیر تو ہے وسیلہ! نیند میں تو نہیں تھیں تم؟'' رضوانہ حیرت سے مڑیں لیکن وسیلہ غائب دماغی کی سی کیفیت میں بنا کچھ کہے پلٹ کر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اسے اپنے کچھ دیر پہلے کے خیالات کو سوچ کر عجیب سی بے چینی نے گھیرا تھا۔ سوس کو بنا کچھ بھی سوچے سمجھے اس نے صرف اور صرف خون ہی سمجھا تھا۔ حتیٰ کہ جب وہ امی سے آکر لپٹی تو اسے اپنا دایاں ہاتھ خون میں لت پت چپ چپ کرتا محسوس ہونے لگا تھا۔ پچھلی طوفانی رات میں پھسلن سے بچتے اس لڑکے کی شرٹ کو پکڑ کر اوپر ہونے کی کوشش، خون میں ڈوبا اپنا ہاتھ، اور لڑکے کا زخم۔ اس نے خوف کی جھرجھری لیتے چہرا دونوں ہاتھوں میں چھپالیا۔ خون نے اس سے پہلے اپنی پوری زندگی میں اسے کبھی خوفزدہ نہیں کیا تھا۔ نجانے رات کیا ہوا تھا۔

☆☆☆

رات کی تیز طوفانی بارش کے بعد سورج کی ہلکی ہلکی کرنوں سے آغاز لیتی مبائدم کی وہ صبح، منصب کے کام کے باقاعدہ آغاز کی پہلی صبح تھی۔ پولیس کی وردی

میں ملبوس وہ گھر کے باہر کھڑا نیچے پیالے کی شکل میں دور دور تک دکھائی دیتے خوب صورت سے میادم کا نظارا کررہا تھا۔ آج صبح اپنے زخم میں پچھلی رات کی نسبت اس نے زیادہ بہتری محسوس کی تھی۔ رمشہ نے اس سے پہلے جاگ کر کچن کا سامان کسی حد تک سیٹ کر کے اس کے اور اپنے لیے ناشتہ تیار کیا تھا، اس گھر کی چابی منصب کو چند دن پہلے ملی تھی۔ حوالدار عزیز نے چابی اپنے پاس رکھ لی تھی اور درمیانی ایک ہفتے میں صفائی وغیرہ کا سب کام کروالیا تھا۔ رمشہ کے لیے گھر کی صفائی کا کام زیادہ نہ تھا۔ بھاری سامان کے لیے منصب نے سوچا کہ ڈیوٹی سے واپسی پر چند بندوں کو ساتھ لاکر فرنیچر بھی سیٹ کروادے گا۔

پتھریلی سیڑھیاں نیچے اُترتے اس نے جیپ کی چابی جیب سے نکالی، گھر ذرا اونچائی پر تھا وہاں تک پیدل جانے کی سیڑھیاں تو تھیں لیکن جیپ یا گاڑی وغیرہ کے لیے کشادہ راستہ نہیں تھا۔ پہاڑی اُتر کر سڑک کنارے کچھ دکانیں تھیں، ان کی سائیڈ پر پارکنگ جیسا ایریا تھا۔ منصب اپنی جیپ وہیں پارک کررہا تھا۔ پتھریلے راستے سے شارٹ کٹ اپناتے اس نے بیچ میں ہی گھاس پہ قدم رکھ دیے۔ یہاں سے لمبے ڈگ بھرتے وہ زیادہ جلدی جیپ تک پہنچ جاتا، گھاس کے اس ڈھلانی راستے پر کہیں کہیں لوینڈر کے پھولوں کی لمبی چھڑیاں پھیلی تھیں۔ منصب مسکرا کر ایک جگہ رُکا۔ جھکنا اس کے زخم کے لیے صحیح نہیں تھا اس لیے گھٹنے نیچے کرتے ایک کاسنی پھول توڑ کر ہاتھ میں لیا۔ اٹھ کر سیدھا ہوتے لوینڈر کے کاسنی پھول ہتھیلی پہ رکھا۔ صبح سویرے ماں کی یاد نے اندر ایک خوش گواریت سی بھر دی۔ امی کو کاسنی رنگ بہت پسند تھا۔ وہ اس کی یادوں میں بھی کاسنی رنگ کے کپڑوں میں ملبوس دکھائی دیتیں۔ لوینڈر کے پھولوں نے ماں کا مسکراتا چہرا یاد دلایا اور منصب نے بے ساختہ اپنی وردی کی طرف دیکھ کر ایک آہ بھری۔

نوکری پہ لگے، عہدہ ملے ابھی محض چند دن گزرے تھے لیکن منصب نے ان چند دنوں میں بھی اندر ایک ہی بے چینی کو پھیل کر اداسی بنتے محسوس کیا اور وہ اداسی ماں باپ کے سایے کا سر پر نہ ہونا تھا۔ دس برس کی عمر میں بابا کا گزر جانا اور بائیسویں برس میں ماں کی جدائی، نجانے ان دونوں کو دنیا سے جانے کی کیا جلدی تھی۔ دادی کی شفقت کا سہارا نہ ہوتا تو منصب کے لیے میمونہ کی شادی اور اپنی تعلیم مکمل کرنا کبھی ممکن نہ ہو پاتا۔ گزرے تین برسوں میں بہن کے فرض سے سبکدوشی اور پھر اپنی تعلیم پر پورا دھیان ہی منصب کی زندگی کا مشن رہا تھا۔ میمونہ مزاجاً بہت شرارتی تھی۔ منصب کی عادات دیکھتے اکثر منہ بنا کہتی۔

"مجھے تو تم ہماری تیسری بہن لگتے ہو منصب!"

"ہائیں کیوں۔؟" منصب آنکھیں پھاڑتے پہلے بہن کو دیکھنے لگتا اور وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیتی۔

"اتنے روکھے، اتنے سڑو، اور ایک دم شرمیلے" وہ فتنے منہ انداز میں ہاتھ لہراتی۔

"اور کیا۔" رمشہ نے بھی حصہ لینا ضروری سمجھا۔ "سہلہ اور شرمین نے باقاعدہ خطوط بھیجے میرے ہاتھ لیکن یہ بدھو۔" اس نے بھی افسوس سے سر ہلایا "بنا پڑھے تہہ شدہ خطوط پھاڑ دیے۔"

"چٹیا بھی کھینچی تھی تمہاری۔ وہ بھی بتاؤ۔" منصب نے اکسانے کے انداز میں ہنس کر ابرو اٹھائے تو وہ بری طرح جھینپ گئی۔ منصب نے خط پھاڑنے کے بعد اس کی بھی خوب خبر لی تھی کہ آئندہ ایسی کسی گھٹیا حرکت کا حصہ بنیں تو معاف نہیں کروں گا۔

"پتا نہیں کون ہوگی وہ خوش نصیب۔ جس پر اس اڑیل اور سڑیل کا دل آئے گا" میمونہ نے ایک مصنوعی آہ بھری۔

"خوش نصیب کہاں۔ بدنصیب بے چاری۔" رمشہ اپنی روانی میں بولے گئی اور اماں نے دور سے ٹوکا تھا۔

"ایسے نہیں کہتے رمشہ!" منصب نے ایکو جیسی کان سے ٹکراتی ماں کی نرم آواز کے اثر سے خود کو باہر

نکالتے لوینڈر کے پھول کو سامنے ڈیش بورڈ پر رکھا۔ اور جیپ اسٹارٹ کر کے آفس کا رخ کیا۔

ڈیوٹی پر سینئر افسر علی حشمت موجود تھے۔ ادھیڑ عمر کے خلیق اور ملنسار سے آدمی لگے۔ حشمت علی اے سی پی تھے۔ ان کے ماتحت یہاں کے مختلف علاقوں کے تین تھانے تھے۔ اس روز وہ اتفاقاً میاں ادھر آئے ہوئے تھے۔ ہفتے میں غالباً ان کے یہاں دو یا تین چکر لگتے منصب نے رات والے حادثے اور اپنے زخم کی بابت بتایا تو اس کے آفس چلے آنے پر ناراض ہونے لگے۔ اور گھر جا کر آرام کا مشورہ دیا۔ گھر سے آفس زیادہ دور تو نہیں تھا بس بیچ میں بازار اور کچھ آبادی پڑتی تھی۔ پولیس اسٹیشن کے عملے کے لیے جو کوارٹرز بنے ہوئے تھے، اُن دنوں سب تنگ تھے۔ اس لیے منصب کو ذرا باہر گھر ملا۔

"صاحب! کلیننگ کے عملے کے دو بندے باہر موجود ہیں۔ ولی اور شیرو۔ ہم انہیں ساتھ لے جائیں گے۔ جیپ بھی میں چلاتا ہوں۔ بڑے صاحب کہہ رہے ہیں آپ آگے دو دن ریسٹ کریں۔" عزیز نے قریب آتے منصب سے جیپ کی چابی لے لی۔

"دو دن ریسٹ کی تو ضرورت نہیں۔" منصب جیسے اپنے آپ سے بولا۔ "اچھا خیر تم ان دو بندوں کو لے کر جاؤ، میں سر سے مل کر آتا ہوں۔ کل صبح تک کا ریسٹ کافی ہے۔ میں بہتر محسوس کر رہا ہوں۔"

منصب کی اپنی طبیعت میں آرام نہیں تھا۔ پھر پولیس کی ٹف ٹریننگ میں ایسی جسمانی تکلیفوں سے نمٹنا بہت پہلے سکھا دیا جاتا ہے۔ وہ سر علی حشمت سے اجازت لے کر عزیز اور دو ملازموں کو لیے گھر واپس آیا۔ عزیز کافی ہوشیار اور چست بندہ تھا۔ جتنی دیر میں منصب نے ان کے لیے چائے بنوائی، انہوں نے تقریباً سب ہی سامان اندر سیٹ کر دیا تھا۔ فٹنگ والے سامان میں صرف دو پنکھے تھے۔ گھنٹے بھر کے اندر ہی سب کام ختم ہو گیا۔ منصب نے دونوں کو ان کی مزدوری دی۔ دونوں ہی اپنی آفس کی ڈیوٹی ختم کرنے کے بعد وہاں آئے تھے۔

☆☆☆

"ایلیا کچھ لیٹ نہیں ہے آج؟" رضوانہ نے کوئی تیسری مرتبہ بے چینی سے وال کلاک کی جانب دیکھا۔ ایلیا کالج کی چھٹی کے قریب بیس یا پچیس منٹ بعد گھر پہنچتی تھی، لیکن رضوانہ کو پریشانی ہوئی کہ اب تو پورا ایک گھنٹہ ہونے کو آیا تھا۔ تحریم کے جواب دینے سے پہلے خود ہی اٹھ کر باہر نکل آئیں۔ سوچا پہلے دور تک سڑک پر دیکھ لیں، شاید ان کی گرین سوزوکی آتی دکھائی دے، لیکن گیٹ سے نکلنے کی نوبت بھی نہیں آئی اور ایلیا گھر کے اندر داخل ہوئی۔

"شکر ہے۔" رضوانہ نے سب سے پہلے اللہ پاک کا شکر ادا کیا۔

"خیریت، آج تو بہت لیٹ ہو گئیں؟"

"ہوں۔" وہ بنا سلام دعا کچھ آف سا موڈ لیے اندر چلی گئی۔ ساتھ والے گیٹ کے باہر مومن کی کار کا مخصوص ہارن سنائی دیا، جس سے سمجھ آئی کہ وہ بھی آفس سے لوٹ آیا ہے۔ رضوانہ، ایلیا کے بگڑے موڈ کی وجہ جاننے کے لیے پیچھے پیچھے اندر آئیں۔

"سوزوکی میں آئی ہو؟"

"جی نہیں" وہ صوفے میں دھنس کر بیٹھ گئی۔ ہونٹ ابھی تک لٹکا رکھے تھے۔ "کال کر کے پوچھیں اس مہاراجہ سے، جب لینے نہیں آنا تھا تو کم از کم موبائل ہی آن رکھتا، آفس کے لینڈ لائن سے بیسیوں کالز کیں، موبائل ہی بند تھا اس کا۔"

"تو تم کیسے آئی ہو؟" تحریم نے حیرت سے دیکھا۔

"آپ کے وہ ہیں نا، ہونے والے۔" اس نے مومن کے ذکر پر منہ کچھ اور بگاڑا۔ "انہی کو کال کرنے کی غلطی کر بیٹھی، سوچا آفس سے نکل رہے ہوں گے۔ یہیں سے تو گزریں گے۔"

"ہاں تو پھر؟" رضوانہ کو کچھ سمجھ نہیں آیا۔ آئی تو یقیناً اسی کے ساتھ تھی، کار کی آمد بھی اسی وقت ہوئی، پر مہارانی کا موڈ کیوں آف تھا۔

"یونہی، لیٹ ہو جانے پر غصہ آ رہا ہے۔" وہ

صوفے سے بیگ اٹھا کر اٹھ گئی "بھوک بھی بہت لگی ہے۔ وہ اندر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ تحریم نے کندھے اچکا دیے اور رضوانہ کچن میں چلی گئیں۔
۔ ایلیا کمرے میں آکر ڈھیلی ڈھیلی سی پلنگ کے کنارے بیٹھ گئی۔ براؤن آنکھیں بھیگنے کو تیار تھیں۔ وہ پلکیں جھپک کر پانی اندر اتار رہی تھی۔

یہ مومن بھیا ہمیشہ ہی ایسا کرتے تھے۔ آخر اس نے ان کی ہیلپ مانگی ہی کیوں۔ وہ اس وقت کو کوسنے لگی جب کالج گیٹ کے باہر معمول سے پندرہ بیس منٹ لیٹ ہوجانے پر اس سمیت سب ہی لڑکیوں کو تشویش ہونے لگی کہ سوزوکی والا ہمیشہ پہلے سے موجود ہوتا تھا۔ ایک ایک کر کے سارے اسٹوڈنٹس رخصت ہو رہے تھے۔ عائشہ، ستارہ، ارم، ایمن اور وہ مسلسل اسی بحث میں مگن تھیں کہ کیا کیا جائے۔ ستارہ نے گھر کال کر کے سوزوکی والے کا موبائل نمبر حاصل کیا اور آفس سے ہی لگاتار اسے کالز ملائیں لیکن اس کا موبائل بند آرہا تھا۔ ارم نے اپنے بھائی کو بلانے کا ارادہ کیا۔ لیکن ایلیا کو خیال آیا کہ مومن بھیا بھی اسی وقت بینک سے واپس گھر آتے ہیں اور اسی راستے سے گزرتے ہیں۔ اس نے وہیں آفس سے ان کو کال ملا دی۔

"لیس۔؟"

"مومن بھیا میں ایلیا۔" اس نے عجلت میں کہا تو مومن حیران ہو گیا۔

"ایلیا، خیریت۔؟"

"جی میں کالج میں ہوں،۔ سوزوکی والا آج نہیں آیا۔ آپ کہاں ہیں؟"

"اوہ اچھا۔ میں ویسے آفس سے نکل آیا ہوں، تمہارے کالج سے گزروں گا بس پانچ منٹ میں۔ ریڈی رہنا۔"

"جی بھیا۔" وہ خوش ہو گئی۔ اور فوراً باقی سب کو بتا کر پانچوں گیٹ سے باہر نکل آئیں۔ مومن واقعی پانچ منٹ میں ان کے سامنے تھا۔ ایلیا کے لیے ہاتھ بڑھا کر فرنٹ ڈور کھولا لیکن کھٹا کھٹ پچھلے دروازے کھول کر ایک ساتھ چار لڑکیاں مزید اندر گھس آئیں جو مومن کے لیے قطعی غیر متوقع تھا۔ گھور کر ایلیا کو دیکھا لیکن وہ متوجہ ہی کہاں تھی۔ مسکرا کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے بڑی خوش اخلاقی سے سلام جھاڑا۔

"وعلیکم السلام۔" مومن نے غصہ ضبط کرتے کار اسٹارٹ کر دی۔ پہلا غصہ کم کرنے کے لیے خود ہی تصور کر لیا کہ باقی کی چار لڑکیاں یہیں کہیں کسی ایک جگہ اتر جائیں گی۔ لیکن یہ خوش گمانی رفتہ رفتہ فشار خون میں اضافے کا باعث بننے لگی جب مین روڈ میں داخل ہو کر ایلیا نے ایک ایک کا پتا پوچھ کر نہایت فرض شناسی سے سب کو ان کے گھروں تک پہنچایا۔

"ڈرائیور سمجھ رکھا ہے؟" زور سے گیئر بدلتے آخری لڑکی اتار پھینکنے کے بعد مومن نے کھا جانے والی نظروں سے جب ایلیا کو دیکھا تو وہ سہم کر پیچھے ہوئی۔

"بتایا کیوں نہیں کہ پوری پلٹن کی ذمہ داری لیے مجھے کال کر رہی ہو۔" دوپہر غارت کر دی۔ تمہاری ذمہ داری تھیں یہ سب۔ ان کا کوئی گھر گھاٹ ہے کہ نہیں۔؟ کسی نے ان کی فکر نہیں کی۔ میں ملا تھا بھری دوپہر میں تھکا ہارا۔" وہ بھناتے اور تھکے گھر کا گیٹ آنے تک بری طرح اسے لتاڑتا آیا۔ وہ ہر جملے پر آنسو ضبط کیے ڈھٹائی سے بیٹھی رہی تھی، پر بس۔ اب وہ ایک ایک جملہ اسے اندر تک گھائل کر رہا تھا۔ حتیٰ کہ یہ درد بھی کم ہونے میں نہ آرہا تھا کہ آخر میں اتری ایمن نے اس کی زوردار دھاڑ اور چند جملے بھی ماحول کی خاموشی کی وجہ سے سن لیے تھے۔

"اتنی سی دیر برداشت نہیں ہوا، پتا نہیں کل ایمن کو کیسے فیس کروں گی۔ نہیں۔" وہ آنکھیں رگڑنے لگی "کل کالج ہی نہیں جاؤں گی۔ نہیں نہیں۔" خود ہی سر نفی میں ہلایا۔ "کالج نہ گئی تو ایمن سب کو بتا کر مزید ان کا دل برا کر دے گی۔"

"اے ایلا۔ رو کیوں رہی ہو" وسیلہ نے چادر اتارتے پہلی مرتبہ دھیان دیا کہ کمرے میں بیٹھی ایلیا تو رو رہی تھی۔ وہ اسی وقت باہر سے آئی تھی۔ سامان سائیڈ پہ رکھتے فوراً ایلیا کے پہلو میں آئی۔

"کیا ہوا یار۔ بتاؤ بھی" وسیلہ نے اس کا چہرا ہاتھوں میں لیا تو وہ اس سے لپٹ کر رو دی۔ وسیلہ سے کچھ بھی چھپانا مشکل ہو جاتا۔ وہ تو صورت سے ہی کوئی مسیحا لگتی تھی۔ ایلیا کے لیے وہ امی سے بڑھ کر بھروسے مند ثابت ہوئی۔

"مومن بھیا نے ڈانٹا ہے۔" اس نے فوراً اُگل دیا۔

"اوہو۔ اتنی سی بات۔ بڑا بھائی ہے وہ ہمارا۔ کیا ہو گیا جو ڈانٹ دیا۔"

"ایمن نے سب سن لیا، کل سب فرینڈز کو بتا دے گی۔" وہ نئے سرے سے رونے لگی۔ وسیلہ نے اپنی ہنسی روکی۔

"پوری بات بتاؤ، پھر سوچتے ہیں کچھ۔" اس نے تسلی آمیز انداز میں کہا تو ایلیا نے پوری تفصیل بتا دی۔

"بھئی یہ بالکل ضروری نہیں کہ ایمن نے بھیا کی اونچی آواز سنی تو ہو لیکن جو بھی ہو، تم کہہ دینا کہ ڈرائیور پر غصہ ہو رہے تھے۔"

"ہاں" ایلیا نے کسی قدر جوش سے سر اٹھایا "ڈرائیور کا لفظ تو استعمال کیا۔ حالانکہ خود کو کہہ رہے تھے۔" آخری جملہ ایلیا نے دھیمے سے منمنا کر کہا تو وسیلہ نے قہقہہ لگایا۔

"غصے میں بھیا کو کچھ سمجھ نہیں آتا۔ اچھا بس اب ریلیکس رہو، اور یونی فارم بدل کر آؤ۔" وہ اٹھ گئی۔

"اچھا باہر کچھ نہ کہنا، حریم آپی بہت مذاق بنائیں گی۔" ایلیا نے فیور چاہی تو وسیلہ نے مسکرا کر ہاتھ تھپکا۔

"آئی نو۔ کچھ نہیں کہتی، چلو آجاؤ شاباش۔" وہ اسے سمجھا کر باہر نکل گئی۔ حریم کی غیر سنجیدگی کبھی کبھار ناگوار گزرتی تھی لیکن اسے سمجھانا بہت مشکل تھا اس لیے خود ہی خیال رکھنا پڑتا تھا۔

☆☆☆

رمشہ نے چاولوں کو دم پر لگا کر ایک گہرا سکون کا سانس لیا۔ کچن سے نکل کر لاؤنج پر ایک تفصیلی نگاہ ڈالی اور پہلی بار اطمینان محسوس کیا۔ یہاں آئے آج چوتھا دن تھا۔ کام والی عورت دو روز پہلے میسر آئی تھی، ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی اور دو دنوں میں ان تینوں نے گھر کی مکمل سیٹنگ کر لی تھی۔ اچھی چست عورت تھی۔ بیٹی لبنیٰ کو تو وہ یونہی ساتھ لاتی تھی۔ بیس بائیس سال کی سیدھی سی لڑکی تھی۔ رمشہ کو دونوں بہت اچھی لگیں۔ دوپہر کے لیے اُس نے مٹن پلاؤ بنا لیا۔ منصب کا پسندیدہ تھا۔ وہ اپنی ڈیوٹی سے تین ساڑھے تین کے قریب واپس آتا تھا۔

"باجی گیٹ کے باہر تک سارا فرش دھو لیا" لبنیٰ نے کمر سے دوپٹہ اتارتے ہاتھ جھاڑ کر اطلاع دی تو رمشہ کو ہنسی آگئی۔

"تم کس خوشی میں کاموں پر لگی ہو، تنخواہ تو تمہاری ماں کو ملے گی۔"

"کوئی بات نہیں باجی، ماں کا ہاتھ تو بٹا سکتی ہوں نا۔" لبنیٰ سمجھ گئی کہ رمشہ باجی اسے چھیڑ رہی ہیں۔ خوش اخلاق سی رمشہ میں ویسے بھی غرور نام کو نہیں تھا۔ ساری زندگی غربت میں گزاری تھی، کبھی سوچا بھی کہاں تھا کام کاج کے لیے آگے نوکر میسر ہوں گے۔

"کھانا بنا لیا باجی؟"

"ہاں بس چاول دم پر ہیں۔ تم دونوں بھی کھا کر جانا۔"

"جی، میں بھی ٹائم دیکھ رہی تھی۔ ابھی کہیں سے جیپ کا ہارن بجے گا اور صاحب پہنچ جائیں گے"

"صاحب تو پہنچیں گے لیکن جیپ کا ہارن نہیں بجے گا۔" رمشہ نے مسکرا کر مطلع کیا۔ لبنیٰ اس کے پاس ہی صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

"ہیں باجی کیوں؟"

"جیپ کے اوپر تک آنے کا راستہ کدھر ہے بدھو۔" رمشہ نے اس کے سر پر ہاتھ مارا "جیپ کو منصب نیچے لاک لگا کر آتا ہے۔ بتا رہا تھا۔ ادھر پولیس اسٹیشن کے پاس جو کالونی ہے وہاں باقاعدہ اوپر گھروں کو راستہ جاتا ہے۔"

"گھر تبدیل ہو جائے گا باجی؟"

"ہاں، لیکن فی الحال تو یہی ہے"

"حساب آگیا ہے باجی"۔ صفورہ بھی ہاتھ صاف کرتی اندر آگئی اور رمشہ فوراً اُٹھ گئی۔

"واہ بھئی۔ آج تو ہر چیز پرفیکٹ" منصب نے ستائشی نظروں سے گھر کو دیکھا، ان تینوں کو دو دن لگے تھے پر اب ہر چیز سیٹ ہو گئی تھی۔

"کھانا لگاؤں؟"

"آں۔ نہیں۔ پہلے میں فریش ہو جاؤں"۔

"طبیعت ٹھیک ہے نا منصب؟" وہ جاتے جاتے رک گئی۔ جب سے پیٹ پر زخم ہوا تھا، ڈاکٹر نے اسے نہانے تک سے منع کر دیا تھا۔ لیکن آج اس کے زخم کو پانچواں روز تھا۔

"او ہاں۔ اب تو بہت بہتر ہے۔ پریشان نہ ہو۔" وہ اپنا سامان لیے اندر کی طرف بڑھ گیا۔ ڈیوٹی کے چاروں دن اس نے آفس کے اندر سیٹ پر بیٹھے ہی گزارے تھے۔ حتیٰ کہ زخم کی وجہ سے بیلٹ تک باندھی نہیں تھی۔ تھوڑی سی کیئر کے بعد زخم میں واضح بہتری آئی تھی۔

"آفس کا کام کیسا جا رہا ہے منصب؟"

"ہاں بس آہستہ آہستہ سمجھ رہا ہوں۔ کچھ کچھ گھبراہٹ تو ہوتی ہے لیکن سر علی حشمت بہت کوآپریٹو ہیں۔ ویسے تو ان کی آمد ہفتے میں بس دو بار ہوتی ہے، ان کے انڈر تو یہاں آس پاس کے تین چار تھانے ہیں۔ یہاں کا پولیس اسٹیشن کا سب کام تو مجھے ہی دیکھنا ہے۔ بس یہ طبیعت نے آتے ہی مزاج کچھ کا کچھ کر دیا۔ بندہ سوچ کر کیا آتا ہے، اور پیش کیا آتا ہے۔" منصب کھانا کھا چکا تھا رمشہ برتن سمیٹنے کے دوران دھیان سے اس کی باتیں بھی سن رہی تھی۔ صفورہ اور لبنیٰ بھی کچھ دیر ہوئی اپنے گھر چلی گئی تھیں

"اچھا کوئی بات نہیں۔ اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ ایسی طوفانی رات تھی، کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ اللہ پاک نے کسی بڑی مصیبت سے بچا لیا۔ ایسی معمولی باتوں کے روگ نہیں لگایا کرتے۔" رمشہ نے تنبیہاً ٹوکا تو منصب ہنس دیا۔

"او کے اماں جان! کر لیتا ہوں شکر۔ تم سناؤ۔ گھر میں سب ٹھیک چل رہا ہے نا؟ کوئی مسئلہ تو نہیں۔

"ارے، خدانخواستہ کیا مسئلہ ہونا ہے۔ کام والی بھی بہت اچھی اور چست ہے۔ وقت مصروف گزر جاتا ہے۔ بس تمہارا زخم مکمل ٹھیک ہو جائے تو ٹی وی کا سسٹم ٹھیک کروا دینا۔ اور بازار سے کچھ ضروری سامان کی لسٹ بنائی ہے"۔

"یار اس نزدیکی بازار کا ایک چکر تو تم خود بھی لگا آؤ۔ میرے پاس تو اتنا وقت نہیں ہے۔ تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ کیا کچھ یہاں دستیاب ہے"۔

رمشہ نے آنکھیں پھیلائیں۔

"ارے بھئی یہ خواتین آئی ہیں ناں روزانہ، انہی کے ساتھ جانے کا کہہ رہا ہوں۔ مجھ سے زیادہ تو انہیں پتا ہو گا یہاں کے متعلق"۔

"ہاں اچھا" رمشہ ہنس دی۔ ورنہ اکیلے جانے کے خیال سے اسے تو جھرجھری ہی آ گئی تھی۔ تھانہ کا ماحول یہاں سے چونکہ الگ تھا تو انہیں کہیں آنے جانے کی ایسی آزادی نہ تھی۔ لیکن مینگورہ سے وادیٔ سوات کا باقاعدہ سیاحتی علاقہ شروع ہو جاتا تھا تو سیاحوں کی وجہ سے یہاں کا ماحول خود بخود قدرے اوپن اور آزاد تھا۔ ہر قسم کے سیاحوں سے بھری دور دور تک پھیلی یہ کشادہ وادی اپنے مزاج میں بھی ایک کشادگی رکھتی تھی۔

"چلو کل یہ آتی ہیں تو میں چلی جاؤں گی"

"چاہو تو آج رات کو بھی نکل سکتے ہیں؟" منصب نے اُٹھ کر ٹی وی کے تاروں کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔

"نہیں، ابھی تمہاری طبیعت ایسی نہیں ہے کہ دور تک پیدل چلا جائے۔" "ایک بار مکمل آرام آ جائے پھر جایا کریں گے ان شاء اللہ۔ اب تو یہیں ہیں خیر سے۔ ان پیاری پیاری جگہوں کو دیکھنے نکلا کریں گے۔ میمونہ آپی کو بھی بلائیں گے۔" رمشہ سوچوں میں دور تک نکل گئی تھی۔ منصب اس کی باتوں کو مسکرا کر انجوائے کرتے ٹی وی سیٹ کرنے میں لگا رہا۔

☆☆☆

دن صاف اور روشن تھا۔ مسرت نے پانی کی تین بالٹیاں بھر کر شہناز بی بی کو آواز دی۔ اور وہ بالوں کو سختی سے باندھتی آستینیں اوپر کرکے غسل خانے کی جانب بڑھ گئیں۔

"ہاں ٹھیک ہے تم جاؤ۔" شہناز نے مسرت کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔ بالٹیاں تیار کر لینے کے بعد سے وہ گلے کا بازو تھامے سائے میں کھڑی بی بی کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ گلے کو شہناز بی بی کے حوالے کرکے مسرت، وہاں سے چلی گئی اور شہناز نے قریب آدھا گھنٹہ خرچ کرکے بہن کو صاف ستھرا کیا۔ اس بچی کو اپنا کہاں ہوش ہوتا تھا۔ دس بارہ دنوں بعد شہناز کو ہی چھوٹی بہن کی خاطر یہ مشقت طلب کام کرنا پڑتا۔ اکتوبر کے آخری ایام تھے اور تھانہ کا موسم بہت معتدل ایک دم خوش گوار تھا۔ انہوں نے گلناز کو ہلکی دھوپ میں بٹھانے کی کوشش کی لیکن وہ کندھا جھٹک کر منہ بسورتی اندر بھاگ گئی۔ اُسے اپنے نیچے کے کمرے سے پیار تھا۔ گھنٹوں پہروں اور دنوں بھی وہ ایک جگہ پہ بیٹھ کر گزار سکتی تھی۔ شہناز نے ایک آہ بھر کر اس حسین بچی کو دیکھا۔ دل سے بددعاؤں کا ایک طوفان تھا جو اُمڈ کر اس کا یہ حال کرنے والوں کی تباہی کے لیے نکلنے لگا۔ گلناز اس کی چھوٹی بہن نہیں بیٹی جیسی تھی۔

کمال ہے جس وقت ان کی شادی ہوئی، گلناز دس گیارہ سال کی بچی تھی جس کی انگلی تھام کر وہ اسے اپنے ساتھ لے آئی تھیں۔ ماں باپ کے گزر جانے کے بعد اس یتیم کا بڑی بہن کے علاوہ تھا ہی کون۔ شہناز نے گھونگھٹ اُٹھنے پر شوہر سے پہلا وعدہ ہی گلناز کی دیکھ بھال اور اس کا بیاہ ہونے تک اپنے ہاں رکھنے کا مانگا۔ پر افسوس کہ وہ عمر بھر کے لیے اسی حویلی کی ہو رہی تھی، اور وہ بھی ایسے حال کو پہنچ کے۔

"بی بی، وہ ارحم خان بلاتا ہے آپ کو۔" مسرت اسے ابھی تک وہیں کھڑا دیکھ کر دور سے بولتی ہوئی آنے لگی۔

"ہوں۔ آ رہی ہوں" شہناز نے خیالات سے باہر آتے آستینیں نیچی کرتے دوپٹہ سر پہ رکھا۔

"تم یہاں سب کچھ سنبھالو، میں جا رہی ہوں"۔

"جی بی بی۔" مسرت سر ہلاتی کام میں لگ گئی اور شہناز تھکن محسوس کرتے اندر کمرے میں آ گئیں۔ چیک والی شرٹ بلیو جینز اور جوگرز پہنے وہ صاف کہیں نکلنے کے لیے تیار دکھائی دے رہا تھا۔

"کہیں جا رہے ہو؟" شہناز تھکی ہوئی تھیں اس لیے صوفے پر بیٹھ گئیں۔ سر پیچھے صوفے کی پشت سے لگا کر گیلے چہرے کو دوپٹے سے تھپتھپایا۔ گلناز کو نہلا کر صاف ستھرا کرتے وہ خود پوری بھیگ جاتیں۔ لیکن فی الحال چینج کرنے کی بھی ہمت نہیں تھی۔

"دوستوں کی طرف نکل رہا ہوں۔ آپ بتائیں میرے کام پر کچھ سوچا؟" ارحم تو جیسے رُکا ہی یہی پوچھنے کے لیے ہوا تھا

کون سا کام۔؟ شہناز نے غائب دماغی سے اسے دیکھا۔ فوری طور پر بالکل کوئی "کام" ذہن میں نہیں آیا۔

"کیا کہنے امی" ارحم نے ہونٹ بھینچے "میری ساری امیدیں آپ کے جواب پہ ٹکی ہیں، آپ کہتی ہیں کون سا کام۔

"اوہ" انہوں نے ہاتھ ماتھے پہ مارا وہ کام۔ میں واقعی بھول گئی تھی۔

"آپ نے کچھ اہمیت دی ہوتی تو۔" ارحم خفا دکھائی دینے لگا۔

"ہاں، میں اہمیت نہیں دے رہی" انہوں نے سر اٹھا کر ارحم کی آنکھوں میں دیکھا تو چہرے پر درشتی نظر آتی تھی۔

"کیونکہ یہ غلط ہی نہیں سراسر ناجائز خواہش ہے۔ قطعاً نا قبول"۔

"ارے۔ آپ کو مسئلہ کیا ہے" ارحم جھنجھلا اٹھا۔ آپ بنا اسے دیکھے اور جانے بلاوجہ کے اندازے لگا کر مخالفت کیے جا رہی ہیں، وہ آپ کی توقع سے کہیں بڑھ کر نکلے گی۔ خوب صورت ہے،

سگھڑ ہے، سب سے بڑھ کر اسے یہاں ایڈجسٹ ہو جائے گی کہ واپسی کا امکان ہی کوئی نہیں۔"

"صرف اس لیے کیونکہ تمہارا اس پہ دل آ گیا ہے۔ اور حد تو یہ ہے کہ اس کی جانب سے ایسا کچھ بھی نہیں۔"

"تو یہ کون سی اتنی اہم بات ہے" ارحم نے ماں کے اس نکتے کو بالکل بھی اہمیت کے لائق نہیں گردانا "مجھے اس کی خوب صورتی سے پیار ہوا ہے۔ اور میں اسے بیاہ کر گھر بسانا چاہتا ہوں۔ شادی کے بعد ظاہر ہے وہ بھی چاہنے لگے گی۔"

"ہوں" شہناز نے کچھ سوچتے ہوئے گہری سنجیدگی سے ارحم کو دیکھا

"تو جس بات پر تمہارے پورے خاندان اور برادری کو اعتراض ہو سکتا ہے۔ اُس پر بھی بات کر دو۔"

"کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔" کیونکہ شادی کے بعد وہ بدل جائے گی۔ ارحم ہلکا سا بڑبڑا کر گھڑی باندھنے لگا۔

"مجھے پھر بھی وقت چاہیے۔ یہ سب اتنا آسان نہیں ہے۔" تمہارا باپ بے شک لاچار و مجبور ہے پر بستر پہ پڑا ہے، خدانخواستہ قبر میں نہیں چلا گیا۔ قدرت نے کوئی کرشمہ کیا تو واپس زندگی کی طرف بھی لوٹ سکتا ہے، تب کیا جواب دوں گی اس کو؟ شہناز کا لہجہ ایک دم روکھا تھا اس بار ارحم کو بھی آگے سے کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی اور وہ بنا کچھ کہے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

"اے لبنیٰ، سن نا۔ اِدھر کوئی بک شاپ یا اسٹیشنری کی اچھی سی دکان ہو گی؟"

"ہاں باجی، بہت ہیں" لبنیٰ نے دبا دبا جوش محسوس کیا۔ لگتا تھا رمشہ باجی آج بھی کہیں نکلنا چاہتی ہیں۔ منصب صاحب نے اسے لبنیٰ اور اس کی اماں کے ساتھ ہی کہیں آنے جانے کی اجازت دی تھی۔ پہلی مرتبہ وہ اس کی ماں کے ساتھ جا کر موسم کے پھل اور سبزیاں ہی خرید لائی تھیں۔ اگلی مرتبہ بھی کچن کا کچھ ضروری سامان تھا تب بھی اس کی اماں ساتھ گئی تھیں۔ چار پانچ دن پہلے وہ باجی کے ساتھ نزدیکی پارک کے لیے نکلی تھی۔

"یہی ہمارا نزدیکی پارک ہے نا۔ جدھر اس دن گئے تھے" لبنیٰ ہاتھ سے اشارے بھی کرنے لگی۔

"بس اس کے پچھلے روڈ پر کتابوں کی بہت اچھی دکانیں ہیں۔ جوتوں اور ریڈی میڈ کپڑے کی بڑی دکانیں بھی ہیں۔"

"پیدل کا راستہ ہے؟" رمشہ اب کچھ سوچ رہی تھی۔

"جی باجی! پارک کے اندر سے بھی جا سکتے ہیں۔ اس گیٹ سے داخل ہوں گے۔ اور اگلے سے نکلیں گے تو سیدھے دوسری سڑک پر ہوں گے"

"اچھا واہ، یہ تو اور بھی اچھا آئیڈیا ہے۔ چل تو تیاری کر آ۔ میں منصب کو بتا دوں۔ کوکنگ تو ہو گئی، "بس نکلتے ہیں" وہ اٹھ کر موبائل پہ کال ملانے لگ گئی اور لبنیٰ اپنی اماں کو بتانے نکل گئی۔ رمشہ نے منصب کو اپنے پارک میں جانے کا بتایا اور تیار ہو کر باہر نکل آئی۔ منصب کو پوری بات وہ نہیں بتا سکتی تھی، اسے تو سرپرائز دینا تھا۔ وہ پرس میں رقم رکھ کر گیٹ کو تالا لگا کر لبنیٰ کے ساتھ باہر نکل آئی۔ مفورہ پہلے ہی کام کاج نمٹا کر اپنے گھر چلی گئی تھی۔ لبنیٰ اس کے چلے جانے کے بعد بھی گھنٹہ دو گھنٹہ یہیں رہتی تھی۔ رمشہ نے اس کی کتابیں خرید لی تھیں، منصب کے آفس سے آ جانے تک وہ لبنیٰ کو پڑھاتی رہتی۔"

"بھیا کو آپ نے صرف پارک کا بتایا؟" لبنیٰ ساتھ ساتھ چلتے حیران ہو کر پوچھ رہی تھی۔ رمشہ باجی تو کھانا بھی منصب صاحب کی مرضی سے بنایا کرتی تھیں۔

"ہاں" رمشہ ایک دم ہنس پڑی۔ "اُسے سرپرائز جو دینا ہے، آج اس کی برتھ ڈے ہے، اس کے لیے کچھ لینا چاہتی ہوں۔"

"ارے واہ باجی، صاحب کی سالگرہ۔ اُن کو یاد تھی کیا؟"

"نہیں، صبح بھی جلدی میں نکل گئے۔ میں وش

ہی نہیں کر سکی، اب سوچ رہی ہوں، شام کو چھوٹی سی پارٹی ارینج کر لیتے ہیں، مزا آئے گا۔"

"مہمان آئیں گے پارٹی میں؟" دونوں پارک کو کراس کرتی دوسرے گیٹ کی جانب بڑھ رہی تھیں۔

"نہیں بھئی کون سے مہمان، ابھی یہاں جانتے ہی کس کو ہیں بس تم اپنے چھوٹے بھائی بہنوں کو لے آنا۔" رمشہ اور وہ باتیں کرتے دوسری سڑک پر نکلے۔ یہ ایک نسبتاً پر رونق اور خوب صورت چوک تھا۔ رمشہ متاثر کن نظروں سے دیکھتے آگے بڑھنے لگی۔ بازار کا صاف ستھرا کنارہ، چھوٹی بڑی کچھ دکانیں، لوگوں کی چہل پہل۔

"واہ لبنیٰ، تمہارا شہر تو بڑا پیارا ہے۔" وہ یہاں کی خوبصورتی کو سراہتی دکانوں کے بورڈز دیکھنے لگی۔

"باجی پھول لینے ہیں۔" لبنیٰ نے دوپٹہ کھینچ کر کبھی متوجہ کیا تو انھی نے دکان کے ہورڈنگز سے نظریں نیچے کرتے سڑک کے پار دیکھا تو لائن میں دو دکانیں پھولوں کی دکھائی دیں۔

"ارے ہاں، یہاں سے منصب کے لیے پیارا سا بکے بنواتے ہیں، آؤ چلو۔" وہ لبنیٰ کو لیے سڑک کے دوسری جانب آ گئی۔ ایک بڑی بک شاپ بھی اسی سائیڈ پر دکھائی دے رہی تھی۔ انھی نے پھولوں کا بکے بنوایا تو لڑکے نے سائیڈ پہ رکھے کچھ کارڈز بھی آگے بڑھائے۔

"کچھ لکھ کر لگانا ہو تو۔" لڑکے نے مشورے کے انداز میں کارڈ اسے دکھائے اور رمشہ نے متاثر کن نظروں سے بچے کو دیکھا۔ یہاں تو سب بندوبست تھا۔ اس نے ایک برتھ ڈے وش کرنے کا چھوٹا سا کارڈ بھی الگ کر لیا۔ سوچا گھر جا کر آرام سے کچھ لکھے گی۔

"اے رمشہ باجی۔ وہ دیکھو منصب بھیا کی جیپ۔" لبنیٰ نے ایک سمت کو دیکھتے اس کے کندھے پر ہاتھ مارنا شروع کیے تو رمشہ بھی چونک گئی۔

"منصب کی جیپ۔ کہاں ہے بھئی۔ اور۔"

"ارے وہ دیکھیں، منصب بھیا۔" لبنیٰ کو منصب بھی دکھائی دے گیا تھا۔ رمشہ نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو سڑک پار واقعی منصب کی جیپ کھڑی تھی۔

"باجی، جس دکان میں ہم جانے والے تھے، اسی میں تو بھیا گئے ہیں۔" لبنیٰ نے وضاحت کی تو رمشہ کو بھی دور ایک دکان میں وردی پہنے بھائی نظر آ گیا۔ لبنیٰ اسے اسی شاپ کی طرف تو لے جا رہی تھی۔ جانے منصب کو وہاں کیا کام تھا۔ رمشہ نے کچھ دیر رک کر کچھ سوچا پھر اس کے لبوں پر ایک شرارتی سی مسکراہٹ آئی۔

"ادھر آؤ لبنیٰ، ایک آئیڈیا آیا ہے۔"

"کیا باجی۔؟" لبنیٰ اسے حیرت سے دیکھنے لگی، جبکہ رمشہ نے مسکراتے ہوئے ہاتھ اپنے ہینڈ بیگ میں ڈالا اور ایک پین نکال کر چھوٹا کارڈ ہاتھ میں لیا اور جلدی سے برتھ ڈے وشز لکھ کر کارڈ کو بکے میں اٹکایا۔ "منصب کو یہیں شاپ میں ہی وش کرتے ہیں، حیران ہو جائے گا۔"

"باجی۔ نام تو آپ نے لکھا ہی نہیں۔" لبنیٰ نے خیال دلایا تو رمشہ چونکی۔

"ارے ہاں، جلدی میں برتھ ڈے وشز تو لکھ دیں، نام لکھنا۔" وہ کہتے کہتے ایک دم رکی اور پھر ہنسنے لگی "چلو، یہ بھی اچھا ہے۔ نام لکھ دیا تو فوراً سمجھ جائے گا کہ میرا ہی کام ہو گا۔ ہم ذرا اسے تنگ کرتے ہیں۔" وہ پلان بنا کر پھولوں والے لڑکے کی طرف بڑھی۔

"سنو بچے! یہ چھوٹا لڑکا تمہارا بھائی ہے۔" رمشہ نے پھول والے لڑکے کے پاس کھڑے اس کے ہم شکل بچے کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں باجی، بھائی اے امارا۔"

"اس کو بھیجو ذرا۔ یہ پھول اُدھر سامنے دے کر آنے ہیں۔ میں اس کو پیسے دوں گی۔"

"آں، ہاں۔" لڑکے نے بس کچھ دیر سوچا پھر سر ہلاتے چھوٹے بھائی کو اشارہ کیا اور چھوٹا لڑکا بھاگ کر رمشہ کے قریب آیا۔ رمشہ اور لبنیٰ اسے ساتھ لیے سڑک کے دوسری جانب آ کر جیپ کی اوٹ میں

ہو گئیں۔ شاپ اب بہت صاف اور سامنے دکھائی دے رہی تھی۔ لیکن منصب سامنے نظر نہیں آیا۔

"ارے لبنیٰ یہ منصب کدھر گیا؟"

"باجی، ابھی تک اندر ہی ہیں۔ تھوڑا آگے تک گئے ہوں گے۔"

"ہاں ٹھیک۔" رمشہ نے کچھ دیر سوچا پھر لڑکے کو دیکھا۔

"بچے۔ اس کتابوں والی دکان میں جا کر وہ جو دکان والا آدمی دکھائی دے رہا ہے نا، وہ نیلے کپڑوں والا۔" رمشہ نے ہاتھ سے اشارہ کیا "اس کو جا کر یہ دے دو، کہو کہ آپ کی دکان میں جس کی آج سالگرہ ہے نا، اس کو یہ پھول دے دیں، سمجھ گئے نا۔"

"جی باجی جس کی آج سالگرہ ہے اس کے لیے ہیں یہ پھول۔" لڑکے نے فوراً ذہانت سے دہرایا اور رمشہ نے اسے اندر کی طرف بھگایا، تاکہ منصب دکان سے نکل نہ جائے۔

"یہ ویسے اچھا آئیڈیا ہے باجی بھیا تو بالکل ہی حیران ہو جائیں گے۔" لبنیٰ بھی ایک دم جوش محسوس کرنے لگی۔ دونوں بھرپور دلچسپی سے لڑکے کو دیکھنے لگیں۔ دکان میں جاتے ہی اس نے نیلے کپڑوں والے دکان دار کے ہاتھ میں پھول تھماتے کچھ بات کی۔ دکان دار نے بھی بچے کی بات بغور سنی اور مسکرا کر پھول اس سے لے لیے۔

"ارے، تم دونوں یہاں چھپ کر کیا دیکھ رہی ہو؟" رمشہ کے کندھے پر ایک مضبوط ہاتھ ہلکا سا لگا ہوا اور ساتھ ہی ایک مانوس آواز۔ دونوں ایک ساتھ ہی بری طرح چونک کر پلٹیں۔

"من۔ صب۔ تم ادھر۔" رمشہ حیرت سے منہ کھولے بھائی کو دیکھ رہی تھی جو بجائے دکان کے ان کی پشت پہ کھڑا تھا "ارے تم ادھر ہو تو وہاں؟" دونوں نے پھر سر گھمایا، لڑکا کام نمٹا کر خوشی خوشی دکان سے نیچے اتر رہا تھا۔ رمشہ نے ماتھا پیٹا۔ لبنیٰ کو ہنسی آ گئی، منصب کے پوچھنے پر لبنیٰ نے اسے ساری بات بتا دی۔ رمشہ نے وعدے کے مطابق چھوٹے بچے کو اس کا انعام دے کر بھیج دیا۔

"چلو جی" سرپرائز تو گیا، آؤ، دکان دار سے لے کے واپس لیتے ہیں۔" اقصیٰ نے منصب کو دیکھا جبکہ لبنیٰ حیرت سے دکان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"وہ دیکھو رمشہ باجی! ادھر کیا ہو رہا ہے"

"ہوں۔ کیا؟" رمشہ نے نظروں کے تعاقب میں دیکھا دکان دار ایک پیاری سی لڑکی کو مسکراتے ہوئے وہی پھول پیش کر رہا تھا اور لڑکی نچلا لب حیرت سے دانتوں میں دبائے گھبرائی نظروں سے ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔

"ارے۔ یہ پھول تو غلط ہاتھوں میں جا رہا ہے۔ منصب آؤ نا شاپ کیپر کو اصل بات بتاتے ہیں۔"

"ایک منٹ، تم لوگوں نے لڑکے کو کیا کہہ کر بھیجا تھا" منصب نے انہیں روکا۔

"یہی کہ دکان میں موجود لوگوں میں سے جس کی آج برتھ ڈے ہے یہ اس کے لیے ہے"

"تو مطلب، دکاندار نے یہی اعلان کیا ہوگا۔" منصب نے مزید کہا تو دونوں چونکیں۔

"ارے ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کی بھی آج؟"

"کیوں نہیں ہو سکتا"

"بس کرو منصب! یہ تو بہت ریئر۔"

"رکو یار۔" منصب نے بہن کی کلائی پکڑ کر روکا "کون سا تمہاری جائیداد کے کاغذ بٹ رہے ہیں۔ پھول ہی تو ہیں جانے دو۔" منصب کو رمشہ کے اتاولے پن سے بے چینی محسوس ہوئی۔ وہ ہرگز اسے وہاں تک پہنچنے نہیں دینا چاہتا تھا۔ کیونکہ شاپ میں کھڑی مسکراتی لڑکی کو اس نے ایک پل میں پہچان لیا تھا۔ یہ وہی طوفانی رات والی لڑکی تھی، جس سے اس کا بہت دیر تک ساتھ رہا تھا۔

"اس کا چہرہ دیکھو، وہ یہ سرپرائز پا کر بہت خوشی محسوس کر رہی ہے۔ کسی سے اس کی خوشی نہیں چھینتے۔" منصب نے بمشکل اپنی نگاہ چھڑا کر بہن کی طرف توجہ کی۔ وہ منہ بنائے اپنا سرپرائز غارت

ہوتے دیکھ رہی تھی۔ منصب نے مسکرا کر اس کے سر پر چپت لگائی۔

"جاؤ، میرے لیے ایک اور بکے بنوا لاؤ۔ اس بار پرپل ٹیولپ زیادہ ڈلوانا۔" اس نے انگلی سے دور جامنی ٹیولپس کی جانب اشارہ کیا اور دمشہ بچ بچ بھل گئی۔ سر پر جا موجود ہوئی تھی۔ منصب نے اس دوران پلٹ کر دکان کی طرف دیکھا۔ لڑکی اب دکان سے نکل کر حیرت سے دائیں بائیں دیکھ رہی تھی۔ اسے یقیناً جاننے کا اشتیاق ہو رہا تھا کہ یہ پھول اسے کس نے بھیجے ہوں گے۔ منصب نے اپنی کیپ سر پر رکھتے ناک تک کھینچ لی، معلوم نہیں کیوں، پر اس وقت وہ اس لڑکی کی پہچان میں نہیں آنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

"ریم۔ ہنسی مت روکو، مجھے پتا ہے یہ تمہارا کام ہے۔" وسیلہ نے آنکھیں چھوٹی کر کے تحریم کو دیکھا تو وہ بلاوجہ ہنس پڑی۔

"یہ تو نہیں روکتی ہنسی۔ لیکن "کام" کیسا؟ میں نے تو صبح سے کروٹ بھی نہیں بدلی بہن۔"

"دیکھو اب بنو نہیں۔" اس نے بڑے سے بکے کو سامنے بیڈ پر رکھا۔

"واؤ۔" تحریم نے بکے کی نفیس سجاوٹ دیکھتے سریلی سی سیٹی کی آواز نکالی۔ "یہ اورنج والا ٹیولپ نکال لوں؟" اس نے ہاتھ آگے بڑھایا۔

"یار تم اتنا بن کیوں رہی ہو۔ سچ بتاؤ۔ تمہاری شرارت تھی نا؟ ایلا تو کالج گئی ہے۔" وسیلہ کو اس کی ایکٹنگ سے چڑ ہو رہی تھی۔

"ارے بھئی کون سی شرارت۔ یہ اتنا پیارا بکے ہمیں تو گفٹ نظر آ رہا ہے۔ تمہیں شرارت کیوں لگ رہا ہے؟" ریم بھی اپنی جگہ پکی تھی۔ اسے کیا پتا وسیلہ کیا اخذ کیے کھڑی ہے۔ اور ویسے بھی انہوں نے تو وسیلہ کے لیے گھر پر سرپرائز تیار کر رکھا تھا۔ جبکہ وہ باہر سے پھول لیے آ رہی تھی۔

"یہ بکے ادھر بک شاپ والے کو تم نے نہیں دیا؟"...

"ہائیں۔ اچھا۔" ریم متعجب ہو کر کسی بک شاپ والے کے متعلق سوچنے لگی۔ "بک شاپ والے نے یہ کہا کہ تحریم نے اسے دیا ہے؟" وہ جتنا سمجھ آیا اسی کے مطابق سوال کرنے لگی، جس سے وسیلہ مزید جھنجھلا گئی، لیکن اس بار ریم کو پوری بات بھی بتا دی۔

"ارے واہ وسیلہ۔ تمہیں بھی سرپرائز ملنے لگے۔ سو سویٹ۔" وہ ایک دم جذباتی سی ہو گئی۔ "ایسے سرپرائز کی مجھے مومن سے ویسے بڑی امیدیں ہوتی ہیں، پچی۔ لیکن وہ ہلکو بھی یاد نہیں رکھتا۔"

"مطلب یہ تم دونوں کا کام نہیں ہے؟" وسیلہ پہلی مرتبہ کچھ چونکی۔

"کہاں یار، ابھی کچھ دیر پہلے قاسم ماموں آسٹریلیا سے آن پہنچے ہیں۔ میں نے تو عدرت مامی کے ساتھ مل کر شام کی پارٹی ترتیب دی ہے۔ اب تو پانچ بجے بس سب کے اکٹھا ہونے کا انتظار ہے، اچھا ہاں، تم بک شاپ کیوں گئیں؟"

"یار امی نے قاسم انکل اور ان کی مسز کے لیے کچھ ڈریسز لیے تھے بینگورہ سے۔ اب وہ چاہ رہی تھیں کہ اچھی سی پیکنگ میں دیں، میں تو بس کچھ گفٹ ریپر وغیرہ لینے گئی تھی۔"

"لیکن یہ کون ہو سکتا ہے، جسے تمہارے بک شاپ پر جانے کا بھی پتا تھا اور اس نے ایسے اسپیشل انداز میں وش بھی کر دیا اور۔"

"ارے اب ڈراؤ نہیں مجھے۔" وسیلہ کو خوف سے جھرجھری آ گئی۔ "ایسی تھرلنگ باتوں سے میری توبہ ہاں لیکن۔"

"یار چپ کر دو نا۔" وسیلہ نے اسے کشن کھینچ مارا۔ دل اندر ہی اندر بری طرح ڈر رہا تھا۔ اب تک کے وقت میں وہ اسے تحریم اور ایلیا کی طرف سے سرپرائز سمجھ کر بالکل ریلیکس تھی لیکن یہ تو کچھ اور ہی تھا۔ اور اب پتا نہیں کہ کیا تھا۔ وہ بکے کو وہیں چھوڑ کر باہر نکل گئی۔ اس معاملے سے دماغ ہٹا لینا ہی بہتر تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆

دوسری قسط

”چائے پی لو تانیہ۔ آرام ملے گا۔“ ذکیہ بیگم نے ہولے سے اس کا کندھا چھوا تو اس نے ہاتھ آنکھوں سے ہٹایا۔

”اسی لیے کہتی ہوں، زیادہ گہرائی سے مت لیا کرو ان باتوں کو۔ اب کیا ہر مریض کی کہانی اسی طرح دل سے لگا کر بیٹھ جاؤ گی۔ وہ ڈاکٹر بھر اچھے ہوئے نا۔ جسمانی تکلیف کی دوا دے کر ایک کو رخصت کیا اور دوسرے کو آواز لگا دی۔ کسی کی ذاتی زندگی جاننے کا جھنجھٹ ہی کوئی نہیں۔“ ذکیہ بیگم کا ایک ہی شکوہ تھا۔ تانیہ نے مسکرا کر گرم چائے کا کپ

ہاتھ میں لیا۔
"مجھے لگتا ہے، مجھ سے زیادہ آپ میرے پیشنٹس کی لائف پر سوچنے لگتی ہیں؟"
"ہاں تو اور کیا۔" ذکیہ بیگم نے منہ بنایا "اب ایسی دردناک کہانیاں سناؤ گی تو جی لگے گا کسی اور کام میں؟"
"سوری۔ مجھے احتیاط کرنی چاہیے، آپ بلاوجہ اسٹریس نہ لیں۔" تانیہ کو حقیقی دکھ ہوا۔ اس نے دل میں طے کیا کہ آئندہ وہ سوچ سمجھ کر ان سے اپنے مریضوں کے قصے شیئر کیا کرے گی۔
آج اس کے کلینک پہ ایک بزرگ آئے تھے۔ زندگی درس وتدریس میں گزری تھی، اب ریٹائرڈ تھے۔ ان کا مسئلہ یہ تھا کہ ان کے چار بیٹے جواب بڑے بڑے عہدوں پر تھے اور اپنی اپنی خوش حال زندگی گزار رہے تھے، وہ ان کی بات کو اہمیت نہیں دیتے تھے۔ اُن کے رویے سے ایسا ظاہر ہوتا جیسے وہ انہیں زندگی کے ہر معاملے میں ریٹائرڈ ہی سمجھتے تھے۔ ڈاکٹر تانیہ سے ان کی گزارش بس اتنی تھی کہ انہیں کسی کے دل میں اپنی اہمیت اور قدر پیدا نہیں کرنی، صرف اپنی حساس طبیعت کو مارنا ہے۔ اس کے لیے کوئی مشورہ کوئی دوا اگر کام کرتی ہو تو وہ انہیں ہر قیمت پر چاہیے تھی۔ تانیہ نے ان کی باتوں پر اپنے آنسوؤں کو بڑی مشکل سے ضبط کیا تھا۔ بزرگوں کی بے بسی پر ہمیشہ ہی اسے بڑی تکلیف دہ سی گھٹن محسوس ہوتی تھی۔
"تو پھر کیا مشورہ دیا تھا انہیں؟" امی نے آہستہ سے پوچھا تو تانیہ چونک کر خیالات سے باہر آئی۔
"جی۔ کچھ دوائیں تو ہوتی ہیں سکون کی۔ انہیں لکھ دی تھیں۔ ساتھ ساتھ ان کے مشاغل پوچھ کر انہیں اپنی لائف کو مصروف رکھنے کے مشورے بھی دیے تھے۔ پریشان کن سوچوں سے چھٹکارے کا واحد حل اپنے ذہن کو کسی اور طرف مصروف رکھنے میں ہے۔"
"تو کہنا مانیں گے وہ تمہارا؟"
"جب میں نے ان کے مشاغل پوچھے تو انہوں نے کہا کہ وہ تاریخ سے بہت دلچسپی رکھتے ہیں، میں نے ان سے کہا کہ تاریخی کتب کی دستیابی میں، میں ان کی مدد کردوں گی، بس وہ اپنی پسندیدہ تاریخی بکس سے مطالعے کا آغاز کریں اور آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ آج کل وہ اسلامی تاریخ پہ کام بھی کررہے ہیں اور بہت مگن ہیں۔"
"ویسے تو تمہارا کام ہے بڑا دلچسپ۔"
"جی... عام ڈاکٹرز کی طرح نہیں کہ ایک کو دوا دی اور دوسرے کو آواز لگادی۔" تانیہ نے ان ہی کے جملے سے حساب برابر کیا تو وہ ہنس کر اس کے کندھے پر دھپ لگاتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ تانیہ بھی کھل کر ہنستے اپنے سر کے درد کو کم ہوتا محسوس کرنے لگی۔

☆☆☆

"وسیلہ۔ او وسیلہ۔" رضوانہ ریسیور ہاتھ میں پکڑے وسیلہ کو اونچی آواز میں پکار رہی تھیں۔
"جی امی... ؟" وہ کمرے سے نکلی تھی۔ تحریم کی اگلے روز مہندی کا فنکشن تھا۔ جہیز کا بھاری سامان ندرت کے ہاں سیٹ ہوچکا تھا۔ صرف تحریم کے سوٹ کیس تیار ہونا باقی رہ گئے تھے۔ وہ خود تو ایلیا کے ساتھ بیوٹی پارلر گئی ہوئی تھی۔ پیچھے وسیلہ ہی کپڑوں کی پیکنگ کا کام سنبھال رہی تھی۔
"بیٹا! تمہاری کسی ٹیچر آصفہ کی کال ہے۔" انہوں نے ریسیور وسیلہ کو تھمایا اور عجلت میں وہاں سے چلی گئیں۔
"میم آصفہ ..." وسیلہ نے حیرت آمیز خوشی سے زیرلب دہرایا۔
"جی وسیلہ! میم آصفہ بات کررہی ہوں، آپ کی انگلش کی ٹیچر۔" سامنے سے مسکرا کر وضاحت کی گئی اور وسیلہ شرمندہ ہوگئی۔
"میم آپ کا نام ہی کافی ہے۔ میں تو بس حیران ہورہی تھی کہ۔"
"آپ کی حیرت بجا ہے وسیلہ۔" آصفہ سنجیدہ ہوئیں۔ "دراصل میں آج کل سید شریف میں ہوتی ہوں۔ میانہ دم چھوڑے قریب پانچ سال ہوگئے۔"
"جی میم، کچھ پرانی کلاس فیلوز سے پتا چلا تھا کہ

آپ وہیں پر شفٹ ہو گئی ہیں۔ کیسی ہیں میم آپ؟"

"الحمدللہ، آپ بچوں کی دعائیں ہیں۔ وسیلہ مجھے آپ سے کچھ کام ہے۔"

"پلیز میم! آپ حکم کریں، میں ہر وقت حاضر ہوں۔"

"جب میں میاں مدم میں تھی تو چوکیدار اشرف یاد ہے نا؟"

"جی میم اشرف چاچا۔ بالکل یاد ہیں۔"

"جب ان کی ڈیتھ ہو گئی تو ان کی فیملی کی میں کبھی کبھار امداد کر دیا کرتی تھی۔ لیکن اس ماہ منی آرڈر کی رقم واپس گھر آ گئی ہے، پوسٹ مین کو بتایا گیا کہ انہوں نے وہ گھر چھوڑ دیا ہے۔ مجھے کافی پریشانی ہے کہ اب ان کو کیسے تلاش کروں۔ انہوں نے بھی مجھ سے کوئی رابطہ نہیں کیا۔"

"اوکے میم، میں آپ کو پتا کر کے بتاتی ہوں۔ آس پڑوس سے معلوم کرتی ہوں۔"

"تھینک یو وسیلہ، مجھے اندازہ تھا کہ آپ میرا کام کر سکتی ہیں۔"

"شکریہ کی کوئی بات نہیں میم۔ میرے لیے خوشی اور اعزاز کی بات ہو گی اگر میں آپ کے کسی کام آ سکوں۔"

☆☆☆

"اُف خدایا، کوئی تو میری پرابلم سمجھے۔" تحریم بے چینی سے برآمدے میں چکر کاٹتے مسلسل ہتھیلی پہ موبائل بجائے جا رہی تھی۔ عدرت ممانی کو وہ تین چار مرتبہ کالیں ملا چکی تھی۔ تحریم کا مسئلہ ایک وہی حل کر سکتی تھیں لیکن یقیناً وہ اپنے مہمانوں کی آمد کی وجہ سے بزی تھیں۔ دوسرا نمبر مومن کا تھا لیکن وہ تو کارڈز بٹتے ہی جیسے آپ مانچوں بیٹھ گئے تھے۔ تحریم کو خود تو بالکل ان رواجوں سے کچھ لینا دینا نہیں تھا لیکن مومن ان رواجوں کی مکمل پاس داری کر رہا تھا۔ تحریم کو شادی سے پہلے ہر حال میں اپنا کمرہ دیکھنا تھا۔ وسیلہ نے اس کی حالت دیکھتے ہوئے صبح ہر اینگل کی تصویریں اسے لا کر دکھائیں لیکن انہیں دیکھ کر تو تحریم اور بھی زیادہ تڑپ اُٹھی۔ اسے کمرے کی سیٹنگ پہ شدید اعتراض تھے۔ بیڈ اس دیوار کے ساتھ کیوں رکھا۔ صوفہ فلاں جگہ ہونا چاہیے تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل یوں کیوں ہے، میز، وہاں کیوں۔

"میری توبہ تحریم۔" وسیلہ ہاتھ جوڑ کر اُٹھ کھڑی ہوئی "مجھے میم آصفہ کے ایک بہت ضروری کام سے نکلنا ہے۔ میں جا رہی ہوں۔"

"ایلیا... اے ایلا۔" تحریم نے باہر نکلتی ایلیا کو بازو سے پکڑ کر روکا "کہاں جا رہی ہے میری بہن؟"

"عدرت مامی کی ہیلپ کرنے، مہمان کافی ہیں، لنچ میں انہیں دقت نہ ہو تو۔"

"سنو یار..... میرا ایک کام کر دو۔" ریم نے لہجہ سرگوشیانہ کیا اور ایلیا کو تب ہی خطرے کی بُو آ گئی۔ تنک کر بہن کو دیکھا جس پر ریم نے بے ساختہ سر کھجایا۔

"وہ۔ مجھے۔ مجھے اپنا کمرا دیکھنا ہے۔" بالآخر جھجک ترک کرتے اس نے فٹ سے کہہ دیا۔

"مطلب آپ چوری چوری اپنا کمرہ دیکھنا چاہتی ہیں۔

تو آپ کے وہ ہونے والے۔ وہ کدھر ہیں۔ اُن کی مدد لو نا۔"

"یہ لو، وہی تو دغاباز نکلے۔ کچھ سننے کو تیار ہی نہیں ہیں۔"

ریم نے کسی طرح ایلیا کو منا ہی لیا تھا۔

ایلیا جالی والا دروازہ کھول کر برآمدے سے ہوتی کوریڈور میں آئی، یہاں کا سب سے پہلا روم ہی مومن اور تحریم کے لیے سیٹ کیا گیا تھا۔ ایلیا نے اندر جھانکا تو وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔

"آ جاؤ آپی" اس نے باہر نکل کر آواز دی اور ریم خوشی سے اچھلتی ہوئی دوڑی۔

تحریم کا کمرے کی سجاوٹ دیکھ کر منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ وسیلہ نے تو صبح سویرے اسے تصویریں دکھائی تھیں۔ اس بیچ مومن نے پھر کچھ تبدیلیاں کی تھیں۔ کمرے کا خواب ناک ماحول دیکھ کر ریم کو بیچ بیچ ہی ایلیا سے شرم آ گئی۔

''ہوں۔ اب ہو مطمئن؟'' ایلیا نے بازو پھیلا کر کمرے کی سیٹنگ کی جانب اشارہ کیا۔
''تم بلاوجہ۔'' الفاظ ایلیا کے منہ میں ہی رہ گئے اسے دروازے کے باہر مومن کی آواز سنائی دی۔ شاید وہ کسی سے موبائل فون پر بات کرتا ہوا آرہا تھا۔
''مومن.....'' ریم نے بھی آنکھیں پھیلائیں اور پھر غڑاپ کر کے کھڑکی کے بھاری براؤن پردوں کے پیچھے چھپ گئی۔ ایلیا منہ کھولے کچھ کہنے کی کوشش میں کھڑی رہ گئی جب مومن اچانک کمرے میں داخل ہوا۔
''تم۔ یہاں؟'' مومن کا ایلیا کو اپنے بیڈروم میں دیکھ کر ماتھا ٹھنکا۔ ''کوئی کام ہے؟'' اس نے بمشکل لہجے کو نرم کیا کہ وہ اور وسیلہ مسلسل اس کی امی کے ساتھ کاموں میں لگی تھیں۔
''ج ج جی بھیا۔ وہ۔ وہ میں بیڈ شیٹ دیکھنے آئی تھی۔''
''ریم آپی نے پوچھا تھا نا۔'' اس نے بات سنبھالی۔
''تو۔ دیکھ لیا؟'' مومن نے موبائل والے ہاتھ سے نہایت بدمزاجی سے بیڈ کی جانب اشارہ کیا۔ مومن کمرے کو لاک کرنے کی نیت سے آیا تھا۔
''جی۔'' اس نے سر تو ہلایا لیکن ٹس سے مس بھی نہیں ہوئی۔
''ہوں، آجاؤ، میں کمرا بند کردوں۔'' اس نے ایلیا کو ہاتھ سے باہر نکلنے کا اشارہ کیا وہ تھوک نگلتے ہوئے ہلتے پردے کو دیکھنے لگی۔
''بھیا! میں تصویریں بنالوں؟ ریم آپی کو دکھانے کے لیے؟'' اس نے اپنی طرف سے بہانا سوچا۔
''موبائل کہاں ہے؟'' وہ اس کے خالی ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔ ایلیا نے شرمندگی سے آنکھیں بھینچیں۔
''چلو۔'' مومن نے اس بار سیدھے سبھاؤ نکلنے کا اشارہ کیا اور وہ بے بسی سے پھر پردے کو دیکھے گئی۔ ریم آپی لاک ہونے والی تھیں۔ دل میں سوچا ہونے دو لاک، ایک بار مومن بھیا یہاں سے چلے جائیں، وہ نادرت ممانی کے ساتھ آکر ریم کو نکال لے جائے گی۔ بلکہ زیادہ امکان تو یہی تھا کہ آپی خود ہی اندر سے لاک کھول کر باہر آسکتی تھیں۔ وہ مطمئن انداز میں باہر نکلی، مومن نے دروازہ بند کیا اور ریم تڑپ کر دروازے تک پہنچی۔
''کھولو کھولو۔'' اس نے دیوانہ وار دروازہ پیٹنا شروع کردیا۔ مومن نے ایک حیرت بھری نگاہ ایلیا پر ڈالتے ہوئے دروازہ کھولا تو گھبرائی بوکھلائی ریم۔
''تم۔؟'' مومن نے غصے سے گھورا لیکن آگے سے ریم پیارا سا مسکرادی، مومن نے گڑبڑا کر ایلیا کی طرف دیکھا اور وہ بری طرح خجل ہوتے ہوئے وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی۔

☆☆☆

اشرف کے گھر والوں کا ایڈریس وسیلہ کو اس کے پڑوس سے ہی مل گیا تھا۔ اور وسیلہ اب اشرف کے بیوی بچوں کا نیا ایڈریس لے کر وہاں تک آگئی جہاں وہ اب رہتے تھے۔ ہاں لیکن آگے کی لوکیشن سمجھنا اب ذرا مشکل لگ رہا تھا۔ سامنے کچھ دکانیں تھیں۔ اس نے ابھی چلنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ دکانوں سے چند قدم پہلے ایک پولیس جیپ آکر رکی اور ایک پولیس والا جیپ سے اتر کر پشت کیے دوسری سیٹ سے کچھ سامان اٹھانے لگا۔
''ایکسکیوزمی۔'' وسیلہ نے بنا سوچے اس کو آواز دے ڈالی۔
''ہوں۔'' منصب چونک کر پلٹا تو بے ساختہ حیرت سے دوچار ہوا۔ وہ طوفانی رات اور چند روز پہلے پھولوں کے بکے والی لڑکی، آج تیسری مرتبہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ براؤن اور بلیک کڑھائی والی چادر اپنے گرد ایسے مکمل اوڑھے کہ بال تک دکھائی نہ دے رہے تھے۔ منصب نے پھر بھی اسے پہچان لیا۔ کیونکہ وہ ہر بار اسی طرح باوقار حلیے میں کوئی نہ کوئی چادر اوڑھے ہی اسے دکھائی دی تھی۔ وسیلہ کی آنکھوں میں پیدا ہوتی حیرت بھی جلد شناسائی میں تبدیل ہوئی۔ وہ طوفانی رات والا لڑکا۔
''آپ۔؟'' وہ ایک دم ٹھٹکی۔

"ارے۔ آپ۔" وسیلہ کی آپ میں اگر حیرت تھی تو منصب کے آپ کہنے میں ایک دوستانہ سا ہلکا پھلکا پن تھا۔

"آں جی۔ وہ۔ مجھے یہ ایڈریس جاننا تھا۔" وسیلہ نے عام سے انداز میں اس کی جانب پتے کی پرچی بڑھائی۔

"آپ میرے ساتھ آیئے۔ ہمیں وہاں اوپر تک جانا ہے۔" منصب نے پتا دیکھ کر ہاتھ سے اونچائی کی طرف اشارہ کیا۔

"آپ جانتے ہیں اس ایڈریس کے بارے میں؟" وہ پتا نہیں کیوں بے یقین سی تھی۔

"جی جی آجایئے۔" منصب نے پرچی وسیلہ کو واپس دے کر اپنے تھیلے اٹھائے اور آگے چل دیا۔ وسیلہ نے بھی پیش قدمی کی۔ منصب نے بجائے گھاس سے گزرنے کے چند قدم آگے جا کر پتھروں کا راستہ اپنایا اور اوپر چڑھنے لگا۔ وہ اپنے گھر اپنے علاقے سے کافی دور ایک تقریباً انجان جگہ پر ایک اجنبی پہ بھروسا کرتے اندھوں کی طرح آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ دل میں اچانک ہی ایک خیال آیا کہ اشرف کے پڑوسیوں نے اسے کافی تفصیل سے پتا سمجھایا تھا اور اس تفصیل میں کہیں کسی چڑھائی چڑھنے کا کوئی ذکر نہیں تھا جبکہ یہ پولیس والا۔ اس نے آگے چلتے منصب کو دیکھا، جس سے اس طوفانی رات کی مصیبت میں بس کچھ دیر کا ساتھ رہا تھا، وہ اس پر بلاوجہ بھروسا کر کے اس کے قدموں پر چلتی جا رہی تھی۔ دل میں شک کے بیج نے زور پکڑا۔

"ہمیں کہاں تک جانا ہے۔" وہ ایک دم اپنی جگہ پر ڈٹ گئی۔

"بس اب تو پہنچ گئے سمجھیں۔ یہیں چھ اسٹیپ کے بعد۔"

"وہ۔ میں کسی اور ٹائم آجاؤں گی۔ ابھی مجھے جانا ہے۔" وہ تیزی سے بتا اسے نیچے اترتی چلی گئی۔ اور منصب اپنی بات منہ میں لیے دیکھتا رہ گیا۔ وہ جھٹ پٹ نیچے کہیں غائب ہوگئی تھی۔ منصب کندھے اچکا کر مزید آگے بڑھ گیا۔

وسیلہ اکیلے چلے آنے پر اب دل ہی دل میں شدید پچھتا رہی تھی۔ سوچا اس بار مطلوبہ گھر نہ ملا تو اگلی بار ایلیا کو ساتھ لائے گی۔ لیکن بہرحال اللہ نے اس کی سن لی تھی۔ دکان والوں نے جس مکان کے متعلق بتایا وہی اشرف چوکیدار کا نکلا۔ چاچے کا تیرہ چودہ سالہ بیٹا حفیظ دروازے پر آیا اشرف چوکیدار کا گھر مل گیا تھا اور وسیلہ نے دل ہی دل اس پولیس والے کو کوسا جو اسے بھگا کر اوپر کہیں اکیلے میں لے جا رہا تھا۔

☆☆☆

"منصب، کہاں ہو؟ بیل بج رہی ہے، تم جاتے ہو یا لتی کو بھیجوں؟"

رمشہ نے کچن سے ہانک لگائی۔ مفورہ کپڑے دھونے میں مصروف تھی۔ لتی کو اس نے لکھنے کا کام دے لگا کر اندر بٹھایا تھا۔ دروازے پر معلوم نہیں کون آیا تھا۔

"ہاں ہاں جا رہا ہوں۔" منصب نے ڈریس چینج کر کے چپلیں پیر میں پہنیں اور دروازے پر پہنچا۔

"آپ۔؟" دروازہ کھلتے ہی وسیلہ کو پولیس والا دکھائی دیا تو اس کے لیے قطعی غیر متوقع تھا۔ حالانکہ حفیظ کی معیت میں دوبارہ اوپر چڑھتے وہ شرمندہ سی تھی کہ پولیس والا بھی کچھ دیر پہلے اسے یہیں لا رہا تھا لیکن یہ تو اس نے بالکل نہیں سوچا تھا کہ پولیس والا اسے اپنے ہی گھر لے جا رہا تھا۔ منصب کو البتہ زیادہ حیرت نہیں ہوئی۔ اس نے چہرے کو بمشکل سنجیدہ رکھتے لڑکی کو اندر آنے کی اجازت دی۔ لڑکی کے پیچھے مفورہ کا بیٹا حفیظ جھانک رہا تھا۔

"صاب...... اماں ابھی ادھر ہی ہے نا؟"

"ہاں۔ اندر ہیں۔"

"او کے صاب۔ ان باجی کو اماں سے کچھ کام ہے۔ میں جاتا ہوں۔ گھر اکیلا ہے۔" حفیظ تو اتنی کہہ کر فوراً ہی واپس پلٹ گیا۔ اور وسیلہ نچلا لب شرمندگی سے دانتوں میں دبائے آگے بڑھی تو چہرے پر ہلکی مسکراہٹ بھی تھی۔

"آئی ایم سوری۔ وہ اصل میں ایڈریس بتانے والوں نے کسی پہاڑی وغیرہ پر گھر ہونے کی کوئی بات نہیں کی تھی اس لیے میں گھبرا گئی۔"

"جی، بتانے والے بھی اپنی جگہ سچ تھے کیونکہ ان لوگوں کا گھر تو نیچے سڑک پر ہی ہے۔ لیکن یہاں وہ کام کرتی ہیں اور اس وقت یہیں پر تھیں۔"

"تو آپ نے بھی نہیں بتایا کہ وہ آپ کے گھر میں ہیں۔"

"ابھی میں یہ بھی کہتا کہ آپ کو "اپنے" گھر لیے جا رہا ہوں۔" منصب نے شگفتگی سے اپنے پر زور دیا تو وسیلہ پہلی مرتبہ قہقہہ لگا کر ہنس دی۔ منصب نے جب ایڈریس میں حفیظ ولد اشرف مرحوم دیکھا تو فوراً ہی سمجھ گیا کہ وہ اشرف کی بیوی صفورہ سے ملنا چاہتی ہے۔ اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ صفورہ اور لبنیٰ ان ہی کے گھر کام کر رہی ہیں۔ وہ اسے لیے لاؤنج میں آیا، اسے بیٹھنے کا کہہ کر رمشہ کو آواز دی اور خود اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"السلام وعلیکم۔" رمشہ کو کچن سے نکلتے دیکھ کر وسیلہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آ...... آپ...... ؟" رمشہ کی آنکھوں میں اس سامنے کھڑی پیاری سی لڑکی کو دیکھ کر حیرت اتر آئی۔ سلام کا جواب بھی دینے کا خیال نہیں آیا۔

"آپ مجھے جانتی ہیں؟" وسیلہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ خوش اخلاقی سے پوچھا۔

"آں...... وہ، ایکچولی نہیں۔" رمشہ اپنی غلطی پر نادم تھی۔ منصب نے اسے پھولوں والی بات کا ذکر کرنے سے منع کیا تھا۔

"اچھا، مجھے لگا شاید آپ نے مجھے پہچان کر ایسا کہا۔"

"جی، بس کسی کے جیسی لگیں آپ۔" رمشہ نے خود ہی بات سمیٹ لی۔

"ایکچولی مجھے صفورہ بی بی سے ملنا ہے۔ میری ٹیچر ہیں آصفہ شاہ، ان کا پیغام ہے۔"

"اوہ اچھا... آپ بیٹھیے ... میں صفورہ کو بلاتی ہوں۔" رمشہ نے فوراً کچن میں آکر گلاس میں جوس ڈالا اور پچھلے صحن سے صفورہ کو آواز دے کر بلایا۔ چھوٹی ٹرے ہاتھ میں لیے لاؤنج میں آئی تو لبنیٰ کمرے سے نکل کر تعجب سے انگلیاں منہ پہ رکھے اس لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔

"رمشہ باجی... یہ تو پھولوں والی لڑکی ہے نا؟"

"جی۔؟؟" وسیلہ بے چاری ایک بار پھر حیرت سے اٹھ کھڑی ہوئی، جبکہ رمشہ کی آنکھوں کے اشارے لبنیٰ کے سر پر سے گزر گئے۔

"وہ اُس دن ہم نے منصب بھیا کا پھولوں کا بکے غلطی سے آپ کو بھجوا دیا تھا۔" لبنیٰ نے دانت نکال کر وضاحت کی۔

اس مرتبہ رمشہ نے جوس پیش کرتے خود ہی سچائی سے ساری کہانی بیان کر دی۔

"اوہ......" وسیلہ گلاس لیتے ہوئے ہنس کر واپس صوفے پر بیٹھ گئی۔ "اچھا ہوا آپ نے مجھے تفصیل بتا دی، پچھلے کئی دنوں سے میں تجسس سے زیادہ پریشانی میں تھی کہ آخر وہ پھول کس کی طرف سے آئے، مجھے تو اپنی دو بہنوں کے علاوہ تیسرا بندہ ہی اب تک نہیں سوجھا تھا۔"

"تو سمجھیں وہ آپ کی تیسری بہن تھی۔" رمشہ نے خوش دلی سے اضافہ کیا تو وسیلہ مسکرا دی۔

"کیا میں اپنی تیسری بہن کا نام پوچھ سکتی ہوں؟"

"اوہ سوری، میرا خیال ہے ہم تعارف کرانا بھول ہی گئے" "میرا نام رمشہ ہے۔ یہ لبنیٰ ہے، صفورہ بی بی کی بیٹی۔"

"میرا نام وسیلہ ہے۔"

"تو آپ کی بھی اس دن برتھ ڈے تھی وسیلہ؟" رمشہ بے یقین تھی۔

"جی، ورنہ میں دکان دار سے وہ پھول لیتی ہی کیوں۔ اس نے باقاعدہ اعلان کر کے کہا کہ شاپ میں موجود جس بندے کی آج برتھ ڈے ہے یہ بکے اس کے لیے ہے۔"

"یہ واقعی عجیب بات ہے ویسے۔"

"جی۔" وسیلہ نے اس کے بھائی کے موضوع پر بولنے سے گریز کیا۔ کچھ ہی دیر میں صفورہ اپنا کام نمٹا کر اندر آ گئی۔ اب سے پہلے شاید ان لوگوں کے پاس موبائل نہیں تھا۔

"اوکے، میں اب چلتی ہوں، آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی رمشہ۔" وسیلہ نے ہاتھ مصافحے کے لیے آگے بڑھایا۔

"مجھے آپ سے زیادہ خوشی ہوئی ہے وسیلہ، کیونکہ ہمیں یہاں آئے ابھی بہت کم وقت ہوا ہے۔ سوائے صفورہ بی بی کی فیملی کے کسی سے کوئی جان پہچان نہیں۔"

"او، پھر تو آپ کو ہمارے گھر آنا چاہیے۔ ہمارا عورتوں سے بھرا گھر آپ کو یقیناً بہت اچھا لگے گا۔" صفورہ بی بی، لبنیٰ اور وسیلہ بات کرتے کرتے گیٹ تک آ گئیں۔

رمشہ سے اجازت لے کر تینوں ایک ساتھ باہر آئیں۔ ڈھلان اتر کر نیچے آتے صفورہ اور لبنیٰ اپنے گھر کے راستے کو مڑ گئیں اور وسیلہ جب شاپس کے نزدیک پہنچی تو دکانیں بند ہو چکی تھیں اور جیپ کا بونٹ کھولے منصب وہاں کھڑا تھا۔ وسیلہ کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے بونٹ بند کیا۔

"کام ہو گیا آپ کا؟"

"جی ہو گیا... اور ...." وہ کچھ دیر کے لیے جھجک کر رک گئی۔ منصب مکمل متوجہ ہوا کہ وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتی ہے۔

"سوری، میں نے بلاوجہ برا گمان کیا۔" وسیلہ کا اشارہ کچھ دیر پہلے کی بات کی طرف تھا۔

"اوہ، اٹس اوکے، میں نے بالکل برا نہیں مانا۔ احتیاط میں انسان کے کئی فائدے چھپے ہوتے ہیں، آپ نے اچھا کیا۔"

"ایک معذرت اور بھی ہے، اس روز آپ کی سسٹر نے آپ کے لیے پھول خریدے لیکن وہ میرے پاس آ گئے۔"

"اس کے لیے معذرت کی ضرورت نہیں، وہ ایک غلط فہمی تھی، اس میں آپ کا کیا قصور، اٹ واز جسٹ اے کوانسیڈنس۔"

"جی، ویسے عجیب اتفاق ہے، برتھ ڈے کا ایک ہونا۔" وسیلہ کو ماننا پڑا۔

"ہوں...." منصب نے سرسری ایک نظر وسیلہ پر ڈالی۔ "اور کبھی کبھار کچھ اتفاقات سلسلہ ثابت ہوتے ہیں چند اور اتفاقات کا۔"

"جی....؟" وہ حیران ہوئی۔

"جی، یہ سچ ہے۔ جیسے ہماری سالگرہ تو ایک دن ہے ہی، ہم دونوں اس بک شاپ میں بھی اتفاق سے ایک ساتھ موجود تھے۔ اور ابھی کچھ دیر پہلے آپ جو ایڈریس میرے پاس پوچھنے کے لیے لائیں وہ بھی اتفاقاً میرا اپنا ہی نکلا۔"

"اوہ ہاں بالکل" وسیلہ نے جیسے اب سوچا اور بے ساختہ ہی ہنس دی۔

"اِن فیکٹ اس رات طوفان میں بھی ہم ایک ساتھ ایک ہی جگہ پھنس گئے تھے۔"

"ہوں، یہ بھی ہے۔" منصب متفق ہوا۔

"آپ کا زخم اب کیسا ہے؟" اس رات زخمی ہو جانے والے لڑکے کا گہرا زخم اور وہ خون بھی اب تک بھول نہیں پایا تھا۔

"جی، اللہ کا شکر ہے اب بالکل ٹھیک ہے۔"

"اوکے، مجھے اب اجازت۔" وسیلہ نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ اسے گھر سے نکلے کافی ٹائم ہو چکا تھا۔

"وسیلہ جی۔" منصب نے جاتی ہوئی وسیلہ کو نام لے کر آواز دی تو وہ چونک کر مڑی۔

"مجھے لگتا ہے ہمارا پانچواں اتفاق شاید یہ ہے کہ ہم دونوں ہی اس وقت آبادی کی طرف جا رہے ہیں۔" اس نے اشارہ اپنی جیپ کی طرف کیا تو وسیلہ ہنس پڑی۔

"جی بالکل یہی بات ہے لیکن شکریہ میں خود چلی جاؤں گی۔" اس نے سبھاؤ سے فوراً ہی معذرت کی تو منصب نے بجائے اسے جواب دینے کے اوپر کہیں ہاتھ ہلایا۔

"گیٹ بند کر کے نیچے آ جاؤ۔" وسیلہ نے

www.zemtime.com

سر اٹھا کر اوپر دیکھا تو منصب رمشہ کو بلا رہا تھا۔

”آ..... آپ میری وجہ سے.....“ وہ جھجک کر رک گئی۔

”ارے نہیں۔ میری بہن گھومنے پھرنے کی بہت شوقین ہے۔ دراصل ادھر ہمارے تھانہ میں ماحول بالکل الگ تھا۔ یہاں کا کھلا ماحول دیکھ کر یہ بہت خوش اور ایکسائیٹڈ ہے۔ مجھے بازار سے کچھ سامان وغیرہ لینا ہے تو میں نہیں چاہتا یہ پیچھے اکیلی رہے۔“ منصب نے بھی سنجیدہ لہجے میں وضاحت کی تو وسیلہ سر ہلا کر چپ ہو گئی۔ رمشہ کی آمد پر تینوں جیپ میں سڑک پر آ گئے۔ وسیلہ نے اپنے گھر کی لوکیشن بتائی تو منصب بے ساختہ ہلکا سا مسکرا دیا لیکن کہا کچھ نہیں۔

”آپ کیا کرتی ہیں وسیلہ؟“ رمشہ نے دلچسپی سے پوچھتے سر اس کی جانب موڑا۔

”میں نے وکالت کی تعلیم حاصل کی ہے مینگورہ میں۔“

”مطلب آپ وکیل صاحبہ ہیں؟“ منصب نے مرر سیدھا کرتے بے ساختہ پوچھا، وکیل اور پولیس کے خاص تعلق کے حوالے سے چہرے پر مسکراہٹ ابھری تھی۔

”جی، ایل ایل بی تو مکمل ہو گیا تھا لیکن پریکٹس ابھی اسٹارٹ نہیں کر سکی، میری امی کی طبیعت کچھ خراب رہنے لگی تو میں واپس آ گئی۔“

”کیا ہوا آپ کی امی کو؟“ رمشہ نے فوراً پوچھ بھی لیا۔

”انہیں ذیابیطیز کا پرابلم ہے۔“

”تو گھر میں اور کوئی نہیں کیئر کرنے والا؟“ منصب نے ہی سوال کیا۔

”جی دو بہنیں ہیں۔ ایک بڑی ایک چھوٹی“ وہ بتاتے ہوئے مسکرا دی۔ ”لیکن امی کو تسلی نہیں ہوتی میرے علاوہ‘ ویسے اب وہ مجھ سے کہہ رہی ہیں کہ پریکٹس شروع کر دو۔“

”بس یہیں۔“ اس نے رکنے کا اشارہ کیا تو منصب نے کار کو ایک سائیڈ پر روکا۔

”آئیں رمشہ۔ آپ دونوں اندر آئیں۔ میری امی کے ہاتھوں کی مزے دار چائے چکھیں۔“ اس نے اخلاقاً ہی نہیں پورے دل سے دونوں کو آفر دی۔

”وہ..... ابھی تو نہیں وسیلہ جی۔ مجھے واقعی بازار سے کافی کچھ خریدنا ہے۔ لیکن بہت جلد ضرور۔ ان شاء اللہ، کیوں رمشہ۔“ اس نے مسکرا کر بہن کو دیکھا۔ انداز بالکل نارمل اور سادگی بھرا تھا۔ رمشہ نے بھی تائید میں سر ہلایا۔

”او کے تو پھر بہت جلد نہیں، بلکہ کل۔“ وسیلہ نے کچھ سوچ کر ہینڈ بیگ سے ایک کارڈ نکال کر رمشہ کی طرف بڑھایا۔ ”مجھے دوسری باتوں میں بتانے کا موقع نہیں ملا، دراصل کل سے میری بڑی سسٹر کی شادی شروع ہو رہی ہے۔ مجھے بہت خوشی ہو گی اگر آپ دونوں میرے مہمانوں کے طور پر اس میں شرکت کریں۔“

”او، ضرور، ہمیں خوشی ہو گی۔“ رمشہ نے مسکرا کر کارڈ وصول کیا اور وسیلہ دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

”وسیلہ جی.....“ منصب نے جاتی ہوئی وسیلہ کو آواز دے کر روکا تو وہ مڑی۔

”اتفاق سے وہ میرا آفس ہے۔“ لبوں پر معنی خیز شرارتی سی مسکراہٹ تھی اور انگلی کا اشارہ تھوڑا پیچھے اونچائی کی طرف۔ وسیلہ نے حیرت سے منہ کھولے انگلی کے تعاقب میں دیکھا۔ اونچا ڈھلانی راستہ جس بڑی بلڈنگ کی طرف کیا گیا تھا وہ ان کے گھر کے بالکل قریب تھی۔ اور لفظ ”اتفاق“ کا مطلب بھی صرف وہی سمجھ سکی تھی۔

”اوہ۔ یہ تو واقعی بالکل قریب ہے۔“ وہ ہلکا سا مسکرا دی۔ وہ اسے چھٹا اتفاق کہتے کہتے رہ گئی۔ منصب نے جیپ آگے بڑھا دی اور رمشہ پلٹ کر دور تک اسے ہاتھ ہلاتی رہی۔

☆☆☆

”بہت پیاری لگ رہی ہو ریم۔“ وسیلہ نے تحریم کی ٹھوڑی اونچی کی تو وہ جھینپ کر مسکرا دی۔ مہندی کا فنکشن اسٹارٹ ہو چکا تھا۔ تحریم پیلے اور سبز

لباس میں بہت ہلکے میک اپ کے ساتھ بہت پیاری اور معصوم لگ رہی تھی۔

"ہاں لیکن مسکراؤ ذرا کم آپی۔" ایلیا نے بھی جھک کر حصہ لیا "ایک وہ آپ کے سڑو ہیں۔ شکل تو دیکھو، لگتا ہے۔ فرار ہونے کی سوچ رہے ہیں؟" ایلیا نے ابرو سے بائیں جانب اشارہ کیا تو ریم نے جہاں منہ پہ ہاتھ رکھ کر ہنسی روکی۔ وسیلہ نے ایلیا کے سر پر ایک چپت جمائی۔

"شرم کرو، اب تو پیچھا چھوڑ دو بے چارے مومن کا۔"

"ہاں جیسے وہ چھوڑ دیں گے میرا پیچھا۔" ایلیا نے خفگی سے منہ بسورا "ابھی ابھی ڈانٹ کھا کر آئی ہوں۔"

"لاحول ولاقوۃ، اب کس بات پر ڈانٹ کھالی۔"

"آگے بھی کھاتی رہوں گی۔ اللہ کے فضل وکرم سے۔ میرے کاموں کو گھورتے ہی خفتی اینگل سے ہیں۔ ایک ذرا سی مٹھائی ہی تو بانٹی تھی گلی کے معصوم بچوں میں۔"

"اُف ایلا.. یار پہلے فنکشن تو اچھی طرح نمٹ جانے دو، مہمانوں کے لیے مٹھائی کم پڑ سکتی تھی، ٹھیک ہی تو کہہ رہے تھے بے چارے۔"

"بس۔ یہی تو المیہ ہے۔" وہ باقاعدہ روٹھ گئی۔ "غریبوں کو بچا کھچا دے کر ہم سمجھتے ہیں ثواب کما رہے ہیں۔"

"یار ان کو اگلے دن اسپیشلی خرید کر کھلا دینا، ابھی ضروری ہے کیا۔"

وسیلہ کی نظریں داخلی دروازے سے اندر آتی رمشہ پر ٹکیں تو وہ فوراً اُدھر بڑھ گئی۔

"ہاں اور جیسے اگلے روز خرید کر اسپیشلی کھلا دیا تو ان کے مہا سڑو کوئی اور نکتہ نہیں اٹھائیں گے۔" ایلیا باوجود وسیلہ کے وہاں سے چلے جانے کے بڑبڑائے گئی۔

"ہائے رمشہ۔ آیئے بھئی۔" وسیلہ نے آگے بڑھ کر گھبرائی گھبرائی رمشہ کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ ڈھیر سارے اجنبی چہروں میں یقیناً اسی کو ڈھونڈ رہی تھی۔

"او، وسیلہ۔ ماشاء اللہ آج تو پہچانی بھی نہیں جا رہیں۔" رمشہ نے فیروزی اور گولڈن فراک میں ملبوس خوب صورت ہیئر اسٹائل اور میک اپ والی وسیلہ کو واقعی ذرا مشکل سے پہچانا تھا۔

"تھینکس رمشہ، آپ بھی بہت پیاری لگ رہی ہیں۔" وسیلہ نے اس سے ملتے پیچھے دور تک دیکھا۔

"اور کوئی نہیں ہے ساتھ؟"

"اور۔" رمشہ حیران ہو کر پیچھے دیکھنے لگی "او...... وہ منصب بھائی کہہ رہے تھے کہ لیڈیز کا فنکشن ہے۔ وہ مجھے چھوڑ کر واپس چلے گئے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں، بس گیدرنگ ہے۔ لیکن چلیے، آجائیں۔" وہ رمشہ کو لیے تحریم اور ایلیا کے پاس آئی، پھر امی اور ندرت ممانی سے بھی ملوایا۔

"تھوڑا ہنس دیں مومن!"

تحریم نے دور ہو کے بیٹھے مومن سے سرگوشی کی، اور وہ تو تحریم کے نزدیک آنے پر ہی بدک گیا۔

"آرام سے بیٹھو تحریم!"

"مسکرانے میں کیا جاتا ہے آپ کا، موی اور پکچرز ہی اچھی آجائیں گی۔"

"مسکرا تو رہا ہوں۔" اس نے ہنسنے کی کوشش کی جس پر تحریم نے بڑی مشکل سے قہقہہ روکا۔ مومن بالکل ہی جھینپ رہا تھا۔ پبلک میں اس کی ہستی گم ہو جاتی، اور آج تو فنکشن ہی اس کی اپنی مہندی کا تھا۔ خود پہ لگی نظریں اسے اچھا خاصا نروس کر رہی تھیں۔

"اچھا افسوس مت، اور وسیلہ کو ڈھونڈو۔" مومن نے بظاہر سامنے دیکھتے ہولے سے لب ہلائے۔

"کیوں، وسیلہ سے کیا کام ہے؟" ریم نے تعجب سے دیکھا۔

"یار مجھے نکلنا ہے اِدھر سے۔ خواتین کا ایک ٹولہ اسی طرف آرہا ہے اور مجھے بالکل انہیں فیس نہیں کرنا۔" وہ ممانی اور عروبہ کے ساتھ ادھر آتی خواتین کو دیکھ کر ابھی سے نروس ہونے لگا۔

"بیٹھے رہیں، کچھ نہیں ہوتا"

"چپ۔" اس نے نتھنے پھلائے اور پاس سے گزرتی ایلیا کا فوراً ہی اُٹھ کر راستہ روکا۔

"وہ تم۔ کیا کہہ رہی تھیں ایلیا۔ کہاں مٹھائی

بانٹنی ہے؟"
"ہیں؟؟" ایلیا کی آنکھیں تو اس خوش خلقی پر اُبل ہی پڑیں "یہ اپنے مومن بھیا ہی تھے کیا؟
"چلو، چلو، لیٹ ہو جائیں گے۔" وہ اس کے بازو پر دھکا دیتے نکل کھڑا ہوا۔ تحریم نے تاسف سے اس کی پشت کو دیکھا۔ قریب آ جانے والی خواتین بھی جاتے مومن کو مایوسی سے دیکھ رہی تھیں۔ اِدھر ایلیا کی الگ سٹی گم تھی۔
"آپ واقعی مٹھائی بانٹیں گے؟"
ایلیا کو لگا شاید بچوں کی معصومیت نے اندر کہیں جوش مارا ہے۔
"پاگل ہوں کیا۔؟" مومن نے آنکھیں نکال کر گھورا "اور تم بھی مجھے اُن نوکروں کے آس پاس کہیں دکھائی مت دینا۔" رش سے نکلتے ہی مومن نے تیور دکھائے۔
"ہائے اللہ، آپ ہی تو کہہ رہے تھے۔" ایلیا کو ہرگز اپنے کانوں پہ شبہ نہیں گزرا تھا، انہوں نے واقعی بھی کہا تھا۔
"مجھے اُن عورتوں کے جھرمٹ سے نکلنا تھا۔ چلو بھاگو تم۔" وہ ناک سکوڑ کر دوسری جانب نکل گیا اور ایلیا نے جل کر اس کی پیٹھ دیکھی۔
"اللہ قسم، ایسے ہی منافقوں کو غریبوں کی ہائے لگتی ہے۔"

☆☆☆

"بی بی جی،" وہ منشی جبر خان کا بیٹا آیا ہے حارث۔" مسرت نے دھیرے سے آواز دی لیکن شہناز چونک کر اُٹھ بیٹھی۔
"حارث اچھا... بیٹھک کھلوا دی؟"
"جی بی بی! کہہ رہا تھا، آپ سے کوئی ضروری کام ہے، میں نے بٹھا دیا ہے بیٹھک میں۔"
"ہاں ہاں . ٹھیک ہے۔" شہناز نے فوراً اپنی کالی چادر اچھی طرح اپنے گرد اوڑھی۔ کمال خان کی وفات کے بعد گزرے ڈیڑھ دو برس میں حویلی کے اکثر معاملات اس نے اپنے ہاتھ میں لے رکھے تھے۔ ارحم ڈیرے پر بیٹھتا ضرور تھا لیکن فیصلے وہ ماں کی مرضی کے مطابق ہی کرتا۔ اور یہ کام تو شہناز نے کافی وقت سے حارث کے ذمے لگا رکھا تھا۔
"سلام بی بی!" حارث بی بی شہناز کو دیکھتے ہی مؤدب سا اُٹھ کھڑا ہوا۔
"وعلیکم السلام۔ کیسا ہے حارث بچے، کدھر ہوتا ہے آج کل؟"
"پہلے صوابی میں تھا بی بی، سال ڈیڑھ اُدھر گزارا، تب بھی آپ کے کام سے غافل نہیں رہا، پر آج کل اُدھر تیمر گرہ میں ہوں۔"
"اور کوئی خبر؟" شہناز کی آنکھوں میں تجسس کی لو تھی۔
"جی بی بی، وہ مل گئی ہے۔"
"اچھا۔" شہناز کا بے یقینی سے منہ کھلا تھا "کہاں؟"
"اُدھر، میاندم میں ہے۔"
"میاندم" شہناز نے شدید حیرت سے دہرایا "آں... ارحم سے تو کچھ نہیں کہا ابھی؟"
"نہیں بی بی، ارحم خان سے تو ملاقات ہی نہیں ہوئی۔"
"ہاں صحیح...... کہنا بھی مت۔" شہناز کا دماغ میاندم کی بازگشت سے گونجنے لگا تھا۔

☆☆☆

آج مومن اور تحریم کی شادی تھی نکاح ہو چکا تھا۔ رخصتی میں ابھی کچھ وقت باقی تھا۔ کھانا بھی کھایا جا چکا تھا۔ تحریم دلہن بنی اسٹیج پر بیٹھی تھی۔ دوست احباب تحائف لیے تدزت اور تحریم کو مبارک باد دینے اسٹیج پر پہنچ رہے تھے۔ وسیلہ نے مومن بھیا کی کال آنے پر اپنا دوپٹہ پھیلا کر اوڑھا اور زنانہ ہال کے دروازے سے باہر نکلی۔ مردانہ ہال کا دروازہ ساتھ والا ہی تھا اور سامنے پارکنگ تھی۔ جہاں نیم تاریکی سی تھی لیکن وسیلہ نے منصب کو پہچان لیا تھا۔ وہ اپنی جیپ کے بونٹ سے لگا بالکل اکیلا کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کر وسیلہ کو اپنا کام بھی بھول گیا۔ فوراً ہی

دو قدموں میں وہ منصب تک پہنچی۔

"آپ یہاں باہر کیوں کھڑے ہیں۔ اندر مردانہ ہال میں چلے جاتے۔"

"جی میں ابھی اندر سے ہی آیا ہوں۔ رمشہ کو کال ملا رہا ہوں بلانے کے لیے لیکن وہ پک نہیں کر رہی۔"

"اوہ اچھا۔" وسیلہ ایک دم مسکرا دی۔

"اصل میں کل بھی آپ باہر سے چلے گئے تھے تو مجھے لگا آج بھی باہر رکے ہیں۔"

"ایکچوئلی کل میں وردی میں تھا۔ میں نے سوچا آپ پہلے ہی پولیس والوں سے خائف رہتی ہیں، بہن کی شادی میں ایسا مہمان دیکھ کر تو پریشان ہی ہو جائیں گی۔"

منصب نے شگفتگی سے کہتے وسیلہ کی طرف دیکھا تو وہ کچھ عجیب سی نظروں سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"کیا ہوا......؟" منصب کو پوچھنا پڑا۔

"آپ کو کیسے پتا کہ......"

"اوہ۔" منصب ہنس دیا، واقعی وسیلہ اس کی اپروچ کی وجہ نہیں جانتی تھی۔ "اب یقین آ گیا کہ اس روز وہ آپ ہی تھیں۔ بس مجھے پانچ پرسنٹ ہی شبہ تھا کہ شاید آپ وہ نہ ہوں۔"

"اس طوفانی رات کی صبح آپ مینگورہ بازار میں تھیں نا؟"

"جی جی ہم تحریم کی شادی کی شاپنگ ہی کرنے گئے تھے۔"

"میں اور رمشہ کپڑوں کی خریداری کر رہے تھے، پیچھے سے آپ یہ کہتی ہوئی گزریں کہ پولیس والے سے ٹکرانے سے اچھا ہے بندہ کسی چور کے ہتھے چڑھ جائے۔"

"اوہ..." وسیلہ یاد آنے پر بے ساختہ ہنسی تو کچھ دیر ہنستی ہی رہی "واقعی، جگہ ماحول دیکھے بنا بولنا بھی بندے کو نقصان پہنچاتا ہے۔"

"میں نے بس آپ کا انگوری اور نیلا دوپٹہ دیکھا اور چہرے کی ہلکی سی جھلک۔ لیکن شام کو دریا کنارے جب اسی دوپٹے میں آپ اس بچے کو لپیٹے کھڑی تھیں تو مجھے دیکھ کر حیرت ہوئی تھی۔"

"مطلب، میں پولیس والوں پر اعتراض کر رہی تھی اور وہ اتفاق سے میرے قریب کھڑا تھا۔"

"جی، اتفاق سے۔" منصب نے معنی خیزی سے پھر اتفاق پر زور دیا اور وسیلہ اس پر زیادہ زور سے ہنس دی۔

"اتفاقات کچھ زیادہ نہیں ہو گئے۔"

"ہوں......اور ڈھیر سارے اتفاقات میں یہ آج پہلی غیر اتفاقی ملاقات ہے۔"

"جی" وہ بس یہی کہہ سکی۔

"امید اور دعا کرتا ہوں کہ یہ پہلی غیر اتفاقی ملاقات، آغاز ثابت ہو گی، ڈھیروں ڈھیر مزید ملاقاتوں کا ان شاء اللہ۔" منصب سنجیدگی اور اعتماد سے کہتے ہوئے ایک جانب چل پڑا۔ وسیلہ نے حیرت سے اس کی پشت کو دیکھا تو سامنے سے رمشہ بھائی کی جانب آتی دکھائی دی۔ وسیلہ بھی اس آخری جملے کے اثر سے خود کو باہر نکالتے ہوئے مسکرا کر رمشہ کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

"سو بھی جائیں امی......" وسیلہ اپنے لیے کافی بنا کر کمرے میں جا رہی تھی جب امی کو گم صم بیٹھے دیکھا تو اندر آ گئی۔

"نیند ہی نہیں آ رہی۔"

"نیند کیوں نہیں آ رہی۔ اتنے دنوں کی تھکاوٹ کے بعد تو خوب سارا آرام بنتا ہے۔"

"اب آرام کہاں۔" رضوانہ نے تھکی تھکی آہ بھری۔ "یہ تو ذمہ داری کا بوجھ اتار دینے کے بعد پتا چلتا ہے کہ ذمہ داریاں تو شروع ہی اب ہوئی ہیں۔ جب بیٹیاں، ماں باپ کے گھر ہوتی ہیں، تب تو ان کے کوئی مسائل ہی نہیں ہوتے۔"

"ہاں، صحیح بات ہے، لیکن آپ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں۔ تحریم کا معاملہ تو سب کے سامنے ہیں۔"

آپ کو کیا لگتا ہے تحریم اور ندرت ممانی روایتی ساس بہو بننے والی ہیں؟" وسیلہ نے مسکرا کر ماں کو دیکھا تو وہ بھی ہنس دیں۔

"بالکل نہیں۔ ندرت میں اتنا دم کہاں، حالانکہ تحریم اپنی حرکتوں سے روزانہ کی بنیاد پر اسے اکسائے گی کہ وہ مجبوراً ساس بن جائے لیکن پھر بھی وہ دن آئے گا نہیں۔" رضوانہ نے شگفتگی سے کہنا شروع کیا اور وسیلہ نے مسکراتے ہوئے انہیں بولنے دیا۔

"تو پھر آپ بھی اچھی اچھی باتیں سوچیں۔ سب خیریت رہے گی ان شاءاللہ۔"

"آج تمہارے بابا کی کمی بہت محسوس ہوئی۔ میں۔" وہ بات پوری نہ کر سکیں ایک دم ہی رونا شروع ہو گئیں۔ وسیلہ نرمی اور محبت سے ماں کا بازو سہلاتی رہی، ان کا اگر دل بھر آیا تھا تو انہیں رو لینا چاہیے تھا۔

"آج تحریم کو رخصت کیا ہے، کل تمہاری پھر ایلیا کی باری آ جائے گی۔ پتا نہیں آج کیوں بہت شدت سے یہ احساس ہو رہا ہے کہ اللہ پاک نے مجھے بھی ایک بیٹا عطا کیا ہوتا۔"

"اللہ کی کوئی مصلحت ہو گی اور آپ نے تو کبھی بیٹے کا شکوہ نہیں کیا پھر۔"

"شکوہ اب بھی نہیں کر رہی۔" رضوانہ نے آنکھیں صاف کیں، "اور یہ تو اللہ پاک کی تقسیم ہے شکوہ کیسا۔ پھر اتنا آگے کی باتیں بھی کیا کرنا، پتا نہیں تم تینوں کی ذمہ داری پوری کرنے کی مہلت۔"

"ایسا نہ کہیں۔" وسیلہ نے ان کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا، "کہا نا آپ سے، اچھا اچھا سوچیں۔ اور ہماری شادیوں کے متعلق ابھی سے ہلکان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مجھے اپنی اسٹڈی کمپلیٹ کرنے دیں۔ مستقبل کے تصور ہی کرنے ہیں تو مجھے ایڈووکیٹ وسیلہ جمال کے روپ میں دیکھا کریں، پھر ایلیا بھی کتنی لائق ہے اسٹڈیز میں، ضرور کچھ بن کر دکھائے گی آپ کو، ان شاءاللہ۔"

"مدر ٹریسا بنے گی وہ تو۔" رضوانہ نے منہ بنا کر جیسے شکوہ اندر سے نکالا اور وسیلہ کا بے ساختہ قہقہہ اُبھرا۔

"پھر ایسا کیا کر دیا اس نے......؟"

"لگتا ہے تم پچھلے حصے میں نہیں گئیں"......

"پچھلے حصے میں...... وسیلہ نے حیرت سے دہرایا "نہیں، میرا اُدھر جانا نہیں ہوا، کیوں؟......"

"اُدھر میرج ہال کی پارکنگ سے کتے کے تین پلے اٹھا لائی ہے۔" رضوانہ نے سخت خفگی سے بتایا۔

"کتے کے پلے، وہ بھی میرج ہال کی پارکنگ سے؟" وسیلہ کو یقین نہیں آیا۔

"کہتی ہے سردی سے ٹھٹھر رہے تھے۔ گاڑی میں تحریم کے جوتوں کا خالی ڈبا پڑا تھا۔ اس نے تینوں کو اس میں ٹھونسا اور گاڑی میں رکھ دیا۔ مومن دلہن کے بیٹھنے کے لیے جگہ کرنے لگا تو ڈبے سے نکل کر وہ اچھل کود مچائی ان پلوں نے۔ تحریم دلہن بنی الگ ناچ رہی تھی، مومن کھا جانے والی نظروں سے ایلا کو گھور رہا تھا اور وہ تھی کہ ایک ایک کو پکڑ کر قابو میں کر رہی تھی۔" رضوانہ نے تفصیل سے بتانا شروع کیا تو وہ ہنس ہنس کر بے حال ہو گئی۔

"حیرت ہے تم نے یہ سارا منظر نہیں دیکھا۔"

"میں اُدھر دوسرے گیٹ پر مہمانوں کو رخصت کرنے میں لگی تھی۔ ندرت مامی نے ذمے لگایا تھا۔"

"اچھا ہاں وسیلہ، وہ تمہارے نئے گیسٹ...... رمشہ اور اس کا بھائی......"

"جی جی......" وسیلہ کا نجانے کیوں دل عجیب طرح سے دھڑکا۔

"لڑکی تو بہت اچھی ہے رمشہ، لیکن اس کا بھائی۔"

"جی......؟" وسیلہ کی آنکھوں میں تعجب تو دل میں نہ سمجھ آنے والے خدشے لہریں لینے لگے۔ امی کو منعب اچھا نہیں لگا تھا، اور پتا نہیں کیوں، اس احساس نے وسیلہ کا اندر ہی اندر دل سہا دیا۔

"وہ...... وہ...... پولیس میں ہے؟" رضوانہ کی جھجک بھری آواز وسیلہ کے کانوں سے ٹکرائی تو اس نے بے حد چونک کر پہلے ماں کو دیکھا پھر "اوہ" کہہ کر ایک دم ہنس پڑی۔

"توبہ ہے امی، آپ اس کے پولیس میں

ہونے سے خائف ہیں۔"
"بس مجھے یہ پولیس والے اچھے نہیں لگتے۔ تمہیں پتا تو ہے......"
"جی میری ماں، مجھے پتا ہے کہ آپ بلاوجہ ان سے اتنا چڑتی ہیں کہ اپنے ساتھ ساتھ اپنی بیٹیوں میں بھی یہی بے زاری پوری طرح ڈال دی ہے۔" وسیلہ کو تب سے یہ سوچ بھی شرمندہ کیے جا رہی تھی کہ اس کے بیکورہ میں کہے الفاظ منصب نے سن لیے تھے۔
"ہر جگہ ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں امی، مجھ سے زیادہ بہتر آپ سمجھ سکتی ہیں۔ آپ کا تجربہ اور مشاہدہ مجھ سے زیادہ ہے۔"
"ہاں لیکن کوئی گارنٹی نہیں کہ اس کا تعلق اچھی قسم سے ہے۔" رضوانہ کا لہجہ ابھی تک بے یقینی لیے تھا، وسیلہ کو مزید کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی۔
"اچھا ابھی آپ ریسٹ کریں، صبح تحریم کے ناشتے کے لیے بھی جلدی اٹھنا ہوگا۔"
"ہاں، مجھے بھی اب نیند آ رہی ہے۔ تم سے باتیں کر کے دباؤ کی کیفیت میں بہت کمی آئی ہے۔" رضوانہ نے پیار سے اس کا ہاتھ دبایا۔ وسیلہ نے جھک کر ان کا گال چوما، اور جاتے وقت کمرے کی لائٹ بھی آف کر دی۔

☆☆☆

پچھلی رات کی ہلکی بارش کے بعد وہ میانہ دم کی ایک چمکتی سی صبح تھی۔ مومن کی چھٹیوں کا بھی آج سے اختتام ہو رہا تھا۔ شادی کے لیے ہفتہ بھر کی چھٹیاں لی تھیں جو آج ختم ہو گئی تھیں لہٰذا آج سے کام کا دوبارہ آغاز تھا۔
"ریم...... اے ریم......" مومن نے گھڑی دیکھتے تحریم کا ہلکے سے کندھا ہلایا۔
"ہوں......"
"اٹھو نا یار...... نکلنا ہے مجھے......" اس نے جلدی سے پاؤں چپلوں میں ڈالے تھے۔
"آتی ہوں......" وہ کہہ کر پھر تکیے میں گم ہو گئی۔ مومن نے ایک نظر اسے دیکھتے گھڑی پہ دھیان دیا اور وارڈروب سے کپڑے نکالتے واش روم میں گھس گیا۔
"لیٹ تو نہیں ہو؟" ندرت نے سلیمہ سے کہہ کر ناشتہ باہر برآمدے کی میز پر دھوپ میں لگوا دیا۔ نومبر کا آغاز ہوا تھا۔ وادی سوات کی شامیں ان دنوں خوب ٹھنڈی ہو گئی تھیں۔ دھوپ میں باہر بیٹھنا اچھا لگتا تھا۔
"جی لیٹ نہیں ہوں اور ویسے بھی آج پہلا دن ہے، آرام سے جاؤں تو فرق نہیں پڑے گا۔" مومن نے کرسی گھسیٹی......
"ابو سو رہے ہیں؟"
"نہیں کافی دیر ہوئی جاگ گئے، چائے بھی پی چکے...... میری تو ساری رات وقفے وقفے سے آنکھ کھلتی رہی کہ مومن نے آفس جانا ہے۔"
ندرت مسکراتے ہوئے بتا رہی تھیں، مومن ان کی محبت پر مسکرا دیا لیکن اندر ہی اندر بے چینی سی محسوس کی۔ سلیمہ نے پراٹھے لا کر سامنے رکھے تو مومن نے انہیں روکا۔
"ذرا تحریم بی بی کو آواز دے دیں اماں۔"
"سونے دیتے۔" ندرت نے تو ٹوکا لیکن مومن کو اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ سلیمہ نے دو تین بار ریم کو آواز دی تو وہ بادل نخواستہ اٹھ ہی گئی، مومن نے اسے رات ہی کہا تھا کہ کل سے وہ بھی جلدی اٹھ جایا کرے۔
"جی اماں آ رہی ہوں۔" اس نے ہرگز دل نہ چاہتے ہوئے بھی زبردستی خود کو دھکیلا اور جس وقت فریش ہو کر باہر آئی، مومن جانے کے لیے گاڑی کی چابی اٹھا چکا تھا۔ ایک خاموش نظر ریم پر ڈالی لیکن وہ منہ بسورتے کرسی پر ڈھے چکی تھی۔ توجہ بھی مومن کی جانب بالکل نہیں تھی۔
"مشکل ہوتی نا اٹھنے میں؟" ندرت نے پیار سے پوچھا تو وہ ان کے کندھے پر لڑھک گئی۔
"ہاں تو اور کیا امی۔ مومن نے ہی کہا صبح جلدی اٹھ جانا...... میں نے تھوڑی نا آفس جانا ہے۔"
"ہاں بھئی، کیا ضرورت ہے اس تردد کی۔" ندرت ہنستے ہوئے اس کی ہاں میں ہاں ملا رہی تھیں

موسن نے بڑی مشکل سے ضبط کیا۔ ایک تو محترمہ اٹھی لیٹ تھیں۔ دوسرے امی کو یہ بھی بتا دیا کہ اس کے مجبور کرنے پر جاگی ہیں۔ حد ہے یعنی بے وقوفی کی۔ امی اس کے اٹھ جانے پر ہی حیرت آمیز خوشی کا شکار دکھائی دے رہی تھیں۔ رحیم بیگم نے وہ خوشی بھی مکمل کر محسوس نہیں کرنے دی۔

"فائدہ ویسے مجھے بھی کوئی نہیں ہوا ایسے جاگنے پر..... جائیں دوبارہ آرام فرمائیں۔" اس نے موبائل بھی اٹھایا اور پورچ کی طرف بڑھ گیا۔

"جاؤ، گیٹ کے باہر تک چھوڑ آؤ ریم، برا مان گیا ہے۔" ندرت نے تحریم کا گال تھپتھپا کر ہوشیار کیا تو وہ جمائیوں پر بمشکل قابو پاتے پورچ میں آ گئی۔ پنک ڈریس میں کھلے ہلکے گیلے بالوں کے ساتھ وہ سادہ چہرا ایسے پیاری تو بہت لگ رہی تھی لیکن موسن اس وقت "حسن بے پرواہ" سے ہی عاجز تھا۔ اسے ذمہ دار بیویاں پسند تھیں اور تحریم کے بچکانہ رویے کو دیکھتے ہوئے اس نے ہمیشہ یہی سوچا تھا کہ شادی کے بعد وہ خود اس پر محنت کرے گا۔ تب اسے یقین تھا کہ وہ اسے بدلنے میں کامیاب ہو جائے گا پر...... ذمہ دار بننے کی یہ پہلی صبح شادی کے ہفتے بھر بعد موسن کو اپنی پہلی ناکامی نظر آئی۔

"واپسی کب ہے موسن؟" وہ کھلے گیٹ کے باہر تک آ گئی تھی۔

"ایک بجے..... کیوں؟"

"تب تک کیا کروں گی۔ سخت بوریت ہوگی مجھے۔" وہ کار کے کھلے شیشے پر جھکی۔

"تو امی کے ساتھ ہاتھ بٹاؤ۔ آج لنچ میں مجھے تمہارے ہاتھ کا بنا کچھ کھانا ہے۔" موسن نے ذمہ داری کے احساس کو ایک اور جانب موڑنے کی کوشش کی لیکن سامنا ریم کے بڑھے ہاتھوں سے ہوا۔

"کوکنگ کی فرمائش غلطی سے بھی مت کرنا موسن۔ یہ دیکھو مجھے پسینے چھوٹنے لگے۔" اس نے معصومیت سے موسن کا ہاتھ اپنے ماتھے پر رکھ دیا اور وہ بنا تبصرہ کیے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا لے گیا۔

تو یہ ہوتی ہے شادی؟ وہ کار کو ڈھلان سے اتارتے ہوئے ایک دم سنجیدہ تھا..... سات روزہ تجربے کا نچوڑ کچھ ایسا خوش کن تو نہیں تھا۔ جانے لوگ سات جنموں کے وعدے کیسے کر لیتے ہیں۔

☆☆☆

"تم نے پھر دوستوں کے ساتھ جانے کا پروگرام بنا لیا؟" شہناز کو ارحم کی آنکھوں جانثوں سے سخت شکوے تھے۔ جتنا وہ چاہتی تھی کہ باپ کے بعد ارحم حویلی کے معاملات کو سنجیدگی سے لے، اتنا ہی وہ غیر سنجیدہ اور غیر ذمہ دار نکلا تھا۔ اس کے نزدیک ماں ہر معاملے کو اس کے بابا سے بھی زیادہ سمجھداری سے دیکھ لیا کرتی ہے۔

"دوستوں کے ساتھ نہیں، اس بار اکیلے جا رہا ہوں۔" ارحم مسکرایا تو ہنسی میں شرارت اور معنی خیزی چھپی تھی۔ شہناز نے اچنبھے سے دیکھا۔

"اکیلے..... کیوں، کیا ارادے ہیں ارحم۔ جبکہ میں تمہیں منع کر چکی ہوں۔"

"آپ کو میری یک طرفہ پسندیدگی پر اعتراض تھا نا، سوچا دو طرفہ انڈر اسٹینڈنگ بنا کر دیکھتے ہیں تب شاید آپ کا دل پگھلے۔"

وہ ہنوز مسکرا رہا تھا۔ شہناز کے دماغ میں غصے کا ابال آنے لگا۔ لیکن پھر اسے لگا کہ پچھلے کچھ دنوں سے وہ جس گتھی کو اکیلے ہی اکیلے سلجھانے میں کوشاں ہے، شاید اس کے سلجھنے کا وقت آ گیا ہے۔ ذہن و دل نے اچانک ایک بڑی چھلانگ لگانے کا مصمم ارادہ کیا اور شہناز نے ایک گہری سانس چھوڑتے خود کو بولنے کے لیے تیار کیا۔

"کیا تم باوجود میرے انکار کے بضد ہو؟"

"میری کوشش صرف آپ کو قائل کرنے کی ہے، آپ جانتی ہیں۔" وہ بھی اس مرتبہ بھرپور سنجیدہ ہوا۔

"قائل تو تم مجھے نہیں کر سکتے، کہ یہ جگہ میری من پسند بالکل نہیں۔ ہاں ایک ڈیل ضرور ہو سکتی ہے ہمارے بیچ۔"

"ڈیل...... مطلب؟" ارحم پہلی مرتبہ کچھ چونکا۔

"اگر تم میرا ایک کام کردو تو میری طرف سے تمہیں مکمل اجازت ہے وہاں شادی کرنے کی جہاں تم چاہتے ہو۔"

"یعنی اس سے شادی کرنے کے لیے مجھے آپ کا ایک کام کرنا ہوگا؟" ارحم نے ایک بار پھر سمجھنے کی کوشش کی۔

"ہاں، بالکل میں نے یہی کہا۔"

"تو مجھے بنا آپ کو سنے قبول ہے۔ آپ کا کام جیسا بھی اور جس بھی نوعیت کا ہوا میں کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن فی الحال مجھے نہ روکیں۔ ابھی میرا جانا بہت ضروری ہے۔"

"اوکے، کوئی بات نہیں۔ تم جتنا چاہے وقت لے لو۔ میں نے اپنے کام کے لیے جتنا انتظار اب تک کیا ہے، یہ چھوٹا سا انتظار اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔" شہناز کی مبہم ہنسی میں اپنے نئے پلتے کچھ خطرناک عزائم کی پراسرار چمک تھی۔ اسے اس "ہاں" کے بعد بہت کچھ سوچنا، بہت کچھ طے کرنا اور بہت کچھ ترتیب دینا تھا۔ اس لیے ارحم کا وقت لینا اسے گراں نہیں گزرا تھا۔

☆☆☆

"صاحب" کانسٹیبل امین کی آواز پر منصب نے چونک کر سر گھمایا۔ پانچ بجے ڈیوٹی آف ہونے پر وہ آفس سے نکل کر جیپ کی طرف بڑھا تو کانسٹیبل دوڑتا ہوا پیچھے آیا۔

"بولو امین.... خیریت؟ بڑے صاحب کی کال آگئی کیا؟"

"جی سر! وہ کہہ رہے تھے کہ کل صبح اپنے ادھر کے جج ہیں نا، احسان اللہ صاحب۔ ان کے ساتھ مدین تک جانا ہے، ایک قبر کشائی کا معاملہ ہے۔ کہہ رہے تھے دو کانسٹیبل بھی ساتھ ہوں۔"

"ہوں، ٹھیک۔ صبح میں جلدی آجاؤں گا۔"

منصب نے معلومات لے کر جیپ اسٹارٹ کی اور ڈھلان سے اتارتے سڑک پر آیا۔ جیپ کا رخ اترتے کے ساتھ ہی ہمیشہ کی طرح اس جانب تھا جہاں سامنے وسیلہ کا گھر دکھائی دیتا۔ منصب نے رک کر مسکرا کر ہر روز کی طرح حساب کیا۔ دو ماہ ہونے والے تھے۔ اسے میانم آئے، دونوں کو ایک دوسرے سے ملے اور بس چند ہی دنوں میں اس کی بہن کی شادی والی آخری ملاقات ہوئے...... پھر معلوم نہیں اس کے بعد اتنی طویل بریک کیوں آگئی تھی۔ آفس کے اس کے گھر کے اس قدر قریب ہونے کے باوجود وہ بھی دکھائی تک نہ دی تھی۔

طے شدہ ملاقات ہمیں راس نہیں آئی وسیلہ جی، ایک بار پھر کہیں اتفاق سے ہی دکھائی دے جائیں۔

اس نے اپنے آپ میں بڑبڑاتے مسکرا کر کہا اور جیپ کا رخ اپنے گھر کی جانب موڑا۔ وہ چہرہ جسے دیکھنے کی خواہش اندر ہی اندر آس امید سے کب انتظار میں ڈھل گئی تھی پتا ہی نہیں چلا۔

میمونہ کی کال آرہی تھی۔

"ہاں جی میڈم...... مل گئی فرصت؟" منصب نے موبائل گود میں ہی رہنے دیا اور ہینڈز فری کا ایک سرا دائیں کان میں پھنسالیا۔

"گھر پہنچ گئے تم؟"

"نہیں بس کچھ دیر میں پہنچا سمجھو...."

"تو آرام سے کرلوں.... دوبارہ؟"

"ارے نہیں، میں کمفرٹ ایبل ہوں۔ بس پانچ منٹ باقی ہیں، سناؤ کیا حال ہیں تم سب کے۔"

"سب ٹھیک، شکر ہے۔ رمشہ سے تو روزانہ بات ہوجاتی ہے، تم ہی فری نہیں ملتے۔"

"تو اب آ ہی جاؤ.... ملنا ملانا، گھومنا پھرنا سب کرلیں گے۔"

"ہاں بس اسکولوں کی چھٹیاں تو چل رہی ہیں، پر انیس کچھ کنسٹرکشن کے کام میں بزی رہے۔ اب فری ہوگئے ہیں تو کہہ رہے تھے، ہفتہ دس دن کے لیے چھوڑ آؤں گا تمہیں۔"

"ہفتہ دس دن بھی کم ہیں۔ پندرہ بیس دن تو رہو۔"

"چلو دیکھیں گے ان شاء اللہ۔ لیکن ابھی کچھ

دن ہیں، میں بتاؤں گی تمہیں۔"

"ہاں اوکے...... اور سنو، دادی کے پاس ہو آیا کرو کبھی کبھار...... میں ان سے فون پر بات نہیں کر سکتا، انہیں میرا حال احوال دے آیا کرو۔"

"ہاں میری ایک بار ملاقات ہوئی تھی۔ میری نند کے ہاں ختم قرآن شریف تھا تو دادی سے وہیں ملاقات ہوئی تھی، تمہیں بہت یاد کر رہی تھیں۔"

"تم خود بھی ملنے جا سکتی ہو، خوش ہو جائیں گی۔ ہو آنا۔"

"ہاں، جلد کوشش کروں گی۔"

"اوکے، شہیر کو پیار دینا۔ بائے۔"

"اوکے، تم بھی اپنا خیال رکھنا، بائے۔"

☆☆☆

"ارے ارے تم کچن میں کیا کر رہی ہو...... سلیمہ کہاں ہے.. مجھے بتایا ہوتا۔" ندرت کی بوکھلائی ہوئی سی آوازیں کچن سے آ رہی تھیں۔ مومن نے ایک نظر باپ کی طرف دیکھا، انہوں نے بھی ہلکا سا سر گھمایا تھا، ہاتھ سے اشارہ بھی کیا کہ پتا کرو کون گھس گیا کچن میں۔

"خود ہی سمجھ جایا کریں۔" مومن نے بجائے اٹھنے کے بے زاری سے کہا۔ "کچن میں وہ گھسی ہیں جنہیں بیڈ سے ایک بھی قدم نیچے نہ رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔" "ایک تو مجھے سمجھ میں نہیں آتا، وہ عورتیں کیا خلائی مخلوق ہوتی ہیں جو ایسی حالت میں بھرا پُرا گھر سنبھالتی ہیں، ناشتے سے سونے تک گھر کا ہر کام خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیتی ہیں۔ کسی کو مددگار نہ پا کر بوجھ بھی خود اٹھا لیتی ہیں، پہاڑوں پر بکریاں چرا آتی ہیں۔ کنوؤں سے پانی بھر آتی ہیں، مال مویشیوں کی خدمت کرتی ہیں۔"

"ہاہاہاہا۔" توفیق احمد نے مزا لیتے بھرپور قہقہہ لگایا "ایسے.. ہی دل جلے ہوتے ہیں.. بیٹا، جن کی.. لمبی لمبی تقریریں.. بس ایک.. نکاح کے سائن سے.. ان کے منہ پہ.. ماردی جاتی ہیں۔" انہوں نے آرام آرام سے اپنا جملہ پورا کیا۔ فالج نے توفیق احمد کی دونوں ٹانگوں اور ایک بازو کو کندھے تک متاثر کیا تھا۔ بات چیت وہ اب آہستہ روی سے مکمل کر لیا کرتے تھے۔

"بس آپ رہ گئے تھے اب......" مومن جھینپ کر خود بھی ہنس پڑا۔ امی تحریم کا بازو تھام کر اسے کچن سے باہر لا رہی تھیں۔ تحریم نے ماموں کو لاؤنج میں بیٹھے دیکھا تو ندرت ممانی کو آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ کہتے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ ندرت وہیں بیٹھ گئیں۔

"بھئی اب...... چلنے پھرنے سے تو منع مت کرو...... خدانخواستہ بیمار نہیں ہے وہ۔" توفیق احمد نے مومن کا پیغام ذرا اپنے ڈھنگ سے دینے کی کوشش کی۔

"ہاں خیر وہ تو ہے، لیکن صبح سویرے خالی پیٹ چکر آنے کا ڈر ہوتا ہے، میں تو اس لیے منع کر رہی تھی۔"

"اوکے میں نکلتا ہوں۔ پھوپھو نے بلایا ہے کسی کام سے، پہلے ادھر جاتا ہوں، پھر وہیں سے نکل جاؤں گا۔" مومن اپنا ضروری سامان اٹھاتے باہر نکل آیا۔ دسمبر اواخر کی وہ نسبتاً ایک زیادہ سرد صبح تھی۔ تحریم کو خوش خبری سنائے بھی ایک ماہ ہو چکا تھا۔ گھر میں اس کے ناز اٹھائے جانا یوں تو فطری سی بات تھی کیونکہ ایک تو مومن خود منتوں مرادوں کے بعد کی اکلوتی اولاد تھا دوسرے شادی بھی کچھ لیٹ ہو پائی تھی۔ اسی لیے تحریم کی طرف سے اتنے جلدی گڈ نیوز کا آنا ندرت کے لیے بہت حیرت آمیز خوشی کا باعث تھا۔

"السلام علیکم مومن بھائی...." وہ اپنی ملی جلی سوچوں میں دوسرے گھر کے لاؤنج میں داخل ہوا تو سامنا وسیلہ کی پرجوش مسکراہٹ سے ہوا۔

"وعلیکم السلام... واہ بھئی آج تو صبح صبح کتاب.. اللہ خیر.." وہ بھی بشاشت سے مسکرایا۔ وسیلہ کتاب ہاتھ میں لیے چہل قدمی کرکے پڑھائی کر رہی تھی۔

"جی بھیا...... امی کہتی ہیں نئے سال میں اپنی وکالت کا باقاعدہ آغاز کر دوں۔"

"آف کورس...... کر سکتی ہو...... بس اب اور نہ ٹائم ضائع کرنا۔ اچھا پھوپھو کہاں ہیں، میں نے پھر نکلنا ہے۔"

"امی تو اپنے کمرے میں ہیں، اصل میں مجھے ہی مشورہ چاہیے تھا آپ کا...... پوچھنا تھا یہیں میانڈم میں کوئی وکیل یا جج ایسا مل سکتا ہے جس سے تھوڑی مدد لے سکوں؟"

"اوکے، میں پتا کرتا ہوں۔"

مومن تھوڑی دیر وسیلہ سے اس کی پڑھائی کے متعلق بات کر کے باہر نکل آیا۔ اپنی گاڑی اس نے گیٹ کے باہر کھڑی کی تھی۔ وہ باہر آیا تو اپنی گاڑی کے پیچھے ایک کار کو منتظر پایا، وہ حیرت سے دیکھتا گھوم کر پیچھے آیا تو دوسری کار میں ایلیا کو بیٹھے دیکھا۔

"تم......؟" مومن نے دونوں ہاتھ کمر پہ رکھتے ہوئے اسے تفتیشی نظروں سے گھورا "تم کہاں سے آ رہی ہو...... وہ بھی کار چلا کر..... تم نے ڈرائیونگ کب سیکھی......؟" وہ پوچھ رہا تھا۔ آواز میں غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔ ایلیا نے خیالوں میں ماتھا پیٹا۔ کچھ دیر بعد یہاں نہیں آ سکتی تھی۔ چنگیز خان کا نزول بھی ابھی ہونا تھا۔

"سیکھ رہی ہوں، وسیلہ سے......"

"وسیلہ تو اندر ہے اور.....؟"

"وہ بھی بہت دنوں سے سیکھ رہی تھی، اب آ گیا ہے کار چلانا۔" وہ اکتائی ہوئی لگ رہی تھی۔

"عمر کتنی ہے تمہاری؟" اس نے ہاتھ کمر سے نہیں ہٹائے تھے۔ وہ ٹلنے کے موڈ میں ہرگز نہیں تھا۔

"سترہ..... نہیں ساڑھے سترہ...... بس کچھ ہی مہینوں میں تو....."

"چپ......" مومن نے انگلی اپنے ہونٹوں پہ رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا "فی الحال اندر جاؤ اور آئندہ تمہیں بنا کسی کی سپرویژن کے کار چلاتے نہ دیکھوں۔"

"جی۔" ایک جبری سعادت مندی بمشکل اپنے چہرے پہ لاتے ہوئے اس نے کار دوبارہ اسٹارٹ کی۔ مومن نے اپنی کار میں چابی گھما کر اسے سائیڈ سے نکال لیا تھا۔ البتہ گاڑی اس کے قریب سے گزارتے رک کر بولنا بھی عین فرض تصور کیا۔

"ابھی اپنا پورا دھیان پڑھائی پہ رکھو، شناختی کارڈ بنانے کی عمر آئی نہیں اور چلی ہیں کار چلانے...... سمجھیں......" وہ اسے بری طرح جھاڑتے ہوئے کار نکال لے گیا اور وہ اپنی لانگ ڈرائیونگ کے ایسے ستیاناس ڈراپ سین پر سخت بوجھل دل لیے پورچ تک چلی گئی۔

"ہلاکو خان..... !" ایلیا کو چنگیز ذرا ہلکا سا لگا تھا۔

☆☆☆

"پلیز تشریف رکھیے۔" تانیہ نے ہاتھ سے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ عیسٰی خان کی عمر اٹھائیس تیس سے زیادہ نہیں تھی۔ وہ ایک پڑھا لکھا با رعب اور پوش خاندانی لگ رہا تھا۔ سادہ سیاہ شلوار قمیص اس کی پرسنالٹی کو کچھ اور پراسرار اور دبنگ دکھا رہے تھے۔ سیاہ کالی مونچھیں، گندمی چہرا، کالے قدرے بڑھے ہوئے بال اور غصہ ور آنکھیں...... تانیہ نے خود کو ایک نیا کیس سننے کے لیے ذہنی طور پر آمادہ کیا۔

"جی فرمائیے۔"

"میرا نام عیسٰی احمد ہے۔ ہمارا گاؤں مرغزار کے راستے میں پڑتا ہے۔ مجھے دراصل اپنے چھوٹے بھائی کے متعلق کچھ ڈسکس کرنا ہے۔" سردار عیسٰی پُراعتماد انداز میں کرسی سے ٹیک لگا کر دھیمے دھیمے بولنا شروع ہوئے۔

"جی جی، آپ بتاتے جائیں۔"

"سردار صہیب احمد میرے چھوٹے بھائی کا نام ہے۔ وہ عمر میں مجھ سے سات سال چھوٹا ہے۔ یونی ورسٹی میں پڑھتا ہے۔ مزاجاً بہت جذباتی اور بے صبرا ہے۔ جو طے کر لے، چاہتا ہے پلک جھپکتے میں پورا کر دیا جائے۔ بچپن سے ہی ضدی ہے۔ اس کی

بات مانے بغیر ہمارے پاس چارہ نہیں ہوتا۔ ذہنی طور پر زیادہ کچھ زور بھی نہیں کہہ سکتے۔ بات اسے ذرا مشکل سے ہی سمجھ میں آتی ہے۔"

"ہوں صحیح۔" عیسیٰ کے ذرا دیر توقف کرنے پر تانیہ نے متانت سے سر ہلایا۔

"اس کی ایک کلاس فیلو ہے پریشے گل۔ میں نے ابھی تک دیکھا نہیں، لیکن صہیب کی باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ بہت حسین ہے۔ اس کے یار دوستوں سے پتا چلا کہ پہلی نظر میں ہی دل ہار دیا تھا۔ قریب تین ماہ ہونے والے ہیں، لیکن صہیب کی دیوانگی کچھ سمجھ سے باہر ہے۔ اتنے سے عرصے میں ایسی گہری سنجیدگی۔ پھر لڑکی بھی ہرگز متوجہ نہیں۔"

"اوہ۔" تانیہ کے منہ سے بے اختیار نکلا تو عیسیٰ نے چونک کر اسے دیکھا، پھر کچھ دیر سوچا۔

"جی، سمجھ میں نہ آنے والی بات تو یہی ہے کہ کمٹ منٹ دو طرفہ نہیں ہے۔ پریشے نے پہلے دن سے صہیب کے اظہار کو بالکل کوئی اہمیت نہیں دی۔ لیکن باوجود اس سب کچھ کے، وہ پریشے کو اپنانے پر بضد ہے۔ پچھلے کچھ دنوں سے اس پر گھٹن کے کچھ عجیب سے دورے پڑ رہے ہیں۔ کہتا ہے پریشے کے نہ ملنے کی بات وہ تصور میں بھی لانا نہیں چاہتا۔"

"ہوں۔ تو آپ کی فیملی کو اعتراض ہے اس معاملے میں کچھ۔"

"اوہ نہیں۔" عیسیٰ کسی خیال سے چونکا۔ اس کی بات ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ "ہمیں بالکل کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ہمارے لیے صہیب کی خوشی ہر چیز سے بڑھ کر اہم ہے۔ میں نے تو فوراً ہی پریشے کے متعلق تمام معلومات حاصل کیں اور والدہ کے ساتھ باقاعدہ رشتہ لے کر گیا کیونکہ صہیب کی طبیعت تو ہمیں سنبھلنے کا موقع ہی نہیں دے رہی تھی، میری اماں الگ پریشان ہیں۔"

"اوہ صحیح..... میں سمجھ گئی..... پھر۔"

"جی بس جب وہاں گئے تو معلوم ہوا کہ پریشے بچپن ہی سے اپنے کزن سے منسوب ہے اور اس رشتے میں کسی قسم کے بگاڑ کا کوئی امکان ہی نہیں۔"

"لیکن صہیب پھر بھی سمجھنا نہیں چاہتا؟" تانیہ نے بات پوری کی تو عیسیٰ نے مایوسی سے سر ہلا دیا۔ تانیہ نے ایک گہرا سانس لیتے نظریں میز پر جمائیں۔

"میں بہت مایوس ہو کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا، اس معاملے کا انجام کیا ہوگا۔"

"کیا اس مسئلے کا واقعی کوئی حل ہو سکتا ہے......؟ کوئی ایسا حل جو صہیب کی لائف کو پہلے جیسا بے فکرا کر دے۔" عیسیٰ کے خدشات میں بھائی کے لیے محبت اور ڈھیر ساری بے یقینی نظر آتی تھی۔

"کیا آپ کو لگتا ہے صہیب پر پریشے کے اثر کی وجہ اس کا حسن ہے؟" تانیہ نے سوال کیا۔

"جی...... مجھے تو بظاہر کوئی اور وجہ نظر نہیں آتی۔"

"اور پریشے کا گریز۔؟" تانیہ نے جانچنے کے انداز میں عیسیٰ کو دیکھا تو وہ جیسے نا سمجھ آنے والے انداز میں تانیہ کو تکتے ہی گیا۔

"آپ کا مطلب ہے کہ......"

"جی۔" اس مرتبہ تانیہ نے قدرے اعتماد سے سر اٹھایا۔ "آپ بتا رہے تھے کہ صہیب کو انکار کرنا آپ کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔۔ اور اس کی بات مانے بنا چارہ نہیں ہوتا۔ تو مجھے لگتا ہے ایسے بچے "لاحاصل" کے معنی ہی نہیں جانتے۔ جنہیں بچپن سے ہر وہ چیز مہیا کر دی جائے جس کی انہوں نے خواہش کی، انہیں ہار، ناکامی، شکست جیسی حقیقتوں کو قبول کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔"

"آپ شاید صحیح کہہ رہی ہیں۔" عیسیٰ کے چہرے کی گہری سنجیدگی جیسے تفکر میں بدلنے لگی۔ "لیکن ہم پھر بھی کچھ نہیں کر سکتے، وہ کسی کی منگیتر ہے۔"

"آپ مایوس نہ ہوں، ابھی آپ مجھے صہیب

کی عادات وغیرہ کی کچھ اور تفصیل بتائیے۔ ہم ان شاء اللہ مل کر کچھ حل ضرور تلاش کر لیں گے۔"

"ہوں......میں آپ کو صہیب کی عادات واطوار کے متعلق مزید بھی بتاتا ہوں۔"

☆☆☆

"واہ منصب......تمہارا شہر تو بہت پیارا ہے۔"

میمونہ گھر کی چھت سے میاندم میں شام اترتے دیکھ رہی تھی۔ ہر جانب سفید برف تھی اور نیلی پیلی خوابیدہ روشنیاں۔ میمونہ، اپنے شوہر انیس اور بیٹے شہیر کے ساتھ پانچ بجے میاندم پہنچی تھی۔ انیس سفر کی تھکاوٹ اتارنے لیٹ گیا تھا۔ میمونہ نے شہیر کو بھی اس کے پاس لٹا دیا تھا۔ رمشہ نے کچن کا کام سنبھالا ہوا تھا۔ منصب، بہن کو لیے چھت پر آ گیا۔ انیس نے اگلے روز واپس چلے جانا تھا۔ وہ تھانہ کے ہائی اسکول میں استاد تھا۔ اسے اپنی ڈیوٹی پر واپس پہنچنا تھا۔ میمونہ اور شہیر نے البتہ آٹھ دس دن یہیں رہنا تھا۔ منصب اور رمشہ سے اس کی تقریباً چار ماہ بعد ملاقات ہو رہی تھی۔ پہلے کبھی اتنی مدت کے لیے ایک دوسرے سے دور نہ رہے تھے۔ کچھ دن ان کے ساتھ گزارنے کے خیال سے وہ بہت پرجوش اور خوش تھی۔

"سنو میمونہ......وہ تم سے رمشہ کے رشتے کی بات کی تھی۔" منصب نے چائے پینے کے دوران پوچھا۔

"ہاں، خیال میں تو ہوں۔ ایک دو لوگوں نے کہا بھی تھا لیکن دل کو لگا نہیں۔ باقی فکر نہ کرو، مجھے پورا یقین ہے اب تمہاری جاب لگ گئی ہے نا۔ ان شاء اللہ اچھے گھروں کے رشتے آئیں گے۔ حقیقت پسندی سے دیکھو تو ایسی باتیں اہمیت تو رکھتی ہیں۔ اور صرف رمشہ ہی کیوں۔" وہ شرارت سے کہتے مسکرا دی۔ "انیس اور میں سفر میں یہی بات کر رہے تھے کہ اب منصب کو بھی اپنا گھر بسا لینا چاہیے۔"

"ہاں لیکن میرے لیے رمشہ پہلے۔ پھر وہ ایک سال بڑی ہے مجھ سے۔"

"میرے خیال سے تو بھابی پہلے آنی چاہئیں۔ ورنہ رمشہ چلی گئی تو اکیلے مینج کرنا مشکل ہو جائے گا۔"

"ایسا کچھ نہیں۔ پولیس کی ٹریننگ میں اکیلے رہنے کی عادت ہو چکی ہے۔"

"چلو، اللہ پاک خیر فرمائے۔ باقی پریشان نہ ہوا کرو، چھبیس کی ہوئی ہے ابھی۔ آج کل اسے اتنی عمر نہیں سمجھا جاتا۔"

"ہوں۔" منصب نے تائید کے انداز میں سر ہلایا۔

"انیس کو روک لیتیں دو تین روز......ویک اینڈ پر آگے کالام سائیڈ سے ہو آتے ہیں۔"

"ہاں رمشہ نے بھی اس سے بہت کہا ہے لیکن بورڈ کی کلاسز ہیں۔ اکیڈمی والے بچوں کا زیادہ پرابلم تھا۔ وہ نہیں چھوڑ رہے تھے۔ باقی ہم تو جائیں گے نا ویک اینڈ پہ؟"

"ارے ہاں......" منصب ہنس دیا "ہفتہ کے روز نکل جائیں گے۔ اتوار کا دن آرام سے سیریں کرو......"

"ہاں۔ صحیح۔ چلو اندر چلتے ہیں، یہاں تو سچ مچ بڑی ٹھنڈ ہے۔"

☆☆☆

"اسے سمجھاؤ رضوانہ آپی......ایسی حالت میں کیا ضد لے کر بیٹھی ہے۔" ندرت نے نند کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ تحریم تو آتے ہی صوفے پر لیٹ گئی تھی۔

"اب کیا ضد کر رہی ہو ریم......تمہیں بھی ویسے آرام نہیں ہے۔" رضوانہ نے تو بات سننے سے پہلے ہی اسے ڈانٹنا شروع کر دیا۔

"گھومنے پھرنے کا ہی تو کہا ہے۔" ریم نے منہ بسورا۔ "جب سے شادی ہوئی ہے کہیں نکلے ہیں کیا۔"

"ہفتہ بھر ہی تو چھٹی ملی تھی بے چارے مومن کو، اور وہ ہفتہ تو ویسے بھی مہمانوں کی نذر ہو گیا تھا۔" پھر یہ نئی خبر .. اب شروع شروع میں تو احتیاط لازمی

ہے نا۔" رضوانہ کو پتا تھا کہ ندرت کے نہ ماننے کے پیچھے بھی یہی وجہ ہے۔

"ہاں پر اب تو تین ماہ ہو گئے۔ آپ ہی کہتی ہیں چھ چلتے سے سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔"

"تو مومن کو کون منائے گا۔ وہی تو انکار کر رہا ہے۔ کہتا ہے ایسی حالت میں سفر اچھا نہیں۔"

"بہانے ہیں نرے۔" ایلیا چپکے سے وسیلہ کے کان میں بڑبڑائی۔ "ادھر کہتے ہیں ریم کو بستر پہ کیوں سجا بٹھایا ہے، نارمل انداز میں سب کاموں میں حصہ لینے دیں۔"

"تم کیا بڑبڑ کر رہی ہو......" رضوانہ نے گھور کر دیکھا۔

"وہ.... میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ بس کالام تک ہو آتے ہیں، ایک ہی دن...... اتنا کہاں سفر ہے۔" ایلیا نے تحریم کی سائیڈ لی۔

"کیا کہتی ہیں آپی؟" ندرت جیسے نیم رضامند ہوئیں۔

"ہاں، بس کالام تک جانے میں تو کوئی حرج نہیں۔ ذہن کچھ فریش ہو جائے گا اس کا۔ ایسی حالت میں ذہنی دباؤ بھی تو اچھا نہیں، باقی مومن کو میں سمجھا لیتی ہوں۔ اسی سنڈے کو ہو آتے ہیں۔"

"بس ایک دن؟" ایلیا نے منہ بسورا۔ "منہ اندھیرے اٹھا دیں گے کہ نکلو، تا کہ شام سے پہلے واپسی ہو سکے۔"

"وسیلہ کیا کہتی ہے؟" ندرت نے وسیلہ کی رائے لی۔

"اگر دو کاروں میں جانا ہے...... تو میرا خیال ہے ہفتہ کے دن نکلتے ہیں۔ مجھے اور بھیا کو ریسٹ بھی مل جائے گا۔"

"ہاں یہی ٹھیک ہے۔" تحریم نے فوراً ہاں میں ہاں ملائی "ایک دن کے جانے میں سوائے تھکاوٹ کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔"

"او کے، پھر مومن کو منانے کا کام بھی وسیلہ کا.. اسی کی سنتا بھی ہے اور مانتا بھی۔" ندرت بھی قائل ہو ہی گئیں اور یہاں سب جانتے تھے کہ مومن کو وسیلہ کی سمجھ داری پر مکمل بھروسا ہوتا ہے۔

☆☆☆

"واؤ...... موسم کیا زبردست ہو گیا ہے؟"

رمشہ بیگ اٹھائے باہر نکلی تو ڈھلان کے کنارے رک گئی۔ پچھلے روز تک یہاں تیز دھوپ نکل رہی تھی۔ پر آج کی بادلوں بھری صبح سفر کے آغاز میں ایک خوش آئند اضافہ تھی۔ منصب صبح دو گھنٹے کی ڈیوٹی دے کر ابھی واپس آیا تھا۔ دس بجے تک انہوں نے کھانے پکانے کا کچھ بندوبست کیا اور اب منصب کی جیپ میں چار لوگوں کا مختصر قافلہ کالام روانہ ہوا تھا۔ میمونہ اور رمشہ شہیر کو لیے پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں۔ مینگورہ سے کالام کا سفر چند ہی گھنٹوں کا تھا۔ خوب صورت موسم اور سفر کے حسین مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے وہ اس وقت مدین سے کچھ پہلے پہاڑوں سے آنے والے ایک چشمے کے قریب کھڑے تھے۔ میمونہ اور رمشہ شہیر کو اٹھائے سڑک پار کر کے پانی کے نزدیک جا چکی تھیں۔ چشمے کا پانی بھی زیادہ تر تو جما ہوا تھا، کہیں کہیں پتلی دھار کی صورت بہہ بھی رہا تھا۔ منصب نے سفر کی تھکان اتارنے کے لیے تھرماس سے چائے کا کپ نکالا۔ جیپ کے پیچھے سڑک کنارے کے پتھر پہ بیٹھ گیا۔ سڑک کنارے اور بھی کئی کاریں رکی ہوئی تھیں۔ منصب کی نظر آتی جاتی ٹریفک پر تھی جب دو سفید کاریں یکے بعد دیگرے سامنے سے گزریں تو منصب کی نظر ٹھہر سی گئی۔ پچھلی کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر اس نے بلا شک و شبہ وسیلہ کو دیکھا تھا۔ پیلی بارڈر والی چادر سر پر کیے ہلکی مسکراہٹ لیے وہ چہرا منصب کو بری طرح بے چین کر گیا تھا۔ دو ماہ بعد وہ بالکل اچانک بڑے ہی غیر متوقع طور پر سامنے آئی تھی۔ معلوم نہیں اس کی منزل بھی کالام تھی یا وہ کہیں اور جا رہی تھی۔ پتا نہیں آگے کہیں ملاقات ہو پائے گی یا نہیں۔ اندر سے اٹھتے سوالوں نے اسے اتنا بے کل کیا کہ جب رمشہ اور میمونہ اسے بلانے آئیں تو اس

نے انہیں ہی واپس بلا لیا۔ اس کا اب کسی بات میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ آگے بڑھنے کی کوشش اب شاید اسے کہیں رکنے پہ آمادہ نہیں کر سکتی تھی۔

"کیا ہوا، اتنی پیاری جگہ تھی، رکے کیوں نہیں؟" میمونہ نے پوچھا۔

"یار، آگے اور بھی بہت پیاری جگہیں ہیں۔ یہاں میرا موڈ نہیں بنا۔" منصب نے مختصر جواب سے جان چھڑوائی۔

"کتنی دیر ہے اور۔۔۔۔ کالام پہنچنے میں؟"

"شاید گھنٹہ بھر۔۔۔۔" میمونہ کو جواب بھی رمشہ نے دیا۔ منصب کا دماغ کالام میں گردش کر رہا تھا۔

☆☆☆

دریائے سوات کے عین کنارے سے لگے اُس قدرے خطرناک اور خوب صورت ہوٹل کی وہ تیسری منزل تھی۔ اُن سب نے دو کمرے بک کروائے۔ ایک سادہ بیڈروم مومن اور تحریم کے لیے، جبکہ دوسرا فیملی روم اُن چار خواتین کے لیے۔ پانچ خواتین کے اس قافلے کا واحد سالار مومن ہی تھا۔ ندرت اور رضوانہ اپنے اپنے سنگل بیڈ میسر آتے ہی یوں لیٹ گئیں جیسے آتی ہی سوتے ہوں۔ ایلیا اور وسیلہ کو البتہ سہ پہر اور شام بھی اچھی طرح استعمال کرنی تھی۔ انہوں نے فریش ہو کر کپڑے تبدیل کیے۔ دونوں امی اور ممانی کو سوتا چھوڑ کر باہر نکل آئیں۔ مومن اور تحریم کے باہر آنے تک تیسری منزل کے کھلے برآمدے اور ان سے دکھائی دیتے کالام کے حسین مناظر ہی لطف اندوز ہونے کو بہت کافی تھے۔ دیر تک فوٹوگرافی کے شغل میں معروف رہنے کے بعد وہ دونوں برآمدے میں بچھی کین ووڈ کی کرسیوں پر آ بیٹھیں۔ دریائے سوات کا مسلسل شور جیسے کالام کی سیاحت کا ایک مستقل حصہ تھا۔ شدید ٹھنڈ اور برفباری کے دنوں میں یہاں کا پانی جم جاتا ہے اور ایسا بھی بہت کم کسی سال میں ہوتا ورنہ دریائے سوات یہاں سارا سال رواں دواں ہی رہتا ہے

"یہ نیچے پُل کیسا ہے آپی؟" ایلیا برآمدے کی ریلنگ پہ جھکی نیچے لکڑی اور رسیوں کے اُس پل کو دیکھ رہی تھی جو اس کنارے سے دوسرے کنارے تک جانے کے بجائے دریا کے بیچوں بیچ بنے ایک چھوٹے سے خشک قطعے تک جا رہا تھا۔

"لگتا ہے سیاحوں کی کشش کے لیے بنایا گیا ہے۔ دیکھو وہاں کتنے میریا سے ہے نا؟"

"چلیں؟" ایلیا کی آنکھوں میں چمک تھی۔

"ہوں۔۔۔۔ مزا تو آئے گا۔۔۔۔" وسیلہ لب دبائے مسکرا رہی تھی اور کچھ سوچ رہی تھی۔ "تصویریں تو بہت ہی اچھی بنیں گی ایلا تحریم کو بھی تصویریں دکھا کر سرپرائز دیں گے۔ چلیں؟" وسیلہ کی چمکتی آنکھوں میں شوخ سی چمک تھی۔

"او۔۔۔۔ ایک منٹ۔" ایلیا کی نظریں نیچے پل کی طرف تھیں، جبکہ ہاتھ اس نے وسیلہ کی کلائی کی طرف بڑھایا "وہ دیکھو، رنگ میں بھنگ ڈالنے آ گئے۔"

"اوہ نو۔۔۔۔" وسیلہ نے اس سے بھی زیادہ برا منہ بنایا۔ کتنے میریا سے لڑکوں کا ایک ٹولہ نکل کر پل کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"ادھر تو بہت رش ہو گیا۔ میں تو بھئی بالکل آرام سکون کے ماحول میں جانا چاہتی ہوں۔"

"ہوں، ابھی کوئی فائدہ نہیں، چلو فی الحال ریم آپی کو کال ملاتے ہیں، مومن بھیا اگر سو گئے نا تو آج کی شام غارت ہو جائے گی۔"

"ہاں ملاؤ کال۔۔۔۔" وسیلہ بھی ٹائم ضائع جانے کے حق میں نہ تھی۔

☆☆☆

"اچھا تو اس لیے اب تک بھوکی بیٹھی تھیں۔۔۔۔" مومن نے کافی کا کپ لبوں سے لگاتے مسکرا کر تحریم کو دیکھا۔

شام کو تقریباً چھ بجے وہ وسیلہ، تحریم اور ایلیا کو لیے کالام کی سیر کو نکلا تھا۔ دریائے سوات کے کنارے سے ہوتے، اونچی نیچی جگہوں پر فوٹوگرافی

کرتے ذرا دیر بازار کی رونق کو دیکھتے وہ تقریباً دو گھنٹے بعد رات کا کھانا پیک کروا کے ہوٹل واپس لوٹے تو تحریم نے نہ تو خود کھانا کھایا اور نہ ہی اسے کھانے دیا۔ امی، پھوپھو اور وسیلہ ایلیا نے کمرے میں ڈنر کیا اور وہ مومن کو لیے اپنے کمرے میں آگئی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ مومن کے ساتھ ایک بار اکیلے کہیں نکلے۔

"جی جناب...... بات اگر پیٹ بھرنے کی ہو تو کہیں بھی کچھ بھی کھایا جا سکتا ہے۔ لیکن ایسا ماحول اور ایسی فرصت تو روز روز میسر نہیں آتی نا۔" وہ ریسٹورنٹ کے ہلکی روشنیوں والے ماحول کو مرعوب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"تو اس معصوم کا کیا قصور...... جس کی بھوک بھوک کی دہائیاں ایک مجبور باپ کتنے گھنٹوں سے برداشت کر رہا ہے۔" مومن مسکرا کر بولا۔

"اوہ......" مومن بہت کم کبھی ایسی اپنائیت اور کنسرن کا اظہار کرتا تھا۔ وہ مومن کے ساتھ اکیلے نکلنے کے چکر میں واقعی بڑی دیر سے بھوکی تھی۔

"بڑی حیران ہو رہی ہو......؟" وہ کرسی سے ٹیک لگاتے اسی نرم لہجے میں مخاطب تھا "کیا میں باپ بن کر نہیں سوچ سکتا؟"

"جی ہاں، واقعی حیرت ہو رہی ہے، لیکن اس سے بھی بڑھ کر خوشی ہو رہی ہے۔ ماں تو ہر حال میں بچوں کا خیال رکھتی ہی ہے، باپ کیئرنگ ہو تو بہت انوکھی سی خوشی محسوس ہوتی ہے۔"

"اچھا..." مومن تعجب سے ہنسا۔

"بھئی ہمارے ہاں تو ماں باپ دونوں کو ایک جیسا پیار لٹاتے ہی دیکھا ہے۔"

"میں اس سچویشن میں کہہ رہی ہوں جناب۔" تحریم کے سفید گال گلابی ہونے لگے۔ "یہ کیفیت تو صرف ماں اکیلے جھیلتی ہے نا، تو باپ کا صرف احساس کرنا بھی اس کی حساس طبیعت کو ظاہر کرتا ہے۔"

"ہمارے ہاں تو میرے اکلوتے پن کی وجہ سے بچوں کی بڑی قدر ہے۔"

"جی، بھئی تو ندرت مامی نے ہم تینوں بہنوں کو اولاد جیسی محبت دی ہے۔"

"امی بہت خوش ہیں ریم...... تم نے محسوس کیا وہ آج کل کتنی بچی ہو رہی ہیں۔"

"جی مومن...... مجھے اندازہ ہے، ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں...... اس روز کہہ رہی تھیں، میں جو انگلیوں پہ دنوں کا حساب رکھتی ہوں تو برا مت منایا کرو، میرے لیے انتظار واقعی بہت کٹھن ہو رہا ہے۔"

"اچھا......" مومن ہنس پڑا "دادی بننے کے لیے اتاولی ہو رہی ہیں۔ ویسے فائدہ بہت ہے تمہیں، آرام سے بچہ ان کی گود میں ڈال کر سوتی رہو گی۔"

"ہاں نا تو اور کیا، مجھے تو اتنی نیند آتی ہے، مجھ سے تو رات وات کو بھی سنبھالا نہیں جائے گا۔"

"لاحول ولا قوۃ...... یہ تو ذرا پہلے بچے کا وقت ہے۔ تم آخر کرو گی کیا ریم۔" مومن نے باقاعدہ کانوں کو چھوا اور وہ قہقہہ لگا کر ہنس دی۔

"نیند...... نیند...... اور ڈھیر ساری پرسکون نیند۔"

☆☆☆

"اے ایلا...... نیچے پل تک آتی ہو؟" منہ اندھیرے وہ وسیلہ تھی جس نے ایلیا کے کان میں سرگوشی کی۔ رضوانہ اور ندرت تو صبح کی نماز پڑھ کر دوبارہ سو چکی تھیں، لیکن وسیلہ کو باوجود دیر تک لیٹے رہنے کے بھی نیند نہیں آئی تو کھڑکی سے آتی ہلکی روشنی دیکھ کر وہ اٹھ بیٹھی۔ چپکے سے ایلیا کو جگانے کی کوشش کی، لیکن اس نے آنکھوں کو ذرا سا کھول کر وسیلہ کو دیکھا پھر ہونٹ سکوڑ کر نفی میں سر ہلاتے ہوئے کروٹ بدل گئی۔ وسیلہ کا اپنا ارادہ باہر نکلنے کا بن چکا تھا اس لیے چینج کر کے چپکے سے باہر نکل آئی۔ مومن اور تحریم شاید آرام کر رہے تھے ان کا کمرہ بھی بند تھا۔

ان کا ہوٹل دریائے سوات کے عین کنارے پر تھا۔ آس پاس حسین مناظر کی بہتات ہونے کے

باعث ہوٹل کے چاروں جانب بھی کھلے برآمدے تھے۔ وسیلہ نے تیسری منزل سے نیچے دیکھا۔ ہوٹل کے بائیں ہاتھ تنگ ڈھلائی راستہ دریا کے بیچوں بیچ بنے اس چھوٹے سے آئی لینڈ کو جا رہا تھا جس پر بنے رسیوں بانس اور لکڑی کے تختوں والے پل نے پچھلی شام وسیلہ اور ایلیا کی بھرپور توجہ لی تھی۔ پل اس وقت مکمل خالی پڑا تھا۔ وسیلہ نے وہاں تک جا کر فوٹوگرافی کرنے کا سوچا اور سیڑھیاں اترتے نیچے آ گئی۔ وسیلہ نے اپنی نیلی شال سر پر لیتے رخ پل کی طرف کیا۔ پل کے نیچے شور مچاتا شفاف دریائے سوات تھا، پل پر پاؤں رکھتے ہوئے وسیلہ کا دل تو دھڑکا پر لب ایک دلچسپ مہم سر کرنے کے خیال سے مسکرا اٹھے۔ اس کا دھیان مکمل اپنے پیروں اور سائیڈوں پر دکھائی دیتے دریا کی طرف تھا۔ سامنے اس نے نہ سر اٹھا کر دیکھا نہ اس جانب دھیان تھا۔ چونکی اس وقت جب اپنے پیروں سے بس دو فٹ آگے ایک براؤن چپل میں قید پیر دکھائی دیے۔ کوئی مرد عین اس کے سامنے کھڑا تھا۔ فوجی سبز رنگ کی شلوار قمیض سے اوپر آتی وسیلہ کی نگاہ چہرے پر رکی تو حیرت دوچند ہو گئی۔

"آآپ ... یہاں؟" منصب کے یہاں کالام میں اس قدر قریب کہیں ہونے کی بات گمان میں بھی کہیں نہ تھی۔

"جی ... آپ کو وہاں سے دیکھا۔" اس نے ہاتھ سے اپنے پیچھے اشارہ کیا چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ وہ اسے نہ صرف نظر آ گئی تھی بلکہ ایک بے حد پرسکون ماحول میں بالکل اکیلی اس کے روبرو تھی۔ پیچ ڈریس اور نیلے رنگ کی شال میں وہ کالام کی صحت بخش حسین صبح جیسی تر و تازہ لگ رہی تھی۔

"آپ کالام کب آئے؟" وہ ایک دم متعجب تھی۔

"ہم بھی پچھلی شام پہنچے ہیں، ایکچوئلی آپ کو میں نے راستے میں دیکھا بھی تھا۔ آپ کار ڈرائیو کرتے ہوئے ہمارے قریب سے گزری تھیں۔"

"اوہ اچھا .... میری شاید نظر نہیں پڑی۔" وسیلہ بھی مسکرا دی "ساتھ رمشہ ہے یا دوست وغیرہ؟"

"رمشہ اور میری بڑی سسٹر میمونہ، وہ تھانہ سے ملنے آئی ہوئی تھیں تو سوچا ویک اینڈ کا فائدہ اٹھایا جائے۔"

"او اچھا...... صحیح کیا۔" وسیلہ بلاوجہ ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔ منصب سے سامنا ہونے کا اتفاق اسے کے لیے بھی بہت خوش آئند تھا لیکن خوشی ظاہر کرنے جیسا کوئی ربط ابھی درمیان میں قائم نہیں ہوا تھا۔

"سا تو اس اتفاق...... ہوں؟؟" اس نے دریا کی جانب دیکھتے ہوئے بس سر اثبات میں ہلا دیا۔

"آپ سب کب تک ہیں یہاں؟"

"جی بس آج سیکنڈ ٹائم نکل جائیں گے۔" اس نے پھر ذرا کی ذرا سر اٹھایا۔

"او اچھا۔ ہمارا بھی یہی پروگرام ہے ... تو بیچ کا دن یہیں کالام میں؟"

"جی، اِدھر ہی ہوں گے۔ اب اتنے سے ٹائم میں اور کہاں جا سکتے ہیں۔"

"گوڈاک......" منصب نے بے ساختہ کہا تو وسیلہ نے حیرت سے اُسے دیکھا۔

"گوڈاک...... کون سی جگہ ہے۔"

"پارک ہے ... یہیں قریب......" بہت پرسکون اور خوب صورت مضافاتی جگہ ہے۔ میں بھی بہنوں کو وہیں لے جا رہا ہوں۔ کالام کے رش سے بالکل ہٹ کر ہے، گاؤں کے خوب صورت مناظر ہیں۔ پارک سے گزرتا دریائے سوات...... اور ایک دم غیر آباد، خاموش، پرسکون مقام۔"

"اللہ آپ کتنی اچھی عکاسی کر لیتے ہیں۔" وسیلہ بے ساختہ ہنس دی "پولیس والے کا ایسا تخیل، واقعی خیال میں نہیں آ سکتا۔"

"لوگ ابھی تک پولیس والوں سے خائف ہیں ... ہوں؟" منصب کا انداز کچھ جاننے والا تھا۔ وسیلہ نے بیچ میں ہی سر نفی میں ہلاتے ہوئے ہنسنا شروع کر دیا۔

”واللہ، ایسا کچھ نہیں، پولیس والوں کے متعلق رائے بالکل بدل چکی ہے بلکہ۔“ سنجیدگی سے منصب کو دیکھا ”اصل میں مجھے پولیس والوں سے کبھی کوئی شکایت نہیں رہی، کیونکہ نہ تو کبھی واسطہ پڑا اور نہ ہی خدانخواستہ کوئی ناخوشگوار واقعہ...... لیکن معلوم نہیں کیوں میری امی پولیس والوں سے خائف...... بلکہ خوف زدہ رہتی ہیں۔ ان کی زبانی بچپن سے سن سن کر ایک امیج بن گیا تھا۔“

”اوہ......“ منصب نے سر ہلایا ”ہوسکتا ہے ان کے ساتھ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آیا ہو۔“

”جی، ہوسکتا ہے۔“

”آپ شاید آگے دوسری جانب جا رہی تھیں۔“

منصب تھوڑا سا سائیڈ کو ہوا، وہ اس کی راہ روک کر کھڑا تھا۔

”او نہیں۔ میرا زیادہ دور تک جانے کا ارادہ نہیں تھا۔ ہوٹل سے اکیلی نکلی تھی تو اندر ہی اندر تھوڑا ڈر رہی تھی۔ وہاں اوپر ہمارے روم ہیں۔“ اس نے وہیں پل سے اوپر اشارہ کیا لیکن اوپر اٹھی انگلی وہیں رُکی رہ گئی۔ اوپر بالکنی میں ایلیا کھڑی تھی، دیکھے جانے پر اس نے شوخی سے ہاتھ ہلا دیا تھا۔ وسیلہ البتہ بری طرح جھینپ گئی۔ اتنی دیر سے وہ منصب سے بلاوجہ بولے چلی جا رہی تھی۔

”ایلیا جاگ گئی ہے۔ میں چلتی ہوں۔“ اس نے ہلکا سا ہاتھ ہلاتے ہوئے فوراً واپسی کی اور منصب اسے واپس جاتے دیکھتا رہا۔

☆☆☆

”سونے کے لیے اپنا میاندم کیا برا تھا۔“

مومن کے ہاتھ میں ناشتے کی ٹرے تھی اور ماتھے پر بل پڑے تھے۔ ندرت اور رضوانہ بیک وقت جھینپ کر اٹھ بیٹھیں۔

”اور کیا مومن بھائی...... یہ دونوں خواتین اگر گھر پہ آرام کر لیتیں تو ہمیں دو کاروں میں خوار نہ ہونا پڑتا۔ آپ کی کار میں ریم، ایلیا اور میں آپ کے ساتھ گھومنے آجاتے اور مجھے بھی ڈرائیونگ سے چھٹی مل جاتی۔“ وسیلہ نے بھی بھرپور حمایت کی۔

”ارے بھئی نکلیں گے ہم دونوں بھی...... اب صبح صبح ذرا ٹھنڈ لگ رہی تھی تو دل نہیں چاہا۔“ ندرت نے چائے ڈالنے کے لیے تھرماس قریب کیا۔

”جانا کہاں ہے ویسے؟“ ریم کو ہی خیال آیا۔

”تم سب ہی مل کر طے کرو کچھ...... بس زیادہ دور نہ ہو...... روشنی ختم ہونے سے پہلے واپسی کریں گے، تاکہ وسیلہ کو ڈرائیونگ میں پرابلم نہ ہو۔“ مومن نے اپنا مدعا واضح الفاظ میں بتا دیا۔

”مومن بھائی، وہ میری ایک دوست بتا رہی تھی یہاں کوئی گوڈاک پارک ہے...... دریا کے کنارے۔“

”گوڈاک......“ مومن نے ذہن پر زور دیتے دہرایا ”میرا ایک کولیگ بھی شاید یہی نام لے رہا تھا۔ پوچھوں؟“ اس نے تائید کے انداز میں وسیلہ کو دیکھا تو اس نے ہولے سے سر ہلا دیا، اندر ہی اندر تو وہ گھبرائی ہوئی تھی کیونکہ اسے منصب نے بتایا تھا۔ مومن نے البتہ اسی وقت کال کر کے اپنے ایک دوست سے معلومات حاصل کیں اور مسکراتے ہوئے وسیلہ کو دیکھا۔

”کہہ رہا ہے یہیں قریب ہی ہے۔ دریائے سوات کا بہت خوب صورت اور کسی قدر خطرناک ویو۔“

”واؤ“...... ایلیا نے بے ساختہ ایکسائٹمنٹ سے دونوں ہاتھوں کو آپس میں باندھا ”مجھے ضرور دیکھنا ہے یہ خطرناک ویو۔“

”پتا تھا...“ مومن نے نتھنے پھلا کر خفگی سے دیکھا ”ہارر کے لفظ پر بچے ہی سب سے زیادہ اُچھلتے ہیں۔“

”اور پیش آنے پر سب سے پہلے دوڑیں بھی ان ہی بچوں کی لگتی ہیں۔“ تحریم نے قہقہہ لگا کر شوہر کی تائید کی اور ایلیا کی مومن بھیا کو تو گھورنے کی ہمت نہیں ہوئی پر بہن کو ضرور شکوے بھری نظروں

سے دیکھا۔

"چلو پھر...... دیر کس بات کی...... جھٹ پٹ تیاری شروع کرو۔" مومن نے اٹھتے ہوئے ہاتھ تحریم کی طرف بڑھایا اور وہ بھی خود کو سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆☆

"واہ وسیلہ...... تمہاری دوست نے جگہ تو کیا خوب بتائی ہے۔"

ندرت ممانی نے ستائشی نظروں سے وسیلہ کو دیکھا اور وہ بس ہلکا سا مسکرا دی۔ دو چیزیں ایسی تھیں جو گوڑاک پارک کو ملک کے شاید باقی سب ہی عام پارکوں سے یکسر ممتاز کر رہی تھیں اور یقیناً یہی گوڑاک پارک کی خوبی تھی۔ پارک کے بائیں ہاتھ پر دریائے سوات جیسے عین سینے پر چڑھا چلا آرہا تھا۔ یوں جیسے پارک کے اندر جبراً گھس آیا ہو۔ ایک طرف وہ چٹان سے ٹکرا رہا تھا اور دوسری جانب پارک بنا دیا گیا تھا۔ یہاں دریائے سوات چونکہ چوڑائی میں کچھ سمٹ گیا تھا تب ہی اس کی گہرائی بھی زیادہ ہوگئی تھی اور یہی گہرا پن یہاں اس کی خوفناکی میں عجیب سے اضافے کا باعث بن رہا تھا۔

"پانی کے زیادہ قریب مت جانا کوئی......"

رضوانہ نے کہا۔ ایلیا کی نظر کنارے کے اس اونچے بڑے پتھر پر ٹکی تھیں جس پر بیٹھ کر وہ خوب ساری سیلفیز لینا چاہتی تھی۔

"یار وسیلہ آپی، مجھے یہاں بہت ساری تصویریں بنانی ہیں......" ایلیا نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"چپ رہو، سنا نہیں امی کیا کہہ رہی ہیں۔"

وسیلہ چٹائیاں لے کر پارک کے آخری کنارے کی طرف بڑھ گئی۔ وہاں دھوپ بھی اچھی تھی۔ کھانے پینے کا سامان انہوں نے راستے میں ہی لے لیا تھا۔ امی اور ندرت ممانی کو تو بس بیٹھنے کو ٹھکانہ چاہیے تھا۔ بہت دیر تک سب وہیں بیٹھ کر خوش گپیاں کرتے رہے۔ تحریم نے پانی کو قریب سے دیکھنے کی خواہش کی تو مومن ہی ماں کی ہدایت پر اس کا ہاتھ پکڑ کر وہاں تک چلا گیا۔

"چلو آپی...... پارک سے نکل چلتے ہیں۔" مومن کی موجودگی میں تو اسے ہرگز دریا کے نزدیک نہیں جانا تھا۔ تبھی اس نے سوچا کہ پارک سے نکل کر وہ کہیں اور کوئی ویو ڈھونڈے گی۔

"امی! ہم ذرا پارک سے باہر آس پاس کا علاقہ دیکھنے جا رہے ہیں۔" وسیلہ نے ایلیا کی ضد دیکھتے نرمی سے بات بنائی۔

"ہاں، خیال سے......" امی کی اجازت ملتے ہی دونوں باہر نکل آئیں۔ پرسکون سے اس خوبصورت علاقے میں دور دور تک کہیں کوئی دکھائی نہ دے رہا تھا۔ چلتے چلتے وہ ایک چھوٹے سے پل پر آ گئے۔ اس کے نیچے سے دریا کا پانی گزر رہا تھا۔ پل کراس کر کے وہ دونوں دوسری جانب آئیں تو اوپر پہاڑی جیسا ایک راستہ جا رہا تھا۔ ایک بچہ اپنے گدھے کو ہانکتے ہوئے اوپر چڑھ رہا تھا۔ وسیلہ نے مسکرا کر ایلیا کو دیکھا۔

"آج تو میں یہاں ایسی انوکھی ویڈیوز بنا کر جاؤں گی کہ کالام کا ایسا ویو کسی ڈاکومینٹری میں بھی کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔" ایلیا اس وقت واقعی بچوں کی طرح اُچھل رہی تھی۔

"سب مومن بھیا سے دوری کا اثر ہے...... لگتا ہے مجھے ہی مومن بھیا بننا پڑے گا۔" وسیلہ ہنستے ہوئے اسے انگلی اٹھا کر تنبیہ کر رہی تھی۔

"کوشش بھی نہ کریں اُن موچھڑ جیسا بننے کی......" ایلیا بہت غصے میں انہیں موچھڑ ہی کہا کرتی۔

"مجھے بھی اس پہاڑی راستے پر چڑھنا ہے آپی.... یہاں سے اس گاؤں کا نظارہ کتنا خوب صورت ہوگا۔ وہاں سے بہت کچھ ایسا دیکھنے کو ملے گا جو ہم یہاں سے نہیں دیکھ سکتے۔" وہ گدھے والے بچے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے باقاعدہ آگے بھی بڑھ گئی۔ لامحالہ وسیلہ بھی کندھے اچکا کر اس کے پیچھے

چل دی۔ کھلی کھلی دھوپ جسم کو سکون اور حرارت بخش رہی تھی۔ وسیلہ نے نہایت اچھے موڈ میں موبائل آن کر کے خود بھی تصویریں بنانا شروع کیں۔ ایلیا نے ایک دو بار سامنے سے روک کر اس کی تصویریں بھی بنائیں۔

"کلر ویسے آپ نے بہت پیارا پہنا ہے آپی...... بہت اسمارٹ ہیں آپ...... سبزے کی مناسبت سے کیا زبردست لگ رہا ہے آپ پر یہ کاسنی رنگ...... کاش مجھے بھی تھوڑی عقل آ جاتی...... اب یہ کیا براؤن رنگ پہننے کا دن تھا۔" اسے اپنی چوائس اب بہت خراب لگ رہی تھی۔

"تم بھی بہت اچھی لگ رہی ہو پاگل... یہ دیکھو۔" وسیلہ آگے بڑھ کر اسے اس کی تصویریں دکھانے لگی۔

"ہاں یار...... وہ اپنی ہی تصویر کی بیوٹی کو نہارنے لگی تو وسیلہ نے ہنس کر سر ہلایا۔

"اے آپی...... وہ دیکھو نا..... وہ تمہارے وردی والے نہیں۔؟" ایلیا نے ایک جانب اشارہ کیا تو وسیلہ چونکی۔ نظروں کے تعاقب میں دیکھا، واقعی سامنے سے منصب اور رمشہ چلے آ رہے تھے۔ وسیلہ کو تمہارے کہنے پر ایلیا کو سرزنش کرنے کا موقع بھی نہیں ملا اور وہ دونوں ان کے قریب آ گئے۔

"واٹ اے کوانسیڈنس...... وسیلہ، ایلیا... آپ لوگ یہاں۔" رمشہ جوش اور خوشی سے تقریباً چلاتی ہوئی ان سے آ لپٹی۔ پیچھے کھڑا منصب بہن کے جوش و جذبے کو لب دبا کر دیکھ رہا تھا۔

"واقعی بہت عجیب اتفاق ہے..... میاندم سے اتنی دور ایک ساتھ ایک ہی جگہ...... لیکن خیر کمال ہے۔ بہت خوشی ہوئی آپ کو یہاں دیکھ کر" ایلیا نے رمشہ کو بازو میں لپٹا رکھا تھا۔

"اور کون کون ہے ساتھ؟"

"سب ہیں .... امی، ممانی، تحریم، مومن بھیا...... لیکن اُدھر پارک میں...." وسیلہ نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

"اچھا ہم بھی کچھ دیر پہلے تک وہیں تھے، لیکن میرا بھانجا بہت تنگ کر رہا تھا تو گھومنے پھرنے باہر نکل آئے۔" رمشہ نے مزید بتایا تو وسیلہ اور ایلیا دونوں کو حیرت ہوئی۔

"آپ کا بھانجا......؟ تو ابھی کہاں ہے۔"

"وہ لوگ وہاں جیپ میں ہیں۔ میری سسٹر میمونہ آئی ہوئی ہیں ملنے، آئیں نا وسیلہ۔ آپ لوگوں کو اُن سے ملواتیں۔" رمشہ نے وسیلہ کا ہاتھ تھاما۔

"میں تو کہتی ہوں، سب پارک میں چلتے ہیں، سب سے ملاقات ہو جائے گی۔ میمونہ آپی کو بھی بلوا لیں۔" ایلیا نے رمشہ کی تائید چاہی لیکن وسیلہ نے بے ساختہ منصب کو دیکھا، انداز میں کچھ ایسی گھبراہٹ تھی کہ منصب چونک سا گیا۔ وسیلہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ منصب نے باقی دو کی نظر بچا کر ہلکا سا ابرو سوالیہ انداز میں اٹھایا تو وسیلہ نے سرگوشی میں حرکت دی۔ منصب کے لیے سمجھنا آسان ہو گیا، وسیلہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ لوگ پارک میں جا کر باقی سب سے ملیں۔

"ہماری جیپ یہاں سے بہت قریب ہے۔ آپ لوگ پہلے میمونہ سے آ کر مل لیں، پھر دیکھتے ہیں۔" منصب نے پہلی بار مخل ہو کر صلاح دی اور رمشہ نے بھی سر ہلا دیا۔ ایلیا اور وسیلہ جیپ کے نزدیک آئیں تو میمونہ انہیں دیکھ کر باہر نکل آئی۔

"ان سے ملو میمونہ! میاندم میں ہماری پہلی دوست......" رمشہ نے سلام دعا کے بعد مسکراتے ہوئے وسیلہ کو بازو کے گھیرے میں لیا۔

"یہ وسیلہ ہیں، اور یہ چھوٹی ایلیا......اور یہ ہماری بڑی سسٹر میمونہ ہیں، تھانہ میں ہوتی ہیں، آج کل ہم سے ملنے آئی ہوئی ہیں اور یہ ان کا شرارتی بیٹا شہیر..." رمشہ نے بات کرتے بھانجے کو اپنی گود میں لے لیا۔

"بہت کیوٹ ہے ماشاء اللہ۔" ایلیا کو بچے بہت پسند تھے وہ بے اختیار شہیر کی طرف لپکی تھی۔

"ابھی تو کچھ دن یہیں ہیں نا میمونہ...... تو

ہماری طرف ضرور آئے گا.....'' وسیلہ نے بہت دل سے کہا۔

''جی بالکل، تحریم آپی کی شادی کو تو پانچ ماہ ہونے والے ہیں، دوبارہ ہماری ملاقات ہی نہیں ہو پائی۔''

''یاری ویسے آپ لوگوں کی تھی..... کیوں وسیلہ؟'' رمشہ نے یاد دلایا تو وہ ہنس پڑی۔

''یہ تو ہے، لیکن اس دوستی کو یاریوں سے آزاد ہی رکھیں، تاکہ جب دل چاہے ہم ایک دوسرے سے مل لیا کریں۔''

''اوکے، تو پھر ایک دو دنوں میں ہی ہم آپ کے ہاں آجاتے ہیں۔'' رمشہ نے بعد خوشی اس دعوت کو قبول کر لیا۔

''رمشہ آپ کا نمبر لینا میں اس روز بھی بھول گئی تھی۔ یاد ہے ہم جاب وغیرہ کے متعلق بات کر رہے تھے۔'' ایلیا نے یاد دلایا اور رمشہ نے بھی فوراً اپنا نمبر دہرا دیا جسے ایلیا نے ہی اپنے موبائل میں اسی وقت محفوظ کر لیا اور اپنا نمبر رمشہ کو نوٹ کروایا۔ وسیلہ خاموشی سے کھڑی دیکھتی رہی۔ دور منصب نمبرز کے تبادلے کو بڑی معنی خیز مسکراہٹ سے دیکھ رہا تھا۔ ان ہی دو کی بدولت دو فیملیز آپس میں ایک نئی خوب صورت دوستی کے رشتے میں بندھ رہے تھے۔ اور انہی دو کے پاس ایک دوسرے کا نمبر نہیں تھا۔

''تو یہ بھی شاید اتفاق ہے..... جی۔؟'' منصب رمشہ کے پیچھے سے ہٹ کر اپنی جیپ کے قریب آیا تھا۔ پچھلی سیٹ سے کوئی شاپر اٹھاتے چپکے سے زیر لب کہا جسے صرف وسیلہ ہی سن سکتی تھی۔ اس مرتبہ وہ بھی ہنسی نہیں روک پائی، البتہ منصب کی جانب دیکھا نہیں گیا۔

☆☆☆

''امی کو سب سے زیادہ شوق ہو رہا تھا جانے کا.....'' رضوانہ کا پریشان حال چہرا بری طرح اترا ہوا تھا۔ ندرت بھی بے چینی سے لب کاٹ رہی تھیں۔ تحریم بیڈ پر نیم دراز منہ بنائے ان دونوں کو باری باری دیکھ رہی تھی جب دھاڑ سے دروازہ کھول کر پہلے ایلیا اور پیچھے وسیلہ اندر داخل ہوئی۔ ایلیا کے ہاتھ میں دو کارٹون فیس کے کشن دبے تھے۔ چہرا خوشی اور جذبات سے تمتما رہا تھا۔ پیچھے آتی وسیلہ کے ہونٹوں پر بھی ہنسی تھی لیکن اس کی خوشی ایلیا کی دیوانگی سے بہت کم تھی۔

''یا ہوووو.....'' اس نے چیخ کر خوشی کا نعرہ لگاتے تحریم کے نزدیک بیڈ پر چھلانگ لگا کر آلتی پالتی ماری۔

''کیا پاگل پن ہے.....؟'' رضوانہ نے آخر قریب آنے پر اس کے سر پر ایک جماہی دی'' ہوش میں ہو تم؟۔''

''ہائے..... اب ہے نیند کیسے..... اب ہے چین کہاں.....'' وہ مدہوشی سے اپنے لائے کشنز پر گر گئی۔

''امی سچ بتائیں..... ڈاکٹر نے بھی کہا؟'' وسیلہ کے چہرے پر بھی خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔

''واقعی ٹوئنز.....؟'' اس نے نچلا لب دانتوں میں دباتے شوخی سے تحریم کو دیکھا لیکن اس کی اتری صورت دیکھ کر ایک دم سنجیدہ ہوئی۔

''کیا ہوا..... یہاں سب پریشان کیوں ہیں؟'' وسیلہ نے باری باری تینوں کی صورتوں کو جانچا۔

''ہمیں تو مومن بھیا نے بتایا کہ ڈاکٹر نے جڑواں بچوں کا بتایا ہے۔ ہم سے تو خوشی ہی سنبھالی نہیں جا رہی تھی لیکن آپ لوگوں کو کیا ہوا، سب خیریت تو ہے؟۔''

''خیریت ہی ہے۔'' ریم سخت برا منہ بناتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئی'' میں بھی تم دونوں جیسا خوش ہونا چاہتی ہوں لیکن ان دونوں کو دیکھو جب سے سنا ہے ہکا بکا بلکہ ساکت صامت بیٹھی مجھے بھی ہولا رہی ہیں۔ میرا ابھی دل ڈرا دیا۔ شکر ہے اتنی دیر بعد کوئی ہنستا چہرا دیکھ کر میرے بھی اوسان بحال ہوئے۔''

''کیا ہوا امی۔ کیوں ڈرا رکھا ہے بے چاری

کو؟"

"ارے یونہی.... بس دل گھبرا رہا ہے سوچ کر کہ دو بچوں کی ذمہ داری کا بوجھ اٹھا پائے گی، پھر ڈلیوری، اور یہ باقی بچے چار پانچ ماہ کا عرصہ....." امی بولنے پر آئیں تو اپنے سارے خدشے نکال باہر کیے۔

"اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے، پچھلے دنوں اخبار میں دیکھا، صوابی کی خاتون کے پانچ بچے ایک ساتھ......"

"ارے بس بھی کرو......" رضوانہ نے سخت کبیدہ خاطر ہوتے ایلیا کا منہ بند کروایا۔ "تمہیں کبھی کوئی معاملہ سنجیدہ لگا بھی ہے۔"

"قسم لے لیں، مجھے تو ہر بات اوروں سے زیادہ سنجیدہ لگتی ہے، آپ ہی غور کرنے کو تیار نہیں ہوتیں۔" اس نے منہ سکوڑا۔

"ہاں، اور یہ کتے کے پلے پالنے کو اپنی سنجیدگی کہتی ہے۔" رضوانہ نے طنزیہ ندرت کی طرف دیکھا تو ریم اور وسیلہ کی بھی ہنسی چھوٹ گئی۔ اندر آتے مومن کی آنکھیں البتہ حیرت سے پھیلنے لگیں، وہ تو اپنے جڑواں بچوں کی خبر سن کر اندر آ رہا تھا اور ساس صاحبہ کے منہ سے یہ کیسے پھول جھڑ رہے تھے۔

"اچھا اچھا بولیں پھوپھو....."

"ہیں...... یعنی۔" رضوانہ نے کچھ نہ سمجھتے پہلے مومن کو دیکھا پھر ندرت کے قہقہے پر اپنی بات پہ غور کرتے خود بھی ہنس پڑیں۔

"توبہ ہے مومن...... ادھر آؤ، یہاں بیٹھو۔"

"جی بھیا، آیے اور بیٹھیے لیکن پلیز آپ ان دو خواتین کی طرح پریشان نظر مت آنا۔" وسیلہ نے باقاعدہ ہاتھ باندھ کر التجا کی۔ جس پر مومن نے مسکراتے ہوئے ماں اور پھوپھو کو دیکھا۔

"اچھا...... اور کیا وجہ ہے ان کی پریشانی کی؟"

"تمہیں لگتا ہے یہ تمہاری سست سی بیوی سنبھال پائے گی دو، دو بچوں کی ذمہ داری...." رضوانہ نے تحریم کو بیزاری سے دیکھا۔

"سستی اور نکمے پن کے خطابات پر تو خیر میری طرف سے خصوصی شاباش بھی ہے، لیکن غور فرمایئے کہ اللہ نے شاید اسی دن کے لیے عورتوں میں صبر بھر دیا تھا۔" مومن کے شوخ لہجے سے اس کی خوشی چھلک رہی تھی۔ رضوانہ نے محبت سے داماد کو دیکھا۔ مومن باتونی نہیں تھا بلکہ معمول سے کچھ زیادہ ہی کم گو تھا۔ اس کا زیادہ بولنا اس کی اندرونی خوشی کا غماز تھا۔ انہوں نے مسکراتی نظروں سے ندرت کی طرف دیکھا لیکن بھابی کے چہرے کا تفکر رضوانہ کو چونکا گیا۔

"کیا بات ہے ندرت...... تم ابھی تک پریشان بیٹھی ہو؟"

"ہوں.. ...نہیں بس...... بہت سی باتیں ہوتی ہیں نا...." انہوں نے بات کو خود ہی مختصر کیا۔

"چلیں......" مومن نے سوالیہ انداز میں تحریم کی طرف دیکھا۔ مومن کے کہنے پر تحریم اور ندرت اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اللہ پہ بھروسا رکھو، سب اچھا ہوگا ان شاء اللہ۔"

ان شاء اللہ۔ ندرت نے مسکرا کر تائید کی۔

☆☆☆

گول گول گھومتی چکر دار سڑک کے اختتام پر بالآخر وہ میاندم کی چھوٹی سی آبادی میں داخل ہو گیا تھا۔ حتیٰ کہ آبادی کو کراس کرکے ایک نسبتاً پرسکون چھوٹے روڈ کا انتخاب کرتے ہوئے اس وقت وہ سڑک کنارے کار سے اتر کر میاندم کی اونچی ہری بھری چٹانوں کو دیکھ رہا تھا۔ مسکراتے لبوں پہ دبا دبا جوش اور آنکھوں میں نہ بجھ آتی چمک لیے وہ چٹانوں سے نیچے آتے اب مقامی آبادی کے گھروں کے قریب آچکا تھا۔ منزل زیادہ دور تو ہرگز نہ تھی پر کچھ مجبوریوں نے اس کا راستہ کچھ طویل ضرور کر دیا تھا۔

اور "میاندم"۔ ارحم خان کے سفر کا پہلا پڑاؤ تھا۔

☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

"سنو وسیلہ... یہ فیروزہ بی بی کہاں گئی۔ اچھی بھلی پچھلے صحن میں کپڑے دھو رہی تھی۔ یہ اچانک کہاں چلی گئی۔"

رضوانہ کمرے میں داخل ہوئیں تو کچھ حیران پریشان سی لگیں۔ وسیلہ نے چشمہ آنکھوں سے اتارتے کتاب سائیڈ پہ رکھی۔

"اور ایلیا؟"

"وہ ہے گھر پہ؟ وسیلہ کا دھیان کسی اور جانب گیا۔"

"دکھائی تو وہ بھی نہیں دے رہی، میں نے سوچا شاید ماموں کی طرف گئی ہوگی امی سے پتا کریں، فیروزہ بیچاری سنڈے کے روز تو اسی کے کاموں سے بھاگتی پھرتی ہے۔"

"اچھا" رضوانہ جانے کے لیے پلٹیں "تحریم کو کال کر کے پتا کرتی ہوں۔"

"جی۔ میں بھی دیکھتی ہوں۔" وہ کتاب رکھ کے پلنگ سے اتری۔ موسم بہت تبدیل ہو گیا تھا۔ جون کی گرمی میں میانرم کے شب و روز نہایت خوش گوار اور معتدل ہو جایا کرتے۔

کھڑکی میں وہ یونہی بے ارادہ آئی تھی لیکن گھر کی چھوٹی دیوار کے پار کا چھوٹا سا گراؤنڈ یہاں سے صاف دکھائی دیتا تھا۔ اور بلاشک و شبہ وہ ایلیاء ہی تھی۔ وسیلہ نے جلدی سے شال اوڑھی اور کمرے سے باہر نکل آئی، پہلے امی کو بتایا کہ ایلیا باہر ہے پھر خود بھی باہر نکل آئی۔ چار پانچ بڑے لفافوں اور ڈبوں کے علاوہ وہاں فیروزہ بھی تھی جو کھانے پینے کا سامان سمیٹ کر اب واپس پلٹ رہی تھی۔

"یہ سب کیا ہے؟" وسیلہ حیرت سے منہ کھولے اس خفیہ سموسہ پارٹی کے بچے کھچے نشان دیکھ رہی تھی۔

"آپ بھی لیٹ ہی پہنچتی ہیں ہمیشہ۔" ایلیا نے آخری لفافہ خود اٹھایا۔ فیروزہ باقی کا سب سامان اٹھا کر لے گئی تھی۔

"کیا مطلب لیٹ پہنچتی ہوں۔ اور یہ ہو کیا رہا تھا یہاں؟" وسیلہ کی تو حیرت ہی نہیں جا رہی تھی۔

"آپ سے پہلے وہ آئے تھے جو غریبوں کے دشمن نمبر ون ہیں۔" ایلیا نے انگلیاں خوب جلے بھنے انداز میں ماموں کے گھر کی طرف اٹھائیں، جس سے وسیلہ فوراً سمجھ گئی کہ نشانے پہ ماموں زاد مومن صاحب ہی ہیں۔

"غریبوں سے پہلے تو آپ کے دشمن نمبر ون ہوتے ہیں نا۔" وسیلہ ہلکے پھلکے ہنس دی۔

"ہاں جی۔ غریبوں کے دشمن اور غریبوں کے حامیوں کے مہا دشمن۔"

"ہوا کیا تھا؟" وسیلہ نے اس کے شاپر میں ہاتھ ڈال کر بچا ہوا سموسہ نکالا۔

"ہاا... ایلیا نے آہ بھری تو آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔" پچھلی اتوار کو وہ بالکنی سے یونہی نیچے کا نظارہ کر رہی تھی۔ گراؤنڈ میں بچے کرکٹ کھیل رہے تھے۔ ایک ٹیم جیت گئی اور ہاری ہوئی ٹیم منہ بسورتے فوراً رخصت ہو گئی۔ جیتی ہوئی ٹیم نے پارٹی منانے کے لیے رقم جمع کرنے کی کوشش کی لیکن آدھی سے زیادہ ٹیم خالی جیب نکلی جس پر پارٹی ملتوی کر دی گئی۔

ایلیا اوپر خاموش کھڑی ان معصوم بچوں کی اس ننھی سی خوشی اور اس خوشی کو سیلیبریٹ نہ کر سکنے کا افسوس دیکھتے الگ ہی کرب میں ڈوب گئی۔ تب ہی اس سنڈے جوں ہی ان بچوں کا میچ شروع ہوا اس نے دونوں ٹیموں کے لیے سموسے منگوا کر شاپر گراؤنڈ کے کنارے لا کر رکھ دیے۔ ایک بڑے بچے کو بلا کر سمجھا بھی دیا۔ اور بس یہی ایلیاء سے بھول ہو گئی۔ ایک تو بچہ ذرا بچے سے کچھ زیادہ بڑا تھا اوپر سے بنا دائیں بائیں دیکھے ہی اسے اشارہ کر کے بلا لیا۔ حد تو یہ ہے کہ اشارہ کر کے بلانے پر ایک کے بجائے پوری ٹیم ہی بھاگی چلی آئی۔ اس پہ مستزاد مومن خان بھی اسی وقت چائے کا کپ لیے اپنی بالکنی میں آئے تھے۔

ایلیا بی بی کو اس روز دس بارہ بچوں کی ٹیم سے مذاکرات خوب مہنگے پڑ گئے۔

"پھر کرکٹ کھیلیں گی اب آپ؟" وہ چائے

کا کپ لیے سیکنڈز میں اس کے سر پر پہنچے تھے۔

''نن... نن... نہیں... وہ... بھیا آپ یہ سموسہ لیں۔ گرما گرم۔'' ایلیا کے وہم و گمان میں نہیں مومن کی وہاں آمد نہیں تھی۔ سرخ پڑتے چہرے سے فوراً ہی سموسہ نکال کر پیش کیا۔ کپکپاتے ہاتھوں کی مجرمانہ لرزش کو مومن نے خوب ہی کڑے ابروؤں سے دیکھا۔

''کیا ہے یہ سب؟''

''وہ۔ اصل میں یہ سب غریب بچے۔ ان کے پاس پپ پارٹی کرنے۔ مطلب کھانے کے لیے سموسے۔ آئی مین کھانے کو کچھ نہیں ہے۔'' اسے تو غربت کی ٹھیک سے عکاسی کرنا بھی نہیں آ رہا تھا۔

''اندر آؤ یہ سب سمیٹ کر، ابھی بتاتا ہوں۔'' وہ لڑکوں کی موجودگی کے خیال سے بمشکل اپنے غصے پر قابو پا کر گیا تھا۔ لڑکوں نے جھٹ پٹ سموسے نکال کر فوراً سے کھا بھی لیے اور یہ جا وہ جا۔

''یعنی اندر ایک اور بھی ہے؟'' وسیلہ نے بدقت ہنسی چھپائی۔

''خدارا بچا لیں۔ پنجے تیز کیے بیٹھا ہے وہ خونی بلا۔''

''لاحول ولا... ایلیا...'' وسیلہ نے آنکھیں نکالیں۔ ''شرم کرو بدتمیز یہ کیسی لینگویج ہے۔''

''آپ نے دیکھا نہیں نا۔'' وہ ہاتھ نچا کر سمجھانے لگی۔ ''اندر آؤ۔'' تو ایسے کہہ رہے تھے جیسے ایک بار لاک اپ میں آؤ، پھر بتاتا ہوں ایسے۔''

''بس کرو ایلیا!'' وسیلہ اس بار ہنسی نہیں روک پائی۔ لاک اپ۔ کے ذکر پر ایک وردی والا کیا یاد آیا ذہنی رو بھی یکدم پلٹ گئی۔ اسے باقاعدہ تصور میں دکھائی دینے لگا کہ منصب وردی میں کس طرح مجرموں سے پیش آتا ہوگا۔

''آپ کہنا میں نے کہا تھا۔ یہ سموسوں والا آئیڈیا اور۔''

''اررر رے... میں کیوں؟'' وسیلہ بدکی

لیکن اس سے پہلے ہی مومن گیٹ کے پیچھے سے سامنے آ گیا۔

''جھوٹ بھی سکھا رہی ہو۔؟ میں کیا جانتا نہیں ہوں وسیلہ کو۔'' بازو سینے پر لپیٹے تیور بھی ''قصابانہ'' سے کر رکھے تھے۔ وسیلہ ہنس کر اندر ممانی کی طرف بڑھ گئی۔ اب ایلیا جانے اور اس کے مومن بھیا۔

''کیا سوچیں گے وہ لڑکے۔ اتنی ہی لڑکی، آخر کس لیے ہم پر اتنا مہربان ہو رہی ہے۔''

''ہائے پر وہ تو چھوٹے۔''

''قد دیکھے تھے ان کے۔'' وہ اور زور سے دھاڑے۔ ''اور عمر دیکھی ہے!''

''ہاں، جی، ابھی آئی ڈی کارڈ دیکھنا تھا میرا۔'' وہ آنسو بھری پلکوں سے خود ہی ان کو وہ دیکھنے لگی جس سے آئے روز واسطہ پڑتا ہی رہتا تھا اور آگے بھی کیا مجال کہ وہ سدھر جاتی یا مومن بھیا ہی پیچھے ہٹ جاتے۔

''خبردار جو آئندہ مجھ سے پوچھے بغیر تم نے کوئی بھی الٹے سیدھے کرتوت کیے۔'' وہ انگلی اٹھا کر وارن کر رہے تھے اور ایلیا دل میں سوچ رہی تھی ''آپ'' سے کیوں پوچھوں۔ میرے گھر میں میری ماں ہے، بڑی بہن ہے۔''

''باپ ہے کیا؟'' وہ تو جیسے اس کی سوچ پڑھ رہے تھے۔ تنگ کر پوچھا۔ وہ بدک کر دو قدم پیچھے ہٹی۔

''یہ مومن بھیا تو بھوت ویت بھی ہیں۔ اندر کی باتیں کوئی انسان کیسے پڑھ سکتا ہے۔'' وہ بنا اسے مزید سنے فوراً وہاں سے بھاگی۔ اب سوچ پڑھنے والوں کے سامنے کیا ٹھہرنا۔ بھاگنے میں ہی عافیت تھی۔

☆☆☆

''اے سن نا رمشہ۔ کبھی جب میں آئی، مجھے وہ پیاری سی لڑکی بڑی ہی اچھی لگی تھی۔ ان کے گھر چلیں۔؟'' رمشہ گود میں شہیر کو تھپکنے کے ساتھ ساتھ ٹی وی بھی دیکھ رہی تھی۔ انیس کے اسکول میں

گرما کی چھٹیاں ہوئیں تو وہ ایک بار پھر میمونہ کو میانڈم چھوڑ گیا۔ اور میمونہ کو گزرے تین ماہ میں بھی وسیلہ برابر یاد رہی تھی۔ میانڈم میں ہی ایسی اچھی۔ سوبر سی، پڑھی لکھی لڑکی کا مل جانا، اسے منصب کی خوش قسمتی دکھائی دیا۔ آپس کی باتوں میں دونوں کی لگاتار چپ ان کے ایک دوسرے کے لیے جذبات صاف عیاں کررہی تھی۔ لیکن وہ جانتی تھی منصب اپنے محسوسات کبھی ان پر ظاہر نہیں کرے گا۔ تب ہی وہ بھی پچھلی مرتبہ بنا کچھ کہے واپس چلی گئی تھی

''کون پیاری سی لڑکی؟'' رمشہ کا دماغ ٹی وی سیریل میں پھنسا تھا۔ میمونہ نے سر پر چپت لگائی۔

''ادھر دیکھو، یہاں۔ میں وسیلہ کی بات کررہی ہوں۔''

''اچھا ہاں وسیلہ لوگ...... ہاں ہاں کیوں نہیں جانتے ہیں، لیکن آپ کی دلچسپی۔'' رمشہ نے لہجہ سست کرتے آنکھیں چھوٹی کرکے بہن کو دیکھا تو اس نے بھی شرارت سے آنکھیں میچیں۔

''ہاں، ٹھیک سمجھیں میری دلچسپی کی وجہ۔'' اس نے دور دوسرے کمرے میں بیٹھے منصب کی طرف اشارہ کیا تو رمشہ بھی ہنس دی۔

''دونوں پیدا بھی ایک ہی دن ہوئے ہیں، شادی بھی ۲۵ اکتوبر کو کردیں تو تین تین ایونٹ ایک فنکشن میں نمٹ جایا کریں گے۔''

''ایک ہی دن سالگرہ۔ اچھا؟'' میمونہ کے لیے ناقابل یقین تھا۔ رمشہ نے اسے سارا واقعہ سنا دیا۔

''واؤ... کیا مزے کا اتفاق ہے۔ تو کیا کہتے ہیں موصوف؟ پسند ہے ان کو وسیلہ۔''

''کیا کہنے، آپ کو یہ ماننے والے لگتے ہیں؟'' رمشہ حیرت سے دور ہوئی۔

''ہوں۔ مطلب اگلوانی پڑے گی بات۔'' میمونہ کا دماغ فوراً کہیں اور پہنچا ''دیکھنا پھر، میں بھی اس کی بہن ہوں۔ آؤ ذرا وہاں قریب ہوکر بیٹھتے ہیں۔'' میمونہ نے جگہ بدلی اور رمشہ بھی دبا دبا جوش لیے اس کے پہلو میں آبیٹھی۔ منصب وہاں سے کچھ فاصلے پر اندر روم میں کمپیوٹر اسکرین کے سامنے بیٹھا کچھ کام کررہا تھا۔ درمیانی فاصلہ ایک چند فٹ کا ہی تھا۔ آواز با آسانی صاف سنی جاسکتی تھی۔

''ہاں تو کیا کہہ رہی تھیں تم؟ وہ وسیلہ وکیل ہے پیشے سے؟''

''ہاں، بتا رہی تھی ابھی پریکٹس شروع نہیں کی۔''

''یاری تو ویسے اسی کی ہے نا گھر میں؟ مطلب کوئی بڑی بہن بھائی وغیرہ؟'' میمونہ خود کو ایک دم انجان ظاہر کرتے بہت کمال کی ایکٹنگ کررہی تھی۔ منصب نے سرسری ایک نظر ڈال کر دوبارہ اسکرین کی طرف دیکھا۔

''یاری تو گھر میں وسیلہ کی ہی ہے۔ بڑی تحریم کی شادی ہوچکی ہے۔ اور بھائی تو ہے کوئی نہیں۔ یہ تین بہنیں ہیں۔ اور ان کی امی آنٹی رضوانہ بڑی نرم خو، اچھی سی خاتون ہیں۔''

''یار جلد پروگرام بناؤ ان کے ہاں جانے کا۔''

''کیوں خیریت؟'' منصب نے ریوالونگ چیئر کا رخ ان کی طرف پھیرتے روکھے لہجے میں جاننا چاہا ''تمہیں کیوں شوق ہورہا ہے ان کے ہاں جانے کا؟''

منصب کے کان تو وسیلہ کا نام سنتے ہی پورے کھڑے ہوچکے تھے اوپر سے بہن کا اتاؤلا پن دیکھ کر سوال کرنے سے باز نہیں آسکا۔

''وہ... اصل میں .... میری بڑی نند اور ساس آج کل عرفان کے لیے لڑکی ڈھونڈ رہی ہیں نا، تو بہت وقت ہوگیا انہیں کوئی لڑکی پسند ہی نہیں آرہی۔ میں نے سوچا ان کو وسیلہ کا بتاتی ہوں۔'' میمونہ نے بڑے اعتماد اور بھولپن سے آغاز لیا اور رمشہ کا بھی منہ کھل گیا۔ تو یہ میمونہ اس انداز سے بات اگلوانا چاہ رہی تھی۔

''میں تو کہتی ہوں رمشہ! ایک بار گھر وغیرہ دیکھ لیں، تو میں تصویر بھی مانگ لوں گی۔ کیا کہتی

ہو؟" مونا مزید پھیلنے لگی۔ کوشش رمشہ کو اور اکسانے کی تھی۔ منصب البتہ صدمے میں غرق تھا۔

"ہاں اور اپنی ساس سے کال پر ہی بات کرلینا۔ پھر رضوانہ آنٹی سے بھی بات کرکے جاسکتی ہو۔ عرفان کو تصویر دکھا دیں گے۔ اگر اس کو بھی پسند۔"

"اے ے ے ے؟" منصب نے جب زور سے ان دونوں کو ٹوکا تو ماتھے پر ایک ساتھ کئی بل کھنچے تھے۔ "کیا بکے جارہی ہو دونوں، تمہارا کیا لینا دینا عرفان کے رشتے سے۔"

"ہائے منصب، لینا دینا کیوں نہیں۔" میمونہ نے انگلی ناک پہ رکھی، "دیور ہے میرا۔"

"ہاں اور کل کو کوئی اونچ نیچ ہوگئی تو تم ذمہ داری لوگی۔" وہ بھی جرح پر اتر آیا۔

"تم جانتے ہو میرے سسرال والے ایسے نہیں ہیں۔"

"تو ان لوگوں کو کتنا جانتی ہو۔" وہ ہار ماننے کو تیار نہیں تھا۔ میمونہ اور رمشہ اپنی اندرونی حالت کو بمشکل کنٹرول کیے ہوئے تھیں۔

"کیوں..... کیا یہ اچھے لوگ نہیں ہیں؟" میمونہ نے آنکھیں معصومیت سے جھپکاتے رمشہ کو دیکھا، جس نے لاپروائی سے کندھے اُچکا دیے۔

"پتا نہیں، بظاہر تو اچھے ہی لگے، اب منصب کو کوئی بات پتا ہے تو۔"

"میں نے ایسا کب کہا۔" وہ بری طرح جھنجلا گیا۔

"نہیں اب، تم پولیس والے ہو، تمہارا دیکھنے کا نظریہ ہم سے مختلف ہے، میں تو تمہاری رائے کو ترجیح دوں گی۔ اگر ایسی کوئی بات ہے تو میرا خیال ہے ہمیں ان کے گھر بھی نہیں جانا۔"

"اُف چپ کرو۔" منصب نے غصے سے ہاتھ کان پہ رکھے۔ "توبہ ہے تم دونوں سے، کتنا بولتی ہو اور... اور بولے ہی چلی جارہی ہو۔ جہاں جانا ہے جاؤ، ملو، لیکن کسی کا رشتہ لے کر نہیں۔"

وہ کی بورڈ کو دھکا دے کر کمرے سے ہی باہر نکل گیا۔ میمونہ نے سر گھما کر اس کی پشت کو دیکھا اور جب بیرونی گیٹ بھی بند ہونے کی آواز آئی تو اندر دبا قہقہہ زور سے باہر نکالا۔ رمشہ کا بھی یہی حال تھا۔ میمونہ نے اپنی چالاکی سے منصب کے دل کی پوری بات باہر نکلوائی تھی۔ اس نے صاف الفاظ میں جتا دیا تھا کہ وسیلہ کے گھر ضرور جاؤ لیکن عرفان کا رشتہ لے کر نہیں۔

☆☆☆

"آ...... آپ..." وہ اس کے سامنے نشست سنبھال لینے کے بعد تک بھی اس کا نام سوچتی رہی تھی۔ شکل دیکھتے ہی سارا کیس تو فوراً ذہن میں تازہ ہوگیا لیکن بندے کا نام بالکل ہی یاد نہیں آرہا تھا۔

"سردار عیسیٰ احمد خان۔" اس نے مسکرا کر یاد دلایا اور تانیہ کو پہلی بار اس کی مسکراہٹ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ پچھلی پوری ملاقات میں غالباً وہ ایک بار بھی مسکرایا نہیں تھا۔

"اوہ، جی جی۔ معذرت چاہتی ہوں، نام یاد رکھنے کے معاملے میں کچھ بھلکڑ ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں بھی اپنی ذاتی مصروفیات کی وجہ سے ذرا زیادہ لیٹ ہوگیا...... کیا میں دوبارہ یاد دلا دوں۔ وہ میرے بھائی۔"

"جی، وہ سب مجھے یاد ہے۔ آپ کے بھائی صہیب کا معاملہ تھا۔"

"ارے واہ، آپ کو صہیب کا نام یاد ہے۔" اس نے بے ساختہ کہا تو دونوں ایک ساتھ ہنس دیے۔

"جی، کیونکہ آپ نے اپنا نام ایک ہی بار تعارف میں بتایا جبکہ صہیب کو ہم نام لے کر بار بار ڈسکس کرتے رہے تھے۔"

"جی، میں سمجھ رہا ہوں۔" اس نے متانت سے سر ہلایا "یہی بات ہے۔"

"تو... کیسے ہیں صہیب؟"

"بس وہی کچھ ٹینشن ہے۔ جو بتائی تھی۔ میں کچھ

خاندانی بکھیڑوں میں پھنسا تھا تب ہی وقت نہیں نکال پایا۔ ورنہ یہ معاملہ میرے لیے ترجیحی نوعیت کا ہے۔"

"تو... کیا لگتا ہے۔ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟" عیسیٰ مدعے پر آیا۔

"کیا میں صہیب سے مل سکتی ہوں؟"

"او!" عیسیٰ نے جیسے پہلی مرتبہ سوچا "کیا کہہ کر؟" اس نے سر اٹھایا تو تانیہ اس کے مختصر سوال کا مطلب بخوبی سمجھ گئی۔

"اٹس او کے۔ اگر سائکاٹرسٹ سے کنسلٹ کا بتانا مشکل ہے تو رہنے دیں۔"

"مجھے آئیڈیا نہیں کہ وہ کیسے ری ایکٹ کرے گا۔ چاہیں تو سوچ بھی سکتے ہیں ملوانے کا۔" وہ جیسے خود سے ہمکلام تھا۔

"میرے خیال سے میں اسے لے ہی آتا ہوں، اگر آپ کو لگتا ہے کہ اس سے ڈسکس کرنا صحیح رہے گا۔"

"مجھے تو لگتا ہے اس سے بات کرنا بہت ضروری ہے۔"

"کیا واقعی وہ پیچھے ہٹ جائے گا؟" عیسیٰ قطعی بے یقین تھا۔

"دعوا تو میں بھی نہیں کر سکتی لیکن اتنا ضرور جانتی ہوں کہ ایک غیر جانب دار بندے کی بات سننا اس کے لیے آپ سب کی نسبت کچھ آسان ثابت ہوگا۔ مجھ سے وہ کھل کر ہر بات کرلے گا کیونکہ میں اس کے لیے اجنبی ہوں، اجنبیوں سے بات کرتے ہم پر جذباتی دباؤ نہیں ہوتے۔"

"ہوں۔ تو ٹھیک ہے، ایک بار صہیب کا مسئلہ حل ہوجائے، پھر میں بھی اپنے کچھ ذاتی مسئلے ڈسکس کروں گا۔" عیسیٰ نے ہلکا سا مسکرا کر معنی خیزی سے کہا تو تانیہ نے ہنس کر سر ہلایا۔

"موسٹ ویلکم، آپ جب چاہیں اپنا مسئلہ مجھ سے شیئر کر سکتے ہیں۔"

"او کے تو جس روز آپ کا موڈ خراب ہو، مجھے سن لیجیے گا۔" وہ موبائل اٹھاتے مسکرا کر اٹھ کھڑا ہوا کیونکہ مجھے سن کر آپ کو بہت ہنسی آنے والی ہے۔"

"اوہ، پھر تو میں ہر وقت حاضر ہوں۔" وہ بھی مسکرادی۔ "کیونکہ ہنسنا ہم کب نہیں چاہتے۔"

"اس میں تو کوئی شک نہیں کہ ہنسنے اور خوش ہونے کے مواقع ہمیں زندگی میں بہت ہی کم میسر آتے ہیں۔ لیکن میرے لیے آمنے سامنے بولنا کچھ مشکل ہوگا۔ کیا ہم کال پر بات کر سکتے ہیں؟"

"جی جی ضرور۔ آپ میرا نمبر لے لیجیے۔"

تانیہ نے فوراً ہی سامنے سے اپنا کارڈ کھینچا اور عیسیٰ کی طرف بڑھادیا۔

☆☆☆

"فیروزہ آج تھوڑا ٹائم نکالنا، کچن کیبنٹ کا برا حال ہے، مل کر صاف کرلیں گے۔"

وسیلہ نے امی کے لیے دودھ گرم کرتے فیروزہ کو مخاطب کیا اور کمرے کی طرف چلی گئی۔

ناشتے کے بعد رضوانہ نے دودھ کے ساتھ ایک دوا لیتی ہوتی ہیں۔ امی کو دودھ دے کر واپس کچن میں آئی اور کیبنٹ کا سامان نکالنا شروع کردیا۔ فیروزہ سنک میں پڑے برتن دھو لیے تھے، وسیلہ کا خیال تھا کہ اب وہ بالکل فارغ ہے۔ لیکن کچھ دیر گزر جانے پر بھی فیروزہ اس کی مدد کرنے کے لیے پلٹی نہیں تو وسیلہ کا ہاتھ رُکا۔

"فیروزہ۔" اس نے نرمی سے پکارا لیکن وہ بری طرح ہڑبڑا کر مڑی تھی۔

"جج جی باجی۔"

"کیا بات ہے۔ خیریت؟" وسیلہ نے اس کی بوکھلاہٹ کو چونک کر دیکھا تب ہی فیروزہ نے اپنے ہاتھ پیچھے کیے۔ وسیلہ کے لیے اس کی حرکتیں عجیب تھیں۔ بجائے کچھ پوچھنے کے اس بار آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ سامنے کیا۔

"اوہ نو!" فیروزہ کا ہاتھ دیکھ کر وسیلہ کی خوف سے آنکھیں پھیل گئیں۔ دونوں ہاتھوں پر بڑے بڑے سرخ دھبے جو پانی پڑنے سے سفید چھلکوں جیسے

ہو رہے تھے۔ وسیلہ سے دیکھا بھی نہیں جا رہا تھا۔

"کیا ہوا ہے تمہیں۔ اور اس طرح آرام سے کیوں کھڑی ہو، کچھ لگواؤ مجھ سے۔ جلایا کیسے۔ اور۔ اور پانی کیوں ڈالا۔" وہ گھبراہٹ میں اسی پر ہی چیخنے لگی، ساتھ ہی بھاگ کر ڈریسنگ وغیرہ کا سامان بھی نکال لائی۔ چپ بیٹھی فیروزہ کے زخموں پر وہ خود ہی دوائی لگانے لگی۔ تھوڑی ہی دیر میں اس کے دونوں ہاتھوں پر ٹیوب کا لیپ لگا دیا۔

"اب بتاؤ بھی کب جلیں تم۔ اور بندو فوراً چیخ مار کر سب کو متوجہ کرتا ہے، تم برتن بھی دھونے لگیں۔"

وسیلہ نے ایک نظر چولہے کی طرف بھی دیکھا، وہ بالکل سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ فیروزہ کے ہاتھ کیسے جلے۔

"یہ تو گھر میں جلے تھے باجی۔ اب تو درد بھی ختم ہو گیا تھا بس ابھی پانی پڑنے سے۔"

"تو پہلے کیوں نہیں بتایا، اتنے سے برتن تھے، میں خود دھو لیتی۔ اور گھر میں کیسے جل گئیں، چھٹی کر لیتیں۔"

"اب روز روز کیا چھٹی کرنا۔" وہ ہاتھ چھڑا کر سنجیدگی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور وسیلہ نے اس کے جملے پر غور کیا۔ امی اور اس کی آپس کی باتیں کانوں میں پڑتی رہتی تھیں، اتنا تو اسے بھی اندازہ تھا کہ فیروزہ کا شوہر مار پیٹ کرتا ہے۔ لیکن ہاتھوں کا جلنا۔ اسے سوچ کر پشیمانی ہوئی کہ کچھ باتیں ہم کیسی بے حسی سے سن کر سر پر سے گزار جاتے ہیں اور جن پر بیتتی ہے۔ وہ وسیلہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آئی اور شانوں سے پکڑ کر فیروزہ کو کرسی پہ بٹھایا۔

"بتاؤ، کیسے جلا ہاتھ، جھگڑا ہوا تھا شوہر سے؟"

"جھگڑا کب نہیں ہوتا۔" وہ نیچے دیکھنے لگی۔

"کس بات پر جھگڑا ہوتا ہے؟"

"یہی کھانے کمانے کے رونے ہیں۔ مکان کا کرایہ اس کے ہاتھ پہ رکھنے کی بھول کر دی، چار دن گزر گئے میں سمجھ رہی تھی، کرایہ ادا ہو گیا، پر مجھے کیا پتا تھا یہ اپنا چھولے چاولوں کا سامان پورا کر رہا تھا۔ مجھے بھی غصہ آ گیا، چھولے ابل رہے تھے۔ میں نے غصے سے جلتی لکڑیاں باہر نکال دیں کہ جب چھولے پلاؤ سے کمائی کچھ نہیں ہوتی تو ریڑھی لگاتے ہی کیوں ہو۔ بس یہی بھول ہو گئی۔ اس نے وہی جلتی لکڑی میرے ہی ہاتھوں پر مسل ڈالی۔"

"سہتی کیوں ہو۔ ایسا ظلم تو کوئی جانور پر بھی نہ کرے۔" وسیلہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا۔ "ظالم نے اتنا بھی نہیں سوچا کہ اس بے چاری کی کمائی بھی تو ان ہی دو ہاتھوں کی بدولت ہوتی ہے۔"

"سہوں نہیں تو اور کیا کروں، بچوں کا باپ ہے، رہنا نہیں ہے اس کے ساتھ۔"

"ارے پر اتنا سبق تو سکھانا چاہیے کہ کم از کم ہاتھ نہ اٹھائے۔"

"سبق کیسے سکھا سکتی ہوں باجی، وہ مرد ہے۔"

"پولیس میں رپورٹ کروانی چاہیے، تم جیسی بے وقوف عورتوں کی وجہ سے ان کو شہ ملی ہوئی ہے، کوئی ایک بھی آگے آنے کے لیے تیار ہو تو آس پاس کے دس مرد اپنے آپ سدھر جائیں۔"

"باجی تم قانون پڑھی ہو نا، اس لیے قانونی باتیں کرتی ہو۔" فیروزہ ایک دم ہی ہنس پڑی "اصل زندگی میں یہ سب نہیں ہو سکتا۔"

"یہ لو، ہو کیوں نہیں سکتا، وکیلوں کے پاس جو کیس آتے ہیں، یہی ارد گرد کی کہانیاں تو ہوتی ہیں، تم ایک بار جرات تو دکھاؤ۔"

"نہیں باجی!" فیروزہ نے قطعی انداز میں سر نفی میں ہلایا۔ "طلاق دے کر فارغ کر دے گا۔ زندگی اور برباد ہو جائے گی، کون سا میرے میکے میں محل کھڑے ہیں، سب سے پہلے بھائی منہ پھیر جائیں گے۔ ادھر طلاق والی کو اچھا نہیں سمجھا جاتا اور" اچھا بابا، سمجھ گئی، وسیلہ نے ہاتھ جوڑے تو فیروزہ ہنس پڑی۔

"بس باجی۔ یہی میرا نصیب ہے۔ امی جی

گزارا کرنا ہے۔"
"نہیں خیر، اتنی آسانی سے تو میں بھی پیچھے ہٹنے والی نہیں۔" وسیلہ کی شوخ آنکھوں میں کسی آئیڈیے کی چمک تھی، جاتی ہوئی فیروزہ چونک کر واپس پلٹی۔
"کیا مطلب باجی۔ تم۔"
"بالکل فکر مت کرو۔ تم پر آنچ بھی نہیں آئے گی اور بندہ بھی تیر اتیر کی طرح سدھر جائے گا۔"
"لیکن۔"
"چلو......" وسیلہ نے مصنوعی غصے سے انگلی سیدھی کی اور وہ بے یقینی کی سی کیفیت میں جبراً چپ سادھے واپس پلٹ گئی۔
"ہوں......" وسیلہ نے دونوں ہاتھ سامنے باندھے۔ کچھ دیر ساکت کھڑے دور تک کی ایک سوچ اور پھر یک لخت ہنس کر سر جھٹکا۔ فیروزہ کے بھلے میں جانے کس کس کے فائدے چھپے تھے۔ وہ نچلا لب دانتوں میں دبائے ہنسی روک رہی تھی پر رکنا محال تھا۔ کان کھجاتے اسی وقت ایلیا کے کمرے میں آئی۔
"وہ......تمہارے پاس رمشہ کا نمبر ہے، ذرا دینا۔"
"رمشہ......" ایلیا نے جیسے دماغ پہ زور دیا۔
"ارے یار رمشہ، میمونہ۔ وہ اپنے پولیس مین کی سسٹرز۔" وسیلہ نے محسوس کیا کہ پولیس والے کے ذکر پر گلا خشک ہوا تھا، زبان اٹکی تھی اور دل بھی۔
"آں۔ صحیح۔" ایلیا کی آنکھوں میں شرارتی سی چمک آئی۔ "کس سے کام ہے؟ رمشہ، میمونہ یا..."
"ہاں ٹھیک سمجھیں، ان ہی پولیس والے بھائی سے کام ہے۔" وسیلہ نے لہجہ روکھا بنانے کے لیے سخت زور لگایا۔
"ارے ڈائریکٹ۔" ایلیا نے دانت نکالے۔
"یار فضول نہ مسکراؤ۔ مجھے فیروزہ کا معاملہ ڈسکس کرنا ہے۔ تم نے اس کے ہاتھ دیکھے ہیں، جاؤ ذرا دیکھو۔"
"اچھا مطلب تمہیں نمبر دے کر میں باہر بھی چلی جاؤں؟" ایلیا بالکل باز نہیں آئی۔ وسیلہ کو بھی ہنسی آگئی۔
"نمبر تو ابھی دیا ہی نہیں۔"
"موبائل سے لے لو، ایک ہی رمشہ ہے کونٹیکٹس میں۔"
وہ کمبل سے نکل کر باہر چلی گئی۔ وسیلہ نے پلنگ کے کنارے بیٹھ کر رمشہ کا نمبر نکالا، لب بے چینی سے چبائے جا رہی تھی، حالانکہ ابھی تو صرف رمشہ کا نمبر ملا تھا۔ پر ابھی سے گلے میں کانٹے اگ آئے تھے۔
"ہیلو رمشہ۔ السلام علیکم۔ میں وسیلہ بات کر رہی ہوں۔"
"ارے وسیلہ۔ کیسی ہیں۔ کب سے سوچ رہی تھی، کیسے رابطہ کروں۔ میری نالائقی دیکھو، ایلیاء نے نمبر بھی دیا تھا لیکن میں کہیں گم کر بیٹھی۔"
رمشہ نے وسیلہ سنتے ہی بے تکان بولنا شروع کر دیا۔ وسیلہ اس کی بے تابی دیکھ کر شرمندہ ہوگئی۔ اس نے تو کسی اور وجہ سے کال کی تھی۔ اب تو کہتے ہوئے بھی جھجک ہو رہی تھی۔
"اور بتاؤ میمونہ باجی کیسی ہیں؟"
"ٹھیک ہیں شکر ہے، کچھ دن پہلے دوبارہ آئی تھیں اور ہم آپ کے ہاں آنے کا بس پروگرام ہی بناتے رہ گئے۔"
"لے آنا تھا ان کو، اچھا ہے سب سے ملاقات ہو جاتی۔"
"بس یار، پتا ہی نہیں چلا۔ کیسے ہفتہ گزر گیا۔"
"تم بھی تو بالکل نہیں آتیں۔"
"ہاں بس... منصب کے نکلتے ہی صفورہ اور لبنیٰ آجاتی ہیں۔ پھر تو دوپہر تک فراغت ہی نہیں ہوتی۔"
"کیسی ہے لبنیٰ اور اس کی ماں؟"
"ہاں اچھی ہیں...... ابھی بھی کام میں لگی ہیں۔"
"اچھا صفورہ کے ذکر پہ مجھے ایک کام یاد

آ گیا۔" وسیلہ نے سبھاؤ سے آغاز کیا" وہ اصل میں ہماری کام والی لڑکی ہے فیروزہ تو اس کا ایک ذاتی مسئلہ تھا اسے پولیس کی تھوڑی مدد درکار تھی۔ میں نے وعدہ کرلیا کہ اس معاملے میں اس کی کچھ رہنمائی کردوں گی۔ کیا تم بھائی سے پوچھ دو گی۔"

"ہاں بالکل، میں بھی پوچھ سکتی ہوں اور چاہو تو فیروزہ کی منصب سے بات کروا دو، وہ خود زیادہ اچھی طرح بتا سکے گی۔"

"اچھا پھر نمبر دے دینا بھائی کا۔" وسیلہ جانتی تھی فیروزہ خود تو کبھی پولیس والے سے بات نہیں کرے گی، بلکہ وہ تو کرنا ہی نہیں چاہتی تھی، منصب سے تو اسے خود ہی کسی ڈھنگ سے یہ بات کرنا تھی۔ رمشہ سے ادھر ادھر کی بے شمار باتوں کے بعد بالآخر گھنٹے بھر بعد دونوں نے ایک دوسرے سے اجازت لے لی۔

☆☆☆

میانڈم آئے اسے بارھواں دن تھا۔ خان اکبر اس کا جگری یار تھا۔ ایک طرح سے اس کے ہر ذاتی معاملے میں ملوث۔ خان اکبر مال مویشیوں کی کھالوں کا کاروبار کرتا تھا۔ مینگورہ میں اس کی جوتوں کی دکان تھی، جہاں خالص کھال کی چپلیں دستیاب تھیں۔ کھال سے تیار کردہ چپلوں کا کارخانہ یہاں میانڈم میں تھا۔ ارحم نے بارہ دن یہاں آرام کرتے گزار لیے تھے۔ ان بارہ دنوں میں اس کے کرنے کے لیے صرف ایک کام تھا اور وہ تھا ایک گھر اور اس کے افراد خانہ کی روٹین جانچنا اور اس نے یہ کام بخوبی انجام دیا تھا۔ لہٰذا آج تیرھویں دن وہ وہاں جانے کے لیے مکمل ذہنی تیاری کے ساتھ اٹھا تھا۔

بارہ دن کی رپورٹ کا ماحصل اتنا تسلی بخش تھا کہ ارحم کو اپنا دماغ ہر قسم کے ذہنی دباؤ سے آزاد محسوس ہو رہا تھا۔ دل کہہ رہا تھا سب کچھ ویسا ہی ہونے والا ہے جیسا اس نے سوچ رکھا ہے۔ یا شاید اب تک اس کے ساتھ وہی کچھ پیش آتا رہا تھا جو وہ سوچ لیا کرتا تھا۔ ایسے میں ذہن و دل بجائے وہموں میں پڑنے کے پورے اعتماد کے ساتھ آپ کو آگے بڑھنے پر ابھارتے ہیں۔ ارحم کی شخصیت کو اس کے ماحول و پرورش نے ایسا بنا دیا تھا کہ ناکامی اسے اپنے راستے کا پتھر کبھی لگی ہی نہ تھی۔

خان اکبر نے کام پر نکلتے وقت اسے روڈ کنارے ڈراپ کیا اور اب وہ اپنے مرحوم چچا احمد جمال کے بنگلے کے سامنے کھڑا ان کی ڈور بیل بجا رہا تھا۔

"جی، کس سے ملنا ہے آپ کو؟" فیروزہ دروازے پر کھڑے اجنبی کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"مجھے وسیلہ بی بی سے ملنا ہے۔ پیشے سے وکیل ہیں نا وہ۔ کچھ ضروری کام ہے۔" ارحم نے شکل پر بھرپور مسکینیت طاری کرتے لہجہ سادہ اور رواں رکھا۔ فیروزہ پہلے تو سر ہلاتی واپس اندر چلی گئی اور پھر کچھ دیر بعد اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا گیا

"السلام علیکم......" وسیلہ جب اندر آئی تو امی کو بھی اپنے ساتھ ہی لے آئی کیونکہ کسی کلائنٹ کے آنے کا یہ پہلا موقع تھا۔ ابھی تو اس نے پریکٹس ہی شروع نہ کی تھی۔ کلائنٹس کا آنا ان کے ہاں معمول کی بات نہ تھی

"وعلیکم السلام۔" ارحم فی الفور مؤدب سا اٹھ کھڑا ہوا۔ ہلکا سا جھک کر سلام کا جواب دیا اور ان دونوں کے بیٹھ جانے کے بعد ہی واپس بیٹھا۔

"جی فرمائیے۔ آپ کس سلسلے میں ملنا چاہتے تھے؟" وسیلہ نے سوچ لیا تھا کہ کیس کسی بھی نوعیت کا ہو وہ معذرت ہی کرے گی۔ کیونکہ ابھی وہ لائسنس ہولڈر نہیں تھی۔

"معافی چاہتا ہوں، مجھے آپ کی وکالت کا حوالہ دینا پڑا۔ میں جانتا ہوں ابھی آپ کی وکالت انڈر پروسیس ہے۔" ارحم نے ہلکا سا مسکرا کر وضاحت کی تو وسیلہ نے حیران ہو کر ماں کو دیکھا

"ایکچولی میرا خیال تھا آپ مجھے دیکھتے ہی پہچان جائیں گی، لیکن آپ کی آنکھوں میں جھلکتی

اجنبیت اب مجھے نروس کر رہی ہے۔" ارحم کے لبوں پر ہنوز ہلکی مسکان تھی۔ وسیلہ نے پھر گھبرا کر ماں کو دیکھا۔ کچھ عجیب و غریب قسم کا مہمان تھا۔

"بیٹا! آپ کھل کر بتائیں گے، آپ کون ہیں اور آپ کی آمد کا مقصد کیا ہے۔" رضوانہ نے لب کھولے تو چہرے پر سنجیدگی اور لہجے میں کھردرا پن اتر آیا۔ اندر سے وہ کچھ کچھ گھبرا بھی رہی تھیں۔ دل میں تہیہ کیا کہ بنا جانچ پڑتال کسی بھی اجنبی کو آئندہ وہ ہرگز اندر نہیں بلائیں گی۔

"بیٹا! بلانے کا بہت شکریہ، کاش میں نے گزرے چوبیس برس میں یہی پکار مسلسل سنی ہوتی۔"

"چوبیس برس..." رضوانہ کا سانس رُکا۔

"میں ارحم کمال ہوں چچی جان۔ برسوں بعد آپ کا پتا ٹھکانا معلوم کرنے میں کامیاب ہوا ہوں۔"

"تت... تم......" رضوانہ مارے گھبراہٹ کے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ وسیلہ نے پریشان ہو کر ماں کی حالت کو دیکھا۔

"پلیز چچی! آپ بلاوجہ گھبرا رہی ہیں، میرا مقصد ہرگز آپ کو پریشان کرنا نہیں ہے۔ آپ پلیز بیٹھ جائیں۔" ارحم نے لہجے میں زمانے بھر کی مظلومیت سمو کر التجا کی اور رضوانہ نے بدقت اپنے اعصاب کو قابو میں کیا۔ دماغ بھلے آندھی طوفانوں کی نذر ہو رہا تھا۔ لیکن وہ خود کو پریشان ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ وہ گہرا سانس لیتے دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ گئیں۔

"مجھے ابھی بھی حیرت ہے کہ وسیلہ نے مجھے پہچانا کیوں نہیں۔ میں یہاں خونی رشتے کا اگر صرف ایک حوالہ لے کر آتا تو وسیلہ سے قطعی اس بات کی امید نہ لگاتا کہ وہ مجھے پہچان لے، کیونکہ چوبیس برس پہلے تو شاید وسیلہ کی پیدائش ہوئی ہو۔ دراصل وسیلہ اور میں یونیورسٹی فیلوز رہے ہیں۔ اگرچہ میں ان سے دو سال سینئر تھا لیکن ہمارا دو سال کا ساتھ رہا اور میرا خیال تھا کوئی دھندلا سا عکس ضرور ان کی آنکھوں میں لہرائے گا۔ کیا آپ کو واقعی یاد نہیں وسیلہ! میں آئی ٹی کا اسٹوڈنٹ تھا۔

"آئی ایم سوری، مجھے واقعی یاد نہیں۔" وسیلہ کو اس لڑکے کی بے تکلفی پر حیرت تھی۔ وہ اسے یونی فیلو کی حیثیت سے بہت اچھی طرح پہچان رہا تھا جبکہ اس کے لیے یہ چہرا قطعی اجنبی تھا۔

"کوئی بات نہیں، آپ کی لاتعلقی بھی آپ کی شخصیت پر جچتی ہے۔" وہ متاثر کن انداز میں مسکرا کر پھر رضوانہ کی طرف متوجہ ہوا۔

"میں زیادہ تو نہیں جانتا چچی جان کہ چوبیس برس پہلے وہ کیا حالات رہے ہوں گے جن کی بنا پر ایسے قریب کے سگے خونی رشتوں میں اس قدر دوریاں آگئیں لیکن آج برسوں گزر جانے پر اپنے آپ کو ایک خاندان کا ذمہ دار فرد ہونے کی حیثیت سے اتنا ضرور سمجھ سکتا ہوں کہ وقت کی گرد "ڈھانپ" لینے کا گر بخوبی جانتی ہے، بیتے چکے کو دبا دینا ہی خوش آئند کل کی بنیاد بن سکتا ہے۔ دادی جان، امی، سب اپنی جگہ پر ہیں لیکن وقت اور حالات نے اندرونی طور پر بہت کچھ بدل دیا ہے۔"

"اماں جی کیسی ہیں؟" رضوانہ کی آنکھوں میں شفیق سی ماں جی کا سراپا ابھرا تو پلکوں پہ نمی اتر آئی۔ وہ اس حویلی کا مہربان برگد تھیں، اور انہیں سن کر خوشی ہوئی کہ الحمدللہ خیر و عافیت سے تھیں۔ ساس کا گھر اگرچہ انہوں نے چوبیس برس پہلے چھوڑا تھا لیکن جمال اپنی ماں سے ملنے اپنی وفات کے وقت تک جاتے رہے تھے۔ جمال کا جنازہ جب توفیق بھائی حویلی لے گئے تو رضوانہ عدت میں ہونے کی وجہ سے ساتھ نہیں گئیں۔ بھلے گزرے چوبیس سالوں میں دل کو ایک دم پتھر بنا دیا تھا۔ زندگی کو آگے بڑھانے کی ڈگر پر چلاتے وہ بہت آگے نکل آئی تھیں لیکن اماں جی کا اس سب میں کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ دل سے چاہتی تھیں کہ اس رات اپنا آپ بچا کر نکلتے وہ ان کو بھی اپنے ساتھ لے آتیں تو آج ان کے بچے اس محبت بھری چھاؤں کے سائے تلے وقت گزار رہے ہوتے۔"

"دادی بالکل ٹھیک ہیں، اور یقین کریں کوئی دن ایسا نہیں گیا جب انہوں نے آپ سب کو یاد نہ کیا ہو۔"

ارحم کا چہرا دادی کے ذکر پر کھل اٹھا، جبکہ رضوانہ اس سامنے بیٹھے کے تاثرات میں حیرت سے کچھ کھوج رہی تھیں۔ وہ لڑکا جس گود میں پل کر جوان ہوا تھا، کہیں اس کا پرتو کیوں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ تو ارحم کمال احمد تھا، کمال اور شہناز کا بیٹا۔ تو پھر اس کی باتوں میں اماں جی کی خوشبو۔

"امی کہتی ہیں میں بالکل اپنی دادی جان پر گیا ہوں، بلکہ بابا تو کہتے تھے ارحم کی صورت میں مجھے اپنا چھوٹا بھائی جمال واپس مل گیا ہے۔" ارحم بولا تو جیسے رضوانہ کو بنا پوچھے اپنی بات کا جواب مل گیا وہ بس چپ کی چپ بیٹھی رہ گئیں۔ وسیلہ اس دوران کمرے سے باہر چلی گئی۔

مہمان اجنبی نہیں رہا تھا۔ اس نے خاطر مدارت کے ساتھ ساتھ تحریم اور ایلیا کو بھی تیار کیا کہ اتنی دور سے اتنی مدت بعد ایک اپنا ملنے آیا ہے۔ انہیں بھی آکر تعارف حاصل کرنا چاہیے۔

وہ جب ڈرائنگ روم میں واپس آئی تو اس کی امی کے چہرے سے گھبراہٹ رخصت ہو چکی تھی۔ وہ اب ارحم کے ساتھ بہت ہلکے پھلکے انداز میں باتیں کر رہی تھیں۔ تحریم اور ایلیا سے بھی ارحم کی بہت اچھے ماحول میں بات چیت ہوئی۔ ہاں اگر نہیں یاد آئی تو بس یہی ایک بات کہ آخر یونی میں بھی کیسے وہ اس بندے کو دیکھ نہیں پائی تھی اور اگر دیکھا تھا تو یاد کیوں نہیں آرہا تھا.....خیر۔

اس نے خود ہی اپنے وہم کو رد کیا۔ وہ آس پاس کے ماحول پہ نظر رکھنے کے معاملے میں ویسے بھی انتہا کی ڈفر تھی۔ ارحم سے اُس شام ان سب کی ملاقات بہت خوش گوار رہی۔ وہ دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے رخصت ہو گیا۔ اسی نے بتایا تھا کہ میانڈم میں وہ اپنے ایک دوست خان اکبر کے ساتھ چمڑے کا کاروبار شروع کر رہا ہے اور فی الحال یہیں پر ہے۔

"ارحم سے مل کر ایسا لگا تو نہیں امی کہ ماضی میں آپ کے حالات کسی سنگین نوعیت کے رہے ہوں گے، تو پھر چوبیس سالوں کی اتنی سخت دوری۔ ایسی کہ ہمارا کبھی ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا ہی نہیں رہا، حتیٰ کہ ہماری سگی دادی۔"

"ہاں، مجھے افسوس ہے کہ میرے بچے اپنی دادی کے سایہ شفقت میں نہیں پل پائے۔" رضوانہ نے ایک آہ بھری "لیکن یہاں میں بہت مجبور ہو گئی تھی، کیونکہ اس رات ہمارا حویلی سے نکلنا تمہاری دادی کا فیصلہ تھا۔ اور ان ہی نے منع کیا تھا کہ ہم کسی انجان جگہ پر چلے جائیں، ہمارا پتا ٹھکانا حویلی والوں کو معلوم نہیں ہونا چاہیے۔"

"حویلی والے۔ مطلب۔ ارحم کے والدین؟" وسیلہ نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں .. شہناز بھابی اور کمال بھائی کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کچھ ایسی ہو گئی تھی کہ چھپ کر نکلنا ناگزیر ہو گیا تھا۔"

"بابا تو ویسے جاتے رہتے تھے۔"

"ہاں۔ وہ ان کا گھر تھا پھر وہاں ماں بھی ان کی۔ شاید اماں جی کو ہماری یہاں رہائش کے متعلق بھی معلوم ہو، لیکن اس بات کو کمال بھائی وغیرہ سے پوشیدہ رکھنا تھا۔ ہمارا پرانا گھر چونکہ سیدو شریف میں تھا تو وہاں سب یہی سمجھتے تھے کہ ہم ابھی تک وہیں ہیں۔"

"ایسی کیا بات ہو گئی تھی؟ جبکہ آج ان ہی کا بیٹا اچانک کیسے نہ صرف ہمارے سروں پہ پہنچ گیا بلکہ اس کے نزدیک تو بات ہی کوئی نہیں۔"

"ہاں، شاید اس کا ایسا سوچنا جائز بھی ہے۔ جیسے میرے بچے نہیں جانتے کہ اس وقت کیا حالات بن گئے تھے، ارحم بھی تو تم سب جیسا بچہ ہے۔ اس کے انداز بتاتے ہیں کہ وہ ہر بات بھول کر آگے بڑھنا چاہتا ہے۔ اور شاید وہ اپنی ماں کو بھی اسی ڈھنگ سے تیار کر کے آیا ہو۔"

"تو کیا واقعی سب پہلے جیسا ہو جائے گا، ہم

اپنی دادی سے مل سکیں گے۔"

"اللہ نہ کرے سب کچھ پہلے جیسا ہو۔" رضوانہ نے بے ساختہ خوف بھری جھرجھری لی تو وسیلہ ٹھٹک گئی۔

"میرا مطلب ہے، آج حالات وہ نہیں ہیں۔" رضوانہ نے فوراً خود کو سنبھالا "ارحم صحیح کہہ رہا تھا، وقت ہر اچھے برے کو ڈھانپ لیتا ہے۔ وہ وقت تو گزر گیا، جب تمہارے بابا نے اپنی مرضی کا فیصلہ کیا اور آنے والے کچھ سال ہم دونوں نے مخالفتوں کا سامنا کیا۔ اب تو تمہارے بابا بھی دنیا میں نہیں رہے، وقت یقیناً بدل گیا ہے۔"

"اور آگے بھی سب اچھا ہوگا۔ ان شاء اللہ۔" وسیلہ نے مسکرا کر ماں کا ہاتھ دبایا تو رضوانہ نے مسکرا کر پلکیں موندیں۔

☆☆☆

ایمن کو ابرو سے باہر جانے کا اشارہ کر کے منصب نے گلا کھنکارا اور دوبارہ اپنی توجہ موبائل فون کی جانب مبذول کی، جہاں وسیلہ اس کے جواب کی منتظر تھی۔

"آپ نے واقعی ایل ایل بی کیا ہے؟" انداز ایسا اچنبھے بھرا تھا کہ وسیلہ کو بے ساختہ کھل کر ہنسی آ گئی۔ منہ پہ ہاتھ رکھتے وہ بھی جھکے سے باہر نکل آئی۔ ایلیا کا مسلسل گھورنا اسے نروس کر رہا تھا۔

"جی بالکل اصلی والی وکالت کی ہے۔ لیکن ابھی میں بہت مجبور ہوں، وہ فیروزہ بالکل ساتھ دینے کو تیار نہیں۔"

"ہوں، تو یعنی جو غیر پیشہ ورانہ رویہ آپ اپنا رہی ہیں، اس وردی والے سے بھی اس کی توقع چاہ رہی ہیں؟"

منصب کا غصہ قطعی مصنوعی لیکن آواز کا رعب ایسا تھا کہ وسیلہ کو بے اختیار چپ لگ گئی۔ فیروزہ کا قصہ تفصیل سے منصب کو بتا لینے کے بعد وہ اب یہ چاہ رہی تھی کہ منصب کسی طرح فیروزہ کے شوہر کو دھمکائے۔ اور "کسی طرح" کی تفصیل بھی وہ منصب کو بتا چکی تھی۔ فیروزہ ہرگز شوہر کے خلاف رپورٹ لکھوانے کے حق میں نہ تھی۔ وسیلہ نے سوچا کہ فیروزہ اور اس کے شوہر سعید کے جھگڑے کے وقت منصب اچانک اپنی پولیس والی وردی میں انٹری مارے اور یوں ظاہر کرے کہ وہ اس ایریا میں کسی اور معاملے کے سلسلے میں آیا ہوا تھا اور عورت پر مار پیٹ ہوتے دیکھ کر وہ سعید کی خوب اچھی طرح خبر لے، اس سے فیروزہ بھی شوہر کے عتاب سے بچ جاتی اور سعید خان بھی آئندہ جسمانی تشدد سے پہلے سو بار سوچنے پر مجبور ہو جاتا۔ اور فی الوقت وسیلہ کا اصل مقصد صرف ایک ہی تھا کہ فیروزہ کا شوہر اس سے مار پیٹ نہ کرے۔

"اچھا یہ بتائیں کہ عین جھگڑے کے وقت میرا نزول کیسے ہوگا۔ یا پھر میری آمد کی خوشی میں جھگڑا اسٹارٹ ہوگا۔" منصب کے مزاج پر شوخی تو کال آتے ہی چھا گئی تھی۔ اب وہ سوال پوچھ پوچھ کر نہ صرف بات کو طول دے رہا تھا بلکہ وسیلہ کو بھی بری طرح زچ کر چکا تھا۔

"نہیں نہیں...... وہ...... اصل میں ایسا ہے کہ فیروزہ کا جیسے ہی اپنے میاں سے جھگڑا شروع ہوگا، وہ مجھے مس کال کر دے گی اور میں فوراً آپ کو بتا دوں گی۔"

"اور میں بھی فوراً چل پڑوں گا۔ کیا یہ واقعی اتنا آسان ہے؟"

"ہاں جی۔ آسان تو ہے نا۔" وسیلہ اس کی غیر سنجیدگی دیکھ کر اب خائف ہونے لگی۔ "پولیس اسٹیشن کتنا تو قریب ہے ہمارے گھروں سے۔ پھر فیروزہ کی گلی یہ عین ہمارے گھر کی بیک پر تو ہے۔ بس چوتھا نیلا دروازہ ہے۔"

"ہوں۔" منصب نے بالآخر وسیلہ کے مدعے پر سنجیدگی اختیار کر ہی لی "او کے، ٹھیک ہے۔ میں آپ کی طرف سے کال کا منتظر رہوں گا۔ بس خیال رہے کہ وہ فیروزہ نہ بھانڈا پھوڑ دے۔ مجھ سے زیادہ آپ کے لیے مشکل بن سکتی ہے۔ باقی آپ سمجھ دار

ہیں۔"

"ہیں......جی......" وسیلہ کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں دیر تک موبائل اسکرین کو دیکھے گئی۔ پتا نہیں منصب کے آخری جملے کا کیا مطلب ہے۔ وہ سر جھٹک کر فیروزہ کو بتانے چل پڑی۔ اس کا میاں تو صبح دوپہر شام کے حساب سے جھگڑا کھڑا کرنے کی اہلیت رکھتا تھا۔ منصب کو کال کرنے کی نوبت کسی بھی ٹائم آسکتی تھی۔

☆☆☆

"یہ سب آپ لائے ہیں مومن؟" تحریم ایک ایک چیز کو بار بار اٹھا کر دیکھتی، پھر بے یقینی سے مومن کو تکتی۔ پچھلے روز وہ ایک کولیگ کے ولیمے میں شرکت کرنے بینگورہ گیا تو واپسی پر بچوں کے لیے ڈھیر ساری شاپنگ بھی کر آیا۔ بظاہر لاتعلق دکھائی دیتا مومن اندر سے کتنا حساس، کتنا جذباتی تھا۔

"کمال ہے، مختصر سے وقت میں آپ نے اتنی اچھی شاپنگ بھی کی اور چھوٹی چھوٹی باریکیوں کا خیال بھی رکھا۔ اور سائز۔" وہ پھر ایک بے بی ڈریس اٹھا کر چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔

مومن نے نومولود بچوں کے کپڑے نہ صرف پرفیکٹ سائز کے لیے تھے بلکہ موسم کی مناسبت کا بھی خیال رکھا تھا۔

"بہت خوب صورت بے بی کاٹ اور بے بی کیریئر بھی رکھے تھے۔ میں نے ان کی صرف تصویریں لی ہیں۔ تم تو اب سفر نہیں کرو گی تو تصویر دیکھ کر پسند کرو، اگلی مرتبہ لے آؤں گا۔"

مومن نے بات کے دوران موبائل کھول کر اسے تصویریں دکھانا شروع کیں۔ اور یہ وہ چیزیں تھیں جن کا اسے خیال بھی نہیں آیا تھا۔

"ہوں......اور بچوں کی اماں کے لیے کچھ نہیں لائے۔" تحریم کی آنکھوں میں محبت بھرا شکوہ تھا۔

"چنو منو کی اماں ذرا فری ہولے، ان شاء اللہ خوب ڈھیر ساری شاپنگ کراؤں گا۔"

"جی، صحیح کہتے ہیں۔ سب کچھ بعد میں بنواؤں گی۔"

"ویسے وہ "بعد" کچھ چار پانچ سال بعد آنی ہے۔" مومن اسے بغور دیکھتے قدرے تیزی سے بولا تو وہ چونکی۔

"کیا مطلب......چار پانچ سال؟"

"جی ہاں میڈم؟" مومن نے پیار سے اس کی ناک پر انگلی بجائی "یہ جو شرافت سے اندر بیٹھے ہیں نا۔ انہوں نے تمہارے ہوش تک اُڑا دینے ہیں، فیشن تو بڑے دور کی بات ہے تمہیں روٹین کی کنگھی چوٹی بھی بھول جانی ہے۔"

"توبہ ہے مومن، آپ کو تو کتنا کچھ پتا ہے۔ ایسا لگ رہا ہے کسی تجربے کار دایہ سے بات کر رہی ہوں۔"

"بدتمیز......" وہ بے اختیار ہنس دیا "چلو اب فی الحال تم یہ سب سامان باقیوں کو دکھا کر خوش ہوتی رہو، میں ذرا فریش ہو جاؤں۔"

☆☆☆

وسیلہ نے چھوٹی دیوار سے اندر جھانکا، فیروزہ اپنے صحن کے بیچوں بیچ کھڑی دوپٹے کے کونے میں روپے لپیٹ رہی تھی۔

"پرائے گھروں میں تانکا جھانکی سخت گناہ ہے۔"

"ہیں۔ وہ۔ آ آ آئی۔" وسیلہ بوکھلا کر مڑی تو کہنی منصب کے ڈنڈے سے جا ٹکرائی۔ اس نے ابھی کچھ دیر پہلے ہی منصب کو کال کر کے وہاں بلایا تھا۔ فیروزہ آج اپنی تنخواہ گھر لائی تھی۔ اور بقول فیروزہ آج گھر پہ جھگڑا ہونا لازمی ہے کیونکہ اس کا شوہر بنا مکان کے کرایے اور راشن پانی کی پرواہ کیے اس سے تنخواہ طلب کیا کرتا تھا۔ تب ہی وسیلہ اس کے پیچھے پیچھے ہی اس کے گھر کے باہر آگئی اور منصب کو بھی بلا لیا۔

"اوہو۔ زور سے لگ گئی؟" منصب نے گھبرا کر ڈنڈا پیچھے کیا۔

"نہیں، ٹھیک ہے۔" وسیلہ نے کہنی سہلا کر

اپنی شال درست کی۔ براؤن اور بلیک کلر کے کپڑوں میں اس کی رنگت کچھ اور کھلی ہوئی سی لگ رہی تھی۔ منصب نے غور کرد یکھنے سے گریز کیا۔

"جی تو کب چھاپہ مارنا ہے؟"

"چھ..... چھاپہ......" وسیلہ کی آنکھیں پھیل گئیں "یہ چھاپے وغیرہ سے تو اس کے شوہر کو شک ہو جائے گا۔" وہ دبا دبا چلائی۔

"بھئی، اس کو بھی چھاپہ ہی کہتے ہیں، پریشان نہ ہوں۔"

"اور آپ اس کو کہیں گے کیا...... آں.... آپ کہیں یہاں قریب چوری ہوئی تو تفتیش۔"

"پولیس کو وضاحت دینے کی کیا ضرورت، اس طرح تو پولیس والا ہی چور لگے گا۔ ہمیں؟" جانے وسیلہ کے چہرے میں ایسا کیا تھا، منصب کا دیکھتے ہی مزاج شوخ ہونے لگتا۔

"ارے لیکن اس طرح تو سعید یہ سمجھے گا کہ آپ اسی کی خبر لینے آئے ہیں، اور پھر فیروزہ کی خیر نہیں۔" وسیلہ کی آنکھوں سے خوف جھلکنے لگا، منصب کو بھی فوراً ترس آیا

"اچھا ٹھیک ہے، کہہ دیں گے کسی بہانے۔ لیکن اس سے سلوک کیا کرنا ہے، اتنا سبق تو سکھانا ہی چاہیے کہ آئندہ وہ بیوی سے ہاتھا پائی نہ کرے۔"

"جی وہ تو ضروری ہے۔"

"اوکے۔ تو ہاتھ پیر توڑ دوں؟" منصب کا انداز ایکدم نارمل تھا۔

"توڑ پھوڑ۔" وسیلہ چلا اٹھی۔ "نن نہیں نہیں ... بب... بس ہلکا سا ڈنڈا ماریں۔"

"ہلکا سا ڈنڈا؟" منصب نے غصے سے ہاتھ کمر پہ رکھے۔ "ہمیں تو پریکٹس میں بھی ہلکا ڈنڈا نہیں سکھایا گیا، ٹانگیں تو کم از کم ٹوٹیں گی۔"

"ٹانگیں۔ ہائے نہیں۔ ارے وہ فیروزہ ٹوٹی ٹانگوں والے شوہر کا کیا کرے گی۔" وسیلہ نے خوف سے تھوک نگلا۔ منصب کو بلا کر وہ سو فیصد پچھتا رہی تھی۔

"ہوں... تو ماتھا پھوڑ دیتا ہوں، اپنا خون دیکھے گا وہ سعید تو عقل ٹھکانے آجائے گی۔" منصب اب مکمل ہنگ کر کے حظ لے رہا تھا، دیکھ چکا تھا محترمہ اس کی باتوں کو سخت سنجیدگی سے لے رہی تھیں۔

"نہیں نہیں...... خون نہیں... پلیز...... آ...... آپ واپس جائیں۔ میں کچھ اور سوچتی ہوں۔" اسے منع کرتے وسیلہ کا واضح ہاتھ کانپا تھا۔ منصب نے مسکرا کر اس کی کانچ کلائی کو دیکھا، وسیلہ کی موم طبیعت پر دل بے طرح پگھلا، کچھ دیر محبت سے اس کا چہرا دیکھتے کچی دیوار سے کندھا ٹکا دیا۔

"زندگی بہت کٹھن ہے سویٹ ہارٹ، بے جا نرمی خود اپنے ہاتھوں اپنا قتل کروانے کے مترادف ہے، سخت بننا سیکھیں، وقت بہت بے رحم ہے۔"

"واپس چلیں؟" وسیلہ نظریں چرائے اس کے طرز تخاطب کی زد میں تھی۔ منصب مسکرا کر سیدھا ہوا۔

"اونہوں۔" سر انکار میں ہلاتے سانس اندر کھینچا "آج تو آپ کو دیکھنا ہی ہوگا، سعید جیسے لوگ سیدھے کیسے ہوتے ہیں۔ اور آپ بنا کوئی مشورہ دیے چپ چاپ یہاں سے ویڈیو بنائیں۔"

"ویڈیو... کہاں دینی ہے؟" وہ پھر بوکھلا کر آگے بڑھی۔

"کہیں نہیں دینی، بعد میں بیٹھ کر دیکھنا کہ لائف میں سخت کیسے بنتے ہیں۔" منصب ابرو اونچا کر کے تدبر سے سمجھاتے آگے بڑھ گیا۔

چھوٹی دیوار سے سعید کو کمرے سے نکلتے دیکھ لیا تھا۔ بیوی کے ہاتھ میں رقم دیکھ کر جس کے تیور بتا رہے تھے، معاملات آج فیروزہ کے حق میں ہوئے کہ ہوئے۔

اور پھر اس سہ پہر ان دونوں کو آدھے گھنٹے سے بھی کم وقت میں اپنا مقصد حاصل ہو گیا۔ سعید نے اونچا اونچا چلاتے پانچ منٹ میں ہی فیروزہ کی چوٹی ہاتھ میں لے لی تھی۔ غصے سے بیوی کو گھماتے

وہ شاید دیوار پہ دے مارتا جب منصب نے دروازے کا ایک پٹ کھول کر اس پر ڈنڈے سے دستک دی۔ سعید کی نظر پولیس کی وردی پر پڑی تو وہ بالکل ہی شل ہو گیا۔ فیروزہ نے بال چھڑا کر جلدی سے چادر اپنے گرد اوڑھی اور منہ چھپا لیا۔ سعید اس دوران بھاگ کر دروازے تک گیا، وہ حیرت سے منصب کو دیکھ رہا تھا۔

میں "بتاؤں، بالوں سے پکڑ کر دیوار میں کیسے مارتے ہیں۔ ہوں؟" منصب نے ڈنڈے کی نوک اس کی ٹھوڑی میں چبھوئی تو سعید کی کراہ نکل گئی۔

"کیا کرنے والے تھے بیوی کے ساتھ؟ بولو؟" وہ سختی سے دھاڑا تو سعید نے سہم کر منصب کے پیروں پہ ہاتھ رکھے۔

"معاف کر دو صاحب، غلطی ہو گئی۔"

"معافی تو اب تھانے جا کر ملے گی، ڈھونڈنے تو ایک چور کو آیا تھا، لیکن اس ایریے میں تو تم جیسے بدمعاش بھی پل رہے ہیں۔ عورت پہ تشدد کی سزا جانتے ہو۔ یا سمجھاؤں" منصب نے ڈنڈا لہرایا۔

"نہیں صاحب نہیں، آئندہ یہ غلطی نہیں ہو گی۔"

"جاؤ، معافی اپنی بیوی سے مانگو۔ اور یاد رکھو، مار پیٹ کرنے والے کے خلاف ہم بنا رپٹ کے کارروائی کر سکتے ہیں، اس لیے کسی بھول میں نہ رہنا، آج تو اتفاق سے گزر ہو گیا لیکن آئندہ میں آتا رہوں گا اور بنا کسی پرمٹ کے تمہاری حرکات پہ نظر رکھوں گا۔"

"ہاں صاحب۔۔ جیسا آپ چاہیں۔" وہ گھگھیانے لگا۔

"یہاں آؤ۔۔" منصب نے ہاتھ لہرا کر فیروزہ کو قریب بلایا۔

"کیا کہتا ہے۔۔۔ کیوں مار رہا تھا؟"

"نہیں صاحب، کک کچھ نہیں، معاف کر دیں اس کو۔" فیروزہ نے عاجزی سے ہاتھ جوڑے۔

"شرم کرو۔۔ بے غیرت۔۔۔" منصب نے سعید کے کان پر چٹکی بجائی "اب بھی تمہیں بچا رہی ہے۔ چاہتی تو میری اچانک آمد کا فائدہ اٹھا کر ایک کی چار لگا سکتی تھی۔ اور یہ ہاتھ میں کیا ہے۔ ہوں۔ رقم ہے۔ واپس کرو اس کے روپے۔"

"کمائی ہو تم؟" منصب نے انجان بن کر فیروزہ سے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔

"خبردار جو آئندہ بیوی کی کمائی پہ نظر رکھی، اس کے لیے الگ سے دفعہ لگتی ہے۔ ایک بار تو تمہیں بتانا ہی پڑے گا۔" وہ پھر سے سعید کا کان مروڑنے لگا، سعید گھبرا کر پھر اس کے قدموں پہ گر گیا

"نہیں صاحب... کبھی کچھ نہیں مانگوں گا۔ مجھے اپنا نان چھولے کا ریڑھا کافی ہے۔"

"ہوں...... یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔"

وہ اس کا کان چھوڑ کر باہر نکل گیا۔ وسیلہ نے موبائل نیچے کرتے ویڈیو روکی اور ہنستے ہوئے گلی سے باہر نکل آئی۔ اپنا گھر ڈھلان چڑھ کر تھا، منصب بھی سعید کو دھمکا کر اس کے پیچھے پیچھے نکل آیا تھا۔ اپنے ساتھ وہ کسی کانسٹیبل وغیرہ کو نہیں لایا تھا۔

"اچھا تو وہ کون سی دفعہ ہوتی ہے۔ مطلب مار پیٹ پر بنا پرمٹ کے ایکشن لینا۔" وسیلہ کا چہرا لگاتار ہنسنے سے گلابی ہو گیا تھا۔

"شکر ہے اپنے سعید میاں وکیل نہیں تھے، ورنہ یہ نکتہ وہاں سے اٹھایا جانا تھا۔" منصب بھی تیز قدموں سے اس کے ساتھ آملا۔ وسیلہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"ویسے میں شکر پڑھ رہی ہوں کہ سب کچھ بہت عمدہ طریقے سے ہو گیا۔ آپ کا بہت بہت شکریہ آپ نے ڈیوٹی سے ہٹ کر ایک۔"

"شکریہ تو مجھے ادا کرنا تھا۔" وہ بالکل ہی بے ساختہ کہہ گیا لیکن پھر منہ پھیر لیا، بات سنبھالنا اب مشکل لگ رہا تھا۔ ادھر وسیلہ بھی حیرت سے دیکھے جا رہی تھی۔

"جی، وہ کیسے؟"

"کالام کے بعد تو پھر ملنا ہی نہیں ہوا۔" اس

نے لہجے کو سرسری کرنے کی کوشش کی۔ وسیلہ مسکرا کر رہ گئی۔ اُسے آج پہلی بار معلوم ہوا کہ منصب کے ساتھ بات کرنے میں سہولت کیوں محسوس ہوتی تھی، وہ ہمیشہ اپنے اور اس کے بیچ ایسا لائٹ دوستانہ رویہ رکھتا کہ معنی خیزی کو جگہ ہی نہ ملتی، ورنہ وسیلہ کو یاد نہیں پڑتا تھا کہ کبھی یونی میں اس نے اپنے کلاس فیلوز کے ساتھ کبھی معمول کی گفتگو بھی کی ہو۔ منصب اس لحاظ سے پہلا مرد تھا جس سے بات کرکے اس نے کبھی اپنی سرزنش نہیں کی۔

"آپ نے مشکل میں آواز دی، کسی قابل سمجھا، میں ممنون ہوں، او... ر......" اس نے رُک کر شرارت سے کچھ سوچا پھر مسکرا دیا "چائے کے لیے کوئی اچھی سی ملاقات قدرت نے آئندہ کے کسی دن میں ضرور لکھی ہوگی۔ ابھی کے لیے خدا حافظ۔" وہ ہاتھ ہلاتے فوراً ہی ڈھلان اتر گیا۔ وسیلہ کچھ دیر تک مسکرا کر دیکھے گئی، پھر سر جھٹک کر گیٹ کے اندر آگئی۔

☆☆☆

"السلام علیکم دادی جان۔ میں ارحم۔" اس نے نہایت سعادت مندی سے خوب لجاجت سے آغاز لیا اور ہاجرہ بی بی حیرت سے موبائل کو دیکھے گئیں۔ پوتے کا ایسا پیار لٹاتا لہجہ، وہ سلام کا جواب دینا ہی بھول گئیں۔

"کیسی ہیں دادی جان...... طبیعت کیسی ہے آپ کی؟"

"میں ٹھیک ہوں ارحم بیٹا۔ تم کہاں ہو؟" وہ خوشی سے زیادہ فکرمند ہوگئیں کہ ارحم کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔ وہ پوتا جو گھر سے کچھ بتا کر مل کر بھی نہیں گیا تھا، اچانک اتنا مہربان کیسے۔

"میں ایک کام کے سلسلے میں میاندم میں ہوں دادی۔ آپ کی بہت یاد آرہی تھی، دراصل ان دنوں مجھے میرے کھوئے ہوئے بہت سے رشتے واپس ملے ہیں، اپنوں کی قدر اپنوں سے دور جاکر نہیں، اپنوں کے بیچ آکر ہوئی ہے۔ آج احساس ہورہا ہے دادی! کہ آپ کے پاس رہ کر میں نے آپ کی شفقت اور محبت کے سائے کی کیسی ناقدری کی ہے۔ مجھے تو ان تمام قیمتی لمحوں کا ایک ایک پل آپ کے قدموں میں گزارنا چاہیے تھا۔ اور اب میں ایسا ہی کروں گا دادی، بس ایک بار یہاں سے فارغ۔"

"کون سے رشتے؟" ہاجرہ ہکا بکا تھیں۔ ارحم کی کایا پلٹ تو انقلابی تھی۔

"دادی! مجھے جمال چچا کی فیملی ملی ہے یہاں۔ آپ سوچ نہیں سکتیں میں کتنا خوش ہوں۔"

"رضوانہ......" دادی کے لبوں نے جیسے برسوں بعد ایک مانوس نام پکارا۔

"جی دادی، آپ کی بہو رضوانہ، آپ کی پوتیاں تحریم، وسیلہ، ایلیا...... سب سے ملنا ہوا، اور میں جلد از جلد آپ کو بھی ان سب سے ملوانا چاہتا ہوں۔"

"تم...... خوش ہو ارحم؟" نہ جانے وہ بے یقین سی کیوں تھیں۔

"جی دادی، بہت خوش ہوں، اور کیسے خوش نہ ہوں دادی...... وہاں تھانہ میں میرا ہم عمر بھلا تھا ہی کون...... اکیلے رہتے میرا مزاج بھی روکھا، بدمزاج سا ہوگیا تھا۔ کاش یہ سب رشتے مجھے پہلے مل گئے ہوتے۔ آپ تو مجھے پہچان بھی نہیں پائیں گی دادی، میں بہت بدل گیا ہوں۔"

"ہاں ارحم مجھے بھی ایسا لگ رہا ہے۔" ہاجرہ بھی خوشی سے مسکرائی تھیں۔ ارحم کا بدلاؤ بے شمار خوشیوں کی نوید تھا۔

"اور مجھے کب ملواؤ گے ارحم!" وہ پوری پگھل گئیں "رضوانہ کو یہاں لے آؤ... لیکن......" وہ جھجک کر رکیں تو ارحم کے لیے سمجھنا مشکل نہ رہا۔

"آپ پریشان نہ ہوں دادی، میں نے امی کو بھی سمجھا دیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ بھی اپنے اب تک کے رویے پر بہت پشیمان ہیں... پھر اتنی طویل دوری کے بعد امی بھی پرانی باتیں بھول چکی ہیں... میں زیادہ تو نہیں جانتا لیکن جتنا امی سے سنا،

اب وہ سب مجھے سوائے ماضی کے ایک بھیانک خواب کے اور کچھ نہیں لگتا۔ میں چاہتا ہوں آپ بھی امی کو سمجھائیں کہ بیتی باتوں کو فراموش کردینے میں ہی سب کی بھلائی ہے۔ ۔ ۔ ہے نا؟"

"ہاں بیٹا۔ یہی سچ ہے۔ بیتی باتوں میں کیا رکھا ہے، پھر اب تو جمال ہی نہیں رہا، گھر تو رضوانہ بیچاری کا بھی ٹوٹ چکا۔ اور ٹوٹے ہوؤں کو تو جوڑا جاتا ہے، ان کے زخموں پر تو مرہم رکھا جاتا ہے۔ مجھے یقین ہے شہناز بھی اپنا دل صاف کرلے گی۔"

ہاجرہ بی بی ارحم سے بھی زیادہ جذباتی ہوگئیں۔ ارحم نے مسکراتے ہوئے ان سے اجازت لی، اس وعدے کے ساتھ کہ وہ بہت جلد انہیں ان کی بہو اور پوتیوں سے ملوانے لائے گا۔

☆☆☆

"مجھے بتاؤ آپی.... کیا چاہیے؟ ایلیا اسے بیڈ سے اترتا دیکھ کر فوراً آگے بڑھی۔

تحریم کا آٹھواں مہینہ چل رہا تھا۔ اس سے چلنا پھرنا بھی مشکل تھا لیکن بیٹھے بیٹھے بھی پیٹھ اکڑنے لگتی، کبھی کبھی تو وہ تنگ آکر رونے لگ جاتی، عجیب بے بسی محسوس ہوتی اس حالت میں۔ نجانے دن بھی اتنے سست رفتار سے کیوں ہوگئے تھے۔

"کام تو کوئی نہیں ہے، بس بچوں کے روم تک جانا چاہ رہی ہوں، سوچا اتنا نیا سامان آیا رکھا ہے، کچھ سیٹنگ ہی کرلوں۔ لیکن یہ دیکھو اتنا سا فاصلہ ہے اور مجھ سے ہلا تک نہیں جارہا۔"

تحریم اس کے ہاتھ پر دباؤ دیتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ندرت مامی اور وسیلہ نے کمرے سے متصل اسٹور روم کو بچوں کے لیے خالی کرلیا تھا۔ وہ، دو بچوں کے ڈھیروں ڈھیر سامان نے کمرے کی حالت ابتر کردی تھی۔ مومن الگ چڑچڑا سا ہو رہا تھا۔ اسے ویسے بھی ہر چیز نک سک سے اپنی جگہ پر اچھی لگتی تھی۔

اسٹور روم کا دروازہ بیڈ روم میں ہی کھلتا تھا۔ ندرت مامی نے وسیلہ اور فیروزہ کی مدد سے یہاں کا سارا سامان باہر نکال کر بڑے اسٹور روم میں ڈالا اور اس چھوٹے کمرے کو نیا کلر کروا کے اسے بچوں کے لیے سیٹ کرنے کا ارادہ کیا۔ اب تو تقریباً ہر چیز اچھی طرح ایڈجسٹ ہوگئی تھی۔ پچھلے روز ایک چھوٹی الماری بھی آگئی۔ اب اس میں بچوں کے کپڑے وغیرہ سیٹ کرنے تھے۔ ایلیا آئی تو اس کی مدد سے تحریم نے باقی سامان بھی سلیقے سے سیٹ کردیا۔

"کتنا اچھا لگ رہا ہے آپی ...." ایلیا کی شوخ آنکھوں میں تحریم سے بھی سوا چمک تھی۔ کریم دیواروں والے اس چھوٹے سے کمرے کے پردے اور فرنیچر وغیرہ بے بی پنک کلر کے تھے۔ بے بی وارڈ روب بھی بے بی پنک اور وہائٹ کلر کی تھی۔ دیواروں پر فریم شدہ بچوں کی تصویروں کا سیٹ ایلیا خود لائی تھی۔

"اس دیوار پر اپنے بچوں کی تصویریں لگائیں گے، ہے نا آپی۔" وہ پانڈا شکل کا وال کلاک کیل میں اٹکا کر نیچے دیوار پہ ہاتھ پھیرنے لگی۔

"ہاں، میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔" تحریم سنگل بیڈ پہ بیٹھی بغور دیوار کو دیکھ رہی تھی۔ دو بے بی کاٹ کے ساتھ ایک سنگل بیڈ اس نے اپنے لیے ڈلوایا تھا تاکہ رات کو اگر بچوں کے پاس آکر انہیں سنبھالنا پڑے تو اس کے پاس بیٹھنے کی آرام دہ جگہ ہو۔

"ارے واہ..... اس چھوٹے کمرے کی تو قسمت چمک اٹھی۔" ریم کو آوازیں دیتے وہ جب چھوٹے کمرے میں داخل ہوا تو تحریم بیڈ کے کنارے پر بیٹھی تھی اور ایلیا اسٹول پہ ٹنگی کھڑی تھی۔

"اچھا ہے نا بھیا!" ایلیا نے شوخی سے چہک کر تالی بجائی تو توازن بگڑا لیکن اس نے ہلتے ڈولتے کسی طرح خود کو سنبھال کر دیوار کو تھاما۔

"پہلے نیچے اترو بے وقوف لڑکی۔ خوشی بعد میں منا لینا۔" مومن نے ہاتھ آگے کرکے اس کی کلائی کو پکڑا اور ایلیا نے جھیپ کر نیچے چھلانگ لگائی۔ بھیا کا موڈ کچھ اچھا تھا ورنہ بے نقط کی سننا پڑ جاتیں۔

"یہ دیکھیں مومن! ایلیا لائی ہے، اچھی ہیں نا؟" تحریم نے اس کی توجہ قریبی دیوار کی طرف دلوائی، جہاں کچھ دیر پہلے ہی ایلیا نے فریم شدہ تصویریں لگائی تھیں۔

"ہاں اچھی ہیں لیکن بہت جلد ان میں نئی تصویریں لگنے والی ہیں۔" وہ ہنسا۔

"ایگزیکٹلی، میں نے بھی یہی سوچا کہ مہینے بھر بعد ہر طرف کی دیواریں اپنے بچوں کی تصاویر سے بھر دیں گے۔" ایلیا پھر چہکی۔

"ہاں اور ایک فریم میں تمہاری تصویر بھی ہونی چاہیے، گھر کے اکلوتے بچے کو دو پارٹنرز جو ملنے والے ہیں۔" مومن کا موڈ واقعی بہت خوش گوار تھا۔ ایلیا نے اس کی بات پر منہ بنایا۔ آج اس کی بے عزتی تو نہ ہو رہی تھی پر بھیا بخشنے کو بھی کہاں تیار ہوتے تھے۔

"پچھلے مہینے میں اٹھارہ سال کی ہو گئی ہوں اور میں نے اپنا آئی ڈی کارڈ بننے بھی دے دیا ہے۔" اس نے کمر پہ ہاتھ رکھ کے ایڑی اوپر کو اٹھائی۔ انداز میں صاف غرور جھلکتا تھا

"بن جائے تو میرے پاس ہی رکھوا دینا تاکہ تم جب بھی کوئی بلنڈر مارو تو میں تمہیں دکھا سکوں کہ اب یہ سب تمہیں زیب نہیں دیتا۔" وہ مضحکہ اڑانے کے انداز میں ہنسا تھا۔

"پھر شروع ہو گئے آپ۔ چلیں اٹھنے میں مدد دیں۔" اس نے ہاتھ آگے کیا اور ایلیا بھی منہ میں بڑبڑاتی باہر نکل گئی۔

☆☆☆

"آ... آپ..." وہ ایک دم بوکھلا کر کھڑی ہوئی تو گود میں رکھی کتابیں اور پین وغیرہ نیچے گر گئے۔ وہ مزید نروس ہو کر فوراً نیچے بیٹھ گئی۔ ارحم نے پیروں میں آیا پین پہلے جھک کر اٹھانا چاہا لیکن پھر خود بھی اکڑوں بیٹھ گیا۔ وسیلہ اس سے چند فٹ ہی دور تھی۔

"کاش ہم ایک دوسرے کے لیے اس قدر اجنبی نہ رہے ہوتے تو آج مجھے دیکھ کر آپ کا ری ایکشن کچھ اور ہوتا۔" اس نے مسکرا کر پین آگے بڑھایا اور وسیلہ نے تعجب بھری نظروں سے بس دیکھنے پر اکتفا کیا اور سامان سمیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی

"آئیے..." وہ دروازہ کھول کر اسے اندر لاؤنج میں لے آئی۔

وہ دھڑلے سے گھر میں گھس آنے والا اس کا سگا تایازاد تھا۔ ادھر امی تھیں جو کل تک اپنی سسرال کا نام سن کر تھر تھر کانپتی تھیں، اب ارحم کمال خان کی اثر انگیز باتوں سے پگھلتی دکھائی دیتی تھیں۔ وسیلہ کو اس نئی بدلتی صورت حال پر اعتراض تو کوئی نہیں تھا۔ لیکن جو کچھ اب تک امی سے سننے کو ملا تھا اس کے بعد اتنے جلدی بھروسا کر لینا اسے تو دانش مندی نظر نہیں آتا تھا۔ لیکن جب امی ہی مطمئن تھیں تو وہ کیسے کوئی اعتراض کھڑا کرتی۔

البتہ ذہن میں چلتی کشمکش اسے مطمئن نہیں ہونے دے رہی تھی۔ ٹھیک ہے کہ ماضی میں جو کچھ اس کی امی پر گزرا وہ اس کا آنکھوں دیکھا نہ تھا لیکن جتنا کچھ امی سے سنا تھا اس کے تناظر میں تھانہ کی حویلی اس کے لیے کسی جیل خانے سے کم نہ تھی۔ پھر سوچتی شاید جگہ کا نام ہی عجیب ہے۔ جب شہر کا نام تھانہ ہو تو تصور جیل خانے کا ہی آسکتا ہے۔ لیکن! وہ سوچوں میں رکی۔

امی کہتی تھیں تائی شہناز ان کی صورت دیکھنے کی بھی روادار نہ تھیں۔ حویلی میں واحد دادی ہی ان کی خیر خواہ تھیں۔ اور پھر وسیلہ کی پیدائش کے موقع پر نجانے کیا ہوا کہ دادی نے انہیں اچانک حویلی چھوڑنے کا کہا۔ اور ساتھ ہی تاکید کی کہ آئندہ وہ کبھی واپس نہیں آئیں گی۔ آنے والے کچھ سالوں میں جمال ہی ماں سے جا کر مل آتے، رضوانہ کو وہ دوبارہ گاؤں نہیں لے گئے۔ اور دس، بارہ برس جب تک جمال زندہ رہے، ان ہی کا حویلی سے تھوڑا بہت ناتا رہا، جب جمال بھی فوت ہو گئے تو یہ سلسلہ بھی ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ اور اب... بابا کی وفات کے بارہ سال گزرنے پر یہ ارحم کمال آیا تھا۔ یہ کہتا ہوا کہ

گزری باتوں کو بھول کر ایک ہو جانے میں ہی سب کا بھلا ہے۔ وسیلہ جب چائے لے کر آئی تو ارحم اس کی امی سے کہہ رہا تھا کہ چچا جان کا جائیداد میں حصہ ہے جو ان کے بیوی بچوں کا حق اور ان کے پاس امانت ہے۔ وہ بڑے کھلے دل سے اس کی امی کو جائیداد کا ان کا حصہ وصول کرنے کا کہہ رہا تھا۔ رضوانہ اس کے خلوص اور اپنائیت پر ہر بار پہلے سے زیادہ ممنون ہو جاتیں۔ وہ اس کے لیے دل میں بہت محبت بھرے جذبات محسوس کرنے لگی تھیں۔ ارحم نے اس کی امی کی دادی سے بھی بات کروادی تھی۔ یاجرہ برسوں بعد رضوانہ کی آواز سن کر بے طرح خوش تھیں۔ آخری بار تو بارہ سال پہلے ہی جمال نے ان کی بات کروائی تھی۔

"مجھے یہ کزن کچھ عجیب سا لگا۔ . . ہے نا؟" ایلیا کچھ کھسر پھسر کے انداز میں وسیلہ کے کان میں بولی تو وسیلہ نے ہنسی روکی، چور نگاہوں سے دور بیٹھے ارحم کو دیکھا۔ وہ چائے کی چسکیاں لیتے رضوانہ کو تھانہ والی زمینوں کا احوال دے رہا تھا۔

"اچھا.. کیا عجیب ہے مثلاً؟" وسیلہ نے دلچسپی سے ابرو اٹھایا۔

"بناوٹی ٹائپ۔ مجھے اتنا میٹھا بولنے والے بھلو لوگ بالکل اچھے نہیں لگتے۔"

"بھلو لوگ . . . ؟" وسیلہ نے آنکھیں نکالیں۔

"یار باجی، سمجھو نا۔ مطلب اتنا بھی کون اپنوں کے لیے ترستا ہے۔ ایک رویا نہیں بے چارا۔"

"بھئی میٹھا بولنا تو خوبی ہوتی ہے۔ اور ہم نے بھی تو مومن بھیا جیسے روکھے لوگ دیکھے تھے، ہمیں ہضم نہیں ہو رہا شاید۔"

"روکھے ہیں لیکن اپنے اپنے تو لگتے ہیں نا۔ ویسے بھی اس بھلو سے تو بہت اچھے ہیں ہمارے سڑو بھیا!"

"بس کرو، اب بیچارے کا نام نہ بھلو پڑ جائے۔"

"بناوٹی بھلو۔ کیسا نام ہے۔" وہ شوخی سے چہکی تو وسیلہ نے بے ساختہ ٹہوکا مارا۔ جوش سے اس کی آواز اونچی ہو گئی تھی۔

"امی، بابا کے بعد بہت اکیلا محسوس کرنے لگی تھیں، مجھے لگتا ہے وہ خوش ہیں ارحم کے آنے سے، پھر دادی جی۔ جن کا ذکر امی نے ہمیشہ بہت اچھے لفظوں میں کیا، ارحم کے توسط سے ہمیں اپنی دادی ملنے والی ہیں۔ مجھے لگتا ہے۔ سب اچھا ہونے والا ہے۔"

"ہوں۔" ایلیا نے بے دلی سے سر ہلایا "اللہ کرے سب اچھا ہو۔"

☆☆☆

مون سون کی وہ پہلی بارش تھی۔ پچھلا پورا ہفتہ میانہ دم کے خوش گوار موسم کے برخلاف کچھ گرم گیا تھا۔ اور آج تو بادل جیسے بہت کھل کر برس رہے تھے۔ بجلیوں کی چمک اور بادلوں کی گھن گرج میں ہلکا ہلکا خوف اور ایک پراسراری خوب صورتی تھی۔

ایلیا کو امی کے بیڈ پر نیند آگئی تو وسیلہ نے کمرے کی لائٹ آف کی اور اپنے کمرے میں آگئی۔ وال کلاک کی طرف دیکھا، ابھی رات کے نو بجے تھے۔ آج اس کا شاعری پڑھنے کو جی چاہ رہا تھا۔ وہی اس کا من پسند بارش کا موسم اور وہی دل کی نا سمجھ آنے والی بے چینیاں، یوں لگتا جیسے وہ اس خوبصورت وقت کو بھینچ کر روک لینا چاہتی ہو۔

موبائل کی بیل نے اسے لفظوں کے سحر سے باہر نکالا، چشمہ اتار کر اس نے موبائل ہاتھ میں لیا۔ کال منصب کی جانب سے تھی۔ اس کا دل بے طرح دھڑک گیا۔ کال اٹینڈ کر کے کانوں سے لگایا تو منہ سے ہیلو ہی نکل نہیں پایا۔

"ہیلو!" خاموشی پا کر منصب نے خود ہی محتاط سا ہیلو کہا۔

"جی ..... بمشکل اس کی گھٹی گھٹی سی آواز نکلی۔

"السلام علیکم۔" اس نے جی سے ہی پہچان لیا تو اس مرتبہ قدرے اعتماد سے مسکرا کر آغاز لیا۔

وعلیکم السلام۔ وسیلہ نے آواز پر تو قابو پالیا،

دھڑکن البتہ پہلے سے کچھ اور تیز ہوگئی تھی۔

"سو تو نہیں رہی تھیں۔ سوری شاید میں نے ڈسٹرب کیا۔"

"ن... نہیں۔ میں جاگ رہی تھی۔"

"موسم انجوائے نہیں کر رہیں؟"

"جی، یہ موسم تو اندر بیٹھ کر انجوائے کیا جاتا ہے۔" وہ ذرا سا مسکرائی "اور میں وہی کر رہی ہوں، کافی پیتے اور کتاب پڑھتے ہوئے۔"

"ماشاء اللہ خوش نصیب ہیں۔"

"اور آپ..." وہ کہتے کہتے جھجک کر رک گئی۔

"آپ کے گھر کے سامنے۔" اس نے بالکل ہی اچانک کہہ دیا اور موبائل وسیلہ کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا۔

"ج جی۔ یہاں۔ کیوں؟"

"کھڑکی میں آسکتی ہیں؟"

"جی نہیں...... اللہ حافظ۔" اس نے فوراً ہی کال کاٹ دی۔ دل جیسے ساری کھڑکیاں دروازے توڑ کر باہر آرہا تھا۔ وسیلہ کا چہرا پریشانی سے کانوں تک تپ گیا۔ موبائل آف کرکے امی کے کمرے میں چلے جانا ہی بہتر تھا۔ اس نے دل میں ارادہ باندھا، موبائل ہاتھ میں لیا اور اسی وقت منصب کی جانب سے پہلا واٹس ایپ میسج موصول ہوا۔

"آپ تو ایک دم ہی پریشان ہوگئیں، سوری وسیلہ جی مذاق کر رہا تھا۔ دراصل میرے مجرموں کو خوب صورت موسم میں شرارت سوجھی، باہر نکلنے کے لیے شور مچا رہے تھے۔ مجھے ڈیوٹی کانسٹیبل نے کال کرکے بلا لیا۔ تب ہی اس برستی بارش میں گھر سے نکلنا پڑا اور اب ان کی خبر لے کر تھانے سے باہر نکلا ہوں گھر واپس جانے کے لیے... آپ کی کھڑکی کی زرد لائٹ بارش میں نہایت دلکش محسوس ہوئی تو کال ملالی، ویسے اندازہ نہیں کہ یہ آپ کا ہی کمرا ہے یا کچھ اور...... میرے تصور نے البتہ بالکل ایسی ہی چھلانگ لگائی تھی۔ یعنی چائے پیتی یا کتاب پڑھتی وسیلہ خاتون... ایک مرتبہ پھر معذرت، البتہ آپ کی گھبراہٹ بہت نیچرل تھی اور ماحول کی مناسبت سے بہت بھلی معلوم ہوئی۔ وجہ شاید آپ نہ سمجھ سکیں۔"

"اوہ!" وہ نچلا لب دانتوں میں دبائے ایک دم مطمئن اور شانت ہوئی۔ ہونٹ بھی بڑی دیر بعد مسکرائے اور پہاڑ سا بوجھ سر سے یک لخت اترا تو اس نے بھاگ کر کمرے کی لائٹ آف کی اور پردہ سرکا کر باہر دیکھا۔ سڑک یہاں سے صاف دکھائی دیتی تھی۔ ہلکی روشنیاں بھی تھیں اور بوندا باندی بھی جاری تھی۔ مدھم روشنی میں پولیس جیپ عین گیٹ کے سامنے کھڑی دکھائی دی۔ اور اندر بیٹھا آدمی بھی بلاشبہ منصب تھا۔ اس نے مسکرا کر دیکھا اور پردہ چھوڑ دیا۔

واٹس ایپ سامنے کھلا تھا۔ اس کی بالکل سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا لکھے تب ہی منصب کی جانب سے تھینکس لکھا آگیا اور شرمندگی سے وسیلہ نے بے ساختہ آنکھیں میچ لیں۔ لائٹ آف کرنا اس کی اگلی بے وقوفی تھی۔ جس کا راز بھی منصب نے جھٹ سے پالیا تھا۔

☆☆☆

"انسان کا دل کب خوف اور وہموں میں گھرتا ہے؟"

رضوانہ نے کھڑے کھڑے بالکل ہی اچانک سوچا اور جواب اندر جیسے موجود تو تھا لیکن زبان تک آنے اور الفاظ میں ڈھلنے کو تیار نہ تھا۔ ارحم ابھی ابھی ان سے مل کر اور یہ کہہ کر وہاں سے نکلا تھا کہ بہت جلد وہ اپنی امی اور دادی کے ساتھ یہاں آئے گا۔ اور رضوانہ اس کے جانے کے بعد خالی دماغ لیے بس یہی سوچ پائیں کہ وہ سب کچھ جو اپنے آپ ہوتا جارہا ہے وہ یونہی چلتے رہنا چاہیے۔ یا اس کو یہیں پہ روک دینا بہتر ہے۔ یا پھر اس سب کا زیادہ جوش اور جذبے سے آگے بڑھنا اچھا ہے۔؟ لیکن وہ کچھ بھی طے کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھیں۔ البتہ یہ طے تھا کہ انہیں بہر حال کچھ نہ کچھ تو سوچنا ہے۔

جیسے۔ وہ صوفے کے کونے پر ٹک گئیں، دماغ خیالات کی یلغار کو آج روکنے کو تیار نہ تھا...... جیسے یہ کہ سب سے پہلے انہیں توفیق بھائی سے بات کرنی چاہیے تھی، چوبیس برس پہلے بھیا ہی تھے جن کے سہارے وہ اتنا بڑا قدم اٹھا پائی تھیں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ تب جمال ان کے ساتھ تھے اور فیصلہ بھی اماں جی کا تھا، شاید اس لیے رضوانہ نے ذمہ داری کا بوجھ خود پر پڑتا محسوس نہیں کیا تھا۔ لیکن جمال کے بعد تو توفیق بھائی ہی تھے جنہوں نے ہر قدم پر اس کا ہاتھ تھاما تھا بلکہ دیکھا جائے تو گزرے چوبیس برسوں میں بھیا کا ہاتھ کبھی چھوٹا ہی نہیں تھا۔ اگرچہ اب وہ ہاتھ فالج کے حملے سہتے اتنا مضبوط نہیں رہا تھا لیکن کچھ لوگوں کا محض ہونا ہی اللہ کی طرف سے انسان کی غیبی امداد اس کا سہارا ہوتا ہے۔ بھلے وہ کچھ بھی نہ کریں لیکن یہ ”ہونا“ کسی جادو کسی معجزے سے کم نہیں ہوتا۔

رضوانہ نے ایک نتیجے پر پہنچتے بے ساختہ سر ہلایا۔ بڑی دیر سے وہ خیالوں میں اپنے آپ سے باتیں کیے جا رہی تھیں۔ دوسرا خیال انہیں یہ آیا تھا کہ اماں جی اگر ارحم کے ساتھ یہاں آجاتی ہیں تو ان سے بھی بہت کچھ جانا اور سمجھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ باوجود برسوں سے رابطے میں نہ ہونے کے وہ ان کی خیر خواہ تھیں اور موجودہ صورت حال میں ان سے بہتر مشورہ اسے کوئی نہیں دے سکتا تھا۔

☆☆☆

”منصب! مجھے رضوانہ آنٹی کی طرف جانا ہے۔“

”کون رضوانہ آنٹی؟“ وردی کے کالر درست کرتے اس نے سر پر کیپ فٹ کی۔

”ایلیا نے مجھے ایک شاپ بتائی ہے۔ وہاں سے گرما کے کپڑے اچھے مل جاتے ہیں۔“ رمشہ نے آج لبنٰی اور صفورہ کو بھی دو گھنٹے لیٹ آنے کا کہا تھا۔ اس کا ارادہ منصب کے ساتھ ہی نکلنے کا تھا تاکہ وہ اسے ان کے گھر ڈراپ کر دے۔

”کیا کیے جا رہی ہو۔ کہاں جانا ہے۔ اتنی صبح صبح؟“

”ارے وسیلہ لوگوں کے گھر جا رہی ہوں۔ ایلیا سے میری بات ہو گئی ہے۔ وہ کہتی ہے ابھی آجاؤ، پھر تو، ساڑھے نو تک نکل جائیں گے۔ گھر بھی وہ مجھے خود ہی چھوڑ دے گی۔“

”تو یوں کہو نا۔ اتنی دیر سے سمجھ میں ہی نہیں آ رہا کہ کہاں جانا ہے کیا کرنا ہے۔“

”ہاں تو مجھے کیا پتا تمہیں صرف وسیلہ کا نام سمجھ میں آتا ہے۔ آئندہ خیال رکھوں گی۔“ رمشہ کھلکھلا کر کمرے سے باہر نکل گئی اور منصب شرمندگی سے مسکرا کر رہ گیا۔ اسے واقعی ساری بات وسیلہ کا نام سن کر ہی سمجھ میں آئی تھی۔

”تو اب آپ کی والدہ اور سسٹر کا نام بھی یاد رکھیں گے وسیلہ جی۔“ اس نے اپنے آپ کو یاد دلاتے خیالوں میں وسیلہ کو مخاطب کیا اور یہ بات اسے خود بھی کبھی سمجھ میں نہیں آئی کہ وسیلہ کے ذکر پر اس کے لب کیوں مسکرانے لگتے تھے۔ بنا کسی بحث میں پڑے اس نے رمشہ کو وسیلہ کے گھر کے باہر چھوڑا۔

جولائی کے آخری ایام تھے اور آج نسبتاً ایک گرم دن تھا۔ وسیلہ کے باہر کہیں ہونے کی امید اور امکان تو نہیں تھا، پھر بھی دل نے نجانے کیوں یہاں تک آنے میں بھی انجانی سی خوشی محسوس کی تھی۔

”واپسی تو میرا خیال ہے، میں خود ہی چلی جاؤں گی۔“ رمشہ نے خود کلامی کی تو منصب چونکا۔

”نہیں، مجھے کال کر دینا۔ شاپنگ کرکے یہیں آنا۔ گھر میں خود چھوڑ آؤں گا۔“

”ہوں.....اوکے۔“ وہ لاپروائی سے شانے اچکاتی باہر نکل گئی۔

☆☆☆

آج کا دن یقیناً بہت اہم تھا۔ ارحم نے اشاروں اشاروں میں رضوانہ چچی سے وہ سب کہہ دیا تھا جو اس کے یہاں آنے کا اصل مقصد تھا۔ وسیلہ بھلے یہ بات ماننے کو تیار نہ تھی کہ اس نے بھی ارحم کو

یونیورسٹی میں دیکھا بھی تھا لیکن ارحم کے لیے تو یہ اتفاق ہی اس مقصد کی اہم کڑی تھا۔

آج اس نے چچی پر باتوں باتوں میں ظاہر کر دیا تھا کہ وسیلہ کو یونیورسٹی کے دنوں سے ہی پسند کرتا ہے اور اب امی اور دادی کی مرضی سے اسے اپنانے کے لیے دل و جان سے سنجیدہ ہے۔

ارحم نے چچی کی آنکھوں میں محسوس کیا کہ انہوں نے ارحم کے اظہار کو قدر کی نگاہ سے دیکھا تھا۔ خود ارحم نے شروع سے یہی فیصلہ کیا تھا کہ بجائے وسیلہ کے وہ چچی جان سے بات کرے گا۔ اور اب دیکھنا یہ تھا کہ وہ اس پر کتنی سوچ بچار کرتی ہیں۔ ارحم کے لیے اب جلد از جلد ماں اور دادی کو یہاں بلانا بہت ضروری ہو گیا تھا۔ دیر اس کے کئی دوسرے معاملات کے آڑے آرہی تھی۔

وہ کسی قدر مصروف انداز میں کی چین جیب سے نکالتا گیٹ سے باہر نکلا تو بری طرح ٹھٹک کر رکا۔ ایک بہت شناسا سا چہرا...... تھانہ میں جس سے صبح شام کا سامنا رہتا تھا۔ یہاں آنکھوں کے عین سامنے وہ بھی خاکی وردی۔ ارحم کے چہرے کا رنگ یکسر تبدیل ہوا تھا۔ منصب پولیس کی وردی میں جیپ سے ٹیک لگائے کیا شاندار پرسنالٹی کا مالک لگ رہا تھا۔ حسد اور تنفر کی لہر دماغ سے شدید ناگواری لیے ٹکرائی اور اس کے قدم دھیمے پڑتے وہیں رک گئے۔ منصب نے اس دوران حیرت بھری مسکراہٹ لیے ہاتھ مصافحے کے لیے آگے بڑھایا تھا۔

”ارحم خان! ... آپ یہاں؟“

”سلام خان جی!“ رمشہ بھی اسی وقت گیٹ سے باہر نکلی۔ ہاتھ ماتھے تک لے جا کر ادب سے سلام کیا، جبکہ اس کے ساتھ گیٹ سے باہر نکلتی وسیلہ اور رضوانہ آنٹی نے حیرت سے رمشہ، پھر منصب اور ارحم کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”آپ سب ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟“

”جی آنٹی، ارحم خان جی تھانہ سے ہیں نا، ہمارا گھر بالکل قریب ہے ان کے۔“ رمشہ نے خوش دلی سے بتانا شروع کیا۔

”جی چچی! منصب کے والد ہمارے منشی تھے۔“ ارحم نے مسکرا کر اضافہ کیا۔

”منشی ...؟“ رضوانہ چونکیں۔

”جی میرے بابا نوریز خان حویلی میں منشی ہوتے تھے۔“

منصب نے وضاحت کی اور رضوانہ کے چہرے پر ایک لہر سی آکر گزر گئی۔ رمشہ ان کی بیٹی کی نئی نئی دوست بنی تھی۔ ادھر ارحم بالکل نیا یہاں آیا تھا۔ ان سب کے پہلے سامنے پر یہ معلوم ہونا کہ رمشہ اور منصب کا باپ منشی تھا انہیں کچھ اچھا محسوس نہیں ہوا تھا۔

”اچھا واہ ماشاء اللہ، آپ سب تو پہلے سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔“

وسیلہ نے مسکرا کر رمشہ کو دیکھا۔ جامنی شال سلیقے سے سر پر جمائے وہ رمشہ کو دیکھ کر بات کر رہی تھی۔ ارحم نے ایک نظر منصب کی طرف دیکھا لیکن وہ تو اسی کی طرف متوجہ تھا۔

”آپ یہیں ہیں ارحم خان! تو گھر ضرور آیئے۔“ منصب نے ارحم کو دعوت دی۔ وسیلہ سے اس کی نئی نئی پیدا ہوتی انڈر اسٹینڈنگ اپنی جگہ لیکن وہ سب کے بیچ اس کے لیے بھی پریشانی کا باعث نہیں بن سکتا تھا۔

”ہوں۔“ ارحم نے اس کی دعوت پر کوئی تبصرہ نہ کرتے رضوانہ چچی کو دیکھا۔

”او کے چچی جان۔ میں پھر آؤں گا۔“ وہ ایک تحکم سے کہتے بنا کسی سے سوال جواب کیے اپنی کار کی طرف مڑ گیا۔

اس نے چند لمحوں میں محسوس کر لیا تھا کہ رضوانہ چچی لفظ ”منشی“ پر بے چین ہوئی تھیں اور اس کے لیے یہی بہت تھا۔ تب ہی اس نے منصب کی بات کو قابل اعتنا بالکل نہیں جانا اور لاپروائی کا تاثر دیتے بنا جواب دیئے پلٹ گیا۔

وسیلہ نے ارحم کی نخوت کو خجالت سے دیکھا۔

جبکہ منصب نے بے تاثر چہرے کے ساتھ مڑ کر رمشہ کے لیے جیپ کا گیٹ کھول دیا اور وہ ان سب سے مل کر جیپ کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

سنو ارحم، ہم میانڈم میں ہیں نا.. وہ ..... یہاں تو منصب بھی ہے۔ اس نے مجھے خود بتایا تھا۔"

دادی یہ بات کوئی تیسری مرتبہ دوہرا رہی تھیں اور ارحم نے ضبط اور غصے سے اسٹیئرنگ کو بھینچا۔ اس کے دل میں کئی اُلٹے سیدھے جواب آ رہے تھے لیکن موقع ایسا تھا کہ اسے کسی قیمت پر دادی کو اپنا پرانا روپ نہیں دکھانا تھا۔ کیونکہ ان کی نظروں میں تو وہ ایک بدلا ہوا ارحم تھا جو انہیں ان کی بچھڑی ہوئی بہو اور پوتیوں سے ملوانے ان کے گھر لے جا رہا تھا۔ شہناز بھی کئی دنوں سے برابر بہت اچھے ڈھنگ سے پیش آ رہی تھیں۔ اپنا مطلب نکلوانے کے لیے موجودہ رویہ اپنانا ناگزیر تھا۔

"ہاں ہاں اماں کیوں نہیں.... ہم ذرا رضوانہ بھابی اور بچیوں سے مل لیں پھر منصب کو بھی ضرور تلاش کریں گے۔ کیوں ارحم؟"

"جی بالکل۔ میں پتا کروں گا۔" ارحم نے اس ذرا سے وقفے کے دوران اپنے گرم دماغ کو ٹھنڈا کیا تھا۔

رضوانہ چچی کا گھر آ گیا تھا۔ انہیں پہلے سے اطلاع دی جا چکی تھی کہ وہ اپنے ساتھ دادی اور امی کو لا رہا ہے۔ کار اس نے پورچ میں روک کر ہارن دیا۔

یہاں بھی یقیناً سب بے چینی سے ان کے منتظر تھے۔ اس کی امی اور دادی کا عین اسی جذباتی انداز میں استقبال کیا گیا جس کی ارحم توقع کر رہا تھا۔ البتہ اپنی امی کے غیر ضروری آنسو اسے اپنی ہنسی روکنے پر مجبور کرتے رہے۔

ارحم کا کئی بار دل چاہا چپکے سے ان کے کان میں کہے کہ وہ اوور ایکٹنگ کر رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر البتہ ارحم کو دلی خوشی اور سکون محسوس ہوا کہ رضوانہ چچی کے سب ہی وہم اور خدشے پہلی مرتبہ کے آنسوؤں میں ڈھلتے محسوس ہو رہے تھے۔ ان کے چہرے کا اطمینان بتاتا تھا کہ مل لینے کے بعد وہ ایک ساتھ کئی خدشات سے باہر آ گئی تھیں۔ اور یہی سچ تھا۔ رضوانہ کو لگا برسوں سے جمی برف بلاوجہ ہی اتنے طویل عرصے تک جمود کا شکار رہی تھی۔ اگر یہ دوریاں بہت پہلے مٹ جاتیں تو اتنے برس وہ خوف اور ڈر میں تو نہ جیتی رہتیں۔

خصوصاً اماں جی کا شہناز بھابی کے ساتھ آنا ان کے کئی سوالوں کا اپنے آپ جواب تھا۔ لیکن یہ رضوانہ کی بدقسمتی تھی کہ وہ ہرگز یہ نہیں جانتی تھیں کہ یہاں تو اماں جی خود ایک ساتھ کئی حیرتوں سے نمٹ رہی تھیں۔ شہناز اور ارحم کا یک لخت بدلتا رویہ ابھی وہ سمجھنے کی کوشش میں تھیں کہ ارحم تو انہیں رضوانہ سے ملوانے ہی نکل پڑا، تب انہوں نے بھی یہی سوچا کہ پرانی رنجشیں ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کا وقت آ گیا ہے اللہ پاک نے شہناز اور ارحم کے دل میں اگر نرمی ڈال دی ہے تو اس سے اچھی خبر اور کیا ہو سکتی ہے۔

"جدائی کا وقت جتنا طویل اور کڑا رہا ہے، دنیا نے تو بس دیکھا ہے بھابی! ہم نے جھیلا ہے خود پر۔" شہناز کی پلکیں نئے سرے سے نم ہونے لگیں، اماں جی سے بات کرتے رضوانہ چونک کر جیٹھانی کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"جی بھابی، سچ کہتی ہیں۔" انہوں نے زیادہ تبصرہ مناسب نہیں سمجھا۔ اب پرانی باتوں کو کیا دوہرانا

"میں تو کہتی ہوں اب نزدیکی بھی اتنی مضبوط اتنی جان دار ہونی چاہیے کہ دنیا دیکھتی رہ جائے۔" شہناز نے اپنا مدعا حاصل کیا۔

"رشتوں میں پیار محبت اپنے من کی سچی خوشی کے لیے ہوتی ہے، دنیا دکھاوے کے لیے نہیں شہناز۔" ہاجرہ بیگم نہایت صاف گو تھیں اور اظہار بھی اسی حساب سے کرتی تھیں، لیکن شہناز اس معاملے میں مصلحتاً بھی خاموشی اختیار کرنے کے موڈ میں نہ تھیں۔

"یہ دل کی سچی خوشی ہی ہے اماں! کہ اب دل

چاہتا ہے رشتہ داری کی ڈوری میں ایک مضبوط گرہ اور بھی ڈال دینی چاہیے۔"

"مطلب؟" اماں جی نے توجہ مکمل بہو کی جانب کی۔

"وسیلہ مجھے اپنے ارحم کے لیے بہت اچھی لگی ہے۔کیوں بھابی آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں؟"

"نہیں خدانخواستہ اعتراض کی تو کوئی بات نہیں، بس ذرا سا وقت ملنا چاہیے۔"

"اماں آپ ہی کہیں نا رضوانہ بھابی سے۔ اب سوچ بچار میں کیا رکھا ہے۔میں تو شکر پڑھ رہی ہوں کہ صحیح وقت پر آ گئی۔اگر تحریم کی طرح وسیلہ کا بھی کہیں ہو جاتا تو۔"

"کیسے ہو جاتا امی!" ارحم نے شرما کر حصہ لیا"یونی کے وقت سے برابر وسیلہ کی ہر اطلاع اپنے پاس رکھی ہے۔"

"بھیا! آپ نے یونی میں وسیلہ کو کیوں نہیں کہا کہ آپ اس کے کزن ہیں؟" ایلیا پہلے تو چونکی اور پھر پوچھ بھی فوراً لیا۔ارحم نے گڑبڑا کر پہلے تو ماں کو دیکھا دفعتاً ہنس کر بات سنبھالی۔

"ایک تو مجھے پتا ذرا دیر سے چلا، پھر جب سنا کہ آپس کے تعلقات بھی ذرا سرد مہری کا شکار ہیں تو یہ سوچ کر رک گیا کہ نجانے وسیلہ کا ردعمل کیا ہو۔"

"بس بھئی چھوڑو پرانی باتیں۔ مجھے تو آج رضوانہ بھابی کی ہاں سننی ہے۔" رضوانہ نے لاڈ سے بھابی کا ہاتھ پکڑ لیا۔

رضوانہ نے اندر ہی اندر بے بسی سی محسوس کرتے اماں جی طرف دیکھا۔اور اس ایک نظر کے سوال میں سالوں پرانے قصے درج تھے۔کاش انہیں کچھ دیر اماں جی سے تنہائی میں بات کرنے کا موقع مل جائے۔وہ دل میں سوچ رہی تھیں اور شہناز نے جیسے یہ بھی رضوانہ کی آنکھوں سے پڑھ لیا۔اور یہ تو وہ ہرگز نہیں ہونے دے سکتی تھیں۔ اماں جی اور رضوانہ کو ایک دوسرے سے اکیلے میں کوئی موقع نہیں ملنا چاہیے، کیونکہ جتنی رضوانہ بے خبر تھیں اتنی ہی اماں جی لاعلم تھیں اس کے ارادوں سے۔فی الحال تو اسے دونوں کی اسی بے خبری سے فائدہ اٹھانا تھا۔

"اماں جی! آپ ہی کچھ کہیں نا۔ برسوں سے میرا تو اب ایک ہی خواب ہے کہ ویران پڑی حویلی کب اپنوں کے وجود سے دوبارہ آباد ہوگی، کب جمال کے بیوی بچوں کو اس کا حق واپس ملے اور میں ضمیر کی قید سے خود کو آزاد کر پاؤں۔ یہ بوجھ اب میرے اٹھانے کا نہیں ہے بھابی۔ میں ہوں یا اماں جی، یا آپ آخر کس نے کب تک اس دنیا کے قید خانے میں رہنا ہے۔حق دار کو اس کا حق مل جائے۔رشتے آپس میں مضبوط ہو جائیں۔بس سمجھیں دل کو اصل اطمینان نصیب ہو جائے گا۔"

"جی بھابی! آپ صحیح کہتی ہیں۔ بس توفیق بھیا سے مشورے کا وقت مل جائے تو۔"

"کیوں نہیں، بسم اللہ کریں۔ بلکہ ارحم بتا رہا تھا، بھائی صاحب بیمار رہتے ہیں، پھر بھی پاس والا ہی ہے نا۔ ہم تو خود عیادت کو جائیں گے۔ اسی بہانے بات بھی ہو جائے گی۔"

"جی ہاں، کیوں نہیں۔" رضوانہ پھر مروت سے بیٹھی رہ گئیں۔شہناز بھابی نے تو ہاں نکلوانے کی ٹھان ہی لی تھی۔

☆☆☆

"شکریہ...... آپ نے رمشہ کو ہمارے ہاں بھیجا۔اس کے آنے سے بہت اچھا لگتا ہے۔" وسیلہ نے میسج بھیج کر پلکیں سختی سے میچ لیں۔

پچھلی دوپہر سے وہ لگاتار اس سوچ میں تھی کہ آخر ایسا کیا لکھے منصب کو جس سے برا بھی نہ لگے اور رابطہ . . . وہ بری طرح جھنجھلا کر رہ گئی۔ وہ منصب سے رابطہ کرنا چاہتی تھی، کچھ بھی مناسب سا کہہ کر۔

"ہوں......" لب بھینچ کر منصب نے اپنی ہنسی روکی۔

"رمشہ کے آنے کے دو دن بعد شکریہ ادا

کرنے کی وجہ تو بہت سیدھی تھی، لگاتار دو روز تک کوئی بڑی سوچ بچار کرتا رہا تھا۔ بالآخر ہمت جیت گئی لیکن وہ بھی سیدھی طرح فرض کہاں کرنا چاہتا تھا کہ یہی وجہ ہوگی۔ دل بے تاب کو اظہار و اقرار سے ہی چین نصیب ہوتا ہے۔ منصب نے شیشے کے پار دیکھا۔ سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف نظر آئے۔ منصب نے بجائے وٹس ایپ کرنے کے کال ہی ملا دی۔

''السلام علیکم......'' وہ سخت نادم تھی اپنی پہل پر۔ چہرا مارے ندامت کے سرخ ہوگیا

''وعلیکم السلام۔ کیسی ہیں وسیلہ۔ بات ہو سکتی ہے آپ سے؟''

''جی، میں ٹھیک ہوں۔'' وہ بس یہی کہہ پائی۔

''بہت دنوں سے میں سوچ رہا تھا، آپ سے پوچھوں۔ وہ خاتون جن کا مسئلہ حل کیا تھا۔ کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی دوبارہ۔''

''آں ... فیروزہ.... ؟'' وسیلہ نے اپنا دماغ حاضر کیا۔ ''جی جی، اللہ کا شکر پھر کوئی مسئلہ نہیں ہوا۔''

''چلیں اچھی بات ہے۔ اور۔ یہ شکریے کیوں ادا کیے جا رہے تھے۔ آنا جانا تو اب لگا رہنا چاہیے۔ میں تو آپ کی آمد کا منتظر ہوں۔'' منصب نے ''ہم'' کے بجائے ''میں'' کہہ کر وسیلہ کی جھجک مٹانے کی کوشش کی۔

''جی، میں بھی چکر لگاؤں گی۔ دراصل تھانہ سے میری دادی اور چچی آئی ہوئی تھیں۔'' وہ بھی پہلی بار۔

''دادی آئی تھیں۔''

منصب کا بے اختیار دل دھڑکا۔ اب تو معلوم ہو چکا تھا کہ وسیلہ کا تعلق بھی حویلی سے ہے۔

''کیسی تھیں دادی۔ اور آکر چلی بھی گئیں؟''

''آپ جانتے ہیں دادی کو؟ او ہاں شاید۔''

وہ سوچ میں پڑ گئی۔

''نہ صرف جانتا ہوں بلکہ انہیں اپنی دادی مانتا اور کہتا ہوں۔ وہ بھی مجھے اپنا پوتا مانتی ہیں۔ کاش میں ان سے مل پاتا۔''

''جی مل سکتے اگر وہ کچھ دن یہیں رہ جاتیں۔ ہم نے بہت اصرار کیا لیکن ارحم بھائی انہیں اسی روز واپس لے گئے۔ حالانکہ دادی بھی ہمارے پاس رہنا چاہتی تھیں۔''

''اتنے جلدی کیوں؟ بس ایک دن۔'' منصب کو بھی حیرت ہوئی۔

''جی وہ شہناز چچی کہہ رہی تھیں، ان کی بہن ہیں وہاں حویلی میں، ان کو شاید وہ اکیلا نہیں چھوڑ سکتیں۔''

''ہوں...... وہ تو واقعی ہیں لیکن دادی تو رک جاتیں۔''

''جی، میں نے بھی یہی کہا۔ میری دادی سے ملنے کی حسرت ابھی مٹی ہی نہیں تھی۔ وہ مجھے بہت اچھی لگیں۔ بالکل میرے بابا جیسی۔'' وسیلہ ایک دم جذباتی سی ہونے لگی۔

''چلیں، کوئی بات نہیں، اگلی مرتبہ آپ لوگ تھانہ ہو آؤ۔''

''جی وہ تو...'' وسیلہ ایک دم رک سی گئی۔

''جی۔؟'' منصب کو اس کی جھجک سمجھ میں نہیں آئی۔

''جی کچھ نہیں۔''

''بتائیں بھی۔ کچھ کہتے کہتے رک جانا پولیس والوں سے بالکل برداشت نہیں ہوتا۔'' وہ تنگ کرنے کے انداز میں ہنسا تو وسیلہ نے بھی قہقہہ لگایا۔

''پولیس والے نے کہیں ڈنڈا تو نہیں اٹھا لیا۔''

''ڈنڈے کی ضرورت نہیں، میں سوالوں سے ہی زچ کردینے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔''

''اچھا واہ۔ خود اقرار کر رہے ہیں۔''

"تو کیا یہ خامی کہلاتی ہے؟" وہ زیر لب مسکرا رہا تھا۔

"ہوشیاری کہلاتی ہے۔"

"نہیں خیر معصوم سا بندہ ہوں۔ ہوشیاری تو پیشے کا حصہ ہے۔ جبراً سکھائی گئی ہے۔"

"وہ اصل میں میری تائی نے رشتہ مانگا ہے۔"

"آپ کا...؟" اس نے بھی پوچھنے میں دیر نہیں کی۔

"جی...."

"مطلب ارحم خان کے لیے آپ کا رشتہ؟" اس کا دل پل میں سلگا۔

"جی..."

"اور جواب؟"

"ابھی تو نہیں دیا۔"

"تو کیا ارحم خان ہے۔ ہاں یا نہ؟" وہ بالکل بنا جھجکے پوچھتا چلا گیا۔ انداز میں بے چینی اور عجلت تھی۔

"امی کا جھکاؤ تو لگ رہا ہے۔"

"نہیں وسیلہ..." اس کا دل بڑے زوروں سے دھڑکنے لگا تھا۔ "ایسا مت ہونے دیں۔ پلیز۔"

"جی......؟"

"آپ سمجھ رہی ہیں نا ... میں بہت جلد خود آنے والا ہوں۔ تب تک۔"

"لیکن۔"

"وسیلہ کیا ہم ایک بار مل سکتے ہیں۔؟ یہ بہت ضروری ہے۔"

"یہ بہت مشکل ہے سر!" وسیلہ الجھن میں پڑ گئی۔

"دیکھیے یہ بھی اتفاقاً کہیں سامنا ہو جانا الگ بات ہے لیکن طے کر کے اکیلے کہیں ملنا۔ مجھے سوچ کر اچھا نہیں لگ رہا۔"

"نہیں نہیں اکیلے نہیں۔ میں کہنا چاہتا ہوں۔ آپ گھر آجائیں۔ رمشہ سے ملنے، چاہیں تو سسٹر کو بھی ساتھ لے آئیں۔ جیسے کہ ہماری فیملیز کا ملنا جلنا ہے تو۔"

"او، جی جی میں سمجھ گئی۔" وسیلہ کے سر سے پل میں بوجھ سرکا۔ "میں کوشش کرتی ہوں ایک دو دن میں۔" اس نے لب چباتے ساتھ ساتھ سوچنا بھی شروع کر دیا۔

☆☆☆

"کتنی عجیب بات ہے نا منصب!" رمشہ نے بڑی دیر بعد سر اٹھایا تو منصب نے بھی چونک کر سر گھمایا۔

"ہوں۔ کیا؟"

"دیکھو نا۔ ادھر تھانہ میں ہم کمال خان کی فیملی کے قریب تھے۔ اور یہاں جمال خان کی فیملی۔ مجھے لگتا ہے ہم دادی کو اب ضرور بلا لیں گے۔"

"دادی آئی تھیں۔"

"ہیں۔ وہ کب آئیں؟ ابھی پرسوں ہی تو میں گئی ہوں۔"

"پچھلے روز آئی تھیں۔"

"تمہیں کیسے پتا۔ کس نے بتایا؟"

"ہوں!" منصب نے جیسے اب سوچا، پھر کچھ وقفہ کیا، وسیلہ کا نام لینا ٹھیک نہیں تھا۔ اس نے گلا کھنکارا۔

"ارحم خان سے ملاقات ہوئی تھی۔"

"تو ... چلی گئیں دادی۔؟ ہم سے کیوں نہیں ملیں، پھر کب آئیں گی؟"

"ارے یار۔ اب ارحم خان سے تو میں نے اتنے سوال نہیں پوچھے۔" وہ ہنس پڑا۔ "بس سرراہ ملاقات ہوئی تو یہی بتا رہا تھا کہ تھانہ سے سب کو ملوانے لایا تھا۔"

"میں وسیلہ سے بات کروں گی۔ پوچھوں گی میری دادی اسے کیسی لگیں۔ وہ تو جانتی ہی نہیں کہ اس کی دادی ہماری بھی کچھ لگتی ہیں۔"

"ہوں!" منصب نے تبصرہ محفوظ رکھا۔

وسیلہ سے وہ گھر آنے کی بات کر چکا تھا۔تو اب یہ آمنے سامنے ہی دادی کو ڈسکس کریں گی۔ وہ مسکرا کر وہاں سے اُٹھ گیا۔

☆☆☆

"ہیلو؟" نئے نمبر سے آنے والی کال ریسیو کرتے تانیہ کا لہجہ کچھ اپنے آپ ہی محتاط سا ہو گیا

"السلام علیکم... جی میم تانیہ سے بات ہو سکتی ہے؟"

"وعلیکم اسلام، جی میں تانیہ بات کر رہی ہوں۔تانیہ کو لہجہ شناسا سا لگا لیکن پہچاننا مشکل ہوا۔"

"میں عیسیٰ احمد۔آپ سے نمبر لیا تھا آپ کے آفس میں۔"

"جی سر، میں پہچان گئی۔ کیسے مزاج ہیں؟" وہ جانتی تھی عیسیٰ کسی علاقے کا پڑھا لکھا سردار ہے۔طرز تخاطب اسی حساب سے مؤدبانہ ہوا۔

"میں مخل تو نہیں ہوا آپ کی کسی مصروفیت میں؟"

"جی نہیں، میں گھر پر نکمی ہی رہتی ہوں۔" وہ ہنس کر وضاحت دینے لگی "مجھے امی کوئی کام نہیں کرنے دیتیں، خود ہی شوقیہ کچھ کر لوں تو اور بات ہے۔خیر آپ سنائیے، صہیب کیسے ہیں؟"

"بظاہر تو ٹھیک ہی ہے۔لیکن دوستوں وغیرہ سے پتا چلتا رہتا ہے کہ اپنی ضد کے معاملے میں ایک انچ جگہ سے نہیں ہلا، اس کے دوستوں کا گلہ ہے کہ صہیب کے پاس سوائے پریشے کے اور کوئی ٹاپک ہی نہیں ہوتا۔"

"تو کیا لگتا ہے، مجھ سے ملنے کا معاملے میں کچھ کہے گا؟"

"ابھی میں نے بات نہیں کی، شاید کسی دن اسے اچانک ہی لے آؤں۔بعد میں دیکھی جائے گی۔"

"یہ بھی صحیح ہے۔" وہ کچھ دیر کے لیے چپ ہوئی، اسے یاد آیا کہ عیسیٰ اس سے اپنا کوئی ذاتی مسئلہ شیئر کرنا چاہتا تھا۔اب وہ سوچ میں تھی کہ خود بات شروع کرے یا عیسیٰ کو کرنے دے۔

"کسی طرح یہ الجھن سلجھ جائے، تو زندگی آگے کو رواں ہو۔بعض معاملے الجھی گرہوں جیسے ہوتے ہیں، خود تو سلجھتے نہیں، دوسرے بھی معاملات پر بھی اثر انداز ہوتے لگتے ہیں۔" وہ جیسے بہت مایوس ہو کر بولا تھا۔

"کیا صہیب کا مسئلہ بھی گھر کے باقی معاملات پر اثر ڈال رہا ہے؟" تانیہ نے سلجھے طریقے سے پوچھنا شروع کیا کہ ظاہر ہے عیسیٰ نے گپ شپ کے لیے تو کال نہیں کی ہوگی۔پھر اس سے تو وہ ایک ڈاکٹر سمجھ کر ہر بات ڈسکس کرتا تھا۔تانیہ کا سوال پوچھنا اسے ذاتیات میں دخل نہیں لگ سکتا تھا۔

"جی، کچھ ایسا ہی ہے۔" وہ ذرا جھجکا۔

"پلیز آپ کھل کر بتائیے۔میرے لیے سمجھنا اور مشورہ دینا آسان ہو جائے گا۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"میں گھر میں سب سے بڑا ہوں، دو چھوٹی بہنوں کی شادیاں ہو چکی ہیں۔صہیب سب سے چھوٹا ہے۔بابا کے جانے کے بعد گھر، خاندان بلکہ علاقے کی سب ذمہ داری مجھ پر ہے۔بہت سال ان تمام معاملات کو سمجھنے میں لگا دیے۔پر اب جب وہ حالات قابو میں آئے تو صہیب کا مسئلہ شروع ہو گیا۔میری والدہ میری شادی کے لیے پریشان رہتی تھیں لیکن صہیب نے اچانک ہی ایسے حالات بنا دیے کہ ہم سب کو اب اس کی شادی کا معاملہ اہم لگ رہا ہے۔اِدھر وہ ہے کہ کچھ سننے کو تیار نہیں۔دوسری طرف خاندان کی کچھ فیملیز ہیں، جہاں میری شادی کا معاملہ ڈن کرنے کی بات ہے۔"

"آپ کی شادی میں اگر رکاوٹ کوئی نہیں تو کر لیجیے، بنا دوسرے معاملات کو دیکھے۔"

"جی، آپ صحیح کہہ رہی ہیں لیکن یہاں بات

میرے مسئلے کی آجاتی ہے۔"

"آپ کا مسئلہ؟"

"وہی جو آپ سے کہا تھا۔"

"جی جی مجھے یاد ہے۔" تانیہ نے تصدیق تو کی لیکن دل میں حیران ہوئی کہ وہ بات تو کچھ ہنسی مذاق سے متعلق تھی۔

"دراصل میرے قریبی رشتہ داروں میں سے تقریباً ہر گھر میں میری ہم عمر کزن موجود ہے، اور سب ہی گھرانے رشتہ دینے میں دلچسپی رکھتے ہیں لیکن۔ یہیں سے میرا مسئلہ شروع ہوتا ہے۔"

"جی جی آپ بتاتے جائیے۔"

"ایکچوئلی، سولہ برس کی عمر سے ہی مجھ پر خاندان برادری کی ذمہ داریاں آن پڑی تھیں۔ گاؤں کا سردار ہونے کی بنا پر ہر جگہ عزت دی جاتی ہے۔ وہ سب ہی رشتہ دار جن میں ماموں تایا چچا وغیرہ شامل ہیں، بیٹی دینے پر ممنون دکھائی دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ کزنز لڑکیوں کے رویے میں بھی یہی ممنونیت جھلکتی ہے۔ کسی طرح میں کسی کے لیے ہاں کہہ دوں اور وہ تمام عمر میری ممنون احسان رہیں۔"

"ہوں......اچھا......" وہ بات سمجھ میں نہ آنے پر بھی سر ہلائے گئی۔

"اور...... مجھے ایسی شریک حیات کی تلاش ہے جو مجھ پر رعب جمائے۔"

"ہیں......؟" اس نے بری طرح چونک کر آنکھیں پھیلائیں اور منہ سے بے ساختہ ہی ہیں نکل گیا۔ جواباً عیسیٰ ہنسا تو بس کچھ ہی دیر تانیہ نے خاموشی کا وقفہ دیا پھر وہ بھی ہنستی چلی گئی۔

"میں نے کہا تھا نا...... آپ ہنسیں گی۔" عیسیٰ نے مصنوعی غصہ سے منہ پھلایا لیکن وہ بے فکری سے ہنستی ہی رہی۔

"سوری......لیکن جتنا صہیب کا مسئلہ انتہا کا سنجیدہ ہے، آپ کی پرابلم اتنی ہی غیر سنجیدہ ہے۔"

"مانتا ہوں یار، اسی لیے...... آں سوری...... وہ "یار" کہنے پر بیچ راہ میں جھینپ کر رک گیا۔"

"کوئی بات نہیں، آپ آرام سے اپنا نقطہ نظر بتائیے۔"

"میرے پاس اپنی اس شرط کی کوئی ٹھوس وجہ نہیں، بس میں اس کلف لگی زندگی سے بے زار ہوں، میں اپنی ذاتی زندگی کو باہر کی فارمل زندگی سے قطعی مختلف بنانا چاہتا ہوں۔ میرے گھر میں، میرے روم میں مجھے سردار نہیں دوست سمجھا جائے۔ لیکن بلیوی، یہاں کوئی ایسا نہیں جس سے ایسی توقع کی جائے۔ مجھے ان کے کم پڑھا لکھا ہونے پہ کوئی اعتراض نہیں ہے کیونکہ ذہنی ہم آہنگی کہیں بھی ہو سکتی ہے۔ بس میں اتنا جانتا ہوں۔ ان میں سے کوئی بھی فیوچر میں میری دوست بننے کو تیار نہیں ہوگی۔"

"تو آؤٹ آف فیملی کوئی لڑکی آپ کی نظر میں ہے؟"

"جی نہیں۔"

"تو پھر آپ کے لیے ایسی لڑکی کون تلاش کرے گا؟"

"وہ کوئی مسئلہ نہیں، بس کوئی مجھے اجازت تو دے۔"

"کوئی۔ یعنی آپ کی والدہ؟"

"جی، بس ان ہی کا مسئلہ ہے۔"

"آپ نے اپنی شرط انہیں بتائی؟"

"شرط تو نہیں۔ ہاں یہ کہا ہے کہ مجھے خاندان میں بیاہ نہیں کرنا۔"

"پھر......؟"

"بس خفا ہو گئیں کہ تم بھی صہیب کی طرح چھوڑو کوئی شوشا۔"

"اوہ......" تانیہ نے ہنسی دبائی۔

"تو بتائیے۔ کیا کروں میں؟"

"رئیلی، مجھے فوری طور پر تو بالکل سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا مشورہ دوں، لیکن اگر کچھ ٹائم ملے

جائے تو.....؟"

"او شیور...... یہ معاملہ ویسے بھی ایمرجنسی نوعیت کا نہیں ہے۔ آپ آرام سے سوچ بچار کرلیں۔"

"شکریہ...... میں ان شاء اللہ دو، تین تک دوبارہ بات کرتی ہوں۔"

"او کے۔ اللہ حافظ!" عیسیٰ نے بھی کال آف کردی۔ جبکہ تانیہ اس کے بعد بھی دیر تک عیسیٰ کے ہی معاملے کو سوچے گئی۔

☆☆☆

"سوات کی گرمیاں گھر سے نکلنے گھومنے پھرنے کے لیے جتنی آئیڈیل ہیں، ہم سب اُس حساب سے بہت سست ہیں... جی۔"

رمشہ انہیں لیے کچن میں آگئی تھی۔ ساتھ ساتھ میکرونیز بناتے اور چائے پیتے وہ قریب آدھے گھنٹے سے خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔

"بالکل صحیح کہتی ہو...... میں تو خصوصاً دھکا دے کر نکلنے والوں میں سے ہوں۔" وسیلہ مسکرا دی۔

"تحریم کو بھی لانا تھا۔ وہ تو بالکل ہی نہیں نکلتی۔"

"وہ تو نکلنے کے لیے ہر دیوار پھاند لینا چاہتی ہے۔" ایلیا زور سے ہنسی "لیکن اپنے سڑو بھیا انسپکٹر لگے ہیں نا ان پر۔"

"اچھا، ویسے میرے انسپکٹر بھائی بہت نرم دل کے ہیں۔" رمشہ نے مسکرا کر یاد دلایا تو ایلیا اور وسیلہ دونوں شرمندہ ہوگئیں۔

"تمہیں بھی یہی مثال ملی تھی۔" وسیلہ نے ہنس کر ایلیا کو دھپ لگائی تو اس نے زبان دانتوں میں دبائی۔

"بھئی! میرا مطلب ہے، وہ انسپکٹر ہو کر بھی عہدے کا رعب جما نہیں پاتے۔"

"نہیں خیر، رعب تو ہے۔" وسیلہ بالکل بے ساختہ بولی تو رمشہ اور ایلیا نے رک کر پلٹ کر اسے دیکھا۔ وسیلہ کی نظریں ملیں تو بری طرح جھینپ گئی۔

"میرا مطلب ہے۔"

"مطلب وطلب رہنے دو اور یہ گرما گرم کافی انسپکٹر بھیا کو اُدھر۔ بائیں ہاتھ کی بالکنی میں دے آؤ۔ آپ کے منتظر بیٹھے ہیں۔" رمشہ نے ایک بڑا کپ اسے تھما کر رخ موڑا تو وہ بھی دوپٹہ سیٹ کرتے بنا کوئی تبصرہ کیے باہر نکل آئی۔

اب منصب نے گھر بلایا تھا تو یقیناً بہن کو بتایا ہی ہوگا کہ وہ وسیلہ سے کوئی بات کرنا چاہتا ہے۔

بائیں ہاتھ پر لاؤنج میں ہی بالکنی کا دروازہ تھا۔ گلاس وال بالکنی کے شیشے اور پردے مکمل ہٹے ہوئے تھے۔ باہر ڈھلان اور سامنے کی پہاڑی کا نظارہ یہاں سے بہت واضح اور بھلا معلوم ہو رہا تھا...... منصب لکڑی کی کرسی پر بیٹھا تھا ہاتھ میں موبائل لے رکھا تھا۔ وسیلہ کی آمد پر سلام کرتے مؤدب سا اٹھ کھڑا ہوا۔

"وعلیکم اسلام۔"

"شکریہ۔" وسیلہ سے کافی کا مگ لیتے اسے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"سوری!" آپ کو یہاں تک زحمت دی۔

"کوئی بات نہیں، ویسے بھی نکلنا تو پڑ جاتا ہے، آنا جانا کہاں رک سکتا ہے۔ جیسے اس روز دادی وغیرہ اچانک آگئے۔"

"وسیلہ! مجھے دراصل اسی بارے میں ہی بہت کچھ پوچھنا تھا۔ دل میں بہت سے سوال تھے۔ سمجھ نہیں آرہی تھی بات کو کہاں سے شروع کیا جائے۔"

"جی، میں بھی اس بارے میں کھل کر بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"دراصل میں ارحم خان کی فیملی، ہم، آپ کہیں نہ کہیں تینوں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں تو یہ بات حیرت میں ڈالتی ہے۔"

"زیادہ حیرت مجھے اس بات پر ہوتی ہے کہ

ہماری ان سے رشتہ داری تو ہے لیکن جان پہچان بالکل نہیں۔" وسیلہ نے مزید کہا۔

"ہاں، یہ کچھ عجیب ہے... تو ایسا کیوں؟"

"میرے بابا جان نے امی سے پسند کی شادی کی تھی۔ اور حویلی میں اس فیصلے کو پسند نہیں کیا گیا بس پھر کچھ اسی وجہ سے دوریاں بڑھیں اور۔"

"جی جی سمجھ سکتا ہوں۔ اور سوری آپ کے پرسنل معاملات میں ڈسکس نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

"کوئی بات نہیں، دراصل میں خود جاننا چاہتی تھی کہ ارحم وغیرہ کیسے لوگ ہیں، کیونکہ باوجود رشتہ داری کے ہم اجنبی ہیں۔"

"لیکن مجھے یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اچانک دوبارہ سے کیسے۔"

"جی، وہ تو ارحم ایک دن اچانک ہی ہمارے گھر آگئے۔ انہوں نے کہا کہ برسوں پرانی رنجشوں کو بھول کر دوبارہ ایک ہو جانا چاہیے۔"

"تو آنٹی کا کیا کہنا ہے اس بارے میں۔ کیونکہ برسوں پہلے جو کچھ ہوا، وہ زیادہ بہتر جانتی ہیں۔"

"ان کا تو صرف اتنا ماننا ہے کہ اگر دادی بھی یہی چاہتی ہیں تو انہیں کوئی اعتراض نہیں، کیونکہ دادی کے کہنے پر ہی تو گھر چھوڑا تھا۔"

"اور..... یہ نئی بات؟" منصب کا اشارہ رشتہ مانگنے والی بات کی طرف تھا۔

"امی کہتی ہیں، تمہارے بابا کی اتنی جائیداد ہے، اس طرح وہ ہمیں واپس مل جائے گی۔ اور ماموں کے فالج کا باہر ملک میں علاج ہو پائے گا۔"

"لیکن جائیداد تو حق ہے، اور بنا شادی وغیرہ کے۔"

"میں نے بھی یہی کہا۔" وہ سر جھکا گئی۔

"جی... تو..."

"وہ کہتی ہیں اگر شادی سے انکار کر دیا تو اتنی مشکل سے قریب آتے رشتوں میں قربت سے پہلے پھر دوریاں پیدا ہونے لگیں گی اور یہ بھی ہو سکتا ہے وہ جائیداد دینے سے بھی ہچکچانے لگیں۔"

"آپ تو خود وکیل ہیں۔ بابا کے حق کے لیے کیس۔"

"یہی سب تو امی ہونے نہیں دینا چاہتیں۔ کہتی ہیں بات مقابلے اور ضد کی آگئی تو کیا فائدہ فاصلے مٹانے کا، وہ کہتی ہیں، پرانی رنجشیں مٹانے کے لیے نئے رشتے جوڑنا خاندانوں میں معمول کی بات ہوا کرتا ہے۔ نہ صرف دل صاف ہو جاتے ہیں بلکہ محبت کے رشتوں میں اور زیادہ مضبوطی آتی ہے۔"

"ان کی بات سے انکار نہیں، یہ سب اسی طرح ہوتا آیا ہے۔ لیکن وسیلہ پھر ہم...؟"

منصب نے صاف گوئی سے فوراً اپنے دل کی بات رکھی جبکہ خیالوں میں اکثر وہ یہ سوچتا تھا کہ یہ مرحلہ شاید ایسی سہانی راہوں میں آگے کہیں بہت دور پڑتا ہے۔ اور شاید کہ ایسا ہی تھا، وسیلہ کی جھکی پلکیں، خاموش لب بتاتے تھے کیا اسے یہ بات سننے کے لیے یہاں تک خود چل کر آنا چاہیے تھا۔

"میں معافی چاہتا ہوں وسیلہ، یہ میری زندگی کا انتہائی اہم قدم اس طرح اٹھانے کا نہیں تھا۔ آداب محبت کے تحت خلاف ہے کہ آپ مطلوب کو اپنی جانب بلائیں، بجائے اس کے جایا جاتا ہے۔"

"کوئی بات نہیں، ہم اس بات کو اگنور کر کے آگے بڑھ سکتے ہیں۔" وسیلہ نے مسکرا کر اس کی آپ جناب کا بار کم کرنے کی کوشش کی۔ اس بار منصب بھی ہلکا پھلکا ہو کر ہنس دیا۔

"مجھے یقین ہے فیوچر میں "انڈر اسٹینڈنگ" ہمارا پرابلم کبھی نہیں بنے گی۔"

منصب کو اس کی موجودگی میں وضاحتیں کم سے کم دینا پڑتی تھیں، وہ بنا کہے تقریباً سب سمجھ لینے کی اہلیت رکھتی تھی۔ فیوچر کے ذکر پر البتہ اٹھتی

پلکیں پھر بنا اٹھے ہی رہ گئیں تو منصب کو ایک بار پھر اپنی کوتاہی نے ماتھا پیٹنے پہ مجبور کیا۔

"اللہ تمہیں پوچھے منصب۔"

"ہوں؟" وسیلہ نے چونک کر سر اٹھایا۔

"سب سے پہلے مجھے آپ سے آپ کی مرضی پوچھنا تھی وسیلہ، لیکن میں برابر کچھ نہ کچھ ایسا کہے جا رہا ہوں جیسے باہمی تعلقات دوطرفہ کی بنیاد پر ہوں۔"

"آپ پولیس میں آنے سے پہلے خبریں پڑھتے تھے۔" وسیلہ نے ہنسی دبا کر پوچھا لیکن منصب نے کھل کر قہقہہ لگایا۔

"مجھے بھی اپنے آدھے جملے کے دوران ایسا لگا جیسے میں خبرنامہ نشر کر رہا ہوں، میں نے کہا نا، ہمارے بیچ انڈر اسٹینڈنگ نہ ہونے کا ایشو بھی نہیں آسکتا۔ لیکن ہاں۔" اس نے پھر چونک کر سر جھٹکا "ہر بات سے پہلے مجھے آپ کے خیالات جاننا ہیں، میرا مطلب ہے، میں میمونہ کو رشتہ بھیجنے کے لیے بلوانا چاہتا ہوں، اگر آپ کی اجازت ہو تو ارحم خان سے پہلے میری بہنیں رشتہ لے کر آسکتی ہیں۔"

"مجھے ارحم خان کے رشتے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میرے لیے وہ سب انجان ہیں، پھر امی سے دور جانے کو دل نہیں مان رہا۔ میانہ تم ہی میرا وطن ہے۔ گھر چھوڑنے کے ساتھ ساتھ یہ جگہ بھی چھوڑنی پڑ جائے، اس کے لیے دل تیار نہیں ہوتا۔" وہ سر جھکائے وضاحت کے انداز میں ارحم کے رشتے پر اعتراض کر رہی تھی۔ منصب نے چہرا سنجیدہ رکھتے اسے بولنے دیا۔

"بس... ؟" ایک لمبے وضاحتی بیان کے بعد منصب نے ہلکا سا مسکرا کر جواباً اتنا ہی کہا۔

"ہمارے بیچ انڈر اسٹینڈ کرنے کا تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" اس نے معنی خیز لہجے میں اسی کی بات یاد دلائی۔ چہرا ہلکی مسکراہٹ سے شگفتہ ہو رہا تھا۔

"پیدائشی وکیل لگتی ہیں۔" وہ ہنس دیا۔

"بات نکلوانے کا ہنر تو آپ کے پیشے کا بھی حصہ ہے۔

کچھ باتوں کا حسن نکلوا کر معلوم کرنے میں نہیں ہوتا۔"

"جی، یہ میں بھی مانتی ہوں۔ جذبوں کی سچائی دل سے دل تک اپنے آپ پہنچتی ہے۔"

"نہیں، یہاں اس میں چھوٹا سا ایک مسئلہ ہے۔" منصب نے دو انگلیوں سے چھوٹے کا اشارہ کیا۔ وسیلہ خاموشی سے دیکھے گئی۔

"دل سے دل تک پہنچنے میں آسانی تب ہوتی ہے جب جذبہ دونوں طرف ایک جیسا ہو۔ جہاں ایک دل جھکنا نہ چاہے، وہاں دوسرے کا جذبہ بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ ٹھیک ہے کہ دل جیتنا بھی ایک ہنر ہوتا ہے۔ بعض اوقات ایک طرف کی محبت دوسرے کا دل تھوڑا وقت لگا کر ہی بہرحال فتح سے ہم کنار ضرور ہو جاتی ہے۔ لیکن ایسا ہمیشہ نہیں ہوتا۔ یہ راہیں بہت کٹھن ہیں، یہاں راستے ہموار کم پر پیچ زیادہ ہوتے ہیں۔ خود کو کسی دھوکے سے بچانے کے لیے توازن برقرار رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ میرا آپ کو بلانا بھی ایسی ایک کوشش سمجھ لیں وسیلہ۔ ... میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ ایسے معاملات میں دل دھوکوں کی زد میں آنے کو جیسے تیار کھڑا ہوتا ہے۔ جبکہ زندگی کے باقی ہر معاملے میں بھی ہم ہوتے ہیں کہ بڑے ہی زیرک معاملہ فہم اور حقیقت پسند دکھائی دیتے ہیں لیکن یہاں آکر اپنی بسائی دنیا کا فریب ہماری عقل، سمجھ پر اندھے پن کی پٹی باندھ دیتا ہے۔ آج آپ مجھے مایوس کر دیتیں تو فیصلہ کرنا، پیچھے ہٹنا تکلیف دہ سہی پر سہل ضرور ہو جاتا۔"

"لیکن میری فیملی کو منانا..... ؟"

"وہ میں کر لوں گا ان شاء اللہ.. اور.." وہ ذرا دیر کو رکا۔

"آپ کی وکالت کس دن کام آئے گی۔ جرح کیجیے بیرسٹر صاحبہ! کچھ تو ہونے والے پارٹنر کا بوجھ ہلکا کرنے کی کوشش ہونی چاہیے۔" اب وہ مسکرا رہا تھا۔ سر سے کتنا بڑا بوجھ ہٹا تھا وسیلہ کے

جوابی اظہار سے۔

"میں جاؤں......؟" وہ اٹھنے لگی۔

"وسیلہ......" منصب نے بے اختیاری پکار لیا تو وہ اٹھ نہیں پائی۔ منصب کے بلانے میں نجانے کیا تھا اس کی نظریں اوپر نہیں اٹھ سکیں۔

"مجھے شدت سے انتظار رہے گا اس دن کا جب یہیں اسی بالکنی میں مسز منصب اپنے ہاتھوں سے بنائی کافی لیے یہاں آکر بیٹھا کریں گی۔ پھر اس خوشگوار گرماہٹ سمیت ہم آنے والی زندگی کا ہر موسم ایک ساتھ انجوائے کریں گے۔"

"ان شاء اللہ۔" وہ ہنس کر کہتے اس بار رکی نہیں۔ منصب مسکرا کر اسے جاتے دیکھتا رہا۔ آنکھوں میں مستقبل کا اتنا سہانا سپنا سجا تھا کہ اس لمحے وہ پلکیں تک جھپکنا نہیں چاہتا تھا۔

☆☆☆

وہ آج صبح سے ہی بستر سے نہ نکلی تھی۔ گلا خراب ہوا تو ہلکی سی حرارت بھی ہو گئی۔ امی نے ماتھا چھوتے ہی صاف منع کر دیا کہ آج وہ اسے ہرگز کلینک نہیں جانے دیں گی۔ اور جب امی انکار کر دیں تو کیسے ممکن تھا کہ وہ اپنی مرضی چلاتی۔ لہٰذا سوئی ہی رہی۔ البتہ امی کی کوششوں سے ہی اب سہ پہر آنے تک وہ بالکل فٹ اور فریش محسوس کر رہی تھی۔ تب ہی موبائل ہاتھ میں لیے برآمدے میں آ بیٹھی۔ کرسی کی پشت سے سر ٹکائے آنکھیں موندے وہ یونہی بیٹھی تھی جب موبائل پر کال آنے لگی۔ روشنی کی وجہ سے اسے نام دکھائی نہ دے رہا تھا۔ بس بنا سوچے ہی کال اٹینڈ کر لی

"السلام علیکم ڈاکٹر تانیہ!" ایک مردانہ آواز نے بڑی بے تکلفی سے اس کا نام لیا تھا۔ وہ چونک کر سیدھی ہو بیٹھی۔ ذہن اس آواز پر غور کر رہا تھا

"مجھے لگا تھا شاید اب تک آپ نے میرا نمبر، میرے نام سے ضرور سیو کر لیا ہوگا۔" اس کے جواب نہ دینے پر آگے سے مزید کہا گیا تو اس مرتبہ تانیہ نے بھی آواز پہچان لی۔

"اوہ آپ۔ سوری وعلیکم السلام۔" وہ ہنس دی۔ "ایکچوئلی میں باہر بیٹھی ہوں۔ موبائل اسکرین دکھائی نہیں دے رہی تو۔"

"صحیح، صحیح۔" صیبی کی فی الفور تسلی ہوئی۔ "تو...... سب خیریت...... طبیعت وغیرہ ٹھیک ہے آپ کی؟" صیبی نے کسی قدر تشویش سے استفسار کیا۔

"آپ کو کیسے پتا؟" وہ حیران ہو کر پوچھ بیٹھی جس پر صیبی ہنس پڑا۔

"آپ کو پتا ہے میں اس وقت کہاں سے بول رہا ہوں۔"

"جی......؟" وہ کچھ نہیں سمجھی۔

"جناب میں اس وقت آپ کے بند کلینک کے سامنے کھڑا اس بات پر افسردہ و پشیمان ہو رہا ہوں کہ اتنی دور سے میرا یہاں آنا بے کار چلا گیا۔"

"اوہ......" تانیہ نے بے ساختہ اپنے منہ پہ ہاتھ رکھا۔ وہ بھی کتنی بدھو اور ایکدم غائب دماغ بنی بیٹھی تھی۔ یہ وقت اس کے کلینک میں بیٹھنے کا تھا۔

"سوری وہ آج گلے کے درد اور بخار کی وجہ سے گھر پر ہوں۔ معافی چاہتی ہوں آپ کو ناحق تکلیف اٹھانا پڑی۔"

"کوئی بات نہیں، اور یہ بتائیں، آپ کی طبیعت اب کیسی ہے؟" وہ اب اپنی گاڑی میں بیٹھ کر اسے دوبارہ اسٹارٹ کر چکا تھا۔

"جی الحمدللہ۔ امی نے اسٹیم، جوشاندہ، غرارے ٹائپ ہر ٹوٹکا آزمایا ہے مجھ پر۔ ٹھیک تو ہونا ہی تھا۔" وہ ہنس پڑی۔

"چلیں شکر ہے۔ یہ تو اچھا ہوا۔"

"جی لیکن مجھے افسوس ہے کہ آپ کو بلاوجہ تکلیف اٹھانی پڑی۔"

"ارے، ایسی کوئی بات نہیں۔ یہاں قریب میرا ایک دوست رہتا ہے۔ میں نے اس کو کال ملائی تھی، وہ گھر پر موجود ہے، میں ابھی اس سے ملنے جا رہا ہوں۔"

"اوہ اچھا۔ یہ تو ٹھیک ہو گیا پھر۔" اسے ایک گونہ تسلی ہوئی "اور صہیب ٹھیک ہیں؟"

"جی، میں یہی بتانے کے لیے آیا تھا۔ ابھی پچھلے روز باتوں باتوں میں، اس سے آپ کا ذکر کیا۔ میں نے اس سے کہا کہ اپنے ایک دوست کے کسی مسئلے کے سلسلے میں میری ڈاکٹر تانیہ سے اتفاقاً ملاقات ہوئی اور مجھے لگتا ہے کہ تمہیں بھی ایک بار ان سے ملنا چاہیے کیونکہ وہ ایک بہت اچھی مشیر ہیں۔ اور اچھی بات یہ ہے کہ وہ مان بھی گیا ہے۔"

"یہ تو اچھی بات ہے، آپ مجھے بتا دیجیے کہ مجھے کن باتوں کا خیال رکھنا ہوگا۔"

"سب سے پہلے تو یہی کہ آپ اس کی زبانی اس کے حالات سنیں گی۔ اس پر یہ ظاہر نہیں کرنا کہ آپ کو پہلے سے سب معلوم ہے۔"

"جی، وہ میں سمجھ گئی، ایسا ہی ہونا چاہیے۔"

"باقی تو...... عیسٰی سوچ میں پڑ گیا" "آپ ہی بہتر بتا سکتی ہیں کہ کن باتوں کا خیال رکھنا ہوگا۔"

"آپ بے فکر رہیں، میں ان شاء اللہ اچھی طرح سنبھال لوں گی۔"

"جی مجھے یقین ہے۔" عیسٰی کے لہجے میں بھرپور اعتماد تھا۔

"بہت شکریہ!" وہ ممنون ہوئی "اور۔ باقی سب خیریت رہی اتنے دنوں؟"

"جی، بس وہی ...... امی اور میری بحث......"

وہ ہنسا تو بات تانیہ کی بھی سمجھ میں آ گئی۔

"لاحاصل بحث...؟" تانیہ نے بھی شرارت سے جملہ جوڑا۔

"جی قطعی لاحاصل. ....پھر آپ نے بھی تو کوئی عمدہ مشورہ نہیں نکالا اپنے دماغ سے۔" وہ بے ساختہ شکوہ کر بیٹھا۔

"اصل میں آپ کا مسئلہ یہ ہے کہ آپ کے پاس دوسرا کوئی آپشن بھی نہیں ہے امی کو بتانے کے لیے۔"

"ہوں، پھر تو لگتا ہے مجھے ہی شوشا چھوڑنا پڑے گا۔"

"یعنی؟"

"امی کو لگتا ہے کہ اگر خاندان میں نہیں کرنا چاہتا تو پھر باہر سے کم از کم کوئی لڑکی تو ظاہر کروں۔"

"ایگزیکٹلی مجھے بھی ایسا لگ رہا ہے۔" وہ شوخی سے ہنسی۔

"تو ٹھیک ہے، پھر میں آج ہی انہیں ایک نام دے دیتا ہوں۔"

"کوئی فیک (جھوٹا) نام؟" وہ چونکی۔

"تانیہ سرفراز کوئی فیک نام تو نہیں۔"

"جی؟" اس کا گلا خشک ہوا۔

"کوئی اعتراض تو نہیں آپ کو؟"

"لیکن آپ......" وہ بری طرح اٹک گئی۔ عیسٰی کی بات قطعی غیر متوقع تھی "آپ کو سوچ بچار کے بعد۔"

"آپ کی بات درست ہے تانیہ کہ ایسا پروپوزل بنا سوچ بچار کے سامنے نہیں رکھنا چاہیے۔ لیکن آپ جانتی ہیں میں نے آپ کا نام کس وجہ سے لیا؟"

"کس وجہ سے؟" اس کی آواز نہایت گھٹی ہوئی سی تھی۔

"زندگی میں کچھ واقعے بنا وقت لیے انکشاف جیسے داخل ہوتے ہیں۔ میرا گھر سے نکلنا، یہاں تک آنا سراسر ایک معمول کی کارروائی تھی لیکن یہاں پہنچنے پر جب میری نظر تالے پر پڑی تو ایک دم ہی اندر کسی کمی اور مایوسی کے احساس نے بہت شدت سے غلبہ پایا۔ مجھے اس وقت خیال آیا کہ جس کام کے لیے میں اتنی دور سے اتنا سفر کر کے آیا ہوں، وہ تو ایک فون کال پر بھی ہو سکتا تھا، لیکن میں نے یہاں تک آنے کے لیے خصوصی وقت نکالا۔ البتہ یہ حقیقت نہ مل پانے کی مایوسی کے بعد مجھ پر کھلی کہ دراصل یہ احساس ہے کیا۔"

"لیکن اگر آپ کچھ وقت لے لیتے۔"

"کیوں...... کیا آپ کو لگتا ہے آپ اپنے پارٹنر کی اچھی دوست نہیں بن سکتیں؟" عیسٰی اب مسکرا رہا تھا۔

"پتا نہیں۔" اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ کال کاٹ دی۔ پتا نہیں عیسٰی یہ بات کو کہاں لے گیا تھا۔ پتا نہیں یہ سب ہونا چاہیے تھا؟ پتا نہیں۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆

فرح بخاری

شام شہر ہجر

میانڈم کا گھرانہ ہے جہاں ایک گھر میں دو خاندان رہتے ہیں۔ رضوانہ کی تین بیٹیاں ہیں۔ شوہر مر چکے تھے نادر۔ بھاوج ہیں ان کا ایک بیٹا ہے مومن جس کی منگنی رضوانہ کی بیٹی تحریم سے طے تھی۔ وسیلہ نے ایل ایل بی کیا تھا لیکن اس کی بیماری کی وجہ سے پریکٹس نہیں کر سکی تھی۔ چھوٹی ایلیا کالج کی طالبہ ہے۔

تھانہ میں حویلی میں رہنے والی دادی منصب پر بہت مہربان ہیں وہ ان کے منشی کا بیٹا ہے۔ حویلی میں کوئی اس کا آنا پسند نہیں کرتا۔ دادی اس کی تعلیم کا خرچہ اٹھاتی ہیں وہ پولیس آفیسر بن جاتا ہے اس کا ٹرانسفر میانڈم ہو جاتا ہے۔ منصب کی دو بہنیں ہیں میمونہ اور رمشہ، میمونہ شادی شدہ ہے۔

حویلی میں رہنے والی شہناز اور کمال خان کا بیٹا ارحم ہے جو ضدی اور بددماغ سا ہے۔ شہناز بی بی کی بہن گلناز ہے جو نیم پاگل ہے۔ ارحم شادی کرنا چاہتا ہے۔

رضوانہ اور عدرت مومن کے ساتھ شاپنگ پر جاتی ہیں دو گاڑیوں میں قافلہ جاتا ہے ایک گاڑی وسیلہ اور دوسری مومن چلا رہا ہے۔ راستے میں بارش اور طوفان کا سامنا کرنا پڑتا ہے منصب بھی اس طوفان کا شکار ہوتا ہے۔

وسیلہ اور منصب اس طوفان میں ملتے ہیں۔ اتفاقاً وسیلہ ایک پتا پوچھتے منصب سے ٹکراتی ہے وہ اسے مختصر راستے سے اپنے گھر لے کر جاتا ہے۔ لیکن وہ اس پر شک کرتی ہے بعد میں اسے منصب کے گھر اسی پتے کی غرض سے جانا پڑتا ہے وہ شرمندہ ہوتی ہے۔
تحریم کی شادی میں وسیلہ منصب اور رمشہ کو انوائٹ کرتی ہے۔ منصب اور رمشہ کو وسیلہ اچھی لگتی ہے تحریم اور مومن پوری فیملی کے ساتھ کالام گھومنے جاتے ہیں اسی سفر میں وسیلہ اور منصب کی پھر ملاقات ہو جاتی ہے۔

چوتھی قسط

"وسیلہ صحیح کہہ رہی ہے امی! آپ عجلت میں کوئی فیصلہ مت کریں۔" تحریم نے ماں کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا

"وادی وغیرہ کا ہم سے ملنا، دونوں خاندانوں کا پھر سے ایک ہونا بہت خوش آئند ہے لیکن یہاں بات وسیلہ کے دل کی بھی ہے نا۔ خاندان انسانوں سے مل کر بنتے ہیں اور انسان، کوئی لکڑی گتے کے بلاک نہیں کہ کہیں بھی اٹھا کر فٹ کر دیے۔ انہیں ہم سے صلح کرنی ہے، رابطے بحال کرنے ہیں تو شادی وغیرہ سے اسے مشروط کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ منصب اور ارحم کے رشتوں پر بنا ذہن پر کوئی دباؤ محسوس کیے سوچ بچار کریں۔ ہمیں وسیلہ کے لیے جو لڑکا مناسب لگا ہم اسے ترجیح دیں گے اور وسیلہ کی مرضی کو بھی اہمیت دیں گے۔

مومن کہتے ہیں وسیلہ کی اب تک کی زندگی ہمارے سامنے ہے۔ ہماری بچیاں پڑھنے کے لیے باہر بھی نکلتی رہی ہیں، ہزار طرح کے لوگوں سے ملنا جلنا بھی رہا ہے۔ لیکن کبھی ان کے کردار میں کسی قسم کا جھول، کوئی اونچ نیچ نہ دیکھی نہ سنی۔ ایسے میں وسیلہ کا منصب کے لیے پسندیدگی ظاہر کرنا غلط نظر سے نہ دیکھا جائے، ضرور منصب میں ایسی کوالٹی ہوگی جس کی بنا پر وسیلہ ہمیں سوچنے کا کہہ رہی ہے۔"

"اچھا بابا، ٹھیک ہے۔" رضوانہ نے تحریم کی اتنی لمبی تقریر کے جواب میں ایک گہرا سانس لیا "منصب سے کہہ دو کہ اپنے گھر والوں کو لے آئے۔ میں شہناز بھابی سے بھی سوچنے کا وقت مانگ لیتی ہوں، ابھی رات ہی ان کی دوبارہ کال آئی تھی، کہتی ہیں اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی، اس لیے جلد از جلد ارحم کی منگنی اور شادی کر دینا چاہتے ہیں۔"

"ایک تو ان کا جلدی ڈالنا بھی مجھے بالکل ٹھیک نہیں لگ رہا۔ بندہ اگلے کو سنبھلنے کا موقع تو دیتا ہے۔ اتنا تو کسی سے ہوا نہیں کہ ہمیں ایک بار تھانہ آنے کی دعوت دے دیتے۔" تحریم برا سا منہ بناتے وہاں سے اٹھ گئی۔

اور رضوانہ پرسوچ انداز میں بیٹی کی بات پر غور کیے گئیں۔

دل نے کہا کہ ہاں، ایسا تو انہیں کہنا ہی چاہیے تھا۔

☆☆☆

"انکار..... مطلب واقعی صاف انکار؟" ارحم بولا تو لہجے میں مکمل بے یقینی تھی۔ موبائل سے اس کی توجہ ہٹ چکی تھی، اسے پلنگ پر پھینک کر وہ ماں کے قریب آیا۔ شہناز کا الگ چہرا اترا ہوا تھا۔ ہونٹوں کو بے چینی سے کاٹتے وہ ایک نقطے پر نظریں گاڑے بیٹھی تھیں۔

"وجہ کیا بتائی..... اور آپ نے جواباً کچھ نہیں کہا؟" ارحم کا اضطراب عروج پر تھا۔

"پہلے تو کچھ نہیں بتا رہی تھیں۔ بس یہی کہتی رہیں کہ ابھی وہ پڑھ رہی ہے اور ابھی سوچا نہیں وغیرہ۔ تو میں نے کہا، رشتہ کر دیتے ہیں۔ جب آپ کہیں گے تب شادی بھی کر دیں گے تو بہت سوچ بچار کے بعد پھوٹ ہی پڑیں کہ ایک دو رشتے اور بھی تھے تو ہم نے پہلے ہی ایک فیصلہ لے لیا تھا۔"

"کیسا فیصلہ؟" وہ بغور ماں کو سن رہا تھا۔

"منصب....." شہناز نے گہری نظر سے بیٹے کو دیکھا تو لہجے میں بہت کچھ تھا۔

"منصب....." ارحم کے نتھنے پھول گئے۔ تو اس روز وردی پہنے وہ اپنی بہن کو لینے ان کے دروازے پر یوں ہی نہیں آیا تھا۔ ارحم کی نظروں میں کچھ دن پہلے کا نقشہ پھر گیا۔

"اس منصب سے تو میں آپ نمٹ لیتا ہوں۔ آپ بس دو دن انتظار کریں۔" وہ موبائل اٹھا کر بنا رکے باہر نکل گیا۔ دماغ میں اس وقت کیا چل رہا تھا اس نے ماں سے ڈسکس کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

☆☆☆

"امی نے ہاں کہہ دی ہے۔" آنکھیں میچے شرماتے ہوئے ایموجی کے ساتھ جب یہ لکھا آیا تو منصب اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا ہوا صاحب؟" امین نے گھبرا کر سر کا چہرا

دیکھا جس پر پریشانی تو نہیں، کچھ پڑھ کر عجیب گلابی پن سا در آیا تھا۔

"آں ...... کچھ نہیں ......" منصب جھینپ کر دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ "امین یار...... چائے کا تو کہہ دو۔ بہت تھکاوٹ ہو رہی ہے۔" اس نے جلدی سے امین کو باہر بھیجا۔

واٹس ایپ کھول کر بار بار اس ایک لائن کو پڑھا۔ ابھی تو اس نے میمونہ کو تھانہ سے بلوایا بھی نہیں تھا اور وسیلہ نے اپنی ای کو قائل بھی کر لیا تھا۔

"تھینکس وسیلہ...... تھینک یو سو مچ، میں آج ہی میمونہ کو یہاں بلا لیتا ہوں۔" اس نے مسکرا کر ٹائپ کیا اور بہن کو کال ملا دی۔

☆☆☆

"نمک حرامی تمہاری گھٹی میں شامل تھی یا اس وردی اور سیٹ کے طفیل ملی ہے یہ آئی ہے؟" ارحم نے ایک پاؤں کرسی پر رکھتے جھک کر منصب کی آنکھوں میں دیکھا تو نہ کہیں خوف کا شائبہ تھا نہ ماحول کے رعب کی کوئی جھلک۔

منصب اپنے آفس میں اکیلا بیٹھا ایک فائل دیکھ رہا تھا، جب ارحم نے آتے ہی بنا آفس وغیرہ کے ماحول کو خاطر میں لائے خالص مالکانہ انداز میں منصب کو مخاطب کیا۔ منصب نے فائل پر سے سر اٹھا کر بغور ارحم کو دیکھتے اس کے جملے پر ٹھنڈے دل و دماغ سے رک کر سوچا۔

"تشریف رکھیں ارحم خان! ہم آرام سے بات کرتے ہیں۔" اس نے ہاتھ سے کرسی کی طرف اشارہ کیا لیکن منصب نے ٹھوکر سے کرسی کو پرے دھکیلتے دونوں ہاتھ کمر پہ رکھے۔ منصب کو گھورتا رہا۔

"وسیلہ جمال خان حویلی کی فرد وہاں کا ایک انگ ہے اور تم...... حویلی کے معمولی نوکر...... تم نے اسے اپنانے کی بات سوچی بھی کیسے۔"

"میں آپ کی حویلی کا نوکر کبھی نہیں رہا ارحم خان۔" منصب نے بمشکل خود پر ضبط کیا۔

"تمہارا باپ ہمارا نوکر تھا، یہ بات میں تمہیں کبھی بھولنے نہیں دوں گا۔ مجھے لفظوں کے ہیر پھیر میں مت الجھانا منصب!" ارحم نے دھاڑ کر کہتے انگلی منصب کی جانب اٹھائی۔

"اس بات سے کوئی انکار نہیں کہ میرے باپ نے برسوں حویلی کی خدمت کی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں نکلتا کہ وہ غلام تھے۔ جب تک بابا زندہ رہے آپ کے ہاں کام کرتے رہے اور اپنے کام کی تنخواہ پاتے رہے۔ ان کے بعد ان کی اولاد اپنے ہر قول و فعل میں آزاد ہے۔" منصب بھی اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا

"ہماری حویلی کو چھوڑ کر تم جہاں جو چاہو رشتہ کر سکتے ہو، میں کبھی آڑے نہیں آؤں گا۔"

"یہ تو پابند کرنا ہوا نا۔" اس نے ہاتھ سینے پر باندھے۔

"تم یہاں ایک بات بھول رہے ہو انسپکٹر منصب رضا۔" ارحم گھوم کر اس کے عین سامنے آ کھڑا ہوا تو آنکھوں میں ٹھنڈے شعلے بھرے تھے۔

"یہ جو وردی تم نے پہن رکھی ہے اور جس عہدے کے بل پر تم نے وسیلہ کا ہاتھ مانگنے کی جرات کی ہے، اس عہدے، اس سیٹ تک پہنچنے کے ایک ایک قدم پر لگی ایک ایک پائی ہم حویلی والوں کی مرہون منت ہے۔ ایمان داری سے دل پہ ہاتھ رکھ کر کہو آج تم فضلی نور ریز کے بیٹے تو ہوتے پر انسپکٹر منصب نہ ہوتے تو رضوانہ چچی کیا تمہیں وسیلہ کے لیے ہاں کہتیں۔

میری دادی نے تمہاری تعلیم کا الف سے یے تک کا خرچا خود نہ اٹھایا ہوتا تو آج تم کہاں کھڑے ہوتے؟ تو مسٹر منصب رضا آج نمک حرامی کر کے اگر تم اپنے باپ کی روح کو شرمندہ کرنا چاہتے ہو تو بے شک کرو، ہم آئندہ کسی پر احسان کرنے سے پہلے کم از کم سو بار سوچیں گے تو ضرور۔ جاؤ اور دکھا دو اپنی اوقات کہ تم جیسوں سے اور توقع ہی کیا کی جا سکتی ہے۔" ارحم نے زہر میں بجھے نشتر منصب کے سینے میں اتارتے ہاتھ سے دھکا دیا اور باہر نکل گیا۔

☆☆☆

اور پھر اس سے پہلے کہ تانیہ صہیب سے مل پاتی۔ ایک دن عیسیٰ کی والدہ تحائف سے لدی پھندی اُن کے ہاں رشتہ لے کر آ گئیں۔ تانیہ عیسیٰ کی جلد بازی پر حیران تھی۔ تانیہ نے کمرے میں آ کر فوراً ہی عیسیٰ کا نمبر ملایا، جبکہ باہر ڈرائنگ روم میں اس کی اور عیسیٰ کی امی ابھی موجود تھیں۔

"یہ سب کیا ہے؟"

"حیران ہیں یا غصہ؟" عیسیٰ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"آپ کچھ جلدی نہیں کر رہے؟"

"لیکن آپ نے ہی کہا کہ اگر کوئی بڑی رکاوٹ نہیں تو مجھے ہی بیاہ کر لینا چاہیے۔" اس کا لہجہ بہت لائٹ سا تھا۔

"ہاں لیکن میرے معاملے میں عجلت نہ کریں، آپ میرے متعلق جانتے ہی کیا ہیں؟" وہ ایک دم صاف گو ہوئی۔

"مجھے اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی، میرا خیال ہے آپ، ویسی ہی نظر بھی آتی ہیں جیسی ہیں۔ باقی کوئی بہت ذاتی معاملہ ہے تو اِٹس اوکے، رشتے آتے ہیں، انکار بھی ہو جاتا ہے آپ کو بھی حق ہے۔"

"ارے ایسی بات نہیں۔" وہ گڑبڑا پڑی۔

وہ واقعی کہیں اور کمٹڈ نہ تھی اور پھر عیسیٰ کا استقلال بہت مضبوط تھا۔ اسے اپنا کال کرنا بچگانہ محسوس ہوا۔

"تو پھر بڑوں کو نمٹانے دیں آپس میں، کیا خیال ہے؟" بڑے سادہ انداز میں پوچھا گیا۔ تانیہ نے ہوں کہہ کر مسکراتے ہوئے کال کاٹ دی۔

☆☆☆

"آ گئے تم...... کب سے تمہاری راہ دیکھ رہی تھی۔ مارکیٹ چلنا ہے، کچھ بہت ضروری سامان باقی ہے۔ میمونہ بھی بس تھوڑی دیر میں تھانہ سے نکل رہی ہے۔ اس کے پہنچنے سے پہلے نمٹا لیتے۔" رمشہ چادر اوڑھ کر اب پرس میں رقم ڈال رہی تھی۔ منصب نے بیلٹ اتار کر میز پر پھینکی۔ رسٹ واچ اتارتے رمشہ کا آخری جملہ رک کر سنا۔ ذرا دیر سوچا پھر ایک گہرا سانس باہر نکالا۔

"میمونہ کو آنے سے منع کر دو۔"

"ہیں... کیا مطلب... کیوں؟" وہ جاتے جاتے پلٹی۔

"ہم اب نہیں جا رہے۔"

"کیا کہہ رہے ہو، کہاں نہیں جا رہے؟" رمشہ چل کر نزدیک آئی۔

"میمونہ کیوں آ رہی تھی؟" منصب نے بگڑے لہجے میں الٹا اسی سے سوال کیا۔

"ہم رشتہ لے کر جانے والے ہیں وسیلہ کا۔ اور اس کی امی تو پہلے ہی مان چکیں۔" رمشہ کو منصب کا لہجہ ڈرا رہا تھا۔

"ہاں جانتا ہوں، سب مان چکے تھے، پر ہم پھر بھی نہیں جا رہے۔ مجھے وسیلہ سے شادی نہیں کرنی۔"

"کیوں منصب! کیا ہوا ہے؟" وہ ہکا بکا تھی لیکن منصب نے بھی سیدھے ارحم کی آمد کی تفصیل بتا دی۔

"ہوں!" رمشہ نے ایک گہرا یاسیت سے پُر سانس کھینچا اور اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ "تو ارحم خان نے اپنی اصلیت دکھائی اور تم نے اتنی آسانی سے ہتھیار ڈال دیے۔"

"میرے پاس اسٹینڈ لینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ وہ حق کی بات کر رہا ہے۔ وسیلہ سے اس کا خون کا رشتہ ہے جس کی بنا پر۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو منصب۔" وہ چڑ کر پلٹی۔ "وسیلہ انسان ہے کوئی مکان نہیں کہ ساتھ والوں نے شفعہ کر دیا ہے۔ اور تمہیں صرف اس بات پر دھیان دینا چاہیے کہ رضوانہ آنٹی نے ارحم کے رشتے پر تمہیں پرفر کیا ہے۔ اب ارحم کچھ بھی کہتا رہے، تمہیں پروا نہیں کرنی چاہیے۔"

"وہ کہتا ہے وسیلہ کا ہاتھ مانگنے کے لیے میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ نہ خاندان نہ دولت۔ اور جو ہے وہ حویلی کی دین ہے، اب تو یہی ہو سکتا ہے

رمشہ، کہ وسیلہ کی خاطر میں یہ جاب ہی چھوڑ دوں۔
کم از کم میرے ضمیر پر بوجھ۔"

"یہ تم کیسی عجیب باتیں کر رہے ہو۔ جاب چھوڑ دو گے۔" وہ چیخ ہی اٹھی "ابھی چند ماہ پہلے تمہیں اتنی بڑی خوشی ملی ہے۔ تم اس سے دست بردار کیسے ہو سکتے ہو۔ اور پھر۔ کرو گے کیا۔"

"میں کچھ کروں یا نہ کروں اُسے چھوڑو۔ یہ بتاؤ ارحم خان کے احسان سے پیچھا چھڑا کر جب میں وسیلہ کا ہاتھ مانگوں گا، کیا رضوانہ آنٹی اسے قبول کریں گی؟ بولو رمشہ!" منصب کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی اور رمشہ کے ہونٹوں پر چپ۔

"تو بس۔ یہی ہے ارحم خان کا وہ موقف جو میری سمجھ میں تو آ گیا لیکن تم سمجھنے کو تیار نہیں۔" وہ میز کو دھکا دے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "یہ اونچ نیچ، حسب نسب کا طبقاتی فرق مٹانا سب کتابی باتیں ہیں، اصل زندگی میں یہی ہماری اوقات ہے۔ یہی میری زندگی کی حقیقت۔ میں حویلی والوں کا مقروض ہوں اور مجھے اس احسان کی قیمت اگر وسیلہ سے دست بردار ہو کر چکانی ہے تو سمجھو، وہ میرے نصیب میں لکھ دی گئی تھی۔ ورنہ خود سوچو۔ چوبیس برسوں سے یہ لوگ ایک دوسرے سے دور تھے، تو ہمیں اچانک ایسے موقع پر کیوں آن ملے۔ سب میرے نصیب کی سیاہ بختی ہے۔"

وہ اس بار حتمی نتیجہ نکالتے باہر ہی نکل گیا۔ رمشہ نے اس کے قطعی انداز کو دکھ بھری نظروں سے دیکھا۔ اور حسرت سے بس اتنا سوچا کہ شاید وہ صحیح کہتا ہے، یہ خوشی شاید ہمارے نصیب میں نہیں تھی۔!

☆☆☆

"آپ کا فیورٹ کلر کون سا ہے؟" وسیلہ کا میسج منصب کے دل کو چیرتا ہوا نکل گیا۔

آنکھیں میچے وہ بڑی دیر تک اپنی جگہ پہ جم گیا۔ آخر یہ رمشہ ان کو بتا کیوں نہیں دیتی۔ وسیلہ ان کی آمد کی منتظر تھی۔ اس کے تو سان و گمان میں بھی وہ تلخ حقیقت کہیں نہیں تھی جس نے منصب کی پوری ہستی بے آباد کر دی تھی۔ اس نے موبائل دور کیا لیکن پھر بیپ بجی۔

"آپ ساتھ آئیں گے کیا؟" اس نے دیکھ لیا تھا منصب نے اس کا میسج پڑھ لیا ہے، تب ہی دوسرا میسج بھی لکھ دیا۔ اس بار بھی منصب لفظوں پہ نظریں جمائے بیٹھا رہ گیا۔

"میمونہ باجی کس وقت پہنچیں گی؟ میرا مطلب ہے آج ہی آنا ہے ہماری طرف بھی؟" وہ تو بس اپنی دھن میں لکھے ہی جا رہی تھی۔ ہر بات سے بے خبر انجان۔

"میں تو کہتی ہوں۔ آپ نہ آئیں اور اگر آپ آئے تو میں سامنے نہیں آؤں گی۔" وہ ہنستے ہوئے لکھ تو بیٹھی لیکن نیلے ہوتے ٹک اور جواب کا نہ آنا اس مرتبہ اسے کچھ پریشان کر گیا۔

"آپ ناراض ہیں کیا؟ لیکن کیوں۔ میں نے کچھ کیا ہے؟ بتائیے نا پلیز۔" اور منصب نے خود کو آف لائن کر لیا۔

"ایسا کیا ہوا۔" اس نے نچلا لب بے چینی سے دبایا۔ "منصب تو ایسا کبھی نہیں کرتا۔"

"یہ لوگ کس وقت آئیں گے آپی۔ ای نے کہا تم سے پتا کروں۔" ایلیا کپڑوں کا ڈھیر اٹھائے بولتی ہوئی اندر آئی۔

"وہ تو مجھے نہیں پتا۔ پر۔ سنو ایلیا۔ تم ذرا رمشہ کو کال کرو۔"

"اچھا کیوں ......" ایلیا ٹھٹکی "اپنے منصب بھیا سے پوچھو نا۔"

"یار! وہ تو اس وقت ڈیوٹی پر ہیں۔ تم رمشہ سے بات کرو۔ لو۔" وسیلہ نے اپنا موبائل اس کے آگے کیا۔ اور ایلیا نے بھی چپ کر کے کال ملائی، معمول کی سلام دعا کے بعد ایلیا نے میمونہ کی آمد کا پوچھ لیا۔

"وہ۔ ایکچویلی میمونہ اب نہیں آ رہی۔" رمشہ کا ماتھا عرق عرق ہو گیا۔ بہت کٹھن گھڑی تھی۔ نجانے اسی کے سر پر ہی کیوں آن پڑی تھی اور معلوم نہیں اسے کیا وجہ بتانا تھی، اس نے تو منصب سے

پوچھا ہی نہیں تھا۔

"اچھا" ایلیا کے دل میں ایک ساتھ بہت سے سوال اُٹھے لیکن سمجھ میں نہیں آیا۔ کس انداز میں بات آگے بڑھائے۔

"تو...... آپ لوگ...... کب آنا ہے پھر؟"

"ایلیا...... وہ...... بات یہ ہے...... اصل میں یہاں گھر میں کچھ مسئلہ ہو گیا ہے۔" رمشہ نے پلکیں میچ کر کہنا شروع کیا۔ ایلیا خاموشی سے اس کے لب و لہجے پر غور کیے گئی۔

"منصب پر کچھ دباؤ ہیں ایلیا، وہ رشتہ لانے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ ہمارے آپ کے اسٹیٹس کا فرق کچھ لوگوں سے ہضم نہیں ہو رہا، ہمیں رشتہ نہ لانے کے لیے پریشرائز کیا جا رہا ہے۔"

"کون...... ایسا کون کر رہا ہے؟"

"ارحم خان نہیں چاہتا کہ منصب یہاں رشتے کی بات چلائے۔"

"ہاں خیر، وہ تو خود رشتہ لا چکے ہیں، لیکن منصب بھائی کو ایسے کسی دباؤ کو خاطر میں نہیں لانا چاہیے۔ ہم سب منصب بھائی کے حق میں ہیں۔"

"لیکن وہ خود بہت دباؤ میں ہے۔ اسے یہ سب آسان نہیں لگ رہا، میں نے بہت کونفس کرنے کی کوشش کی ہے، پر وہ" رمشہ سے صاف انکار نہیں کیا گیا۔

"اچھا کوئی بات نہیں۔ انہیں کہنا پریشان نہ ہوں، ہم سب ان کے ساتھ ہیں۔" ایلیا نے ایک بار پھر دبے لفظوں میں سمجھانے کی کوشش کی لیکن رمشہ کو ایسے الفاظ مزید تکلیف دے رہے تھے۔ منصب کے قطعی انداز میں کسی لچک کا امکان دکھائی نہیں دیا تھا، وہ بھلا کس بنیاد پر ایلیا کو کوئی امید دلاتی۔ خاموشی سے کال ہی کاٹ دی، اور ایلیا کے لیے مزید مشکل صورت حال کا آغاز ہو گیا۔ وسیلہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"وہ...... شاید ارحم خان نے منصب بھائی کو منع کیا ہے۔" ایلیا نے دھیمے لہجے میں کہنا شروع کیا۔

"اچھا... پھر؟" وسیلہ کے ماتھے پر بل آیا۔

"تو... فی الحال یہ لوگ ہمارے ہاں نہیں آ رہے۔ منصب بھائی شاید کسی دباؤ میں ہیں، ایسا رمشہ کہہ رہی تھی۔"

"میں منصب سے بات کروں؟" وسیلہ کی خالی آنکھوں میں امید کی جوت تھی۔

"ہاں۔ ضرور کرو، تم ہی انہیں سمجھا سکتی ہو۔"

"اور...... امی سے کیا کہوں گی...... وہ تو ویٹ کر رہی ہیں ان کا۔"

"کچھ بھی کہہ دوں گی۔ تم بس منصب بھائی سے رابطہ کرو۔ میں کہہ دوں گی، میمونہ باجی کسی وجہ سے یہاں پہنچ نہیں پائیں۔"

وہ بہن کا کندھا تھپک کر باہر نکل گئی۔ وسیلہ نے موبائل ہاتھ میں لے لیا۔ ابھی تو اس کے پچھلے میسج بھی جوں کے توں رکھے تھے۔ منصب نے ابھی تک کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ پر اب وسیلہ کو اس گریز کی وجہ معلوم ہو گئی تھی۔ منصب شاید ان کی طرف سے سپورٹ کا منتظر ہو، اسے یہ تسلی دلانا بہت ضروری ہے کہ ارحم کی دھمکیوں کو وہ خاطر میں نہ لائے۔ وسیلہ نے کچھ سوچ کر لکھنا شروع کیا۔

"منصب! آپ بلاوجہ پریشان ہو رہے ہیں، ارحم کی باتوں پر زیادہ نہ سوچیں، رشتے وغیرہ کے معاملات تو ایسے ہی نازک ہوتے ہیں، کئی رکاوٹیں آتی ہیں، کئی لوگ مخالف بن جاتے ہیں، پھر آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔ آپ خود پر کوئی بوجھ محسوس نہ کریں، فیصلہ تو ہم نے ہی کرنا ہے، ارحم ہمیں مجبور نہیں کر سکتا۔ آپ میمونہ باجی کو آنے دیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا، ان شاء اللہ۔"

اس نے اپنے لکھے کو ایک بار پڑھ کر منصب کو بھیج دیا۔ اسے یقین تھا منصب کے لیے قدم آگے بڑھانا اب آسان ہو جائے گا۔

☆☆☆

کسی انسان کی زندگی صاف سیدھی شاہراہ جیسی نہیں ہوتی۔ اونچ نیچ دھکے، ٹھوکر لگتے ہی ہیں۔ کامیابی کی امید جتنا بجھتا دیا ہے۔ مقدر ہمیں کامیابی

اور ناکامی دونوں سے دوچار کر سکتا ہے نا۔

آپ کو ایک ایسی لڑکی سے محبت ہوئی جو پہلے ہی کہیں اور انگیج تھی، نہ صرف سماجی لحاظ سے بلکہ دلی طور پر بھی اس رشتے سے جڑی تھی۔ اب یہ آپ کا نصیب تھا صہیب تو بتائیے کیا پریشے کو حاصل کر لینا خود پریشے کے ساتھ جبر اور زیادتی نہیں۔ وہ آپ کی ہو کر بھی ہو نہ پاتی تو تب آپ کے ہاتھ کیا آئے گا۔ آپ خوش رہ سکیں گے؟ آپ دوسروں کے لیے نہ سہی کم از کم اپنے لیے تو اپنا وژن وسیع کرنے کی کوشش کریں۔ خود کو چند سال آگے کی دنیا میں تصور کریں جب فرض کریں پریشے آپ کی وائف ہے جسے آپ نے کسی اور سے چھین کر حاصل کر لیا۔ تب کیا پریشے اس بنیاد پر خوش ہوگی کہ صہیب نے اس کے دل کی دنیا برباد کر کے اسے حاصل کیا تھا۔ اور اسے صہیب سے محبت کرنی چاہیے۔ محبت اختیاری چیز نہیں ہوتی۔

معافی چاہتی ہوں صہیب، لیکن ضد اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی اذیت میں ڈالنے کا دوسرا نام ہے۔ کیا آپ رُک کر، ٹھہر کر کچھ وقت اپنے آپ کو سوچنے کے لیے دیں گے؟"

عیسٰی نے بھائی کو اس کے گھر بھیجا تھا۔ ان دونوں کا رشتہ بڑوں کی رضامندی سے طے پا گیا تھا۔ چند دن بعد منگنی کی رسم پر غور کیا جا رہا تھا۔ صہیب سے عیسٰی نے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اس کے مسئلے کے سلسلے میں تانیہ سے ملا اور وہ اسے اچھی لگ گئی تھی۔

صہیب جب تانیہ سے ملنے آیا تو اسے معلوم تھا کہ دونوں کے بیچ اس کا معاملہ بھی زیرِ بحث آئے گا۔ تانیہ نے چائے کے دوران خود ہی ذکر چھیڑا۔ پہلے صہیب کو سنا لیکن اس کی کہانی وہی تھی جو عیسٰی پہلے ہی سنا چکا تھا۔ صہیب کے خیالات میں کچھ بھی نیا نہیں تھا۔ بس ایک ضد تھی جو جنون بن کر سر میں سما چکی تھی۔

"آپ صحیح کہہ رہی ہیں، میں خود کو سوچنے کا وقت نہیں دیتا، لیکن اس کی وجہ صرف اتنی ہے کہ مجھے پتا ہے، حقیقت پسندی سے سوچنا مجھے درد دے گا، اور خود کو درد کون دینا چاہتا ہے؟" وہ اپنی انگلیاں مسل رہا تھا۔

"خود کو دھوکا دینا بھی تو درد دینے سے کم نہیں، دھوکا سوائے فریب کے اور کچھ نہیں، بجائے اس کے کرنا یہ چاہیے کہ جب ہماری ایک خواہش پوری نہ ہو تو ہمیں خود کو اس خواہش کے دائرے سے نکال لینا چاہیے۔ تھوڑا مشکل ضرور ہے ڈیئر برادر، ناممکن بالکل نہیں۔"

"میں۔ کوشش۔ کروں گا۔" صہیب نے الفاظ کا چناؤ بڑی مشکل سے کیا۔ تانیہ کو اسی سے اندازہ ہو گیا کہ اس کے لیے کسی اثر سے نکلنا کتنا کٹھن ہے۔

☆☆☆

دادی اور تائی شہناز آئی ہیں۔ ایلیا نے عجیب گھبرائے لہجے میں جب اطلاع دی تو وسیلہ کی بے ساختہ نظر اپنے موبائل کی طرف گئی۔ آج تین دن ہو گئے تھے اسے منصب کو میسج بھیجے لیکن اس نے دیکھ کر بھی جواب نہیں لکھا تھا۔ وہ اگر منصب کے رویے پر حیران اور غصہ تھی تو ایسے کسی لمحے کی آمد سے خوف زدہ بھی بہت تھی۔ ادھر رمشہ وغیرہ کی اتنے دن کی خاموشی سے امی نے بھی کچھ کچھ اخذ کر لیا تھا کہ بات کوئی عام اور معمولی نہیں۔ اوپر سے آج اتنی جلدی تائی اور دادی کی آمد۔

"تو..... اب؟" وسیلہ نے گھبرا کر ایلیا کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"حوصلے سے سنو گی آپی۔؟" ایلیا نے اس کا ہاتھ زیادہ مضبوطی سے اپنے ہاتھ میں جکڑ لیا۔

"کک..... کیا؟" وہ واقعی کچھ بھی اور سننے کی حالت میں نہیں تھی۔

"صبح جب تائی نے اپنے آنے کے متعلق بتایا تو تحریم نے مومن بھیا کو منصب کے پاس بھیجا تھا۔" وہ سر جھکائے ہوئے تھی۔ وسیلہ کے لیے یہ ایک نئی بات تھی۔

"مومن بھیا کو۔ منصب کے پاس۔ کیوں؟"

"ان کا جواب جاننے کے لیے۔"

"تو .... ؟"

"منصب نے کہا کہ فی الحال وہ اپنی بہن

رمشہ کی شادی کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ اپنا گھر بسانے کا ابھی ان کا کوئی ارادہ نہیں۔"

"تو... پھر...؟" وسیلہ کی آنکھیں ایسا صاف کورا جواب سن کر بے یقینی سے کھل گئی تھیں۔

"مومن بھیا نے کہا کہ منصب سے امید لگانا اب فضول ہے، شاید وسیلہ کو ہی کوئی غلط فہمی ہو گئی تھی۔ وہ رشتہ لانے میں واقعی انٹرسٹڈ نہیں ہے۔ اور ابھی....." ایلیا کچھ کہتے کہتے رک سی گئی۔ وسیلہ نے حیرت سے ایک سوالیہ نظر ڈالی۔

"دادی اور تائی ایک بار پھر امید لے کر آئے ہیں، انہوں نے دوبارہ رشتے کی بات کی ہے۔"

"اوہ....." اس نے بے ساختہ چہرا ہاتھوں پہ گرا لیا۔ بلکہ شروع ہونے سے پہلے ہی سب ایسے ختم ہوا تھا کہ وہ کچھ نہیں پائی یہ کیا ہوا۔ ابھی اس روز منصب نے کہا تھا، ہمارے بیچ انڈرسٹینڈنگ کا کوئی مسئلہ نہیں اور آج اس ساری صورت حال کو انڈرسٹینڈ کرنا کتنا مشکل بلکہ ناممکن سا لگ رہا تھا۔ معلوم نہیں وہ کیسے دھوکے کا شکار ہوئی تھی۔ اپنے آپ سے نری شرمندگی محسوس ہوئی۔ گھر والوں کا سامنا کرنا، مومن بھیا کا سامنا کرنا کتنا تکلیف دہ تھا۔ بھیا اس کے متعلق کتنا اچھا سوچتے تھے، یہ اس نے اپنی نادانی میں کیا کر دیا۔

"میں نے امی سے کہا کہ انہیں تائی سے صاف الفاظ میں پوچھنا چاہیے کہ آخر ارحم کو کیا حق ہے کسی پر پریشر ڈالنے کا۔"

"امی سے کچھ مت کہو، میں ارحم سے شادی کے لیے تیار ہوں۔" وہ آنکھوں کی نمی صاف کرتے اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

"پلیز آپی، جلدی مت کرو..... تم نے ہی تو کبھار رشتوں میں ایسا سب کچھ ہوتا ہے۔ تھوڑا وقت اور لینے دو، مجھے یقین ہے۔"

"پلیز ایلیا مجھے اپنوں کی نظروں میں اور رسوا نہ ہونے دو، میرے لیے مر جانے کا مقام ہے کہ مومن بھائی یا ندرت ممانی وغیرہ کے خیالات میرے متعلق کتنے تبدیل ہو چکے ہوں گے۔ منصب میرے لیے قطعی اجنبی تھا، میں نے شاید بھروسا کرنے میں عجلت سے کام لے لیا۔ لیکن مجھے اپنی غلطی کو نہیں سدھارنا ہے، غلطی پر غلطی کرتے جانا سوائے پچھتاوؤں کے اور کچھ نہیں دے گا۔ اس چیپٹر کو میں آج ہمیشہ کے لیے کلوز کر رہی ہوں، امی اور ماموں وغیرہ کو میری زندگی کا فیصلہ کر لینے دو، مجھے اور کچھ نہیں کہنا۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ رونا تو بند کریں۔" ایلیا نے محبت سے بہن کو اپنے ساتھ لگایا۔ اسے امی کو وسیلہ آپی کا پیغام دینا تھا لیکن نجانے دل مطمئن کیوں نہیں تھا۔ نہ اس کا دل منصب کو غلط ماننے کو تیار ہو رہا تھا نہ ہی ارحم کو بہنوئی کا درجہ دینے کو رضامند ہو رہا تھا۔ لیکن یہ آج کا دن بھی جیسے ان چاہے فیصلوں کے لیے بنا تھا۔

☆☆☆

"تمہیں کیا ہوا ہے؟ شام کو منگنی ہے۔ چہرا کیوں اترا ہوا ہے۔" مومن بازو پہ کوٹ لیے باہر نکل رہا تھا۔ نظر تحریم پہ پڑی تو اس کی طرف آیا۔ وہ ہاتھوں پہ سر گرائے صوفے کے ہتھے پر بیٹھی تھی۔

"کچھ نہیں۔" اس نے تھوڑا سا سر اونچا کر کے نفی میں ہلایا۔

"کچھ کیسے نہیں ۔۔۔ ایسا پیلا ہلدی چہرا لیے بیٹھی ہو۔ بتاؤ نا کیا ہوا ہے؟" اس نے کوٹ وہیں سائیڈ پہ رکھ دیا۔

"ویسے ہی دل ڈوب سا رہا ہے اور ایسا تو اکثر محسوس ہوتا ہے۔ آپ کسی کو پریشان نہ کریں، باہر سب مہمان آنے والے ہیں۔"

"تم کچھ جوس وغیرہ پی لو۔ اچھا لگے گا۔ آؤ وہاں بیڈ پر بیٹھو۔" مومن اسے سہارا دیے پھوپھو کے بیڈ کی طرف لے آیا۔ وہ سب کچھ دیر پہلے یہاں پھوپھو کے گھر آ گئے تھے۔ فنکشن گھر میں ہی تھا۔ مہمان بھی کم تھے۔

"آرام سے یہیں بیٹھی رہو، زیادہ ایکسائٹڈ

ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" مومن نے اس کے کان میں کہہ کر ہاتھ تھپکا اور مہمانوں کی طرف چل دیا۔ تحریم نے ہلکا سا مسکرا کر اس کی پشت دیکھنا چاہی لیکن آنکھوں کے سامنے جیسے سب دھندلا پڑ رہا تھا۔ معلوم نہیں سر ایک دم ٹھنڈا کیوں لگنے لگا تھا۔ دل ڈوبنے جیسا اور سینے کی جگہ ایک خلا محسوس ہونے لگا۔ اسی وقت ایلیا کمرے میں اسے لینے کے لیے آئی تو تحریم نے اس کی کلائی پکڑ لی۔

"مجھے واش روم لے چلو۔"

"ایلیا اسے سہارا دیے واش روم تک لے آئی۔ ارادہ تو اس کا باہر رک کر آپی کا انتظار کرنے کا تھا لیکن عدرت ممانی کی بار بار کال آ رہی تھی تو وہ باہر چلی گئی۔ ادھر تحریم واش روم سے باہر نکلی تو طبیعت میں عجیب سی گراوٹ محسوس کرتے وہیں امی کے پلنگ پر بیٹھ گئی۔ پندرہ منٹ کے وقفے میں تین مرتبہ واش روم ہو آئی تھی۔ جو کچھ ہو رہا تھا وہ بالکل نیا اور نہ سمجھ میں آنے والا تھا۔ اب تو اس سے باہر بھی نہیں جایا جا رہا تھا۔ وہ ایلیا کا انتظار کر رہی تھی، اسے اپنے لیے دوسرے لباس کی ضرورت تھی۔

پتا نہیں اس طرف کوئی آ کیوں نہیں رہا تھا۔ اس نے بے بسی سے دروازے کی طرف دیکھا، جیسے تیسے خود کو سنبھالتی ایک مرتبہ پھر واش روم گئی۔ ٹانگوں میں سکت نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ نقاہت سے آواز تک نکلنا محال تھا۔ موبائل فون بھی پرس میں رکھا تھا اور پرس شاید وہ امی کے حوالے کر آئی تھی۔ وہ بمشکل اٹھ کر دروازے تک آئی۔ کسی کو بتانا اب بہت ضروری تھا۔ سامنے ایک لڑکی کھڑی تھی، معلوم نہیں کون تھی۔

"ایلیا کو بلانا...... پلیز......" وہ کہہ کر وہیں قریب کرسی پر ڈھے گئی۔

"جی آپی... ارے..... کیا ہوا؟" ایلیا عام انداز میں اندر داخل ہوئی لیکن تحریم کی حالت دیکھ کر حواس باختہ سی آگے بڑھی۔ آپی کا جسم معمول سے کچھ زیادہ ٹھنڈا محسوس ہوا۔ وہ بنا رکے فوراً باہر بھاگی۔ مومن بھیا اور عدرت ممانی سامنے نظر آئے تو کھینچ کر انہیں اندر لے آئی حالانکہ باہر سب مہمان اب اسٹیج پر پہنچ چکے تھے۔ ارحم نے انگوٹھی اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔

ایلیا اس وقت خود بھی تحریم کو بلانے آ رہی تھی۔ اسے آپی کی ایسی طبیعت کا بالکل بھی اندازہ نہیں تھا۔ عدرت نے جب تحریم کی زبانی سب صورت حال سنی تو بری طرح پریشان ہو گئیں۔

"مومن!" جلدی سے گاڑی نکالو، دیر نہیں کر سکتے۔

"ایلیا، امی کو بلاؤ۔ عدرت کا چہرا فکر مندی سے فق ہو گیا تھا۔ ایلیا فوراً باہر بھاگی۔ امی دیلہ کے پاس کھڑی تھیں، ارحم انگوٹھی پہنانے ہی والا تھا۔ اس نے امی کے کان میں پوری بات بتائی۔"

"اے ایک منٹ......" رضوانہ نے گھبرا کر بے ساختہ ارحم کو ٹوکا تو شہناز اور ارحم بری طرح چونکے۔

"خیریت...... کیا ہوا؟" شہناز کو کچھ اور ہی قسم کی سوچوں نے گھیرا۔ رضوانہ کا عین وقت پر روکنا اسے تو ہول ہی اٹھنے لگے۔

"وہ ...... تحریم کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، اسے ہاسپٹل لے جانا ہے۔ شاید ڈلیوری کا ٹائم۔"

"اوہ...... ارے۔" شہناز بری طرح کھسیا کر ہنس دی۔ ارحم نے بھی گہرا سانس لیا۔

"اچھا کوئی بات نہیں۔ اس کو تو لے ہی چلتے ہیں، انگوٹھی پہنانے میں کتنا ٹائم لگتا ہے۔ ارحم، انگوٹھی پہناؤ، شاباش جلدی۔"

شہناز نے آنکھوں سے اشارہ کیا۔ رضوانہ کی صلاح انہیں قطعی پسند نہیں آئی۔ پتا نہیں کیوں عین وقت پہ رکاوٹ آن پڑی تھی۔ اور اسے کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لانا تھا۔ پہلے بھی بڑی مشکل سے رضوانہ کو فوری منگنی کے لیے تیار کیا تھا۔ وہ تب بھی یہی کہتی رہی تھیں کہ تحریم کی ڈلیوری سر پہ ہے، وہ ذرا فارغ ہو لے لیکن شہناز کو ان باتوں سے قطعی سروکار

نہ تھا۔ انہیں تو منگنی کے بجائے شادی ہی کرنی تھی لیکن رضوانہ اس کے لیے بالکل راضی نہیں تھیں۔ اور اب جبکہ انہوں نے منگنی پر اکتفا کر ہی لیا تھا تو اس سے پیچھے ہٹنا تو کسی طور منظور نہیں تھا۔

وسیلہ نے ماں کی بات سن کر ہاتھ پیچھے ہٹایا جبکہ ارحم نے اپنی ماں کی بات سن کر جھپٹ کر وسیلہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ رضوانہ منتشر دماغ لیے بنا شہناز کی باتوں پر توجہ دیے وہاں سے ہٹ گئیں۔

تحریم کی طبیعت کا سن کر اور کوئی بات اہم ہی نہیں لگی۔ وسیلہ نے سر اٹھا کر جاتی ہوئی ماں کو دیکھا اور ارحم نے انگوٹھی اس کے ہاتھ میں پہنا دی۔ وسیلہ نے خالی خالی نظروں سے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا۔

نجانے تحریم کی طبیعت کا سن کر کیوں ایسا لگا جیسے اس ان چاہے بندھن سے جان چھوٹنے والی ہو۔ پر تائی اور ارحم نے ایسا کچھ نہیں ہونے دیا۔ اسے انگوٹھی پہنا دی گئی تھی۔ نہ وہاں عدت ممانی تھیں، نہ مومن بھیا، نہ اطیبا، تحریم نہ امی۔ توقیق ماموں ویسے بھی اپنے گھر پر تھے۔

آس پاس موجود اس مجمعے میں کوئی بھی اپنا نہ تھا۔ وسیلہ نے خالی الذہنی سے ایک ایک کو دیکھتے عجیب سا اکیلا پن خود پر طاری ہوتے محسوس کیا۔

آج تو منگنی ہوئی تھی، کل کو بیاہ ہونے کے بعد اسے اسی طرح سب اپنوں سے بہت دور کسی نئی جگہ۔ اُف دل جیسے مٹھی میں آنے لگا۔ اگر یہ انگوٹھی منصب نے پہنائی ہوتی، کیا تب بھی دل ایسی ویرانی محسوس کرتا۔ وہ ایک بے ساختہ سے خیال کے آتے ہی چونک سی گئی۔

نجانے زندگی کے ایسے اہم موڑ پر وہ بے مہر کیوں یاد آیا تھا۔ اور اگر آج یاد آیا تھا تو آئندہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

اس نے کرب سے لب چباتے خود کو ایک کٹھن فیصلے کا پابند کیا۔ مٹھیاں زور سے بھینچ گئی تھیں۔ ایک آنسو لڑھک کر انگوٹھی پہ گرا۔ اس نے جلدی سے انگلی اپنے پلو پہ رگڑ دی۔ ارحم کی نگاہیں اس کے ہاتھ پر تھیں۔ اسے یہ آنسو نظر نہیں آنا چاہیے۔ لڑکیاں اپنی منگنی پر تو نہیں رویا کرتیں۔ وہ بھلا ان آنسوؤں کا کیا جواب دے گی۔

”تائی جی؟“ اس نے سامنے کھڑی، اپنی ہونے والی ساس کا ہاتھ پکڑا۔

”ہاں، کہو......“ شہناز بری طرح چونکیں۔

”میں تحریم کو دیکھنے اندر چلی جاؤں؟“

”ارے ہاں، اب تو منگنی کی رسم ہو گئی۔ تم اندر جانا چاہو تو...... ضرور...... ارے روا، عالیہ، بچے، بھابی کو اندر لے جاؤ۔“ انہوں نے پاس کھڑی دو لڑکیوں کو اشارہ کیا۔ وسیلہ اپنی جگہ سے فوراً ہی اُٹھ گئی۔ طبیعت عجیب مکدر سی ہو رہی تھی۔ اپنے ہی فیصلے انسان کو بھی کبھار بڑی مشکل میں ڈال دیتے ہیں۔ وہ اس اجنبی ماحول سے جلد از جلد باہر نکل جانا چاہتی تھی جبکہ اچھی طرح جانتی تھی کہ ابھی چند لمحے پہلے ہی ایک بہت بڑی قید میں اپنی مرضی سے خود کو باندھ چکی ہے۔ کوئی بوجھ تھا جو پورے وجود پر پہاڑ جیسا آ پڑا تھا۔

☆☆☆

تحریم آپریشن تھیٹر میں تھی۔ ڈاکٹرز کی بھاگ دوڑ رضوانہ کا دل ہولا رہی تھی۔ بار بار وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوتیں۔ لپک کر باہر آنے والی ڈاکٹر سے کچھ پوچھنا چاہتیں لیکن ڈاکٹرز ہوں یا نرس۔ ان سنی کرتے پاس سے گزر جاتے۔ عدت نے تند کا ہاتھ پکڑا تو وہ بری طرح کپکپا رہا تھا۔ پریشان کن نظروں سے مومن کی طرف دیکھا۔ دیوار سے ٹیک لگائے گم صم کھڑا ان کا بیٹا الگ ہی بے بسی کی تصویر دکھائی دے رہا تھا۔ وسیلہ اطیبا کو لیے کچھ دیر بعد اپنی کار میں وہاں پہنچی تھی۔ رضوانہ اور عدت دونوں کو ہی حیرت ہوئی یہ دیکھ کر کہ شہناز یا ارحم میں سے کوئی ان کے ساتھ نہ آیا تھا۔ وسیلہ نے بس عجلت میں اپنا لباس تبدیل کیا تھا۔

”سب خیریت؟“ اس نے امی کا ہاتھ تھاما تو وہ ضبط کھوتے رونے ہی لگیں۔

"دعا کرو۔ مجھے خود کچھ نہیں پتا۔"

"تحریم اندر ہے۔" ندرت نے آپریشن تھیٹر کی طرف اشارہ کیا۔

"پیشنٹ کو خون کی ضرورت ہے۔" نرس باہر نکلی تو اس کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ سب نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔

"میرا اور آپی کا بلڈ گروپ ایک ہے۔ چلئے۔" ایلیا فوراً اس کے ساتھ بھاگی۔ کسی کو کچھ کہنے کی مہلت ہی نہیں ملی۔ رضوانہ کو اپنی سانسیں ڈوبتی محسوس ہو رہی تھیں۔ وسیلہ ماں کا چہرا دیکھتے الگ ہی فکر میں پڑ گئی۔ امی شوگر اور بلڈ پریشر کی پیشنٹ تھیں۔ نجانے یہ پریشانی کا وقت ان پر کیسے گزر رہا تھا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پلیز اطمینان رکھیں۔" وہ برابر ان کا ہاتھ تھپک رہی تھی۔ دعا کے سوا کچھ بھی نہیں تھا ہاتھ میں۔ دروازے کو لگاتار تکتے شاید بیس پچیس منٹ گزر گئے تھے جب اندر سے بچے کے رونے کی آواز آئی۔ وقت کچھ مزید آگے سرکا، شاید دس بارہ منٹ گزرے کہ نرس ایک بچے کو کمبل میں لپیٹے باہر لے آئی۔

"لڑکی ہے۔ اسے کچھ دیر آپ سنبھالیں۔ دوسرا بے بی بھی ہے۔" وہ فوراً اندر چلی گئی۔ ندرت بے بی کو اٹھائے خالی دماغ لیے کھڑی تھیں۔ خوشی کا موقع تھا۔ مبارک دینے کا وقت تھا۔ پر جانے نرس کا گمبھیر سنجیدہ چہرا کس خطرے کی گھنٹی بجا گیا تھا۔ وہ کھل کر خوش بھی نہیں ہو پائیں۔ وسیلہ اور مومن نے آگے بڑھ کر بچہ ان سے لیا۔

"ماشاء اللہ، کتنی پیاری بچی ہے۔" وسیلہ کی آنکھیں اس ننھے گلابی وجود کو دیکھ کر نم ہو گئیں۔

"لاؤ......" مومن نے مسکرا کر بچی کو ہاتھ میں لیا جب نرس دروازہ کھول کر باہر نکلی تو ایک اور بچہ اس کے ہاتھوں میں تھا۔

"بیٹا ہے۔" اس نے بچے کو ایک بار پھر ندرت کے ہاتھوں میں دیا لیکن چہرے پر پہلے سے زیادہ کرب کے آثار تھے۔ ندرت کی آنکھیں اس کے چہرے سے ہٹنا بھول گئیں۔ بچہ ہاتھوں میں تھا اور خالی خالی نظریں نرس کی آنکھوں میں۔

"میری بہو؟"

"جی......وہ......" اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ پلٹ کر مومن کو دیکھا، پھر ندرت اور رضوانہ سے ہوتے اس کی نظریں وسیلہ پر رک گئیں

"وہ آپ کی پیشنٹ، کا خون بہت بہہ گیا تھا۔ بی پی بہت لو تھا ان کا...... ویری سوری......" اس نے لب چبائے۔

تب ہی ایک لیڈی ڈاکٹر کمرے سے باہر نکلی۔ وسیلہ بھاگ کر اس کے نزدیک پہنچی لیکن اس نے سر کو نفی میں ہلایا۔

"آئی ایم ویری سوری۔ آپ کی پیشنٹ کا بلڈ بہت ضائع ہوا اوپر سے سچویشن بہت کریٹیکل تھی۔ انہیں گھر سے جلدی لانا چاہیے تھا۔ ہم نے بہت کوشش کی کہ بچے چاہے نہ رہے لیکن ماں بچ جائے لیکن۔"

"تت تحریم......" رضوانہ کا ہاتھ سینے پر پڑا۔ وسیلہ پھٹی آنکھوں سے ڈاکٹر کو دیکھے جا رہی تھی۔ تحریم نہیں مر سکتی۔ اس نے آپریشن تھیٹر کے دروازے کو دیکھا۔ کیا واقعی اندر تحریم کا مردہ بدن۔

"نہیں......" وہ بے یقینی سے اندر دوڑی۔ ایک بیڈ پر تحریم آنکھیں بند کیے لیٹی تھی تو دوسرے بیڈ پر ایلیا، جس کی ڈرپ کو اتارا جا رہا تھا۔ وہ خود ہچکیوں سے رو رہی تھی، وسیلہ کو دیکھ کر ایک دھاڑ ماری۔ وسیلہ کا سر نفی میں مل رہا تھا؛ اس نے تحریم کو دیکھا۔ نزدیک آئی اور اس کا کندھا ہلایا۔ پھر چہرا تھپکا۔

"اٹھو تحریم۔ تم ٹھیک ہو۔ بالکل ٹھیک۔" اس نے بہن کے دل پہ ہاتھ رکھا۔ سانسیں سست ضرور ہوئی ہوں گی، رک نہیں سکتیں۔ ابھی کچھ دیر پہلے تک تو سب ٹھیک تھا۔ ۲۱ کے بچے، اسے بھی دیکھنے چاہئیں۔ اس کے اپنے بچے۔ تحریم۔ تحریم ٹھیک ہے۔ اسے کچھ نہیں ہوا۔ بس یہی سچ ہے۔ وہ اسے جھنجھوڑ رہی تھی جب نرس نے اسے تحریم سے الگ کیا۔

"سنیے، باہر آپ کی والدہ کی طبیعت کچھ بگڑ گئی ہے۔ وسیلہ نے پھٹی آنکھوں سے نرس کو دیکھا۔ وہ بھاگ کر باہر آئی۔ امی عدرت ممانی کے کندھے پر لڑھک چکی تھیں۔ انہیں نرس ہی سنبھالا دینے کی کوشش کر رہی تھی کیونکہ عدرت ممانی کے ہاتھوں میں بچہ تھا۔ مومن نے دوسرا بچہ جلدی سے نرس کو پکڑاتے خود بھی پھوپھو کو سنبھالا۔ نرس بچے کو لیے ایک سائیڈ پر ہوگئی۔ مومن اور وہ رضوانہ کو سہارا دے کر سامنے کے وارڈ میں رکھے بیڈ پر لے آئے۔ ایک دوسری نرس بھی فوراً وہاں آپہنچی۔ ایلیا بھی آگئی تو دونوں بچوں کو ان کے حوالے کر کے وہ امی کو ہوش میں لانے کی کوششیں کرنے لگے۔ عدرت ممانی اس دوران ایک ڈاکٹر کو بلا لائی تھیں، اب وہی رضوانہ کا چیک اپ کر رہی تھی۔ وسیلہ پیچھے ہٹتے دیوار سے لگ گئی۔

"وسیلہ..... وسیلہ....." مومن بھیا نے اسے جھنجھوڑا تو وہ منہ کھولے انہیں دیکھے گئی۔

"پھوپھو اور بچوں کو گھر لے جاؤ۔ مجھے تحریم کو ایمبولینس میں پیچھے لاتا ہے۔"

"بھ...... بھیا!" وہ پھٹی آنکھوں سے کچھ کہنے کے لیے آگے بڑھی پر مومن نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کروا دیا۔

"ابھی کچھ نہیں وسیلہ۔ رونے کے لیے ایک عمر پڑی ہے۔ ابھی اٹھو اور ان سب کا حوصلہ بنو جو خود کو سنبھالنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ ابھی کچھ نہیں۔" مومن نے پلکوں کی نمی نچلا لب دبا کر وہیں بھینچ کر روک لی۔ فوراً ہی پلٹ کر باہر بھی نکل گئے۔ وسیلہ کی آنکھ سے پہلا آنسو مومن کی بے بسی پر بہہ نکلا۔ وہ اس وقت واقعی بالکل اکیلے تھے۔ بیمار باپ گھر پر تھا۔ تیسرا کوئی مرد کہیں نہیں تھا جسے وہ مدد کے لیے بلا لیتے۔ وسیلہ کو سوچ کر شدت کا افسوس ہوا کہ ابھی ابھی اسے ایک نئے رشتے میں باندھنے والا اس وقت کہیں ہونا چاہیے تھا۔ لیکن نجانے وہ ان کے گھر پر بیٹھے کیا کر رہے تھے۔ وہ ہر بات جھٹک کر مومن بھیا کا حوصلہ بننے کے لیے اپنی جگہ سے ہٹی۔ کوریڈور میں عدرت ممانی بھیگی آنکھیں لیے ایک بچے کو سنبھالے بیٹھی تھیں۔ ایلیا نیچے فرش پر بیٹھی دھاڑیں مار کے رو رہی تھی۔

"ایلیا..... اٹھو۔ ہوش کرو۔ گھر چلنا ہے۔ رو لینا ساری زندگی۔" اس نے تقریباً چیخ کر اسے جھنجھوڑا۔ "اٹھو ممانی اور بچوں کو لے کر گھر جانا ہے۔ چلو۔" اس نے ایک نظر کمرے میں دیکھا۔ اس کی امی کے پاس ڈاکٹر کھڑی تھی۔

"ان کی شوگر کی رپورٹ ٹھیک ہے۔ بلڈ پریشر ذرا زیادہ ہے۔ بے ہوشی صدمے کی وجہ سے تھی۔ انہیں گھر لے جائیے۔"

"اور بچے؟" وسیلہ نے اپنی آنکھیں رگڑیں۔ کپکپاتی آواز پر قابو پایا۔ اب اسے ہوش میں رہ کر بھیا کی مدد کرنی تھی۔

"بچے دونوں بالکل نارمل اور تندرست ہیں۔ انہیں گھر لے جا سکتے ہیں۔"

"اور آپی..... مطلب..... بچوں کی ماں۔ جن کی ڈیڈ باڈی۔" وسیلہ کا گلا رندھ گیا۔ ڈاکٹر نے وسیلہ کے کندھے کو تھپکا۔

"حوصلہ کریں۔ اللہ کی یہی مرضی تھی۔ میں ان کی رپورٹ بنوا دیتی ہوں۔ انہیں کچھ دیر میں لے جایا جا سکے گا۔"

"جی!" اس نے ڈاکٹر کے جانے کے بعد ایک نرس کی مدد سے امی کو وہیل چیئر پر بٹھایا۔ امی اب ہوش میں تھیں، لیکن ایک دم چپ تھیں۔ وسیلہ نے بھی کوئی بات نہیں کی۔ باہر لا کر انہیں اپنی گاڑی میں بٹھایا۔ عدرت ممانی اور ایلیا بچوں کو لیے باہر آئیں۔

"مامی، آپ پچھلی سیٹ پر دونوں بچوں کو سنبھال لیں گی؟" وسیلہ نے ممانی کی طرف دیکھا۔ امی کو اس نے اپنے ساتھ والی سیٹ پر بٹھا دیا تھا۔

"میں چاہتی ہوں۔ ایلیا یہاں مومن بھیا کے ساتھ رہے۔ یہ دونوں پیچھے ایمبولینس پر آئیں

گے۔"

"ہاں، میں سنبھال لوں گی۔ ایلیا تم مومن کے پاس رہو۔" ندرت نے فوراً تائید کی۔

"آپ سب گھر جائیں۔ مومن بھائی کے ساتھ میں ہوں۔" جانی پہچانی مردانہ آواز میں بہت قریب سے سنائی دی تو وسیلہ نے چونک کر سر اٹھایا۔ وردی میں ملبوس وہ منصب تھا جو نجانے کیسے۔ وہ حیرت سے ایک نظر ہی دیکھ پائی۔ نجانے کتنا کچھ دماغ سے لہروں جیسا ٹکرایا اور اس نے نظر ہٹالی۔

منصب نے ایلیا کو رکنے سے منع کر دیا۔ وسیلہ نے بھی مزید کچھ نہیں کہا۔ مومن بھیا کی مدد کے لیے ایک مرد میسر آ گیا تھا۔ فی الحال یہی کافی تھا۔ وسیلہ نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

☆☆☆

"ربیا، عالی...... کیسے ہیں میرے بچے۔" اس نے گردن کے نیچے سے ہاتھ گزار کر احتیاط سے بچی کو اٹھایا۔ عالی ندرت مامی کی گود میں تھا۔ وہ اسے فیڈر سے دودھ پلا رہی تھیں۔

"رات کیسی گزری مامی؟" ایلیا وہیں قریب بیٹھ گئی۔

"ہاں بہتر رہی۔ بچے تو آرام سے سوئے رہے، تمہارے ماموں کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی...... تم سناؤ رضوانہ آپی کیسی ہیں اب؟"

"امی بھی بہت بے آرام تھیں۔ مجھے تو نیند آ گئی تھی۔ وسیلہ آپی بتا رہی تھیں، اذانوں کے ٹائم طبیعت بہت خراب ہوئی۔ ان کا دل گھبرا رہا تھا۔ کہتی ہیں، گھٹن ہو رہی تھی۔ آپی نے شوگر لیول چیک کیا تو معمول سے بہت زیادہ تھا۔ آج ڈاکٹر کے پاس بھی جانا ہے۔" ایلیا ساتھ ساتھ ربیا کے کپڑے بھی بدل رہی تھی۔ جب اس نے بچی کو اٹھایا تو بیٹھنے والی جگہ سے شرٹ گیلی محسوس ہوئی۔ شاید اس نے کسی وقت دودھ الٹا تھا۔

"اور...... ماموں اب کیسے ہیں؟"

"ان کا بھی وہی بے خوابی کا مسئلہ ہے۔ بات بھی ٹھیک سے سمجھا نہیں پاتے نا۔ بس تحریم کے بعد بری طرح ڈسٹرب ہوئے ہیں۔ انہیں بھی اذانوں کے بعد کہیں نیند آئی ہے۔"

"پھر تو آپ کی رات بھی ڈسٹرب گزری ہوگی۔" ایلیا کا ہاتھ رُکا۔ مامی بے چاری اپنی کیفیت تو چھپا ہی جاتی تھیں۔

"رات تو مومن بھی نہیں سویا۔ مجھے تمہارے ماموں کے پاس جانا پڑتا۔ ادھر بچوں کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ مومن کو ان کے پاس چھوڑا تھا۔"

"اوہ...... تو نزہت خالہ اور عروبہ......؟" ایلیا کو اب تک کے وقت میں وہ نظر بھی نہیں آئی تھیں۔ حیرت سے ادھر ادھر دیکھا۔ جب سے تحریم کی وفات ہوئی تھی ندرت کے پاس اُن کی بہن اور بھانجی عروبہ آئی ہوئی تھیں۔ ان کی وجہ سے ندرت ممانی کافی سہولت محسوس کر رہی تھیں۔ ایلیا بھی اسی وجہ سے دن کے وقت بچوں کا خیال رکھنے یہاں آ جاتی لیکن رات کو گھر چلی جاتی۔

"وہ دونوں تو پچھلی شام گھر چلی گئی تھیں۔ میرا بھانجا لینے آیا تھا۔ میرے بہنوئی کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔"

"اوہ۔ آپ نے بتایا کیوں نہیں۔ یہاں میں آ جاتی۔" ایلیا نے تحت پشیمانی سے لب چبائے۔ "ممانی آپ کچھ دیر آرام کریں، میں بچوں کے پاس ہوں۔"

"نہیں بیٹا۔ بس اب کیا سونا۔"

"نہیں مامی، پلیز ریسٹ بہت ضروری ہے۔ مومن بھیا بھی شاید اب کہیں جا کر سوئے ہیں۔" ایلیا چونکہ ان ہی کے کمرے سے ہو کر اس چھوٹے روم میں آئی تھی تو اسے بے سدھ سوتا پایا تھا۔

"ہاں، آج تو سو رہا ہے۔ کل سے تو اس نے بھی آفس جانا ہے۔ پندرہ دن کی چھٹی لی تھی۔" ندرت ممانی نے بھاری دل سے کہا۔ تحریم کو دنیا سے گئے آج پندرھواں دن تھا۔

"پھر تو میں ضرور آ جاؤں گی، آج تاکہ بھیا

رات کو بے آرام نہ ہوں۔" اس نے فیصلہ کر کے سنا بھی دیا۔

"ابھی دن کو گیارہ بجے اپائنٹمنٹ ہے۔ تمہارے ماموں کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہے۔"

"بھیا نے . . ییکورہ؟" ایلیا نے بے ساختہ گھڑی دیکھی۔

"ہاں۔"

"نو تو بج گئے مامی!" اس نے فکرمندی سے مامی کو دیکھا "سفر میں بھی ٹائم لگے گا۔"

"میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔"

"آپ بچوں کے پاس رہیں مامی! میں بھیا کو بھی جگاتی ہوں اور ناشتہ بھی بنا دیتی ہوں۔"

"ناشتا تو آج کل کرتا ہی نہیں ہے۔ چائے پی پی کر جان جلاتا رہتا ہے۔"

"انڈا بوائل کر دوں۔؟ اور سلائس بھی سینک لیتی ہوں۔" وہ مستعدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ندرت نے سر ہلا دیا۔ ایلیا کے آجانے سے ہی دل مطمئن ہو گیا تھا۔ وہ عالی کے پاس ہی کمر سیدھی کرنے لیٹ گئیں۔ جانے یہ کیسی خوشی ملی تھی، گھر ہی اُجڑ گیا تھا۔ پندرہ دن ہو گئے تھے، دن رات کا جیسے فرق ہی مٹ کر رہ گیا تھا۔ خالی خالی آنکھوں سے بچوں کو تکتے جانے کب آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ وہ ان معصوموں کو دیکھتے سسک پڑتیں۔ اللہ کے رنگ وہی جانے۔ کچھ تو سوچ ہی رکھا ہوگا اس مالک نے۔ وہی بگڑی کو بنانے والا ہے۔ وہی قادر مطلق ہے۔

☆☆☆

ناشتا تو بن گیا تھا۔ ایلیا واپس آئی تو ندرت ممانی کو بے خبر سوتے پایا۔ وہ دبے پاؤں واپس مومن کے کمرے میں آئی۔ مومن بھیا نے چہرے پہ کشن دے رکھا تھا۔

"بھیا!" اس نے حلق سے آواز نکالنے کی کوشش تو کی لیکن دبی دبی آواز میں کوئی زور نہیں تھا۔ وہ مامی اور بچوں کو بھی بے آرام نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ہاتھ بڑھا کر مومن بھیا کے چہرے سے کشن ہٹایا۔

"ہوں . " مومن نے مندی مندی آنکھوں سے اوپر دیکھا۔

"وہ۔ آپ نے ماموں کو لے جانا ہے نا۔ اُٹھ جائیں۔" نیم روشنی میں پہچاننا تو مشکل تھا۔ لیکن شعور کچھ کچھ بیدار ہونے لگا، پہلا خیال وسیلہ یا ایلیا کا آیا تو وہ جھٹ سے اُٹھ بیٹھا۔

"ہاں، ٹھیک ہے میں آتا ہوں۔" انداز ٹالنے والا تھا لیکن ایلیا ٹلی نہیں۔

"تم جاؤ، میں آجاؤں گا۔" اسے تنگ آکر کہنا ہی پڑا۔

"وہ......میں نے ناشتہ بنا دیا ہے۔ آپ جلدی آیئے گا۔"

"صرف چائے چاہیے۔" وہ کمبل ہٹا کر بستر سے نکل آیا۔

"ایک انڈا بھی کھالیں ابلا ہوا ہے اور سلائس بھی۔"

"امی کہاں ہیں؟" وہ اب ہاتھوں سے بال درست کرتے مکمل بیدار حالت میں دکھائی دے رہا تھا۔

"یہیں بچوں کے روم میں انہیں نیند آگئی ہے۔" ایلیا نے آواز پھر آہستہ کی۔

"او......" مومن کا لہجہ بھی خود بخود دھیما ہو گیا۔ "اوکے، میں وہیں کچن میں آجاتا ہوں۔" وہ آہستگی سے دروازہ بند کرتے باتھ روم میں چلا گیا۔ ایلیا نے ایک نظر چھوٹے کمرے میں ڈالی۔ بچے بھی دونوں سوئے ہوئے ملے، شکر ادا کرتے وہیں سے پلٹی۔

☆☆☆

"کیا ہوا، ایسے چپ چپ کیوں بیٹھی ہو؟" وہ وردی پہن کر کمرے سے نکلا تو رمشہ کو اداس مغموم سا بیٹھا دیکھا۔

"ایلیا وغیرہ سے بات کرنے کو دل چاہتا ہے لیکن سمجھ میں نہیں آتا کیا کہوں گی۔"

"ملنے چلی جاؤ۔" اس نے لہجہ مدھم رکھنے کی

کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہوا۔ دل عجیب سی پشیمانی میں گھرنے لگتا تھا۔ ایک بوجھ سا دل پہ آپڑتا جو شاید اب زندگی بھر دل سے اترنے والا نہیں تھا

"پہلے اور بات تھی منصب! پر تمہارے انکار نے حالات ہی بدل دیے ہیں۔ وسیلہ کا سامنا نہیں کرسکتی۔" رمشہ کی آواز رندھ گئی تھی۔ "جانے تحریم کے بعد زندگی کیسی کٹ رہی ہوگی۔ دو معصوم بچے۔ گھر کا اتنا سوگوار ماحول۔ رضوانہ آنٹی کی حالت سوچوں تو دل کٹنے لگتا ہے۔ اُف۔" اس نے جھرجھری لے کر آنکھیں میچیں "اللہ کسی کو جوان اولاد کا دکھ نہ دکھائے۔"

"آمین......" منصب نے ایک آہ بھری۔

"حالات ایسے نہ ہو جاتے تو کم از کم اس دکھ کی گھڑی میں ہم ان کے پاس تو ہوتے۔"

"اتنا مت سوچو۔ وقت ہر درد کا مرہم ہوتا ہے۔ جیسے تیسے حالات سے انسان سمجھوتا کرہی لیتا ہے۔ میرا خیال ہے تم بھی کچھ دن میمونہ باجی کے پاس ہو آؤ۔ موسم بھی بدل رہا ہے۔ ذرا مائنڈ چینج ہوجائے گا۔" منصب نے پل میں فیصلہ کیا۔

"دل نہیں چاہ رہا۔"

"ابھی نہیں چاہ رہا۔ جب چلی جاؤ گی تو موڈ بھی بہتر ہوجائے گا۔"

"تم چھوڑ آؤ گے؟" وہ نیم رضامند ہوئی۔

"ہاں، تم تیاری کرلو، آج کل یا جب بھی تم کہو، میں ڈیوٹی ٹائم کے بعد چھوڑ آؤں گا۔ مجھے بتا دینا۔"

وہ کیپ اٹھا کر سر پر جماتے باہر نکل گیا۔ رمشہ بس خالی الذہنی سے اسے جاتے دیکھتی رہی۔ تھانے جانا بھی جیسے روٹین کا ایک کام لگا، پھر بھی اس نے دل کو راضی کرلیا۔

میمونہ باجی تو خوش ہو جائیں گی۔ پھر یہاں کے حالات پر میمونہ سے بات کرکے شاید وہ دل کا بوجھ کچھ ہلکا کرپائے۔ بالآخر ایک فیصلے پر پہنچتے اس نے بھی جانے کا ارادہ کرلیا۔

☆☆☆

"کسی ٹائم بچوں کو یہاں لے آؤ وسیلہ۔"

رضوانہ نے نیم دراز ہوتے نقاہت سے اپنی خواہش ظاہر کی۔ خود وہ اپنی طبیعت کی وجہ سے زیادہ کہیں آ، جا نہیں سکتی تھیں۔ بچے تو جب سے تحریم فوت ہوئی تھی اپنے گھر میں ہی تھے۔ شروع کے دنوں میں تعزیت کے لیے آنے والوں کا رش لگا رہا۔ ندرت نے بچوں کو اپنے ہاں ہی رکھا۔

"ایلیا بتا رہی تھی ربیا کی شکل بالکل تحریم کی طرح ہے۔" وہ سوگوار مسکراہٹ لیے کھوئی کھوئی نظروں سے وسیلہ کو دیکھ رہی تھیں۔ وسیلہ نظر چرا کر باہر نکل آئی۔

پندرہ بیس دن ہوگئے تھے، ایلیا اب رات کو ممانی کے پاس ہی رہتی تھی۔ دن کے وقت بھی تھوڑی دیر کے لیے چکر لگاتی، زیادہ وقت اس کا بچوں کو سنبھالنے میں ہی لگ رہا تھا۔ وسیلہ کا چکر تو ضرور لگتا لیکن بچے سنبھالنا اسے نہیں آتا تھا۔ پھر امی کی طبیعت کی وجہ سے اسے مکمل ٹائم ان ہی کو دینا پڑ رہا تھا۔ ایلیا کی مدد سے وہ دونوں بچوں کو کچھ ہی دیر میں امی کے پاس لے آئی۔

"ماشاء اللہ۔" انہوں نے ہنس کر عباس کو گود میں لیا تو وسیلہ کو لگا امی جیسے دنوں بعد مسکرائی تھیں۔

"ایلیا، تم تو بالکل دادی اماں کی طرح بچوں کو پالنے میں لگی ہو، میں نے جب دو ہفتوں کے دیکھے تھے تو بلی کے بلونگڑے لگتے تھے۔ اب تو صحت ماشاء اللہ بہت اچھی لگ رہی ہے۔"

"تیل کی مالشیں کر کر کے رگڑ رہی ہوں دونوں کو۔" اس نے ہاتھ مسلے تو وسیلہ بھی ہنس دی۔ ستمبر کے آخری ایام چل رہے تھے۔ بچے اب مہینے بھر سے اوپر کے ہوگئے تھے۔

"انہیں تو چھوڑو، مجھے بھی ایلیا کی مالشوں کی عادت پڑ گئی ہے۔" ندرت ممانی ان کی بات سنتے ہوئے صحن میں داخل ہوئیں۔

"آؤ۔ آؤ۔ تم بھی بڑے دنوں بعد نکلی ہو۔"

رضوانہ نے اپنے قریب ندرت کے بیٹھنے کی جگہ بنائی۔ ”تو حنی کی طبیعت اب کیسی ہے؟“

”جی، اب تو بہت بہتر ہے۔“

”نیند کا مسئلہ حل ہوا؟“

”جی ہاں، کچھ تو دواؤں کی وجہ سے، کچھ اب خود بھی صدمے سے باہر نکلے ہیں۔ بچوں کو ان کے پاس لے جاتی ہوں تو خوش ہوتے ہیں۔“

”اور تمہیں کیوں مالش کی ضرورت پڑ گئی۔“

”کیا بتاؤں، خود بھی سمجھ نہیں پا رہی۔ سر جیسے بالکل خالی خالی لگتا ہے۔ مومن کہتا ہے اپنا بلڈ پریشر چیک کرواؤں۔“

”صحیح تو کہتا ہے۔ چیک کروا لینے سے کم از کم پتا تو چل جائے گا۔“

”بس ابھی تو ایلیا کی مالشیں بالکل صحیح کام کر رہی ہیں۔ وہ مسکرا دیں۔ ”طبیعت ایک دم بحال ہو جاتی ہے۔“

”بچے زیادہ تنگ تو نہیں کرتے رات کو؟“

”انہوں نے عابس کو سلا کر ربیا کو اپنی گود میں لیا۔

”ربیا تو بہت اچھی بچی ہے۔ ایک بار دودھ مانگتی ہے، کہیں دو ڈھائی بجے کے قریب۔ اور پھر سو جاتی ہے۔ لیکن یہ عابی بہت شرارتی ہے۔ اسے تو نیند ہی کہیں ایک بجے کے آس پاس آتی ہے۔ ایلیا کی مالشیں بھی کارگر نہیں اس پر۔“

”تحریم بھی ایسی تھی۔ دیر تک جاگنا، اچھل کود مچائے رکھنا۔“ رضوانہ جیسے بالکل ہی بے ساختہ اس کا نام لے بیٹھی تھیں۔ خود پر قابو پاتے پھر بولے ہی گئیں۔ جانے یہ درد ان کے نصیب میں کیوں لکھا تھا۔ کاش اللہ انہیں اٹھا لیتا۔ کم از کم عمر تو تھی جانے کی۔ وہ پھر ایک آہ بھر کر رہ گئیں۔

”ایلیا بتا رہی تھی، شہناز کا فون آیا تھا، کسی خاص سلسلے میں؟“ انہوں نے ندرت کا دماغ بٹانا چاہا۔

”ہاں، کال تو میں نے کی تھی، تحریم کا چالیسواں ہے تین دن بعد سوچا بلا لوں انہیں، تو وہ کہنے لگیں کہ خود ہی آنا چاہ رہی تھیں۔ وہ چاہتی ہیں، چالیسواں گزرتے ہی سادگی سے شادی کر دی جائے۔“

”اتنے جلدی۔“ ندرت کو سن کر ہی حیرت ہوئی۔

”امی! آپ سمجھائیں نا امی کو۔ فی الحال یہ شادی وادی کی بات بالکل بھول جائیں۔“ دیلہ نے ندرت کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

”تو کیا آپ ان کی بات ماننا چاہتی ہیں؟“ ندرت نے تعجب سے رضوانہ کو دیکھا۔

”اور کیا کروں، اب رشتہ کیا ہے، اگلوں کی بات تو سننا پڑے گی۔“

”مجھے تو ٹھیک نہیں لگ رہا۔ ایسی بھی کیا مجبوری ہے۔ پھر آپ کی طبیعت کا معاملہ، گھر کے حالات۔“

”ہاں، کہا تو میں نے بھی ہے۔ پر وہ کہتی ہیں، ماحول بہت سوگوار ہے، تھوڑی خوشی کی فضا بن جائے گی۔“

”کہاں بنے گی، خوشی کو تو وہ اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ پیچھے تو آپ اکیلی رہ جائیں گی۔“

”لیکن یہ قرض بھی ادا تو کرنا ہے۔ آج یا کل۔“ رضوانہ تو جیسے سوچے ہی بیٹھی تھیں۔

”تو پھر کل پر ہی رکھیں۔“ دیلہ نے برا سا منہ بنایا ”فی الحال کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔ منگنی کی بھی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ پتا نہیں آپ کو کیا جلدی پڑی تھی۔“

دیلہ کو جب بھی اپنا منگنی والا دن یاد آتا، ایک بوجھ سا آ پڑتا۔ یوں لگتا جیسے اچانک پاؤں کسی جال پہ جا پڑا تھا۔ بچنے کی سب کوششیں بے سود گئی تھیں۔

☆☆☆

”اسلام علیکم۔“

”وعلیکم اسلام۔“ وہ مسکراتے ہوئے سائیڈ پہ آ گئی۔

”کیا حال ہیں ڈاکٹر صاحب، مصروف تو نہیں؟“

www.zemtime.com

"جی زیادہ نہیں۔ کچھ خواتین امی سے ملنے آئی ہوئی تھیں، یونہی ان کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اب اندر آ گئی ہوں۔"

"تو... کیسی رہی صہیب سے ملاقات؟" عیسیٰ کو کچھ جاننے کی جلدی تھی۔

"جی۔ اب تو وہ بہت کھل کر ہر بات ڈسکس کر لیتا ہے۔ مشورے بھی مانگتا ہے۔ بھروسا کرتا ہے مجھ پر۔" تانیہ نے تفصیل سے جواب دیا۔

"کہنا بھی مانتا ہے کچھ؟" عیسیٰ نے جاننا چاہا تو بات تانیہ کی بھی سمجھ میں آ گئی۔

"جی، کہہ سکتے ہیں کہ اب سننے لگا ہے۔ زیادہ بحث بھی نہیں کرتا اب۔"

"تھینک گاڈ!" عیسیٰ نے سکون سے پلکیں بند کیں "مجھے یقین ہے تانیہ، آپ کے توسط سے صہیب کا مسئلہ ہمیشہ کے لیے حل ہو جائے گا۔"

"ان شاء اللہ، میں آپ کے اعتماد پر پورا اترنے کی کوشش کروں گی۔"

"اور...... کیا لگتا ہے۔ کتنا ٹائم لگ سکتا ہے، صہیب کو اس فیز سے نکلنے میں؟"

"یہ کہنا تو مشکل ہے، پہلے صہیب نصیحت سننے لگ جائیں، یہی بہت بڑی کامیابی ہوگی۔"

"ہوں...... اور نصیحت کرنے والی دور بہت ہے۔ تو کیوں نہ اسے قریب لانے کی کوشش کی جائے۔"

"جی......؟" وہ جملے میں چھپی شرارت کو سمجھ تو گئی لیکن لہجہ بہت سنجیدہ رکھا۔

"تم یہاں آ جاؤ، اس گھر میں تو کیا لگتا ہے ایک ساتھ دو، دو مریضوں کا علاج نہیں ہو جائے گا؟"

"پتا نہیں۔ وہ بری طرح جھینپ گئی "یہ دوسرا مریض تو خواہ مخواہ گلے پڑ رہا ہے۔"

"اچھا۔ پھر تو سوچ لیں۔ ابھی بھی وقت نہیں گیا۔" اس نے بظاہر عام انداز میں کہا لیکن دل نجانے کیوں کچھ پژمردہ سا ہوا تھا۔ تانیہ سے جواباً وہ کسی خوب صورت اظہار کا متمنی رہتا تھا۔

"اب ایسا بھی کچھ نہیں۔" اس نے دھیمے انداز میں کہا تو عیسیٰ کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ لب دبائے وہ اس کے کچھ اور کہنے کا منتظر تھا۔

"کیسا۔ کچھ نہیں؟" کچھ دیر بعد استفسار کیا۔

"میرا خیال ہے۔ صہیب کو نزدیک رہ کر سمجھانا واقعی اچھا رہے گا۔" تانیہ نے بھی کچھ دیر ٹھہر کر جملے منتخب کر کے کہہ ہی دیا۔ اس بار عیسیٰ بے ساختہ کھل کر ہنس دیا تھا۔ تانیہ کو دوست نما پارٹنر سمجھنا اس کی بھول ہرگز نہیں تھی۔ وہ دل سے خوش ہوا۔

"میں آج ہی امی سے بات کرتا ہوں، اور وہ تو ویسے بھی تیار بیٹھی ہیں۔ تم بس اپنے پیرنٹس سے صلاح کر لو۔"

"مجھے کیا ضرورت۔ بڑے ہیں نا۔ آپس میں بات کرنے والے۔" اس نے عیسیٰ کی بات اسی کو لوٹائی تو وہ ایک بار پھر ہنس دیا۔

"مجھے ویسے شرارتی دوست بھی بہت پسند ہیں۔"

"اور مجھے صاف گو دوست۔ اور مجھے یہ کہنے میں کوئی قباحت نہیں کہ سردار عیسیٰ کا دل آئینے سا شفاف ہے۔ وہ جب ہلکا سا مایوس بھی ہوتا ہے کچھ خاص سننے کے لیے تو فوراً محسوس ہو جاتا ہے۔" تانیہ نے اس بار زیادہ کھل کر کہا اور عیسیٰ خوش گوار حیرت سے دوچار ہوا۔ تو تانیہ نے اتنے سے جملے میں ہی پا لیا کہ وہ جواباً کچھ اچھا سننا چاہتا ہے۔

"میں خوش نصیب ہوں تانیہ! کہ مجھے تم مل رہی ہو۔"

"تھینک یو عیسیٰ۔ میں بھی ایسا ہی سمجھتی ہوں۔ اور اپنی سچی خوشیوں کے لیے دعا گو ہوں۔"

"ان شاء اللہ وہ وقت بہت قریب ہے۔"

"ان شاء اللہ"

☆☆☆

"چلیں مامی .... میں تیار ہوں۔" وہ خود کو مستعد ظاہر کرتے دوڑ کر برآمدے میں پہنچی اور میز

کے کونے سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ مومن نے کالے چشموں میں سے گھور کر اوپر دیکھا۔ اور وہ اسی عذاب سے تو ڈر رہی تھی۔ دور سے ہی دیکھ لیا تھا کہ مومن بھیا جانے کے لیے ایک دم ریڈی بیٹھے اپنی کلائی پہ بندھی گھڑی کو دیکھ رہے ہیں۔ یعنی کہ وہ لیٹ ہے۔ اسی سوچ نے سرپٹ بھاگنے پہ مجبور کیا اور وہ میز سے آ لگی۔

"آؤ۔ بچوں کو لے آتے ہیں۔" ندرت ممانی نے اندر کا رخ کیا۔

"خیال سے اُٹھانا۔" پیچھے سے بارعب حبیبہ آئی اور وہ دانتوں میں زبان دبائے اندر بھاگی۔ دونوں بچوں کو حفاظتی انجکشن لگنے تھے۔ بھیا نے آفس سے دو گھنٹے آف لیا تھا۔ وہ اور ندرت ممانی بچوں کو لیے حفاظتی مرکز جانے والے تھے۔ رات کو وہ معمول کے مطابق یہیں رہی تھی۔ ناشتے کے بعد تیاری کے لیے گھر چلی گئی تھی۔ اب تو بڑے دن ہوئے عادت سی ہو چلی تھی۔ وسیلہ نے اپنا گھر اور امی کی دیکھ بھال کی ذمہ داری اٹھائی تھی تو وہ ندرت مامی کے ساتھ مل کر بچوں کا خیال رکھتی۔ سب کچھ جیسے اپنے آپ طے ہوتا گیا۔ دن کے وقت میں مامی کو توفیق ماموں کا بھی بہت خیال رکھنا پڑتا۔ تب ایلیا دونوں بچوں کو باری باری اٹھا کر اپنے گھر لے آتی۔ وسیلہ کا خیال یہ تھا کہ امی جب بچوں کے ساتھ ٹائم گزارتی ہیں تو تحریم کا صدمہ بہت دیر کے لیے جیسے کہیں دور چلا جاتا ہے۔ ادھر ممانی بھی دن کے اوقات میں کچھ آرام کا وقت گزار لیتیں۔ وہ، امی اور ایلیا بچوں کو زیادہ اچھی طرح سنبھال لیا کرتے۔

"فائلیں اٹھالی دونوں کی؟" مومن نے گاڑی اسٹارٹ کرتے یاددہانی کرائی۔

"ہاں، میں نے رکھ لی ہیں۔" مامی نے عابی کو لیا ہوا تھا۔ ایلیا نے ریبا کا کیریئر لیا اور احتیاط سے پچھلی سیٹ سنبھالی۔ حفاظتی مرکز وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ کچھ ہی دیر میں مومن کی گاڑی وہاں تک پہنچ گئی۔ ندرت اور ایلیا اس کے کار پارک کرنے تک اندر پہنچ گئے۔ اور جب مومن وہاں آیا تو ایلیا ریبا کو لیے آگے آئی ہوئی تھی۔ عابی کا انجکشن ہو گیا تھا اور وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر رو رہا تھا۔ ندرت اسے پچکارتے کمرے سے باہر نکل چکی تھیں۔ ایلیا ڈرتے ڈرتے بنچ پر بیٹھ تو گئی تھی لیکن یہ اس کے لیے پہلا تجربہ تھا۔ اُسے زیادہ فکر یہ تھی کہ ریبا عین وقت پر ہلنے نہ لگے۔

"مجھ سے نہیں سنبھالی جائے گی۔" اس نے گھبرائی نظروں سے نرس کو دیکھا۔

"پہلے بھی تو آئے تھے نا تم لوگ؟" مومن کو حیرت ہوئی کہ یہ بچوں کا دوسرا انجکشن تھا۔ اور پہلی مرتبہ بھی ایلیا اور اس کی امی آئے تھے لیکن تب انہیں وسیلہ لائی تھی۔

"انجکشن مامی نے ہی لگوائے تھے۔"

"آپ پکڑنے میں ان کی مدد کر دیں۔" نرس نے ایلیا کے قریب بنچ پر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ ان دونوں کو کپل سمجھ رہی تھی۔ مومن نے تنی بھنوؤں سے ایک نظر ایلیا کو دیکھا۔

"لاؤ، مجھے دو، میں لگواتا ہوں۔" اس نے بجائے بیٹھنے کے ریبا ہی اس سے لے لی۔ ایلیا جلدی سے اُٹھ گئی۔ مومن نے ہی ریبا کی ٹانگوں کو مضبوطی سے پکڑا اور نرس نے انجکشن لگا دیا۔ ریبا ہلکا سا چیخ کر فوراً ہی چپ بھی ہو گئی تھی۔

"بوائے کی نسبت بچی کی گروتھ کچھ سلو لگتی ہے۔" نرس نے اپنا تجربہ ظاہر کیا۔ مومن اور ایلیا نے بیک وقت گھبرا کر ریبا کو دیکھا۔

"ارے آپ دونوں کو گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔" نرس مسکرا دی۔ "ٹوئنز کے معاملے میں ایسا عام دیکھنے میں آتا ہے۔ ماں کی توجہ اکثر بچوں کی طبیعت یا کبھی کبھار اُن کے مزاج کی وجہ سے کسی ایک کی طرف ذرا زیادہ ہو جاتی ہے۔ ایسے میں شریف بچہ ہی اکثر بے توجہی کا شکار رہتا ہے۔"

"تو.....کیا کرنا چاہیے؟" مومن کی فکر میں کمی نہیں آئی تھی۔ پریشان کن نظروں سے وہ نرس کو دیکھے جا رہا تھا۔

"کوئی ایسی بات نہیں۔ کچھ بچے شور مچا کر دودھ مانگتے ہیں، تو زیادہ مقدار حاصل کر لیتے ہیں، کچھ دیر تک چپ چاپ سوئے رہتے ہیں۔ یہ تو ماں زیادہ بہتر بتا سکتی ہیں۔" اس نے پھر ایلیا کی طرف اشارہ کیا۔ مومن نے تو اس کی غلط فہمی کو اگنور کیا۔ وضاحت دینا بھی ضروری نہیں سمجھا اور بچ سے اٹھتے ریا ایلیا کو تھما دی۔ لیکن دروازے میں آئی ندرت نے جیسے پہلی مرتبہ بڑی پرسوچ نظروں سے مومن اور ایلیا کو دیکھا۔ کیچ کر او نچی پونی ٹیل باندھے پیلی فر والی شال چہرے کے گرد لپیٹے بلیک کوسٹر میں وہ بچہ مومن سے لیتے اس بچو رمرد کی وائف اور بچے کی مما ہی تو لگ رہی تھی۔

"مم.....میں۔ خالہ ہوں۔" ایلیا کی شرمندگی عروج پر تھی۔ اسے اب ایک بھی بار اور اپنے لیے "ماں" کا لفظ نہیں سننا تھا۔

"او.....سوری!" نرس نے بے ساختہ زبان دانتوں میں دبائی۔ مومن باہر نکل گیا اور وہ بھی ریا کو لیے پیچھے پیچھے دوڑی۔

"دونوں کے کھانے پینے کا ایک جیسا خیال رکھنا چاہیے۔" مومن نے گاڑی آگے بڑھاتے سمجھانا شروع کیا۔

"نرس کا کہنا بھی غلط نہیں لیکن بڑے کہتے ہیں، بچے کی صحت اچھی ہونی چاہیے۔ وزن میں اونچ نیچ کی اتنی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ اب کھانا پینا تو ہر بچہ اپنی ضرورت کے مطابق ہی کرتا ہے۔ پھر ریا لڑکی ہے۔ بچیاں تو نازک ہی ہوتی ہیں۔" ندرت ماں اس کی تسلی کے لیے کہتی چلی گئیں۔

"ہاں لیکن بچی کو اٹھائے اٹھائے پھرنا ہی کافی تو نہیں ہے۔ وقت پر دودھ دینا بھی تو ضروری ہے۔" مومن نے بیک مرر میں ایلیا کو گھورا اور ایلیا تو گھورنے سے پہلے ہی سمجھ گئی تھی کہ اسی پر چوٹ ہو رہی ہے۔ عالی کی نسبت ریا ہی اس کے پاس زیادہ رہتی تھی۔

"اب تم من وعن نرس کی بات پہ یقین نہ کرو نا۔ دونوں کے فیڈر ایک ساتھ ہی بنتے ہیں۔"

ندرت کو غصہ آنے لگا۔ مومن نے بھی اس بار بنا جواب دیے اسپیڈ بڑھا دی۔

☆☆☆

"میں کہہ رہا ہوں امی، مجھ سے اب اور انتظار نہیں ہوتا۔ چھ ماہ سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا۔ اور ہمارے بیچ اتنی بھی ندرت کی بات ہرگز نہیں ہوئی تھی۔ آپ کے ان الجھے بکھیڑوں سے میری کمٹ منٹ پر بھی اثر پڑ رہا ہے۔ آخر میں کب تک بہانے بناؤں۔" ارحم بری طرح بھڑکا ہوا لگ رہا تھا۔

"ارے تو مجھے بھی کہاں اندازہ تھا۔ پھر موت فوت بتا کر آتے ہیں۔ ان کے گھر میں شادی بیاہ کا ماحول کہاں رہا تھا۔ تم نے چالیسویں کے فوراً بعد کا کہا تو انہوں نے بات نہیں مانی تھی۔ پر اب تو چھ ماہ ہو گئے، اب تو مان لینا چاہیے۔"

"تو کوئی ڈھنگ کی وجہ بتائیں۔ ایسے تو ایک سال بھی آپ کی بات کوئی نہیں سننے والا۔"

"کیا کہوں۔ کوئی وجہ بھی تو نہیں مل رہی۔" شہناز بری طرح بے چین دکھائی دیں۔

"دادی سے کہلوائیں۔"

"وہ بڑھیا خود اس تحریم کے غم میں ڈوبی ہے۔ کہتی ہے ابھی ابھی پوتی کو دیکھنا نصیب ہوا تھا اور اللہ نے واپس بھی لے لی۔"

"تو سمجھائیں انہیں کہ جانے والی کے سوگ میں ڈوبنے کے بجائے دوسری پوتی کی خوشی وقت پر دیکھ لیں۔"

"شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔" شہناز کا لہجہ پہلی مرتبہ کچھ پرسوچ ہوا "تمہاری دادی سے کہلوانا ٹھیک رہے گا۔ لیکن اس کے لیے تمہیں کچھ دن اور خدمتیں کرنی ہوں گی۔ سنو۔" وہ سرگوشی کے انداز میں کہتے اس کے قریب آئیں۔

"کل تمہاری دادی کا چیک اپ ہے۔ ہمیشہ تو ڈرائیور ہی لے جاتا ہے۔ اب جہاں اتنے سعادت مند بنے ہوئے ہو۔ ایک چکر ڈاکٹر کا خود لگوا

آؤ۔ دیکھنا پوری پگھل جائے گی۔ پہلے بھی حیران پریشان ہے ہمارے بدلے رویوں پر۔
"ہوں!" ارحم نے لب بھینچ کر سوچا "لیکن سن لیں آپ۔ ان ہی پندرہ دنوں کے اندر شادی کی ڈیٹ نہ رکھی گئی۔ تو میں پھر نہیں رکنے والا۔"
"ہاں، میں کرلوں گی۔ اب تم سمجھو۔ کسی بھی قیمت پر۔" شہناز نے مصمم ارادہ باندھتے جیسے اپنے آپ کو یاد دلایا کہ دراصل اس کا مشن تھا کیا۔

☆☆☆

ایلیا اس وقت چھوٹے کمرے میں اکیلی تھی۔ ندرت مامی کچھ دیر پہلے ماموں کو دیکھنے گئی تھیں۔ عالی تو دودھ پی کر سو گیا تھا۔ مامی اسے کاٹ میں سلا گئی تھیں۔ دیبا آج شرارت کے موڈ میں تھی۔ شام کو دیر تک سوتی رہی تھی اس لیے ابھی اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ مامی کے جانے کے بعد ایلیا، اسے چھوٹے کمرے میں ہی دیر تک ٹہلاتی رہی تھی اور اب کہیں ساڑھے بارہ بجے اسے بھی نیند آگئی۔ ایلیا نے اسے اس کے کاٹ میں سلایا اور اب سونے سے پہلے اسے واش روم جانا تھا۔

اس نے چھوٹے کمرے کا دروازہ آدھا کھول کر مومن بھیا کے روم میں جھانکا۔ اس کا خیال تھا وہ بہت دیر پہلے سو چکے ہوں گے۔ لیکن وہ بجائے بستر کے ریوالونگ چیئر پر بیٹھے آگے پیچھے جھول رہے تھے۔ چھوٹے کمرے کی طرف ان کی پیٹھ تھی۔ ایلیا جھجک کر وہیں رک گئی۔ جہاں بھیا بیٹھے تھے، وہیں سامنے ہی تو اٹیچ باتھ کا دروازہ تھا۔ اسے آگے بڑھنے کی بالکل ہمت نہیں ہوئی۔

آہستہ روی سے چلتے واپس اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گئی۔ اس کمرے کے سنگل بیڈ پر مامی سوتی تھیں۔ تب ہی ایلیا نے اپنا بستر نیچے کارپٹ پر بنا لیا تھا۔ نیچے بچھے میٹرس پر بیٹھتے اس نے دیوار سے ٹیک لگا لی۔ پلکیں بند کیں تو مسکراتی ہوئی تحریم کا چہرہ نظروں میں پھر گیا۔ ایلیا نے گہری آہ بھر کر آنکھیں کھولتے دروازے کی طرف دیکھا۔ جانے بھیا کو نیند کیوں نہیں آرہی، جانے وہ آپی کو کتنا مس کرتے تھے۔

چھ ماہ گزر گئے تھے، یہاں گھر کا ہر فرد تحریم کے جانے کے بعد اپنے ہی غم سے نبرد آزما تھا۔ گزرے چھ ماہ میں شاید ہی کسی کو مومن بھیا کے ساتھ بیٹھ کر ان سے ہمدردی کرتے، ان کا دکھ بانٹنے کا خیال آیا ہو۔ اُن کے اور ماموں کے علاوہ یہاں سب عورتیں تھیں۔ سب ہی نے خوب رو پیٹ کر اپنا دل ہلکا کیا تھا لیکن مومن بھیا کا درد تو جیسے ان کے اندر کہیں تحلیل کر جھیل بنا تھا۔

ایلیا کا دل چاہا ابھی جا کر ان کے پاس بیٹھ کر ان سے کہے۔ آج مجھ سے آپی کے موضوع پر اتنا بولیں، اتنا بولیں کہ صبح تک آپ کے دل کے سارے بوجھ ہلکے پڑ جائیں۔

"ابھی تک جاگ رہی ہو۔" ندرت مامی بے آواز کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ ایلیا کو بیٹھا دیکھ کر آہستہ آواز میں پوچھا تو وہ سیدھی ہو بیٹھی۔

"جی، وہ مجھے واش روم جانا تھا۔"

"ہاں تو ہو آؤ۔ پہلے بھی دیکھو کتنا ٹائم ہو گیا ہے۔ تھوڑا ریسٹ کرلو، اس سے پہلے کہ ان میں سے کوئی جاگ جائے۔" انہوں نے بچوں کی طرف اشارہ کیا۔

"جی، وہ مومن بھیا جاگ رہے تھے تو۔" ایلیا جھجک گئی۔

"آں..... ہاں....." ندرت کو پہلی بار دھیان آیا۔ "یہ بھی پتا نہیں کیوں بے خوابی کا شکار رہتا ہے۔ کتنا سمجھایا ہے، خود کو سوچ سوچ کر مت ہلکان کیا کرو۔ پر سمجھتا کہاں ہے..... آؤ تم" وہ دبے دبے انداز میں کہتے اس کے آگے چل پڑیں۔

"سو جاؤ مومن! صبح آفس بھی تو جانا ہے۔" ندرت اس کمرے میں آکر بیٹے سے بات کرنے لگیں اور ایلیا۔

☆☆☆

"ایک تو میری یہ سمجھ میں آرہا آپ کو جلدی کس بات کی ہے۔ سچ پوچھیں نا پھوپھو۔ تو مجھے اس

منگنی کی بھی کوئی تک سمجھ میں نہیں آئی۔"

مومن سامنے بیٹھا سخت جھنجھلایا ہوا سا نظر آ رہا تھا۔ وسیلہ ذرا دور ڈائننگ ٹیبل کے پاس بیٹھی تھی۔ مومن آفس سے آ کر کھانا وغیرہ کھانے اور ریسٹ کر لینے کے بعد روزانہ ہی پھوپھو کے پاس آ کر بیٹھتا تھا۔ آج جب وہ آیا تو رضوانہ نے اسے شہباز کے اصرار کے متعلق بتایا۔ مزید یہ کہ وہ خود بھی اب یہی چاہ رہی ہیں کہ وسیلہ کی جلد شادی کر دی جائے

"ٹھیک ہے وہ لوگ آپ کے بہت قریبی سسرالی ہیں۔ بچوں سے ان کا خونی رشتہ ہے لیکن اتنی مدت بعد ملنا جلنا ہو تو بندہ کچھ وقت تو لیتا ہی ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو مومن، ان لوگوں کے ساتھ ہمارے حالات تو واقعی ایسے رہے تھے کہ کم از کم سال بھر ہمیں سوچ بچار کے لیے لینا ہی چاہیے تھا لیکن میری تسلی کی وجہ، صرف اماں جی کی موجودگی ہے۔ ان کا آنا اور رشتے کے معاملے میں راضی خوشی شرکت کرنا، اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ان سب کے حوالے سے مطمئن ہیں۔ مجھے لگتا ہے ارحم کی سوچ نے یقیناً گھر بھر کے خیالات کو تبدیل کر دیا ہے۔ وہ آج کا بچہ ہے، اسے ان بکھیڑوں سے بالکل کوئی سروکار نہیں تھا۔ پھر اس نے کہا کہ وہ وسیلہ کو یونی ورسٹی کے وقت سے پسند کرتا ہے۔ پھر تو سوچو کہ وسیلہ کی یہ کیسی خوش نصیبی ہے۔ چاہنے والا جیون ساتھی مل جائے تو قدر کرنی چاہیے۔"

"چلیں مان لیا..... آپ کا دل ہر حوالے سے مطمئن ہے لیکن یہاں گھر کا ماحول تو دیکھیں، تحریم کو گئے ابھی چھ ماہ ہوئے ہیں۔ لوگ کیا سوچیں گے۔"

"لوگ ہزار باتیں بنالیں ایک ماں کی محبت پر کبھی شک نہیں کر سکتے۔ دل تو میرا اجڑا ہے۔ مجھ سے بہتر کون ہوگا جو اس درد کو محسوس کر سکے۔ پھر شہباز نے سادگی کے ساتھ نکاح اور رخصتی کی بات کر لی ہے۔ اسے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ جلدی شادی کرنا ہماری بھی مجبوری ہے۔ اماں پہلے ہی بیمار رہتی تھیں۔ تحریم کے بعد اچانک صدمے والی حالت میں ہیں۔ ڈاکٹرز کے مطابق وہ جس گہرے صدمے میں ہیں تو ان کی اعصابی اور جسمانی کمزوری شاید ان کا زیادہ عرصے تک ساتھ نہ دے۔"

"اوہ......" مومن نے لب بھینچے۔ کہ یہ ایک نئی بات تھی۔

"تو پھر.....کب؟"

"تم سے یہی مشورہ کرنا تھا۔ معافی چاہتی ہوں کہ تمہارے دل اور جذبات کی پروا کیے بغیر مجھے ایک فیصلہ کرنا پڑ رہا ہے۔ لیکن حالات بھی کبھار بہت نازک مقام پر لے آتے ہیں۔ فیصلے جیسے اپنے آپ ہوتے چلے جاتے ہیں۔"

رضوانہ نے سوچ کر لفظوں کا چناؤ کیا۔ وہ مومن سے اس معاملے کی صرف ایک ہی مجبوری کا ذکر کر سکتی تھیں۔ دوسری مجبوری کی بھنک بھی وہ مومن کو پڑنے نہیں دے سکتی تھیں۔

اماں جی کی طبیعت کے بارے میں تو چلو شہباز سے پتا چلا لیکن گھر میں موجود ایک مریض کی حالت پر تو وہ برسوں سے اندر ہی اندر گھل رہی تھیں اور اب تک کے وقت میں بے بس اور مجبور بھی بہت تھیں۔

بیوگی کے بعد انہیں صرف اور صرف توفیق بھائی کا سہارا رہا تھا۔ چاہے مالی تنگی ہو یا کسی بھی قسم کا تعاون، توفیق بھائی نے ہی ہر موقع پر ان کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔ لیکن اب تین برسوں سے فالج کی تکلیف نے انہیں خود ہی لاچار و بے بس کر دیا تھا۔

مومن نے انہیں پاکستان کے ہر بڑے ہسپتال میں دکھا دیا تھا لیکن ان کا علاج تب ہی ممکن تھا، جب انہیں ایک لمبے عرصے کے لیے ہسپتال ایڈمٹ کر دیا جاتا لیکن اس کے اخراجات، اتنے زیادہ تھے کہ مومن چاہ کر بھی اب تک اپنے ارادوں پہ عمل نہیں کر سکا تھا۔ ارحم کی آمد اور سسرال سے دوبارہ جڑ جانے سے رضوانہ کو ایک آس سی پیدا ہو چلی تھی۔

جمال کی وفات کے بعد تو وہ ان کی جائیداد اور اپنے بچوں کے حق سے جیسے آپ ہی دست بردار ہو چکی تھیں۔

کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ مرحوم شوہر کا حق وہ سسرال جا کر مانگ سکتی ہیں۔ لیکن اب جبکہ ہر کام خود بخود ہوتا چلا جا رہا تھا تو رضوانہ چاہتی تھی۔ جلد از جلد وسیلہ کا گھر بس جائے، دونوں گھر ایک دوسرے سے مکمل مل جائیں تو وہ ارحم سے کہلوا کر بچیوں کا حق مانگ سکتی ہیں اور تب سب سے پہلے انہیں بھائی کا علاج کروانا تھا تاکہ ندرت اور بھائی جان کی بے رنگ زندگی میں پھر سے بہار آ جائے۔

"معذرت کی بات ہی نہیں ہے پھوپھو! اتنا تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ ایسے فیصلے انسان کو مجبوری میں ہی کرنے پڑتے ہیں۔ بہر حال آپ مجھ سے بہتر سمجھتی ہیں۔ اگر آپ نے فیصلہ کر لیا ہے تو پھر ان لوگوں سے مشورہ کر کے کوئی بھی تاریخ طے کر لیں۔"

"وہ لوگ دو ہفتے بعد کا کہہ رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے آپ دیکھ لیں، میرے لیے جو بھی کام ہو بتا دیجیے۔ وسیلہ نے اگر چکوڑہ کا چکر لگانا ہو تو میں لے جاؤں گا۔"

"ہاں، ابھی دو دن بعد اتوار ہے، میں اس سے کہتی ہوں سامان کی لسٹ بنا لے، پھر تم دونوں ہی چلے جانا، بچوں کی وجہ سے اور تو کوئی ساتھ نہیں جا پائے گا۔"

"جی ٹھیک ہے۔" مومن اٹھ کھڑا ہوا "تم تسلی سے ہر چیز لکھو، اگر ایک سے زیادہ چکر بھی لگانا پڑا تو کوئی بات نہیں۔" مومن نے اس بار وسیلہ کو دیکھا۔

"جی۔" اس نے اب تک کسی بات میں حصہ نہیں لیا تھا۔ مومن کے کہنے پر بھی آہستہ سے سر ہلا دیا۔

"اچھا ہاں، فرنیچر نہ صرف پسند کرنا ہے بلکہ آرڈر بھی دے کر آنا ہے۔ اور جب تیار ہو جائے تو سیدھے تھانہ کے لیے لوڈ کروا دیں گے۔" رضوانہ کو خیال آیا۔

"جی، یہی صحیح رہے گا۔" وہ تائید کر کے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

"آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں عیسیٰ!" تانیہ اب اس کے کہنے پر اسے نام لے کر ہی بلا لیا کرتی۔

"ہوں!" عیسیٰ نے ایک سرد آہ کھینچی "صہیب کے دوستوں سے پتہ چلا ہے کہ پریشے کی شادی تیار ہے۔"

"اوہ!" تانیہ کو سمجھنے میں بس سیکنڈز لگے، بات بہت واضح تھی، مزید کسی تفصیل کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

"صہیب سے کیسے پیش آنا چاہیے، سمجھ نہیں پا رہا۔"

"صہیب کو پتا ہے کہ.....؟"

"نہیں...... اس کے دوست رضوان کا تو یہی کہنا ہے کہ اس کی بہن پریشے کی دوست ہے اس لیے یہ ایک اندر کی بات اسی کے سامنے آئی ہے اور اس نے صہیب سے اس کا ذکر نہیں کیا۔"

"تو...... پھر...... کیا خیال ہے آپ کا۔" تانیہ نے اس کے خیالات جاننا چاہے۔

"کنفیوز ہوں ڈاکٹر صاحبہ، آپ کی رائے چاہیے۔" وہ پہلی بار مسکرایا۔

"پہلے بتانے کی خاص ضرورت تو نہیں ہے۔ الٹا اسے ذہنی طور پر اپ سیٹ کرنے والی بات ہے۔"

"آر یو شیور؟" عیسیٰ کا پوچھنا یوں تھا جیسے اس کی سوچ کچھ الگ تھی۔

"جی بالکل......" وہ سیدھی ہو بیٹھی "اور وہ اس لیے عیسیٰ، کہ اگر پہلے بتا دیا تو ظاہر ہے ڈیٹس بھی بتانا پڑیں گی۔ تب صہیب پر وہ تمام لمحے نہایت گراں گزریں گے جن میں مایوں، مہندی، رخصتی وغیرہ۔ آپ.. سمجھ رہے ہیں۔"

"اوہ" عیسیٰ نے سر ہلایا "مطلب تمہارا خیال ہے کہ وہ وقت بے خبری میں گزر جائے تو اچھا

ہو گا۔"

"جی بالکل... بعد میں جب صہیب کو اس کی شادی کا پتا چلے گا تو یہ سب نازک مراحل گزر چکے ہوں گے۔"

"ہوں...... بات تو صحیح ہے۔"

"اور...... شادی ہے کب؟"

"بس ہفتے بھر میں۔"

"تو اگر صہیب کو کہیں اور سے پتا چل گیا تب؟" تانیہ کو خیال آیا کہ اُن کے نہ چاہنے کے باوجود بھی صہیب کے علم میں یہ بات آسکتی ہے۔ تب کیا ہو گا۔

"میرا تو ویسے خود بھی یہی خیال تھا کہ اسے پہلے سے بتا دیا جائے، لیکن خیر، میں تمہاری رائے کو مقدم جانتا ہوں، ہاں اگر اسے خود ہی کہیں سے پتا چل گیا تو اس کو اللہ کی طرف سے بہتری سمجھوں گا۔"

"جی، آپ پریشان نہ ہوں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"پتا نہیں کیسے ٹھیک ہو گا۔ امی کہتی ہیں تمہارے کام تو سیدھے ہوتے جا رہے ہیں، صہیب کا معاملہ جوں کا توں ہے۔" عیسیٰ کچھ خفا سا روانی میں ماں کا شکوہ بھی بتا گیا۔ تانیہ کو ہنسی تو آئی لیکن ضبط کر گئی۔ اب ہونے والی ساس کے بارے میں کہا بھی کیا جا سکتا ہے۔

"چلو خیر سے یہ معاملہ بخوبی نمٹ جائے، پھر امی کو بھیجتا ہوں۔ میری پشاور والی خالہ بھی اگلے ہفتے آ رہی ہیں۔ امی ان ہی کا انتظار کر رہی ہیں۔ کہہ رہی تھیں شادی کی ڈیٹ ہی فکس کروا آئیں گی۔"

"آپ ایسی خبریں بھی آف موڈ کے ساتھ دیتے ہیں۔" اس نے لطیف سا شکوہ کیا تو عیسیٰ بھی ہنس دیا۔

"بس یار...... مجھے تو لگتا ہے مستقل ڈپریشن کا مریض بننے والا ہوں۔ کوئی بات بھی خوش نہیں کر پاتی۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ذہن کو ریلیکس رکھا کریں۔"

"ہوں۔ کوشش کی جا سکتی ہے۔" اس کا لہجہ تائید کرتے بھی سست سا تھا۔ تانیہ سے بھی مزید کچھ بولا نہیں گیا۔ کچھ دنوں سے اسے بھی ایسا لگنے لگا تھا جیسے اب کوئی بات خوش نہیں کر پاتی۔ اور معلوم نہیں ایسا کیوں تھا جبکہ زندگی سے بظاہر شکوہ بھی کوئی نہیں تھا۔

☆☆☆

"چلو شکر ہے۔ اب تو خوش ہو نا؟" شہناز نے موبائل ایک سائیڈ پر رکھتے معنی خیزی سے ارحم کو دیکھا۔

"بس اب آگے کے معاملات آپ جانیں۔ مجھے تو اتنا بتا دیں گی کہ کب جانا ہے سہرا باندھ کر اور آپ کی امانت کو آپ کے حوالے کرنا ہے۔"

"اتنا آسان بھی مت سمجھو پاگل۔ رضوانہ تمہاری ہونے والی ساس ہے، کئی ایک معاملات میں تمہارا مشورہ چاہنے کے لیے ڈائریکٹ تمہیں کال کر سکتی ہیں۔ شادی تک تو خود کو یہیں حاضر رکھو۔"

"ارے تو آپ کس لیے ہیں۔" وہ سخت اکتایا۔

"اس دن تمہیں پتا ہے کیا ہوا۔" شہناز نے ہاتھ لہرایا تو ارحم چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

"وسیلہ سے میری کپڑوں کے معاملے پر بات ہو رہی تھی تو اچانک مجھ سے پوچھنے لگی کہ ارحم جب اس کے ساتھ یونی میں پڑھتا تھا تو ان کے بیچ میں اور کون کون سے اسٹوڈنٹس تھے۔ کہتی ہے۔ میں ارحم کو یاد کرنے کی کوشش کر رہی ہوں کہ وہ یونی میں کہاں ہوتا تھا۔"

"تو آپ نے کیا کہا؟" ارحم کے لہجے میں ہلکی سی تشویش تھی۔

"بس یہی کہ ارحم سے پوچھوں گی۔"

"تو یہ کہیں شادی سے پہلے نہ پوچھنے بیٹھ جائے۔ کیا کہوں گا، وسیلہ تو چھوڑ میں نے آج تک یونی ورسٹی بھی دیکھی ہوئی نہیں۔"

"ٹال دینا تم بھی کسی بہانے۔ اب دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔"

"ہوں، میں ذرا باہر تک جا رہا ہوں۔" اس نے کلائی پر گھڑی باندھی۔

"سنو۔" شہناز نے جاتے ارحم کو آواز دے کر روکا۔

"تمہاری دادی تم سے موبائل مانگے تو خبردار بالکل مت دینا۔"

"مطلب.....؟" وہ بالکل نہیں سمجھا تب ہی پورا واپس پلٹا۔

"ارے، مجھ سے اس دن موبائل مانگ رہی تھیں کہ رضوانہ سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ اور میں یہ رسک کسی قیمت پر نہیں لے سکتی۔ پتا نہیں رضوانہ ان سے کیا کچھ پوچھنے لگ جائے۔ میاعرم تو میں اس لیے انہیں ساتھ لے گئی کہ ان دونوں کی ملاقات میری موجودگی میں نمٹ گئی تھی۔ ان کو میں نے پل بھر کے لیے بھی اکیلا نہیں ہونے دیا۔ میں نہیں چاہتی تھی رضوانہ اکیلے میں ان سے مشورہ کرنے لگ جائے۔"

"کرے بھی تو کیا۔ چھ ماہ سے جو اچھا بننے کا ماحول آپ نے بنا رکھا ہے۔ دادی تو پوری طرح اس جال میں پھنسی ہوئی لگتی ہیں۔"

ارحم استہزائیہ ہنسا اور کھڑکی سے آگے آتے ہاجرہ بی بی کے قدم وہیں رک گئے۔

وہ ارحم سے دوائیں لینے آئی تھیں۔ اپنا ذکر سن کر قدم رکنا کچھ فطری سا عمل ہوتا ہے۔ لیکن اگلے ہی پل یہ احساس کہ وہ چوری چھپے کسی کی باتیں سن رہی ہیں انتہائی معیوب لگا تب ہی پلٹنے لگیں۔

"ہاں اور اگر ان دونوں کو اکیلے بات کرنے کا موقع مل گیا تو تمہاری دادی یہ بھانڈا ابھی پھوڑ سکتی ہے کہ ان دونوں کی اچھائیاں تو بس چند ماہ پہلے ہی شروع ہوئی ہیں، تب کیا رضوانہ سوچ میں نہیں پڑ جائے گی۔ اس لیے میں پھر کہہ رہی ہوں ارحم! موبائل تو بھولے سے بھی اس بڑھیا کے قریب نہ پھٹکنے دینا۔"

"اوکے، سمجھ گیا۔ اب جانے بھی دیں۔" وہ اکتانے لگا اور ہاجرہ نے فوراً پیچھے ہٹتے واپسی کی راہ لی۔ ارحم کسی بھی لمحے باہر نکل کر انہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ دواؤں کا کام کسی اور وقت پر چھوڑتے واپس اپنے کمرے میں آ گئیں۔

بستر پر بیٹھتے دماغ ان دونوں کی باتوں کو سوچنے لگا۔ اب تک کے وقت میں انہوں نے تو ایک بار بھی کوئی برا گمان نہیں کیا تھا۔ رضوانہ سے بات کرنے کے لیے شہناز سے اس کا موبائل بہت بار مانگا تھا لیکن وہ صرف یہ سوچ کر کہ تحریم کے بعد رضوانہ دکھی رہتی ہوگی تو اس کو دلاسہ دے دیں۔ لیکن شہناز نے ہر بار کوئی نہ کوئی بہانا کر دیا تھا۔ ہاجرہ نے بھی اس کی بات کو سچ ہی سمجھا تھا۔ لیکن اب سمجھ میں آ رہا تھا کہ بات اتنی عام نہیں تھی۔ وہ انہیں رضوانہ سے اکیلے میں ملنے نہیں دینا چاہتی تھی۔ انہیں یاد آیا کہ تحریم کی وفات کے وقت، جبکہ وہ سب دیلہ اور ارحم کی منگنی کی وجہ سے وہیں پر ہی تھے تو چوتھے دن تھا نہ واپس آنے کے موقع پر، جب ہاجرہ نے وہیں رضوانہ کے پاس رکنے کی خواہش ظاہر کی تو شہناز نے ایسا نہیں ہونے دیا تھا۔

ہاجرہ کا ان حالات میں واپس آنے کا بالکل جی نہیں چاہ رہا تھا۔ انہوں نے پختہ ارادہ کیا تھا کہ اب کچھ وقت رضوانہ اور بچوں کے ساتھ ہی گزارنا چاہیے لیکن شہناز، کئی طرح کے حیلے بہانے کر کے انہیں اپنے ساتھ ہی واپس لے آئی تھی۔ تو آخر کیا تھی اس کی وجہ۔ یہ ٹھیک تھا کہ انہوں نے خود کئی بار سوچا تھا کہ کچھ عرصے سے، آخر یہ ماں بیٹا کیوں اتنے اچھے ہو گئے ہیں جبکہ پہلے اس حویلی میں کوئی انہیں پوچھتا بھی نہ تھا۔

پہلے پہل جب ارحم کی وجہ سے رضوانہ اور شہناز کی آپس کی رنجش کا خاتمہ ہوا، انہوں نے حیران ہو کر یہ ضرور سوچا تھا کہ آخر رضوانہ سے دوستی بحال کر کے شہناز اتنی خوش کیوں ہے۔ ان کے نزدیک شہناز

اس برسوں کی دوری سے، اس لیے بھی ضرور خوش ہوگی کہ شوہر کے ساتھ ساتھ مفت میں دیور کی جائیداد پر بھی قابض ہے۔ لیکن جب انہوں نے ارحم کو خوشی خوشی دونوں گھروں کے تعلقات بحال کرتے دیکھا تو اپنی ہی سوچ پر شرمندہ ہو گئیں۔

پر اب...... ہاجرہ کا سر سوچ سوچ کر درد کرنے لگا کہ شہناز اور ارحم کی کچھ دیر پہلے کی باتوں نے صاف ظاہر کر دیا تھا کہ ان دونوں کا اس سب کے پیچھے کوئی مقصد ہے۔ ہاجرہ بی بی کو ان دونوں کے عزائم تو سمجھ میں نہیں آئے پر اتنا ضرور سمجھ میں آ گیا کہ انہیں جلد از جلد، کسی طرح رضوانہ سے بات کرنی ہے اور اس رشتے کے متعلق ہوشیار کرنا ہے۔

☆☆☆

"کیا ہوا بے بی۔" ایلیا کی آنکھ عابس کی ریں ریں سے کھلی تو فوراً اٹھ بیٹھی۔ کمرے میں ماسی نہیں تھیں۔ اس نے اٹھ کر کاٹ میں سے عابی کو نکالا۔ گھڑی دیکھی، ڈھائی بجے تھے۔ وہ اسے چپ کرانے کے لیے یہاں سے وہاں ٹہلانے لگی لیکن وہ پھر بھی چپ نہیں ہوا تھا اپنے میٹرس پہ لٹا کر اس کا پیمپر تبدیل کیا، عابی کی ریں ریں تب بھی بند نہیں ہوئی۔ ایلیا نے جلدی سے اس کا فیڈر تیار کیا۔ اسے ربیا کے جاگ جانے کی ٹینشن تھی۔ لیکن عابی تو دودھ کو منہ بھی لگانے کو تیار نہ تھا۔ اس کا رونا بڑھنے لگا۔ ایلیا کو اب ربیا سے زیادہ عابی کی فکر ہونے لگی۔ نجانے معصوم بچے کو کیا تکلیف تھی۔ اس نے ماسی کو کال کرنے کا ارادہ کیا تب ہی مومن چھوٹے کمرے کے دروازے میں آیا۔

"کیا ہوا؟"

"یہ عابی پتا نہیں کیوں، روئے جا رہا ہے۔"

"فیڈر دیا دو۔"

"جی، دیا ہے۔ لیکن وہ پی نہیں رہا، پھر بھی چیخ کر دیا ہے۔ اٹھا کر کھڑی ہوں لیکن چپ نہیں ہو رہا، پہلے اٹھا کر ٹہلنے سے خوش ہو جاتا تھا۔" ایلیا نے خود ہی ساری تفصیل بتا دی۔

"ہوں۔" مومن نے آگے بڑھ کر اس سے عابی لے لیا۔

"کیا ہوا بچے!" مومن نے اس کے گلے میں پڑی چوسنی منہ میں دینے کی کوشش کی لیکن اس نے غصے سے باہر نکال دی اور زیادہ زور سے رونے لگا۔

"مجھے...... لگتا ہے...... اس کے پیٹ میں درد ہے۔" ایلیا نے کچھ دیر سوچنے کے بعد نتیجہ نکالا، اور تائیدی نظروں سے مومن کی طرف دیکھا تو وہ بھی وہیں رکا۔

"ہاں۔ یہی بات ہوگی۔ پھر؟" مومن نے آخر میں سوال بھی اسی سے کر دیا کہ اسے خود تو پتا ہی نہیں تھا کہ ایسی سچویشن سے کیسے نمٹنا ہے۔

"آں...... گرائپ واٹر۔"

"ہاں ہاں گڈ!" مومن ایکسائیٹڈ ہوا "تو۔ ہے گھر میں؟؟"

"جی، رکھا تو تھا۔" ایلیا سائیڈ ٹیبل کی طرف بھاگی۔

"کسی طرح کی بوتلیں، خشک دودھ کے ڈبے، گرم پانی، ویٹ وائپس اور پتا نہیں کیا الم غلم بکھرا پڑا تھا۔ اس نے گرائپ واٹر اور ایک ڈراپس کی بوتل اٹھائی۔ یہ دونوں پیٹ درد کے لیے ہیں۔

"ارے یار، تم تو چپ کرو یہاں۔ کیا کہہ رہی ہو۔" مومن سخت بوکھلا سا گیا تھا۔ عابی کا رونا کم ہی نہیں ہو رہا تھا۔

"بھیا، اس کو دوسرے کمرے میں لے چلتے ہیں۔ یہاں ربیا جاگ جائے گی۔" ایلیا نے دھکا دینے کے انداز میں مومن کے بازو کو باہر کی طرف کیا تو مومن کو بھی جیسے اب خیال آیا۔

"ہاں ہاں...... وہیں چلتے ہیں۔" وہ فوراً باہر نکلا اور ایلیا نے عابی کے کاٹ میں سے اس کا کمبل وغیرہ سمیٹ کر ہاتھ میں لیے۔ مومن اسے لیے اپنے بیڈ کے قریب کھڑا تھا، ایلیا نے جلدی سے عابی کا بستر بچھایا اور مومن سے لے کر بچے کو اس پر لٹا دیا۔

"بھیا، یہ تو چپ نہیں کر رہا، آپ چھوٹے

کمرے کا دروازہ بند کر دیں۔" ایلیا نے بیڈ پر بیٹھ کر عابی کو پھر گود میں لیا۔ مومن نے بھاگ کر دروازہ بند کیا اور واپس آیا تو ایلیا نے پھر دونوں بوتلیں ہاتھ میں لے رکھی تھیں۔ سوالیہ نظریں پھر مومن پر جمی تھیں۔

"یار میں کیسے بتاؤں۔" وہ بھی وہیں پلنگ کے کنارے پر بیٹھ گیا اور دونوں بوتلیں ہاتھ میں لے لیں۔

"بس جلدی سے یہی گرائپ واٹر دو، اس کا تو مجھے پتا ہے لیکن ذرا اس کا مجھے کوئی آئیڈیا نہیں۔"

جی، ایلیا نے چمچ بھی اٹھا لیا تھا۔ بوتل سے گرائپ واٹر چمچ میں نکال کر عابی کو دیکھا جو اس کی گود میں بری طرح چیخ رہا تھا۔

"یہ تو اچھل اچھل کر سب گرا دے گا۔ آپ اس کو پکڑ لیں۔"

"ہاں۔ ایک منٹ۔ رکو۔" مومن جو پلنگ کے ایک کونے پر بیٹھا تھا۔ سیدھا ہوتے ایلیا کے عین سامنے کود بنا کر بیٹھ گیا اور تھوڑا اور آگے ہوتے عابی کی ٹانگوں اور کندھوں پر دباؤ دیتے اسے ہلنے سے باز رکھنے لگا۔ ایلیا نے دوسرا ہاتھ اس کے ماتھے پہ رکھ کر اس کے سر کو ہلنے سے روکا۔

"بس بس۔ اب ٹھیک ہے۔ ایلیا نے اس کے کھلے منہ میں تھوڑا تھوڑا کر کے گرائپ واٹر پلا جسے ذائقہ اچھا ہونے کی بنا پر عابی نے بخوشی قبول کر لیا۔

ادھر توشی کے سو جانے کے بعد ندرت ان کا دروازہ آہستہ سے بند کر کے یہاں آئیں تو مومن کے کمرے میں داخل ہوتے ہی ٹھٹک کر رک گئیں۔

سامنے مومن کے بیڈ پر مومن اور ایلیا ایک دوسرے کے آمنے سامنے آلتی پالتی مار کر بہت قریب بیٹھے تھے۔ مومن آگے کو جھکا ہوا تھا۔ نیم تاریکی میں عابی تو نظر نہیں آ رہا تھا اس لیے یہ منظر کچھ عجیب بلکہ معیوب سا دکھائی دیا۔ اگر اسی وقت عابی رو نہ پڑتا تو انہیں یہی لگتا کہ وہاں صرف مومن اور ایلیا بیٹھے ہیں۔

"کیا ہوا۔" وہ آگے آئیں۔

"ہوں۔" مومن چونکا۔ "جی یہ عابی کے پیٹ میں درد لگتا ہے۔ روئے جا رہا تھا۔"

"اوہ..... اچھا اچھا۔ لاؤ مجھے دو۔" انہوں نے وہیں بیٹھ کر عابی کو گود میں لیا اور پیٹ سے شرٹ ہٹا کر ہلکے ہلکے تھپتھپایا۔

"ہاں...... یہی وجہ ہے۔"

"کیسے پتا چلا؟" مومن انہیں حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"پیٹ پہ ہاتھ مارو تو آواز سے سمجھ آتی ہے۔ ابھی ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ اسے تھپکنے لگیں۔ عابی کا رونا بھی پہلے کی نسبت کچھ کم ہو چکا تھا۔ مومن نے منہ سے پھونک نکالی۔

"اُف...... میں تو بہت ڈر گیا تھا۔"

"کوئی ایسی بات نہیں، ابھی ٹھیک ہو جائے گا۔"

☆☆☆

"کیا بات ہے، آپا پریشان لگتی ہیں۔" ندرت کے ان پورشن میں آئیں تو رضوانہ ہاتھوں پہ ماتھا گرائے شکل سے ہی نہایت اپ سیٹ دکھائی دے رہی تھیں۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" انہوں نے ہاتھ میں پکڑی نوٹ بک گود سے نکال کر پرے رکھی۔ "قریبی رشتہ داروں کی لسٹ تیار کر رہی تھی۔ لیکن کسے رکھوں کسے چھوڑوں۔ کبھی سب نزدیکی لگتے ہیں تو کبھی ایک دم سب پرائے۔"

"دکھائیں تو......" ندرت نے کاپی اٹھا کر خود ہی کھول لی۔

"آپ بھی نا آپا! ندرت نے لسٹ دیکھ کر ماتھے پہ ہاتھ مارا "سب کو کاٹ دیں۔"

"ہیں...... کیوں؟"

"وہ اس لیے کہ جب شادی سادگی سے کی جاتی ہے تو صرف اپنے سگے بہن بھائیوں اور پڑوسیوں کو انوائیٹ کیا جاتا ہے۔ اس سے ہر ایک کا

گلہ خود ہی نکل جاتا ہے۔ کل کو یہ ماموں زاد، پھوپھا زاد جب شکوہ کریں گے نہ بلانے کا تو آپ کہیں گی کہ صرف اپنے بہن بھائی تھے۔"

"اچھا....." رضوانہ کے لیے یہ نئی بات تھی۔ بات فوراً ہی دل کو لگی۔

"جی۔ اور جتنے زیادہ "اپنے" اکٹھے کریں گی۔ اتنا ہی فنکشن کا ماحول بنتا جائے گا اور سادگی کہیں دور دور تک دکھائی نہیں دے گی۔ جو کہ ہمارا اصل مقصد ہے۔"

"شکر ہے تم آگئیں۔ کتنی اچھی صلاح دی۔ مشورہ کر لینا بھی کتنا صحیح رہتا ہے نا۔" رضوانہ کے سر سے تو جیسے بوجھ اتر گیا۔

"مش۔ وہ۔ تو۔ مجھے بھی کرنا تھا آپ سے۔" ندرت بولیں تو لہجہ اٹکتا اور رکتا ہوا سا تھا۔ رضوانہ نے چونک کر دیکھا۔

"ہاں ہاں کہو۔"

"وہ...... آپا۔ میں سوچ رہی تھی ہمیں مومن کے بارے میں بھی کوئی فیصلہ کرنا ہوگا نا۔"

"مومن کے بارے۔ مطلب۔ اس کی شادی؟" رضوانہ متعجب تھیں۔ ندرت سے ایسی بات کی کم از کم اتنے جلدی انہیں بالکل توقع نہیں تھی۔

"جی۔"

"ارے۔ تو سوچ لیں گے ابھی تو تحریم کی بری بھی نہیں ہوئی۔" انہوں نے نہایت عجلت میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر دیا۔

"نہیں..... اصل میں، میں بچوں کی وجہ سے کہہ رہی تھی۔" ندرت کچھ گھبرا سی گئیں۔ رضوانہ بڑی تند تھیں۔ ہمیشہ سے ندرت ان سے بات کرتے ہوئے بہت مؤدب رہی تھیں۔

"ہاں تو کیا نئی دلہن آ کر بچوں کو پالے گی۔ بچوں کو تو ہم دیکھ رہے ہیں۔ اور تب بھی ہم نے ہی سنبھالنا ہے۔"

یہی تو میں بھی کہنا چاہ رہی ہوں۔ آپ ذرا میری بات کو آرام سے سمجھ لیں۔

میرا مطلب ہے، بچے ایلیا سے بہت گھل مل گئے ہیں۔ بہت خوش رہتے ہیں اس کے پاس۔ لیکن۔

"لیکن۔"

"لیکن وہ خود بے چاری بہت گھبرائی ہوئی سی رہتی ہے۔ بچوں کا کمرا جو مومن کے روم میں ملحق ہے، وہ اس کے آرام کی وجہ سے بھی اس کی موجودگی کے خیال سے بہت جھجک محسوس کرتی ہے۔"

"یہ تو ویسے میں بھی سوچ رہی تھی۔ بچوں کے کمرے کے لیے تم لوگوں کو اتنی عجیب جگہ ملی ہے۔ مومن بہت تنگ رہتا ہوگا۔ میں تو کہتی ہوں ندرت۔ بچوں کا سب سامان یہاں سیٹ کر دو۔ ویلہ کی تو ویسے شادی ہو رہی ہے۔ وہ کمرا اب اکیلے ایلیا کا ہو جائے گا۔ یہیں لے آؤ بچوں کو۔" رضوانہ نے پھر اس کی بات کو سمجھے بغیر عجلت دکھائی۔ ندرت نے لب بھینچ کر بمشکل تحمل کیا۔

"یہ بھی کر تو سکتے ہیں۔ لیکن یہ کوئی مستقل حل تو نہیں ہے۔ پھر مومن کہاں بچوں سے دور ہونا چاہتا ہے۔ پہلے بیوی چلی گئی۔ اب ہم بچوں کو بھی پرے کر دیں۔ وہ تو اور اکیلا پڑ جائے گا۔"

"مطلب تم نے اس کی شادی کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ہاں ٹھیک ہے۔ جب میں تحریم کی ماں ہو کر اپنی دوسری بیٹی کی شادی اتنے جلدی کر سکتی ہوں تو تمہیں بھی حق ہے۔" رضوانہ پھر خفا خفا دکھائی دینے لگیں اور ندرت نے خیالوں میں خود کو کوسا۔ پتا نہیں وہ سیدھی بات گھما گھما کر کیوں کیے جا رہی تھی۔ آپا کو بھی بلاوجہ خفا کر دیا تھا۔

" آپا! میں ایلیا کی بات کر رہی ہوں۔" ندرت نے آواز میں زور پیدا کیا۔

"یعنی.....؟"

"مجھے مومن کی شادی کی بالکل کوئی جلدی نہیں ہے۔ نہ ہی مومن کا ایسا کوئی ارادہ ہوگا لیکن میں بچوں اور کچھ حالات کی وجہ سے یہ سوچ رہی ہوں کہ کیا ہم ایلیا اور مومن کی بخشش۔ ادی۔" یہاں آ کر ندرت بھی اٹک گئیں۔

"مومن اور ایلیا۔" رضوانہ کی حیرت سے آنکھیں پھیلیں، ایسا تو کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔"

"لیکن دونوں کی عمریں۔"

"جی آپا۔ وہ تو بات ہے۔ اب دیکھیں نا۔ اگر وسیلہ کی ایسے اچانک منگنی نہ ہو گئی ہوتی تو تحریم کے بعد وسیلہ ہی تھی جس کی عمر بھی مومن سے میچ کرتی تھی، حتیٰ کہ سنجیدہ مزاجی میں بھی دونوں ایک جیسے ہیں۔ لیکن سب نصیب کی باتیں ہیں۔"

"ہاں لیکن ایلیا۔" رضوانہ ابھی تک اسی سوچ میں تھیں۔

"اصل میں، آپا، رات کو ویسے تو میں اور ایلیا دونوں ہی بچوں کے پاس ہوتی ہیں لیکن عائی کو سلا کر مجھے ڈیڑھ دو گھنٹے کے لیے لازمی توفیق کو دیکھنے جانا ہوتا ہے۔ بچوں سے پہلے تو میں پوری رات ان کی دیکھ بھال کے لیے ان کے پاس رہتی تھی لیکن اب مجبوری ہے تو بس کچھ دیر کے لیے ہو آتی ہوں۔ توفیق بھی ڈسٹرب ہوتے ہیں۔

ادھر جب ایلیا کو اکیلا چھوڑ کر جاتی ہوں تو یہ بے چاری بھی گھبرائی رہتی ہے۔ مومن سب دیکھ رہا ہو تب بھی ادھر نہیں آتا تاکہ ایلیا جھجک محسوس نہ کرے۔ پھر وقت بھی رات کا ہو۔ بڑی عجیب سی صورت حال بن جاتی ہے۔ ابھی کچھ دن پہلے کی بات ہے۔ عائی کے پیٹ میں درد ہوا تو مجبوراً مومن کو اس کی مدد کرنے آنا پڑا۔ میں توفیق کے پاس تھی۔ یہ دونوں دیر تک اسے بہلاتے رہے۔ میں واپس آئی تو ان کو ساتھ دیکھ کر خود مجھے بھی عجیب لگا حالانکہ ہم اچھی طرح جانتے ہیں، ہمارے بچے کتنے نیک اور سیدھے ہیں لیکن آپ خود سوچیں، ایسا ماحول بھی تو پہلے کبھی نہیں بنا، اب پیش آرہی ہے تو ظاہر ہے سوچیں بھی اسی حساب سے آنے لگی ہیں۔"

"اتنی تفصیل سے تم نے بھی پہلے کبھی نہیں بتایا۔" بات رضوانہ کی سمجھ میں آئی تو لہجہ بھی خود بخود دھیما بلکہ مصالحتی سا ہو گیا۔ اب وہ دونوں چپ بیٹھی غور کیے جا رہی تھیں۔

"توفیق سے بات کی تم نے؟" بڑی دیر بعد رضوانہ نے سر اٹھایا۔

"نہیں ..... سب سے پہلے آپ سے مشورہ کیا ہے۔"

"اور مومن؟"

"نہیں مجھے پہلے آپ کی رائے چاہیے تھی آپ کیا کہتی ہیں۔"

"میں کیا کہوں۔" رضوانہ نے گہرا سانس لیا" تمہارے والی بات ہے کہ جب پیش آتی ہے تو سوچنا بھی پڑ جاتا ہے۔ باقی بہت سوچنے پر مجھے تو ایسا لگ رہا ہے کہ مومن اور ایلیا کی مرضی کے بغیر ہم کچھ نہیں کر سکتے۔"

"میں مومن سے بات کروں؟"

"ہاں پہلے اسی سے بات کرو۔ میں بھی ایلیا سے پوچھتی ہوں۔"

"آپ کی ہاں ہے نا؟" ندرت نے سوال کیا تو انداز میں منوا لینے کی خواہش چھپی تھی۔

"اب سوچنا شروع کروں گی ندرت! میں نہیں جانتی تم نے کتنی آسانی سے یا کتنی مشکل سے ذہن بنایا لیکن مجھے اب بہت وقت لگتا ہے۔ تحریم کے بعد میرا ذہن نارمل انداز میں سوچنا چھوڑ چکا ہے۔"

☆☆☆

"واہ...... کیسے کیسے نادر خیال آتے ہیں آپ عورتوں کے دماغ میں۔ اب بھی اچھوتا خیال باقی رہ گیا تھا۔"

"کوئی عجوبہ بات نہیں کر دی، کرتے پڑ جاتے ہیں کبھی کبھار ایسے فیصلے۔" ندرت اس کے بپھر جانے سے ناخوش تھیں۔

"اللہ کا خوف کریں امی۔ چھوٹی سی بچی ہے ایلیا۔ ابھی ابھی اٹھارہ سال کی ہوئی ہے۔ میری اس کی عمر کا فرق دیکھیں ذرا۔"

"بس بھی کرو۔ تم کون سے بوڑھے ہو۔ بتیس تینتیس بھی کوئی عمر ہوتی ہے مرد کے لیے۔ خود کو دیکھو، ماشاء اللہ کس بات کی کمی ہے۔ دو بچوں کے

باپ ہی دکھائی نہیں دیتے۔"

"میری تعریفیں بند کریں۔ میں آپ کو ایلیا کی عمر بتا رہا ہوں۔"

"ہاں، اور مجھے تو نہیں پتا جیسے۔" ندرت کا مزاج بگڑا۔ "تم عمر کے چکر میں پڑے بغیر ذرا سمجھ داری سے سوچو۔ آج نہیں تو کل، آخر تمہارا گھر تو بسانا ہی ہے نا تو بچوں کے بارے میں بھی ہمیں ہی سوچنا ہوگا۔ کیا کسی بھی ایری غیری کو معصوم بچوں پر سوتیلی ماں بنا کر بٹھا دیں گے؟ ایلیا، نہ صرف بچی کی خالہ ہے بلکہ ماں بن کر بچوں کو پال رہی ہے۔ نہ کوئی غیریت نہ پرایا پن۔"

"ہاں تو پالنے دیں نا۔ بنا کوئی رشتہ جوڑے کیا نہیں پال سکتی۔ ایک ہی گھر ہے، نہ وہ کہیں بھاگی جا رہی ہے۔ جیسا چل رہا ہے، چلنے دیں۔ نئے نئے آئیڈیاز کی مشین کیوں بن رہی ہیں۔" موسن کا دماغ گھوما ہی ہوا تھا۔

"ارے، وہ جھجک محسوس کرتی ہے۔ بچوں کا روم تمہارے روم میں ہے۔ ابھی میں ساتھ ہوتی ہوں، کل کو تمہارے بابا کی طبیعت یا ان کے علاج کی وجہ سے میں زیادہ ساتھ نہیں دے پائی، تو وہ بے چاری اکیلی کیسے مینج کرے گی۔ ابھی کل ہی تمہاری ممانی فاطمہ کا فون آیا، کہتی ہیں۔ بچیوں کو ساتھ لیے کچھ روز کے لیے آ رہی ہوں۔ دوسرے ایسا ماحول دیکھیں گے تو پتا نہیں کیا کیا سوچیں۔"

"اُف..... آپ کتنا سوچ سکتی ہیں۔" وہ بری طرح چڑ گیا۔

"تم بھی سوچنا شروع کر دو۔ اور نہیں تو ذرا اپنی پھوپھو کے بارے میں ہی سوچ لو۔ انہیں کیا محسوس نہیں ہوتا۔ جوان بچی کو روز رات کو ہمارے ہاں بھیج دیتی ہیں۔ انہیں کیا نہیں پتا، یہاں کے کیا حالات ہیں۔ باپ تمہارا مریض ہے۔ مجھے اس کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔ ایلیا بچوں کے ساتھ تمہارے روم میں اکیلی ہوتی ہے۔ سب حالات کی مجبوری کی وجہ سے چپ ہیں ورنہ کتنے اعتراض کے نکتے اٹھ سکتے ہیں۔"

"آپ خود کیا کم ہیں۔ نقشے کھینچنے میں۔"

موسن کو خوب اندازہ ہو رہا تھا کہ امی کے خیالات اسی ایک رات کی وجہ سے یک لخت کتنے بدل گئے تھے۔ حتیٰ کہ اب وہ دوسروں کے خیالات کا دھارا بھی اُدھر موڑنے پہ تلی تھیں۔

"اچھا مجھے چھوڑو۔ میں تم سے پوچھتی ہوں، اپنے مستقبل کے بارے میں تم کیا سوچتے ہو؟"

"کچھ نہیں سوچتا۔" وہ رخ موڑ کر خفا سا کھڑا ہو گیا۔

"ٹھیک ہے۔ پھر ہمیں سوچنے دو۔"

"نہایت ہی سیلفش لوگ ہیں آپ۔" وہ مڑا تو خشمگیں نظریں ماں پر جمی تھیں اور دونوں ہاتھ کمر پہ رکھے ہوئے تھے۔ "دو چھوٹے بچے جنہیں ابھی کچھ عقل سمجھ نہیں، ان کے بارے میں تو بہت سوچ سکتے ہیں، لیکن ان کی آڑ میں دو ذی شعور، سمجھ دار افراد آپ کے مفادات کی بھینٹ چڑھ رہے ہیں، ان کا کچھ نہیں، میں شرطیہ کہہ رہا ہوں، ایلیا اس کے لیے بھی راضی نہیں ہوگی۔ لیکن ابھی تک کسی نے اس بے چاری سے پوچھنے کی زحمت بھی نہیں کی ہوگی۔"

"اس سے ہم پوچھ لیں گے، تم اپنی کہو۔"

"نا۔" اس نے فی الفور ہاتھ کھڑا کیا۔ "نو، نیور۔ قطعی نہیں۔" اور جواباً کچھ بھی نہ سننے کا تہیہ کرتے کمرے سے ہی نکل گیا۔

"یا خدا۔ یہ آج کل کی اولادیں۔" ندرت جلتے پردے کو ہی دیکھے گئیں۔

☆☆☆

"سکون کی گولیاں اب مزید لینے کی ضرورت نہیں۔ یہ ٹانک ابھی جاری رکھیں۔ ملٹی وٹامن ہوتے ہیں، ان سے ہم ایکٹیو اور بیدار محسوس کرتے ہیں۔ اور ہاں یہ سوچنا بالکل چھوڑ دیں کہ سکون کی گولی نہیں لی تو سکون نہیں ملے گا۔ بجائے اس کے یہ سوچنا ہے کہ اب میں بالکل ٹھیک ہوں اور مجھے ان کی ضرورت نہیں تھی۔ گولیاں اب سکون کے بجائے بڑدن کا باعث تھیں۔"

"جی، میں نے کل نہیں لی تھیں، ٹائم بہت نارمل گزرا۔"

"آگے مزید اچھا گزرے گا۔ ان شاء اللہ۔" تانیہ نے مسکرا کر نیا نسخہ آگے بڑھایا اور خالد صاحب نسخہ ہاتھ میں لے کر رخصت ہو گئے۔

تانیہ نے گھڑی دیکھی۔ سوا چھ کا وقت تھا۔ ساڑھے چھ وہ کلینک بند کر دیتی تھی۔ نواز نے بتایا تھا دو مریض اور بھی بیٹھے ہیں۔ اس نے اگلے مریض کی آمد سے پہلے موبائل اٹھا لیا۔ بہت دیر سے بری طرح مصروف تھی۔ موبائل چیک کرنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔

عیسٰی سے اس کی صبح سویرے بات ہوئی تھی۔ وہ بہت بے چین اور پریشان تھا کیونکہ آج پریشے کی شادی تھی اور اب تک کے وقت میں صہیب کو یہ بات پتا نہیں چلی تھی۔ تانیہ کے مشورے کی وجہ سے اس کے دوستوں وغیرہ کو بھی اچھی طرح سمجھا دیا گیا تھا کہ صہیب کو پریشے کی شادی کی بھنک نہ پڑے اور یہ دن کسی طرح بے خبری میں گزر جائے۔ صبح جب عیسٰی سے اس کی بات ہوئی تو وہ البتہ تب بھی یہی کہہ رہا تھا کہ اس طرح سولی پر لٹکے رہنے سے کہیں بہتر تھا کہ صہیب کو پہلے سے بتا دیا جاتا۔

تانیہ جانتی تھی کہ عیسٰی چھپانے کے حق میں نہیں ہے لیکن تانیہ کو یہی بہتر لگا اور وہ اس کے مشورے کا احترام کر رہا تھا۔

تانیہ نے واٹس ایپ اوپن کیا تو بہت سے دوسرے میسجز میں دو پیغام عیسٰی کی جانب سے بھی تھے اور اس نے سب سے پہلے ان ہی کو پڑھنا تھا۔ دل میں تجسس ابھرا کہ اب تو شام ہونے والی ہے، جانے دن کیسا گزرا تھا۔ صبح تو بہت پریشان تھے۔ اس نے میسج کھولا۔

"صہیب کو پتا چل گیا۔ اس کے لیے دعا کرو۔"

"اوہ نو...... تانیہ نے میسج کا ٹائم دیکھا۔ میسج قریب ایک گھنٹہ پہلے آیا تھا۔ اس نے کال ملانا چاہی لیکن پردہ ہٹا کر اگلا مریض اندر آیا تو تانیہ نے مجبوراً کال کاٹ کر جلدی جلدی دونوں مریض نمٹائے۔ کلینک بند کرنے کا وقت تھا۔ اس نے ضروری سامان اٹھا کر چابیاں نواز کے حوالے کیں کہ اب وہی کلینک کو بند کر دے۔ وہ گاڑی میں بیٹھنے لگی تو ابو کی کال آنے لگی۔

"کہاں ہو تانیہ۔ جلدی سے گھر آؤ۔"

"خیریت ابو۔ کیا ہوا۔ امی کی طبیعت ٹھیک ہے۔"

"ہاں، سب ٹھیک ہے، سیدھے گھر آؤ۔ اور دیکھو عیسٰی کی کال آئے تو اٹینڈ مت کرنا۔ اور جلدی پہنچو پلیز۔"

ابو کی گھبرائی آواز میں جانے کیا تھا۔ تانیہ کا دل دہل گیا۔ ابو نے عیسٰی کے متعلق ایسا کیوں کہا، وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ پس ذہن جھٹک کر ڈرائیونگ پر توجہ دی۔ گھر کا راستہ بیس منٹ کا تھا۔ وہاں پہنچی تو امی اور ابو کو سامان پیک کرتے دیکھا۔

"کیا ہوا ابو۔ کہاں جا رہے ہیں؟"

"ہمیں نکلنا ہے تانیہ۔ تت۔ تمہاری عیسٰی سے کچھ بات ہوئی؟" ابو کام چھوڑ کر اس کے قریب آئے۔

"نہیں ابو! لیکن ہوا کیا ہے۔ اور یہ سب"

"بیٹا...... وہ صہیب نے سوسائیڈ کر لی ہے۔"

"اوہ نو......" وہ بے ساختہ دو قدم پیچھے ہٹی۔ "کیا کیا اس نے۔ کیسا ہے؟"

"ایکسیڈنٹ کر لیا تھا اپنا۔ ہی از نو مور......"

"اُئی گاڈ......" تانیہ صوفے کے ہتھے پر بیٹھ سی گئی۔ صہیب نے خود اپنی جان لے لی۔ صرف اس لیے کہ اسے اچانک پتا چلا کہ آج پریشے کی شادی ہے۔ تانیہ کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ ہاتھ بے اختیار سینے پہ رکھا۔ پھر ابو کو دیکھا کیونکہ بات ابھی بھی ادھوری تھی۔ ابو سامان کیوں پیک کر رہے تھے۔

"عیسٰی کے ایک دوست کی کال آئی، وہ اپنا نام نہیں بتا رہا تھا۔ اس نے کہا کہ عیسٰی اپنے بھائی کی ڈیتھ پر بری طرح آگ بگولہ ہے۔ اُس نے سب دوستوں کے بیچ ٹھہر کر یہ کہا ہے کہ تانیہ کو وہ ہرگز معاف نہیں کرے گا اور اپنے بھائی کی موت کا بدلہ لے گا۔ کیونکہ اُسی کے غلط مشوروں نے صہیب کی جان لی۔"

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆

فرح بخاری

شام شہر ہجر

میانڈم کا گھرانہ ہے جہاں ایک گھر میں دو خاندان رہتے ہیں۔ رضوانہ کی تین بیٹیاں ہیں۔ شوہر مر چکے تھے ندرت بھاوج ہیں ان کا ایک بیٹا ہے مومن جس کی منگنی رضوانہ کی بیٹی تحریم سے طے تھی۔ وسیلہ نے ایل ایل بی کیا تھا لیکن ماں کی بیماری کی وجہ سے پریکٹس نہیں کر سکی تھی۔ چھوٹی ایلیا کالج کی طالبہ ہے۔

تھانہ میں حویلی میں رہنے والی دادی منصب پر بہت مہربان ہیں وہ ان کے منشی کا بیٹا ہے۔ حویلی میں کوئی اس کا آنا پسند نہیں کرتا۔ دادی اس کی تعلیم کا خرچہ اٹھاتی ہیں وہ پولیس آفیسر بن جاتا ہے اس کا ٹرانسفر میانڈم ہو جاتا ہے۔ منصب کی دو بہنیں ہیں میمونہ اور رمشہ، میمونہ شادی شدہ ہے۔

حویلی میں رہنے والی شہناز اور کمال خان کا بیٹا ارحم ہے جو ضدی اور بد دماغ سا ہے۔ شہناز بی بی کی بہن گلناز ہے جو نیم پاگل ہے۔ ارحم شادی کرنا چاہتا ہے۔

رضوانہ اور ندرت مومن کے ساتھ شاپنگ پر جاتی ہیں دو گاڑیوں میں قافلہ جاتا ہے ایک گاڑی وسیلہ اور دوسری مومن چلا رہا ہے۔ راستے میں بارش اور طوفان کا سامنا کرنا پڑتا ہے منصب بھی اس طوفان کا شکار ہوتا ہے۔

وسیلہ اور منصب اس طوفان میں ملتے ہیں۔ اتفاقاً وسیلہ ایک پتا پوچھتے منصب سے ٹکراتی ہے وہ اسے مختصر راستے سے اپنے گھر لے کر جاتا ہے۔ لیکن وہ اس پر شک کرتی ہے بعد میں اسے منصب کے گھر اسی پتے کی غرض سے جانا پڑتا ہے وہ شرمندہ [illegible] ہے

تحریم کی شادی میں وسیلہ منصب اور رمشہ کو انوائٹ کرتی ہے۔ منصب اور رمشہ کو وسیلہ اچھی لگتی ہے تحریم اور مومن پوری فیملی کے ساتھ کالام گھومنے جاتے ہیں اسی سفر میں وسیلہ اور منصب کی پھر ملاقات ہو جاتی ہے۔

پانچویں قسط

عیسیٰ نے سب دوستوں کے بیچ بیٹھ کر یہ کہا ہے کہ تانیہ کو وہ ہرگز معاف نہیں کرے گا اور اپنے بھائی کی موت کا بدلہ لے گا۔ کیونکہ اُسی کے غلط مشوروں نے صہیب کی جان لی۔

اس کا دوست کہتا ہے کہ عیسیٰ کے عزائم دیکھ کر میں نے اسے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن وہ کچھ سننے کو تیار نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے میں آپ کو ذاتی طور پر جانتا ہوں تب ہی آپ کا نمبر حاصل کر کے بروقت ہوشیار کر رہا ہوں کہ جتنی جلدی ہو سکے، اپنا گھر بند کر کے کہیں چلے جائیں، عیسیٰ کی فیملی آپ کو بہت پریشان کر سکتی ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ کو جیل بھی ہو سکتی ہے۔"

"نہیں ابو...... ایسا نہیں ہو سکتا......"

"تم نے کوئی مشورہ دیا تھا عیسیٰ کو کہ صہیب کو بے خبر رہنے دیا جائے تاکہ اس کی شادی کا دن گزر جائے۔ لیکن ایسا ہوا نہیں، صہیب کی کلاس فیلو نے اسٹیٹس پر بیٹے کو شادی کی مبارک باد دے رکھی تھی جس کی وجہ سے اس کے علم میں اچانک یہ خبر آئی ہے اور وہ یہ صدمہ برداشت نہیں کر پایا۔ عیسیٰ نے اپنے دوستوں سے کہا ہے کہ مجھے ایسی کسی بات کا پہلے ہی ڈر تھا اور میں ڈاکٹر تانیہ کو منع بھی کر رہا تھا لیکن ان ہی کے غلط مشورے نے صہیب کی جان لے لی اور اب ڈاکٹر تانیہ اس کا نتیجہ بھگتیں گی۔"

"غصے اور دکھ میں انسان کیا کچھ نہیں کہہ جاتا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔" تانیہ نے اپنے حواس یکجا کرتے ابو کو تسلی دی۔

"تمہارے ابو جو کر رہے ہیں، کرنے دو۔ یہاں رہنے کا رسک نہیں لیا جا سکتا۔ جانے ان لوگوں کے کیا ارادے ہیں تانیہ!"

"کچھ نہیں ہوگا امی۔ خدانخواستہ میں نے تو صہیب کی جان نہیں لی۔ پلیز ابو۔" وہ سمجھانے کے انداز میں اپنی جگہ سے اٹھی کہ تب ہی موبائل پر نواز کی کال آنے لگی۔ تانیہ نے حیران ہو کر کال اٹینڈ کی۔ ابھی ابھی تو وہ کلینک سے نکلی تھی۔

"ڈاکٹر بی بی۔ اور کچھ لوگ کلینک کا توڑ پھوڑ کر رہے ہیں۔ میں دکان بند کر کے گر (گھر) جا رہا تھا جب پاس کے دکاندار نے ام کو کال کر کے بتایا کہ کچھ لوگ دکان کا شیشہ توڑ رہا ہے، میں واپس آیا ہوا ہوں۔ بہت برا حال ہے۔"

"دکان سے دور رہو نواز!"

"جی بی بی۔ وہ لوگ تو توڑ پھوڑ کر کے چلا گیا میں دور ہی رہا تھا۔ لیکن بی بی اب شیشہ سب ٹوٹ گیا ہے تو سامان محفوظ نہیں ہے۔ آپ کیا بولتا ہے۔"

"نواز! تم ایک گاڑی ہائیر کرلو اور دکان کا سب سامان وہاں سے نکال کر اپنے پاس کہیں رکھ لو۔ دکان کو بالکل خالی کر دو۔ تمہارے پاس ہے کوئی جگہ؟" تانیہ کو خیال آیا۔

جی بی بی، امارا گھر میں رکھ دے گا۔ اتنا سامان نہیں ہے۔

"ابی میں دکان کو خالی کروا لیتا ہوں۔" اس نے ہدایات سنتے ہی کال کاٹ دی اور تانیہ نے مایوس کن نظروں سے بابا کو دیکھا۔ حالات واقعی کنٹرول سے باہر لگ رہے تھے۔ بابا کو اس نے ساری صورت حال بتائی، اب اس کے لیے بھی امی بابا کی بات مانے بغیر چارہ نہیں تھا۔ اس کے بابا گھر بند کر کے اس کے ماموں کے ہاں جانے کا ارادہ باندھے بیٹھے تھے۔ تو یعنی انہیں اب عیسیٰ سے چوری چھپے یہ گھر وہ چھوڑنا تھا۔ نجانے کتنے وقت کے لیے، کچھ طے نہیں تھا۔

☆☆☆

مارچ آیا تو موسم ہلکا سا خوش گوار ہو گیا۔ ماجرہ بی بی نے کمرے سے نکلتے وقت پاؤں میں چپلیں نہیں پہنی تھیں۔ لمبے برآمدے کو عبور کر کے شہباز کے کمرے کے نزدیک آئیں تو ذرا دیر کو رک گئیں۔ پچھلے دو تین دنوں سے انہوں نے بہو کی روٹین چیک کر لی تھی، وہ آج کل دن کو سوتی تھی۔

ماجرہ بی بی عام انداز میں چلتے ہوئے کمرے کے سامنے سے گزریں اور ذرا کی ذرا گردن پھیر کر

اندر بھی دیکھ لیا۔ شہناز آج بھی سوئی ہوئی ملیں۔

ہاجرہ بی بی تیزی سے گزرتی چلی گئیں۔ گلا مارے گھبراہٹ کے خشک ہو گیا تھا۔ جوتا انہوں نے دوپٹے کے اندر بغل میں دبا رکھا تھا۔ برآمدے سے اتر کر جوتا پیروں میں پہنتے واپسی کی راہ لی اور اپنے کمرے سے ہوتے پچھلے صحن میں آ گئیں۔

سر پر برقع ڈال کر چھوٹا دروازہ کھولتے گھر سے باہر نکل آئیں۔ آج وہ جس مشن پر نکلی تھیں بعد میں انہیں کھری کھوٹی سننا بھی پڑ جاتیں تو وہ سے لینے کا ارادہ کیے ہوئے تھیں۔ شہناز اور ارحم کی باتیں سن لینے کے بعد سے اندر ہی اندر رضوانہ سے رابطہ کرنے کی بے چینی لگی تھی۔ رضوانہ نے اگر ان کی وجہ سے وسیلہ اور ارحم کے رشتے کی ہامی بھری تھی تو اب یہ بھی ان کی ذمہ داری تھی کہ وہ رضوانہ سے اس مدعے پر کھل ایک بار بات کر لیتیں۔ شہناز اور ارحم کی اچھائی ڈھونگ تھا، اور یہ بات رضوانہ کے علم میں لانا بہت ضروری تھا۔

اور انہیں رضوانہ کو یہ بھی بتانا تھا کہ شہناز اور ارحم کا اس بیاہ سے کوئی خاص مقصد بھی تھا۔ جس سے وہ قطعی لاعلم تھیں۔ گھر میں رہتے ان کا رضوانہ سے رابطہ کرنا تقریباً ناممکن تھا کیونکہ شہناز اور ارحم نہ ان کی موبائل پر بات کروانا چاہتے تھے نہ ہی ان سے نمبر مانگا جا سکتا تھا۔

بہت سوچنے پر ہاجرہ بی بی کو میمونہ کا خیال آیا۔ انہیں اب کسی کے ذریعے یہ پیغام رضوانہ تک پہنچانا تھا۔ چونکہ منصب اور رمشہ آج کل میانہ عدم میں تھے تو ہاجرہ بی بی نے سوچا ان کی مدد سے رضوانہ کو ڈھونڈ کر پیغام پہنچایا جا سکتا ہے۔ میمونہ کا سسرال وہاں سے چند گلیاں چھوڑ کر تھا۔ ہاجرہ بی بی بہت کم ہی گھر سے نکلا کرتی تھیں۔ وہ تھوڑے غور و خوض کے بعد ٹھیک گھر تک پہنچ ہی گئیں لیکن اندر آ کر دل بری طرح مایوسی سے بھر گیا کیونکہ میمونہ کے متعلق پتا چلا کہ وہ اپنی نندوں اور شوہر کے ساتھ پشاور ایک شادی میں گئی ہوئی ہے اور تین دن بعد لوٹے گی۔

گھر میں اس کی بیمار ساس سے ملاقات ہوئی۔

وہ بھی حویلی کی بڑی بیگم کے اپنے ہاں آنے پر بہت حیران تھی۔ پر ہاجرہ بی بی نے کہہ دیا کہ اس کے انسپکٹر بھائی سے کچھ قانونی مدد لینی ہے اس لیے آنا پڑا۔ کچھ دیر وہاں بیٹھ کر اس کی ساس کو یہ پیغام دے کر کہ جو بھی میمونہ واپس آئے اسے حویلی ضرور بھیج دیں ہاجرہ بی بی گھر واپس لوٹ آئیں۔ دل بری طرح گھبرا رہا تھا۔

گھر میں داخل ہوتے ہی ان کا سامنا مسرت سے ہو گیا۔ وہ انہیں عجیب عجیب نظروں سے دیکھتی فوراً وہاں سے چلی گئی۔ اور وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ کچھ ہی دیر میں شہناز ان کے سر پر موجود تھی۔

"کہاں گئی تھیں آپ......؟"

"میں تو وہ...... خوش دلے کے گھر۔" ان سے جھوٹ نہیں بولا گیا۔ میمونہ کی ساس کا نام لے دیا

"کیوں...... وہاں کیا کام تھا؟" شہناز کی تیوری چڑھی تھی۔ اسے اپنی ساس کا لہجہ ہی مشکوک سا لگا۔ اور ان دنوں وہ ہر چھوٹے بڑے معاملے پر پوری باریکی سے نظر رکھے ہوئے تھی۔

"دوا لینی تھی۔ کھانسی کی۔ اس کا شوہر ایک اچھے حکیم کو جانتا ہے۔ پہلے بھی ایک بار ڈے لگایا تھا۔ میمونہ مجھے دے گئی تھی۔"

"تو مسرت سے کہہ دیا ہوتا۔ بنا بتائے ہی چلی گئیں۔"

"یہ تو مجھے دکھائی نہیں دی، تم سو رہی تھیں۔ سوچا خود ہی چلی جاؤں۔ اس کی ساس کا حال احوال بھی پوچھ آؤں گی۔ آنکھوں کا آپریشن کروایا ہے۔" ہاجرہ نے لہجے میں اعتماد پیدا کیا۔

"ہوں۔" اس بار شہناز بھی بنا کوئی تبصرہ کیے مسرت کو آنکھوں کا اشارہ کرتے باہر نکل گئی۔

"اس بڑھیا پہ نظر رکھو۔ اگلی بار کہیں جائے تو پیچھا کرنا۔ اور گھر میں کوئی اس سے ملنے آئے تو مجھے بتانا۔"

"جی بی بی!" مسرت نے سعادت مندی سے

پھر بلادیا۔ اور ہاجرہ بی بی نے ان کے جانے کے بعد تھکی تھکی سانس لیتے خود کو بستر پر گرایا۔ نہ ٹانگوں میں سکت تھی نہ وجود میں کوئی طاقت۔ بس ایک دھن تھی کسی اپنے کا بھلا چاہنے کی جو وہ بھاگی بھاگی چلی گئیں۔ یہاں اور تھا ہی کون جس پر بھروسا کیا جاسکتا۔

ہاجرہ بی بی کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ آج وہ خود کو بہت اکیلا محسوس کررہی تھیں۔ ایسے اپنوں کا فائدہ بھی کیا ہوتا ہے جن کے ہونے سے انسان عدم تحفظ محسوس کرے۔ دنیا کی نظر میں وہ حویلی کی بڑی بیگم تھیں جو بہو اور پوتے کے ساتھ ایک معمول کی زندگی بسر کررہی تھیں لیکن وہ ایک بے بس بوڑھا وجود تھیں جو اپنوں کے نہیں، دشمنوں کے بیچ بری طرح پھنس چکا تھا۔ ان کا حقیقی معنوں میں اللہ کے سوا کوئی آسرا نہ تھا۔ لیکن باوجود اس سب کے انہیں اپنے سے زیادہ رضوانہ اور وسیلہ کی فکر ستا رہی تھی۔ معلوم نہیں اس بار رضوانہ اپنی بے خبری میں شہباز کے کس وار کا شکار ہونے جا رہی تھی۔ کاش میمونہ وقت پر ان کے پاس پہنچ جائے تاکہ وہ کچھ غلط ہونے سے روک سکیں۔ شہباز سے ہی پتا چلا تھا کہ رضوانہ نے بیاہ کے لیے رضامندی ظاہر کردی تھی اور اگلے ہفتے میانڈم میں سادگی سے ارحم اور وسیلہ کا نکاح اور پھر رخصتی ہونا تھی۔

☆☆☆

وسیلہ نے کھڑکی سے دیکھا۔ مومن بھیا لان میں ٹہل رہے تھے۔ انداز میں بے چینی اور غائب دماغی نظر آرہی تھی۔ وسیلہ نے کچھ دیر رک کر سوچا پھر دوپٹہ اوڑھ کر باہر نکل آئی۔

"تم......" مومن کے قدم رکے

"آؤ......"

"موسم اچھا ہے نا آج؟" وہ ساتھ چلنے لگی۔ مارچ کے آغاز کے ایام تھے۔ موسم واقعی کچھ دن ہوئے بہت خوش گوار ہو چلا تھا۔ سرما رخصت ہوگیا تھا۔ ہلکی ٹھنڈی ہوا اب بھلی معلوم ہوتی تھی۔

"ہاں، یا ہر کا......" مومن کے جلے دل کی آواز اندر نہیں دب پائی۔ وسیلہ نے مسکرا کر دیکھا پھر لب بھینچ کر چہرا سنجیدہ کیا۔

"پریشان ہیں؟"

"نہیں ہونا چاہیے؟" وہ اس سے بھی خفا ہونے لگا۔ خوش دلی سے پیش آنا تو آج کل جیسے بھول ہی بیٹھا تھا۔

"تم پر جبر کیا جائے تو تمہیں پتا چلے۔" وہ روانی میں کہہ تو گیا لیکن جواباً جیسی نظر وسیلہ نے مومن پر ڈالی تھی، اس کے بعد کسی وضاحت کی ضرورت نہ تھی۔

"سوری...... تم تو شاید خود بھی ایسی صورت حال سے" دوچار ہو۔ اوکے۔" مومن سائیڈ سے ہٹ کر وسیلہ کے سامنے آیا" تو تم مجھے زیادہ بہتر بتا سکتی ہو کہ جب ہمیں جبراً استعمال کیا جاتا ہے تو کیسا لگتا ہے۔"

"جانتی ہوں بھیا۔" وہ ہلکا سا ہنس دی۔ "لیکن زندگی میں ہمیشہ "میں" نہیں چلتی۔ کچھ فیصلے اوروں کی خاطر بھی کرنا پڑ جاتے ہیں۔ ایسا شاید ہر کسی کی لائف میں کبھی ہو ہی جاتا ہے۔"

"ہاں لیکن مدعا کوئی چھوٹا موٹا ہو تو سمجھ میں بھی آتا ہے۔ پوری زندگی گزارنے جیسا عمل۔ اور یوں دوسروں کے ہاتھوں میں ناچتے پھرنا۔" وہ بپھر گیا

"تو آپ منع کردیں۔" وسیلہ جو خود نہیں کرپائی، سوچا بھیا کو تو سہولت کا راستہ دکھادے۔

"یار کرچکا ہوں منع۔ ہر زبان میں۔" وہ دبے دبے چلایا تھا" لیکن یہاں سن کون رہا ہے میری۔ امی کو اور کچھ سجھائی اور دکھائی ہی نہیں دے رہا۔ سوئی اٹک گئی ہے۔ پلیز ہیلپ می وسیلہ۔ پلیز۔" مومن نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیے تو وسیلہ نے سخت بے بسی محسوس کرتے ان کے ہاتھ چھڑوائے۔

"توبہ ہے مومن بھیا۔ بچوں کی طرح بی ہیو کررہے ہیں آپ۔ ذرا حوصلے کے ساتھ ہر پہلو پر مجھ سے کھل کر بات کریں لیکن۔ پلیز ریلیکس ہو کر۔

آپ جانتے ہیں، میں آپ کی بات سنوں گی بھی اور سمجھوں گی بھی۔

"آئیں۔ یہاں بیٹھتے ہیں۔" وہ اسے لیے کرسیوں کی طرف آئی۔ مومن نے بھی بالوں کو ہاتھوں سے پیچھے لے جاتے گہرا سانس لے کر اوپر آسمان میں دیکھا۔ خود کو ایزی کرنے کی کوشش کی اور سامنے کی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"تمہیں پتا تو ہے نا اس ساری سچویشن کا؟" وہ اب گھٹنوں پر کہنیاں ٹکائے دونوں ہاتھ کھول کر جیسے سمجھانے کی پوزیشن میں آ گیا تھا۔

"جی، ساری بات پتا ہے۔ امی نے بدرت مامی کے اور پھر اپنے خیالات مجھے بتائے تھے۔"

"تو..... سن کر تمہیں کیسا لگا؟"

"جی..... پہلے پہل تو عجیب ہی لگا۔" اس نے تائید کی لیکن مومن بے تکی سے پیچھے ہٹا۔

"پہلے پہل.....؟ مطلب..... اب تم بھی ان سب کے ساتھ ہو؟" وہ ایک بار پھر آپے سے باہر ہونے لگا۔ وسیلہ نے جلدی سے نفی میں سر ہلایا

"نہیں نہیں۔ میرا مطلب ہے۔ پہلے پہل بہت عجیب لگا، لیکن پھر امی نے جو ریزن بتائے تو میں سوچ میں پڑ گئی تھی، اور کوئی وجہ نہیں۔"

"مجھے نا۔ اب کسی سے اچھائی کی امید نہیں ہے۔" مومن نے کرسی پر بیٹھے بیٹھے خفگی سے رخ پھیرا۔ وسیلہ نے پھر ہنسی روکی۔

"اچھا آپ بس مجھے اپنے خیالات بتائیں۔ دوسروں کی چھوڑیں۔۔ آپ کے اعتراض کی وجہ کیا ہے۔"

"کوئی ایک وجہ ہے وسیلہ....." وہ سیدھا ہو بیٹھا "تم خود سوچو۔ ایک تو ایلیا کے ساتھ میرا رشتہ دیکھو۔ اوپر سے اس کی اتنی کم عمر۔ پھر ذہنی ہم آہنگی۔ دیکھو، میں یہ نہیں کہتا کہ ذہنی ہم آہنگی نہ ہو تو شادی نہیں ہو سکتی۔ تحریم سے میرا امزاج بالکل نہیں ملتا تھا، لیکن میں نے اس بات کو زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ اور دیکھ لو کہ ایک سال کی رفاقت میں کوئی زیادہ مسئلہ پیش نہیں آیا تھا۔ تحریم کے وقت بھی میں نے دوسروں کی خواہش پر اپنا ذہن بنایا تھا۔ میں نے دیکھ لیا تھا کہ امی نے بچپن سے اسے پالا ہے، بیٹی بنا کر رکھا ہے اور بہو بنانے کی خواہش رکھتی ہیں۔ میں نے ان کی خواہش کا احترام کیا اور اپنی لائف سے خوش بھی تھا۔ لیکن یار دوسروں کی خواہش جائز بھی تو ہوتا۔"

"اصل میں یہاں سب بچوں کے متعلق سوچ رہے ہیں۔ ان کے فیوچر کی فکر بھی تو کرنی ہے۔ ایلیاء کے سوا کوئی بہتر آپشن کسی کو نظر نہیں آتا۔ لیکن خیر میں فی الحال یہ نہیں سوچتی۔ یہ باتیں تو مامی نے بھی آپ سے کی ہوں گی۔ میں آپ سے ایک پرسنل سوال پوچھوں۔"

"ہوں۔ ضرور۔"

"تحریم کا جانا ایک بہت بڑا صدمہ ہے۔ لیکن بہر حال زندگی رک نہیں جاتی۔ ماموں کی بیماری، مامی کے اکیلے پن اور بچوں کو دیکھتے آپ کو ایک دن گھر تو بسانا ہی پڑے گا۔۔ تو ایسے میں آپ کیا سوچتے ہیں، آپ کی لائف پارٹنر کون یا پھر کیسی ہونی چاہیے۔"

وسیلہ نے اس بار کھل کر پوچھ لینا مناسب سمجھا۔ دیکھ چکی تھی۔ بھیا ذہنی طور پر شدید انتشار کا شکار ہیں اور اپنی الجھنوں سے جلد از جلد باہر آنا چاہتے ہیں

"حلفیہ اور قسمیہ کہتا ہوں وسیلہ! کہ میرے ذہن میں اس حوالے سے کچھ بھی نہیں ہے۔ ان فیکٹ ابھی میں یہ یقین بھی نہیں کر پایا کہ تحریم اس دنیا میں نہیں رہی۔ تم نے اپنی بہن کھوئی ہے۔ پھوپھو نے بیٹی، امی نے بہو۔ سچ کہو، کیا کوئی بھی اس بے یقینی سے نکل پایا ہے کہ ہمارے ساتھ کیا ہو گیا۔"

"آج آپ کو سن کر میں نے جانا کہ یہاں اور بھی ہیں جو ایسا محسوس کر رہے ہیں ورنہ مہینوں سے مجھے لگ رہا تھا یہ صرف میری فیلنگز ہیں۔ آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں بھیا۔ تحریم کا ہماری زندگیوں سے

چلے جانا کوئی معمولی واقعہ نہیں۔ لیکن سب قدرت کے کھیل ہیں۔ وہ جتنا وقت لکھوا کر لائی تھی، وہی پورا کر کے چلی گئی۔ اب دیکھتی ہو گی تو سوچتی ہو گی۔ کیسی الجھی دنیا کے جال میں پھنسے ہیں بے چارے۔"

وسیلہ روتے روتے ہنس پڑی۔ آج بہت دنوں بعد تحریم کی یاد نے جیسے ایک زخم کو تازہ کر دیا تھا۔ وہ ممانی اور امی کی حساس طبیعت کو دیکھتے گھر میں تحریم کا موضوع چلنے ہی نہ دیتی تھی۔

"کیا کریں وسیلہ!" مومن نے ایک آہ بھری "جب تک اس پنجرے میں قید ہیں۔ اس قید کو کاٹنا تو ہے نا۔"

"میں بھی کتنا سیلفش ہوں۔ جب سے اپنے ہی رونے رو رہا ہوں، ایک بار بھی تم سے نہیں پوچھا کہ یہ سب جو تمہارے ساتھ ہو رہا ہے۔"

"کوئی بات نہیں بھیا!" وسیلہ نے گھبرا کر بات اچک لی۔ "میرے لیے امی کی مرضی باقی ہر بات پر مقدم ہے، وہ تحریم کے بعد کچھ الگ انداز میں سوچنے لگ گئی ہیں، یوں لگتا ہے زندگی پر بھروسا بالکل ہی اٹھ گیا ہو۔ میں کہنا نہیں چاہتی لیکن انہیں لگتا ہے، ان کے پاس وقت کم ہے۔ اور جب بندے کی سوچ ایسی ہو جائے تو وہ اپنی ہر ذمہ داری کو جلد از جلد نمٹا لینا چاہتا ہے۔ کئی بار سمجھا چکی ہوں یہاں ہر کسی نے اپنا پھیرا پورا کرنا ہے۔ وہم مت پالیں۔ لیکن کبھی کبھار سمجھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اس لیے ان کی مان لینے میں ہی عافیت ہے۔ آپ مجھے چھوڑیں۔ بس اپنے معاملے پر فوکس کریں، آپ مجھے زیادہ ڈسٹرب لگتے ہیں۔"

"کوئی راستہ سجھائی نہیں دیتا۔" وہ پھر آہ بھر کر رہ گیا۔

"میں اپنی رائے دوں؟" وسیلہ نے کچھ جھجک کر اجازت مانگی تو مومن حیران ہوا۔

"ارے میری بہن! کب سے وہی تو مانگ رہا ہوں۔ بتاؤ نا۔"

"ابھی آپ نے کہا کہ آپ کے ذہن میں فیوچر کے حوالے سے کوئی نہیں ہے۔ تو میں یہ سوچ رہی ہوں کہ ہم تھوڑی دیر کے لیے ذرا فیوچر کا تصور کرتے ہیں۔ وہ فیوچر جس میں ایک انجان لڑکی کہیں سے آ کر آپ کی لائف پارٹنر بن جائے گی۔ تب دو صورتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ وہ انجان لڑکی ربیا، عابی اور آپ کے لیے بہت اچھی بہت آئیڈیل بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں۔ چونکہ ہم اس لڑکی سے بے خبر ہیں کہ وہ کون ہو گی تو معاملہ الٹی طرف بھی جا سکتا ہے۔ یعنی دوسری صورت کہ وہ ایک روایتی سوتیلی ماں اور پریشان کرنے والی بیوی بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ لیکن اسی فیوچر کے تصور میں اگر ہم ایلیاہ کو فٹ کریں تو بچوں کی ماں کے حوالے سے دعوے کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ سوتیلے پن کی خرابی پیدا نہیں ہو گی، اور یہ میں ایلیاہ کی بہن ہونے کی وجہ سے نہیں کہہ رہی، اس کا اندازہ آپ خود بھی لگا سکتے ہیں، باقی جہاں تک بات ہے ایلیاہ کے اچھی بیوی بننے کی تو صرف اتنا کہہ سکتی ہوں کہ وہ بہت کمپرومائزنگ ہے، آپ جس رنگ میں ڈھالیں گے ڈھل جائے گی۔ تو بی ویری اونسٹ۔ مجھے لگ رہا ہے کہ ایلیاہ کے معاملے میں حالات کو صحیح رخ پر لے جانا سراسر آپ کے ہاتھ میں ہو گا۔"

"تم ایک اچھی مقرر ہو وسیلہ۔" مومن کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی "بٹ آئی ایم ناٹ کنونسڈ۔ (لیکن میں قائل نہیں ہوا) کیونکہ یہاں بات ایلیاہ کے جذبات کی بھی ہے۔ تم نے بڑی آسانی سے اسے فیوچر کے کسی خانے میں دو بچوں کی اماں اور ایک بڑی عمر کے مرد کی بیوی تو بنا دیا ہے لیکن کیا لگتا ہے کیا اس سے اس معصوم کی شخصیت پر منفی اثرات نہیں پڑیں گے۔ پھر سب سے اہم بات کہ یہاں ہر کوئی مجھے تو قائل کرنے میں لگا ہے لیکن اس سے کسی نے پوچھنے کی زحمت بھی کی ہے اب تک۔"

"ایلیاہ سے۔" وسیلہ نے تعجب سے مومن کو دیکھا "کیا مطلب، آپ کو نہیں پتا؟"

”یعنی۔ کیا نہیں پتا؟“ مومن اس سے زیادہ حیران ہوا۔

”ایلیاء نے تو ہاں کہہ دی ہے۔“

”وہاٹ۔ اس نے۔“ وہ مزید کچھ بول بھی نہیں پایا۔ یہ ایک بہت ہی حیران کن انکشاف تھا۔ ایلیاء اس سے شادی کے لیے رضامند ہو گئی تھی۔

”کیا لوگ ہو تم سب۔“ وہ ہاتھوں کو حیرت سے فضا میں اٹھاتے اٹھ کھڑا ہوا۔ ”اس کے پیچھے دماغ کو چٹکیوں میں موڑ ڈالا اپنی جانب۔ حد ہوتی ہے بلیک میلنگ کی ویسے۔“ وہ بتا رکے اس بار اندر چلا گیا۔

☆☆☆

”نہ میلا (میرا) بے بی۔ باش باش (بس بس)۔ مالش ختم۔ اب ہم دودھ پئیں گے۔ ابلے لے لے۔“

ایلیاء بچی بنی ربا کی مالش کر رہی تھی۔ مومن اپنے روم میں بے چینی سے یہاں وہاں ٹہل رہا تھا۔ آج اتوار کا دن تھا۔ وہ ناشتے کے بعد دوبارہ کمرے میں آیا تھا۔ امی ابھی کچھ دیر پہلے عالی کو اٹھا کر لے گئی تھیں اور ایلیاء چھوٹے روم میں ربا کی مالش کر رہی تھی۔ شاید دوپہر کو دونوں کے نہلانے کا پروگرام تھا۔ مومن نے دوبار چھوٹے کمرے کی طرف جانے کا ارادہ کیا لیکن ربا رو رہی تھی اس لیے ارادہ ترک کر دیا۔ اسے ایلیاء سے کچھ بات کرنی تھی لیکن موقع نہیں مل رہا تھا۔

آئینے کے سامنے آ کر ہیئر برش اٹھایا، بالوں میں گھمانے ہی لگا تھا کہ چھوٹے کمرے سے ڈسٹ بن لے کر ایلیاء اس کے کمرے سے ہوتی باہر نکل گئی۔ اسے آئینے میں ہی دکھائی دیا تھا۔ جب تک وہ پلٹتا ایلیاء باہر نکل چکی تھی۔ وہ وہیں رک کر اس کا انتظار کرنے لگا، کیونکہ وہ ربا کو اکیلا چھوڑ کر جا نہیں سکتی تھی۔ اور وہی ہوا وہ منٹ میں خالی ڈسٹ بن لیے ایلیاء واپس کمرے میں داخل ہوئی، رخ چھوٹے کمرے کی طرف ہی تھا۔

”سنو......!“ مومن تھوڑا آگے آیا۔

”جی بھیا......وہ اسے دیکھنے لگی۔“

”وہ......تم......“ وہ گردن کھجانے لگا۔ جملے تو سوچے ہی نہیں تھے ”میرا مطلب ہے، تمہیں اگر فورس کیا گیا ہے اس رشتے کے لیے تو فوراً انکار کر دو۔“

”آپ نے کر دیا ہے؟“ وہ اسے دیکھ نہیں رہی تھی۔

”آف کورس!“ وہ پرجوش ہوا۔ ”ہاں کہنے کی کوئی تک ہی نہیں بنتی، یہ سب انتہائی بے جوڑ ہے۔ کسی کے دباؤ میں ہرگز مت آنا۔ تم بہت کم عمر ہو۔“

”میں انکار نہیں کر سکتی۔“ اس نے کہنا شروع کیا تو لہجہ بھیگا ہوا تھا۔ مومن حیران ہو کر تھوڑا سا جھکا۔ ایلیاء رو رہی تھی۔

”دیکھو، روؤ مت۔ اور خود کو مجبور بالکل مت سمجھو۔ میں تمہارا ساتھ دوں گا انکار کرنے میں۔ تم۔“

”آپ پلیز انکار مت کریں۔“ ایلیاء نے روتے ہوئے ڈسٹ بن پہلے نیچے رکھا پھر اس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ ”میری امی کی ذہنی حالت جانتی ہے، وہ اگر آپ سے نہیں تو کچھ ہی دنوں میں بنا میری عمر وغیرہ کی پرواہ کیے کہیں نہ کہیں مجھے بیاہ ہی دیں گی۔ اور مجھے عالی اور ربا سے دور نہیں جانا، میں ان کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ آپ پلیز بچوں کی خاطر ہاں کہہ دیں، بھیا۔ مجھے ان دونوں کی ماں بنانے کے لیے ہاں کہہ دیں۔ اپنی بیوی کے لیے آپ کسی اور سے شادی کر لینا۔ پلیز۔“ وہ اسی طرح روتے ہوئے چھوٹے کمرے میں گھس گئی اور مومن کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

”مائی گاڈ......ایک سے ایک پاگل بستا ہے یہاں......احمق......ڈفر......عجوبے......اور......اور لاعلاج......“ وہ اپنے بال نوچتا باہر ہی نکل گیا۔

☆☆☆

"کیا کہہ رہا تھا نواز؟" سرفراز صاحب نے تانیہ کو دیکھا۔ اس کی امی بھی وہیں قریب بیٹھی ہوئی تھیں۔ میانہ دم آئے آج انہیں ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔ کچھ دن انہوں نے اپنے ماموں کے ہاں گزارے تھے۔ اور اب ماموں نے کرائے کے مکان کا بندوبست کرلیا تھا۔ اور آج وہ اپنا مختصر سامان لیے اس چھوٹے سے گھر میں آگئے تھے۔

"دکان خالی تو اسی روز ہوگئی تھی بابا۔ نواز نے سب سامان اپنے گھر پہ رکھ لیا تھا۔ لیکن ٹوٹے ہوئے شیشے ٹھیک کروانے تھے تاکہ دکان غیر محفوظ نہ ہو۔ دکان کا مالک چاہ رہا تھا کہ یہ کام اسے نواز ہی کروا کر دے۔ لیکن وہ کہتا ہے کچھ لوگ اسے بھی ڈھونڈ رہے تھے، میرا پتا پوچھنے کے لیے۔ تو میں اب اس سے یہی کہہ رہی تھی کہ وہ خود دکان کی مرمت کے لیے وہاں نہ جائے، میں اسے رقم بھیج دیتی ہوں، وہ دکان کے مالک کو رقم دے کر خود بھی کچھ دنوں کے لیے اپنے گاؤں جا رہا ہے۔"

"ہاں، یہ صحیح ہے۔ اور مرمت کی رقم کے ساتھ کچھ رقم نواز کے لیے بھی بھیج دو۔ گاؤں میں گزارا کیسے کرے گا۔"

"جی، میں اس کی تنخواہ کے علاوہ بھی کچھ پیسے بھیج دوں گی۔" تانیہ نے بیٹھنے کے لیے پلاسٹک کی کرسی کھینچی۔ فی الحال ایک میز اور چار کرسیوں کا سیٹ ہی ماموں نے لے کر رکھوایا تھا۔ باقی سامان کے لیے اسے بابا کے ساتھ کچھ دیر تک بازار نکلنا تھا۔"

"آئی ایم سوری بابا۔ میری وجہ سے آپ سب کو بہت تکلیف اٹھانا پڑ رہی ہے۔" وہ اترا چہرا لیے اس وقت نہایت دکھی دکھائی دیتی تھی۔ بات کے اختتام تک آنکھیں بھی بھیگ چکی تھیں۔ بیٹھے بٹھائے نجانے یہ سب کیا ہوگیا تھا۔

"پریشان مت ہو، یہی تو زندگی ہے بیٹا۔ اونچ نیچ تو اس کا حصہ ہی نہیں اس کی خوب صورتی بھی ہے۔ پھر کرائسس تو انسان کو مضبوط بنانے کے لیے آتے ہیں۔"

ہاں بیٹا۔ تمہیں نہ صرف خود مضبوط بننا ہے بلکہ ہماری ہمت بھی تو تم ہی ہو۔" امی نے اس کا شانہ دبایا۔

"لیکن میں نے آپ کا سر جھکا دیا۔ میں ایک اچھی ڈاکٹر نہیں۔"

"یہ کبھی مت سوچنا تانیہ۔" بابا بولے لہجے میں ہلکی سی سختی تھی۔

"تم خدانخواستہ کوئی جعلی سرٹیفکیٹ لے کر ڈاکٹر نہیں بنی تھیں۔ میں ہرگز کسی ایرے غیرے کو یہ جج کرنے کا فیصلہ نہیں دوں گا کہ میری بیٹی اس کام کی اہل نہیں تھی یا اس نے اپنے کسی پیشنٹ کو کوئی غلط مشورہ دیا تھا۔ اپنی تعلیم، اپنی قابلیت پہ مکمل اعتماد ہونا چاہیے۔ تم اگر ایک ڈاکٹر نہ بھی ہوتیں تو مجھے پورا یقین ہے کہ بحیثیت انسان تم کسی دشمن کو بھی کوئی برا مشورہ نہیں دے سکتیں۔ اس لیے بنا دماغ پر کوئی بوجھ اور پچھتاوا لیے آگے قدم بڑھاؤ۔"

"لیکن بابا۔ ہمارا ان حالات میں یہاں چلے آنا۔ میں دنیا کی نظر میں کیا اپنے ہی عمل سے چور نہیں بن گئی۔" وہ ابھی تک اپنی پلکیں صاف کر رہی تھی۔ لہجہ نم تھا۔

"یہ ہجرت ہے تانیہ۔ اور ہجرت انسان اس وقت کرتا ہے جب مخالف کی ہٹ دھرمی اور دشمنی جان لیوا ثابت ہوجاتی ہے۔ جان کے دفاع کے لیے ہجرت کا راستہ ہمارے رسول پاک ﷺ کی سنت ہے۔ ہم چونکہ ان کے پیروکار ہیں تو ان کے راستے پہ چلنا ہی ہماری نجات ہے۔"

"تھینک یو بابا!" تانیہ کرسی سے اٹھ کر اپنے بابا کے قدموں میں آبیٹھی۔ ان کے گھٹنوں پہ سر رکھتے وہ پوری طرح کھل کر رو دی چلی گئی۔

"آج مجھے رونے دیجیے۔ میرے دل کے سارے بوجھ میں آج اس نئی زندگی کے پہلے دن ہی ہلکے کرلینا چاہتی ہوں۔ اب میں اگر آگے بڑھی تو وعدہ کرتی ہوں۔ پیچھے پلٹ کر نہیں دیکھوں گی۔"

"گڈ۔ مجھے اپنی سمجھدار بیٹی سے اسی جواب کی توقع تھی۔"

"اور اگر اب دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہو تو تم باپ بیٹی بازار جا کر کچن کا ضروری سامان لے آؤ۔ چائے کے بغیر تو سر بالکل خالی لگ رہا ہے۔"

"جی امی! میرا خیال ہے پہلے ہم صرف کچن کا سامان لے کر آپ کو دے جاتے ہیں۔ اور جب تک آپ کچھ پکائیں گی ہم دوبارہ جا کر بستر وغیرہ بھی دیکھیں گے۔" وہ چہرا صاف کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ کام واقعی بہت تھے لیکن پہلے وہ انہیں نہایت سستی کی حالت میں جیسے تیسے انجام دیتی لیکن بابا کی محبت بھری تسلیوں کے بعد اس نے حقیقتاً اپنے اندر ایک انرجی پیدا ہوتی محسوس کی تھی۔

مشکل میں اپنوں کا ساتھ اللہ کی طرف سے امداد ہوتی ہے اور تانیہ کو اپنوں کے اس ساتھ کی بہت قدر تھی۔ اور اب اس نے ان ہی اپنوں کی خاطر خود کو مضبوط بنانا تھا۔ کیونکہ اس کی جب اپنے بابا اور امی کے چہرے پر نظر پڑتی تو وہ اسی کو دیکھ رہے ہوتے۔ وہ اس کے بڑے ہونے کے باوجود اس کے پیچھے چلنا چاہتے تھے۔ اس پہ بھروسا کرنا چاہتے تھے۔ اور اس نے اس بھروسے کا مان رکھنا تھا۔

☆☆☆

شادی کے دن قریب آ رہے تھے۔ ہاجرہ بی بی ان دنوں بے چینی سے میمونہ کا انتظار کر رہی تھیں۔ کتنے دن گزر گئے تھے۔ میمونہ ابھی تک ان سے ملنے نہیں آئی تھی۔ ادھر مومن نے جہیز کا سامان بھی ان کے ہاں رکھوا دیا تھا۔ شادی میں چار دن رہ گئے تھے۔ اور وہ کسی طریقے سے بھی میاں نعم کو کوئی رابطہ نہیں کر پائی تھیں۔ تھکی تھکی آہ بھرتے وہ اپنی جگہ سے اُٹھیں اور کھڑکی میں آ کھڑی ہوئیں۔

یہ کمرا انہیں ایک جیل خانہ لگتا تھا اور یہ کھڑکی اس جیل کا دروازہ جس کے پار دیکھا تو سب جا سکتا تھا لیکن کچھ بھی کنٹرول کرنا اپنے اختیار سے باہر ہوتا ہے۔ ہوا ان دنوں ہلکی گرم ہو چلی تھی۔ فضا میں اس سے قبل چڑیوں کی چہچہاہٹ کے سوا کچھ سنائی نہ دیتا تھا، پر آج کچھ گہما گہمی سی محسوس ہو رہی تھی۔ جیسے آس پاس کہیں کوئی کام شروع ہو۔ ہلکی کھٹ پٹ بڑی دیر سے جاری تھی۔ وہ ذرا سی دیر میں تھک کر اب پلٹنے ہی لگی تھیں کہ ڈیرے کے دو ملازموں کو ایک پرانا پلنگ لے کر سامنے کی راہداری میں داخل ہوتے دیکھا۔

وہ حیرت سے وہیں رک گئیں۔ یہ راہداری تہہ خانے کی طرف جاتی تھی، جہاں گلناز رہتی تھی۔ معلوم نہیں پلنگ وہاں کیوں لے جایا جا رہا تھا۔ آج تو گھر میں نیا سامان آیا تھا، اور وہ تو ارحم کے کمرے میں رکھنا تھا۔ پھر یہ پرانا پلنگ۔ شاید گلناز کا پلنگ ٹوٹ گیا ہوگا۔ یہاں کون ان سے کچھ پوچھتا تھا۔ نت نئی تبدیلیاں بنا کسی صلاح مشورے کے دکھائی ضرور دے جاتیں۔ کہ ظاہر ہے گھر کے مالک ارحم اور شہباز تھے۔ وہی یہاں کا نظام چلا رہے تھے۔

☆☆☆

وسیلہ کی شادی...... آج...... تمہیں کیسے پتا؟ رمشہ حیرت سے چلائی اور بوٹ کے تسمے کھولتے منصب کا ہاتھ وہیں رک گیا۔ ابھی ابھی وہ تھانے سے واپس آیا تھا۔ رمشہ کچن میں اس کے لیے کھانا گرم کر رہی تھی جب میمونہ کی کال آ گئی۔

"نہیں، ہمیں تو نہیں بلایا۔ ہوں۔ اچھا۔ اوہو۔" وہ کچھ دیر اسی قسم کے مختصر ردعمل دیتے اس کی بات سنتی رہی، پھر کال آف کر کے اس کے لیے کھانا لے آئی۔

"میمونہ حویلی گئی تھی۔ دادی سے ملنے۔" رمشہ خود ہی اسے بتانے لگی۔ منصب بظاہر کھانا کھاتے چپ چاپ سنے گیا۔

"کہتی ہے، کچھ دن پہلے جب میں پشاور شادی میں گئی تھی تو پیچھے دادی مجھ سے ملنے آئی تھیں۔ میمونہ سے تو ظاہر ہے ملاقات نہیں ہوئی، دادی اس کی ساس کے پاس پیغام چھوڑ گئیں کہ جب بھی وہ واپس آئے، ان سے ضرور ملے، کچھ ضروری کام

ہے۔ تو میمونہ کہتی ہے کہ شہیر شادی میں بیمار پڑ گیا۔ واپس آکر کئی دن میں اس کی وجہ سے ملنے جا نہیں سکی۔ اور جو نہی اسے وقت ملا، یہ حویلی گئی تو ملازموں نے باہر سے ہی واپس بھیج دیا۔ انہوں نے بتایا کہ ارحم خان کی شادی ہے، سب دلہن لینے میانعم گئے ہوئے ہیں۔ وہ بتا دادی سے ملے ہی واپس آگئی۔ بتا رہی تھی ابھی پانچ، چھ بجے رخصتی ہے۔"

"ہوں...... وہ کھانا چھوڑ کر باہر نکل گیا۔ اور رمشہ بس ایک گہرا سانس کھینچ کر رہ گئی۔ کھانا تو اس کے اندر بھی نہیں جا رہا تھا۔ وہ برتن اٹھائے واپس کچن میں چلی آئی۔ منصب کے لیے رمشہ تک کو فیس کرنا مشکل تھا۔ وہ گھر سے نکل کر ڈھلان اتر آیا۔

جیپ کے بونٹ سے ٹیک لگائے ہاتھ سینے پر باندھے دیر تک کھڑا رہا یقین آنا بہت مشکل تھا کہ وسیلہ اب اس کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے دور جا رہی تھی۔ دل سے دور کرنے کا مرحلہ بھی آپہنچا تھا۔ لیکن کیا یہ اتنا آسان تھا۔ وہ لوگ جو کسی اور پہ اپنا آپ ظاہر نہیں کرتے۔ عام لوگوں سے زیادہ گہرے کیوں ہوتے ہیں۔ وہ بھی وسیلہ کو بھی یہ بتا نہیں پایا تھا کہ اس کا دل اس پہلی محبت کے کتنے شدید اثر میں ہے۔ جذبہ الفاظ کا محتاج بھی لگا ہی نہیں تھا۔ وہ اندر سے اس بات کا قائل تھا کہ جو وہ محسوس کرتا ہے۔ جتائے بنا اپنا اثر چھوڑ سکتا ہے۔ جہاں تک کچھ کہنے یا جتانے کی بات ہے تو صحیح وقت سوائے ایک جائز رشتے کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

وہ اس صحیح وقت کے حوالے سے بہت پر امید رہا تھا۔ ابھی تو محبت چھن جانے کے واہموں نے اندر جگہ بھی نہیں پائی تھی کہ ارحم نام کی دیوار دیکھتے ہی دیکھتے آسمان تک ان کے بیچ حائل ہو گئی۔

وسیلہ سے ملنے سے پہلے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اسے کیسی لڑکیاں پسند ہیں، یا اس کے آئیڈیل کا خاکہ کیا ہے۔ لیکن جب وسیلہ ملی تو اس کی ریزرو، سوبر شخصیت، سادگی اور کم گوئی اپنے آپ کئی سوالوں کا جواب بنتی گئی۔ دل نے کہا "تو ایسا تھا تمہارے آئیڈیل تمہارے محبوب کا خاکہ۔

"نجانے دادی کو میمونہ سے کیا ضروری کام تھا۔ وہ تو بہت کم کبھی گھر سے نکلتی تھیں۔ میمونہ سے معلوم نہیں کیا کہنے آئی ہوں گی۔ بات کہیں وسیلہ کے حوالے سے نہ ہو۔ پر اب کیا فائدہ۔"

وہ ایک گہرا سانس بھرتے اونچے درختوں کو دیکھنے لگا۔ وسیلہ کے سر پہ ارحم نام کی چھاؤں کا سایہ تن رہا تھا۔ نیا نیا تکلیف دہ احساس شاید زندگی بھر کا روگ بننے جا رہا تھا۔

☆☆☆

یہ دستخط ایک نئی زندگی کے آغاز کی نوید نہیں بلکہ گھر کی چند اپنے تئیں سمجھ دار خواتین کی ملی بھگت کا نتیجہ اور اسے زندگی بھر کے لیے پھنسانے کی سازش تھی، اور مومن کو افسوس تو اس بات کا تھا کہ وہ اس موقع پر سوائے چپ ہونے کے اور کچھ نہیں کر پایا تھا۔ اور پھر کتنا ترس آتا ہے اپنے آپ پر جب نہ چاہتے ہوئے بھی ہم ایک بہت بڑا جوا اپنی ذات کے ساتھ کھیل بیٹھتے ہیں۔

"جہاں ہار یقینی ہو، وہاں کون سرمایہ لگاتا ہے مومن توفیق احمد۔" مومن نے اپنی کھلی ہتھیلیوں کو آہ بھر کر دیکھا "میں بھی اپنی ذات اپنے ان ہی ہاتھوں سے شادی کے جوئے میں ہار بیٹھا ہوں۔"

اس نے نہایت درد بھری نظروں سے اپنے دائیں ہاتھ ٹیڑھی نظر سے دیکھا۔ اطیاء جمال خان اب اطیاء مومن بنی نیلے کاسنی سے لہنگے میں سجی سنوری خود اپنی رضامندی سے اتنی سی عمر میں دو جڑواں بچوں کی تصدیق شدہ اماں بنی بیٹھی تھی۔ چہرے کی مسکان بتاتی تھی، چند لمحے پہلے کی کارروائی سے از حد آسودہ و مطمئن بھی ہے۔ مومن نے نئے رشتے کے حوالے سے کچھ اچھے جذبات محسوس کرنے کے بجائے غصہ اور جھنجھلاہٹ ابھرتی دیکھی تو فوراً ہی نظروں کا زاویہ تبدیل کیا۔

مولوی صاحب ان دونوں کا نکاح بخیر و خوبی نمٹا لینے کے بعد دوسرے جوڑے یعنی ارحم اور وسیلہ

کے نکاح کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔ مومن نے سنجیدہ نگاہی سے وسیلہ کے چہرے کو دیکھا۔ اس کا چہرا بھی اس لمحے مومن کو اپنے جذبات کا عکاس لگا۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے کی تو بات تھی جب گھر میں وسیلہ کے لیے منصب کے رشتے کے حوالے سے باتیں ہو رہی تھیں۔ انسپکٹر منصب سے اس کی پہلی ملاقات اپنے ہی گھر کے گیٹ پر ہوئی تھی۔ جب یہی معلوم ہوا کہ وہ ایلیا اور وسیلہ کی دوست کا بھائی ہے۔ پھر آنے والے دنوں میں اس بھائی کا پرپوزل بھی آ گیا تو مومن نے بس کچھ دیر رک کر ایک بھائی کے انداز میں سوچ بچار کی تھی اور پھر مسکراتے ہوئے اسے وسیلہ کے لیے پاس قرار دیا تھا۔ لیکن پھر یہ بھی سننے میں آیا کہ وسیلہ کے لیے تو ارحم کا رشتہ بھی آیا ہوا ہے اور تحریم سے ہی معلوم ہوا کہ رضوانہ پھوپھو کا جھکاؤ ارحم کی جانب جبکہ ان تین بہنوں کا منصب کی طرف ہے۔ اس کے بعد تو پھوپھو بھی مان ہی گئی تھیں۔ تو پھر کب اور کیسے ارحم کا پرپوزل حاوی ہوتا گیا اور منصب کہیں بہت پیچھے رہ گیا۔ اس بیچ اس کی منصب سے ایک ملاقات کہ جس کا کوئی مثبت نتیجہ نہیں نکل پایا تھا۔ اور تو کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ پھر آج وسیلہ کے چہرے کے رنگ دیکھ کر ایسا کیوں لگ رہا تھا کہ جو ہو رہا ہے وہ اتنا خوش گوار بھی نہیں۔

تو کیا آج کی تاریخ میں طے پانے والے یہ دونوں بیاہ ہی بے جوڑ تھے۔ مومن کا دل اس وقت اپنی شادی کی خوشی محسوس کرنے کے بجائے اپنی ہم مزاج بہن کی دوری کے خیال سے اداس تھا۔ وسیلہ کے یہاں سے چلے جانے کے بعد وہ اپنے دل کی بات کس سے کہہ پائے گا۔ کیونکہ یہ بغل میں بیٹھی کم عقل لڑکی تو ہرگز اس قابل نہ تھی کہ اس سے مخاطب ہی ہوا جاتا!

☆☆☆

"سنو فیروزہ۔ بچوں کے کاٹ بھی اُدھر رضوانہ آپا کے کمرے میں لے جاؤ۔ تمہارا میٹرس میں نے وہیں بچھا دیا ہے۔ دھیان رکھنا کوئی بھی ضروری چیز یہاں نہ رہ جائے۔" ندرت ہاتھوں پر کمبل اور پھر زکا تھیلا اٹھائے بڑے معروف انداز میں چھوٹے کمرے سے نکلی تھیں۔

"یہ سامان کہاں جا رہا ہے مامی؟ وہ لہنگا اونچا کیے چھوٹے کمرے کے دروازے میں آئی۔

"اور کہاں۔ بچے! آج تمہاری امی اور فیروزہ کے پاس ہیں، میں تمہارے ماموں کا خیال رکھوں گی، فی الحال کچھ دنوں کے لیے یہی طے پایا ہے۔ آگے پھر دیکھتے ہیں۔" انہوں نے مزید کچھ تھیلے اپنے دونوں بازوؤں میں بھرے۔

"فیروزہ۔" ایلیا نے حیرت سے دوہرایا "رات کو بھی یہیں ہوگی۔؟"

"ہاں۔ اس کے شوہر سے اجازت لے لی ہے۔ رات کو چند روز کے لیے یہیں رہا کرے گی۔"

"لیکن کیوں مامی۔ اب تو میں آ گئی ہوں نا۔"

وہ اسی طرح لہنگا اٹھائے کمرے کے باہر تک آ گئی۔

"ہاں ہاں، مجھے پتا ہے تم آ گئی ہو۔ لیکن ابھی بچوں کو سنبھالنے کی کوئی جلدی نہیں ہے۔ اور جاؤ شاباش۔ وہاں بیڈ پر بیٹھو۔ یہاں وہاں گھومنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" وہ اسے پکڑ کر بیڈ کے قریب لے آئیں۔ زبردستی بٹھایا اور باہر نکل گئیں۔

"ارے واہ۔" اس نے مسکرا کر ہونٹ سکوڑے "دلہن تو بڑی وی آئی پی چیز ہوتی ہے۔" اس نے سامنے آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا۔ لیکن فوراً ایک خیال آتے ہی گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں یہاں اُن کے کمرے میں کیا کر رہی ہوں۔ وہ آئیں گے تو کیا سوچیں گے۔ ہمارے بیچ جو آخری بات ہوئی تھی اس کے مطابق تو نہیں نہیں۔" ایلیا کو اپنی وہاں موجودگی سخت آکورڈ لگی۔ جلدی سے اپنا پرس، موبائل اور لہنگا سنبھالتی چھوٹے کمرے میں آ گئی۔ مامی دروازہ بند کر کے گئی تھیں۔ ان کا دوبارہ آنا مشکل تھا۔

"بس یہ مومن بھی۔ بس۔ مطلب یہ آئیں تو مجھے وہاں نہیں ہونا چاہیے۔" اس نے بھائی کہتے

زبان کو پکڑ کر روکا۔ اپنے بروقت یہاں بھاگ آنے پر شکر ادا کیا۔ لیکن نہیں۔ اپنے حلیے پر نظر پڑی تو عجلت پر کوسا۔ اب کیا لہنگے میں سوتا تھا۔ ”کوئی عقل نہیں تمہیں ایلیا۔“ اس نے اٹھ کر دوسرے کمرے میں جھانکا۔ مومن ابھی تک نہیں آئے تھے۔ سوٹ کیس دیوار کے ساتھ لگا کھڑا تھا۔ ایلیا بھاگ کر وہاں تک پہنچی، سوٹ کیس ہاتھ میں لیا لیکن یہ کیا۔ خالی خولی ایکدم ہلکا سا۔ اس نے اٹھا کر پٹخا۔ واقعی خالی تھا۔

یا خدا۔ میرے کپڑے۔ فیروزہ کو اسی بیگ میں خود بھر کر دیے تھے۔ اس نے مومن کی وارڈ روب کھولی۔

اف توبہ۔ ان کے کپڑوں کے نیچے والے خانے میں نیا مال بھر دیا گیا تھا۔ کس کس کو بتائے یہاں کیا طے پایا تھا۔ اس نے الٹ پلٹ کر کوئی سادہ ڈریس ڈھونڈنے کی کوشش کی لیکن پیچھے دروازہ کھلنے کی آواز آئی تو سانس گلے میں اٹک گیا۔ مومن بھاء اندر آرہے تھے۔ اس نے دوسرے خانے کے کپڑوں کو دونوں بازوؤں میں پورا بھرا اور پلٹ کر چھوٹے کمرے کی طرف دوڑ لگائی لیکن مومن کمرے میں آچکا تھا۔ ناک تک کپڑوں کا ڈھیر اٹھائے وہ جھاڑو والی چڑیل کی طرح اس کے پاس سے نکل کر اپنے کمرے میں غڑاپ ہوئی۔ مومن نے ٹکرانے سے بمشکل خود کو بچایا۔

”احمق۔ الو!“ وہ بس منہ میں بڑبڑا کر رہ گیا۔

اور ایلیاء نے ٹھا کر کے چھوٹا دروازہ بند کر دیا۔

واہ۔ یعنی یہ دروازہ بند نہیں کریں گی تو میں زبردستی گھس آؤں گا۔ اس نے بازو ہوا میں لہرائے نارمل موڈ میں اندر آنے کی خواہش تھی لیکن اس کی لڑکی کے ایکشن خوامخواہ غصہ دلا دیتے تھے۔

اس نے بوٹ کی ٹھوکر خالی سوٹ کیس میں ماری لیکن دیکھنے والا کون تھا۔ شیروانی، شرٹ، گھڑی نکال کر پٹخے۔ کتنا جبر کر کے بیٹھا تھا اپنے اس حلیے پر۔ اس نے الماری سے اپنے لیے سادہ شلوار قمیص نکال کر پہنے اور پہلا سکون کا سانس لیا۔

بچوں کو رضوانہ پھوپھو کے گھر میں دیکھ آیا تھا۔ فیروزہ اور امی لائٹس آف کر کے ان دونوں کو سلانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ وہ بہت کچھ کہنے کی حسرت لیے ہی وہاں سے اٹھ آیا تھا۔ کہنا چاہتا تھا شادی تو بچوں کے بھلے کی خاطر کی تھی تو پھر میرے لاڈلوں کو بے گھر کیوں کر کے بیٹھے ہیں۔ لیکن وسیلہ کی ابھی ابھی رخصتی ہوئی تھی اور پھوپھو کا اترا چہرا دیکھ کر اسے اپنی جوشیلی تقریر اندر ہی دبانی پڑ گئی۔ اور اب اکیلے کمرے میں تو غصہ نکالنا جائز تھا۔

شکر ہے وہ سمٹی سمٹائی بیڈ پر بیٹھی دکھائی نہیں دی۔ ایسا منظر اسے مزید آگ لگا دیتا۔ ایلیاء کی قسمت اچھی تھی جو بروقت اسے چپت ہونے کا خیال آگیا ورنہ ندرت ممانی نے تو شامت بلا ہی لی تھی۔

اف۔ ایسے تھکا دینے والے دن کے اختتام پر کم از کم یہ اکیلا پن پہلی نعمت تھا۔ وہ اب صرف اور صرف سونا چاہتا تھا۔ سوٹ کیس جائیں بھاڑ میں۔ تمہارے ساتھ جو ہونا تھا مومن احمد۔ ہو چکا۔ اب نیند سے انتقام لینے کی غلطی ہرگز مت کرنا۔ اس نے آنکھیں موندتے اپنے دماغ کو جنگ کے میدان سے نکال باہر کیا اور پھر مہربان نیند۔

☆☆☆

”جیو میرے جگر گوشوں۔ اپنی ماں کی سات ماہ کی بے آرامی کا یوں حل نکالا۔ صدقے جاؤں۔“ ایلیاء نے تصور میں عابی اور زیبا کی بلائیں لیں۔

”تھینکس میرے بچوں۔ تمہاری ماں بننے کا پہلا فائدہ۔ آج تمہاری مما جی بھر کر ریسٹ کرے گی۔ اب ایک دو راتیں تم بھی پیچ کر لو، پھر تو ہم اکٹھے ہی ہوں گے ان شاء اللہ۔“ اس نے ڈھیلا ڈھالا فیروزی ڈریس اپنے لیے منتخب کیا۔ اور بڑے آرام دہ انداز میں سنگل پلنگ پہ لیٹ گئی۔ جیولری لہنگا اس نے سمیٹ کر ایک کونے میں رکھ دیا تھا۔ بچوں کی پیدائش کے بعد حقیقی معنوں میں یہ پہلی رات تھی

جب وہ اکیلے بھرپور نیند کا مزا لینے والی تھی۔

☆☆☆

وسیلہ کار سے نکل کر اندر بڑے کمرے میں آئی تو دادی وہاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ وسیلہ کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھیں اور اسے گلے سے لگا لیا اور وسیلہ انہیں صحت مند، ہشاش بشاش دیکھ کر بہت متعجب ہوئی۔ بارات جب آئی تو اس کی امی نے ساس کی عدم موجودگی پر بہت حیرت کا اظہار کیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ اماں جی بارات کے ساتھ خود نہیں آئیں گی۔ لیکن شہناز تائی نے کہا کہ ان کو تیز بخار ہو گیا تھا اور ان کی حالت ایسی نہیں تھی کہ سفر کروایا جاتا اس لیے گھر پہ آرام کرنے دیا۔

"آپ ٹھیک ہیں دادی؟" وہ ان کے نزدیک آئی۔

"ہاں میری بچی، میں ٹھیک ہوں۔ جیتی رہو۔" انہوں نے وسیلہ کو گلے سے لگایا" تمہارا یہاں آنا، میرے قریب ہونا مت پوچھو میرے لیے کیسی خوشی کی بات ہے۔ کتنا دل چاہتا تھا کسی سے دل کا حال کہنے کو۔ ڈھیروں ڈھیر باتیں کرنے کو۔"

وہ اسے ساتھ لپٹائے جذب سے بولتی گئیں۔ کتنا تڑپی تھیں وہ شادی میں ساتھ جانے کے لیے ان کا ارادہ تھا کہ کم از کم وہ رضوانہ کو ہوشیار کر دیں گی پھر یہ اس کی مرضی کہ وہ عین وقت پر اس بیاہ کو روک دیتی ہے یا شہناز سے کوئی بات کرتی ہے لیکن شہناز کو شاید ان پر شک ہو گیا تھا تب ہی کسی قیمت پر انہیں ساتھ لے جانے کو تیار نہیں ہوئیں۔ ہاجرہ بیگم کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں اور دل بس اس خیال سے آسودہ کہ وسیلہ کم از کم یہاں بالکل اکیلی نہ تھی۔ انہیں وسیلہ کی نرم طبیعت، سادگی، محبت بھرا انداز پہلے دن سے بے حد اچھا لگا تھا۔

"یہاں آؤ مسرت۔ اماں جی کو ان کے کمرے میں لے جاؤ۔ کتنا لمبا سفر کیا ہے۔ تھک گئی ہوں گی۔" شہناز نے ان کا بازو زبردستی وسیلہ سے دور کیا۔ لہجہ البتہ خوب مٹھاس بھرا تھا۔ ہاجرہ خاموشی کے ساتھ مسرت کے پیچھے چل پڑیں۔ شہناز نے دونوں کو کمرے سے نکل کر برآمدے میں دور تک غائب ہوتے دیکھا پھر وسیلہ کی طرف متوجہ ہوئیں۔ وہ ابھی تک ہال کے بیچوں بیچ کھڑی تھی۔

"آؤ۔ تم بھی اب آرام کرو۔" وہ اسے سپاٹ لہجے میں مخاطب کرتے آگے بڑھیں اور وسیلہ ان کے پیچھے پیچھے۔ پرانی طرز کی اس حویلی میں دائیں ہاتھ ایک خوب صورت نیا پورشن دکھائی دیتا تھا۔ دو نئے کمرے، سامنے ایک بڑا برآمدہ۔ وسیلہ کی نظریں اس طرف تھیں لیکن شہناز تائی کا رخ کسی اور جانب تھا۔

وہ ان کے پیچھے چلتے ایک تنگ راہداری میں داخل ہوئی۔ کم روشنی والی اس تنگ، گھٹن بھری راہداری میں وسیلہ بڑے ہی حیرت بھرے خیالات لیے داخل ہوئی۔ دلہن کے کمرے کو جاتا یہ بھلا کیسا راستہ ہو سکتا تھا۔ وہ پھر بھی چند قدم کیے گئی اور تھوڑی ہی دیر میں شہناز کے قدم ایک دروازے کے سامنے رک گئے۔ انہوں نے دروازے کو دھکا دے کر کھولا تو اندر نیچے جاتی کچھ آٹھ دس سیڑھیاں دکھائی دیں۔

"آجاؤ۔" وہ اسی سنجیدہ لہجے میں کہتے سیڑھیاں اترنے لگیں۔ وسیلہ کا دل پہلی مرتبہ کسی انجانے خوف سے دل دھڑکا۔ اپنا آپ ایک دم یکا و تنہا محسوس ہوا۔ وہ سرخ لہنگے کو ہاتھوں میں سنبھالتی سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گئی۔ نیم تاریک کمرے میں صرف ایک پلنگ نظر آ رہا تھا۔ اور شاید اس کے قریب ایک چھوٹی میز۔ وہ گھبرائی نظروں سے شہناز تائی کو دیکھنے لگی لیکن وہ بنا اس کی سوالیہ نظروں کو خاطر میں لائے پلٹ کر تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گئیں۔

"جی بھر کر آرام کرو۔ صبح بات کرتے ہیں۔" انہوں نے کمرے سے نکل کر دروازہ بند کر دیا اور پھر وسیلہ کو باہر سے کنڈی بند ہونے کی آواز آئی تو اس کا سکتہ ٹوٹا۔

"تائی۔ تائی جی۔!" وہ تیزی سے پیچھے لپکی۔ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئی۔ دروازہ کھولنے کی کوشش

کی لیکن وہ باہر سے واقعی بند ہو چکا تھا۔
"تائی جی۔ دروازہ کھولیں۔ پلیز۔ کوئی دروازہ کھولے۔" وہ زور زور سے دروازے پر ہاتھ مارنے لگی لیکن تائی اسے اکیلے کمرے میں بنا کچھ سمجھنے کی مہلت دیے بند کر کے چلی گئی تھیں۔ وہ تنہائی کے خوف سے دروازہ پیٹ رہی تھی اور اچانک پیچھے سے کسی نے اس کے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تو وسیلہ کی خوف سے چیخ نکل گئی۔ وہ اپنے پیچھے کسی اور کے ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ کمرا تو خالی تھا لیکن۔

وہ حیرت سے پلٹی تو حلق سے ایک اور دلدوز چیخ نکلی۔ سامنے کھلے بالوں، سفید وحشت ناک چہرے اور عجیب سی چمکتی آنکھوں والی وہ۔ وہ وسیلہ اسے کوئی بھی نام نہ دے سکی اور سائیڈ سے نکل کر پیچھے بھاگی۔ دل حیرت اور خوف سے باہر نکل رہا تھا۔ وہ بھاگ کر پلنگ کے نزدیک آئی اور پاؤں اوپر چڑھاتے سمٹ کر ایک کونے میں گھس گئی۔ پورا وجود خوف سے لرز رہا تھا۔ وہ سامنے دکھائی دیتی عورت نجانے کیا شے تھی۔ اس زندان نما جگہ میں وہ کسی دوسری مخلوق کے شکنجے میں پھنسی یہ تک سمجھنے سے قاصر تھی کہ اس کے ساتھ دراصل ہوا کیا ہے۔ وسیلہ کی نم آنکھیں اس نیم تاریک کمرے سے مانوس ہونے میں کوشاں تھیں۔ دل کی دھڑکن ابھی تک قابو میں نہ آئی تھی۔ وہ پلنگ کی پشت سے چپکی اپنی ٹانگوں کو اپنے وجود میں سمیٹ رہی تھی۔۔ جب وہ عورت اچھل کر عین وسیلہ کے سامنے اکڑوں آ کر بیٹھ گئی۔
وسیلہ کی چیخ اس بار اندر ہی کہیں گھٹ گئی۔ اس نے خوف سے بے ساختہ آنکھیں بند کر لیں۔ دل نیچے کہیں ڈوبا تو لگا اب کبھی ابھرے گا ہی نہیں۔ اعصابی دباؤ نے اس کا اندرونی نظام جیسے مکمل منتشر کر دیا تھا۔ اپنے اندر سے آگ نکلتی محسوس ہوئی۔ اچانک وسیلہ کو اپنی گردن پر چبھن سی محسوس ہوئی۔ آنکھیں کھولنے کی کوشش کی لیکن ہمت جواب دے چکی تھی۔ دباؤ کچھ اور بڑھا، اس نے وسیلہ کے گلے کا ہار کھینچا تھا جو ظاہر ہے کہ نکل نہیں رہا تھا جس وجہ سے وہ زور لگا رہی تھی اور شاید اس کی کوشش اب غصے میں تبدیل ہو رہی تھی کیونکہ اس کے منہ سے عجیب سی آوازیں نکلنے لگی تھیں اور ناخنوں کا دباؤ بھی بڑھ رہا تھا۔ وسیلہ کی ہمت ختم ہوتے مکمل جواب دے گئی اور سر ایک جانب کو لڑھک گیا۔ وہ خوف سے بے ہوش ہو چکی تھی۔

☆☆☆

"یہ لو..... تمہارا بیگ۔ اور یہ رقم۔ جو آج تو ضرور ہے کہ تم آرام سے ڈیڑھ دو ماہ عیش کر سکو۔ باقی پھر ضرورت پڑنے پر مانگ لینا۔" شہباز نے ایک سفری بیگ ارحم کے حوالے کرتے رقم کا لفافہ مسکراتے ہوئے اس کی طرف بڑھایا۔
"عیش کرنے نہیں جا رہا۔ گھر بسا رہا ہوں۔" ارحم نے کچھ خفا ہو کر لفافہ ہاتھ میں لیا اور کھول کر ڈھٹائی سے باقاعدہ گننے بھی لگا۔
"شاہوں والے انداز ہیں بھئی۔ ایک ہفتے میں دو بار شہنائی۔" وہ بے فکری سے یوں ہنس رہی تھیں جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ ارحم نے ابرو چڑھا کر ماں کو دیکھا۔
"یہ بھی آپ کی بدولت ہوا ورنہ میرے لیے بھی ایک کافی ہے۔ اس نے "بھی" کہتے توٹ ہوا میں لہرائے اور شہباز نے قہقہہ لگایا۔
"خریدی ہوئی بیوی بھی عیش میں آتی ہے صاحب زادے۔"
"اچھا۔ اور جو آپ نے کیا۔ وہ" ارحم نے اس مرتبہ تہہ خانے کی جانب ابرو اچکایا۔
"وہ تو ابھی آغاز ہے۔ دیکھتے جاؤ۔"
"آگے کی کچھ پلاننگ بھی ہے دماغ میں؟ مینج کیسے کریں گی۔"
"زیادہ آگے کی تو نہیں۔ فی الحال کے لیے اتنا کافی ہے کہ تم دونوں چترال ہنی مون اور تمہارے لیڈر کے نئے کاروبار کے لیے روانہ ہو گئے ہو۔ تم اپنی چچی کو خود ہی کال کر لیا کرو۔ حال احوال

خیر خیریت پوچھ کر وسیلہ کے متعلق بھی کہہ دیا کرو کہ کچن میں ہے، باتھ روم میں ہے یا سو رہی ہے وغیرہ۔ اور پھر فوراً مجھے کال کر کے بتاؤ گے۔ میں پھر اس کے موبائل سے اس کی ماں سے بات کرواؤں گی۔ وہاں سب کو بھی لگے گا تم دونوں ساتھ ہو۔"

"اور ایسا کب تک چلے گا؟" ارحم کو بے زاری سی محسوس ہوئی۔

"اب اتنا تعاون تو تم کر ہی سکتے ہو۔"

"بات تعاون کی نہیں۔ مجھے پیچھے آپ کی فکر رہے گی۔ اتنا بڑا رسک لے بیٹھی ہیں۔ کچھ بھی اونچ نیچ ہو سکتی ہے۔"

"پریشان نہ ہو۔"

"دادی اور خاندان برادری کا معاملہ نہ ہوتا تو میں سمارہ کو حویلی ہی لے آتا۔"

"لے آنا حویلی بھی۔ بس ایک بار میرا وہ زخم بھر جانے دو۔ وعدہ کرتی ہوں، سمارہ ہی حویلی کی باعزت بہو گی۔ پھر بھاڑ میں جائے دنیا۔ اور یہ تمہاری دادی۔" شہناز نے دانت کچکچائے "اس کو تو ایک دن میں خود زہر دے دوں گی۔"

"چلیں پھر میں نکلتا ہوں۔ مجھے اکیلے یہاں سے نکلتے اور کوئی نہ دیکھے۔ یہی مناسب وقت ہے۔" اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ رات کے دو، ڈھائی کا عمل تھا۔ ماحول میں سوائے جھینگروں کی سرسراہٹوں کے اور کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔

"ہوں۔" شہناز نے بیٹے کی پشت تھپتھپائی اور ارحم دل میں دبا دبا جوش لیے باہر نکل گیا۔ شہناز نے دروازے کی چوکھٹ سے اسے کار نکال کر باہر جاتے دیکھا۔ ملازم نے دروازہ پیچھے بند کر دیا تھا۔ ارحم کی آنے والی زندگی کا تصور کر کے ان کے لب مسکرا اٹھے۔ ارحم ان کا اکلوتا، لاڈلا بیٹا تھا۔ اس کی خواہش، خواہش نہیں ضد ہوا کرتی جسے پورا کرنا ماں باپ کا فرض تھا۔ انکار کی کبھی گنجائش نہ تھی۔

اور پھر شہناز کو کچھ ماہ پہلے کے وہ دن یاد آ گئے جب ایک طرف ارحم اپنی محبت کے حصول کے لیے اس کی منتیں کر رہا تھا تو دوسری طرف منشی جبر خان کا بیٹا یہ خبر لیے حویلی آ پہنچا کہ آخر کار اس نے رضوانہ اور اس کی بیٹیوں کا پتا لگا لیا ہے۔ شہناز کو جب معلوم ہوا کہ رضوانہ سالوں سے میاندم میں مقیم ہے تو ان کے لیے مزید صبر کرنا مشکل ہو گیا۔ تب ارحم کی بات ماننے کے لیے اس کے سامنے یہ شرط رکھ دی کہ اگر پہلے وہ رضوانہ کی کسی بیٹی کو بہو بنا کر اس کے حوالے کر دے تو اسی دن سمارہ کے حصول کے لیے وہ اسے چترال بھیج دیں گی۔ ارحم کا دل ایک کوہستانی لڑکی پر آ گیا تھا۔ ان کے ہاں بھاری رقمیں دے کر بیٹیاں رخصت کی جاتی تھیں۔ ارحم نے ایڈوانس کچھ رقم سمارہ کے والد کے حوالے کر کے چند ماہ کی مہلت مانگی اور میاندم چلا گیا۔ اور آج وسیلہ اُن کی بہو بنی ان کی حویلی میں موجود تھی اور وہ خود اپنی اگلی منزل یعنی ماں کی شرط پوری کر لینے کے بعد اپنی محبت اپنی سمارہ کو اپنانے جا رہا تھا۔

☆☆☆

درمیان میں نہیں معلوم کہ کتنا وقت گزرا۔ وسیلہ کو اپنا چہرا پسینے سے بھیگا محسوس ہوا۔ وہ گرمی اور آگ جو اندر سے نکلتے اس کے حواسوں پہ طاری ہوئی تھی اور اسے بے ہوش کر کے چھوڑا، اب ٹھنڈے پسینے میں تبدیل ہوئی۔ جسم کا ٹمپریچر، خون کی گردش، دل کی دھڑکن نارمل انداز میں رواں دواں تھے۔ اس نے اپنی آنکھیں کھول کر ماحول کو سمجھا۔ بس کچھ ہی دیر لگی ہوش کی دنیا میں واپس آتے۔ اور اس نے خود کو اسی زندان میں ہی پایا جہاں وہ بے ہوش ہوئی تھی۔

وسیلہ نے چونک کر بیٹھتے آس پاس دیکھا۔ وہ عجیب سی عورت نیچے زمین پر بیٹھی تھی اور اس نے وسیلہ کے بھی زیور اور سرخ دوپٹہ پہن رکھا تھا۔ وسیلہ نے خود کو دیکھا۔ کلائیوں سے بھی چوڑیاں نوچ کر نکالی گئی تھیں۔ خراشوں کے نشان بہت واضح تھے۔ گردن بھی خالی تھی۔ گلے کا سب زیور وہ اتار لے گئی تھی۔ کانوں کو ہاتھ لگایا تو پوروں پر سرخ دھبے پڑ

گئے۔ اس نے یقیناً بڑی بے رحمی سے اس کے جھمکے اپنے قبضے میں کیے تھے۔ وسیلہ سانس تک روکے اپنی جگہ پر دبک کر بیٹھ گئی۔ کاش وہ اس کی طرف دیکھے بنا یہ پوری رات کاٹ دے۔ دل سے ایک دعا نکلی اور وسیلہ کا دل خود اپنے لیے یہ سوچ کر پسیج گیا کہ رات گزرنے کے بعد جو صبح آنے والی تھی۔ کیا اس میں اس کے لیے کچھ اچھا تھا یا۔ اس نے اپنی سسکی کا گلا گھونٹا۔

اللہ ہی بہتر جانتا تھا وہ یہ کس امتحان میں آ پھنسی تھی۔ جس اچانک آ پڑنے والی افتاد کو سمجھنے کے لیے اسے کچھ وقت درکار تھا۔ اس سامنے بیٹھی نا سمجھ میں آنے والی مخلوق کی موجودگی نے اس کی مہلت بھی نہ دی تھی۔ وہ اپنے یہاں بند کیے جانے سے کہیں زیادہ اس عورت کے موجودگی سے حواس باختہ تھی۔ وہ عورت اس کے زیور پا کر خوش اور مگن لگ رہی تھی۔ وسیلہ نے کچھ دیر لگاتار غور کرنے پر بالآخر یہی نتیجہ نکالا کہ وہ کوئی جن بھوت کے بجائے ایک انسان ہی تھی۔ لیکن وہ نارمل انسان نہ تھی۔ اور یہ ایک اچھا سائن ہرگز نہ تھا۔

شہباز تائی نے اس کے ساتھ ایسا کیوں کیا تھا۔ یہ اپنی جگہ ایک بہت بڑا سوالیہ نشان تھا۔ ارحم اسے بیوی بنا کر کہاں غائب ہو گیا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ آخر وہ اس سزا کو کیا نام دے۔ اسے تو آج تک یہ بھی پتا نہیں تھا کہ ان لوگوں سے ان کے تعلقات قطع ہونے کی کیا وجہ تھی۔ اور اگر وہ وجہ کوئی بہت سنجیدہ نوعیت کی تھی تو اس کی امی نے اس کا یہاں رشتہ کرتے وقت ان باریکیوں کے بارے میں کیوں نہیں سوچا۔ کم از کم وہ اپنی ماں کو تو اپنا دشمن ہرگز نہیں سمجھ سکتی تھی۔

شادی سے چند دن پہلے وسیلہ نے ایک بار امی سے پوچھ ہی لیا تھا کہ آخر اتنے سالوں کی دوری کی وجہ کیا تھی، تب رضوانہ نے صرف اتنا کہا تھا کہ اس کے بابا اور انہوں نے پسند کی شادی کی تھی جس پر حویلی کے کچھ افراد خوش نہ تھے۔ دادی کو البتہ جمال کی پسند پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ پھر جب حویلی میں اس کی موجودگی کی وجہ سے تنازعات بڑھنے لگے تو وہ بیا اس کے کہنے پر ہی ہمیشہ کے لیے حویلی چھوڑ آئی تھیں۔

وسیلہ نے ڈرتے ڈرتے اس جانب نظر ڈالی۔ تو وہ عورت نیچے فرش پر ہی اس کا سرخ دوپٹہ دونوں ہاتھوں میں دبائے سو چکی تھی۔ وسیلہ نے دھیرے دھیرے اپنی ٹانگیں پلنگ سے نیچے اتاریں۔ نہایت آہستگی سے چلتے اس عورت سے بچتے بچاتے دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ سیڑھیاں چڑھ کر ہلکا سا دروازے کو دبایا۔ دل میں سوچا شاید دروازہ کھل چکا ہو تو باہر نکل جائے لیکن اپنی طرف کھینچنے یا باہر کی طرف دبانے پر بھی دروازہ نہیں کھلا۔

اس نے واپس نیچے اتر کر دیوار کے ساتھ ساتھ چلتے، خوف بھری نظروں سے کسی بھی وقت اس سوئی ہوئی عورت کو دیکھتے آس پاس کا جائزہ لینے کی کوشش کی۔ بڑا سا نیم تاریک یہ تہہ خانہ میں بنا کمرہ ساز و سامان سے یکسر خالی تھا۔ سوائے دو پلنگوں اور چھوٹی میز کے اس میں نیچے ایک پرانا قالین بچھا تھا۔ دوسرا پلنگ اس کے بیڈ سے کچھ ہی دور رکھا تھا۔ اس پر پڑے سرہانے اور چادر وغیرہ بکھرے ہوئے سے تھے۔ وہ یقیناً اس عورت کا بیڈ تھا۔

وسیلہ نے اپنے پلنگ پر رکھی چھوٹی سی گٹھڑی کو کھولا تو اس میں وسیلہ کے ہی دو سادہ سوٹ رکھے تھے۔ وسیلہ نے عورت کے جاگنے یا کسی اور کے کمرے میں آ جانے کے خیال سے جلدی جلدی ایک براؤن سوٹ پہن کر دوپٹہ اپنے گرد اوڑھ لیا۔ اور سرخ سوٹ تہہ کر کے گٹھڑی میں باندھ دیا۔ چھوٹی میز پر ایک پلاسٹک کی بوتل پانی سے بھری رکھی تھی۔ وسیلہ نے کمرے کے کونے میں جا کر تھوڑے سے پانی کے ساتھ وضو کیا۔ آنکھیں ایک بار پھر برسنے لگی تھیں۔

مصیبت کچھ ایسے سر پر آن پڑی تھی کہ اسے تو اللہ بھی بڑی دیر بعد یاد آیا تھا اور جب اس کے

سہارے کا خیال آیا تو وسیلہ کو لگا زندگی ایسے ختم نہیں ہو سکتی۔ اسے امید ہی نہیں اپنا یقین بھی بحال رکھنا ہوگا۔ وسیلہ نے فرش پر ہی تہجد کی نماز ادا کر کے ہاتھ دعا کے لیے بلند کر دیے۔

"یا میرے خدا۔ اگر یہ سزا ہے تو مجھے بخش دے، امتحان ہے تو ہمت عطا فرما اور اگر معصیت ہے تو نجات دلا دے۔ لیکن میرا ساتھ نہ چھوڑنا مالک۔ مجھے سوا تیرے کوئی راہ دکھائی نہیں دیتی۔ اس اندھیرے سے رہائی دلا دے مالک۔"

☆☆☆

"اٹھ گئیں ایلیا۔ بسم اللہ۔" ندرت ممانی نے کمرے کا دروازہ کھلتے پر بھرپور مسکراہٹ سے اسے دیکھا اور وہ جھینپا جھینپا سا مسکرا دی۔ مومن اندر ابھی تک سو رہے تھے۔ وہ چھوٹے کمرے سے نکل کر سیدھے باہر نکل آگئی۔ واش روم بھی حضور والا کا استعمال کرنے سے گریز کیا۔ بازوؤں پر کپڑے تولیے لیے لاؤنج کے واش روم میں گھس گئی۔ ندرت بجھ گئیں کہ مومن کی نیند خراب نہیں کرنا چاہتی ہوگی۔ نہا کر ایلیاء نے پنک کلر کا سوٹ پہنا تھا۔ ندرت تو اس کا کھلا روپ دیکھ کر صدقے واری جا رہی تھیں۔

"کوئی مجھ سے پوچھے گلابی رنگ کیسا ہوتا ہے تو میں ان کپڑوں کی نہیں، ایلیاء کے چہرے کی طرف اشارہ کروں گی۔ ماشاء اللہ اس کھلے رنگ سے بھی زیادہ فریش لگ رہی ہو۔ اللہ تم دونوں کی خوشیاں ہمیشہ سلامت رکھے۔ نظر بد سے محفوظ فرمائے آمین۔"

انہوں نے ایلیاء کو ساتھ لگایا اور وہ سوچ میں پڑ گئی۔ بس ایک ہی رات کی بھرپور نیند کا اتنا اچھا اثر۔ فیروزہ کی چھٹی اگر ہفتے بھر کی ہے تو اس حساب سے میں تو ساتویں دن گلاب کا گلدستہ بن جاؤں گی۔ وہ دل ہی دل اندازہ لگا رہی تھی اور فیروزہ کچن سے نکل کر سامنے آ کھڑی ہوئی۔ ایلیاء نے اس کی طرف دیکھا تو وہ کھی کھی کر کے دوپٹے میں چھپنے لگی۔

"صاحب کو جگا دیں میں ناشتہ بنا دوں۔"

"ہنس کیوں رہی ہو؟" ایلیاء اس کی ہنسی کو مشکوک نظروں سے دیکھنے لگی۔

"کچھ نہیں باجی۔" وہ بری طرح لجا کر واپس پلٹ گئی اور ایلیاء کا یہ سوچ کر سر درد کرنے لگا کہ صاحب کے گلے میں گھنٹی۔ مطلب انہیں ناشتے کے لیے کیسے جگائے۔ اور پہلے کیا یہ میرے کہنے پر اٹھتے تھے۔ چھوٹے کمرے سے باہر جاتے ماں جی اسے آواز دے کر جگا دیا کرتیں۔ وہ مریل قدموں سے کمرے میں آئی، مومن بے سدھ سویا تھا۔

پتا نہیں ساتھ ناشتہ کرنا کیوں ضروری ہے۔ بے چارے کتنے آرام سے سوئے ہیں۔ اس نے کھڑے کھڑے کچھ سوچا پھر باہر آگئی۔

"ماں، وہ۔ ابھی وہ ناشتہ نہیں کریں گے۔ کہتے ہیں بھوک نہیں لگی۔۔ لیکن مجھے بہت بھوک لگی ہے۔ میں یہ چائے کا کپ لے لوں۔ اور پراٹھا۔" وہ ندیدوں کی طرح ہر چیز پلیٹ میں ڈالنے لگی۔ ندرت دیکھ کر ہنس دیں۔

"ہاں ہاں لے لو۔"

"اچھا، میں اپنا ناشتہ لے کر بچوں کے پاس جا رہی ہوں۔" وہ فوراً ہی امی کے پورشن میں بھاگی۔ یہاں آئی تو ریپا کو جاگتے پایا، عالی ابھی سویا ہوا تھا۔ امی لیٹی ہوئی تھیں۔ اسے دیکھ کر یوں اٹھ بیٹھیں جیسے وہ کوئی مہمان ہو۔

"ایلیا۔" ان کے پکارنے میں بھی عجیب سی بے تابی تھی۔ وہ ناشتے کی ٹرے رکھ کر امی کے قریب آئی۔ ریپا کو دیکھ لیا تھا وہ آرام سے لیٹی اپنا انگوٹھا چوس رہی تھی۔

"جی امی۔ کیسی ہیں۔ بچوں نے رات زیادہ تنگ تو نہیں کیا؟"

"نہیں، آرام سے سوئے رہے۔ ایک ایک مرتبہ دونوں جاگے تھے، فیروزہ نے فیڈر بنا دیا تھا۔ تم کہو۔ سب خیریت۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔

"جی جی سب ٹھیک ٹھاک۔ بہت چین۔ اس

نے نیند کہتے خود کو روکا "وہ بچوں کے بغیر پہلی
بار رات گزار رہی ہے تو کوئی شور شرابا نہیں تھا آس
پاس۔" وہ پھیکا سا ہنس دی۔

"ہاں ہاں۔" رضوانہ بھی مسکرانے لگیں "ناشتہ
کرلو، پہلے۔ اور مومن۔؟"

"جی، سو رہے ہیں ابھی۔" وہ تسلی سے بیٹھ کر
ناشتہ کرنے لگی۔

"امی، وسیلہ آپی سے کوئی رابطہ؟" اسے ایک
دم سے خیال آیا۔

"نہیں، ابھی تو نہیں ہوا۔ تاہم دیکھ رہی ہوں،
نو، دس بجے کے بعد ہی کرتے ہیں۔ شادی والے
گھروں میں تمہیں پتا ہے، صبح سویرے ایک ایک
کا ناشتہ۔ سو طرح کی عورتیں دلہن کے گرد جمع ہوتی
ہیں۔"

"جی۔ دس گیارہ بجے ٹھیک رہے گا۔" اس نے
ناشتہ کر کے ریا کو اٹھالیا۔ تب ہی امی کے موبائل پر
کال آنے لگی۔

"ارحم کی کال۔" رضوانہ نے دبا دبا جوش محسوس
کرتے کال اٹینڈ کرلی۔ اور ایلیاء بھی جاتے جاتے
رک گئی۔

"آداب چچی جان۔" ارحم کی شوخ کھنکتی آواز
ماؤتھ پیس کے باہر تک سنائی دے رہی تھی۔

"جیتے رہو بیٹا۔ کیسے ہو؟ ابھی تم دونوں کا ہی
ذکر چل رہا تھا۔"

"جی چچی جان۔ میں بھی یہاں مردانے میں
آیا تو مہمانوں کی آمد شروع ہو گئی۔ آپ کو کال بھی
اس لیے فوراً ملائی، کیونکہ رش زیادہ بڑھ گیا تو فرصت
ہی میسر نہیں ملے گی۔"

"خوش رہو بیٹا۔ تمہیں میرا خیال آیا، یہی بہت
ہے۔"

"جی، میں تو وسیلہ سے بھی بات کروا دیتا لیکن
کچھ عجلت میں یہاں مردانے کی طرف نکلنا پڑا
۔ ویسے میں اسے کہہ دیتا ہوں، وہ آپ سے بات
کرلے۔ بس کچھ عورتیں وغیرہ جمع ہو گئی تھیں اس کے
کمرے میں۔"

"کوئی بات نہیں۔ پورا دن پڑا ہے۔ ہو جائے
گی بات بھی۔"

"جی جی بالکل، مہمان تو ابھی کم ہونا شروع
ہو جائیں گے۔ بس پھر دوپہر کو ہم نے نکلنا بھی
ہے۔"

"نکلنا ہے....." رضوانہ حیران ہوئیں "کیا
یہاں آ رہے ہو؟" وہ دل میں بے تحاشا خوش
ہوئیں۔

"آں۔ نہیں چچی جان۔ حاضر تو واقعی ہونا
چاہیے تھا۔ لیکن میں نے اپنا اور وسیلہ کا ہنی مون کا
پلان ترتیب دیا تھا کچھ چار پانچ دن بعد کا۔ سوچا تھا
اس دوران پہلے آپ سے مل آئیں گے۔ لیکن اُدھر
چترال میں، چمڑے کا جو نیا کام شروع کیا ہے تو
میرے پارٹنر کسی مشکل میں پھنس گئے ہیں۔ انہوں
نے ہی فوراً ہی بلالیا ہے۔ تو بس ہنی مون بھی اب
چترال میں اور نیا کام بھی ادھر ہی۔ تو بس آج ہی ہم
دونوں نے نکلنا ہے۔"

"اوہ۔ تو پھر۔ کب تک۔؟" رضوانہ پر بری
طرح مایوسی سوار ہوئی۔ "وہ تو رات سے ہی وسیلہ اور
ارحم کی دعوت کے متعلق سوچے گئی تھیں۔

"جی، معاملہ چونکہ نئے کاروبار کا ہے تو کچھ
کہہ نہیں سکتے۔ میرے دوستوں نے تو بجائے ہوٹل
وغیرہ کے، ہمارے لیے ایک گھر سیٹ کردیا ہے۔
اس لیے فی الحال کچھ عرصہ وہیں پر ہیں، باقی میں
آپ کو بتاتا رہوں گا ان شاء اللہ۔" ارحم کے لیے
طویل جبری مکالمہ کافی کٹھن ثابت ہوا تھا۔ اسے اب
جلد از جلد اجازت لے کر ماں کو کال ملانا تھی۔ تاکہ
وہ وسیلہ کی ان سے بات کروانے کے متعلق کچھ
سوچیں۔

"کوئی بات نہیں بیٹا۔ بس اپنی خیریت کا حال
احوال دیتے رہو گے، یہ بھی کیا کم ہے۔" رضوانہ نے
پھر پورا اطمینان سے فون بند کیا۔ مسکرا کر ایلیاء کو دیکھا
، وہ کچھ دیر ماں سے ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد

ریبا کو لیے اپنے پورشن میں آگئی۔ قدم جھجک کر وہیں رکے مومن اپنے کمرے سے نکل رہا تھا۔ وہ سر جھکائے ریبا سے کھیلنے لگی۔

"اب بنا دیں ناشتہ۔ یا ابھی بھی بھوک نہیں ہے؟" مسرت نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو مومن نے حیرت سے سر اٹھایا، ادھر ایلیاہ نے بے ساختہ زبان دانتوں میں دبالی۔

"بھوک کیوں نہیں ہے۔ بنائیں۔" وہ متعجب تھا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے تو منع کر بیٹھا۔" وہ اسی اعتماد سے بتائے گئیں اور مومن نے اس دوران ایلیاہ کی بیچی آنکھیں اور زبان دیکھ لی تھی۔

"وہ آپ آرام کر رہے تھے نا۔ اس نے نیچی آواز میں سمجھانے کی کوشش کی۔ ہونٹوں پر شرمندگی بھری مسکان تھی۔ مومن ماتھا سکوڑ کر بیٹھ گیا۔ اپنی طرف سے پتا نہیں کیا کیا کہتی رہتی ہے، وہ بنا وضاحت دیے چپ بیٹھا رہا، کیونکہ اگر کوئی اُسے نیند سے جھنجوڑ کر جگاتا تو لازمی برا ہی لگتا تھا۔ ایلیاہ کو اپنی حرکت کی خاموش معافی مل گئی، اور شادی کی پہلی صبح یہ ایک نیک شگون تھا۔

☆☆☆

ناشتہ انہیں مسرت نے کمرے میں لا کر دیا تھا۔ حالانکہ آج وہ توقع کر رہی تھیں کہ دلہن گھر آئی ہے تو صبح سویرے کچھ چہل پہل ہوگی، ناشتے کا مشترکہ اہتمام ہوگا۔ لیکن مسرت وہی روٹین کا سادہ ناشتہ سامنے رکھ گئی تھی۔ ہاجرہ بی بی ناشتہ کر کے کمرے میں ہی معمول کی تسبیحات وغیرہ پڑھنے لگیں۔ دل میں سوچا دلیلہ جاگے گی تو شاید خود ہی ان سے ملنے آئے۔ لیکن اب تو ناشتہ کیے گھنٹہ ڈیڑھ سے اوپر ہو چکا تھا۔ وہ دلیلہ سے ملنے خود ہی باہر چلی آئیں۔ ماحول میں عام دنوں جیسی خاموشی تھی۔ وہ بڑے کمرے میں آئیں تو شہناز صوفے پر اور مسرت نیچے قالین پر اس کے نزدیک بیٹھی نظر آئی۔ دونوں آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ آواز البتہ بہت دھیمی تھی۔ انہیں دیکھ کر دونوں ہی چپ ہو گئی تھیں۔

"لگتا ہے دلہن ابھی آرام کر رہی ہے۔" وہ مسکرا کر سامنے بیٹھ گئیں۔

"جی نہیں، آج وقت سے پہلے اٹھ گئے تھے دونوں، آپ بھی سو رہی تھیں ابھی۔" شہناز کا لہجہ سپاٹ، یکدم روکھا سا تھا۔

"اچھا۔" وہ جواباً بس اتنا ہی کہہ پائیں۔ شہناز کی بات سے کچھ اخذ کرنا مشکل تھا۔

"جی، سفر پہ روانہ ہونا تھا انہیں۔ چترال گئے ہیں۔" شہناز نے جو سوچ رکھا تھا۔ بلا توقف بیان بھی کر دیا۔

"چترال۔" ان کا حیرت سے منہ کھلا۔ "دلیلہ چترال چلی گئی، اور۔ کیوں۔ آج ہی؟"

"ہاں ہنی مون پر گئے ہیں دونوں، اور کچھ کام بھی تھا ارحم کو۔"

"مجھ سے مل کر تو جاتی۔ میں تو اذانوں کے وقت سے جاگ رہی ہوتی ہوں۔"

"اب اسے ہی خیال نہیں آیا تو میں کیا کہتی۔" شہناز نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔ ان کا دلیلہ کو بیاہ کر لانے کا اصل مقصد تو حل ہو چکا تھا، اب انہیں ساس سے میٹھے لہجے میں بولنے کی مزید ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

"کب تک واپس آئیں گے۔" ہاجرہ نے دھیمے مایوس لہجے میں سوال کیا۔ دل بری طرح بجھ گیا تھا۔ جانے کیسی صبح تھی اور صبح تک یہ کیسی خبر۔ اندر کہیں ویرانی سی پھیلنے لگی۔

"ارحم کے کام پر ہے۔ کہہ رہا تھا کچھ دنوں تک بتا پاؤں گا۔" شہناز نے دیکھا کہ اماں کچھ بے یقین سی ہیں، اس لیے لہجہ بھی نارمل کیا اور بہانہ بھی ڈھنگ کا بنایا۔ آخر اسی حویلی کے اندر ان کی نظروں سے بچا کر ابھی تو اس نے بہت کچھ کرنا تھا۔ پہلی صبح ہی ساس کو شک کے کسی دائرے میں قید کرنا اس کی کم عقلی ہی ہوتی۔ اپنے روکھے، نفرت بھرے لہجے کو کوشش کر کے متوازن بنایا۔

"میں نے تو بہت روکا کہ اتنی صبح صبح نکلنے کی کیا ضرورت ہے۔ ناشتہ ہی سب کے ساتھ کر لیتے تو کم از کم ملنا ملانا تو ہو جاتا۔ لیکن ارحم کی طبیعت تو آپ جانتی ہیں۔ بس ٹھان لیا کہ منہ اندھیرے نکلنا ہے تو کسی کی بات نہیں سنی۔"

"اچھا اچھا کوئی بات نہیں۔" وہ قدرے مطمئن سی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ "وہاں پہنچ جائیں تو میری وسیلہ سے بات ضرور کروا دینا۔"

"ہونہہ۔" شہناز نے ان کے کمرے سے نکلتے ہی منہ ٹیڑھا کر کے ہنکارا بھرا "بات کروا دینا۔ پہلے اس مہارانی کو تو دیکھ آؤں۔ زندہ بھی ہے یا۔" بات کرتے مسرت کی طرف دیکھا تو اس نے منہ پہ ہاتھ رکھ کر ہنسی روکی۔

"چل، اب کھی کھی نہ کر۔ بڑھیا کو دیکھ آؤ۔ کمرے میں جا کر بستر پر بیٹھ جائے، پھر نیچے جائیں گے۔ جا۔"

"جی بی بی۔" مسرت ہاجرہ بی بی کے پیچھے بھاگی۔ شہناز اس دوران ایک چابی مٹھی میں دبا کر باہر برآمدے میں آ گئیں۔ دور گیٹ تک آس پاس کوئی بھی نہیں تھا۔ مسرت اوکے کے انداز میں سر ہلاتی دور سے آتی دکھائی دی تو شہناز برآمدے سے نکل کر صحن عبور کرتے سامنے کی تنگ راہداری میں داخل ہو گئیں۔ رات کے بعد اب وہاں جا رہی تھیں۔ دل دیکھنے کے لیے بے چین تھا کہ گھٹن نے اس کی ناک میں کتنا دم کیا۔ تالا کھول کر کنڈی ہٹاتے مسرت کو ابرو سے اشارہ کیا۔ وہ سر ہلاتی اندر داخل ہوئی تو وسیلہ دوڑ کر سیڑھیاں چڑھتے بے تابانہ وہاں تک آئی۔

"پلیز مجھے یہاں سے نکالیں۔ پلیز تائی۔ میں آپ کی منت کرتی ہوں، مجھے یہاں نہیں رہنا۔ میں مر جاؤں گی یہاں۔" وہ نفی میں سر ہلاتے روئے جا رہی تھی۔

"نکلنا چاہتی ہو یہاں سے؟" شہناز نے تمسخرانہ ہنستے دونوں ہاتھ سامنے باندھے، وسیلہ اس دوران ان کے قدموں سے اٹھ کر سامنے کھڑی ہوئی۔ تائی کی بات پر سر جلدی سے اثبات میں ہلایا۔

"ٹھیک ہے، میری ایک بات مان لو۔ تو میں تمہیں یہاں سے باہر نکال دوں گی۔" شہناز نے فوراً ہی اس کا کہا مان لیا اور مسرت بھی حیرت سے اپنی مالکن کو دیکھنے لگی۔ شہناز نے اس دوران اپنا موبائل اوپن کر کے رضوانہ کا نمبر نکالا۔

"تمہیں اپنی ماں کو سب سچ کی رپورٹ دینا ہوگی۔ اسے کہنا ہوگا کہ آج تم ارحم کے ساتھ چترال ہنی مون پر جا رہی ہو۔ اور اپنے لہجے سے خود کو خوش ظاہر کرنا ہوگا۔ اگر تم نے یہ کر دکھایا تو باہر نکل سکتی ہو۔ ورنہ۔" اس نے سوری کے انداز میں شانے اچکائے۔

"م۔ میں تیار ہوں۔ لیکن چترال۔ کیوں۔" وسیلہ کو اس نئی بات نے پریشانی میں ڈال دیا کہ ایک مصیبت سے تو ابھی وہ نکلی نہ تھی۔ آخر یہ اس کی ماں سے کیا کہا جا رہا تھا۔ اور ایسا کہہ کر ان کا مقصد کیا تھا۔ کہیں وہ اسے سچ مچ چترال بھیج کر پچھتا دیا۔

"کوئی بات نہیں، مت کرو فون۔ سڑو ادھر ہی۔" شہناز نے بے رخی سے کہہ کر واپسی کے لیے پلٹیں "میرے پاس تمہارے فالتو سوالوں کے جواب کے لیے وقت نہیں ہے۔"

"ن۔ نہیں نہیں۔" وہ چیختی ہوئی پیچھے لپکی۔ "میں کوئی سوال نہیں کروں گی۔ پلیز میری امی سے ملوا دیں۔" اس نے اپنی بھیگی پلکیں جھپکیں۔

"نمبر ملا رہی ہوں۔ لیکن یاد رکھو، اگر کوئی چالاکی کی تو ان کے یہاں پہنچنے سے پہلے یہ تہہ خانہ تمہاری قبر بن چکا ہوگا۔۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ مجھے اپنے انجام کی بھی کوئی پرواہ نہیں۔ اس لیے جو کہا جا رہا ہے، وہی کرو۔ دماغ کو زیادہ اِدھر اُدھر لگایا تو نقصان تمہارا اپنا ہی ہوگا۔"

"جی۔ جی۔" اس نے سعادت مندی سے سر ہلایا اور جلدی سے اپنی آنکھیں صاف کیں۔ فی الحال اس کے لیے یہی کافی تھا کہ اسے اس تہہ خانے

اور اس پاگل عورت سے نجات مل جاتی۔ اسے پوری امید تھی، آگے کے لیے کوئی نہ کوئی دوسرا حل نکل آئے گا۔

"ہیلو۔" رضوانہ کی ٹھہری ٹھہری آواز ائیر پیس سے سنائی دی تو وسیلہ کی پھر آنکھیں چھلک پڑیں۔ بڑی دقت سے خود پر قابو پایا۔

"امی۔" اس کا لہجہ کپکپا سا گیا۔

"وسیلہ......" رضوانہ شاید جیٹھانی کی آواز کی توقع کر رہی تھیں، وسیلہ کی آواز سن کر سوتے سے اٹھ بیٹھیں۔ کب سے امی کی کال کا تو انتظار کر رہی تھیں۔

"کیسی ہو بیٹا۔" رضوانہ کا لہجہ بھی نم ہو گیا۔

"جی امی بالکل ٹھیک۔"

"سنا ہے آج چترال روانہ ہو رہے ہو؟"

"جی امی۔ ان کا کچھ ایسا پروگرام ہے۔" وہ اپنے رندھے گلے کو برابر درست کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"مجھے تو یار، چودہ گھنٹوں کی جدائی میں ہی اتنے دور لگنے لگی تھی، تم مزید آگے جا رہی ہو۔" وہ اس بار رو ہی پڑیں۔ تحریم کے بعد نجانے کیسے کیسے وہم ستاتے تھے۔ انہیں فوراً ہی اپنے جملے کی نزاکت کا احساس ہوا۔

"اچھا جہاں رہو، خوش رہو۔ نئی نئی بات ہے، اس لیے ایسا لگ رہا ہے۔"

"جی امی۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ سنائیں، ایلیاء کیسی ہے۔ اور مومن بھیا۔" اس نے امی کا دھیان تبدیل کیا۔

ہاں، وہ تو بابا، ابھی کچھ دیر پہلے تک یہیں بیٹھی تھی ایلیاء۔ خوش ہے ماشاء اللہ۔ اچھا ارحم سے کہنا۔ تمہیں جلد واپس لے آئے، تم نے میکے بھی تو آنا ہے۔ میں سوچ رہی تھی تم اور ارحم آ جاؤ، مومن اور ایلیاء کی دعوت بھی اکٹھے ہی کر لیں گے۔

"جی امی ضرور۔" وہ بس یہی کہہ سکی۔ رات کے مناظر بار بار آندھی طوفان کی طرح دماغ سے ٹکرا رہے تھے۔ وہ اس وقت خود کو زندہ دفن محسوس کر رہی تھی اور سوچ رہی تھی کیا کبھی اپنوں کی آواز بھی سن پائے گی۔ اور اب اس کی امی اس سے مخاطب تھیں لیکن وہ کتنی بے بس کتنی مجبور تھی۔ شہناز نے ابرو سے اشارہ کیا اور اس نے امی سے اجازت لے کر کال ختم کر دی۔

"ہاں بھئی......" شہناز نے موبائل چھین کر اسے سیڑھیوں سے دھکا دیا تو وہ بڑی مشکل سے خود کو سنبھال کر فرش پر آئی۔ سر اٹھا کر حیرت سے تائی کو دیکھا۔ اب تو تائی نے اپنا وعدہ پورا کرتے اسے باہر نکالنا تھا۔

"کسی خوش فہمی میں نہ رہنا۔" شہناز نے ہاتھ کمر پہ رکھے۔ "یہ تہہ خانہ ہی اب تمہاری آخری پناہ گاہ ہے۔ تمہیں یہاں سے نکالنا ہوتا تو لاتی ہی کیوں۔"

"لیکن میرا قصور کیا ہے؟" وہ چیخ پڑی۔

"وہ۔" شہناز نے بازو نیچے دیوار کے پاس سوئی گلناز کی طرف لہرایا۔ "اس کی ذہنی حالت ہے تمہارا قصور۔"

"لیکن میں انہیں نہیں جانتی۔ میں نے ان کا کیا بگاڑا ہے۔"

"صرف اتنا کہ جس نے اس کا یہ حال کیا ہے۔ اس کی جان تم میں بند ہے۔ اور میں اس کی جان کا ایک دن یہی حال نہ کر دوں تو میرا نام بھی شہناز نہیں۔" وہ غصے سے غراتی ہوئی واپس پلٹیں اور زور سے دروازہ بند کر کے تالا پھنسا دیا۔ ادھر وسیلہ منہ کھولے تائی کے آخری جملوں کو سوچ گئی۔ یہ انہوں نے کیا کہا تھا۔ مجھ میں کس کی جان بند ہے۔ وہ رک گئی۔ گلے میں تھوک کو نگلا۔

بیک وقت دو نام دماغ سے ٹکرائے۔ ایک امی۔ ایک مومن۔ مومن۔ اس نے سر جھٹکا۔ وہ نہیں۔ وہ کیسے۔ ان کے متعلق تو یہاں کسی کو۔ لیکن امی بھی کیوں۔ وہ تو یہاں بہت کم عرصے کے لیے رہی تھیں۔ البتہ امی کا ایک قصور وہ انہی کی زبانی سن چکی تھی۔

پھر اگر امی ہی ہیں تو دادی نے یہ شادی کیوں ہونے دی جبکہ اس کی امی کے بقول دادی تو ان کی ویل وشر تھیں۔ انہوں نے ان سب کو یہاں سے بھیجا تھا۔ تو آج وہی دادی ان کے ساتھ کیسے شامل ہو گئیں۔ اور اگر دادی ساتھ شامل نہیں تو اس وقت وہ کہاں ہیں۔ میری گمشدگی پر انہیں کیا کہا گیا۔ کہیں وہ ساتھ شامل ہی نہ ہوں۔

اُف۔ مجھے کون بتائے گا یہ سب۔ اور۔ وسیلہ تنہا کر دیے جانے پر پہلی مرتبہ ایک خیال سے خوف زدہ ہوئی۔ پلٹ کر اس عورت کو دیکھا۔ وہ کسی بھی وقت نیند سے جاگ سکتی تھی۔ اس وقت تہہ خانے میں رات جیسی تاریکی نہیں تھی۔ اوپر چونکہ روشندان بنے ہوئے تھے تو باہر کے اجالے کا مدھم سا اثر تہہ خانے کے اندر بھی موجود تھا۔ وہ آہستہ سے اپنی جگہ سے اٹھی اور سوچنے لگی کہ اس تہہ خانے میں کیا کوئی محفوظ مقام ایسا ہے جہاں وہ اس عورت سے دور ہو سکے۔ لیکن ایسا کچھ نہیں تھا۔ ان چار دیواروں کے بیچوں بیچ وہ دونوں تھیں یا دو پلنگ اور ایک چھوٹی میز۔ آخر وہ کہاں چھپے۔ کیا کرے۔ چپ چاپ آ کر اپنے پلنگ پر بیٹھ گئی۔ ایک دل چاہا اس کے جاگنے سے پہلے پلنگ کے نیچے چھپ جائے۔ لیکن یہ حل۔

اسے اچانک ایک خیال آیا۔ کیا اس تہہ خانے میں کوئی واش روم وغیرہ بھی تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ ان بوسیدہ دیواروں کو اندھیرے میں ٹٹولتے اسے ایک انتہائی کونے میں دیواروں جیسا ہی بدرنگ چھوٹا دروازہ نظر آ گیا۔ وسیلہ نے کھول کر اندر جھانکا۔ وہ ایک باتھ روم ہی تھا۔ وہ دھڑکتا دل اور جوش لیے پوری اندر داخل ہوئی۔ لائٹ آن کی کیونکہ وہاں بہت اندھیرا تھا۔ روشنی ہوتے ہی دیوانوں کی طرح ہر طرف دیکھا لیکن جو وہ سوچ رہی تھی اس کے برخلاف وہاں ایک بھی کھڑکی نہ تھی۔ ہوا کے لیے بس ایک روشندان تھا جس پر لوہے کا جنگلہ لگا ہوا تھا۔

وہ مایوس دل لیے واپس پلٹی تو زور سے کسی سے جا ٹکرائی۔ منہ سے بے اختیار چیخ نکلی اور دل دھواں دھار دھڑکنے لگا۔ وہ عورت نہ صرف جاگ چکی تھی بلکہ اس نے وسیلہ کو بری طرح دبوچ لیا تھا۔ اس کا وحشت ناک چہرا اپنے چہرے کے عین قریب دیکھ کر وسیلہ کا دل بری طرح ڈوبا اور وہ ایک بار پھر اس کے بازوؤں میں ہی لڑھک گئی۔

☆☆☆

"تیار ہو گئیں بیٹا؟"

"جی امی۔" اس نے ہینڈ بیگ کندھے سے لٹکایا۔ سفید کڑھائی والی چادر اوڑھ کر باہر آئی تو ابو بھی اس کے منتظر تھے۔

"میں تو کہتی ہوں، ایک بار پھر سوچ لو تانیہ۔ کہیں ایسا نہ ہو، اُن لوگوں نے پہلے ہی پولیس میں کوئی شکایت کر رکھی ہو۔" امی کا چہرا ان دونوں کو دیکھتے اترا ہوا سا تھا۔ تانیہ ماں کے دل کی کیفیت خوب سمجھ رہی تھی۔ ہینڈ بیگ اتار کر ان کے قریب آئی، انہیں بھی کرسی پر بٹھایا اور خود بھی سامنے بیٹھ گئی۔

"اگر ایسا ہے امی کہ ان لوگوں نے ہمارے خلاف کوئی رپورٹ درج کروا رکھی ہے تو پولیس کو حقیقت کا ضرور علم ہونا چاہیے۔ اس کے لیے ہمارا پولیس اسٹیشن جانا اور بھی ضروری ہے۔ میں بھی چھپنے کے بجائے اس ساری سچویشن کو بہادری سے فیس کرنا چاہتی ہوں۔ اور ویسے بھی اگر کوئی شخص پولیس پروٹیکشن حاصل کرنے جا رہا ہو تو اُسے سنا جاتا ہے، گرفتار کر کے بند نہیں کر دیا جاتا۔"

آخر میں وہ مسکرا کر پاپا کو دیکھنے لگی۔ انہوں نے بھی سر تائید میں ہلا دیا۔ یہ صلاح بھی انہی کی تھی کہ عیسیٰ اپنے علاقے کا ایک بڑا آدمی ہے۔ اس کی پہنچ بہت اوپر تک ہو گی۔ اگر کسی دن اس کے آدمی ڈھونڈتے ہوئے ان تک پہنچ گئے اور کسی قسم کا نقصان پہنچا دیا تو سوائے پچھتاوے کے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ بہتر یہی ہو گا کہ پولیس کی پروٹیکشن پہلے سے حاصل کر لی جائے تاکہ کسی نقصان کا اندیشہ نہ رہے۔

"پریشان نہ ہو خدیجہ۔ اور دعا کرو۔ اللہ پاک ہمارے لیے اچھا ہی کرے گا۔"

"ان شاء اللہ۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اور تانیہ بابا کے ساتھ گھر سے باہر آگئی۔ پولیس اسٹیشن جانے کے لیے دونوں نے ٹیکسی کی اور چھوٹے سے میاندم میں انہیں پولیس اسٹیشن تک پہنچنے کے لیے پانچ منٹ سے بھی کم کا وقت لگا۔

"یہاں تک تو پیدل بھی آیا جاسکتا تھا۔ ہیں؟" سرفراز صاحب نے مسکرا کر تانیہ کو دیکھا تو وہ بھی ہنس دی۔

"جی بابا۔ میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔ آئیں۔" ٹیکسی ڈرائیور کو فارغ کرکے دونوں پولیس اسٹیشن کے برآمدے تک آگئے۔

"کون ہوتا ہے یہاں؟ میرا مطلب ہے۔ اے ایس آئی، ایس پی، ۔ تھانیدار۔" سرفراز صاحب نے باوردی حوالدار سے رک کر پوچھا۔

"جی اے ایس آئی صاحب ہیں۔ ایس ایچ او صاحب ہفتے میں ایک آدھ بار چکر لگاتے ہیں۔"

"ہم مل سکتے ہیں۔ ایک درخواست درج کروانی ہے؟"

"جی۔ ایک منٹ میں پتا کرتا ہوں۔" حوالدار انہیں روک کر اندر چلا گیا اور کچھ ہی دیر میں واپس آیا تو انہیں اندر جانے کا اشارہ کیا۔ تانیہ نے اس دوران دروازے کے باہر لگی تختی کو سر اٹھا کر دیکھا۔ منصب رضا خان۔ اس نے نام پڑھ کر کچھ دیر سوچا۔ ہلکا ہلکا کچھ مانوس سا احساس پیدا ہوا۔ لیکن زیادہ سوچنے کی مہلت نہیں ملی اور انہیں اندر بلا لیا گیا۔

"السلام علیکم۔" سرفراز صاحب نے ہاتھ مصافحے کے لیے آگے بڑھایا اور منصب ان کی عمر کا لحاظ کرتے تھوڑا سا اونچا اٹھا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"سر میرا نام سرفراز احمد ہے۔ میں مینگورہ سے ابھی کچھ دن پہلے یہاں آیا ہوں۔ یہ میری بیٹی تانیہ ہے۔ پیشے سے ماہر نفسیات ہے۔ مینگورہ میں اس کا ذاتی کلینک تھا۔ لیکن ہمارے ساتھ ایک چھوٹا سا حادثہ ایسا ہوگیا کہ میری بیٹی کو اپنا کلینک اور ہمیں اپنا شہر تک چھوڑ کر یہاں ہجرت کرنا پڑ گئی۔ ابھی جس حادثے کا ذکر میں نے آپ سے کیا اس کی تفصیل تانیہ آپ کو بتائے گی۔ باقی یہاں تک ہمارے آنے کا مقصد پولیس کا تحفظ حاصل کرنا ہے۔ جس کے لیے یہ ساری تمہید باندھی۔ امید ہے جب تانیہ آپ کو تفصیل بتائے گی تو آپ اس تحفظ حاصل کرنے کا مقصد بھی سمجھ جائیں گے۔"

"جی۔ بالکل میں سمجھ گیا۔" منصب نے سرفراز صاحب کی سلجھی مدبرانہ گفتگو کو توجہ سے سن کر تانیہ کی طرف دیکھا اور تانیہ نے اپنے پیشے کے آغاز سے لے کر عیشی کے ملنے، اپنا رشتہ طے پاتے اور اس کے بعد جو کچھ صہیب کے ساتھ پیش آیا اس سب کی تفصیل من و عن بیان کردی۔

"ہوں۔" منصب نے ساری بات سننے کے بعد سر ہلایا "بات تو بالکل مناسب ہے۔ عیشی کی طرف سے یقیناً آپ لوگوں کی تلاش جاری ہوگی، اور کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ان کے ارادے کیا ہوں۔ کیونکہ ایسی جوان موت کے بعد یہاں کے علاقائی رسم و رواج ان سے بہت کچھ کروا دیتے ہیں۔ میں آپ کی درخواست داخل کروا دیتا ہوں۔ آپ کو ایک دو دنوں میں مطلع کردیا جائے گا۔"

"کیا کوئی مشکل یا رکاوٹ پیش آسکتی ہے؟" تانیہ نے الجھ کر منصب کو دیکھا۔

"ایسا کچھ نہیں۔ بس دو دنوں میں آپ کا وہ کلینک جس کی توڑ پھوڑ کی گئی۔ اس جگہ اور ارد گرد کے لوگوں سے کچھ پوچھ گچھ کی جائے گی اور وہ آپ کا ملازم۔ آں۔ نواز۔ اس سے بھی بیان لیا جائے گا۔ بنا جانچ پڑتال کیے پولیس پروٹیکشن دے دینا بعد میں ہمارے لیے مشکلات کھڑی کرسکتا ہے۔ اسے آپ ڈیوٹی کا حصہ سمجھیں۔ کوئی پرابلم کہیں نہیں ہوگی۔"

"بہت شکریہ سر۔" تانیہ نے ہلکا سا سر جھکا کر مسکراتے ہوئے شکریہ ادا کیا اور منصب نے لب چباتے کچھ دیر غور سے اسے دیکھا۔ نجانے پچھلے کچھ

وقت سے کیوں یہ نام یہ چہرا اُسے کچھ یاد دلا رہا تھا۔ تانیہ نے بابا کی طرف دیکھا جیسے چلنے کی اجازت چاہ رہی ہو۔ انہوں نے نے بھی تائید میں سر ہلایا اور تانیہ اپنی جگہ سے اٹھنے لگی۔

"ایک منٹ مس تانیہ۔" منصب نے بے ساختہ ٹوکا تو وہ رک کر دیکھنے لگی۔

"آپ کا پورا نام تانیہ سرفراز ہے؟"

"جی......"

"اور آپ بھی ٹھانہ میں رہی ہیں، میرا مطلب بچپن۔"

"جی۔ بالکل۔" تانیہ مسکرانے لگی "اور اب میں سمجھ گئی، آپ منصب رضا خان، میرے کلاس فیلو۔" اس نے ہنستے ہوئے بابا کو دیکھا "بابا ہم ٹھانہ کے پرائمری اسکول میں ہم جماعت رہے ہیں۔ ہے نا۔" اس نے بات کے دوران منصب کو دیکھا۔ اس نے سر ہلایا، تانیہ اس سے زیادہ پرجوش ہو چکی تھی۔

"میں نے جس وقت باہر نیم پلیٹ پڑھی، تب سے ذہن پر زور دے رہی تھی۔۔ پھر آپ کو دیکھا تو کچھ کچھ یاد بھی آنے لگا تھا لیکن مجھے پوچھتے ہوئے جھجک ہو رہی تھی۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ پوچھوں یا نہیں، کیونکہ ٹھانہ کی بچپن کی اسٹوڈنٹ۔"

"اصل میں تانیہ کے نانا ابا کا گھر ٹھانہ میں ہے، میں اب سے بہت سال پہلے قریب پانچ سال کے لیے سعودی عرب چلا گیا تھا، تب ان کی والدہ اور اسے ان کی ننھیال چھوڑ گیا تھا۔ اس لیے تانیہ نے چند ایک کلاسز ٹھانہ میں پڑھی ہیں۔"

"میرا خیال ہے ہم تیسری سے پانچویں تک ساتھ پڑھے ہیں۔"

"جی بالکل۔ پانچویں کے بعد میں گرلز اسکول چلی گئی تھی۔"

"اتنے سالوں بعد اس طرح اچانک ملاقات۔ مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے۔" منصب کے لہجے میں اب اپنائیت جھلکنے لگی۔ سرفراز صاحب کو ایک اے ایس آئی کا ایسا دوستانہ رویہ بہت اچھا لگا۔ لڑکا بہت بااخلاق اور سادہ مزاج تھا۔

"مجھے بھی اب بہت تسلی محسوس ہو رہی ہے برخوردار، تانیہ کے مسئلے کے حوالے سے آپ کا ملنا جیسے قدرت کی مدد لگ رہا ہے۔"

"ان شاءاللہ انکل، آپ بالکل بے فکر رہیں۔"

"اچھا سر، ہم چلتے ہیں، آپ پھر بتا دیجیے گا۔" تانیہ کھڑی ہو گئی۔

"سر کہہ کر غیریت نہیں برتیں، آپ نام لے کر بھی بلا سکتی ہیں۔ بچپن میں تو ویسے نام بگاڑ کر بھی بلایا کرتے تھے۔" وہ مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ تانیہ بھی ہنس پڑی۔

"باہر زمان خان بیٹھا ہوگا۔ وہاں جا کر آپ کو اپنی عرضی بمع دستخط کے لکھوانی ہوگی۔" منصب نے مزید بتایا اور تانیہ نے پرس سے اپنا کارڈ نکال کر منصب کی طرف بڑھایا۔

"اس میں میرا نمبر ہے۔ اگر ضرورت پڑے تو۔"

"ٹھیک ہو گیا۔ میں آپ کو بتا دوں گا۔" دونوں نے منصب سے اجازت چاہی اور باہر نکل آئے۔

☆☆☆

"تمہاری ماں کی کالیں آئی ہوئی ہیں۔ بات کر لو۔" شہباز نے موبائل وسیلہ کی طرف بڑھایا اور اس نے جواباً اپنا منہ پھیر لیا۔

"نہیں کروں گی کسی سے بات۔"

"اچھا۔" شہباز نے اس کا بازو مروڑ کر رخ اپنی طرف پھیرا "تیور کسے دکھا رہی ہو۔ ہے اتنی جرات۔"

"ہاں ہے۔" وسیلہ بازو چھڑوا کر تن کر کھڑی ہوئی "جب تک مجھے یہاں سے نکالیں گے نہیں، میں کسی سے بات نہیں کروں گی۔ پچھلی بار آپ نے مجھے دھوکا دیا۔ اب میں کسی جھانسے میں نہیں آؤں

گی۔"

"باہر تو تمہیں میں بھی نہیں نکالوں گی۔" شہناز طنزیہ ہنسی تو وسیلہ نے چونک کر تائی کو دیکھا۔ اس نے تو دل میں ٹھان لیا تھا کہ شہناز تائی کی کمزوری کو اپنا ہتھیار بنا کر ایک مرتبہ اس تہہ خانے سے نکلے گی۔ پھر کوئی نہ کوئی حل یہاں سے بھاگ نکلنے کا بھی مل ہی جائے گا۔ لیکن وہ تو۔

"تمہیں لگتا ہے، اگر تم ماں سے بات نہیں کرو گی تو میں ڈر جاؤں گی۔ ہاں؟" وہ بدستور ہنس رہی تھیں، وسیلہ ساکن ہو کر دیکھے گئی، اسے واقعی یہی لگ رہا تھا کہ وہ اس کی ایسی حالت اس کے میکے والوں سے پوشیدہ رکھنا چاہتی ہیں۔ لیکن اسے واقعی ان لوگوں کے ارادوں کی کچھ خبر نہ تھی۔۔۔ اور ہاں بھول تو کر ہی رہی تھی، اسے جب یہ ہی پتہ نہیں تھا کہ وہ یہاں کیوں ہے، باقی باتوں کے متعلق تو کیا اندازہ لگاتا۔

"میں ڈروں گی نہیں وسیلہ میڈم۔" شہناز نے اس کے بال پکڑ کر اپنی خونخوار نظریں اس پر گاڑ دیں ۔وسیلہ کی سسکی نکل گئی۔

"میں تو تمہاری بہن اور تمہارے بہنوئی کو دعوت پر بلاؤں گی۔ سن رہی ہو۔" شہناز نے پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ وسیلہ کے الجھے بال اپنی مٹھی میں بھینچے "نئی دلہن اس کا دولہا، اور شاید ان کے دو جڑواں بچے بھی۔ ایک کال کر کے دعوت پر بلانے کی دیر ہے۔ وہ تو دوڑے چلے آئیں گے۔ لیکن یہ ان کی بھول ہو گی کہ وہ اپنی پیاری بہن سے ملنے جا رہے ہیں۔ کیونکہ میاندم سے تھانہ کے راستے میں بس ایک ذرا سا ایکسیڈنٹ ہی تو کروانا ہے۔" شہناز نے قہقہہ لگایا "پھر وہ نہ تو تھانہ آ پائیں گے، نہ واپس میاندم جانے کے قابل رہیں گے، کیونکہ وہ تو سیدھا۔"

انہوں نے دیوانہ وار ہنستے ہوئے انگلی اوپر آسمان کی طرف اٹھائی اور وسیلہ کا منہ کھل گیا۔ دل جیسے پورا کسی نے نچوڑ ڈالا ہو۔ اس نے گھبرا کر اپنے دل پہ ہاتھ رکھا۔ وہ جیسے ایک مرتبہ پھر بے ہوش ہونے والی تھی۔ بڑی مشکل سے اپنے آپ کو حواسوں میں رکھا، تائی کی بات کو سوچا، سمجھا اور نہایت بے بسی سے جب ان کے چہرے کی طرف دیکھا تو آنکھیں پوری بھیگ چکی تھیں۔ اس نے اپنا ہاتھ موبائل لینے کے لیے آگے بڑھایا تو وہ پورا لرز رہا تھا۔

"آنکھیں صاف کرو اور لہجہ درست کرو اپنا۔" شہناز نے موبائل والا ہاتھ پیچھے کھینچ کر سختی سے ہدایات دیں اور وسیلہ اپنے دوپٹے سے اپنی آنکھیں اور چہرا صاف کرنے لگی۔ تائی نے یہ منصوبہ کسی عجلت میں نہیں بنایا تھا۔ ان کے پاس ہر مسئلے سے نمٹنے کا حل موجود تھا۔ وہ کسی نہ دکھائی دیتے گرداب میں بہت بری طرح آ پھنسی تھی۔ اور ابھی اس کے پاس سوائے تائی کی بات مان لینے کے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

اس نے لہجہ متوازن کرتے امی سے معمول کا حال احوال پایا تھا۔ وہ جو پوچھتی رہیں، انہیں اس کے حساب سے بھی نہ دیکھے چترال کے متعلق بہت کچھ بتا دیا۔ امی مطمئن ہو گئی تھیں۔ اور اس نے فون بند کر دیا۔ تائی نے چترال کا بہانہ بنا کر اس کے گھر والوں کے یہاں حویلی آنے کی راہ خوب روک لی تھی۔ اور اب نہیں معلوم کہ کب تک۔

☆☆☆

"امی۔ امی۔ ارے یار ایک بھی شرٹ استری نہیں ہے۔" وہ زور زور سے ماں کو آوازیں دیتا ہر چیز بیڈ پر پھینکتا جا رہا تھا۔ ہاتھ لے کر باہر آتے اس نے وارڈ روب کھولی، ہینگر پر ایک بھی شرٹ نہیں لگی تھی۔ پچھلے پانچ دنوں سے وہ اسی طرح ایک ایک شرٹ اٹھا کر پہنتا رہا تھا۔ اور پچھلے روز آخری پریس شدہ شرٹ بھی پہن لی لیکن اس دوران کسی نے اس کے نئے کپڑے استری کر کے لگائے نہ تھے۔

"اوہو۔ ایک بھی شرٹ پریس نہیں۔ قمیض شلوار بھی کوئی نہیں۔" ندرت بوکھلائی ہوئی سی کمرے

میں آئیں اور الٹ پلٹ کر دیکھنے لگیں لیکن ناکامی ہی ہوئی۔ اس دوران ایلیاہ بھی کمرے سے عابی کو جھلاتے چھوٹے کمرے کے دروازے میں آ گئی۔

"لاؤ۔ میں جلدی سے پریس کر دیتی ہوں۔"

عدرت نے خود ہی بیڈ کے پھیلاوے میں سے ایک نیلی شرٹ اٹھائی "اصل میں فیروزہ ہی کرتی ہے استری۔ لیکن آج کل شادی میں گئی ہوئی ہے نا۔ گھر کے باقی کام تو میں اور ایلیاہ دیکھ رہے ہیں۔ لیکن تمہارے کپڑوں کا بالکل خیال نہیں آیا۔" وہ وضاحت دیتی کمرے سے باہر نکل گئیں۔

"سوری۔ آئندہ میں خود ہی کر دیا کروں گی۔"

ایلیاہ نے چوری چوری ایک نظر ڈال کر ہٹا بھی اسی عجلت سے لی۔

"نہیں۔ تمہیں۔ تم کیوں۔" مومن نے ابرو چڑھائے۔ پھر چل کر چند قدم آگے آ گیا۔ صاف لگا مزید بھی کچھ کہنے کے ارادہ ہے۔ ایلیاہ اس کی طرف دیکھے گئی۔

"تم۔ تو۔ ان دو بچوں کی خاطر یہاں ہو نا۔ اور میرے کام تو "میری بیوی" کے کرنے کے ہیں۔ بٹ ڈونٹ وری۔ "اپنی بیوی" کے لیے میں آج کل دیکھ رہا ہوں کوئی۔"

وہ اسی لاپروائی سے کہتے واپس بھی پلٹ گیا اور وہ کھلے منہ پھٹی آنکھوں سے مومن کی پشت کو دیکھتے اس کے جملے کو سوچ گئی۔ مومن تیسری شادی کے متعلق سوچ رہے تھے اور وہ بھی اس کے کہنے پر

۔۔

اور پھر اگلے روز سارے ہینگرز استری شدہ کپڑوں سے بھرے تھے۔ مومن کی تیسری شادی اسے ہرگز قبول نہ تھی۔ کہیں جو مومن کے ساتھ ساتھ وہ نئی عورت اس کے دو بچوں پر بھی قابض ہو گئی تو۔ نہیں نہیں۔ ایلیاہ جھرجھری لے کر اپنے چھوٹے کمرے کی پناہ میں آ گئی۔ نئی بیوی کی آمد ہوئی تو اس سے یہ چھوٹی سی جنت بھی چھن جائے گی۔ یہ ہلاکو مومن اسے اپنے کمرے کے راستے یہاں تک کہاں آنے دے گا۔ اب تو کپڑوں کی استری سمیت اس ہلاکو کے باقی ماندہ کئی کاموں پر بھی نظر رکھنی تھی۔ ورنہ۔

☆☆☆

"والسلام وعلیکم۔"

"وعلیکم اسلام۔ جی؟" ثانیہ ایک نئے نمبر سے کال آتی دیکھ کر اندر سے کچھ پریشان ہو گئی۔

"ثانیہ سرفراز؟" پوچھا گیا۔

"جی جی۔" اسے لہجہ کچھ شناسا لگا۔

"میں منصب رضا خان۔"

"اوہ۔ آپ۔" وہ ریلیکس ہو کر ہنس دی "کیسے مزاج ہیں۔ سوری میں نئے نمبر کی وجہ سے تھوڑی محتاط ہو گئی۔"

"کوئی بات نہیں، ایسا ہی ہوتا ہے۔ بس مجھے بتانا تھا کہ آپ کی درخواست منظور ہو گئی ہے۔ آج ہی ایک حوالدار کو ڈیوٹی پر بھیج دیا جائے گا۔ کچھ دوسری فارمیلٹیز ہیں جن کے لیے آپ کو حاضر ہونا پڑے گا، آج ہی۔"

"جی میں ابو کے ساتھ آ جاؤں گی۔ لیکن ایک چھوٹی سی شکایت ہے۔"

"شکایت۔" منصب حیران ہوا "جی جی فرمائیے؟"

"بچپن میں جس کا نام بگاڑا کرتے تھے آج آپ۔ حاضر۔ فرمائیے۔ کچھ خیریت والی بات نہیں ہو گئی؟"

"اوہ۔ تو یہ شکایت۔" منصب ہنس پڑا "اوکے، یہ شکایت نہ صرف نوٹ کر لی گئی ہے بلکہ عمل بھی آج سے جاری ہو جائے گا۔"

"شکریہ۔ ویسے پرانے کلاس فیلوز میں کون کون رابطے میں ہے؟ مجھے تھانہ کی دوست بہت یاد آتی ہیں۔"

"جب تک تھانہ میں تھا، دوستوں سے تو ملاقات ہو جاتی تھی، گرلز تو پھر ہمارے ہاں پردے میں چلی جاتی ہیں۔"

"مجھے یاد پڑتا ہے بوائز مجھے کسی نام سے بلاتے تھے۔ لیکن یاد نہیں آرہا۔"

"تو مجھ سے پوچھو۔" منصب ہنسا "کیونکہ رکھا ہی میں نے تھا۔"

"تمہیں یاد ہو تو ہماری کلاس میں دو تانیہ تھیں۔ ایک تانیہ خلیق دوسری تانیہ سرفراز۔ تو ہم دوست نشانی کے لیے اُسے چوٹی والی اور تمہیں ڈمپل والی تانیہ کہتے تھے۔ اس روز پولیس اسٹیشن میں بھی تمہیں ڈمپل کی وجہ سے پہچانا۔"

"ہاں اچھا۔" تانیہ ہنس دی۔ "اسے یاد آیا وہ اس نام سے چڑا کرتی تھی لیکن بوائز باز نہیں آتے تھے۔"

"اچھا منصب آپ کی بہنیں بھی پڑھتی تھیں نا۔ شاید اگلی جماعتوں میں۔"

"جی، رمشہ اور میمونہ، دونوں مجھ سے بڑی ہیں۔"

"وہ کہاں ہوتی ہیں آج کل؟"

"میمونہ کی شادی ہو گئی ہے، وہ تھانہ میں ہی ہوتی ہے۔ اور رمشہ یہیں مینگورہ میں میرے ساتھ ہے۔"

"اچھا واہ۔ پھر تو ملاقات ہونی چاہیے۔ اسے گھر لے آئیں کسی دن۔"

"ہاں ضرور۔ اور اسی بات سے یاد آیا، زمان تمہارا ایڈریس مانگ رہا تھا۔ شاید اس دن نوٹ نہیں کروایا۔"

"جی، یہیں بازار ختم ہونے کے بعد تھوڑا اوپر جہاں اسکولز وغیرہ ہیں۔"

"ہیں۔ اچھا۔" منصب حیران ہوا۔ "لگتا ہے ہم دونوں کہیں آس پاس ہیں، میرا چھوٹا سا گھر بھی وہیں گورنمنٹ گرلز اسکول کے پاس ہے۔"

"بالکل وہی تو ہے ہمارا گھر۔ ارے منصب ہم کہیں پڑوسی نہ نکلیں۔" تانیہ خوشی سے چہکی۔

"ہاں بالکل ہو سکتا ہے۔ تو ایک کام کرو، تم ڈھائی بجے کے قریب انکل کے ساتھ اسٹیشن آجاؤ۔ جو کام باقی ہیں وہ کر کے، تم دونوں میری جیپ میں میرے ساتھ واپس آجانا۔ حوالدار کو ساتھ لیتے آئیں گے۔ ایک دوسرے کا گھر بھی دیکھ لیں گے۔ میں اس کو ڈیوٹی کے لیے وہیں چھوڑ دوں گا۔"

"او کے جی ڈن۔ ان شاء اللہ۔ میں بابا کو بتا دیتی ہوں۔"

"او کے۔ اللہ حافظ۔"

☆☆☆

ایلیا بڑی دیر سے امی کے پاس بیٹھی تھی۔ بچے دونوں ادھر ہی تھے۔ ریا سو رہی تھی، اور عابس ابھی کچھ دن ہوئے واکر میں یہاں وہاں گھومنے لگا تھا۔ امی اُسے دیبلہ کا حال احوال بتا رہی تھیں۔ اب تو ایلیاء اور بھائی عدرت بھی کبھی کبھار دیبلہ سے بات کر لیا کرتے۔ وہ انہیں چترال کے موسم، وہاں کے نظاروں اور ارحم کی مصروفیت کے بارے میں بتاتی رہتی تھی۔ ایلیاء ہر بار اسے جلد واپس آنے پر زور دیتی اور وہ ہنس کر تسلی دے دیتی کہ تھوڑے ہی دنوں میں آن ملے گی۔

"بچیاں اپنے گھروں میں خوش ہوں، اس سے بڑی تسلی کی بات ایک ماں کے لیے اور کوئی نہیں ہوتی۔ بس آنکھوں کے سامنے رہتی اولاد اتنا کٹھن وقت گزار رہی ہوتی ہے کہ ہر پل ماں کے دل پر بھاری پتھر آپڑتا ہے۔" رضوانہ الٹا اسے سمجھانے لگیں۔

"میری ایک دوست تھی چکوڑہ میں، نادرہ۔ اس کی بیٹی کی شادی اُسی گھر میں تایا کے بیٹے سے ہو گئی۔ کہنے کو بیٹی ایک کمرے سے اٹھ کر دوسرے میں رخصت ہوئی، لیکن شادی کے بعد انہی سگے رشتوں کے بدلتے رویوں نے بے چاری نادرہ کو بیمار کر کے بستر پر ڈال دیا۔ کہتی ہے، بیٹی بھی شادی کے بعد آنکھوں کے سامنے نہ ہو۔ برا آنکھ کا شہتیر ہے۔"

"آپ۔ میرے لیے تو نہیں کہہ رہیں؟" ایلیاء شرارت سے تھوڑا پیچھے ہٹی تو رضوانہ ہنس

پڑیں۔ "ارے پاگل، تمہارا تو مجھے خیال ہی کہاں آیا۔ میں تو وسیلہ کی بات کر رہی ہوں۔ بچیوں کے خوشی غم کا تعلق ان کی دوری نزدیکی میں نہیں ہوتا۔۔۔تم اس کے نہ آنے کا گلہ کر رہی تھیں نا، تو بس وہی کہہ رہی ہوں کہ جہاں بھی ہو، خوش ہو، یہی بہت ہے۔"

"جی۔یہ تو ہے۔" ایلیاء کو بات کرتے دروازے میں کسی کا ہونے کا احساس ہوا، پلٹ کر دیکھا تو پردہ ہٹا کر مومن اندر داخل ہو رہا تھا۔

"السلام علیکم پھوپھو۔" وہ آفس سے آنے کے بعد کھانا کھا کر سو گیا تھا۔ اس کے آرام کی وجہ سے بھی ایلیاء بچوں سمیت اس طرف آ گئی تھی۔ پھوپھو سے وہ سارا دن گزرنے کے بعد اب مل رہا تھا۔

"وعلیکم اسلام۔ جیتے رہو۔ آؤ۔"

"ارے واہ۔ یہ بدمعاش تو بھاگنے لگ گیا۔" وہ مسکرا کر عابی کو دیکھ رہا تھا۔ جو واکر میں یہاں وہاں گھوم رہا تھا اور اب اسے دیکھ کر اور بھی زیادہ بھاگنے لگا تھا۔

"ہاں، بیٹھتی تو ربیا بھی ہے لیکن اس میں جھجک بہت ہے۔ پاؤں ہی آگے نہیں کرتی۔ ایک ہی جگہ بیٹھی کھلونوں سے کھیلتی رہتی ہے۔" رضوانہ ہی بتانے لگیں۔

"چائے......؟" ایلیاء سے کچھ دیر بعد بس ایک ہی لفظ بولا گیا۔

"پوچھتی کیوں ہو، بنالاؤ۔" رضوانہ اسے ٹوکنے لگیں تو وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے نہیں ایلیاء۔ چائے مت بناؤ۔ بلکہ یوں کرو۔" وہ کچھ سوچ بچار کے انداز میں رکا جبکہ ایلیا ماپنا نام لیے جانے پر حیرت سے مڑی۔ صاحب نے اتنا لمبا جملہ کیا واقعی اس سے بولا تھا۔ وہ اس کی اگلی بات سننے کے لیے رکی ہوئی تھی۔

"تم اگر تیار ہو تو کہیں باہر چلتے ہیں۔ چائے بھی باہر پئیں گے۔" وہ اسے دیکھ کر مسکرا بھی رہے تھے۔ ایلیاء کو یقین تو نہیں آ رہا تھا لیکن امی کی وجہ سے چہرے کے زاویے نارمل رکھنے کی کوشش کی۔ منہ سے البتہ کوئی ڈھنگ کا جملہ نہیں نکل پایا۔

"آں۔ میں۔"

"مجھے تو تیاری کی ضرورت بھی نظر نہیں آ رہی۔ چلو پھر۔" وہ بڑے ہی ہلکے پھلکے دوستانہ انداز میں بولتے چلا گیا۔

"ب۔۔ بچے۔" وہ بوکھلا کر پیچھے بھاگی۔

"ربیا کو نہیں سونے دو، اٹھایا تو ڈسٹرب ہو جائے گی۔ عابی کو وہاں امی کے پاس چھوڑ دو۔ بابا بھی آرام کر رہے ہیں۔ امی فارغ بیٹھی ہیں۔" مومن نے فوراً اسے ہر مسئلہ سلجھایا۔

"سا۔۔۔ اتھ۔۔ نہیں۔" اس نے کہنے کی کوشش کی۔

"نہیں۔" وہ جاتے جاتے رکا "بس تم اور میں۔" اور باہر نکل گیا۔ ایلیاء نے بری طرح نروس ہو کر امی کو دیکھا تو وہ مسکرا کر دیکھ رہی تھیں۔

"جاؤ، اسے ندرت کے پاس چھوڑ دو۔ میں ربیا کو دیکھ رہی ہوں۔"

"جی۔" وہ عابی کو گود میں لیے دوسرے ہاتھ سے اس کی واکر اٹھائے باہر نکل آئی۔ یہ ہلاکو تو آج میٹھا بول کر مجھے ہلاک کرے گا۔ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

"چلیں۔" مومن نے چشمہ لگاتے ابرو اٹھایا تو اس نے سر ہلا دیا۔ عابی ماسی کے حوالے کر کے وہ سیکنڈز میں باہر آئی تھی۔ صاحب جیپ میں بیٹھے اسی کے منتظر تھے۔

"وسیلہ کے بارے میں کیا کہہ رہی تھیں پھوپھو؟"

"جی، وہ اس کی کال آئی تھی، بس یونہی حال احوال۔"

"پندرہ دن گزر گئے، مجھ سے ابھی تک اس کی بات نہیں ہوئی۔ اگلی بار گلہ کرنا، کہنا بھائی کو تو بالکل ہی بھول گئیں۔"

"جی۔" اس نے سر ہلا دیا۔ مومن نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا، پھر سر سامنے کر لیا، بولتے

کے لیے جملے ترتیب دیئے۔ اور گلا کھنکارا۔

"ماؤں کا دل بہت حساس ہوتا ہے اولاد خصوصاً بیٹیوں کے معاملے میں۔ چہرا دیکھ کر معلوم نہیں کیا کیا اخذ کرتی رہتی ہیں، انہیں خود ہی تسلی دینی پڑتی ہے۔ اپنے خوش وخرم ہونے کا یقین دلانا پڑتا ہے۔۔ مومن کچھ دیر کو رکا "سمجھ رہی ہونا؟"

"جی۔" اس نے پھر سر ہلا دیا۔ اور مومن کو یہ ہلتا سر۔ صرف ایک خالی ڈبا محسوس ہوا۔

"کیا سمجھیں؟" اس بار کھردرے مخصوص لہجے میں سوال آیا تو ایلیا نے گھبراہٹ کا تھوک نگلا۔

"ماؤں کو بتانا پڑتا ہے کہ بیٹیاں خوش ہیں۔" اس نے رٹو طالب علم کی طرح فوراً دوہرایا۔

"تو....." مومن نے بھنویں سکیڑیں "تم نے بتایا؟"

"مم۔مم۔" اس کی بوکھلاہٹ گلے میں ہی کہیں اٹک گئی۔ یا اللہ، بات تو وسیلہ کی ہو رہی تھی، میں کہاں سے آ گئی۔ وہ اپنے بری طرح پھنس جانے پر اپنے آپ پہ ترس کھا رہی تھی۔

"انہیں باور کرانا کہ۔ کہ سب ٹھیک ہے۔" مومن نے بمشکل چبا کر کہا اور وہ منہ کھولے دیکھے گئی۔

"جی جی۔ سب ٹھیک تو ہے۔" فوراً مستعدی سے جواب آیا اور مومن نے گھور کر دیکھا۔ ایلیاء نے ڈر کر نظریں ہٹا لیں۔ ایک تو پتا نہیں میرے جوابوں میں ایسا کیا ہوتا ہے۔ تائید ہی تو کی تھی۔ وہ اپنے لفظوں کو سوچنے لگی۔

"ہم اس وقت اس لیے باہر آئے ہیں، تاکہ گھر میں سب کو لگے کہ ایک خوش وخرم کپل ہے۔" اس نے ذرا سی مزید وضاحت دی تو اس بار ایلیاء نے زیادہ ہی تدبر سے سر ہلایا۔

"آں۔ صحیح۔" مطلب کہ یہ مہربانی ڈرامہ تھی، سن کر اسے تو تسلی ہوئی "ہاں اچھا۔ پھر تو۔ وہ۔ پارک والا روڈ ہے نا۔ اس سے گھر واپسی کا لمبا چکر پڑتا ہے۔ تو بس گھوم کے واپس آ جائیں گے۔" اس نے بڑے جوش سے مشورہ دیا۔

"جی ہاں۔ چائے ساتھ پینے کا مجھے بھی شوق نہیں ستا رہا۔" مومن نے نتھنے کھینچ کر فوراً سے پیشتر صفائی دی لیکن جیپ بھی ایک بیکری کے سامنے روک دی۔ وہ تعجب سے دیکھنے لگی، مومن بنا جواب سوال کیے باہر نکل گیا اور کچھ دیر بعد سامان کے کچھ شاپر لیے واپس اندر آیا۔ سموسوں اور چکن پیٹیز کی خوشبو نتھنوں میں گھس گئی۔

"خالی ہاتھ گھر جاتے اچھے لگیں گے کیا۔ یہ سب باقیوں کے لیے۔" اس نے تھیلے اس کو پکڑائے اور ایلیاء سوچ میں پڑ گئی کہ اس کا کیا بنے گا۔ نہ یہاں چائے پی، نہ گھر جا کر۔

"تم چاہو تو راستے میں کھا لو۔ ان کو یہی لگے گا ہم باہر سے چائے پی کر آئے ہیں۔"

"جی۔" اس نے سر اوپر آنے پر جلدی سے ہاتھ شاپر میں ڈالا، پھر کھینچ لیا "آ۔ آپ؟"

"مجھے کچھ نہیں کھانا۔" اس نے صاف انکار کیا اور ایلیاء سوچ میں پڑ گئی، کہ کچھ سڑیل لوگ پتا نہیں کھانے پر بھی کیسے اپنا غصہ نکال لیتے ہیں۔ میں تو پریشانی، غصے، اداسی حتیٰ کہ بخار میں بھی کھانا نہیں چھوڑ سکتی۔۔ اور انہیں دیکھو۔ کمال ہے، ان کو خوشبو بھی نہیں ستاتی نہیں۔

وہ چور نگاہوں سے دیکھتے پیٹیز کھانا شروع ہو گئی۔ اور مومن نے جیپ آگے بڑھا دی۔ اس نے پھوپھو کے پورشن میں آتے ان کی کچھ باتیں سن لی تھیں اور یہی طے کیا کہ یہاں ہر بندہ کسی نہ کسی ایسے دکھ میں مبتلا ہے کہ ان دکھوں میں مزید اپنا حصہ ڈالنا سراسر زیادتی تھا۔ تحریم کے بعد پھوپھو جس دکھ میں تھیں، وسیلہ کی دوری نے اس میں کچھ اور اضافہ کر دیا تھا۔ جہاں تک ان کے گھر کا معاملہ تھا تو بابا کی بیماری نے جہاں مومن کو خود اندرونی طور پر بری طرح توڑ دیا تھا، وہاں امی کے غم کا تو وہ اندازہ بھی نہیں لگا سکتا تھا۔ وہ اپنی ماں کی خوشی کی خاطر ہی تو ایلیاء سے شادی پر رضامند ہوا تھا۔ اور اب اس گھر کی گنی چنی خوشیاں ان دونوں کے ساتھ اور دو ننھے بچوں سے

جڑی تھیں۔

اور ہاں وسیلہ۔ مومن کی سوچ نے اپنی غمگسار دوست، بہن کا رخ کیا تو نا معلوم سے دکھ اور خالی پن نے گھیرا، وہ معصوم سی پیار کرنے والی، نہایت سادہ لیکن بہت ذہین لڑکی، پتا نہیں نئے لوگوں میں کیسا محسوس کرتی ہوگی۔ اور کیا پتا اپنے دل کی بات کسی سے کہنا چاہتی ہو اور کہہ نہ پاتی ہو۔

”ہا۔“ مومن کے منہ سے بے اختیار آہ نکل گئی۔ کاش ارحم ایک بہت دوست مزاج چاہنے والا شوہر ثابت ہو اور وسیلہ کو اپنے دل کی ہر بات اس سے شیئر کرنے میں کوئی جھجک نہ ہو۔ آمین۔

☆☆☆

دن رات کچھ یوں گزرنے لگے تھے کہ گھنٹوں وہ صرف اسی خوف سے اپنے پلنگ پر جم کر بیٹھی رہتی کہ اگر ذرا سا بھی ہلی تو اس عورت کی توجہ اس کی جانب ہو جائے گی۔ اور یہی وسیلہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ وہ عورت اس کی طرف دیکھے بھی سہی۔ کیونکہ جب ایک بار وہ وسیلہ کی طرف پوری متوجہ ہو جاتی تو پھر باقی ہر طرف سے بیگانہ ہو کر نہ صرف اسے تکے جاتی بلکہ آہستہ آہستہ قریب آتے اس کے پلنگ پر عین اس کے مقابل بیٹھ کر نہ سمجھ آنے والی حرکات کرتی۔ وسیلہ دہشت زدہ ہو کر پیچھے ہٹنے کی کوشش کرتی تو اسے مزید غصہ آ جاتا اور وہ کبھی تو اسے بالوں سے پکڑ کر روکتی اور کبھی تھپڑوں کی بارش۔۔ وسیلہ اس وقت واش روم جانا چاہتی تھی لیکن وہ پگلی جاگ رہی تھی اور اپنے پلنگ پہ بیٹھی زور زور سے یوں ہل رہی تھی جیسے سبق یاد کر رہی ہو۔

وسیلہ نے اسے متوجہ نہ پا کر آہستہ سے پیر زمین پر رکھتے چپلیں پہنیں، اٹھ کر کھڑا ہوتے دیوار سے ٹیک لگا کر اسے بغور دیکھتے ایک ایک قدم آگے بڑھنے لگی، وہ ذرا سا بھی سر اٹھانے لگتی تو وسیلہ اپنی جگہ پر دیوار کی طرح ساکن ہو جاتی، بڑی دیر بعد جیسے تیسے وہ واش روم کے دروازے تک پہنچی اور ہلکا سا دھکا دیتے اس میں داخل ہو گئی۔

اُف۔ دھونکنی جیسی سانس کو قابو میں لاتے وہ کچھ دیر وہیں کھڑی رہی۔ اس کے شب و روز بھی یہ کس حساب کتاب میں آ پھنسے تھے۔ کبھی سوچا تھا زندگی سمٹ کر یوں ایک زنداں میں بند ہو جائے گی۔ اس اتنی بڑی دنیا کی ہزاروں لاکھوں جیلوں میں بند قیدیوں کی زندگی بھی کچھ ایسی ہی ہوتی ہوگی۔ وہ پیشے سے ایک وکیل تھی، اس کا مستقبل تو مجرموں قیدیوں کے واقعات سننے میں گزرنا تھا پر آج پہلی بار خود کو ایک قیدی محسوس کرتے وہ پہلے تو اپنی بے بسی پر ہنس پڑی، لیکن اسے اب ہنسنا بھی کہاں یاد رہا تھا، ہنسی میں گھلی آنسوؤں کی نمی ہچکیوں میں تبدیل ہونے لگی اور وہ اپنے حال پر پہلی مرتبہ اتنا کھل کر روئی کہ روتے روتے تھک گئی، پر لگتا اندر اب سوا آنسوؤں کے کچھ باقی نہیں رہا۔

وہ اس وقت نل کھولے منہ پر پانی کے چھینٹے مار رہی تھی جب پیچھے دروازے پر کچھ آواز ہوئی۔ اس نے دوپٹے سے چہرا صاف کیا اور دروازے کے قریب آئی۔ گلا ایک مرتبہ پھر خوف سے خشک ہونے لگا۔ باہر نکلنے کا مرحلہ مزید مشکل لگا۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے چٹخنی گرائی اور دروازہ کھولا لیکن۔۔۔ وسیلہ کا دل ڈوب کر نیچے جا پڑا۔ اس کے کھینچنے پر دروازہ نہیں کھلا تھا۔ مطلب اسے باہر سے بند کر دیا گیا تھا۔ اس نے گھبرا کر زور زور سے دروازہ بجانا شروع کیا۔

”کھولو۔ دروازہ کھولو۔“ وہ پاگلوں کی طرح دروازہ پیٹ رہی تھی، کیونکہ اسے بند جگہ میں گھٹن کا فوبیا تھا۔ وہ کسی چھوٹی جگہ پر زیادہ دیر بند نہیں رہ سکتی تھی، گھٹن کا احساس اس کے دماغ پر سوار ہوتے اس کی سانسیں اکھاڑنے لگتا۔

وسیلہ اپنا دماغ گھٹن سے ہٹا کر دیوانہ وار دروازہ پیٹنے لگی۔ ساتھ ساتھ وہ بری طرح چلا بھی رہی تھی۔ اسے لگا اگر چند منٹ کے اندر دروازہ نہ کھلا تو اس کی سانس بند ہو جائے گی۔ اونچا اونچا چلانے کا

جیسے اس پر دورہ پڑ گیا تھا۔ حد تو یہ ہے کہ اس جھلی عورت پر اس کی آوازوں کا کوئی اثر ہی نہیں ہو رہا تھا۔ بلکہ باہر کھڑی وہ ہنس ہنس کر تالیاں بجا رہی تھی۔ دسیلہ کا چیختا چلاتا اسے اپنی حرکت کی کامیابی تصور ہو رہا تھا۔

"کھولو۔ پلیز دروازہ کھولو۔" اس کی اونچی آواز مدھم پڑنے لگی تھی، چھوٹی چھوٹی تین دیواریں اور بند دروازہ قریب آتے اسے دبوچ رہے تھے۔ ماتھے پر ٹھنڈے پسینے کے قطرے نمودار ہوئے اور آنکھوں کے آگے تاریکی کا پردہ چھا گیا۔

☆☆☆

بچوں کا سامان فیروزہ کی مدد سے دوبارہ چھوٹے کمرے میں آچکا تھا۔ آستینیں چڑھائے دوپٹہ کمر پہ باندھے اس نے ہاتھ جھاڑ کر اپنی محنت اور مہارت کو ستائشی نظر سے دیکھا۔ اس مرتبہ اس نے کمرے کی سیٹنگ کو بھی مکمل بدل ڈالا تھا۔ بچوں کے کاٹ پلنگ کی جگہ پہ رکھ کر سنگل بیڈ کو سامنے کی دیوار سے لگا دیا۔ کمرہ پہلے سے زیادہ کھلا لگنے لگا تھا۔ اس طرف سے فارغ ہو کر اس نے مومن کے کمرے کو دیکھا۔ تحریم سے شادی کے بعد جو سیٹنگ کی گئی تھی، آج ڈیڑھ پونے دو سال گزرنے پر بھی اسے تبدیل نہیں کیا گیا تھا۔ اور ایلیاء تو سیٹنگ اور صفائی کے معاملے میں بہت چست تھی۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور ایک ایک چیز باہر نکال کر ہر کونا کھدرا صاف کروا کے چوکیدار اور ایک دو باہر کے ملازم بلوا کر بیڈ کی جگہ بھی بدل ڈالی اور بیڈ کی جگہ بدلتے ہی ڈریسنگ ٹیبل، صوفے اور میز ہر چیز کا نقشہ تبدیل ہو گیا۔

اسے پچھلے چند ماہ کے دوران اس کمرے سے نکلتے گزرتے جس چیز نے سب سے زیادہ الجھن میں ڈالا ہوا تھا وہ یہی بیڈ کی جگہ تھی۔ چھوٹے کمرے کے عین سامنے بیڈ ہونے کی وجہ سے دروازہ کھلنے پر یہاں کی روشنی ڈائریکٹ مومن کی آنکھوں میں پڑتی ۔ اسے احساس ہوتا کہ بیڈ اگر بائیں ہاتھ کے کونے میں چلا جائے تو یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ اور آج اسے بیٹھے بٹھائے موقع مل ہی گیا۔ دوپہر تک کام کاج سے فارغ ہو کر وہ تھک کر دسیلہ اور اپنے والے پرانے روم میں آکر سو گئی۔

ادھر چار بجے جب مومن کی آمد ہوئی تو اپنا کمرا ہی پہچان میں نہیں آ رہا تھا۔ اس نے رک کر حیرت سے بار بار ہر چیز کو دیکھا اور سب سے پہلے یہی سوچا کہ کمرے کی جو سیٹنگ اس کے دماغ میں تھی بعینہٖ اس پر کس نے عمل کروایا۔ بیڈ کو ایک کونے میں دیکھ کر اس نے سکون کا ٹھنڈا سانس لیا تھا۔ کب سے یہی تو سوچا تھا کہ یہ جگہ ہی بیڈ کے لیے آئیڈیل ہو سکتی تھی لیکن تحریم نے تب اپنی کی تھی اور وہ کچھ نہیں کہہ پایا تھا۔

"کہو، سیٹنگ پسند آئی؟" ندرت اس کے پیچھے پیچھے ہی اندر آئیں۔

"ہوں۔ کس نے کیا یہ سب؟"

"ایلیاء نے، اور کس نے۔" وہ ربیا کو لیے چھوٹے کمرے میں گھس گئیں اور مومن کے دل میں خیال آیا۔ پسند کا بستر تو اپنی جگہ۔ میڈم نے باقی چیزوں کو جو الٹ پلٹ کیا ہو گا۔ ان سے تو ضرور بارہ ہائی ہونے والا ہے۔ سیٹنگ کا تکا بے شک چل گیا ہے لیکن یہ کیا ممکن ہے کہ اس احمق لڑکی نے کوئی بلنڈر نہ مارا ہو۔ وہ ریک، درازیں اور الماری وغیرہ کو کھول کھول کر دیکھنے لگا۔ کوئی چیز جگہ پر نہیں ہو گی، یہ اس کا یقین تھا۔ اور شاید اس یقین کے جواب میں وہ ایلیاء کی شامت بھی بلانے والا تھا۔ اب اتنی اچھی سیٹنگ پر انعام تو دینے سے رہا، کیونکہ وہ جب سامنے رہتی تو صرف بندے کو تپا سکتی تھی۔

"ہر چیز اپنی جگہ پر ہے۔" پیچھے بڑے اعتماد سے کہا گیا۔ مومن چونک کر پلٹا تو وہ عنابی کو کمر پر چڑھائے مسکرا کر دیکھ رہی تھی۔

"ہوں۔" "تو میں نے کب کہا۔" وہ شرمندہ نہیں ہوا اور بیڈ کے کنارے بیٹھ کر جرابیں اتارنے لگا۔"

"میں نے سوچا، تبدیلی کوئی بڑی ہونی چاہیے، چھوٹی موٹی چیزیں یہاں وہاں کرنے سے کیا ہوگا۔" وہ نیند سے اٹھ کر اچھے موڈ میں آ گئی تھی۔ پھر مومن آج کل بہت اچھے انداز میں بولنے لگا تھا۔ بھلے یہ رویہ صرف امی، بابا اور ماسی کے سامنے ہوتا لیکن بول چال آپس کے تناؤ اور جھجک کے رویے کو ختم کرتی ہے۔ وہ اب مومن سے بات چیت میں ڈر محسوس نہیں کرتی تھی۔ ہالا کو اس سے اچھا بولنے پہ مجبور تھا، اور وہ اسی میں خوش تھی۔

"بات تو صحیح ہے۔" وہ گلے سے ٹائی نکالنے لگا "بڑی تبدیلیاں خوش آئند ہوتی ہیں۔" وہ آرام سے تائید کر رہا تھا اور یہ کوئی خیر کی خبر نہ تھی۔ ولیاء کے اچھے موڈ کو اس نے سنگل لائن سے غارت کر دیا تھا۔ وہ خدشات کی گھنٹیاں کانوں میں سنتی بچوں کے روم میں آ گئی۔۔۔ یہ میسنا آدمی ضرور کوئی گل کھلانے والا تھا۔ ایلیاء کو اب روز کے خساب سے اپنے معاہدے کی وہ شق یاد آتی جو جذبات کی رو میں بہہ کر منہ سے نکل گئی تھی، اگلے نے پکڑ کر گرہ سے باندھ لی تھی

☆☆☆

گرمی کے دنوں میں ہاجرہ بیگم باہر صحن کے کھلے نل سے وضو کرتی تھیں۔ صحن عبور کر کے سامنے والے پورشن کی دیوار کے قریب آ گئیں۔ دوپٹہ سر پہ لپیٹ کر آستینیں اونچی کیں اور اکڑوں بیٹھ گئیں۔ نل کھولا تو پانی کی بوند بھی نہیں نکلی۔ ٹنکی خالی ہو گئی تھی۔ انہوں نے آس پاس دیکھا کہ شاید مسرت یا خمارہ دکھائی دیں، لیکن کوئی نظر نہیں آیا۔

وہ اٹھنے لگیں جب دور کہیں کسی کے چلانے اور دروازہ پیٹنے کی آوازیں سنائی دیں۔ آواز اتنی مدھم تھی کہ پہلے تو انہیں اپنا وہم ہی لگا۔ وہ گریز کر کے نکلنے ہی لگیں، اس وقت وہ عین راہداری کے سامنے سے گزر رہی تھیں جب آوازیں دوبارہ سنائی دیں، اس وقت آواز پہلے سے کچھ واضح تھی، انہوں نے پریشان ہو کر راہداری کی طرف دیکھا۔ تہہ خانے میں گلے رہتی تھی لیکن وہ چیختی چلاتی تو زیادہ نہیں تھی، کہیں وہ کسی مصیبت میں نہ ہو۔ آخر انسان تھی۔ پھر اکیلی رہتی تھی۔ انہوں نے شہباز کے کمرے کی طرف دیکھا۔ اس برآمدے میں بھی کوئی دکھائی نہیں دیا۔ سہ پہر کا وقت تھا شاید سب آرام کر رہے تھے۔ ہاجرہ بی بی دو سیڑھیاں چڑھ کر تنگ راہداری میں داخل ہوئیں۔ آواز کچھ اور صاف ہوئی۔

"کھولو۔ کھولو۔"

کچھ ایسا سنائی دیا۔ وہ تیزی سے تہہ خانے کے نزدیک آ گئیں۔ اور۔ ہاجرہ ٹھٹک کر اپنی جگہ رکیں۔ تہہ خانے کے دروازے پر بڑا سا تالا لگا ہوا تھا۔ انہوں نے ہاتھ بے ساختہ اپنے منہ پہ رکھا۔ گلناز بھلے تہہ خانے میں رہتی تھی لیکن اسے کبھی تالے میں بند نہیں کیا گیا تھا۔ شہباز اپنی بہن کو اپنے پاس اوپر کے کسی کمرے میں ہی رکھنا چاہتی تھیں، لیکن گلے ہی ہر بار بھاگ کر تہہ خانے میں جا چھپتی جس کی وجہ سے شہباز نے تنگ آ کر اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا، وہ نیچے کے کمرے میں خوش رہتی تھی لیکن گلناز کے آگے تالا بند کرنے کی نوبت کیوں آئی۔ اور وہ آوازیں۔ گلے گونگی نہ تھی لیکن گونگوں سے کم بھی نہیں تھی۔ ہمیشہ چپ رہتی اور بس چپ ہی رہتی۔ تو پھر۔ انہوں نے پلٹ کر تیز قدموں سے واپس چلنا شروع کیا۔ شہباز کے کمرے میں آئیں تو مسرت سے سامنا ہو گیا۔

"وہ تہہ خانے سے چیخنے کی آوازیں آ رہی ہیں، جلدی چابی لے کر جاؤ، گلے کسی تکلیف میں نہ ہو۔ اسے بند کیوں کیا۔" ہاجرہ اپنی لے میں بولے ہی چلی گئیں اور مسرت کے ساتھ شہباز بھی ہکا بکا ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ

☆☆

فرح بخاری

شام شہر سحر

میانذم کا گھرانہ ہے جہاں ایک گھر میں دو خاندان رہتے ہیں۔ رضوانہ کی تین بیٹیاں ہیں۔ شوہر مر چکے تھے ندرت بھاوج ہیں ان کا ایک بیٹا ہے مومن جس کی منگنی رضوانہ کی بیٹی تحریم سے طے تھی۔ وسیلہ نے ایل ایل بی کیا تھا لیکن ماں کی بیماری کی وجہ سے پریکٹس نہیں کر سکی تھی۔ چھوٹی ایلیا کالج کی طالبہ ہے۔

تھانہ میں حویلی میں رہنے والی دادی منصب پر بہت مہربان ہیں وہ ان کے منشی کا بیٹا ہے۔ حویلی میں کوئی اس کا آنا پسند نہیں کرتا۔ دادی اس کی تعلیم کا خرچہ اٹھاتی ہیں وہ پولیس آفیسر بن جاتا ہے اس کا ٹرانسفر میانذم ہو جاتا ہے۔ منصب کی دو بہنیں ہیں میمونہ اور رمشہ، میمونہ شادی شدہ ہے۔

حویلی میں رہنے والی شہناز اور کمال خان کا بیٹا ارحم ہے جو ضدی اور بد دماغ سا ہے۔ شہناز بی بی کی بہن گلناز ہے جو نیم پاگل ہے۔ ارحم شادی کرنا چاہتا ہے۔

رضوانہ اور ندرت مومن کے ساتھ شاپنگ پر جاتی ہیں دو گاڑیوں میں قافلہ جاتا ہے ایک گاڑی وسیلہ اور دوسری مومن چلا رہا ہے راستے میں بارش اور طوفان کا سامنا کرنا پڑتا ہے منصب بھی اس طوفان کا شکار ہوتا ہے۔

وسیلہ اور منصب ایک طوفان میں ملتے ہیں۔ اتفاقاً وسیلہ ایک پتا پوچھتے منصب سے ٹکراتی ہے وہ اسے مختصر راستے سے اپنے گھر لے جاتا ہے۔ لیکن وہ اس پر شک کرتی ہے بعد میں اسے منصب کے گھر اسی پتے کی غرض سے جانا پڑتا ہے وہ شرمندہ ہوتی ہے۔

تحریم کی شادی میں وسیلہ منصب اور رمشہ کو انوائٹ کرتی ہے۔ منصب اور رمشہ کو وسیلہ اچھی لگتی ہے تحریم اور مومن پوری فیملی کے ساتھ کالام گھومنے جاتے ہیں اسی سفر میں وسیلہ اور منصب کی پھر ملاقات ہو جاتی ہے۔

ارحم رضوانہ اور ان کی فیملی کو ڈھونڈ لیتا ہے اور شہناز اور وادی کو بھی ان سے ملوانے لاتا ہے۔ رضوانہ کا خوف ختم ہو جاتا ہے شہناز ارحم کے لیے وسیلہ کا رشتہ مانگتی ہے۔ عیسیٰ کو جب یہ بات پتا چلتی ہے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

مومن کی شادی ایلیا سے ہو جاتی ہے وہ اس رشتہ کو قبول نہیں کر پاتا حالانکہ اس کے انکار کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ ثانیہ عیسیٰ کے بھائی کا علاج کرتی ہے۔ وہ اس لڑکی کی شادی کا پتا چلنے پر خودکشی کر لیتا ہے۔ عیسیٰ اس سب کا ذمہ دار ڈاکٹر ثانیہ کو سمجھتا ہے۔ اس کے کلینک پر توڑ پھوڑ کی جاتی ہے۔ وہ مینگورہ چھوڑ کر ادھر آ جاتے ہیں۔ شہناز شادی میں وادی کو نہیں لاتی۔ منصوبے کے تحت وہ وسیلہ کو اپنی نیم پاگل بہن کے ساتھ تہ خانے میں بند کر دیتی ہے۔

چھٹی قسط

digestnovels lovers group

"وہ تہ خانے سے چیخنے کی آوازیں آرہی ہیں، جلدی چابی لے کر جاؤ، گلّے کسی تکلیف میں نہ ہو۔ اسے بند کیوں کیا۔"

ہاجرہ اپنی لے میں بولے ہی چلی گئیں اور مسرت کے ساتھ شہناز بھی ہکا بکا ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔ پھر شہناز ہی اچھل کر پلنگ سے اتریں اور ڈریسنگ ٹیبل کی دراز سے چابی نکال کر باہر لپکیں

"گلّے کے آگے تالا کیوں لگایا۔۔۔ بے چاری گھبرا گئی ہوگی۔" وہ بھی تیز قدموں سے پیچھے پیچھے جانے لگیں، شہناز نے جب ساس کو آتے دیکھا تو بدک کر پلٹی

"آپ کہاں آرہی ہیں۔۔۔ جائیں اپنے کمرے میں۔" وہ اس زور سے چیخی کہ ہاجرہ بی بی سہم کر رک گئیں۔ دل بری طرح دکھ گیا۔ شدت کی سبکی محسوس ہوئی کیونکہ مسرت بھی پیچھے آرہی تھی۔ وہ بنا کچھ کہے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں اور شہناز بمسرت کے کان میں کچھ بڑبڑاتی راہداری میں داخل ہوگئی۔

ہاجرہ بی بی نے کمرے میں داخل ہو کر پلٹ کر دیکھا تو شہناز راہداری کے کونے پر کھڑی ان ہی کے کمرے کو دیکھ رہی تھی اور مسرت تہ خانے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ ان کے پہرے پہ وہاں کھڑی تھی۔ وہ پردہ گرا کر اندر آگئیں لیکن دماغ کچھ ایسے الجھے الجھے سوالوں میں پھنس رہا تھا کہ نماز بھی انہوں نے غائب دماغی سے ادا کی۔

"کھولو کھولو" کی آوازیں سن کر انہیں تو گلناز کا خیال آیا تھا لیکن ایسا کیوں لگ رہا تھا کہ وہ آواز گلّے کی نہیں ہو سکتی۔ پھر شہناز کا اپنی بہن کو تالے میں بند رکھنا، گلّے تو شہناز کی جان تھی، بچپن سے اس نے اپنی بہن کو بیٹی کی طرح پالا تھا۔ تالے میں تو کسی کو تب ہی بند کیا جا سکتا ہے جب وہ آپ کے لیے نقصان دہ ثابت ہو رہا ہو۔ اور گلّے تو اپنے آپ میں مگن رہتی تھی۔ پھر آخر میں شہناز کا ان پر چلانا۔

وہ تو گلناز کی محبت میں پیچھے جارہی تھیں۔ اور بہو نے کس بری طرح جھٹک دیا تھا۔ اور۔ ایک اور بات۔ وہ ایکدم ہی چونکیں۔ یہ خیال تو انہیں آہی اب رہا تھا کہ جس تالے والے دروازے کے سامنے وہ کھڑی تھیں، کھولو کھولو کی آوازیں اس سے کہیں اور زیادہ دور سے آرہی تھیں۔ جس دروازے کو بجایا جارہا تھا وہ تہ خانے کا دروازہ نہیں تھا۔ ورنہ اس کے تو وہ سر پر کھڑی تھیں۔ جبکہ آواز کہیں زیادہ پیچھے سے آرہی تھی۔ تو پھر وہ کون سا دروازہ تھا۔ انہوں نے تو برسوں پہلے بھی تہ خانے کو اندر سے دیکھا تھا۔ وہ تو ایک بڑا سا خالی کمرا تھا۔ جس میں شاید ایک باتھ روم بھی تھا۔ تو کیا گلناز باتھ روم میں بند ہوگئی تھی۔ وہ بستر پر لیٹے بھی وہی سب سوچ رہی تھیں۔ اب تو زندگی میں بس سوچیں ہی رہ گئی تھیں۔

☆☆☆

"ارے یار! اس کی ریں ریں کب بند ہوگی؟"

مومن الجھے بال، ہاتھ میں کشن دبائے دروازے میں آیا۔ ایلیا چھوٹے کمرے میں دونوں بچوں کو لیے بیٹھی تھی۔ ماسی بھی پتا نہیں کہاں رہ گئی تھیں۔ دونوں نے ایک ساتھ راگنی شروع کردی تھی۔ وہ ربیا کو فیڈر دے کر اسے چپ کروانے میں تو کامیاب ہوگئی لیکن اس دوران عابی کہاں بخشنے والا تھا۔ اور جب تک اس کا فیڈر تیار ہوتا، والد صاحب خود دروازے میں آن موجود ہوئے

"جی بس دے رہی ہوں۔" اس نے فیڈر عابی کے منہ سے لگا کر ایک نظر اسے دیکھا۔ لیکن عابی نے فیڈر دوبارہ نکال دیا اور اسی رفتار سے روئے گیا۔

"اسے چپ کراؤ یار۔۔۔ پہلے ہی بارہ بج گئے، صبح آفس کے لیے بھی جلدی نکلنا ہے۔" وہ سخت چڑا ہوا لگ رہا تھا۔ ایلیا نے فیڈر رکھ کر اسے بازو پہ اٹھا لیا۔ وہ اب ٹہلانے سے ہی چپ ہونے والا تھا۔ مومن واپس پلٹ گیا۔

”رو مت شونا۔۔ تم ابھی نئے ہو نا۔۔ تم بھی آہستہ آہستہ ایڈجسٹ کرو گے اس ہلاکو خان کے ساتھ۔۔ اب مجھے ہی دیکھ لو۔ میں تو کچھ فاصلے پہ رہتی تھی، عتاب سے بچی ہوئی تھی لیکن تمہاری خاطر یہاں آگئی۔۔ شیر کی کچھار۔۔“

”کیا کہہ رہی ہو؟“ وہ ”کچھ کچھ“ سنتا ہوا دوبارہ اندر آیا تھا۔ ایلیا نے زبان دانتوں میں دبائی۔ اس کے حساب سے ہلاکو بیڈ پہ گر کر سو بھی چکا تھا شاید۔

”وہ..... تو میں عابی کو۔ ہاں۔ کہانی سنا رہی تھی۔“ وہ بروقت بہانے پر خوش ہوئی، پورے دانت نکالے کامیابی سے مومن کو دیکھ رہی تھی۔ اور اس نے ابرو اٹھاتے ہاتھ کمر پہ رکھے۔

”عابی کو۔ کہانی؟“ مومن کا اشارہ یقیناً اس کی عمر کی طرف تھا۔

”اوہ۔ اچھا ہاں۔ یہ تو ابھی بہت چھوٹا ہے نا۔ کہانی تھوڑی اس کی سمجھ میں آئے گی۔“ ہنسی بری طرح شرمندگی میں تبدیل ہوئی اور مومن بس کباب دل لیے واپس نکل گیا۔ ”لاعلاج“ ایک نہایت مناسب لفظ تھا۔ ایلیا نے ہنسی دبا کر عابی کو دیکھا۔ اسے ہنستا دیکھ کر وہ بھی رونا بھول گیا تھا۔ وہ اسے کمرے میں ہی چکر کاٹ کر سلانے لگی، کچھ ہی دیر میں اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

ریا پہلے ہی فیڈر پیتے کے دوران سو چکی تھی۔ اس نے عابی کو کاٹ میں سلا دیا۔ پیچھے دستک کی آواز آئی اور کچھ دیر بعد ماہی ندرت دکھائی دیں۔ ایلیا ان کے دستک دینے پر حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ پہلے تو ایسا کبھی نہیں کیا تھا انہوں نے۔

”سو گئے دونوں؟“ ندرت نے کاٹ میں جھانکا۔

”جی بس ابھی سوئے ہیں۔“

”چلو یہ تو اچھا ہے۔۔ دیر سے سو رہے ہیں تو امید ہے صبح تک سوتے ہی رہیں گے۔“ انہوں نے گھڑی دیکھی ”چلو پھر تم بھی آرام کرو۔۔ میں بس بھی دیکھنے آئی تھی کہ تمہیں سنبھالنے میں دقت تو نہیں ہو رہی۔“

”جی نہیں، اب تو سمجھدار ہو گئے ہیں ماشاءاللہ۔ بار بار نہیں جاگتے۔“ اس نے عابی پہ ہلکا کپڑا ڈالا۔

”ہاں اچھی بات ہے، بس تم یہ بیچ کا دروازہ کھلا رکھنا، تا کہ تم تک ان کی آواز آئے۔“

”جی۔۔؟“ اس نے اچنبھے سے ماہی کو دیکھا۔ وہ واقعی ان کی بات سمجھ نہیں پائی تھی۔ ”اور آپ۔۔ یہاں نہیں ہوں گی؟“

”نہیں بھئی، اب یہ تمہارا کمرا ہے۔۔ جب تم بلاؤ گی تب ہی آؤں گی۔ بس آنکھ کھلے تو ان کو دیکھ جایا کرو۔“ وہ اپنی سوچ کے مطابق ہدایات دے کر نکل گئیں اور ایلیا نے ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ننھے بچوں کو دیکھا۔

”لو بھئی بچوں، تمہاری ماں بننے کا پہلا نقصان بھی سامنے آگیا، تمہاری دادی اماں بھی ساتھ چھوڑ گئیں۔۔ اوپر سے خیالات دیکھو۔۔ جب آنکھ کھلے دیکھ جایا کروں۔۔ ہائے میں واری اپنے ننھے معصوموں کے۔۔ یہ کوئی اکیلا چھوڑنے کی عمر ہے۔۔ اور وہ بھی کس کی خاطر۔“ اس نے ناک سکوڑ کر دروازے کو دیکھا۔

”بتاؤ ذرا ان کو کیا ڈر لگتا ہے۔“ وہ بڑبڑاتے ہوئے اپنے سنگل پلنگ پر لیٹ گئی۔ دل میں خود کو تسلی دے کر آنکھیں موند لیں کہ بچے اب واقعی بڑے ہو گئے ہیں اور صبح تک آرام سے سوتے رہیں گے۔

☆☆☆

”طبیعت کیسی ہے پھوپھو؟“ مومن اپنا چائے کا کپ لیے پھوپھو کی طرف آگیا۔ سارا دن تھکی ہی نظر آئیں، ٹی وی شاید ایلیا لگا گئی تھی۔ وہ دیکھ نہیں رہی تھیں، ہاتھ میں تسبیح لے رکھی تھی جس کے دانے گراتے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ رہی تھیں۔

”طبیعت ٹھیک ہے بیٹا؟“ وہ اٹھنے لگیں۔

"باہر نکلا کریں پھوپھو۔ ہماری طرف آجایا کریں، آپ کے لیے واک بہت اچھی ہے۔"

"ہاں، سچ کہتے ہو، بس اب ہمت جواب دے گئی ہے۔" وہ ہنوز ستی سی تھیں۔

"اصل میں میں ایک بات سوچ رہا تھا، آپ آرام سے ہر پہلو پر سوچ کر جواب دیجیے گا۔" مومن نے تمہید باندھی۔

"ہاں ہاں کہو۔"

"میرا ایک کولیگ ہے رضوان، اس کا بھائی گورنمنٹ ٹیچر ہے۔ اس کی میاں چنوں پوسٹنگ ہوئی ہے۔ فیملی کو یہیں لانا چاہتا ہے۔ رضوان نے میرے ذمے کرائے کے مکان کا کام لگایا ہے۔ تو مجھے خیال آیا کہ دسیلہ اور ایلیا کے بعد آپ یہاں اس پورشن میں بالکل اکیلی ہوگئی ہیں۔ ابو کو بھی بہت فکر لگی رہتی ہے۔ ابھی شروع کے چند دن تو چلو فیروزہ اور بچے آپ کے پاس تھے، ہمیں زیادہ محسوس نہیں ہوا۔ لیکن اب تو ایسا نہیں ہے۔ دسیلہ یہاں تھی تو آپ کو کمرے میں بھی اکیلا نہیں چھوڑتی تھی۔ میں سوچ رہا ہوں، آپ ہمارے ہاں آجائیں۔ ایک کمرا بھی بالکل فری پڑا ہے۔ اپنا ضروری سامان وہیں لے آئیں۔ اور گھر کرائے پر لگا دیتے ہیں۔"

"لیکن یہ پورے گھر کا اتنا سامان۔" وہ جیسے ذہنی طور پر آمادہ نہیں ہوئیں۔

"آپ کے ہاں تین کمرے ہیں نا۔ آپ کچھ سامان اپنے ساتھ لے آئیں ہمارے ہاں، باقی سارا ایک کمرے میں پیک کر دیں۔ اور کرائے کے لیے دو کمرے اور باقی کا پورا مکان۔"

"اچھا؟" وہ سوچ میں پڑ گئیں۔

"دسیلہ سے پوچھتی ہوں۔"

"ابھی پوچھ لیں، اس بہانے میری بھی کوئی اس سے بات کروا دے۔ مہینہ ہوگیا۔ مجھ سے تو بات ہی نہیں کرنا چاہتی، بتاتا ہوں اس کو کتنا خفا ہوں"

مومن کہتا چلا گیا اور رضوانہ ہنس دیں۔"

"ابھی ارحم سے میری بات ہوئی، وہ اپنا موبائل نہیں اٹھا رہی تھی تو میں نے ارحم کو کال ملا دی، کہہ رہا تھا۔ اس کی طبیعت کچھ ڈھیلی والی ہے۔ دوا لے کر آرام کر رہی ہے۔"

"چلیں پھر جب آپ کی بات ہو، پوچھ لیجیے۔۔۔ میرا ماننا اب بھی یہی ہے کہ رات کو آپ کا اس پورشن میں اکیلے ہونا ٹھیک نہیں ہے۔"

"ہاں، میں بھی اس پر سوچ رہی ہوں، لیکن ایک بات اور بھی تم سے کرنی تھی۔" وہ دھیرے دھیرے کہنا شروع ہوئیں تو مومن بغور پھوپھو کو دیکھنے لگا۔

"مجھے دسیلہ کی بہت فکر ہو رہی ہے مومن۔۔۔ ایک ماہ ہوگیا ہے اس کی شادی کو۔۔۔ کیا ایسا ہوتا ہے کہیں کہ بچی بیاہ کر جائے تو مہینہ گزرنے پر ایک مرتبہ بھی واپس نہ آئی ہو۔" وہ بولنے کے دوران ہی رو بھی پڑیں تو مومن کو اندازہ ہوا کہ ان کے اندر کتنا غبار ہے جسے بالآخر انہوں نے آج نکالا۔

"یہی بات میں بھی سوچتا ہوں پھوپھو۔" اس نے پھوپھو کے کندھے پر دباؤ دے کر تسلی دی "لیکن کہا کچھ نہیں کہ آپ پریشان نہ ہوں، پھر میرا خیال تھا کہ کبھی کبھار ایسی مجبوری بن بھی جاتی ہے، اگر آپ سب مطمئن ہیں تو میں کیوں وہم میں پڑوں۔۔۔ لیکن اب لگ رہا ہے کہ فکر تو آپ کی بھی یہی ہے۔"

"میری ایک بات مانو گے؟" وہ اسے ایک آس سے دیکھ رہی تھیں۔

"حکم کریں پھوپھو۔"

"تم اگر ایک بار تھانہ ہو آؤ۔"

"جی کیوں نہیں۔۔۔ جا تو سکتا ہوں لیکن پھوپھو دسیلہ تو چترال میں ہے نا؟" وہ سمجھ نہیں پایا کہ پھوپھو کیا کہنا چاہتی ہیں۔

"ہاں، وہ تو ٹھیک ہے لیکن مجھے لگتا ہے میکے والوں میں سے کسی کا چکر لگا لینا بھی ضروری ہے، میں نے ان سب کے لیے تحفے وغیرہ لے رکھے تھے کہ دسیلہ جب پہلی بار دعوت پر آئے گی تو بھجوا دوں گی۔۔۔ لیکن مہینہ گزرنے پر بھی کوئی آنا جانا نہیں ہوا،

تو کیوں نہ تم خود جا کر دے آؤ۔۔۔ ذرا وہاں کے حالات بھی پتا چل جائیں، آخر ارحم نے کب واپس آنا ہے، اور اگر وہ اپنے کام میں مصروف ہے تو دیلہ کو ہی چند روز کے لیے یہاں بھیج دے۔"

"جی پھوپھو، میں اسی اتوار کو جاتا ہوں، آپ چاہیں تو آنٹی شہناز کو اطلاع کر دیں۔"

"نہیں۔" انھوں نے فوراً رد کیا" میں ایک بار پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ ہم حویلی آنا چاہتے ہیں تو اس نے کہا کہ دیلہ آجائے پھر آئیے گا۔ ہو سکتا ہے اس بار بھی یہی کہہ دیں۔۔۔ اس طرح ہم ایک بار پھر جانے سے رہ جائیں گے۔"

"تو آپ بھی چلیے میرے ساتھ؟"

"جا تو سکتی ہوں لیکن وہی بات کہ اتنا لمبا سفر بھی کروں گی لیکن دیلہ سے ملاقات نہیں ہو پائے گی، جبکہ میرا مقصد اس کو یہاں میاں عدم بلوانے کا ہے۔ تم انہیں قائل کر آنا کہ دیلہ کو چترال سے کچھ روز کے لیے واپس بلوائیں۔"

"ہوں ٹھیک...... میں سمجھ گیا......" وہ کچھ دیر کے لیے چپ ہوا...... جیسے کسی اور پہلو پر غور کر رہا ہو۔

"پھوپھو، میں سوچ رہا ہوں۔ کہ۔۔۔ ایلیا کو اپنے ساتھ لے جاؤں یا پھر امی۔"

"اچھا......؟ رضوانہ نے حیران ہو کر دیکھا "کوئی بات ہے ذہن میں؟"

"جی۔۔۔ اصل میں ہم اُن لوگوں کی ذہنیت سے زیادہ واقف نہیں، اور معاملہ دیلہ کی سسرال کا ہے، ایسے میں بہت محتاط ہو کر چلنا پڑتا ہے۔ میں دیلہ کا کزن ہوں، اس کا سگا بھائی نہیں، ایسے میں میرا اکیلے منہ اٹھا کر وہاں چلے جانا اور اسے میکے بلانے کا کہنا، کہیں وہ کچھ اور معنی نہ پہنائیں، ایلیا ساتھ ہوگی تو ظاہر ہے وہ بہن ہے۔"

"ہاں مومن۔۔۔ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔۔۔ خوش رہو۔۔۔ اتنا خیال رکھتے ہو ہر بات کا۔۔۔ اور یہ تو زیادہ اچھی بات ہے۔ ایلیا ساتھ ہوگی تو حویلی کے اندر جائے گی، ذرا وہاں کا ماحول دیکھ آئے گی۔ پھر دل سوچتی ہوں پتا نہیں دیلہ کا کمرا کیسا ہوگا۔ وہ وہاں کیسے رہتی ہوگی۔۔۔ بس ٹھیک ہے۔ تم دونوں تیاری کرو۔۔۔ اور بچے؟" رضوانہ کو خیال آیا۔

"ہوں بچے۔" مومن نے لب بھینچے" اچھا میں امی اور ایلیا سے مشورہ کرتا ہوں، دیکھیں کیا کہتی ہیں۔"

"تو پھر کب......؟"

"آج جمعہ ہے نا۔۔۔ تو پرسوں سنڈے کو ان شاء اللہ۔" وہ ان کے ساتھ پروگرام طے کر کے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

ایلیا نے عالی کو تیار کر کے مامی کے حوالے کیا اور خود ربیا کو اٹھا کر کار کی طرف دوڑی۔۔۔ مومن کافی دیر پہلے ہی کار اسٹارٹ کر چکا تھا اور اب تو ڈانٹ بس پڑنے ہی والی تھی۔ آپس کے مشورے سے طے یہی پایا تھا کہ عالی کو گھر پر چھوڑا جائے اور ربیا ایلیا کے ساتھ سفر میں ہو۔

لنفس وغیرہ مومن نے پچھلی سیٹ پر بکھیر دیے تھے اس لیے ایلیا کی یہی سمجھ میں آیا کہ اُسے فرنٹ سیٹ پر بیٹھنا ہے۔ اس نے ربیا کا بیگ اپنے پیروں میں رکھا اور ایک بڑا شاپر اور ربیا کا کیریئر پیچھے ایڈجسٹ کر کے دروازہ بند کیا۔

"جی بس چلیں۔" سر ہلا کر مومن کو آگے بڑھنے کا کہا لیکن وہ ماتھا سکوڑے دیکھے ہی گیا۔ ایلیا نے کچھ سمجھ نہ آتے خود ہی نظر ہٹالی، پتا نہیں کار کیوں نہیں آگے بڑھا رہے تھے۔

"اہتمام۔ کچھ زیادہ نہیں ہو گیا؟" اس نے ایلیا کی تیاری کو خاصی ناپسندیدگی سے دیکھا تھا۔ انگوری فراک، کلر فل کڑھائی والی سفید چادر، ہاتھوں میں گولڈ کی چوڑیاں، ایئر رنگ، چین، ہلکا میک اپ۔۔۔ مومن نے ایک نظر میں ہی ساری تیاری جانچ لی تھی

"وہ...... میں تو سادہ سوٹ ہی پہن رہی تھی۔" ایلیا بری طرح شرمندہ ہوئی" مامی نے جھڑک دیا،"

کہا دلہن ہو، پہلی بار۔" ایلیا نے اپنی بے لگام زبان کو بیچ راستے میں یک لخت بریک دی اور اب مزید بولنے کا ارادہ نہ کرتے ریبا پر جھک گئی۔ بنا سوچے بولنا بھی کتنی حماقت ہے۔" خود کو دل میں سرزنش کی۔ دلہن کہنا اتنا آکورڈ لگا کہ وہ کار سے ہی غائب ہو جانا چاہتی تھی۔ مومن نے بھی خاموشی سے کار آگے بڑھا دی۔ ایلیا نے باہر دیکھنا شروع کیا۔۔۔ ایک عرصے بعد وہ گھر سے نکل رہی تھی، تحریم کے بعد پڑھائی تو چھوٹ ہی گئی تھی۔ دن رات بچوں کو سنبھالنا، کسی کو اس کی اسٹڈی کا خیال تک نہیں آیا تھا۔ کار میاندم سے نکل کر مین روڈ پر آئی تو ایلیا کو شدت سے تحریم یاد آئی، آخری بار وہ سب کالام جانے کے لیے گھر سے نکلے تھے اور اس سے پہلے تحریم کا جہیز لینے کے لیے مینگورہ۔۔۔ ایلیا نے اپنا ذہن ہٹانے کی کوشش کی۔

ادھر مومن کو مین روڈ پر آتے ہی وہ طوفانی رات یاد آگئی جب ایلیا نے اسے بچانے کے لیے دریا میں چھلانگ لگا دی تھی۔ اُس وقت تو نجانے وہ کس خیال سے اس کی جان بچانا چاہتی تھی، لیکن قدرت نے دیکھو، اس کے نصیب میں یہ کیا لکھا تھا۔ اس وقت وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ مومن بھیا ایک دن اس کے۔ مومن نے اپنے خیالات کو زبردستی پیچھے کیا۔۔۔ کبھی کبھار بے تکی سی سوچیں بھی نجانے کیوں حاوی ہونے لگتی ہیں۔ وہ ایلیا کے بارے میں اس نئے حوالے سے سوچتا تو ذہن پر الگ طرح کا بوجھ پڑنے لگتا تھا۔ کبھی غصہ آنے لگتا تو کبھی افسوس ہوتا کہ اس نے آخر کیوں ہامی بھر لی تھی۔۔۔

"لنچ کرنا ہے۔۔۔؟" مینگورہ آیا تو مومن نے ایک جگہ کار کو سائیڈ پہ روکا۔

"لنچ۔۔۔ تو میں۔۔۔ ساتھ لے کر نکلی تھی۔" ایلیا نے یہ بھی ڈرتے ڈرتے بتایا اور مومن نے ایک خوش گوار سی حیرت محسوس کی۔

"ریئلی...... گھر سے؟" وہ حیران ہوا کیونکہ تحریم باہر کا کھانا کھانے کی از حد شوقین تھی اور باہر نکلتے ہوئے گھر سے کچھ لے جانے سے سخت چڑتی تھی۔ حتیٰ کہ اس کی امی بھی ایسی ہی تھیں، کہتیں۔ گھر کا کھانا تو ہر وقت ہی کھاتے ہیں، باہر نکلنے پر تو نت نئی چیزیں ہی ٹرائی کرنی چاہئیں۔" اور وہ ان دونوں کے خیالات سے سخت اختلاف رکھنے کے باوجود مجبوراً باہر سے ہی کھا لیتا۔

"جی، وہ مجھے باہر سے کھانا اچھا نہیں لگتا۔ آ۔ آپ کو پسند ہے تو بے شک۔"

وہ بری طرح گھبرائی لگ رہی تھی۔ مومن نے بنا کچھ کہے گاڑی آگے بڑھا دی۔ مینگورہ کے رش سے نکل کر کار اب تھانہ جانے والے روڈ پر رواں دواں تھی۔ مومن نے ٹائم دیکھا۔

دوپہر کا ایک بجا تھا۔ ریبا بڑی دیر تک سوتی رہی تھی، اب ہلکا کسمسا رہی تھی۔ اس نے گاڑی کو سڑک سے اتار کر گھنے درختوں کے جھنڈ میں روکا۔

تھانہ آنے میں اب مشکل سے آدھا گھنٹہ باقی رہ گیا تھا۔ کھانا کھا لینا زیادہ بہتر تھا۔ دیلہ کے گھر چونکہ وہ اچانک جا رہے تھے تو انگوں پر میزبانی کا بوجھ ہرگز نہیں ڈالنا چاہتے تھے۔

"میرے خیال سے کھانا یہیں کھا لیتے ہیں۔"

وہ گاڑی بند کر کے باہر نکل آیا۔ سامنے ایک پرانا ڈاک بنگلہ تھا۔ بنگلے کو جاتی اینٹوں والی روش کے دونوں جانب گارڈن تھے۔ حبس ابھی ابھی شروع ہوا تھا۔ فضا میں ہلکی سی گرمی اب محسوس ہونے لگی تھی، وہ بھی یہ علاقہ شروع ہونے کی وجہ سے۔ ورنہ ان کا میاندم تو جون جولائی میں بھی خوش گوار رہتا تھا۔ مومن نے آس پاس پہ نظر ڈالی، دور دور تک کوئی دکھائی نہ دیتا تھا۔ جگہ غیر آباد تھی۔ گارڈن کی حالت بتاتی تھی کہ اس کا باقاعدہ خیال رکھنے والا کوئی نہ تھا۔ کہیں کہیں گلاب کے پھول البتہ ابھی بھی کھلے ہوئے تھے۔۔۔ ان علاقوں میں بارشیں چونکہ زیادہ ہوتی تھیں تو باغ کی حالت اُجاڑ ویران نہ ہو پائی تھی۔

"آپ ذرا ریبا کو سنبھالیں، میں کھانا نکالتی ہوں۔" ایلیا نے بھی جگہ کا تفصیلی جائزہ لے کر ذہن میں کچھ ترتیب دیا اور اس کے نزدیک آگئی۔

مومن نے ربا کو ہاتھوں میں لیا اور ایلیا جلدی جلدی گاڑی سے سامان نکالنے لگی۔ مومن کو حیرت ہوئی کہ وہ نہ صرف کھانا بلکہ نیچے بیٹھنے کی شیٹ، ڈسپوزیبل برتن اور پانی بھی ساتھ لائی تھی۔ بچے سے ہاٹ اینڈ کول ٹفن میں روٹیاں تک گرم رکھی تھیں۔ مٹن کڑھائی بھی بہت مزیدار تھی۔ مومن کا دل چاہا ایلیاہ کو تھینکس کہے لیکن یہ انا کہاں کچھ کہنے کی اجازت دیتی ہے۔

وہ ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ خیالات ایک بار پھر کٹی پتنگ سے ہونے لگے۔ بھلا کب سوچا تھا وہ ایلیا کے ساتھ اکیلے اتنی دور کا سفر کرے گا۔ پھر اکٹھے بیٹھ کر کھانا۔ یہ قسمت بھی بندے سے کیا کیا۔

وہ غصے سے اگنیشن میں چابی گھمانے لگا۔ پتا نہیں کب تک اپنے خیالات سے جنگ لڑتا ہوگی۔ اِس تعلق میں بہت کچھ جس قدر تھا۔ اتنا زیادہ کہ۔۔۔ ہر گزرتے پل کے ساتھ اپنے آپ پہ ترس بڑھنے لگا تھا۔ زندگی اپنی تھی لیکن بسر دوسروں کو خوش رکھنے میں ہورہی تھی۔ اور اس کے علاوہ۔۔۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا اس زندگی میں۔۔۔ وہ بس آہ بھر کر رہ گیا۔

☆☆☆

تانیہ اور منصب کے گھر ایک دوسرے کے بہت قریب نکلے تھے۔ جس دن منصب نے ایک حوالدار کو ان کے ہاں ڈیوٹی پر لگایا وہ اسی شام ہی ان کے ہاں ملنے چلی آئی تھی۔ رمشہ سے مل کر تانیہ کو بہت خوشی ہوئی۔ یہاں آتے ہی اتنے قریب اسے اپنی ایک ہم عمر دوست مل گئی تھی۔ رمشہ کو اس نے بعد اصرار اپنے گھر بھی بلایا تھا۔ اور آج اس کی امی نے کیک بنایا تو وہ منصب اور رمشہ کے لیے کیک لے کر ان کے ہاں آگئی۔

"منصب کو گھر کے کیک بہت اچھے لگتے ہیں، ادھر تھانہ میں تو ہمارا بہت سادہ رہن سہن تھا، مجھے یاد ہے میمونہ نگر میں آٹے کا لیپ کرکے کیک بیک کرتی تھی۔" رمشہ اسے چائے دیتے بتانے لگی۔

"تھانہ دوبارہ جانا نہیں ہوا منصب؟" تانیہ کو خیال آیا اور کیک منہ کی طرف لے جاتے منصب کے چہرے پر عجیب سا حزن دکھائی دیا۔

کچھ دیر تک وہ بات کا جواب بھی نہیں دے پایا۔ آج کل تھانہ کے ذکر پر صرف ایک ہی شخصیت کا خیال آتا، پھر دیر تک اس کی آنکھوں کے سامنے حویلی، ارحم، وہاں کے کمرے اور ان ہی کمروں میں سے کسی ایک میں دیلہ کا نیا نیا قیام۔۔۔ وہ بے ساختہ ایک آہ بھر بیٹھا۔ جبکہ تانیہ کن انکھیوں سے اس کی بدلتی کیفیت کو بس خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔ رمشہ برتن اٹھا رہی تھی، اس نے تانیہ کو بھی کھاتے پر روک لیا اور کچن میں چلی گئی۔

"تھانہ کے ذکر میں تکلیف وہ کیا ہے منصب؟" اس نے سیدھے ہی پوچھ لیا۔

"ہوں؟" وہ چونکا، غائب دماغی سے تانیہ کو دیکھا لیکن کہا کچھ نہیں۔

"ابھی تھانہ کا ذکر چلا تو تم کہیں کھو گئے تھے۔ جیسے کوئی بات تمہیں دکھی کرتی ہو۔۔۔ ایسا کیا سوچ رہے تھے؟"

"تم خوامخواہ کہتی ہو، میں ایک ناکام سائکاٹرسٹ ہوں۔ ہاں۔" منصب ایکدم سے ہنس پڑا تو تانیہ متعجب ہوئی۔

"کیا کہہ رہے ہو؟"

"بھئی تم چہرے اتنی اچھی طرح پڑھ لیتی ہو۔ اندر کا حال بھی تم پہ بڑی آسانی سے عیاں ہوجاتا ہے، یہ تو کامیابی ہے۔"

"مطلب واقعی کچھ دکھی کر گیا تھا تمہیں۔"

"وہ چھوڑو۔۔۔ میں سوچ رہا ہوں تمہیں یہاں میانہ میں کلینک کھول لینا چاہیے۔"

"ایک شرط پر۔" تانیہ دبا دبا مسکرائی۔

"ہاں۔۔۔ کیا؟"

"میرے پہلے پیشنٹ تم ہوگے۔۔۔ وہ بھی فری آف کاسٹ۔"

"اچھا!" وہ ہنسا "تو یہ اسپیشل رعایت دوستی کی ہے یا میرے پاگل پن کی انتہا کی۔"

"تو یہ۔" تانیہ کھل کر ہنسی "بھئی وہ تو تمہارا کیس سننے کے بعد طے ہوگا۔ لیکن جہاں تک کلینک کھولنے کی بات ہے تو وہ میں بابا اور امی کی مرضی سے ڈیسائڈ کروں گی۔ اس لیے فی الحال تم اپنی کہو، کیونکہ دوست ہونے کے ناتے تمہارے چہرے کا یہ کرب مجھ سے دیکھا نہیں گیا۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ میرا دوست کس دکھ میں جلا ہے۔"

"کیا فائدہ ایسے دکھ کو شیئر کرنے کا۔ جس کا مداوا اب ممکن نہیں۔"

"چلو کوئی بات نہیں۔ تم میرا تجسس کم کرنے کے لیے ہی بتا دو۔"

تانیہ مصر رہی اور منصب اس کی ضد پر سر ہلا کر رہ گیا۔ ایک نظر کچن کی طرف دیکھا۔ رمشہ اندر مصروف تھی۔ باہر چھوٹے لان کی کھڑکی سے نرم خوشگوار ہوا اندر آ رہی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔

"باہر موسم بہت اچھا ہے۔ آؤ وہاں لان میں تھوڑی واک کرتے ہیں۔"

"ہاں ضرور!" وہ بھی فوراً اٹھی۔ منصب اس سے اپنے دل کا حال بانٹنے پر آمادہ تھا۔ وہ اس کے ساتھ لان میں چلتے اسے سننے لگی۔ جس کی مختصر کہانی چند ماہ پر محیط تھی اور اس کے بعد... ہمیشہ کی جدائی۔ دی اینڈ۔ وہ ایک گہرا سانس لے کر برآمدے کی سیڑھیوں پر جا بیٹھی۔

"یہ تم نے اچھا نہیں کیا منصب؟" اس نے سر نفی میں ہلایا "ارحم نے تمہیں غیرت دلانے کی کوشش نہیں کی، بلکہ تمہاری کمزوری کو ہاتھ میں لیا اور تم با آسانی اس کے دام میں پھنس گئے۔ تم نے بلاوجہ ارحم کی طعنہ زنی کو سنجیدہ لے لیا جبکہ وہ وقت اپنی ترجیح پہ فوکس کرنے کا تھا۔ تمہارے لیے تمہاری محبت زیادہ اہم تھی یا ارحم کے طعنے... پھر سب سے اہم بات کہ اس شخص کی ذہنیت تم دیکھ رہے تھے کہ کیسی ہے تم نے اپنی محبت کو اسی کے حوالے کر دیا۔"

"تم اس وقت کا اندازہ نہیں لگا سکتیں۔" منصب نے تانیہ کے ردعمل پر سخت بے بسی محسوس کی، وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا وہ الٹا اسی کو الزام دے سکتی ہے۔ "بات صرف ذات پات یا اونچ نیچ کی ہوتی تو میں قطعاً اس کے طعنے برداشت نہ کرتا۔ بحیثیت مسلمان ذات پات کا فرق بے معنی ہے۔ لیکن میں ان کے احسانوں کا کیا جواب دیتا۔ آج میں اس مقام پر ان کی وجہ سے ہوں۔ تم ایک خوش حال گھر سے تھیں تانیہ، اس لیے اتنے اچھے اسکول میں پڑھ رہی تھیں اور میں ایک غریب گھر سے تعلق رکھنے کے باوجود تمہارا کلاس فیلو تھا تو اس کی وجہ بھی لوگ تھے۔ ارحم کی دادی نے میرا داخلہ شہر کے سب سے اچھے اسکول میں کروایا تھا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اگر میں کسی عام اسکول میں پڑھتا تو اس مقام تک نہ پہنچ سکتا۔ یقیناً میں تب بھی اتنا محنتی ہوتا۔ لیکن یہ بات میں ارحم کو نہیں سمجھا سکا۔ اس کے نزدیک یہ اچھے اسکول اور ان کی میری تعلیم پہ لگائی دولت کی وجہ ہے۔ احسان فراموشی کا طعنہ بہت تکلیف دہ تھا۔"

"ہاں شاید..." تانیہ بھی چپ ہو گئی "بس دعا ہے وسیلہ وہاں خوش ہو، جو اس کا نصیب تھا اسے مل کر رہتا تھا۔"

"ہاں آمین۔" وہ میانڈم کی اونچی چوٹیوں کو دیکھتے پھر کھو سا گیا۔

☆☆☆

"کوئی... دکھائی نہیں دیتا۔" مومن نے بڑے سے پھاٹک کے آس پاس گھوم کر دیکھا۔ دونوں گاڑی سے اتر آئے تھے۔ ریا بھی جاگ گئی تھی اور مندی آنکھوں سے سر گھما رہی تھی۔

"میں اندر چلی جاؤں؟" ایلیا نے اجازت چاہی، اور مومن سوچ میں پڑ گیا۔

"دروازہ بجانا چاہیے۔ کوئی نہ کوئی خود ہی باہر آ جائے گا۔"

"ایک منٹ۔" ایلیا نے آگے بڑھ کر پھاٹک

کے چھوٹے دروازے کو ہلکا سا دبایا تو وہ کھلنے لگا۔ اس نے پلٹ کر موسن کو دیکھا

"میں اندر جاتی ہوں، پھر آپ کو بٹھانے کے لیے کسی کو بھیج دوں گی۔" وہ کہہ کر اندر داخل ہو گئی جبکہ موسن سوچتا رہ گیا کہ بلا اجازت اندر نہیں جانا چاہیے تھا۔ جبکہ وہ اندر آئی تو سامنے ایک بڑا سا صحن تھا۔ دائیں ہاتھ کے پورشن کی اس کی طرف سائیڈ تھی۔ بالکل سامنے لمبا برآمدہ اور لائن میں بنے کمرے جو آگے چل کر گولائی رخ پہ گھوم رہے تھے اور بائیں ہاتھ پر اونچے دو بڑے نئی طرز کے کمرے۔ وہ آہستہ روی سے چلتے سامنے کے برآمدے تک پہنچی۔۔۔

"مر نہیں جائے گی، ایک پورا دن کچھ کھاتے پیتے کو مت دینا۔"

غصے بھری بارعب آواز شہناز تائی کی تھی اس نے کمرے میں جھانکتے ہوئے ہلکا سا دروازہ بجایا تو ایک ملازمہ نکلی۔ نظر ایلیا پر پڑی تو ہاتھ میں پکڑی ٹرے زمین پہ چھوٹ گری۔ خوف سے مسرت کی آنکھیں پھٹ سی گئی تھیں۔ وہ شادی میں مدعو تھی اس لیے ایلیا کو پہچانتی تھی۔ شہناز نے برتن گرنے کی آواز پر کمر سیدھی کرتے رخ بدلا تو نظر ایلیا پر پڑی اور وہ بدحواس ہو کر اٹھ بیٹھی۔

"تت۔۔۔ تم۔۔۔ یہاں؟"

"السلام وعلیکم!" وہ مسکرا کر پوری اندر داخل ہوئی لیکن شہناز کے چہرے پر جوابی مسکان پیدا نہ ہو سکی، حتیٰ کہ بڑی دیر تک سلام کا جواب بھی سوجھ نہیں پایا۔ ذہن اس خرابے سے نمٹنے کی جنگ کرنے لگا تھا

"و۔۔۔۔۔۔ وعلیکم السلام۔۔۔۔۔۔" مسرت نے ٹرے نیچے سے اٹھا کر بی بی کو دیکھتے ایلیا کے سلام کی جانب متوجہ کیا۔

"وعلیکم اسلام۔۔۔ آؤ۔۔۔ آؤ۔" شہناز نے بھی سلام کا جواب دیتے آگے بڑھ کر ایلیا کو گلے لگایا اور پیٹھ کے پیچھے سے مسرت کو باہر جانے کا اشارہ بھی کر دیا۔ ابرو تہہ خانے کی طرف اٹھایا اور وہ کچھ سمجھتے کچھ نہ سمجھتے باہر نکل گئی۔

"کون کون ہے ساتھ؟" شہناز کو نئی فکر نے ستایا۔

"جی۔۔۔ وہ موسن ہیں باہر۔"

"آں۔۔۔ اچھا اچھا۔۔۔" وہ جلدی سے اسے چھوڑ کر باہر نکلی۔

"اے مسرت۔۔۔ یہ ایلیا کا شوہر ہے، اس کو مردانے میں بٹھا دو۔"

"جی بی بی!" مسرت سر ہلاتی پھاٹک کی طرف بڑھ گئی۔ مردانے کا ایک دروازہ ڈیوڑھی میں کھلتا تھا۔ وہ کسی ملازم کو آواز دے کر موسن کو اس کے ساتھ سامنے کے حصے کی طرف روانہ کر دیتی۔ پھر تو اندر صرف اس ایلیاء سے ہی نمٹنا تھا۔ وہ بی بی شہناز با آسانی کر سکتی تھی۔

"دادی امی ہیں گھر پہ؟" ایلیا نے سوالیہ تائی کی طرف دیکھا

"تمہاری۔۔۔ دادی۔ وہ۔۔۔" شہناز نے اچانک سوال پر سوچنے کا وقت لیا۔ دل تو قطعی نہیں تھا اسے دادی سے ملوانے کو۔ لیکن وہ اچانک اس طرح آ گئی تھی کہ اب اسے اماں سے چھپانا بھی مشکل تھا۔

"ہاں، گھر پر ہی ہیں۔۔۔ بس آرام کر رہی ہوں گی۔ طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔" شہناز کو بتانا ہی پڑا کہ اس کے سوا چارہ نہیں تھا۔

"آ۔۔۔ آپ کچھ کہہ رہی تھیں۔۔۔ اس وقت۔۔۔" ایلیا کا دماغ ابھی تک اس پہلے جملے میں اٹکا تھا۔"

"کس وقت۔۔۔ کیا؟" شہناز کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔

"وہ۔ آپ کہہ رہی تھیں۔ کہ اسے سارا دن بھوکا رکھا جائے سب خیریت ہے، یہ کس کی بات ہو رہی تھی؟" وہ پوچھے بنا رہ نہیں سکی تو خود کو روکا بھی نہیں اور شہناز کا چہرا کچھ دیر کے لیے پورا اتر گیا۔ ایلیا نے اس کی ساری بات سنی تھی اور اس کا ہر ہر لفظ قابل

گرفت تھا۔ خود کو کیسے بچائے۔

"اور کون ایلیا بی بی!" مسرت ہنستی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ دونوں بھی چونک کر دیکھنے لگیں "اپنا گائے کا بچھڑا ہے نا۔ سونا۔ بہت بدمعاش ہو گیا ہے۔ صبح سویرے رسی تڑا کر ایسا بھاگا، پورے صحن کا ستیاناس کر دیا۔ ہر چیز اتھل پتھل۔ بس اسی لیے بی بی کو غصہ آ گیا۔"

"اوہ" ایلیا نے مزید تبصرہ نہیں کیا۔ اور شہناز بھی پھیکا سا ہنس دی۔ مسرت نے بروقت بچا لیا تھا۔ ان کا اپنا دماغ تو جلد ہی ہو گیا تھا۔ دیبلہ نے پچھلی شام مسرت پر حملہ کر کے اسے نیچے گرا دیا تھا اور خود تہہ خانے سے بھاگنے کی کوشش کی تھی سو وہ تو مسرت نے بروقت اسے جا لیا تھا ورنہ وہ باہر نکلنے میں تقریباً کامیاب ہو چکی تھی اور اب یہ اس کی بہن جو اچانک ان کے سروں پر آ دھمکی تھی۔ جانے کیسا دن ابھرا تھا آج کا۔ ابھی تو یہ ایلیا اپنی دادی سے ملنے پر بھی تلی بیٹھی تھی۔ شہناز کا دماغ مسلسل سوچ بچار میں لگا تھا۔

"کھانے کا کچھ بندوبست کرو مسرت!"

"نہیں شکریہ تائی جی! کھانا ہم کھا کر آئے ہیں۔ میں بس دادی جان سے مل لوں۔ اور۔۔۔ اگر دیبلہ آپی سے بات ہو جاتی، وہ سنیں گی تو بہت خوش ہوں گی۔۔۔ میں نے آتے ہوئے بہت بار ان کا نمبر ملایا، آج کل تو بالکل ہی کال پک نہیں کرتیں۔"

"ہاں، وہ اصل میں ادھر چترال میں سگنل بالکل نہیں ملتے۔۔۔ ہم بھی سارا دن کالیں ملاتے رہتے ہیں۔ ارحم کو باہر کہیں سگنل مل جائیں تو بات کر لیتا ہے۔ دیبلہ بے چاری سے تو بہت کم ہی بات ہو پاتی ہے۔" شہناز نے فوراً قصہ سنایا کہ یہ بہانا تو اس نے بہت پہلے سے سوچ رکھا تھا۔

"امی کہہ رہی تھیں، اگر ارحم بھائی اپنے کام میں زیادہ بزی ہیں۔ تو دیبلہ آپی کو ہی کچھ دن کے لیے میکے بھیج دیں۔"

"ہاں ہاں۔۔۔ کیوں نہیں۔۔۔ یہی بات تو کتنی مرتبہ میں بھی ارحم سے کہہ چکی۔۔۔ بس اب نئی نئی شادی ہے۔ کتنا اصرار کروں، ارحم کا ابھی دل نہیں مانتا۔" وہ رواں ہوئیں تو باتوں میں سے بات بھی نکالتی گئیں۔ اپنی شروع شروع کی بوکھلاہٹ کا بھی کچھ ازالہ کرنا تھا۔

"میں دادی جان سے مل لوں؟" ایلیا کو دادی کی راہ دیکھتے بھی بہت وقت ہو گیا تھا۔

"ہاں۔۔۔ آؤ۔" وہ اسے ساتھ لیے باہر نکلیں اور برآمدے کے آخری کمرے کا دروازہ کھولا۔ دادی سامنے پلنگ پر لیٹی تھیں۔ ایلیا کو دیکھا تو دیر تک یقین ہی نہیں کر پائیں۔ اسے ساتھ لپٹا کر چومتی اور روتی رہیں۔ دیبلہ کے حویلی کی بہو بننے سے تو کچھ حاصل نہیں ہوا تھا۔ انہیں تو یہی لگتا کہ رضوانہ اپنی بیٹیوں سمیت میا عدم میں ہے۔ دیبلہ کے قدم تو یہاں پورے پڑے ہی نہ تھے۔

"کیسی ہیں دادی؟ آپ تو ہمیں یاد ہی نہیں کرتیں۔" وہ ان کے گلے لگ کر رو پڑی، "ہم تو سوچتے تھے دادی اب ہمارے پاس رہا کریں گی، لیکن آپ کے پاس تو کال پر بات کرنے کا وقت بھی نہیں۔"

"کیسی باتیں کرتی ہو۔" وہ اسے بھینچ رہی تھیں۔ اب وہ اسے کیسے بتاتیں، یہاں کال کرنے پر ان پہ کتنی پابندیاں ہیں۔

"مجھے موبائل کا استعمال آتا تو کیا ہو سکتا ہے کہ تم سب سے بات نہ کرتی۔"

"آپ کے پاس موبائل نہیں ہے اپنا؟" وہ رونا بھول کر انہیں دیکھنے لگی۔ یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔ دادی نے اسے پیار سے تھپکا۔

"وہ تو خیر اتنا ضروری نہیں ہے۔ دیکھو، تم یہاں آ گئیں، حال احوال کر سکتے ہیں نا۔" انہیں شہناز کے گھورنے کا احساس تھا تب ہی بات بدلی۔

"دادی، دیبلہ کیسی تھی۔۔۔ مطلب جب یہاں آئی؟ اداس تو نہیں تھی، ہم سب کے بغیر؟"

"پتا نہیں بیٹا۔۔۔ اتنی جلدی اس کا یہاں سے

جاتا ہوا۔ میری تو دوسری ملاقات ہی نہیں ہوئی۔

"اچھا۔" وہ زیادہ تبصرہ نہیں کر پائی۔

شہناز تائی نے ادھر اُدھر کی باتیں چھیڑ دیں۔ پھر مسرت چائے لے کر آ گئی۔ ایلیا نے باتوں کے دوران ایک بار پھر وسیلہ سے بات کرنے کی خواہش کی لیکن تائی نے جواباً وسیلہ کا نمبر ملا کر فون اس کے کانوں سے لگا دیا۔

"خود ہی سن لو، موبائل اس کا بند آ رہا ہے۔"

لہجہ کچھ ترش سا تھا۔ شہناز نے سوچ لیا تھا کہ وسیلہ سے بہن کی کم از کم آج ایسی صورت حال میں تو وہ ہرگز بات نہیں کروائے گی۔ وسیلہ تو جیسے ہی یہ سنتی کہ مومن اور ایلیاء حویلی میں موجود ہیں، جذباتی ہو کر کچھ بھی الٹا سیدھا بول سکتی تھی۔ یہ تو رسک لینے والی بات تھی، اور وہ یہ رسک ہرگز نہیں لے سکتی تھی۔

اِدھر ایلیا کو بھی چپ لگ گئی۔ تائی شہناز کو اس کی کال کرنے کی بات اچھی نہیں لگ رہی تھی کہ نمبر بھی بند آ رہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہو گئی۔ بلاوجہ آپی کی ساس کو خفا کر دیا تھا۔ کچھ دیر بعد مومن کی کال آنے لگی۔ وہ اسے واپس بلا رہا تھا۔ اور وہ ریا کو اٹھائے باہر نکل آئی۔ تحائف اس نے پہلے ہی تائی کے حوالے کر دیے تھے۔

☆☆☆

"یہ لوگ اچھے نہیں ہیں۔" ایلیا کی آنکھیں پانی سے بھری تھیں۔ دل سے اچانک ایک آواز آئی اور اُس نے اپنا خدشہ بنا کسی لگی لپٹی کے مومن پہ ظاہر کر دیا۔

"مطلب؟" مومن نے بے ساختہ کار کو سائیڈ پر روکا۔ ہاتھ اسٹیرنگ پر تھے اور نظریں ایلیا پر۔ جس نے مومن کی طرف دیکھنے کے لیے نظریں اٹھائیں تو پلکوں پہ جمع شدہ پانی گالوں پر بہہ آیا۔

"تائی شہناز نے اپنے بچھڑے کو صرف اس لیے پورا دن بھوکا پیاسا رکھا کیونکہ رسی تڑوا کر اس نے گھر میں توڑ پھوڑ کر دی تھی۔ جو لوگ بے زبان جانور کے ساتھ ایسا سلوک کریں۔" وہ رونے لگی۔ اور مومن نے اپنا ہاتھ بے ساختہ اس کے بالوں پہ پھیرا۔

"یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ سرکش جانوروں کو قابو میں لانے کے لیے کئی ٹوٹکے آزمانے پڑتے ہیں۔" وہ جانتا تھا ایلیا کا دل بہت نرم ہے۔ اسے اپنی پہلی شادی کا واقعہ یاد آ گیا جب ایلیا نے جوتوں کے ڈبے میں بلی کے بچے ڈال دیے تھے۔

"اور کیا باتیں ہوئیں۔۔۔؟ وسیلہ کے متعلق۔۔۔ کیا کہا؟"

مومن تمام وقت مردانے میں بیٹھا رہا تھا اور وہاں بھی ملازم اور منشی ٹائپ لوگ تھے۔ اندر کے حصے میں اُسے بلایا ہی نہیں گیا۔ وہ وسیلہ کا ماموں زاد تھا اور ان کے نزدیک حویلی والوں کا سگا نہیں لگتا تھا۔ مومن نے بھی ایلیا کو ساتھ لانے پر دل میں شکر ادا کیا۔ وہ یقیناً تنگ نظر قسم کے لوگ تھے۔

"بس یونہی معمول کی باتیں، پھر دادی سے ملنا ہوا۔ وہ بھی یہاں خوش نہیں لگتیں، لگتا ہے سارا دن اپنے کمرے میں اکیلی پڑی رہتی ہیں۔"

"تم دادی سے کہتیں نا، کہ ہمارے ساتھ چلیں۔"

"جی کہا تھا۔ اور وہ تو فوراً تیار بھی ہو گئی تھیں۔ بہت خوش ہوئیں میری بات سن کر لیکن تائی نے کہا کہ مجھے اکیلا چھوڑ کر آپ کیسے جا سکتی ہیں۔ ارحم بھی یہاں نہیں ہے میں کبھی اکیلے نہیں رہی۔ اس بات پر دادی چپ ہو گئیں۔"

"ہوں۔" تیکھورہ آ گیا تھا، مومن نے گاڑی کو بازار میں ایک سائیڈ پر پارک کیا۔

"چاہو تو اپنے اور بچوں کے لیے شاپنگ کر لو یہاں سے۔"

"شاپنگ! ایلیا نے تعجب سے دیکھا" کیا لوں؟"

"موسم اتنا تبدیل ہوا ہے، بچوں کے لیے ہلکے کپڑے خرید سکتی ہو، اپنے لیے بھی لے لو۔"

"بچوں کے تو لینے ہیں، کچھ تو چھوٹے ہو گئے

ہیں، کچھ بہت گرم تھے، وہ رکھ دیے ہیں۔" وہ جیسے ساتھ ساتھ سوچ رہی تھی۔

"اور مجھے تو بالکل نہیں چاہئیں۔ تحریم اور دیلیہ کے سب ہی کپڑے میں نے اور فیروزہ نے بانٹ لیے تھے۔ بہت زیادہ ہیں۔ آں۔۔۔ لیکن۔۔۔ وہ۔۔۔ آپ کے کپڑے لینے ہیں۔" اس نے سر اٹھا کر مومن کو دیکھا تو اس نے حیرت سے دیکھا۔

"میرے کپڑے؟"

"جی۔۔۔ وہ آپ کی وارڈروب میں زیادہ تر جینز شرٹس لگی ہیں، اور ابھی تو گرما آرہا ہے۔ آپ کے قمیص شلوار ہونے چاہئیں، آفس میں بھی کبھی پہنا کریں، میں تو کہتی ہوں ساتھ۔۔۔ واسکٹ بھی ہو۔" وہ روانی سے بولتے آخر میں بالکل دھیمی پڑ گئی۔ مومن اس کی صلاح سے چڑ بھی سکتا تھا۔

"ہوں...... چلو۔" اس نے گاڑی بند کردی۔

اور وہ اس خاموش رسپانس پر بھی شکر بجالائی۔ مومن نے اپنے لیے صلاح مشورے سے چار قمیص شلوار اور دو واسکٹ خرید لیں، ربا اور عالی کے کپڑے بھی مل کر پسند کیے۔ چار بجے کے قریب گھر کے لیے روانہ ہوئے اور مومن نے ایلیاء کو خصوصی تنبیہ کی کہ وہ پھوپھو اور امی کے سامنے نہ تو روئے گی اور نہ ہی دیلیہ کی سسرال کے حوالے سے کوئی منفی بات کرے گی۔

"جی مجھے پتا ہے۔"

"شکر ہے تمہیں کچھ تو پتا ہے۔" وہ بس دل میں سوچ کر رہ گیا۔

☆☆☆

"زندگی بہت کٹھن ہے سویٹ ہارٹ، بے جا نری خود اپنے ہاتھوں اپنا قتل کروانے کے مترادف ہے، سخت بننا سیکھیں۔"

کسی بے رحم کے سچے وار دل میں تیر سا پیوست ہو رہے تھے۔ دیلیہ نے سختی سے آنکھیں میچیں تو پلکوں پہ جمع شدہ پانی گردن تک اتر گیا۔ وہ گھٹنوں پیٹ سے لگائے، ایک ہی حالت میں آلتی پالتی مارے سامنے فرش کے ٹائل کو گھور رہی تھی۔ آگے بھی جانے کتنا وقت مزید گزر سکتا تھا۔ اس کی زندگی کو تو ایک کمرے تک محدود کردیا گیا تھا، اس کی سوچیں جیسے ایک نقطے میں سمٹ گئی تھیں۔

پچھلے دنوں اس نے مسرت کو دھکا دے کر گراتے تہہ خانے سے نکلنے کی کوشش کی تھی۔ اسے لگا اپنے بچاؤ کے لیے کوئی نہ کوئی تدبیر تو کرنی ہی پڑے گی۔ اور مسرت پر حملہ اسی سوچ کا نتیجہ تھا لیکن اس ہٹی کٹی مضبوط عورت پر دیلیہ کا داؤ نہیں چل پایا۔

مسرت نے اسے دوپٹے سے باندھ دیا اور شہناز تائی کو بلا لائی۔ بھاگنے کا سن کر اس پر غصے کا بھوت سوار ہو گیا۔ بندھی ہوئی دیلیہ کو اس رات چمڑے کی بیلٹ اور چھڑیوں سے مارا گیا۔ وہ چلا چلا کر اسے اس کی اوقات یاد دلا رہی تھیں۔ اسے اس رات یونہی بندھا رکھا گیا تھا۔ اگلے روز اس کا کھانا پینا بند کردیا گیا۔ شام ہونے تک وہ نڈھال ہو کر بھوکی پیاسی وہاں بیٹھی رہی۔ بجلی اس دوران کئی بار اس کے نزدیک آئی اور معلوم نہیں اس کے دل میں کیا سمائی کہ شام کو اس نے دیلیہ کے ہاتھ پیر کھول دیے۔ وہ بے دم ہو کر گری تو نجانے کتنا وقت گزر گیا۔ رات کو مسرت کھانا دینے آئی تو ساتھ شہناز تائی بھی تھیں۔ اور انہوں نے آتے ہی اسے اطلاع دی کہ آج اس کی بہن اور بہنوئی آئے تھے۔ دیلیہ کچھ دیر تک خالی خالی نظروں سے تائی کو دیکھتی رہی "بہن" سن کر کیسا لگا، وہ بہت دیر تک کچھ ہی نہیں پائی۔ بڑی دیر بعد آنکھ سے آنسو لڑھکا اور اس نے سر اٹھا کر تائی کو دیکھا

"مجھے اپنی بہن سے ملنا ہے۔"

"بہن سے ملنا ہے۔۔۔؟" وہ اس کے نزدیک آئیں۔

"ایسے کیسے۔" وہ پہلے تو ہنسیں پھر اس کے بال ہاتھوں میں جکڑ کر اس کا سر اٹھایا تو آنکھوں میں وحشت نظر آئی تھی "ایسے کیسے دیلیہ بیگم۔۔۔ پہلے اس حال تک تو پہنچو۔" شہناز نے ابرو سے گلناز کی طرف

اشارہ کیا، "ابھی تو سفر بہت لمبا ہے۔"

"مجھے میری امی سے ملنا ہے۔" وہ ہچکیاں لے کر رونے لگی۔ "آپ کو اللہ کا واسطہ مجھ پر رحم کھائیں۔"

"جیسے تمہاری ماں نے اس پر رحم کھایا۔" وہ چلا اٹھیں۔

"کیا کیا ہے میری امی نے...... وہ تو خود بہت دکھی ہیں۔"

"ہاں یہ بھی میری بددعا لگی ہے اسے۔ ایک ایک کر کے اسے سب ہی بیٹیوں کا درد دیکھنا ہوگا۔"

"بے قصور کو بددعا نہیں لگتی۔" وسیلہ نے چبھتی نظروں سے تائی کو دیکھا۔

"بے قصور ہو تب نا۔" شہناز چیخیں "یہ بھی میری ہی ہائے تھی جو ایک کے بعد ایک اللہ اسے بیٹیاں دیتا گیا۔ بیٹے سے زندگی بھر محروم ہی رہی۔ اور آگے بھی درد جھیلے گی۔ جب تک میری بہن کا یہ حال ہے۔"

"بس کریں تائی۔ آپ بہت پچھتائیں گی ایک دن۔ یاد رکھیے، آپ پچھتائیں گی۔" وہ پیچھے چلاتی رہ گئی اور شہناز سیڑھیاں چڑھتے باہر نکل گئی۔ ایک بار پھر اس پر تہہ خانے کا دروازہ بند کر دیا گیا۔

☆☆☆

وہ اس وقت آفس جانے کی تیاری کر رہا تھا جب چھوٹے کمرے سے ریا کے رونے کی آواز آئی۔ اس کا ہاتھ برش کرتے کچھ دیر کے لیے رکا پھر یہ سوچ کر کہ ایلیا جاگ جائے گی اپنے کاموں میں لگا رہا، لیکن کچھ دیر بعد پھر ریا کے رونے کی آواز سنائی دی۔

وہ اس وقت لیپ ٹاپ اٹھائے کمرے سے نکلنے ہی والا تھا کہ بس اچانک ایک خیال آیا تو تیز قدموں سے کمرے میں آیا۔ اس کا خیال واقعی ٹھیک تھا۔ ایلیا اپنے پلنگ پر بے سدھ سو رہی تھی۔ ریا کے رونے پر بھی اس کی آنکھ نہیں کھلی تھی۔ مومن نے آگے بڑھ کر جلدی سے ریا کو بازوؤں پہ اٹھایا، اور کمرے سے باہر نکل کر اسے امی کے حوالے کر آیا۔

یہ خیال اسے اچانک ہی آیا تھا کہ رات وقفے وقفے سے عابی کے رونے کی آوازیں اسے سنائی دیتی رہی تھیں۔ شاید اس کے پیٹ میں پھر درد تھا۔ مومن نے سوتی جاگتی کیفیت میں بہت بار ارادہ کیا کہ جا کر دیکھ آئے لیکن نیند اتنی غالب تھی کہ اٹھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ اور اب ایلیا کے بے خبر سونے پر احساس ہوا کہ رات یقیناً وہ عابی کی وجہ سے بہت ڈسٹرب رہی تھی۔ اور ریا کے رونے پر وہ نہیں چاہتا تھا کہ ایلیا بے آرام ہو۔

ریا کو امی کے حوالے کر کے وہ واپس اپنے کمرے میں آیا۔ جیبیں ٹٹول کر ہر چیز کی تسلی کی، اب بس آفس کے لیے نکلنے کا ارادہ تھا، تب ہی اچانک ایلیا بوکھلا کر اپنے کمرے سے نکلی۔

"ریا۔ ریا!" وہ بدحواس سی باہر نکل رہی تھی، نیند بھی جیسے پوری نہیں کھلی تھی، پریشانی اور نیم جاگی حالت میں سر کو تھاما۔ مومن نے آگے بڑھ کر اسے کندھوں سے سنبھالا۔

"ایزی ایلیا...... اے ایک منٹ......" وہ اسے کرسی پر بٹھانے میں کامیاب ہو گیا۔ "ریا ٹھیک ہے۔ امی کے پاس ہے۔"

"اوہ!" اس نے سر کو ہاتھوں پہ گرایا "بتا تو دیتے، میں مارے پریشانی کے بے ہوش ہونے والی تھی۔"

"بجائے بے ہوش ہونے کے اب تم ان کے غائب ہونے کی عادت بنانا شروع کرو، ان کو ویسے بھی پر لگ چکے ہیں، کسی دن خود بھی نکل جائیں گے۔"

مومن کے چہرے پر ہلکی مسکراہٹ آئی۔ عابی اور ریا آج کل سارا دن واکر میں دوڑتے دکھائی دیتے اور کرالنگ کرتے کئی بار کمرے سے باہر نکل چکے تھے۔

"جی ہاں، کل عابی کارٹ سے اترنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کارٹ پورا ایک سائیڈ کو الٹ گیا۔ وہ تو شکر ہے نیچے قالین پہ کشن رکھے تھے جو اس کو چوٹ نہیں لگی۔" ایلیا اب مکمل جاگ گئی تھی۔ بال

سمیٹ کر جوڑا لپیٹا اور دوپٹہ سر پر اوڑھ لیا۔

"اوہو!" مومن نے ہونٹ سکیڑے "مطلب اب کارٹ میں رُکنا زیادہ خطرناک ہے۔ رات کو تو اور زیادہ دھیان رکھنا ہوگا۔"

"جی، مجھے بھی اسی بات کی فکر ہے، پہلے ماسی رہتی تھیں ساتھ۔ اب تو۔" چپ ہوگئی۔

"ہاں نا۔۔۔ سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا پہلے۔۔۔ اب تو ہم زیادہ مشکل میں آگئے ہیں۔" مومن کا اپنا موڈ آف ہوگیا" کہیں دیتے تھے نا ایسے اُلٹے مشورے۔ اسی کو اچانک ہماری پرائیویسی کا احساس ہوگیا ہے۔"

"میرا مشورہ تھوڑی تھا۔" وہ بھی چڑ گئی "ماسی کی صلاح تھی، مجھے تو مجبوراً ماننا پڑی، میں بھی پہلے والے حالات میں خوش تھی۔"

"ہاں لیکن سوچنے کا موقع تو تم نے بھی نہیں دیا، جھٹ سے ہاں کہہ دی، پہلے بندہ ہر معاملے کی اونچ نیچ پہ غور کرتا ہے۔" وہ آفس جانا بھول کر بحث پہ اتر آیا۔

"مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ ماسی ہمارا ساتھ چھوڑ جائیں گی۔" وہ سخت پشیمان لگ رہی تھی۔

"ہاں اور دوہری مشکل یہ ہے کہ اب ہم ان کا ساتھ مانگ بھی نہیں سکتے۔"

"کیوں نہیں مانگ سکتے۔۔۔ وہ چاہیں تو اب بھی میرے پاس واپس آسکتی ہیں۔"

"تمہیں کچھ عقل ہوتی تو تمہارے یہ فیصلے ہوتے۔" اس نے گھور کر دیکھتے لیپ ٹاپ اٹھایا۔ "امی سے کچھ مت کہنا، آگے سے انہوں نے ایسے ایسے سوال کرنے ہیں تمہارے بچے کھچے ہوش بھی اڑ جائیں گے۔" آخر میں وہ استہزائیہ ہنسا اور ایلیا نے ہونٹ سکوڑ کر اس کی پیٹھ کو دیکھا۔

"کبھی کوئی اچھی تصویر نہیں دکھائیں گے۔ بس الٹا بولنا آتا ہے۔" وہ اسے اگنور کر کے صوفے سے کپڑے اٹھانے لگی۔

"آج کچھ کرتے ہیں اس معاملے کا، آخر میری اولاد ہیں۔" وہ اونچی آواز میں سناتے باہر روانہ ہوگیا اور اس نے ہنکارا بھرا۔

"ہاں جیسے میرے تو کچھ نہیں لگتے۔"

☆☆☆

"آج ایلیا ملی تھی بازار میں۔" رمشہ نے کھانا سامنے رکھتے عام انداز میں مطلع کیا۔

منصب نے چونک کر دیکھا۔ ایلیا کا نام وہ پہلے بھول جایا کرتا تھا لیکن اب سب یاد تھا۔ آنکھوں میں مزید کچھ جاننے کا سوال تھا۔ رمشہ وہیں سامنے بیٹھ گئی

"میں نے رابطہ نہ رکھنے پر بہت معذرت کی، اپنی مجبوری بتائی اور۔" وہ کچھ دیر رکی "دیلہ کا پوچھا۔"

"ہوں۔۔۔۔" منصب کا ہاتھ کھانے کی طرف نہ بڑھ سکا۔

"بہت اداس تھی۔۔ کہتی ہے دیلہ آپی کی صورت تک کو ترس گئے ہیں۔ جس دن سے بیاہ ہوا ہے وہ واپس نہیں لوٹیں۔"

"اب تک۔۔۔۔؟" منصب از حد حیران ہوا۔ اس کی شادی کی تاریخ تو دل پہ لکھی تھی۔ "دو ماہ بعد بھی۔۔۔"

"مجھے بھی بہت عجیب لگا سن کر۔۔۔ بتا رہی تھی، اس کا شوہر اسے اگلے ہی روز چترال لے گیا تھا اور وہاں سے ابھی تک واپسی نہیں ہوئی۔"

"چترال کیوں؟" منصب کو سوال کے دوران ہی کچھ یاد آیا۔

"ارحم خان نے شاید وہاں کوئی کام شروع کیا ہے۔"

"کام۔۔۔۔؟" منصب کے لہجے میں بے یقینی تھی۔ "یہ تو سردار ہیں اپنے علاقے کے، زمینوں کی کمائی ہے، کام کیا کرنا ہے۔"

"معلوم نہیں۔۔۔۔ ایلیا تو یہی بتا رہی تھی۔۔۔ اور ۔ایلیا کی بھی شادی ہوگئی ہے نا، بلکہ بتا رہی تھی دیلہ اور اس کی شادی ایک ہی دن ہوئی تھی۔" رمشہ نے

مزید بتایا۔

"اچھا۔۔۔ وہ تو بہت کم عمر نہیں تھی، مجھے تو کچھ۔"

"ہاں اٹھارہ انیس کی ہے شاید، اور جانتے ہو اس کی شادی کس سے ہوئی ہے۔"

"ہوں ہوں؟" وہ بغور سن رہا تھا۔

"ان کے کزن مومن سے، تحریم کا شوہر، مطلب بہنوئی۔"

"او۔۔۔۔۔ مومن۔۔۔۔۔" منعب کو اس بات پر بھی سخت تعجب تھا۔

"اچھا۔۔۔۔۔" وہ ہنس دیا "عمر کا فرق ویسے اپنی جگہ لیکن بندہ وہ بہت نائس ہے۔ کاش ارحم خان کے بارے میں بھی ہم یہ کہہ سکتے۔"

"کسی کے بارے میں ہم کون ہیں کچھ کہنے والے۔"

"ہاں، بس ہماری تو دعائیں ہیں، بہت ساری۔" وہ بھی ایک ٹھنڈی آہ بھرتے وہاں سے اُٹھ گئی اور منعب نے اس کے کچن میں داخل ہونے کا انتظار کیا جونہی پانی کا شور اور برتنوں کی آواز سنائی دی۔ اس نے ایک نمبر ملا کر موبائل کان سے لگایا۔

"ارے منعب۔۔۔۔۔ واہ آج تو صاحب لوگوں کا فون آ گیا۔" راشد نے شوخی سے آغاز لیا۔

"بکواس مت کرو۔ تمہارا نمبر تو جب بھی ملاؤ، دوسری لائن پر بزی آتا ہے۔"

"بس یار آج کل بارگین کا سارا کام سمجھو فون پر ہی نمٹ رہا ہے۔ مارکیٹ کی دکان جب سے چھوٹی ہے۔ بائیکس ساری گھر پر ہی ہوتی ہیں۔"

"کہیں اور کوشش کرو دکان کی۔"

"ہاں بس اسی کام میں لگا ہوں۔ بابا کے کچھ پلاٹس ہیں۔ ان کو بیچ کر وہ سٹی میں میرے لیے ذاتی شاپ خریدنا چاہتے ہیں۔"

"واہ۔ یہ تو بہت اچھی سوچ ہے۔ کوئی زبردست سی لوکیشن مل جائے تو تمہارے کام کو چار چاند لگ جائیں گے۔"

"بس یار دعا کرو، اور تم سناؤ، وہیں میانعم میں؟"

"ہاں ابھی تو ادھر ہی ہوں۔ تم سے ایک انفارمیشن لینی تھی، لیکن اپنے تک ہی رکھنا۔"

"حکم کرو ایس پی صاحب۔۔۔ اور یہ رازداری کی نصیحت مجھے نہ ہی کیا کرو، تم جانتے ہو میں کہیں بات نکالنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"ہوں جانتا ہوں۔" منعب کو اس پر آنکھیں بند کر کے بھروسا تھا۔ "دراصل مجھے ارحم خان کے متعلق پوچھنا تھا۔ سنا ہے شادی ہو گئی اور آج کل چترال میں ہوتا ہے۔"

"ہاں سنا تو میں نے بھی ہے۔ شروع شروع میں کچھ دن ڈیرے پر جانا ہوا، سوچا دھوم دھام سے ولیمہ ہوگا ہمیں بھی دعوت ملے گی، لیکن وہ تو دلہن رخصت کروا کے لایا اور بس غائب۔۔۔ دوبارہ تو کسی نے دیکھا ہی نہیں ہے۔"

"اور مجھے تو یاد پڑتا ہے، اس نے کسی چترالی لڑکی کے قصے سنائے تھے تم دوستوں کو؟"

"ہاں، بالکل۔۔۔ یاد نہیں، ایک بار سب کے بیچ ذکر چھڑا تھا اور اس کے دوست افسر نے بتایا تھا کہ بہت جلد چترالی کافرستانی بھابی آنے والی ہے۔"

"تو۔۔۔ پھر۔۔۔۔ وہ ملی اس کو۔۔۔۔۔؟"

"نہیں یار۔ شادی تو سنا ہے اپنی چچازاد سے کی ہے۔"

"ہوں۔۔۔۔ اگر ایسا ہے تو وہ اپنی چچازاد کو چترال کیوں لے گیا ہے؟ اور آخر چترال ہی کیوں۔" منعب کے ماتھے پر سوچوں کا جال بُنا تھا۔

"ہاں یار۔" راشد نے بھی جیسے اب سوچا "بات تو عجیب ہے۔۔۔ اگر اس کی محبت کا تعلق چترال سے تھا اور وہاں اس کی شادی بھی نہیں ہو سکی تو وہ اپنی بیوی کو وہاں کیوں لے گیا۔"

"کچھ پتا کر کے بتا سکتے ہو؟"

"سب خیریت ہے نا؟"

"ہاں، بس ایک معاملے میں ارحم خان کی

اہلیت تو تیز جاننا بہت ضروری ہے۔ تم میرا یہ کام چند دنوں کے اندر کردو۔"

"اوکے باس..... سمجھو ہو گیا..... میں تمہیں دو ایک روز میں بتاتا ہوں۔"

"ہوں اوکے۔" منصب نے کال آف کردی۔ دونوں لب سختی سے باہم بھینچے وہ سخت مضطرب دکھائی دیتا تھا۔ دو ماہ ہو گئے تھے وسیلہ میکے واپس نہ آئی تھی، اور یہ کوئی اگنور کرنے والی بات ہرگز نہ تھی۔ نجانے اس کے گھر والے لاپروائی کیوں برت رہے تھے۔ شاید ہر کوئی اس کے انداز میں نہ سوچتا تھا۔ اسے اچانک کچھ بڑی شدت سے وسیلہ کی فکر لاحق ہوئی تھی اور دل نجانے کیوں عجیب عجیب واہموں میں پڑ رہا تھا۔ وہاں سب خیریت ہو، بس یہی فکر ستائے جا رہی تھی۔

☆☆☆

مومن اس وقت آفس میں تھا جب امی نے کال کر کے بتایا کہ "کرائے دار پہنچ گئے ہیں اور ان کا سامان آف لوڈ ہو رہا ہے۔"

"چابی دے دی تھی ان کو؟" مومن نے ساتھ ساتھ اپنا سامان سمیٹنا شروع کر دیا۔

"ہاں، کامران نام بتایا تھا اس نے۔"

"جی، بھائی ہے میرے کولیگ رضوان کا، انہوں نے لیا ہے ہمارا مکان، اور ہاں میں بھی نکل رہا ہوں گھر کے لیے۔"

"ہاں اچھا ہے آجاؤ۔" تمہارے بابا تمہارا پوچھ رہے تھے، وہ چاہتے ہیں تم یہیں رہو۔ ان کی شفٹنگ کے وقت۔ ندرت بھی مصروف لگ رہی تھیں۔

"جی بس آیا سمجھیں۔" اس نے کال آف کر کے ضروری چیزیں اٹھائیں اور سر سے اجازت لے کر گھر کے لیے نکل پڑا۔ لیکن ذہن کچھ دوسری ملی جلی سوچوں میں گم رہا تو اسے گھر نزدیک آنے پر خیال آیا کہ وہ لوگ آج مہمان ہیں، ان کے دوپہر کے کھانے کا بندوبست انہی کو کرنا چاہیے۔ لیکن اس وقت وہ ہوٹلز وغیرہ کافی پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ بے خیالی میں گھر ہی پہنچ گیا تھا۔ کار اندر لا کر امی کی طرف آیا تاکہ انہیں بتا سکے کہ وہ مہمانوں کے لیے باہر سے کچھ لے آئے گا۔

"باہر سے کیوں بیٹا۔ ہم نے انہیں کھانے کا کہہ بھی دیا ہے۔"

"اچھا....." وہ حیرت سے رکا "گھر پر ہی؟" جانتا تھا امی کوکنگ کے معاملے میں نہایت سست تھیں۔ پچھلے سال اس کے کچھ دوست بارش کی وجہ سے میاعدم میں پھنس گئے تو اس کے ہاں آٹھہرے اور اسے تیز طوفانی بارش میں ہوٹل سے کھانا لانا پڑا تھا۔ امی اور تحریم ہلنے تک کو تیار نہ تھیں۔

"ایلیا نے پلاؤ اور کھیر بنائی ہے۔"

"اچھا۔" اسے سن کر تسلی نہیں ہوئی "مقدار میں کافی تو ہو گی نا؟"

"تم خود جا کر دیکھ لو۔ میں تو کچن میں نہیں گئی۔ تب سے ریا اور عابی کو لیے بیٹھی ہوں۔"

"ہوں....." وہ سر ہلاتے کچن میں آ گیا۔ ایلیا مصروف انداز میں یہاں وہاں دوڑ رہی تھی۔

"کچھ بنایا ہے؟" وہ سرسری یہاں وہاں دیکھنے لگا۔

"جی..... آپ آگئے..... تو یہ..... اس نے ایک ٹفن اور ہاٹ پاٹ اٹھا کر اوپر رکھے "آپ ہی دے آئیں ان کو۔"

"کیا ہے اس میں۔"

"ایک منٹ....." اس نے کھولنا شروع کیا "بڑے سے ہاٹ پاٹ میں پلاؤ تھا۔ ٹفن میں بالترتیب چٹنی، سلاد اور کھیر۔"

"سالن روٹی بنانے کا ٹائم نہیں تھا۔ پتا نہیں ان کو پلاؤ پسند بھی آئے گا یا۔"

"ارے، بہت ہے۔ اس کے لیے یہ اہتمام بھی دعوت سے کم نہیں تھا۔" "بہت زیادہ ہے۔ تھینکس۔" اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا اور اس مرتبہ انا بھی آڑے نہیں آئی۔ دوست کی فیملی کے

سامنے لاج رہ گئی تھی۔ وہ دلی طور پر خوش ہوا تھا۔ بلکہ آج کل تو روز کے حساب سے اُسے کسی نہ کسی حیرت کا سامنا تھا۔ اس کی پسند ایلیا سے بہت ملتی تھی ۔پہلی حیرت اسے کمرے کی سیٹنگ دیکھ کر ہوئی تھی تب اسے وہ تکا سمجھ کر اگنور کر گیا تھا۔ لیکن پھر تھانہ جاتے ہوئے ایلیا جب گھر کا پکا کھانا ساتھ لے گئی تو وہ دلی طور پہ مشکور ہوا تھا کیونکہ اسے بھی ہوٹلنگ سے چڑ تھی۔ اور اسی روز ہی واپسی پر جب ایلیا نے اس کے لیے شلوار قمیص لینے کی خواہش کا اظہار کیا تو وہ بالکل ہی چپ ہو گیا تھا۔ اسے ذاتی طور پر شلوار قمیص بہت پسند تھے لیکن وہ آفس میں تحریم کی پسند کے پینٹ شرٹس پہننے لگا تھا کیونکہ وہ اسے ایسے ہی دیکھنا چاہتی تھی۔ ایلیا نے نہ صرف شلوار قمیص کو اس کے لیے پسند کیا بلکہ کلرز بھی سب ہی اس کی چوائس کے تھے اور آفس کے لیے ساتھ واسکٹ خرید کر تو جیسے اس کے دل کی آواز سن لی تھی۔ یہاں سب ایسا ہی لباس زیب تن کرتے تھے۔ اور اسے ہاتھوں کے انداز میں رہنا پسند تھا لیکن اب وارڈ روب ہی پینٹ شرٹس سے بھری ہوئی تھی تو وہ کیا کرتا، خود پر اضافی خرچ کرنا تو کبھی اس کی ترجیح رہا ہی نہیں تھا۔ بابا کے بعد جب سے گھر کی بھی ذمہ داریاں اس پر آن پڑی تھیں، اپنا نمبر تو ترجیحات میں بالکل آخری رہ گیا تھا، پھر مردوں کی روٹین کچھ ایسی ہوتی ہے کہ ان کے کپڑے لتے کا خیال بھی بیویوں کو رکھنا پڑتا ہے ۔ اور تحریم کے چلے جانے کے بعد اب احساس ہو رہا تھا کہ وہ ایک بار پھر گھر بار والا مرد بن چکا ہے۔ ایک عدد بیوی صاحبہ تھی جو محسوس کرنے لگی تھی کہ اس کے شوہر کے پاس کیا ایسا ہونا چاہیے جو نہیں ہے اور جسے پورا بھی خود اسی نے کرنا ہے۔ اور آج...... اس نے گھر عورتوں کی طرح جھٹ پٹ سب بنا لیا تھا اور یہ مومن کی دلی آرزو ہوا کرتی کہ گھر کی عورتیں کچن کے معاملے میں خصوصاً بہت سلیقہ شعار ہونی چاہئیں اس نے بہت عرصہ ایلیا کو بلاوجہ انڈر اسٹیمیٹ کیا تھا جبکہ یہ صرف اس کے اندازوں کی ہی غلطی تھی۔ اب کچھ آرہا تھا تو اندر کہیں خوشی بھی محسوس ہونے لگی تھی۔ لیکن یہ اتنے اندر تھی کہ ابھی خود اس کی سمجھ میں بھی نہیں آسکتی تھی۔ ابھی تو دو، ڈھائی ماہ گزرنے پر صرف اتنا ہی لگا کہ ایلیا نے گھر کے فرد کی حیثیت سے نہ صرف اپنی جگہ بنالی تھی بلکہ تحریم کی نسبت کہیں زیادہ خوبی سے بنائی تھی، اور یہ احساس بھی ایلیا کے قریب رہنے پر ہوا کہ عادتاً وہ تحریم کی بجائے وسیلہ جیسی تھی۔ اور وسیلہ کی اچھی عادات کا تو وہ بچپن سے قائل اور معترف تھا۔ لیکن ان سارے مثبت پہلوؤں کا رزلٹ تو فی الحال یہی۔ بس یہی نکلا تھا کہ ایلیا کو اب ڈانٹ کم سے کم پڑتی تھی۔ اب اس سے زیادہ بہتری کی گنجائش تک کم از کم مومن جیسے مزاج والے بندے کا دماغ پہنچ ہی نہیں سکتا تھا۔

☆☆☆

"وہ بڑی دیر سے کیلنڈر کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ اسے یاد آیا کہ راشد کو کال کیے بہت دن ہو گئے ہیں اور اس نے اب تک کوئی جواب نہیں دیا تھا۔" منصب نے فوراً ہی موبائل اٹھایا۔

"ارے یار منصب...... ابھی تمہیں ہی کو یاد کر رہا تھا۔" راشد نے سر کھجایا۔

"میرا کام نہیں کیا ہوگا نا۔ اسی لیے یاد ستا رہی تھی۔" منصب نے اس کے لہجے سے سمجھ لیا کیونکہ انداز معذرت خواہانہ سا تھا۔

"نہیں یار، تمہارا کام ذمے لگایا ہوا ہے۔ میرا ایک دوست ہے اس کی سسرال بھی چترال سے ہے۔ ابھی وہاں سے کوئی جواب تو نہیں آیا لیکن یار دوستوں سے یہی پتہ چلا کہ ارحم چترال میں کام کاج کوئی نہیں کر رہا، بلکہ کسی کے ہاں ٹھہرا ہوا ہے۔"

"اچھا...... اتنے عرصے سے؟" منصب کو حیرت ہوئی۔

"ہاں کہہ تو یہی رہے تھے، گھومتا پھرتا رہتا ہے اور آرام کرتا ہے۔"

"تو دوستوں نے پوچھا نہیں کہ واپسی کب ہے؟"

"ہاں پوچھا تھا، کہنے لگا میں تو خود آنا چاہتا ہوں، بس کچھ مجبوری ہے۔"

"ہوں...... تم مجھے باقی کی تفصیل بھی پتا کر کے بتاؤ۔"

"او کے۔ ان شاء اللہ۔" راشد نے اجازت لی اور منصب اپنی کرسی پر جھولتے دیر تک یہی سوچے گیا کہ اگر ارحم خان وہاں کام کاج کوئی نہیں کر رہا تو پھر وہ "مجبوری" کیا ہے۔ جس نے ارحم کو حویلی سے اور وسیلہ کو اس کے گھر والوں سے دور کر رکھا ہے۔ اُس نے کچھ دیر تک اس سارے معاملے کو گہرائی سے سوچنے کی کوشش کی لیکن کوئی سرا ہاتھ نہیں لگا تو موبائل اٹھا کر میمونہ کو کال ملا دی اور اُسے چند دنوں کے اندر اندر دادی سے ملنے کی ہدایت کی۔

"دادی سے وسیلہ کے متعلق تفصیل سے پوچھنا۔ اور یہ میں کسی خاص وجہ سے کہہ رہا ہوں۔ میری بات کو سیریس لینا۔" اس نے بتا کی بجائے بہن کو سمجھایا تاکہ وہ اسے بھائی کی جذباتیت نہ سمجھے۔ میمونہ نے بھی بات کو اسی سنجیدگی سے سنتے جلد دادی کے پاس جانے کا وعدہ کیا۔

☆☆☆

وقت جانے کتنا آگے نکل گیا تھا۔ وسیلہ کے ڈر اب وحشت میں تبدیل ہو چکے تھے۔ چار دیواروں کے بیچ ایک ذہنی معذور کے ساتھ وقت گزارنا بجائے خود ایک اذیت تھی اور یہ اذیت اسے جان بوجھ کر سزا کے طور پر دی جا رہی تھی۔ شروع کا کچھ عرصہ صرف اور صرف ڈر میں گزرا تھا۔ تہہ خانے کا ڈر، پگلی کا ڈر، اچانک آپڑنے والی انتقامی کارروائی کا ڈر۔ پھر وہ دوسری سوچ۔ یہاں سے پیچھا چھڑوانے کی، اس قید سے نکلنے کی۔ وہ دو مرتبہ نکلنے کی کوشش کر چکی تھی اور دونوں مرتبہ ناکام ہوئی تھی۔ اور اب...... اب اس نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ خود اپنی سوچوں کے آگے بھی وہ ہار چکی تھی۔ سوچیں کہتیں، وسیلہ کیا تم اپنے لیے کچھ کر سکتی ہو۔ اور اب اس کے حوصلے کہتے نہیں۔ یہاں کوئی اس کا پرسان حال نہیں، جانے اس کے گھر والے بھی کیوں اس کی خبر نہیں لیتے تھے۔ شروع شروع میں اسے پورا یقین تھا کہ تائی کا یہ منصوبہ ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا، بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کے گھر والے اس سے بے خبر رہیں۔ لیکن پھر اسی تائی نے جس طرح بلیک میل کر کے اس کی امی سے بات کروائی وہ اسے نہ جانے کی مجبور ہوئی تھی۔ اور اب تو جب بھی تائی فون لے کر اس کے پاس آئیں، اس نے نہایت سلیقے سے امی کے سامنے کوئی نہ کوئی بات بنا دی۔ ماں کا لہجہ بتاتا کہ اس کے اندر کتنے دکھ ہیں۔ وہ بھی اس کی جدائی سے بہت افسردہ تھیں، ان کی بے چینی ان کے لہجے سے عیاں ہوتی لیکن وہ سسرال کے لحاظ میں چپ تھیں اور وسیلہ کا دل چاہتا کسی دن بنا کسی مصلحت کی پرواہ کیے چیخ چیخ کر امی سے کہے یہاں کسی کا لحاظ مت کریں، جو ڈر ان کے اندر پل رہے ہیں وہ سچے ہیں، انہیں باہر نکالیں، یہاں کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے۔ نہ ہی یہ ایسی سسرال ہے کہ جس کا لحاظ روا رکھا جائے۔ لیکن پھر وہ تائی کی دھمکی، وہ اس کی ماں کو تکلیف پہنچانے کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتی تھیں۔ وسیلہ اُن کے سمجھائے جملے من و عن کسی روبوٹ کی طرح دوہرا دیتی۔ تائی کے بازو مروڑنے پر سمجھ جاتی کہ اب اس نے ہنستا ہے اور خود کو خوش ظاہر کرتا ہے۔ امی جواباً شکر ادا کرنے اور دعائیں دینے لگتیں۔ اور وہ روتی آنکھوں سے سوچ میں پڑ جاتی کہ نجانے امی کی اس کے حق میں مانگی خوشیوں کی یہ دعائیں کب پوری ہوں گی۔ سنا تھا اولاد کے لیے مانگی گئی والدین کی دعاؤں میں بڑا زور ہوتا ہے۔ پھر نجانے کب۔ اس نے سر جھٹک کر اپنے تہہ خانے کو دیکھا۔ پگلی اس کے پلنگ پر پھیل کر سوئی تھی۔ چھت پر دو پنکھے چل رہے تھے۔ روشندانوں کو ہوا کے لیے کھول دیا گیا تھا۔ اگرچہ گھٹن اور حبس اب بھی بہت تھا لیکن وہ تو اب اسی ہوا کی عادی ہو چکی تھی۔ وسیلہ دیوار سے ٹیک لگائے نیچے فرش پر بیٹھ گئی۔ پگلی کے پلنگ پر بیٹھنے کی غلطی وہ

اب نہیں کر سکتی تھی۔ پہلے ایک بار ایسا کیا تو پھپھی نے اسے بہت مارا تھا۔ اور اسے تو مارنے کا بھی سلیقہ نہیں تھا۔ غصہ آنے پر اپنی پوری طاقت لگاتے وہ اسے دیوار میں دھکیلنے لگتی۔۔۔ کبھی زور سے دیوار کی طرف دھکا دیتی۔ اور اس کا زور کسی پہلوان کی طاقت سے کم نہ تھا۔ وسیلہ اپنا سارا وقت اسے محتاط نظروں سے دیکھنے اور اپنی طرف سے کچھ غلط نہ ہونے دینے میں صرف کر دیتی۔ اور بس یہی تھا اس چار دیواروں کے اندر کا احوال۔ جس میں زندگی سمٹ کر رہ گئی تھی۔ نجانے کب تک اور کبھی تو یہ سوچ کر دل لرز سا جاتا کہ اگر جو یہی تہہ خانہ ہی ایک دن اس کی قبر..... اور بس اس سے زیادہ سوچنے کی ہمت وہ اپنے آپ میں کبھی نہ پاتی۔

☆☆☆

ایلیا بڑی دیر سے دونوں بچوں کے ساتھ الجھ رہی تھی۔ جب تک چھوٹے تھے باری باری دونوں کو سلانا آسان رہتا تھا۔ وہ ایک کے منہ میں فیڈر دے کر لائٹ آف کر کے دوسرے کو تھپکنے لگتی لیکن اب وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ سے خوش ہوتے تھے وہ اگر ایک کو سلانے کی کوشش کرتی تو دوسرا کرالنگ کرتے ہوئے کھیلنے آجاتا۔ آج چونکہ ویک اینڈ تھا تو مومن کے کمرے کی لائٹ بھی آن تھی شاید لیپ ٹاپ کھولے بیٹھے تھے۔ ایلیا نے دروازہ بند کر کے روشنی کا راستہ بند کیا لیکن عابس اور ریبا کی کھلکھلاہٹیں ہی کم نہ ہو رہی تھیں۔ دونوں اچھے موڈ میں تھے اور خوب شور کر رہے تھے۔ مومن نے بھی بڑی دیر بعد نوٹس کیا کہ بچوں کے کمرے میں باوجود اندھیرے کے خاموشی نہیں تھی۔ وہ کام چھوڑ کر ان کے کمرے میں آیا۔ سب سے پہلے اُسے گھٹن کا احساس ہوا۔ وہ اپنے بڑے کمرے میں بیٹھا تھا جہاں کشادگی اور کھلے پن کا احساس تھا لیکن اس چھوٹے روم میں ہوا کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس حساب سے یہ کمرا سردیوں کے لیے تو یقیناً آئیڈیل تھا لیکن اب گرما چل رہا تھا۔ میانڈرم میں اگرچہ گرما میں بھی موسم اتنا خوش گوار رہتا کہ پنکھے تک چلانے کی ضرورت نہ پڑتی۔ تیسرے چوتھے دن ہی بارش ہو جاتی اور موسم پھر سے ٹھنڈا ہو جاتا لیکن ابھی جب سے جولائی شروع ہوا تھا ایک ہفتہ گزر جانے پر بھی موسم خشک تھا اور دن کو دھوپ بھی تیز نکل رہی تھی۔

"یہاں تو حبس سا ہے۔ شاید بچے اس لیے نہیں سو رہے۔" وہ دروازے کے بیچوں بیچ کھڑا تھا۔

"مجھے تو لگتا ہے کھیلنے کے موڈ میں ہیں۔ رو تو نہیں رہے۔" ایلیا انہیں نیچے چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم ذرا باہر نکل کر موازنہ کرو تب سمجھ میں آئے گی۔ میرا خیال ہے بچوں کو یہاں کھلے کمرے میں لے آتے ہیں۔ ویسے بھی تم بتا رہی تھیں کہ کارٹ سے نیچے گر جاتے ہیں۔ یہ یہاں سے ہٹانے پڑیں گے۔"

"بڑے کمرے میں کہاں؟" وہ بوکھلا سی گئی۔

"بعد کے لیے پھر سوچیں گے۔ فی الحال یہ سنگل بیڈ کا میٹرس وہاں میرے کمرے میں نیچے ڈال دو۔"

"اچھا......" وہ عجیب مخمصے میں تھی۔ "ماما سے پوچھ لیں؟"

"وہ تو بہت پہلے ہی ہم پر ڈال گئی تھیں۔ اب تو جو کرنا ہے ہم دونوں نے مل کر کرنا ہے۔" اس کا لہجہ اب سے پہلے ایک دم سپاٹ تھا لیکن اس جملے میں قدرے طنزیہ سا ہو گیا۔

"تو...... بس...... میٹرس؟" اس کے دل میں سوال اٹھا کہ سنگل میٹرس پر وہ تینوں کیسے سوئیں گے۔

عابی کو میرے ساتھ بیڈ پر سلا دو، تم ریبا کے ساتھ سو جاؤ۔

"آپ کیسے سنبھالیں گے؟" وہ اس نئی صورت حال کو قبول نہیں کر پا رہی تھی، اس لیے سوال پہ سوال کیے جا رہی تھی۔

"کیوں...... یہ سوتا نہیں ہے؟" وہ کمر پہ ہاتھ

رستے جاتے جاتے رُکا۔

"جی سوتا تو ہے، لیکن رات میں جاگ بھی جاتا ہے۔"

"تو...... تم ہوتا...... یا پھر اونچا بنتی ہو؟" وہ مسکرا کر کہتا باہر نکل گیا اور وہ منہ ہی منہ پھر بڑبڑانے لگی۔ بچپانی کرنے سے باز نہیں آتے تھے۔ وہ اسی وقت اٹھی اور میٹرس نکال کر بڑے کمرے میں لے آئی۔ مومن نے دیوار سے لگی میز اٹھا کر جگہ بنا دی تھی۔ اس نے میٹرس ڈال کر چادر بچھائی اور ایک ایک کر کے بچوں کا ضروری سامان میز پر سیٹ کرنے لگی۔ ریبا کرالنگ سے خوش ہوتی تھی اور عابی اب چیزوں کا سہارا لے کر قدم قدم چلنا بھی شروع ہو گیا تھا۔ بڑے کمرے میں دونوں خوشی خوشی بھاگتے لگے۔ مومن نے دوڑتے عابس کو ہاتھوں پہ اٹھا لیا۔

"بس بدمعاش۔ بہت کھیل لیا۔" وہ اسے اٹھائے بیڈ پر جا لیٹا۔ ایلیا نے ریبا کو اٹھا کر گود میں لیا۔ کمرے میں نائٹ بلب جل رہا تھا۔ مومن نے تھپک کر عابی کو سلانے کی کوشش کی لیکن وہ بار بار اٹھ کر بیٹھ جاتا اور اوں اوں کرتے ایلیا کو دیکھنے لگتا۔

"کمال ہے، باپ کو تو پہچانتے ہی نہیں۔" مومن بڑبڑایا "ارے یار اب تم میرے ساتھ سونے کی عادت ڈالو۔۔۔ یہ دیکھو کتنا بڑا بیڈ ہے۔" اس نے عابی کو کھینچا۔ وہ بیڈ سے اتر کر ایلیا کی طرف آنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"دیکھو، اب میں جیلس ہو رہا ہوں۔" مومن نے اسے کھینچا اور ایلیا کو ہنسی آ گئی۔ اس نے ریبا کو لیے منہ پورا پھیر لیا۔ باپ کو کچھ اچانک ہی اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہوا تھا۔ وہ کچھ ہی دیر میں ریبا کو سلانے میں کامیاب ہو گئی۔ اُسے لٹا کر چادر ڈالی اور اٹھ کر عابی کے قریب آئی۔

"میں سلا دیتی ہوں۔ اس نے عابی کو بیڈ سے اٹھا لیا۔"

"یہیں بیٹھ جاؤ۔۔۔ تا کہ اسے عادت ہو جائے یہاں سونے کی۔" اس نے ہاتھ پھیلا کر اشارہ کیا لیکن وہ جھجک کر کھڑی ہی رہی۔

"بیٹھ جاؤ، مجھے لیپ ٹاپ پر کچھ کام کرنا ہے۔ وہ فوراً ہی وہاں سے اٹھ گیا۔ اور لیپ ٹاپ اپنی کمپیوٹر ٹیبل پر کھول لیا۔ اب اس کی ایلیا کی جانب پشت ہو گئی تھی۔ ایلیا بیڈ پر بیٹھ گئی۔ عابی کو گود میں لیا اور ہلکا ہلکا جھلانے لگی۔ کبھی کبھار کام کرتے مومن پر بھی نظر جا پڑتی۔

"سو جاؤ شونا...... ورنہ بابا غصہ کریں گے۔" ایلیا نے عابی کے کان میں سرگوشی کی لیکن وہ اس کے جالی والے دوپٹے سے کھیلنے لگا۔

"بابا کو نے آج میرا فیورٹ بلو شلوار قمیص پہنا ہے اور موڈ بھی اچھا لگ رہا ہے۔ اسے غصہ نہیں دلاؤ او کے۔" اس نے عابی کے کان میں پھر دھیرے سے دوہرایا۔ نیکورہ سے ڈارک بلو شلوار قمیص اس نے بہت ڈرتے ڈرتے لیا تھا کہ شاید مومن کو پسند نہ آئے لیکن مومن نے نہ صرف سلوا لیا بلکہ سب سے پہلے پہنا بھی وہی۔۔۔ اور اب وہ ان کپڑوں میں اس کا غصے بھرا روپ ہرگز نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ عابی کو تھپک تھپک کر ہلاتے بالآخر سلا ہی دیا۔

مومن نے گردن پھیری اور عابی کو سوتے دیکھا تو مسکرا دیا۔

"گڈ...... "میں بھی جلد ہی سیکھ جاؤں گا۔

"کوئی بات نہیں، میں ہوں نا۔" وہ بھی ہلکا سا مسکرائی۔ ماحول کے زیر اثر وہ بھی سہولت سے جواب دے جاتی تھی۔ عابی کو وہیں بیڈ پہ سلا کر اس پہ ہلکا کپڑا ڈالا اور بیڈ سے اتر کر میٹرس کے قریب آئی تو الگ ہی الجھن میں پڑ گئی۔ مومن کے مطابق تو اسے ریبا کے ساتھ نیچے اسی میٹرس پہ سونا تھا لیکن ایلیاء کی مشکل یہ تھی کہ اسے مومن کے سامنے سونے کی عادت نہ تھی۔ نائٹ بلب کی وجہ سے کمرے میں سب واضح دکھائی بھی دے رہا تھا۔ مومن نے اسے عجیب مشکل میں ڈال دیا تھا۔ خود تو صاحب باریکی میں جا کر کچھ سوچتے نہ تھے۔ ایک

عورت بے چاری کیسی مشکل محسوس کرتی ہے، وہ کیا جانیں۔ مومن نے یونہی گردن پھیر کر دیکھا۔ وہ کمرے کے بیچوں بیچ کھڑی دکھائی دی۔

"کیا ہوا؟"

"جی..." وہ ایلیا بوکھلا گئی "میں ابھی کچھ دیر اس چھوٹے کمرے میں ہوں۔ میں نے کچھ لکھنا ہے۔ پھر سونے آجاؤں گی۔ وہ بنا جواب کا انتظار کیے چھوٹے کمرے میں آگئی۔ اور مومن بھی اپنے کام میں مگن ہو گیا کہ ہوگا کوئی کام۔ جبکہ ایلیا کا ارادہ یہ تھا کہ جب تک مومن سو نہیں جاتے وہ بڑے کمرے میں آکر سوئے گی نہیں۔

☆☆☆

"میں نے کہہ دیا ہے امی، اب میں بہت جلد واپس آجاؤں گا وہ بھی سمارہ کو ساتھ لے کر۔" ارحم کا لہجہ قطعی اور دوٹوک تھا۔ شہناز نے ہاتھ ماتھے پہ مارا۔

"کیسے لے آؤ گے۔ یہاں پہلے اتنے بکھیڑے ہیں۔ مجھے ذرا سا وقت تو دو۔"

"چار ماہ سے سسرال میں پڑا ہوں۔ رقم بھی ختم ہو گئی ہے۔ اب میں یہاں کی روٹین سے سخت اکتا چکا ہوں۔ مجھے سمارہ کو حویلی لانا ہے۔"

"تھوڑا سا رک جاؤ..." شہناز نے منت کی۔

"آخر آپ کے دماغ میں چل کیا رہا ہے۔" وہ بری طرح چڑ گیا "بلکہ مجھے یہ بتائیں کہ سب کچھ پلان کرتے وقت آپ کے ذہن میں تھا کیا۔ آگے تک کا کچھ نہیں سوچا تھا؟"

"ہاں کچھ نہیں سوچا تھا۔" اس نے نتھنے پھلائے "اور ابھی مجھے صرف اتنا پتا ہے کہ میرے انتقام کی آگ ابھی ٹھنڈی نہیں ہوئی۔"

"تو پھر یہ چھوٹی موٹی اذیتیں دینے کے بجائے جان چھڑوائیں اس سے... ہمیشہ کے لیے۔" ارحم نے اضافہ کیا "شاید اس طرح آپ کا انتقام پورا ہوتا ہو۔" وہ خباثت سے ہنس رہا تھا۔

"زندہ تو مجھے بھی نہیں بھیجنا اسے۔" شہناز نے دانت کچکچائے "لیکن مارنا بھی اتنے جلدی نہیں چاہتی۔ تھوڑا سا اور تڑپے وہ اس کی ماں کو۔"

"تو پھر مجھے بھی آ لینے دیں۔ کوئی کیا اکھاڑ لے گا۔ آپ نے جو سلوک روا رکھنا ہے۔ جاری رکھیں۔"

"تم تھانہ واپس آگئے تو کوئی نہ کوئی اس کے میکے تک اطلاع پہنچا دے گا۔ وہ سمجھیں گے وسیلہ واپس آگئی ہے اور پھر اس دن کی طرح اچانک ملنے آگئے تو کیا کہیں گے وسیلہ کہاں ہے۔" شہناز کو سا ری فکر اسی بات کی تھی۔

"اور پھر وہ تمہاری دادی بھی تو ہے۔ پہلے ہی کن سوئیاں لیتی پھرتی ہے۔ تم سمارہ کو یہاں لے آئے تو اس کے علم میں نہیں آجائے گی تمہاری دوسری شادی۔"

"ارے یاااار... ارحم نے سر پیٹا "میں کہہ رہا ہوں آپ سے، اس کا کوئی حادثہ وادثہ کروا کے اب آپ اس سے پیچھا چھڑوائیں۔"

"کرنا تو یہی ہے۔ بس مجھے کچھ وقت اور دے دو۔"

"اور کتنا وقت۔ اب کیا کام کو سالوں تک لے جائیں گی؟ مجھے اپنی اور سمارہ کی شادی باقاعدہ اناؤنس کرنی ہے۔"

"نا... وہ تو اتنے جلدی نہیں ہو سکتا۔" شہناز نے دوٹوک انکار کیا "مجھے کوئی منصوبہ بنانے دو اس سے پیچھا چھڑوانے کا، پھر جب میں تمہیں اپنا پلان بتاؤں گی، تمہیں اکیلے یہاں آنا پڑے گا اور جس دن تم یہاں پہنچو گے۔ یعنی اس روز کی طرح آدھی رات کو۔ تو تم وسیلہ کو تہہ خانے سے نکلوا کر اس کا کوئی حادثہ کروا دیں گے۔ جیسے گیس لیک، کرنٹ، سانپ... کچھ بھی... بس پھر دنیا کی نظر میں وہ چترال سے لوٹتے ہی اللہ کو پیاری ہو جائے گی۔"

"ہوں... یہ تو ٹھیک ہو گیا۔" ارحم نے ان کی بات یوں سنی جیسے کسی کو دعوت میں بلوانے کا پروگرام بن رہا ہو۔ "لیکن پھر کچھ ماہ تک سمارہ کو لانے کا

معاملہ بیک پہ چلا جائے گا۔ اُسے دوسری بیوی بنا کر لانے میں کچھ تو وقت لگے گا۔" ارحم نے ساتھ ساتھ سوچ بچار کی۔

"ہاں۔ بس فوری طور پر تو بیوی کی موت کا سوگ منائیں گے پھر چھ سات ماہ تک سادگی سے اس کو بیاہ لانا۔ کسی کو کچھ پتا نہیں چلے گا۔"

"ہوں۔" یہ ہوئی نا بات۔" ارحم کو پہلی مرتبہ ماں کے پلان میں کچھ تسلسل اور روانی دکھائی دی" یہ تو ٹھیک ہو گیا لیکن یاد رکھیں پھر ہونا ایسا ہی چاہیے۔"

"سب کچھ ایسا ہی ہوگا۔"

"تو ٹھیک ہے، آپ جلد از جلد کا کوئی منصوبہ طے کر کے مجھے بتائیں ۔ میں فوراً پہنچ جاؤں گا۔" ارحم ایکدم جذباتی سا ہونے لگا۔

☆☆☆

"بلاوجہ تم نے آنٹی کو اتنی تکلیف دی۔ ہمیں تو اب تم پڑوسی سمجھو۔" منصب نے آنٹی کی پرتکلف دعوت کو خوب متاثر ہو کر دیکھا۔

تانیہ نے انہیں اپنے گھر بلایا تھا۔ اُس نے رمشہ سے کہہ دیا کہ وہ ہو آئے۔ لیکن رمشہ کے پہنچنے کے کچھ ہی دیر بعد انکل نے کال کر کے منصب کو بھی بلا لیا تھا۔

"چلیں صحیح ہے۔ آج کی دعوت کے بعد پڑوسی سمجھیں گے۔" تانیہ نے نہایت فرمانبرداری دکھائی۔

"ہاں لیکن ہم صرف تانیہ کے نہیں۔ ڈاکٹر تانیہ کے پڑوسی بننا چاہتے ہیں۔" رمشہ نے کہتے ہوئے مسکرا کر منصب کو دیکھا تو اس نے سر ہلایا۔ پچھلے روز وہ گھر میں اسی حوالے سے رمشہ سے بات کر رہا تھا کہ تانیہ کو یہاں اپنا کلینک کھول لینا چاہیے۔

"آپ کا کیا خیال ہے انکل؟" منصب نے سنجیدگی سے سرفراز صاحب کی رائے لینا چاہی۔

"یقیناً بہت نیک خیال ہے۔ اگر تمہیں لگتا ہے کہ میانڈم میں اس کا کچھ اسکوپ ہو سکتا ہے تو کیوں نہیں۔"

"اسکوپ تو کام شروع کرنے پر ہی پتا چلتا ہے۔ بس بندے کو کام آتا ہو تو ذرا سا آغاز لینے کی ضرورت ہے۔"

"مجھے کام نہیں آتا۔" تانیہ نے گہری سنجیدگی سے جھکے سر کے ساتھ حصہ لیا۔ سب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ چہرا افسردہ اور بجھا بجھا دکھائی دے رہا تھا جیسے وہ اس موضوع سے اجتناب چاہتی ہو۔

"ایسا مت کہو تانیہ۔ تم جانتی ہو جو ہوا تمہارا اس میں کوئی قصور نہیں تھا۔" رمشہ نے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔

"میں نہیں جانتی۔ کیا پتا میرا ہی قصور ہو۔ جانے والا کیسے بتا سکتا ہے کہ اس وقت وہ کیا سوچ رہا تھا۔ شاید میں نے۔"

"اگر مگر شاید وایئد...... کے بجائے اعتماد سے اپنے مؤقف پر جمے رہنا سیکھو۔" منصب نے توجہ پوری اس کی جانب مبذول کی۔

"مجھے صرف اتنا بتاؤ۔ کیا تم نے اپنے پیشنٹ کو اشتعال دلانے کی، اُکسانے ابھارنے یا بغاوت وغیرہ پر آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی؟"

"تو...... ہرگز نہیں۔" تانیہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"تم نے اس کا مزاج سمجھتے ہوئے یہی مشورہ دیا تھا کہ اسے فی الحال لڑکی کی شادی کے متعلق نہیں بتانا چاہیے؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"ہاں، بس اتنا ہی۔"

"تو مائی ڈیئر فرینڈ، یہ کس کتاب میں لکھا ہے کہ مصلحتاً کوئی حقیقت چھپانا کسی بھی حوالے سے اقدام خودکشی پر آمادہ کرنے کی کوشش ہو سکتا ہے۔ تمہارے خلاف کوئی ایویڈینس، کوئی ثبوت زبانی یا تحریری اس عیسیٰ کے پاس ہرگز نہیں ہوگا جو تمہیں گنہگار ثابت کرے یا تمہارا لائسنس کینسل کرنے کا باعث بنے۔"

"تم پولیس والے بھی آپریشن کرنے میں کسی سرجن ڈاکٹر جیسے ماہر ہوتے ہو۔" سرفراز احمد نے

مسکرا کر اضافہ کیا اور ماحول کی سنجیدگی کو سب کی مشترکہ ہنسی نے توڑ دیا۔

"ہاں تم صحیح کہہ رہے ہو منصب۔۔۔ لیکن میں فی الحال کسی کی نظروں میں نہیں آنا چاہتی۔۔۔ ہم مینگورہ سے زیادہ دور نہیں ہیں۔۔۔ یہاں کھلے عام کلینک کھول کر بیٹھنا مجھ سے زیادہ میرے والدین کے لیے پریشانی کا باعث ہوگا۔"

"ہاں، خیر یہ ایک قابل قبول جواز ہے۔" منصب سیدھا ہو بیٹھا "ورنہ دوست میں بزدلی دیکھنا مجھ سے برداشت نہیں ہوگا۔"

کیا میں "تمہیں" بہادر سمجھوں؟" تانیہ نے بے ساختہ ہی مسکرا کر پوچھ لیا اور اس بات کا مطلب وہاں صرف منصب ہی سمجھ سکتا تھا۔ اس نے لب بھینچ کر بے اختیار ایک آہ بھری تھی۔ اُس نے جس کو بھی اپنا رازدار بنایا اُس نے اسے کم ہمتی بزدلی کا طعنہ ضرور دیا تھا۔ اور اب یہ بات منصب کے لیے ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے اخلاقاً وہاں باقی کا وقت اچھے انداز میں گزارا لیکن اندرونی طور پر وہ دن بہ دن ٹوٹتا اور بکھرتا جا رہا تھا۔ اس کے لیے خود کو سمیٹنا اب جیسے ممکن نہیں رہا تھا۔ تانیہ اس کی سوچ کو پڑھ بھی رہی تھی سمجھ بھی رہی تھی لیکن جو ہو چکا تھا اس میں سدھار لانا ناممکن تھا اور یہ تانیہ کی اُس وقت کی سوچ تھی ورنہ قدرت جانتی تھی کہ ناممکن بھی دراصل ناممکن نہیں ہوتا۔

☆☆☆

"بہت دن ہوئے "جمال ولا" میں اب نئے کرایے دار رہنے لگے تھے۔ رضوانہ بھائی کے گھر آ گئی تھیں اور یہاں آ کر زیادہ خوش تھیں۔ اپنے گھر کے اکیلے پن میں سوچیں انہیں بہت تکلیف دینے لگی تھیں۔ تنہائی بھی ایک مرض ہے کسی طرح کم نہیں یہاں ایلیا آنکھوں کے سامنے تھی جس کی وجہ سے تحریم کی دائمی جدائی اور وسیلہ کی دوری کا غم کچھ کم ہو جاتا تھا۔ پھر بچوں کی وجہ سے بھی وقت اچھا گزر جاتا تھا۔ کامران کی بیوی کا نام ارم تھا۔ ان کے دو بچے تھے۔ وہ بہت ہنس مکھ خاتون تھی۔ کام کاج نمٹا کر خود ہی ان کے ہاں آ جاتی۔ ایلیا کا بچوں کی وجہ سے بہت کم اُن کے ہاں جانا ہوتا، یہاں ارم کی سب سے بہت اچھی دوستی ہو گئی تھی۔ آج صبح وہ اپنے بھائی کے ساتھ میکے چلی گئیں تو شوہر کے لیے چابی ان کے گھر دے گئیں۔ کامران اسکول کی ڈیوٹی کے بعد گھر آیا تو اُن کی بیل بجائی۔ وہ چابی کو گود میں لیے دوپٹہ سر پر جمائے گیٹ پر آئی۔

"السلام علیکم۔" کامران خوش دلی سے مسکرایا۔

"وعلیکم السلام۔ جی میں چابی لاتی ہوں۔" وہ صورت سے تو پہچانتی ہی تھی۔ آمنے سامنے پہلی ملاقات تھی۔ چابی لے کر واپس آئی اور کامران کی طرف بڑھائی۔

"آ۔ آپ۔ کون۔؟" کامران نے تعارف لینے کی کوشش کی ایلیا کو کچھ اچھا تو نہیں لگا لیکن مروتاً جواب دے دیا۔

"جی میں مسز مومن۔"

"رئیلی...... "وہ اچھلنے کی ایکٹنگ کرتے پیچھے ہوا۔ اور ایلیا نے سخت ناگواری سے دیکھتے بنا کوئی تبصرہ لیے واپسی کی راہ لی۔ اس نے دیکھا نہیں کہ مومن بھی اسی وقت کار سے وہاں آ پہنچا تھا۔ کامران نے مومن کو دیکھا تو بڑی گرمجوشی سے بغلگیر ہوا۔ مومن اس سے تھوڑی دیر معمول کا حال احوال بانٹتے جلد ہی اندر آ گیا۔

"کیا کہہ رہا تھا کامران؟" اس نے واسکٹ اتار کر ایلیا کی طرف بڑھائی۔ اس نے وارڈ روب سے ہینگر نکالا۔

"پوچھ رہا تھا آپ کون ہیں۔" اس نے سادگی سے بتا دیا۔

"ہوں...... پھر......" مومن کا لہجہ بھی سرسری تھا۔

"میں نے بتایا کہ مسز مومن ہوں تو بلاوجہ حیران ہونے لگا۔" ایلیا کے ماتھے پر ابھی تک ناگواری

تھی۔ مومن نے تبصرہ نہیں کیا لیکن سمجھ گیا کہ وہ اس کی کم عمری پر اُچھل رہا تھا۔

"آئندہ بیل بجے تو اوٹ میں رہ کر بات کیا کرو، سامنے آنے کی ضرورت نہیں۔"

"جی....." ایلیا نے وارڈروب بند کرتے ہلکا سا سر ہلایا لیکن ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔ مومن کا پوزیسو ہونا اتنا خوبصورت احساس ہو سکتا ہے، اندر ایک خوشی کی کونپل پھوٹی۔

"عورت کہیں پر اکیلی ہو تو غیر مرد کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ محسن اور بردبار بن جائے لیکن اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اس کی نیت پر شک کرنا چاہیے۔" مومن نے تیوری چڑھائے کہنا شروع کیا۔ "اور مرد کتنا ہی بے باک کیوں نہ ہو، عورت کا سخت جواب اس کی ہمت کو ڈھیر کر دیتا ہے۔ اگلی بار تم پردے میں رہو گی تو اسے خود بخود جواب مل جائے گا۔" وہ تاکید مزید کر کے اپنے کپڑے لیے واش روم چلا گیا۔ وہ اس دوران اس کا کھانا کمرے میں لے آئی لیکن نوٹس کیا کہ مومن کا موڈ ہنوز آف ہے۔ چہرے کا تناؤ کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ تھوڑے فاصلے پر بیٹھی بچوں کے کپڑے تہہ کر رہی تھی۔ کبھی کبھار اسے بھی دیکھ لیتی۔

"مجھ پر بھروسا ہے؟" اس نے آہستہ سے پوچھا تو مومن کا ہاتھ رُکا۔ ایلیا نے اس کی بات کا کچھ اور مطلب لیا تھا۔ اس نے پانی کا گلاس واپس رکھا۔

"مجھے اپنے گھر کی ہر عورت پر بھروسا ہے۔ لیکن بات صرف اتنی ہے کہ آپ سب میری ذمہ داری ہو اور مجھے اپنی ذمہ داریوں کو اچھی طرح نبھانا ہے۔" وہ کھانا کھا چکا تھا اور اس کے بعد اپنے بابا کے پاس بیٹھتا تھا اس لیے ہاتھ صاف کر کے باہر نکل گیا۔ ایلیا کو پتا ہی نہیں چلا اور پلکیں نم ہو گئیں۔ مومن کی وضاحت نے اس کی ننھی سی خوشی اس سے واپس چھین لی۔ آئندہ وہ بھی کوئی مفروضہ نہیں گھڑے گی۔ اس نے خود سے تہیہ کرتے اپنی آنکھیں صاف کیں۔

☆☆☆

ہاجرہ بی بی جائے نماز سے اُٹھ رہی تھیں جب یوں لگا کوئی زور سے آ کر دروازے میں لگا ہے۔ انہوں نے کمرے کا دروازہ کھولا، باہر تو کوئی نہیں تھا۔ وہ حیران سی باہر نکل آئیں اور۔

"اوہ......" آج ایک مدت بعد پھر گلے کو حویلی کی چکر پھیریاں کاٹنے کا دل چاہا تھا۔ مہینوں تہہ خانے میں بند رہنے کے بعد اچانک ایک دن اسے باہر نکلنے کا دورہ پڑتا اور پھر وہ حویلی کا کوئی کونا نہ چھوڑتی۔۔۔ انتہائی تیز رفتاری سے بھاگتے کبھی کسی دیوار سے جا لگتی، کبھی کسی دروازے میں آ لگتی اور جب تک اس کا دل بھر نہ جاتا وہ اپنا مشغلہ جاری رکھتی۔ ہاجرہ بی بی نے دیکھا گلناز سامنے کے برآمدے سے دوڑ لگاتے ایک مرتبہ پھر اس برآمدے میں واپس آ رہی تھی۔ انہوں نے سوچا اپنے کمرے میں واپس چلی جائیں اور اس پگلی کو اپنے شوق پورے کرنے دیں کہ جاتے جاتے وہ چونک کر پلٹیں۔ گلناز قریب آ رہی تھی اور وہ اس کا دوپٹہ دیکھ کر ٹھٹکی تھیں۔ گلناز نے وسیلہ کا سرخ سہاگ والا دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔ گلناز نے ان کے نزدیک دیوار کے پاس بریک لگائی۔ ہنس کر انہیں دیکھا لیکن ہاجرہ بی بی کی نظر اب اس کی کلائیوں، کانوں اور گلے پر تھی۔ گلناز نے سارا زیور وسیلہ کا پہن رکھا تھا۔ وہ منہ کھولے ہکا بکا گلناز کو دیکھ رہی تھیں اور پھر آناً فاناً وہ وہاں سے بھی بھاگ کھڑی ہوئی تھی۔ لیکن ہاجرہ بی بی بجائے اپنے کمرے میں جانے کے تیز قدموں سے شہناز کے کمرے میں آ گئیں۔

"گلے کا خیال رکھو، وہ باہر آئی ہوئی ہے۔" انہوں نے روکھے لہجے میں مطلع کیا۔

"اچھا......" شہناز تڑپ کر بستر سے اٹھی۔

"گلے کس طرح تالے سے باہر آئی، اور وسیلہ۔" وہ بھاگ کر دروازے سے باہر نکلی لیکن مسرت نے چابی دکھا کر تسلی سے پلکیں موندیں تو شہناز کے انداز میں بھی سکون در آیا۔

"ہاں ہاں ٹھیک ہے۔ گھوم پھر کر واپس چلی

جائے گی۔" اس نے لاپروائی سے ہاتھ لہرایا۔

"گلناز نے وسیلہ کا سرخ دوپٹہ کیوں پہنا ہوا ہے۔"

"ہوں؟ شہناز پلٹی تو آنکھوں میں سوال اور ذہن میں ایک ساتھ کئی خدشے تیر رہے تھے۔

"گلناز نے وسیلہ کا دوپٹہ اور اس کے سونے کے زیور پہن رکھے تھے۔" ہاجرہ بی بی کے لہجے میں ترشی تھی۔ آج وہ قطعی شہناز کے رعب میں نہیں آنا چاہتی تھیں۔

"کیوں کیا گلے انسان نہیں ہے۔ اور زیور کیا وہ کھا جائے گی۔ پہن لیے تو کیا ہو گیا۔" شہناز نے بدتمیزی بلکہ ڈھٹائی سے پیش آنے کی کوشش کی۔

"ایسا ہے تو تم اپنے زیور اسے پہننے کے لیے دے دو۔ میری وسیلہ کی چیزیں کیوں؟ ہاجرہ بی بی نے ہاتھ کمر پہ رکھے ہوئے تھے۔ اور وہ ڈٹ کر کھڑی تھیں "پھر شوق ہی پورا کرنا ہے تو کوئی بھی سرخ دوپٹہ لا دو، زیور بھی نقلی پہنائے جا سکتے ہیں۔ اسے کون سا سمجھ ہے۔ میری بچی کے سہاگ کی چیزیں مجھے ابھی واپس کرو۔"

"جائیں جائیں۔ اپنے کمرے میں آرام کریں۔ میری بہو کی چیزیں ہیں، جیسے چاہے استعمال کروں۔" وہ حقارت سے کہتی وہاں سے دور چلی گئی۔ ہاجرہ بی بی کچھ دیر تک بے بسی سے اس کی پشت دیکھتی رہیں پھر کمرے میں آ کر بیٹھ گئیں۔ ان کے اندر انتہا کا غصہ اٹھ رہا تھا۔ اور کچھ ملے جلے خدشات۔۔۔ بہت سے سوال اور وسیلہ کے حوالے سے انتہا کی پریشانی۔ لیکن یہاں کون تھا انہیں جوابی تسلی دینے والا۔

☆☆☆

"خالہ نزہت سے بات کر رہی تھیں آپ؟" ایلیا نے چمچہ ہلاتے مامی کو دیکھا۔ وہ کسی سے بات کرتے ہوئے کچن میں داخل ہوئی تھیں اور اب خدا حافظ کہہ کر اجازت لے لی تھی۔ باتوں سے ایلیا کو بھی اندازہ ہوا کہ اپنی بہن سے بات کر رہی ہیں۔

"ہاں، میں نے ہی کال کی تھی۔" ندرت کا لہجہ سنجیدہ تھا۔

"بہت ہی کم آتی ہیں اب تو۔ طبیعت ٹھیک ہے ان کی۔" ایلیا اپنی سادگی میں پوچھ گئی اور ندرت نے اس بار مسکرا کر ایلیا کو دیکھا۔

"وجہ طبیعت ہوتی تو میں اُسے کئی بار پوچھ نہ آئی ہوتی۔"

"جی......؟" اس نے ناسمجھی سے مامی کو دیکھا

"مجھ سے کچھ گلے ہیں ان کو۔ ان کا اب دل نہیں چاہتا یہاں آنے کو۔" ندرت کا لہجہ دھیما اور افسردگی لیے ہوئے تھا۔

"ایسا کیا ہوا ہے مامی۔" ایلیا کا تھما سا دل تو ویسے ہی دھڑکنا شروع کر دیتا تھا۔ آنچ دھیمی کر کے وہ مامی کے قریب آئی۔ وہ کچن کی چھوٹی ٹیبل کے پاس بیٹھ کر سلاد کاٹ رہی تھیں۔ ایلیا بھی وہیں بیٹھ گئی۔

"ویسے تو اب بتی باتوں میں کچھ نہیں رکھا، پھر رشتے ناطوں میں بچوں کے بڑا ہونے پر ایسے فرق آنے ہی لگ جاتے ہیں۔ اصل میں نزہت کا شروع سے رجحان تھا کہ مومن کا رشتہ عروبہ سے ہو جائے۔ لیکن میں نے تحریم کا نام تو بہت پہلے لے لیا تھا۔ تب وہ اس لیے گلہ نہیں کر پائیں کہ انہوں نے اپنی مرضی مجھ پہ ظاہر ہی نہیں کی تھی۔ جب تحریم اور مومن کی شادی تیار ہو گئی تب انہوں نے کہا تھا کہ مجھے بھی مومن پسند تھا لیکن تم اپنی تند کو زبان دے چکی تھیں اس لیے میں چپ ہو گئی۔۔۔ بس پھر موضوع بدل کر دعائیں دینے لگیں کہ جو نصیب میں ہوتا ہے وہی ملتا ہے وغیرہ۔

لیکن تحریم کی وفات کے بعد نہ صرف نزہت کو پورا یقین تھا کہ اب میں عروبہ ہی لوں گی بلکہ انہوں نے اپنی مرضی بھی مجھ پر پہلے ظاہر کر دی تھی۔ انہوں نے کہا مومن ہمیں اتنا پسند ہے کہ ہم جڑواں بچوں کا معاملہ بھی قبول کر لیں گے۔ ہم سے مراد شاید عروبہ اور وہ خود تھیں۔ مجھے سن کر عجیب لگا کہ مطلب

"بچے" ان کے نزدیک ایک مسئلہ ہیں جنہیں وہ مومن کی محبت میں جیسے تیسے قبول کر رہے ہیں۔ اور اگر ایسا ہے تو پھر عروبہ کیسی ماں ثابت ہوگی۔ بس اسی لیے میں نے اپنے دل کی آواز سنی ہے۔" انہوں نے پیار سے ایلیا کا گال تھپکا اور وہ چپ بیٹھی سوچتی رہی کہ مومن بھی کہیں عروبہ کو تو پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن یہ بات ماں سے تو نہیں پوچھی جا سکتی تھی۔ دل البتہ یہی کہہ رہا تھا کہ کہیں تو کچھ غلط ہے، مومن اسے بچوں کی ماں سے کچھ بھی زیادہ سوچنے کو تیار نہیں تھے۔ جبکہ وہ خود۔ اس نے سلاد کی پلیٹ اٹھا کر جلدی سے اپنی جگہ چھوڑی۔ مومن کا نارمل رویہ اب اس کا دل دکھانے لگا تھا لیکن اسے تو کچھ پرواہ ہی نہیں تھی۔ اور ہائے یہ دل کے نازک پھپھولے، اب کہیں تو پھوڑنے ہی تھے۔ رات کو کام کاج سے فارغ ہو کر اور بچوں کو سلا کر اس نے پیپر پین سنبھالا کہ یہ لیٹر پیڈ تو بچپن سے اس کا خاموش دوست تھا۔ پھر جب سے مومن نے بچوں کو بڑے کمرے میں شفٹ کیا تھا اس کے لیے مومن کے جاگنے کے دوران وہاں جا کر سونا بہت کٹھن تھا۔ تبھی وہ روزانہ ہی بچوں کو سلا کر یہاں واپس آ جاتی۔

"کیا ہو رہا ہے؟" مومن دروازہ کھول کر اندر آیا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھی۔

"جی بس ویسے ہی کچھ لکھ رہی تھی۔" مومن کی اچانک آمد پر وہ بری طرح گھبرا گئی تھی۔

"رائٹر ہو تم؟" وہ پوچھنے کے انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔ ایلیا نے شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا۔

"نہیں۔"

"تو...... بجٹ ترتیب دے رہی ہو؟" مومن نے اپنی مسکراہٹ کو قابو میں کر رکھا تھا۔ اس نے چند دن میں ہی نوٹ کر لیا کہ ایلیا اس کے سامنے سونے سے گریز کرتی ہے۔ وہ اس کے سو جانے کے بعد ہی چھوٹے کمرے سے نکلتی تھی اور صبح اس کے اٹھنے سے پہلے ہی جاگ جاتی تھی۔

"ویسے ہی روز کی ڈائری لکھنے کی عادت ہے۔" وہ بتاتے ہوئے سخت مشکل میں تھی اور لیٹر پیڈ کو بھی پیٹھ کے پیچھے چھپا رکھا تھا۔

"آئندہ نائٹ بلب آف کر کے وقت پہ سو جایا کرو۔ بلاوجہ خود کو تھکانے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ اسے مشکل سے نکالتے واپس پلٹ گیا اور ایلیا نے ایک سکون کا گہرا سانس چھوڑا۔ لیٹر پیڈ کو بچوں کی الماری کے اوپری دراز میں رکھا۔ مومن نے اپنے ایک ہی جملے سے صاف کر دیا تھا کہ وہ اس کے یہاں آ چھپنے کی وجہ جانتا ہے۔ اور اس کا حل یہی تھا کہ کمرے میں اندھیرا کر دیا جائے تاکہ اسے لیٹتے یا سوتے جھجک نہ ہو۔ وہ بھی کہنا مانتے فوراً ہی پیچھے آ گئی مومن نے اپنا لیپ ٹاپ آف کر دیا تھا۔ اور نائٹ بلب بھی بند تھا۔ وہ کھڑکی سے آتی تھوڑی مدھم روشنی میں تقریباً اندازے سے اپنے میٹرس پر آئی اور باقی دنوں کی نسبت قدرے زیادہ بے فکری سے سو گئی۔

☆☆☆

میمونہ کو بہت دنوں سے منصب نے کام ذمے لگایا تھا کہ وہ دادی سے ملنے جائے۔ لیکن گھر کی روٹین اسے کہیں نکلنے کی اجازت ہی نہ دیتی تھی۔ آج بڑے دنوں بعد فراغت نصیب ہوئی تو بیٹے کو ساس کے حوالے کر کے وہ دادی سے ملنے حویلی آ گئی۔ زیادہ پریشانی اسے شہناز بی بی کی مداخلت کی تھی۔ پہلا سامنا اگر ان سے ہو جاتا تو بندے کے لیے پیچھا چھڑوانا مشکل ہو جاتا، وہ بھی اسے دادی کے پاس اکیلے نہیں بیٹھنے دیتی تھیں۔ اور اب تو وہ مہینوں بعد یہاں آ رہی تھی، وہ بھی منصب کے بارہا اصرار پر۔ ورنہ وسیلہ کی شادی کے بعد تو اس کا دل واقعی نہیں چاہتا تھا کہ حویلی جائے۔ وسیلہ کے حوالے سے دل میں درد اور پشیمانی کا ملا جلا احساس پیدا ہوتا۔ وہ بڑے پھاٹک کا چھوٹا دروازہ کھول کر اندر آئی تو دور تک حویلی میں کوئی دکھائی نہیں دیا۔ اس نے شکر ادا کرتے تیز قدموں سے صحن عبور کیا اس کا رخ سیدھے دادی کے کمرے کی طرف تھا۔ اندر آئی تو

دادی سامنے لیٹی ہوئی تھیں۔

"السلام علیکم دادی۔" اس نے اپنی آواز آہستہ رکھی۔

"وعلیکم... السلام..." وہ جواب کے دوران پہچاننے کی کوشش کرتے لگیں۔

"میمونہ ہوں دادی۔" وہ ان کے قریب جھکی۔

"میمونہ ہو...... جیتی رہو...... وہ بڑے دل سے مسکرائی تھیں۔ فوراً ہی جذبے سے اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

"کب سے کسی اپنے کی راہ دیکھ رہی تھی۔ شکر ہے آ گئیں۔"

"بس دادی معافی چاہتی ہوں۔ مصروفیت نکلنے ہی نہیں دیتی۔"

"ہاں مجھے احساس ہے۔ اور بچے کیسے ہیں، تمہاری ساس، شوہر سب خیریت سے ہیں؟"

"جی دادی سب آپ کی دعا ہے۔" وہ انہی کے پلنگ پر ان کے نزدیک ہی بیٹھ گئی۔

"منصب اور رمشہ کیسے ہیں۔ ادھر تو لگتا ہے پھر آنا ہی نہیں ہوا ان کا؟"

"جی دادی، یہی بات ہے، منصب بہت مصروف ہو گیا ہے۔"

"باہر...... کسی سے ملتا ہوا میمونہ؟" دادی نے اس کا ہاتھ تھام کر تھوڑا قریب کیا۔ انداز کچھ محتاط سا تھا۔

"نہیں دادی۔ شکر ہے کسی نے مجھے نہیں دیکھا۔" اس نے بھی آواز بے حد کم رکھی۔

"مجھے تم سے بہت ضروری باتیں کرنی ہیں میمونہ۔ میرے پاس دل کا حال کہنے کے لیے کوئی اپنا نہیں ہے۔ شہناز مجھے وسیلہ کی ماں تک سے بات کرنے نہیں دیتی۔"

"اور وسیلہ دادی... وہ کیسی ہے... اور کہاں ہوتی ہے؟"

"ساری اسی کی تو پریشانی ہے میمونہ۔ تم میری ساری باتیں دھیان سے سنو اور منصب کو بتا کر اسے کہو کسی طرح میری بہو رضوانہ تک پہنچائے۔ وہ تو پولیس میں ہے، ان لوگوں کو ڈھونڈ نکالے گا۔"

"اس کی تو ضرورت نہیں ہے دادی، میں وسیلہ کے گھر والوں سے واقف ہوں۔ رضوانہ آنٹی سے بھی مل چکی ہوں۔ ایلیا، وسیلہ اور رمشہ بہت اچھی دوست ہیں۔"

"اچھا" دادی کی آنکھوں میں خوشی اور بے یقینی کی چمک ابھری۔ "پھر تو یہ اللہ کی مدد ہی ہے میمونہ۔ مجھے تو بس یہ جاننا تھا کہ کیا رضوانہ کا وسیلہ سے کچھ رابطہ وغیرہ ہے یا نہیں۔ کیونکہ میں نے تو دلہن بنی وسیلہ کو دیکھا دو باتیں ہوئیں اور اس کے بعد وہ یوں پلک جھپکتے میں غائب ہو گئی کہ میں حیران پریشان بیٹھی رہ گئی۔ مجھے سمجھ میں نہیں آتی عین اگلی صبح ارحم کا چترال جانا کیوں ضروری تھا۔ وہ بھی دلہن کو ساتھ لے کر۔ اور پھر اتنی مدت گزر گئی۔ وہ لوگ واپس کیوں نہیں آ رہے۔ تم کسی طرح رضوانہ تک یہ پیغام پہنچاؤ کہ اپنی بیٹی کی خیریت کی خود خبر لیں۔ چاہیں تو چترال بھیج دیں کسی کو۔ مجھے اب بہت وہم اٹھنے لگے ہیں۔ اور ہاں یہ بات میں نے اپنے کانوں سے سنی تھی کہ اس شادی سے شہناز اور ارحم کا کچھ خاص مقصد ہے۔ میں نے بہت کوشش کی تھی کہ یہ بات کسی طرح رضوانہ کو بتاؤں لیکن انہوں نے ایسا نہیں ہونے دیا تھا۔" ماجدہ بیگم کو جو بھی موقع میسر آیا انہوں نے وسیلہ کے متعلق اپنے تمام خدشات میمونہ کے سامنے دوہرا دیے۔ میمونہ نے بغور ان کی ہر بات سنی بھی اور جلد از جلد اسے منصب کو بتانے کا وعدہ کر کے اسی خاموشی سے گھر واپس لوٹ آئی۔

منصب کا لہجہ اس کی سنجیدگی بھی یہی بتاتی تھی کہ کہیں کوئی گڑبڑ ضرور ہے جس کی تہہ تک پہنچنا بہت ضروری ہے۔ وہ بھی جلد از جلد۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆

فرح بخاری

شامِ شہرِ ہجر

میانعم کا گھرانہ ہے جہاں ایک گھر میں دو خاندان رہتے ہیں۔ رضوانہ کی تین بیٹیاں ہیں۔ شوہر مر چکے تھے ندرت بھاوج ہیں ان کا ایک بیٹا ہے مومن جس کی منگنی رضوانہ کی بیٹی تحریم سے طے تھی۔ وسیلہ نے ایل ایل بی کیا تھا لیکن ماں کی بیماری کی وجہ سے پریکٹس نہیں کر سکی تھی۔ چھوٹی ایلیا کالج کی طالبہ ہے۔

تھانہ میں حویلی میں رہنے والی دادی منصب پر بہت مہربان ہیں وہ ان کے منشی کا بیٹا ہے۔ حویلی میں کوئی اس کا آنا پسند نہیں کرتا۔ دادی اس کی تعلیم کا خرچہ اٹھاتی ہیں وہ پولیس آفیسر بن جاتا ہے اس کا ٹرانسفر میانعم ہو جاتا ہے۔ منصب کی دو بہنیں ہیں میمونہ اور رمشہ، میمونہ شادی شدہ ہے۔

حویلی میں رہنے والی شہناز اور کمال خان کا بیٹا ارحم ہے جو ضدی اور بد دماغ سا ہے۔ شہناز بی بی کی بہن گلناز ہے جو نیم پاگل ہے۔ ارحم شادی کرنا چاہتا ہے۔

رضوانہ اور عدرت مومن کے ساتھ شاپنگ پر جاتی ہیں دو گاڑیوں میں قافلہ جاتا ہے ایک گاڑی وسیلہ اور دوسری مومن چلا رہا ہے راستے میں بارش اور طوفان کا سامنا کرنا پڑتا ہے منصب بھی اس طوفان کا شکار ہوتا ہے۔

ویلیہ اور منصب اس طوفان میں ملتے ہیں۔ اتفاقاً ویلیہ ایک پتا پوچھتے منصب سے ٹکراتی ہے وہ اسے مختصر راستے سے اپنے گھر لے کر جاتا ہے۔ لیکن وہ اس پر شک کرتی ہے بعد میں اسے منصب کے گھر اسی پتے کی غرض سے جانا پڑتا ہے تو وہ شرمندہ ہوتی ہے۔

تحریم [illegible] ویلیہ منصب اور رمشہ کو انوائٹ کرتی ہے۔ منصب اور رمشہ کو ویلیہ اچھی لگتی ہے تحریم اور مومن پوری فیملی کے [illegible] کالام گھومنے جاتے ہیں اسی سفر میں ویلیہ اور منصب کی پھر ملاقات ہو جاتی ہے۔

ارحم رضوانہ اور ان کی فیملی کو ڈھونڈ لیتا ہے اور شہباز اور دادی کو بھی ان سے ملوانے لاتا ہے۔ رضوانہ کا خوف ختم ہو جاتا ہے شہباز ارحم کے لیے ویلیہ کا رشتہ مانگتی ہے۔ منصب کو جب یہ بات پتا چلتی ہے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

مومن کی شادی ایلیا سے ہو جاتی ہے وہ اس رشتہ کو قبول نہیں کر پاتا کیوں کہ اس کے انکار کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ ثانیہ عیسٰی کے بھائی کا علاج کرتی ہے۔ وہ اس لڑکی کی شادی کا پتا چلنے پر خودکشی کر لیتا ہے۔ عیسٰی اس سب کا ذمہ دار ڈاکٹر ثانیہ کو سمجھتا ہے۔ اس کے کلینک پر توڑ پھوڑ کی جاتی ہے۔ وہ مجبوراً [illegible] آجاتے ہیں۔ شہباز شادی میں دادی کو نہیں لاتی۔ منصوبے کے تحت وہ ویلیہ کو اپنی نیم پاگل بہن کے ساتھ تہہ خانے میں بند کر دیتی ہے۔

ساتویں قسط

سے پھر کی چائے وہ بابا کے ساتھ پیتا تھا۔ امی پاس بیٹھ کر انہیں پرچ میں تھوڑی تھوڑی کر کے چائے پلاتیں، کبھی وہ خود کوشش کرتا...... آج صبح اسے ڈاک سے بابا کی رپورٹس موصول ہوئی تھیں، رپورٹس اس نے اسلام آباد کے ایک ہسپتال بھجوائی تھیں۔

ماموں زاد احسن کی پچھلے دنوں ہی اسلام آباد میں جاب لگی تھی۔

رپورٹس اسی نے واپس بھجوائی تھیں اور بتایا تھا کہ ڈاکٹرز کے مطابق پیشنٹ کو کچھ عرصے کے لیے ایڈمٹ کرنا پڑے گا۔ مومن نے یہ رپورٹس آفس سے آ کر سب سے پہلے رضوانہ پھپھو سے ڈسکس کی تھیں۔

"توفیق کو کس کے ساتھ بھیجا جائے یا کتنے عرصے کے لیے بھیجا جائے، میرا خیال ہے وہ تم مجھ سے بہتر سمجھتے ہو...... اور تمہارا یہ مشورہ میرے دل کو لگتا ہے کہ بجائے تمہارے، ندرت کو توفیق کے پاس ہونا چاہیے۔ ویسے بھی تم بتا رہے ہو کہ احسن نے باقی معاملات سنبھالنے کا ذمہ خود لے لیا ہے۔ یعنی آدمی والی بھی کوئی پریشانی نہیں...... لیکن ہاسپٹل کے اخراجات، علاج وغیرہ......؟"

"میں نے لون اپلائی کر دیا ہے۔ ان شاء اللہ جلد اچھی خبر ملے گی۔" اس نے رپورٹس کو لفافہ میں ڈالا۔

"میں ایک بات کہنا چاہتی ہوں مومن...... لیکن پہلے یہ چاہتی ہوں کہ تم میری بات میرا داماد یا بھتیجا بن کر نہیں بلکہ بیٹا بن کر سنو گے اور مانو گے۔"

"میں نے کبھی آپ کو ساس نہیں سمجھا، آپ میری پھپھو ہیں اور بالکل میرے لیے ماں جیسی ہیں۔ آپ حکم کریں۔"

"میں نے اور جمال نے اپنی تینوں بیٹیوں کے لیے بہت وقت پہلے سے زیور بنا رکھا تھا۔ وسیلہ کو اس کا حصہ اللہ پاک نصیب فرمائے وہ اپنے ساتھ لے گئی ہے۔ میں نے ایلیا کو زیور دینا چاہا تو ندرت اسی وقت جا کر تحریم کا سارا زیور اٹھا لائی، اور یہ کہہ کر واپس لوٹا دیا کہ اس زیور پر اب ان کا کوئی حق نہیں۔ اور میں چاہتی ہوں اس تیسرے حصے کو ہم تحریم کی بخشش کی خاطر ایک اچھے کام پر خرچ کریں۔"

"لیکن......" مومن نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

"کچھ مت کہنا مومن...... میں تو بس یہی سوچ پائی ہوں کہ جس کے لیے بنایا تھا اس کے نصیب میں نہیں تھا۔ اور جو زندہ ہے لیکن زندگی کی اصل خوشی سے عاری ہے اسے جینے کے لیے اس کی ضرورت ہے۔"

"آپ سچ کہہ رہی ہیں پھپھو...... اور مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ یہ بات میں اب تک کیوں سوچ نہیں پایا۔ زیور تو امی کے پاس بھی رکھا ہے تو کیوں نہ پہلے اسے بیچ کر بابا کے علاج پر خرچ کیا جائے...... اور آگے بھی ضرورت پڑی تو بھروسا رکھیں، میں مانگنے سے ہچکچاؤں گا نہیں۔"

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی...... بس اب توفیق کے علاج میں کوتاہی نہیں ہونی چاہیے۔ میری دعا ہے وہ اپنے پیروں پہ چل کر گھر واپس آئے۔ تم بسم اللہ کرو۔"

"جی۔ مجھے یقین ہے وہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔" اس نے پھپھو کے بڑھے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا تھا۔

"چائے۔" ایلیا نے کپ آگے کیا اور وہ خیالوں سے چونکا۔ اس نے اب ساری بات بابا اور امی کو بتائی تھی۔ اس کی امی چائے پرچ میں ڈال رہی تھیں۔ مومن نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے سرسری بابا کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا رہے تھے۔ مومن ایک خوش گوار سی محسوس کرتے انہیں دیکھے گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ بابا کیوں مسکرا رہے ہیں اور تب ہی توفیق صاحب نے ابرو ایلیا کی طرف اٹھا کر مومن کو دیکھا۔ مومن نے کچھ نہ سمجھتے پہلے ایلیا کو اور پھر دوبارہ بابا کو دیکھا۔

اس بار انہوں ہلکا سا بائیں ہاتھ کا انگوٹھا اوپر اٹھایا اور مسکرا کر ابرو پھر ایلیا کی طرف اٹھایا۔ مومن سمجھ گیا وہ ایلیا سے خوش ہیں اور ان دونوں کو مسکرا کر دیکھ رہے ہیں۔ وہ اسے بتا رہے تھے کہ ایلیا انہیں پسند ہے۔ مومن بھی ان کا دل رکھنے کے لیے مسکرا دیا۔

☆☆☆

"کیوں بی بی...... خیر تو ہے...... آپ کی طبیعت ٹھیک ہے نا؟" مسرت نے دودھ کا گلاس شہناز بی بی کی طرف بڑھاتے ان کے پریشان چہرے کو دیکھا تو وہ چونک گئی۔

"ہوں......؟" پہلے سر اٹھا کر خالی خالی نظروں سے مسرت کو دیکھا پھر ایک گہرا سانس باہر نکالا۔

شہناز کی پریشانی کی وجہ ارحم کا رویہ بنا ہوا تھا۔ وہ چترال سے واپس آنا چاہتا تھا اور شہناز کا وسیلہ کو اذیت دیتے دل ہی نہیں بھر رہا تھا۔ وسیلہ بہادر اور مضبوط اعصاب کی نکلی تھی، گلناز کے ساتھ سے اس نے مصالحت کرلی تھی۔ نہ احتجاج نہ منت سماجت، نہ رونا دھونا...... وہ تو اب چٹے ہوئے شہناز کی بے بسی کو دیکھتی اور شہناز تملاتی ہوئی واپس آتیں، آخر انہوں نے اتنا آسان کیوں سمجھا تھا کہ وسیلہ بھی ایک دن گلناز کے ساتھ رہتے، بہت جلد گلناز جیسی پاگل ہوجائے گی اور پھر وہ اس دیوانی کو رضوانہ کے آگے پھینک آئیں گی کہ لو اب سنبھالو اس تحفے کو اور بیٹھ کر روؤ اپنے ماضی کے ان فیصلوں پر، جنہوں نے میری بہن کو زندگی بھر کے لیے ایک تہہ خانے کی نذر کردیا۔

"تم جاؤ تم...... دیکھو اماں کیا کر رہی ہیں۔"

اس نے دودھ کا گلاس بھی ایک سائیڈ پہ رکھ دیا۔ مسرت باہر نکل گئی اور شہناز نے بیڈ کے نیچے سے ایک ایکسٹینشن تار نکال کر چھری اور قینچی کی مدد سے اس کے درمیان میں کوئی انچ بھر جتنی جگہ سے پلاسٹک ہٹا کر گولڈن تار کو ننگا کردیا۔ کچھ دیر تک بیٹھی دیکھتی رہیں، پھر لب بھینچ کر تہہ کرتے پلنگ کے نیچے ڈال دیا۔ آنے والے کچھ ہی دنوں میں باقی معاملات کو بھی گھیر کر اس ایک انچ کے ننگے ٹکڑے پر لانا تھا اور بس...... پھر سب کچھ ان کی مرضی کے مطابق ہوتا چلا جائے گا۔

☆☆☆

مومن ساڑھے تین بجے کے قریب گھر کے گیٹ پر پہنچا تو اسی وقت ساتھ والے گھر کے گیٹ سے کار باہر نکلی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر کامران بیٹھا تھا۔ ساتھ والی سیٹ پر اس کی مسز اور پیچھے دو بچے۔

کامران نے مومن کو دیکھا تو ہلکا سا مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلایا اور قریب سے کار نکال لے گیا۔

مومن نے بیک ویو مرر میں جاتی ہوئی کار کو دیکھا۔ بظاہر یہ ایک بہت ہی عام سا منظر تھا۔ جس کو دیکھتے پر سوچ کی کوئی کھڑکیاں دروازے نہیں کھل سکتے تھے لیکن مومن کے، لاشعور میں چھپی ایک محرومی نے پہلے تو اندر ایک خلا سا پیدا ہوتا محسوس کیا۔

اُسے بڑی شدت سے آج تحریم کی یاد آئی تھی۔ اگر آج وہ زندہ ہوتی تو وہ، تحریم ان کے دونوں بچے بھی اسی طرح ہنستے کھلکھلاتے کار میں کہیں گھومتے جاسکتے تھے...... اور...... پھر اسی سوچ کے آتے ہی ایک دوسرا خیال...... ایلیا...... جس نے اپنی نادانی اور جذباتی پن میں اپنے لئے ایک مشکل زندگی کا انتخاب کرلیا تھا۔ اپنی آدھی ادھوری زندگی کا تصور کرتے وہ اسے بھی بھی فراموش نہیں کرتا تھا۔

اس کم عقل پر غصہ، جھنجلاہٹ اپنی جگہ لیکن افسوس کیے بنا بھی وہ بھی نہ رہ پاتا تھا۔ وہ بھی شاید ان دو ماؤں کی وجہ سے ہامی بھرنے پر مجبور ہوئی تھی۔

کالج کی بے فکر زندگی چھوڑ کر آج وہ دو دو بچوں کو سنبھالنے میں لگی تھی۔ وہ سوائے خاموشی سے ان حالات کو دیکھتے رہنے کے اور کچھ نہیں کرسکتا تھا۔

مومن نے ایک آہ بھر کر گاڑی گیٹ کے اندرونی جانب کھڑی کی۔ مومن نے اپنا لیپ ٹاپ ہاتھ میں لیا۔ گاڑی بند کی اور تب ہی بچوں کے رونے کی آوازیں کانوں میں آنے لگیں۔ آج تو دونوں ہی روئے جارہے تھے۔ وہ نسبتاً تیز قدموں سے کمرے میں آیا تو ایلیا، عابی کو جلاتے ساتھ ساتھ پلنگ پر کتنی روتی ہوئی ریبا کے سامنے جھنجھنا بجا رہی تھی۔

"کیا ہوا...... امی کہاں ہیں؟" اس نے لیپ ٹاپ رکھ کر عابی کو ایلیا سے لے لیا۔

"جی وہ ماموں کو کھانا کھلا رہی ہیں۔" ایلیا نے جلدی سے ریبا کو گود میں اٹھالیا

"اور یہ کیوں شور کررہے ہیں...... بہل کیوں نہیں رہے؟"

"جی وہ ریا تو شوق سے کارٹون دیکھ رہی تھی۔ اچانک لائٹ چلی گئی تو رونے لگی۔ اور عابی کو بھوک لگی ہے۔ اس کا سیریلیک بنانا ہے لیکن ریا کو اکیلا چھوڑ کر کچن نہیں جا سکتی۔"

وہ اپنی مجبوریوں کی تفصیل بتا رہی تھی اور مومن کو اس کی حالت پر شدید ترس آیا۔ دل میں اپنے گھر چلے آنے پر شکر بھی کیا۔

"اوکے۔ تم جلدی سے اس کا سریلیک بنا لاؤ۔ میں ہوں ان کے پاس۔ وہ وہیں بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گیا اور دونوں کو سامنے بیڈ پر بٹھا لیا۔ ایلیا اس دوران تیزی سے باہر دوڑ گئی۔ مومن نے سوچنے کے لیے بہت ہی مختصر وقت لیا۔ جس وقت ایلیا نپل والے فیڈر میں سیریلیک بنا کر لائی۔ وہ عابی کو لے کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"ریا کو لے کر میرے پیچھے آؤ۔"

وہ فوراً ہی باہر نکل گیا اور ایلیا کچھ نہ سمجھتے اس کے پیچھے پیچھے آ گئی۔ مومن نے امی کے کمرے میں جھانک کر کچھ کہا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

"بیٹھو!" اس نے حیرت سے جمی کھڑی ایلیا کو دیکھا تو اس نے جلدی سے فرنٹ ڈور کھولا۔ مومن نے عابس کو اپنے ساتھ ہی بٹھا لیا تھا۔ گاڑی باہر نکال کر جوں ہی وہ سڑک پر آیا۔ دونوں بچوں کو ایک دم چپ لگ گئی۔ مومن کے چہرے پر پہلی مرتبہ مسکراہٹ آئی۔ ریا کے گالوں پر آنسو تو تھے لیکن چہرے پر خوشی آ چکی تھی۔ یہی حال عابس کا تھا۔

"دیکھ رہی ہو۔" اس نے ابرو اٹھایا۔ "گھومنے پھرنے کا مزا اب ان کو بھی سمجھ میں آنے لگا ہے۔"

"جی۔۔۔۔" وہ بھی ہلکا سا مسکرا دی۔ مومن کے عجلت میں باہر چلے آنے کی وجہ اب وہ سمجھ گئی تھی۔ وہ بچوں کو سیر کروا کے چپ کرانا چاہتا تھا اور وہی ہوا۔ دونوں کار کے چلتے ہی بالکل پرسکون ہو گئے تھے۔

"عابی کو مجھے دے دیں۔ میں دونوں کو بٹھا لوں گی۔" عابی کو ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان دیکھ کر ایلیا کو گھبراہٹ ہو رہی تھی۔

"ہوں۔۔۔۔" مومن نے بھی کار کو سائیڈ پہ روک کر عابی کو ایلیا کے گھٹنے پر بٹھایا اور وہ بھی بڑی تابع داری سے اس کے پاس چلا گیا۔ ایلیا نے اس کا فیڈر اسے تھمایا تو وہ خود ہی اس کی نپل والی کیپ کے ذریعے سے سیریلیک پینے لگا۔ مومن کار کو میاعدم(?) کی ذیلی سڑکوں پر گھما رہا تھا۔ ایلیا کو شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ وہ تھکا ہوا آفس سے آیا ہے اور کھانا بھی نہیں کھایا۔ وہ اس مسلسل ڈرائیونگ سے پریشان ہو رہی تھی لیکن مومن سے کہنے کی ہمت بھی نہ تھی۔

"خالہ نزہت کا گھر قریب ہے۔۔۔۔ چلیں؟ بچوں سے مل کر خوش ہو جائیں گی۔" مومن کی آواز کانوں سے ٹکرائی تو ایلیا نے چونک کر سر اٹھایا۔ خالہ نزہت کے حوالے سے بہت کچھ ذہن میں گھوم گیا۔ جس سے مومن بے خبر دکھائی دیتا تھا۔

"جی۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔ مامی سے پوچھ لیں اگر۔۔۔۔"

وہ بہت جھجک کر بس اتنا کہہ پائی۔

"ارے۔۔۔۔ امی سے کیا پوچھنا ہے۔ خالہ ہیں میری۔" مومن اس کی بے تکی بات پر اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ ایلیا نے خود کو بہت مشکل میں گھرا محسوس کیا۔ تجانے ندرت ممانی نے وہ سب باتیں مومن کو کیوں نہیں بتائی تھیں۔۔۔۔ پچھلے دنوں نزہت خالہ خود ان کے ہاں آئی تھیں۔ خالہ کی ناراضی چونکہ اعلانیہ اور کھلم کھلا نہ تھی تو آنا جانا بھی برقرار تھا۔ البتہ اس میں کمی بہت آ گئی تھی۔

چند دن پہلے جب وہ آئیں تو ایلیا پر دو تین طنزیہ جملے بھی کس کر گئی تھیں۔ وہ صرف ندرت مامی کو دیکھ کر رہ گئی تھی۔ مامی چونکہ خود بھی بہت لحاظ روا رکھنے والی خاتون تھیں، انہوں نے بھی بہن کو جواباً کچھ نہیں کہا تھا۔ لیکن ان کے گھر جانا ایلیا کو بالکل ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔

"وہ۔۔۔۔ مامی کہہ رہی تھیں کہ وہ خود مجھے لے آئیں گی خالہ کے گھر۔۔۔۔ اور۔۔۔۔ یہ۔ عابی کو بھی نیند آنے لگی ہے۔" اس نے جلدی سے بات کو دوسری جانب موڑا۔ "گاڑی سے نکلتے ہی رونے لگے گا۔

اور آپ نے کھانا بھی تو کھانا ہے۔ تو۔ ہم واپس...... چلیں۔"

اس نے ڈرتے ڈرتے اجازت طلب کی اور اس بار مومن نے بھی بنا کچھ کہے گاڑی ریورس میں ڈال دی۔

"اوکے بچو...... آج کے لیے اتنی سیر کافی ہے۔ نیکسٹ ٹائم تم دونوں کو پارک لے جائیں گے۔" وہ مسکرا کر ریا کو دیکھتے ہوئے اپنے پلان بتانے لگا۔

ایلیا نے بھی دل میں ترتیب دینا شروع کیا کہ اگلی بار کیسی تیاری کے ساتھ نکلا جائے تاکہ بچے خوب انجوائے بھی کر سکیں۔ والد صاحب کو اچانک ہی احساس ہو گیا تھا کہ بچے اب بڑے ہو رہے ہیں اور ان کی آؤٹنگ بھی ضروری ہے۔

"آ جاؤ...... بچوں کے لیے کچھ سامان لے لو۔" مومن نے کار کو ایک سپر اسٹور کے سامنے روکا۔ وہ اپنی چادر سر لگاتی اس کے پیچھے چلی آئی۔ مومن بچوں کے لیے کیک، بسکٹ، جوسز وغیرہ جمع کرنے لگا۔ ایلیا نے بھی کچھ ضروری سامان اٹھایا۔

"تم نے کچھ نہیں لینا۔" وہ قریب کھڑا پوچھ رہا تھا۔ ایلیا نے سر نفی میں ہلایا۔ مومن نے کاؤنٹر پہ آ کر اسے باہر چلنے کا اشارہ کیا۔ اس کے جانے کے بعد ایک چاکلیٹ کا ڈبا بھی سامان میں شامل کر لیا۔ اتنا تو گھر کے فرد کی حیثیت سے وہ بہت پہلے سے جانتا تھا کہ ایلیا چاکلیٹس کی دیوانی ہے۔ اور وہی ایلیا آج مدے اماں بنی جب بچوں کی چیزیں خرید رہی تھی تو چاکلیٹ کے ڈبے سے بالکل ہی انجان بن کر گزر گئی تھی۔ اس کے اندر چند ماہ کے اندر ہی بالکل روایتی ماؤں والے بن چکے تھے۔ یہ باتیں مومن کو بہت تکلیف دیتی تھیں۔

وہ ایلیا سے باوجود کئی جگہوں پر اختلاف رکھنے کے اس کا مشکور اور ممنون بھی تھا۔ وہ اس کی اولاد کو جس محبت سے سنبھال رہی تھی۔ یہ ایلیا کا اس پر احسان تھا۔ اور مومن کی سوچ یہ کہتی تھی کہ یہ سب ایلیا کی ڈیوٹی ہرگز نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ آج بھی ایلیا کو بچوں کی خالہ سمجھتا تھا۔ حالانکہ ماں سمجھنے کی کوشش بھی ضرور کرتا تھا کہ ایلیا کا ہاتھ جوڑ کر شادی کے لیے رضامند کرنا اسے بھولا نہ تھا۔ پھر وہ اپنے ننھے منے بچوں کو جما ما سکھاتی نظر آتی تو اس حقیقت کو قبول کرنے کی جدوجہد اسے بھی کرنا پڑ جاتی کہ اب وہ ان بچوں کی ماں بھی ہے۔

☆☆☆

وہ اس سہانی بادلوں بھری دوپہر میں پولیس اسٹیشن سے واپس لوٹ رہا تھا۔ گھر کے باہر والے سرسبز ڈھلانی قطعے پر رمشہ اور تانیہ کو خوشگوار موڈ میں بیٹھے دیکھا تو مسکراتا ہوا ان ہی کی طرف آ گیا۔

"کیسی ہو بے فکر لڑکیوں......؟"

"اب تمہیں کیا بتائیں، بے چاری لڑکیوں کو کیسی کیسی فکریں لاحق ہیں۔" تانیہ نے ایک مصنوعی آہ بھری۔

"کمال کرتا ہیں...... کیونکہ ایک عدد ذمہ دار فکر کرنے والا مرد اس وقت بالکل فری ہے۔" وہ آستینوں کے بٹن کھولتے ایک اونچے پتھر پر بیٹھ گیا۔

"تو یہ ذمہ دار مرد اپنی ڈیوٹی میں سے تھوڑا سا قیمتی وقت عنایت کرتے ہمیں مالم جبہ گھما لائے۔"

تانیہ نے بلا جھجک فوراً ہی کہہ دیا جس پر رمشہ کو ہنسی آئی اور منصب کا منہ کھلا...... گھمانے پھرانے کے معاملے میں وہ انتہا کا سست واقع ہوا تھا۔

"آں...... وہ ایکچوئلی ایسا ہے کہ ذمہ دار تو میں ہوں، فکریں بھی خوب لاحق رہتی ہیں لیکن ابھی اتنا ویلا نہیں ہوں کہ جاب چھوڑ کر مالم جبہ کے پہاڑوں پہ چڑھ جاؤں۔" وہ ہاتھ جھاڑتے فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہائیں......" تانیہ نے آنکھیں نکالیں "یار رمشا تمہارا بھائی تو ایک دم ہی روڈ اور بدتہذیب ہے۔"

"جی ہاں، اور یہ بدتہذیب روڈ آدمی یہ چاہتا ہے کہ یہ دو بے فکری اور ناشکری عورتیں، بجائے وقت ضائع کرنے کے جلد از جلد کسی کام سے لگیں اور اپنے فرائض کو سمجھیں۔"

"اچھا جی!" تانیہ نے تحمل سے سُنا "اور ذمہ داری کے حوالے سے کیا ہے جناب کے دماغ میں؟"

"ہوں...... یہ کیا تاسیاتوں والا سوال۔" وہ ایک بار پھر واپس بیٹھ گیا اور بغور ان دونوں کو دیکھنے لگا۔

"تو تانیہ سرفراز...... تاجور نے پتا کروا لیا ہے...... سردار عیسیٰ اور اس کے کوئی بھی بندے اب آپ کی کھوج میں نہیں لگے ہوئے۔ سردار عیسیٰ ان دنوں نئے الیکشن کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ اور ظاہری سی بات ہے کہ ایسے موقع پر انہیں اپنی ریپوٹیشن کو چار چاند لگانے ہوتے ہیں۔ کسی بھی قسم کا منفی اقدام وہ افورڈ ہی نہیں کر سکتے، دوسری اہم بات یہ کہ کچھ عرصہ پہلے تک جب اس کے بندے تم لوگوں کو تلاش کر رہے تھے تو یہاں میانڈم میں ایسی کوئی کارروائی دیکھنے میں نہیں آئی۔"

"ہوں...... تانیہ نے تدبر سے سر ہلایا" یہ تو واقعی خوش آئند ہے منصب، اور اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ میرا ننھیالی خاندان تھانہ میں ہے اور ابو کا خاندان بٹ خیلہ میں تو شاید ادھر پتا کروایا گیا ہوگا۔ یہاں میانڈم میں صرف بھی ماموں رہتے ہیں اور یہ بھی رشتے کے ماموں ہیں۔"

"اور تمہارے ذہن میں اب کیا ہے؟" رمشہ نے منصب کی پہلی بات کی طرف دھیان دلایا۔

"یہی کہ تانیہ کو یہاں دوبارہ اپنا کام شروع کر دینا چاہیے اور تم اس کے ساتھ رہو، تمہارے ہوتے اسے یقیناً مورل سپورٹ ملے گی۔ پھر وقت بھی اچھا کٹ جائے گا تم دونوں کا۔"

"واہ...... آئیڈیا تو زبردست ہے...... کیوں تانیہ......" رمشہ کو حقیقتاً سن کر اچھا لگا۔ اور تانیہ کے لب بھی کچھ مسکرا دیے۔

"رمشہ کا نام لے کر تم نے مجھے بھی سوچنے پر مجبور کر دیا۔ اوکے...... میں امی بابا کو سمجھانے کی کوشش کرتی ہوں۔"

"ضرور سمجھاؤ تانیہ! بلکہ تم جس پیشے سے منسلک ہو، تمہیں تو بول کر قائل کرنا آتا ہے۔ میں دلیلیں اور بحثیں تو زیادہ نہیں جانتا، اتنا ضرور مانتا ہوں کہ زندگی سانس لینے کا نام نہیں، ہر قسم کے حالات میں بہادری سے ڈٹ کر کھڑے ہونے کا نام ہے۔ بھلے تم مجھے بزدلی کا طعنہ دے چکی ہو۔" وہ آخر میں مسکرایا" ہوسکتا ہے تم صحیح ہو، لیکن بزدل انسان کسی کو مشورہ تو اچھا دے ہی سکتا ہے۔"

"سوری، میں نے شاید تمہارا دل دکھایا۔" تانیہ شرمندہ ہوگئی۔

"دوستوں کی تنقید پر دل نہیں دکھتا، سوچ کے در وا ہوتے ہیں۔" وہ اتنا کہہ کر رکا نہیں اور گھر کی اونچائی چڑھتا چلا گیا۔

☆☆☆

سخت گرمیوں کی عین تپتی دوپہر تھی۔ تھانہ میں گزرے کئی ہفتوں سے بارش نہیں ہوئی تھی۔ نوکر چاکر، ڈھور ڈنگر تک سائے تلے آرام کر رہے تھے۔ گرمی پچھلے کئی دنوں سے معمول سے کچھ زیادہ ہی پڑ رہی تھی۔

مسرت سے کہلوا کر شہناز نے گلناز کو اوپر بلوا لیا تھا۔ ارحم کی شادی سے پہلے حویلی میں جو دو نئے کمرے بنوائے تھے، ان میں سے ایک ارحم اور وسیلہ کا تھا اور دوسرے میں بس وسیلہ کے جہیز کا سامان رکھا تھا۔ مسرت نے گلناز کے لیے وہیں چارپائی ڈالی، اس کے لیے نیا روم کولر منگوالیا اور وہ اب سارا دن وہیں پڑی رہتی تھی۔ تہہ خانے میں ان دنوں وسیلہ اکیلی تھی۔ جانے شہناز کے دل میں بار بار ایک ہی خیال کیوں آتا کہ گرمی کچھ اور بھی غضب کی پڑے اور وسیلہ کا اسی سے دم نکل جائے لیکن یہ سوچ بھی بس چند پل کی ہوتی اور شہناز سر جھٹک کر پھر پلنگ کے نیچے پڑے تار کو دیکھنے لگتی...... اس سخت جان کی طبعی موت کا انتظار کیا تو کہیں اس سے پہلے وہ خود ہی نہ جان سے گزر جائیں۔ اس لڑکی کا تو اب انہوں نے ہی کچھ کرنا تھا۔ وہ اٹھ کر پھر کمرے میں ٹہلنے لگیں۔ انگلیاں چٹخاتے، لب کاٹتے، اب تو برابر بس ایک ہی خیال تھا کہ الجھے بکھرے ان سارے معاملات کو آخر کیسے اور کب یکجا کیا جائے۔

پانچ ماہ کوئی کم مدت نہیں ہوتی...... وسیلہ کے میکے والوں نے محض اس کی آواز کے بل بوتے اب

تک کا وقت تسلی اور بے خبری میں کاٹ لیا تھا لیکن بھلا کب تک۔

انہوں نے تکیے پر سے اپنا موبائل اٹھا کر ارحم کو کال ملائی۔

"جی......" وہ کچھ سست، اونگھتا ہوا سا ملا۔

"میں نے سوچ لیا ہے۔" شہناز کا لہجہ کچھ سرسراتا ہوا سا تھا۔ ارحم کال سمجھاتا اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"کیا سوچ لیا ہے؟"

"اب سے ٹھیک دو ہفتے بعد میں تمہیں واپس بلاؤں گی۔ وقت بھی طے ہوگا...... یہاں کا سب کچھ میں دیکھ لوں گی۔ بس تم ان ہی دنوں میں کسی روز اپنی ساس کو کال کر کے کہو کہ تم اور وسیلہ جلد چترال سے واپس آ رہے ہو۔"

"اچھا......" ارحم ٹھٹکا "یہ کہنا کیوں ضروری ہے۔ کہیں وہ حویلی نہ آ دھمکیں۔"

"نہیں...... ایسا نہیں ہوگا۔ تم اس سے کہنا کہ یہاں آتے ہی ہم سب سے پہلے آپ کی طرف آئیں گے۔"

"لیکن بتانا ضروری کیوں ہے...... مجھے یہ ٹھیک نہیں لگ رہا۔"

"ارے پاگل...... تمہیں پتا ہے نا کہ تمہارے یہاں پہنچتے ہی ہم نے اس کی چھٹی کرنی ہے۔ تب خود ہی بتاؤ۔ اس کے گھر جب اطلاع دیں گے کہ ان کی پیاری بیٹی اللہ کو پیاری ہو گئی وہ بھی تھانہ کی حویلی میں تو شک نہیں کریں گے کہ چترال سے وسیلہ حویلی کب آئی۔ ان کو بتایا کیوں نہیں گیا۔ وغیرہ وغیرہ...... اب جب تم اور میں خوشی خوشی تم لوگوں کے آنے کی خبر دیں گے تو حادثے کی صورت میں ہم پر شک نہیں جائے گا۔ تم بس میرے کہے پر عمل کرو...... دن رات سوچ سوچ کر یونہی ہلکان نہیں کیے۔ ہر پہلو پر غور کر چکی ہوں۔"

"ہوں...... اور وہ آپ کی بہو...... وہ کہنا مان لے گی آپ کا؟"

"کیسا کہنا۔" شہناز کچھ بھی نہیں۔

"اس کی اگر اپنی ماں سے بات ہوئی تو وہ بھی یہی کہے گی نا کہ ہم چترال سے واپس آ رہے ہیں۔"

"اس کی نوبت میں نہیں آنے دوں گی۔ وسیلہ کو میں اس بارے میں کچھ بتا کر اس کے کان کھڑے نہیں کرنا چاہتی۔ اس کا حل میں نے سوچ لیا ہے۔ ان دو ڈھائی ہفتوں میں، اس کی ماں سے اس کی بات ہی نہیں ہونے دوں گی۔"

"اچھا۔ ویسے یہ دو ڈھائی ہفتے بعد کیوں؟" ارحم کو اچانک ہی خیال آیا۔ "میں تو آپ کا حکم ملنے کی دیر ہے، کل واپس آنے کو تیار ہوں۔ آخر آپ لیٹ کس لیے کرنا چاہتی ہیں۔ کہیں کوئی گڑبڑ نہ کر بیٹھیں۔ میں تو۔"

"ارے بیٹا...... مجھے بھی دیر کر کے اس منحوس کی صورت نہیں تکنی...... کل احمد جان آیا تھا۔ تمہاری مامی اپنی بہوؤں سمیت یہاں تھانے آئی ہوئی ہے۔ آج کل بڑی بہو کے گھر پر ہیں۔ احمد جان بتا گیا ہے کہ اماں اور بچے وغیرہ کچھ دن کے لیے ہماری طرف آئیں گے۔ اب اسی کے انتظار میں ہوں۔ وہ بس آ کر چلی جائے بلکہ تھانہ کے سب ہی ملنے جلنے والوں سے ہو کر واپس پہاڑوں پر چلی جائے تب ہی کوئی کام کروں گی۔ جب تک وہ ادھر ہوتی ہے۔ آنا جانا ختم ہی نہیں ہوتا۔"

"آں ہاں......" بات ارحم کی سمجھ میں آ گئی۔ اس کی ماں واقعی آج کل، بس اسی سوچ بچار میں ہی لگی تھی اور یقیناً اپنا مقصد بھی حاصل کر کے ہی دم لینے والی تھی۔ "ٹھیک ہے۔ میں سب سمجھ گیا۔ آپ بس باقی کے معاملات کو اچھی طرح دیکھ بھال لیں۔ عین وقت پر مداخلت کوئی نہیں ہونی چاہیے۔ خصوصاً یہ دادی۔"

"اس کا بھی کچھ سوچتی ہوں۔" شہناز نے ایک گہرا سانس لیتے کال آف کر دی۔

☆☆☆

یوں تو کہنے کو وہ چاندنی رات تھی لیکن بادلوں کے دل متواتر چاند سے چھپن چھپائی کر رہے تھے۔

مومن امی ابو کے کمرے سے نکل کر صحن میں آیا تو تھکن سے بھرپور انگڑائی لیتے اوپر آسمان کی طرف دیکھا۔ نظارا اتنا خوبصورت تھا کہ وہ بہت دیر تک محویت سے دیکھے ہی گیا۔

بھی چاندنی راتیں بہت خوب صورت لگا کرتی تھیں۔ اس نے ہلکا سا مسکرا کر نظر ہٹائی۔ اگلی صبح انہوں نے اسلام آباد کے لیے نکلنا تھا۔ وہ بڑی دیر سے امی ابو کے کمرے میں بیٹھا ان کی تیاری اور دیگر معاملات پر ڈسکس کرتا رہا تھا۔ اب اُدھر سے تسلی ہونے پر جلدی سونے کا ارادہ کرتے اپنے کمرے میں آیا تو ایلیا دونوں بچوں کو سُلا چکی تھی۔ یوں لگتا تھا بچے ابھی ابھی سوئے ہیں کیونکہ وہ خوب احتیاط سے نائٹ بلب کی روشنی میں چھوٹا موٹا سامان سمیٹنے میں لگی تھی۔ مومن کو اندر آتے دیکھا تو چیزیں میز پہ رکھ کر قریب آگئی۔

آپ کا بیگ میں نے ابھی تک نہیں بنایا......

مامی کہہ رہی تھیں پہلے آپ سے پوچھ لوں۔" وہ نزدیک آکر بھی آہستگی سے بات کررہی تھی۔

"مجھ سے کیا پوچھنا ہے۔" وہ متعجب ہوا "تم خود دیکھ لو۔"

"جی......وہ آپ اتنے دنوں کے لیے جارہے ہیں۔ تو مجھے اندازہ نہیں ہورہا۔"

مومن اس کی بات سنتے وارڈروب تک چلا گیا تھا۔ وہ آہستہ بولنے کے باعث اس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔

"اتنے دن۔؟" وہ ہینگر ہاتھ میں لیتے حیرت سے پلٹا "کتنے دن؟ مومن نے اُلٹا اسی سے ہی پوچھ لیا تو وہ گڑبڑا گئی۔ پتا نہیں اس سے کیوں پوچھ رہے تھے۔

"مامی نے بتایا ہے دو ہفتے تقریباً......مامی اور ماموں کا تو ایک ہی بیگ تھا۔ وہ تو ہم نے دن میں تیار کرلیا تھا۔ لیکن آپ کا۔"

"تو کیا میرا بھی دو ہفتے کا بنانا ہے؟" وہ اب کچھ کچھ سمجھ تو گیا تھا۔ اسی لیے بات کو طول دے رہا تھا۔ دیکھ چکا تھا وہ بدھو لڑکی اس کا بھی دو ہفتے کا قیام روانہ سمجھ رہی تھی۔

"جی۔ وہی نا۔ میں نے بیگ بھی بڑا نکالا ہے اسٹور سے۔" وہ بات کے دوران دیوار سے لگا ایک بیگ بھی کھینچ لائی۔ مومن نے اندھیرے میں اپنی ہنسی چھپائی۔

"اچھا تو تمہارے حساب سے سوٹ کتنے ہونے چاہئیں۔" اس نے چہرہ سنجیدہ کیا۔

"جی......آں......وہ ذہن میں کچھ حساب کرنے لگی "چھ تو لازمی۔" بالآخر اس نے اعتماد سے سر ہلا کر مومن کو دیکھا۔

"ایک......" مومن نے ہلکا سرمئی شلوار قمیص ہینگر سمیت اُتار کر اس کے ہاتھ میں دیا۔ "وہ بھی چھوٹے بیگ میں۔"

"جی......" وہ آنکھیں پھاڑے اسے بیوقوفوں کی طرح دیکھ رہی تھی۔ "پندرہ دنوں میں صرف ایک سوٹ؟

"پندرہ دنوں کے لیے امی ابو جارہے ہیں احمق۔" اس نے بے ساختہ ایلیا کے سر پہ انگلیاں بجائیں۔ اور ایسا مومن سے بالکل ہی نادانستگی میں سرزد ہوا تھا۔ جیسے شادی سے پہلے وہ اس کی حرکتوں پر فوری سرزنش کردیا کرتا تھا۔ اس کے سر پر چپت رسید کرتے ہی اسے حالیہ رشتے کا احساس جاگا۔ وہ شرمندہ سا فوراً وہاں سے ہٹ گیا۔

"میں صرف تین دن کے لیے جارہا ہوں۔ اتوار کو سیکنڈ ٹائم تک واپس آجاؤں گا۔"

وہ اب سائیڈ ٹیبل پر بٹوہ وغیرہ رکھتے سرسری مطلع کرنے لگا۔ ایلیا منہ کھولے اس کی پشت کو بے یقینی سے دیکھے گئی۔ کھلے منہ کا زاویہ بے ساختہ ہنسی کی وجہ سے تبدیل ہوا۔ یہ خبر ہی اتنی خوش آئند تھی کہ مومن صرف تین دن کے لیے جارہے تھے۔ وہ تو پچھلے کتنے دنوں سے ایک دم بجھی بجھی سی تھی کہ اتنے ڈھیر سارے دن اکیلے کیسے گزریں گے۔

"اچھا......" اس کا لہجہ ایک دم ہی خوشگوار ہوا۔ "مجھے بالکل پتا نہیں تھا۔ مامی اتنے دنوں سے ہم ہم کہہ کر باتیں کیے جارہی تھیں۔ ہم نے فلاں دن جانا ہے۔ ہماری یہ تیاری۔ ہماری وہ تیاری۔ شکر ہے آپ......" وہ

روانی میں کہتے کہتے مومن کے پلٹنے پر اچانک چپ ہوئی کہ کچھ زیادہ ہی اوور ہو رہی تھی۔ مومن کے پورا پلٹنے سے پہلے ہی بڑا بیگ اٹھا کر کمرے سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ اب اسٹور روم سے چھوٹا بیگ واپس لانا تھا۔ کچھ ہی دیر میں واپس آ کر اب بنا صلاح مشورے کے خود ہی چیزیں ترتیب دینے لگی تھی۔

"تم لوگوں نے کیا سوچا ہے؟" مومن پلنگ کے کنارے بیٹھا اسے بیگ سیٹ کرتے دیکھ رہا تھا۔ وہ سامنے قالین پر بیٹھی اب زپ بند کر رہی تھی۔

"جی......؟" وہ نا سمجھی سے دیکھنے لگی

"کیا......؟"

"مطلب اکیلے کیسے مینج کرو گی؟"

"نہیں۔ وہ امی یہاں ہمارے کمرے میں آ جائیں گی۔ تو بس مل کر ان شاء اللہ کر لیں گے۔ اب تو تین ہی دنوں کی بات ہے۔" اس کا لہجہ پھر بشاش ہوا۔

"پہلے بھی تین ہی دنوں کی بات تھی۔ تمہیں پتا نہیں تھا۔" وہ استہزائیہ ہنسا تو ایلیا بری طرح شرمندہ ہو گئی۔

"اچھا......اور...... پھوپھو سے بھی کہنا کہ آپ کی وجہ سے میٹرس اس کمرے میں لائی ہوں۔" مومن نے کچھ جھجک کر اضافہ کیا۔

"جی؟" وہ پھر کچھ نہیں سمجھی۔ حیرت سے مومن کو دیکھا تو وہ مسکی خیزی سے اسی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی سوالیہ جی کا جواب بھی گہری آنکھوں سے صاف ظاہر تھا۔ ایلیا نے گھبرا کر نظر ہٹائی۔

"جی!" اس بار "جی" سوالیہ کے بجائے تابع داری لیے ہوئے تھا۔ مومن کچھ دیر تک بلا وجہ ہی اس کی جھکی پلکوں کو دیکھے گیا۔ پہلے وہ ڈر کر نظریں جھکایا کرتی تو مجرم لگتی اور مومن کو اس کی گستاخیوں پر غصہ آتا تھا لیکن اب اِن جھکی پلکوں کا گریز اور جھجک کچھ الگ ہی تھا۔ جی کہہ کر سر جھکانا بظاہر ایک ذرا سی حرکت تھی لیکن دونوں کے آپس کے رشتے کو اور بھی شدت سے اجاگر کر گئی تھی۔ وہ اس پر نظریں ہی جمائے ہوئے نہ تھا بلکہ نادانستگی میں اس کے چہرے کے نقوش کو بڑے دھیان سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اتنی سی لڑکی سمجھ دار ہو گئی تھی۔ اور...... بڑی بھی...... پتا نہیں یہ خیال بلا وجہ دل میں کیوں آیا۔ مومن گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"آؤ۔ میں تمہیں گھر کے لاک وغیرہ لگانے کے متعلق کچھ ہدایات دے دوں۔" وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا تو ایلیا بھی فوراً پیچھے دوڑی۔ گھر کے لاک وغیرہ لگانا روزانہ مومن ہی کی ذمہ داری تھی۔ اب تین دنوں کے لیے یہ کام بھی اسے کرنا تھا۔

باہر نکل کر مومن کی پہلی نظر بے ساختہ ہی آسمان کی طرف گئی۔ چاند روشن تھا۔ بادل کا ایک بڑا سفید ٹکڑا ابھی چاند سے دور تھا۔ کچھ چھوٹی بدلیاں بھی دائیں بائیں منڈلاتی پھر رہی تھیں۔ ایلیا نے اس کی نظروں کے تعاقب میں اوپر دیکھا۔ گہرے سفید بادلوں کے گھیرے میں مکمل چاند کتنا خوب صورت لگ رہا تھا۔ یہ چاند اور بادلوں کی شرارتیں بچپن سے ہی بہت بھلی لگتی تھیں۔ وہ مسکراتی ہوئی مومن کے پیچھے پیچھے بڑے گیٹ تک آ گئی۔ وہ اسے سنجیدگی سے چھوٹے بڑے دروازے کے تالے اور چابیاں سمجھانے لگا۔

"آدھی رات کے بعد کوئی لاکھ دروازہ پیٹتا رہے۔ گونگے بہرے بن کر سوتے رہنا۔ اپنا کمرا ان تین دنوں میں اندر سے بند کر کے سونا۔ باہر صحن میں کوئی کھٹ پٹ، کوئی ایکٹیوٹی خدانخواستہ محسوس بھی ہو تو خاموش پڑے رہنا۔ لگے چاہے پورا گھر اٹھا کر لے جائیں۔ عزت اور جان کی حفاظت کو اہم سمجھنا چاہیے۔ خود کو خطرے میں ڈالنا نری حماقت ہوتا ہے۔ سمجھیں؟"

وہ تقریر کرتے رک کر پلٹا تو ایلیا ٹکراتے ٹکراتے بچی کیونکہ وہ ابھی بھی، بادلوں کی مستیاں دیکھ رہی تھی

"اُوووف! وہ ایک آہ بھر کر آگے بڑھ گیا۔ اُس کی سنجیدگی کو غارت کرنے میں تو ملکہ حاصل تھا محترمہ کو۔

☆☆☆

رات کے گہرے بادلوں نے باہم گٹھ جوڑ کر کے بالآخر میانہ دم کے کئی روزہ خشک موسم کو پورا بھگو ڈالا۔ وہ جاگ تو گئی تھی لیکن بستر سے نکلنے کو دل

نہیں جا رہا تھا۔ کھڑکی سے آتی پھوار جیسی نم ہوا بے حد بھلی محسوس ہو رہی تھی لیکن نجانے تانیہ کا دل بجائے کوئی جوش اور تحریک محسوس کرنے کے، اُداسی کے بھاری پن تلے دبتا جا رہا تھا۔ دل خوش نہ ہو تو موسم کا حسن اور زیادہ چبھن کا باعث بن جاتا ہے۔

"تانیہ...... جاگ گئیں بیٹا؟" امی کمرے میں داخل ہوئیں تو وہ فوراً ہی اُٹھ بیٹھی۔ بالوں کو انگلیوں سے ہی سیدھا کر کے سمیٹنے لگی۔

"جی!" وہ ان کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔ بستر پر لیٹے کھڑکی کے پار ایک ٹک دیکھتے معلوم نہیں کب پلکیں بھیگ گئی تھیں۔ امی کو محسوس نہ ہی ہو تو اچھا ہے۔ اس نے دوپٹہ گلے میں ڈالا۔

"دیکھو تو موسم کتنا خوب صورت ہو گیا ہے۔ میں تو کہتی ہوں رمشہ کو بلا لو...... تم دونوں تو کہیں نکلتیں ہی نہیں۔"

"کتنی خوب صورت جگہ ہے میانمر...... روزانہ دیکھنے نکلو تب بھی دل نہ بھرے۔"

"آپ میانمر کی بات کرتی ہیں۔" وہ ہلکا سا مسکرائی۔ "میرے اور رمشہ کے خیالات تو چوٹیاں سر کرنے کے بنے ہوئے تھے۔ پر اس کا وردی والا بھائی مانتا ہی نہیں۔" تانیہ نے ہنس کر اپنا موڈ تبدیل کیا۔

"کیوں...... کیا کہتا ہے منصب؟" خدیجہ سرفراز منصب کے ذکر پر بڑی اپنائیت سے مسکرائی تھیں۔ تانیہ نے اس وقت محسوس نہیں کیا۔

"بہت روکھا اور سڑو ہے قسم سے...... ہم نے مالم جبہ جانے کی بات کی تو بھاگ کھڑا ہوا۔"

"اس کی ڈیوٹی بھی تو کتنی ٹف ہے۔ ٹائم کہاں سے بچتا ہوگا۔"

"سائیڈ تو ایسے لے رہی ہیں جیسے مائیں بیٹوں کی لیتی ہیں۔" وہ ہنستے ہوئے بستر سے نکل آئی۔ خدیجہ نے کچھ دیر اس کی پشت کو دیکھا پھر مسکرا دیں۔

"اور اگر بنانا چاہوں بیٹا تو......؟"

"ہوں...... وہ کچھ نہ سمجھتے واپس پلٹی

"مطلب؟"

"مجھے منصب بہت پسند ہے۔ پھر اس کی جاب...... مجھے تو اس کا ہماری زندگی میں آنا اللہ کی کوئی مدد لگتا ہے۔ تم پر منڈلاتے سارے خطروں کے سائے ٹل جائیں گے۔ اگر تم ہاں کہو تو۔"

"ہوں...... تو یہ سوچ بیٹھی ہے میری ماں۔"

وہ دوبارہ ان کے قریب بیٹھ گئی اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

"منصب اگر پولیس والا نہ بھی ہو تو اتنی خوبیوں کا مالک ہے کہ اس کا ساتھ کسی بھی لڑکی کے لئے بڑی خوش بختی کی بات ہوگی۔ آپ ساتھ میں پولیس پروٹیکشن والی بات شامل کر کے غلطی دکھائی دے رہی ہیں۔"

"اچھا نہیں دیتی پولیس والا حوالہ...... تب تو تمہیں پسند ہے نا؟"

"جی۔ بہت پسند ہے...... لیکن جیسا آپ سوچ رہی ہیں۔ ویسی کوئی بات نہیں۔" اس نے پیار سے انگلی ماں کی ناک پہ رکھی۔

"اچھا تو اب سوچ لو...... میں چاہتی ہوں خود ہی رمشہ سے بات کروں۔ مجھے تو ہر لحاظ سے یہ رشتہ تمہارے لیے آئیڈیل لگتا ہے۔" خدیجہ سرفراز اب پرجوش دکھائی دیتی تھیں۔ تانیہ نے اس مرتبہ سنجیدگی سے ماں کی آنکھوں میں دیکھا۔

"یہ جو ہماری ظاہر کی آنکھ ہے نا امی...... اس کی جمع تفریق بھی بہت سیدھی سیدھی ہوتی ہے۔ شکل وصورت، عمر، ذات پات، اونچ نیچ کے سیدھے سیدھے کچھ حساب ترتیب دیے اور کسی کو بھی کسی کے ساتھ جوڑ دیا...... جبکہ ہر انسان اندرونی طور پر پورا ایک الگ جہان ہوتا ہے۔ جسے ظاہر کی آنکھ سے دیکھنا قطعی ناممکن ہے۔ آپ منصب کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتیں۔ نہ ہی منصب مجھے اس طرح جان سکتا ہے جیسی میں ہوں...... جلد بازی کا ایک نتیجہ ہم بھگت چکے ہیں۔ اب آپ کسی عجلت میں نہ پڑیں۔"

"تمہاری بات اپنی جگہ ٹھیک ہے تانیہ! لیکن

اپنے اردگرد پہ نظر ڈالو...... جہاں روزانہ کئی رشتے بنتے ہیں کئی ملاپ ہوتے ہیں۔ اور یہ اس لیے کیونکہ کچھ فیصلے قدرت پر چھوڑنے ہی پڑتے ہیں۔ جو ہو چکا اسے بھول کر ہم سب نے آگے بھی بڑھنا ہے اور نئے فیصلے بھی کرنے ہیں۔ زندگی ایک جگہ رکنے کا نام نہیں ہے۔"

"اچھا میری ماں!" اس نے ہنس کر ہاتھ جوڑے۔ "آپ کی تقریر کا ایک فائدہ ضرور ہوا ہے کہ اب میں کہیں باہر نکلنے کے لیے تیار ہو چکی ہوں۔ رمشہ اگر فری ہے تو ہمیں چھوٹے بازار تک ہو آتے ہیں۔ مجھے کچھ چیزیں بھی لینی ہیں۔" اس نے خود ہی ماں کے سنجیدہ موضوع کو دوسری جانب پھیرا اور اس بار وہ بھی مزید کسی بحث میں پڑے بغیر باہر چلی گئیں۔

☆☆☆

"بڑھیا سو رہی تھی نا؟" شہناز نے اونچے برآمدے کی سیڑھیاں چڑھتے رک کر مسرت کو دیکھا۔

"جی بی بی! خوب گہری نیند میں تھیں۔ نماز کے بعد دن چڑھے تک قرآن پڑھتی ہیں نا تو ناشتے کے بعد ایسے ہی بے سدھ سوئی ہوتی ہیں۔"

"اچھا میں کمرا کھولتی ہوں۔ تم اس دوسرے کمرے سے وسیلہ کے جہیز والا بڑا سوٹ کیس نکال لاؤ۔ اور دیکھو گلے ڈسٹرب نہ ہو۔"

"جی بی بی، ابھی لاتی ہوں۔" وہ احتیاط سے ساتھ والے کمرے میں دوڑ گئی۔ شہناز نے وسیلہ کے کمرے میں آ کر کھڑکیاں کھولیں۔ پردے ہٹائے اور وارڈروب سے اس کے دس بارہ سوٹ نکال کر بیڈ پر ڈالے۔ مسرت بڑا سوٹ کیس لے کر آئی تو شہناز نے اسے کپڑے تہہ کر کے سوٹ کیس میں ڈالنے کو کہا اور خود تولیہ، کچھ شالیں اور ڈریسنگ ٹیبل سے میک اپ وغیرہ کا کچھ سامان سمیٹ لائی۔

"ایک چھوٹا سوٹ کیس اور بھی بنا کر ہمیں دیوار کے ساتھ لگا دیتے ہیں۔ اس دن پھر یوں لگے گا کہ ابھی ابھی وہ لوگ سفر سے لوٹے تھے۔ وہ ہونٹوں پہ انگلی بجاتے ساتھ ساتھ جوتے، کچھ پرس اور دیگر سامان اکٹھا کرنے لگی۔

"خان لوگ کل آ رہے ہیں بی بی؟" مسرت نے ہاتھ روکا۔

"نہیں۔ ابھی تو کچھ دن ہیں ان کے آنے میں۔ بس میں ابھی سے کام شروع کر رہی ہوں۔ تاکہ کوئی چوک نہ ہو جائے۔ روزانہ یہاں آ کر دیکھا کروں گی۔ اور ایک منٹ......" شہناز نے گیلے ہاتھ صاف کر کے موبائل اٹھایا۔ منہ پہ انگلی رکھ کر مسرت کو چپ رہنے کا اشارہ کیا

"السلام علیکم رضوانہ بھابی...... کیسی ہیں۔" شہناز نے پل میں لہجے کو مٹھاس سے بھرپور اور خوشگوار بنایا۔

"وعلیکم اسلام۔ جی میں ٹھیک ہوں الحمداللہ آپ کیسی ہیں بھابی!" رضوانہ جیٹھانی کی آواز سن کر سوتے سے اٹھ بیٹھیں۔

"اللہ کا شکر میں ٹھیک ہوں۔ اور آج تو تمہیں ایک خوشی کی خبر سنانے کے لئے فون کیا ہے۔" وہ خوشی سے چہک رہی تھیں۔ رضوانہ نے ہاتھ دل پہ رکھا۔ وسیلہ کے ہاں سے خوشی کی خبر آئی تھی۔ ان کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی۔

"جی جی...... ہمیشہ خوشی کی اچھی اچھی خبریں ہوں۔ سنائیں۔"

"وسیلہ اور ارحم خیر سے واپس آ رہے ہیں۔"

"اچھا سچ!" رضوانہ کا لہجہ کپکپا سا گیا۔ مسکراتے ہوئے پاس بیٹھی ندرت کو دیکھا اور وہ کچھ نہ سمجھتے خاموشی سے نند کو دیکھے گئیں۔

"کب آ رہی ہے وسیلہ؟"

"بس یہی کوئی دس بارہ دنوں تک۔ کہہ رہے تھے۔ اگلے ہی دن میاں دم روانہ ہو جائیں گے۔" شہناز نے ضروری بات بھی عجلت میں پہنچا دی تاکہ رضوانہ اپنے یہاں آنے کا ذکر نہ چھیڑ سکے۔

"اچھا اچھا ماشاء اللہ۔ یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔ میں بھی سوچ رہی تھی بہت دن ہوئے وسیلہ کا

فون نہیں آیا۔"

"ارے ہاں۔ آپ کو کال تو وہ جان بوجھ کر نہیں کر رہی۔" شہناز ایک دم کھلکھلا کر ہنس دیں۔ "کہتی ہے امی کو سرپرائز دوں گی اچانک جا کر۔"

"اچھا۔" رضوانہ بھی زور سے ہنس دیں۔

"میں نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملا دی لیکن وہ تو بچی ہے۔ ماں کے دل کا حال کہاں سمجھ سکتی ہے۔ میں نے سوچا، تمہیں اپنی طرف سے ضرور بتاؤں گی۔"

"بہت اچھا کیا بھابی۔ آپ کا بہت شکریہ۔"

"ارے نہیں بھئی۔ شکریہ کیسا۔ بس اب بہت دن بیٹی کو اپنے پاس رکھنا۔ جی بھر کر باتیں کرنا۔"

شہناز نے لہجے کی لگاوٹ کو برقرار رکھتے اجازت لے لی۔ ابرو اٹھا کر شرارت سے مسرت کو دیکھا جو انگلیوں کے اشارے سے مالکن کی بہترین ایکٹنگ کی داد دے رہی تھی۔ شہناز نے قہقہہ لگا کر موبائل دور پھینکا۔ سب کچھ عین پلاننگ کے مطابق ہوتا جا رہا تھا۔ اب اگر ڈیڑھ دو ہفتے وسیلہ ماں کو کال نہ بھی کرے تو انہوں نے فکریں سوار نہیں کرنی تھیں۔

سب کچھ صحیح جا رہا تھا۔ ایک دم صحیح......!

☆☆☆

توفیق صاحب اسلام آباد کے ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہو گئے تھے۔ مومن دو روز کی چھٹی لے کر امی اور بابا کے ساتھ خود اسلام آباد گیا تھا۔ اس کے لیے وہاں جا کر ہر چیز کو دیکھنا، سمجھنا بہت ضروری تھا تبھی اس کی تسلی ممکن تھی۔ بابا کو علیحدہ روم دیا گیا تھا۔ وہاں امی کا رہنا بھی آسان تھا۔

احسن نے بھی اپنی روٹین سے آگاہ کیا۔ وہ روزانہ سیکنڈ ٹائم ان کے پاس آ سکتا تھا۔ اس کی رہائش ہاسپٹل سے زیادہ دور نہ تھی۔ مومن ان کی طرف سے تسلی ہونے پر تیسرے روز واپس میانڈم آ گیا تھا۔ اس کے بابا کو فی الحال پندرہ دن کے لیے ایڈمٹ کیا گیا تھا۔ اس دوران ان کے ٹیسٹ وغیرہ ہونے تھے اور کچھ چیک اپ...... اس کے بعد ڈاکٹرز نے بتانا تھا کہ ان کے کیس میں بہتری کے کتنے چانسز ہیں۔

"چھٹی ملنے کا اتنا مسئلہ نہیں تھا پھوپھو؟" مومن کپڑے بدل کر پھوپھو کے پاس انہیں اسلام آباد کا تفصیلی حال دینے کے لیے آ بیٹھا تھا۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی سفر سے لوٹا تھا۔ ایلیا بھی دونوں بچوں کو لیے وہیں آ بیٹھی تھی اور خاموشی سے ان کی باتیں سننے لگی۔

"بس مجھے آپ سب کی فکر تھی، یہاں اکیلے مینج کرنا مشکل ہو جاتا۔ اسپیشلی باہر کے کام وغیرہ...... پہلے ویسے میں نے یہ سوچا تھا کہ خالہ نزہت اور عروبہ سے کہہ دوں۔ وہ یہاں ہوتیں تو مجھے کافی تسلی رہتی، عروبہ کافی سمارٹ ہے، اپنے گھر میں سب ہی باہر کے کام کاج خود نمٹا آتی ہے۔"

"تو پھر...... کہا کیوں نہیں؟" رضوانہ اسے حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔

"امی نے روک دیا۔" مومن نے کندھے اچکائے، جیسے وجہ معلوم نہ ہو۔ "کہتی ہیں آپ لوگ خود دیکھ لیں گے۔"

"ہاں، ایسا واقعی کوئی مسئلہ نہیں ہوا۔ بس دعا ہے توفیق صحت پا کر آئے۔"

"آمین!" ایلیا اور مومن نے ایک ساتھ کہا اور مومن نے ایک نظر ایلیا کو دیکھا۔

"اور...... پیچھے سب ٹھیک رہا؟" وہ اب ڈائریکٹ ایلیا سے سوال کر رہا تھا۔

"جی!" اس نے دیکھے جانے پر گڑبڑا کر سر ہلایا۔

"کوئی آنا جانا......؟"

"نہیں...... بس یہ ساتھ والے ہی آئے تھے۔" رضوانہ ہی بتانے لگیں لیکن مومن ایک دم چونکا تھا۔

"کون......؟"

"ارم آتی رہی تھی...... پوچھ رہی تھی، کچھ باہر کا کام ہو تو کامران سے کہہ دیں، بلکہ شاید اس کے

شوہر نے ہی کہلوا بھیجا تھا کہ کچھ چاہیے تو بتا دیں۔"

"تو۔ کچھ منگوایا تو نہیں؟" اس نے بے ساختہ ایلیا سے پوچھا جس پر رضوانہ نے حیرت سے دیکھا، مومن نے فوراً اپنا انداز بدلا۔

"میرا مطلب ہے، میں ضرورت کا سب سامان اسی لیے دے گیا تھا کہ کسی اور سے کہنا نہ پڑے۔"

"جی، کچھ نہیں منگوایا۔" ایلیا نے بھی عام انداز میں مطلع کیا۔

"اور معلوم نہیں کیوں پر مومن نے دل ہی دل میں اپنے واپس چلے آنے پر شکر ادا کیا۔ یونہی اچانک ایک خیال سا آیا کہ اگر، پندرہ دنوں بعد وہ واپس آتا اور پیچھے کامران ان سب سے گھل مل چکا ہوتا تو...... ذہن میں اس سوچ کے آتے ہی ناگواری کی ایک لہر سی ابھری اور وہ وہاں سے اُٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

"آپ کو لگتا ہے، میں باہر کے کام اچھے طریقے سے انجام نہیں دے سکتی۔" کچھ دیر بعد وہ اس کے سر پر کھڑی پوچھ رہی تھی۔ مومن نے عینک اُتار کر نہ سمجھ آنے والے انداز میں ایلیا کو دیکھا۔

"مطلب......؟"

"میں بازار سے ہر چیز خود جا کر لا سکتی ہوں، مجھے گاڑی چلانا بھی آتی ہے۔ چیزوں کے ریٹ وغیرہ بھی پتا ہیں۔" اس نے اپنی طرف سے اطلاع دی۔

"تو میں نے کب کہا؟" مومن نے کندھے اٹھائے۔

"آپ نے یہ نہیں کہا لیکن آپ کو یہ پتا بھی تو نہیں ہے نا کہ میں بھی ہر کام کر سکتی ہوں۔ باہر کے لوگ آپ کو اسمارٹ لگتے ہیں، گھر والوں کی کارکردگی دکھائی نہیں دیتی۔" وہ منہ پھلا کر کھڑی تھی۔

مومن کو یاد آیا کہ لفظ اسمارٹ اس نے کچھ دیر پہلے استعمال کیا تھا اور شاید...... اُسے یاد آ گیا کہ عروبہ کے لیے استعمال کیا تھا۔

"کسی اور کی تعریف کا مطلب آپ کی برائی کرنا نہیں ہوتا۔"

مومن نے جھٹک کر اخبار عین آنکھوں کے سامنے کیا۔ مقصد اس وقت صرف اپنی بے ساختہ ہنسی چھپانا تھا۔ ایلیا کی جیلسی کسی طور چھپ نہیں پا رہی تھی اور مومن کے اندر، ایک نامعلوم سا نیا احساس جاگا تھا۔ حالانکہ اندر سے آتا اصل جواب کچھ یہ تھا کہ عروبہ کہیں بھی آئے جائے، اُسے فرق نہیں پڑتا لیکن اس کی بیوی بازار میں اکیلے سامان لیے پھرے......تو ......تو۔

وہ اس سے زیادہ سوچ بھی نہیں پایا۔ حتیٰ کہ یہ بھی نہیں کہ اب وہ اُسے بیوی سمجھنے لگا تھا۔ اور جو حسد ایلیا کے لہجے سے عروبہ کے لیے ظاہر تھا کچھ اسی انداز کی جیلسی اب سے تھوڑی دیر پہلے کامران کے نام پر اس نے بھی اندر پیدا ہوتے محسوس کی لیکن وہ اپنے سامنے ہار ماننے سے ہچکچاتا تھا۔ یہ کچھ نہ سمجھ میں آنے والے احساس تھے جو اُسے بھی چونکا رہے تھے، سوچنے پر مجبور کر رہے تھے لیکن وہ خود ہی ان کی گہرائی میں جانے سے گریزاں تھا۔ کبھی فرصت کے وہ لمحے خود کو دیے ہی نہیں جن میں انسان خود اپنے آپ سے کچھ سوال جواب کرتا ہے۔ وہ آئینے سے نظریں چرانا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا سب کچھ بہت عام، سیدھا سادا، نارمل۔ اور لگا بندھا سا رہے۔ اندرونی طوفان بہت خطرناک ہوتے ہیں اور وہ ان سے نمٹنے کے معاملے میں انتہا کا بزدل تھا۔ حتیٰ کہ بے ساختہ در آتی ہنسی تک اس نے ایلیا سے چھپالی تھی۔

☆☆☆

"تمہیں تانیہ کیسی لگتی ہے منصب......؟" رمشہ نے ٹی وی کا والیوم کم کرتے کچھ اچانک ہی پوچھ لیا جس پر منصب نے بھنویں اٹھا کر عجیب سی نظروں سے بہن کو دیکھا۔

"کیسا لگنا چاہیے......بس جیسے باقی سب لڑکیاں ہوتی ہیں۔"

”نہیں خیر، عام لڑکیوں سے تو وہ بہت ہی ہٹ کر ہے، شکل وصورت تو اللہ پاک کی دین ہے، تانیہ کے پاس الحمدللہ اس کی بھی کمی نہیں لیکن اس کا اسٹائل، بولنے کا انداز، پہناوا، سب باقیوں سے ہٹ کر ہیں۔“

”واہ...... لڑکی ہو کر دوسری لڑکی کی اتنی تعریف؟“ منصب نے شرارت بھرا طنز کرتے توجہ مکمل اس کی باتوں کی جانب مبذول کی۔

”مجھے بھی تم عام لڑکی سمجھنے کی بھول مت کرو...... کیا سمجھے......“ رمشہ نے ایک ادا سے ناک کے نیچے انگلی پھیر لی۔

”ہاں، دیہاتوں سے اٹھ کر جب لڑکیاں شہر میں آتی ہیں تو بہت خاص لگتی ہیں۔ منصب نے قہقہہ لگایا۔ رمشہ نے گھور کر دیکھا۔ منصب تو اس کی ایک بھی بات کو سیریس نہیں لے رہا تھا۔

”ارے تم وہ سب چھوڑو نا...... تانیہ کیسی لگتی ہے، یہ بتاؤ۔ پلیز۔“

”یار کیسا لگتا ہے، بس جیسے۔ تم۔ میمونہ یا۔“

”ہیں۔؟“ رمشہ نے سخت ناگواری کا تاثر دیے لبی سی ہیں کی۔

”ہم تو سینس ہیں پاگل...... ہم سے کیا موازنہ...... وہ تو دوست ہے تمہاری۔“

”ہاں لیکن مجھے تو زیادہ فرق نہیں محسوس ہوتا۔“ اُس نے لاپروائی سے کندھے اچکا دیے۔

”بھئی تم ذرا سنجیدگی سے غور کرو...... مجھے تو لگتا ہے ہمیں جلد از جلد اسے اپنی بھابی بنا لینا چاہیے۔ وہ بھی پولیس پروٹیکشن میں آجائے گی۔ اور تمہارے ماتھے کی شکنیں بھی شاید کچھ کم ہو جائیں۔“ وہ اب شرارت سے مسکرا رہی تھی۔

”تانیہ سے تو کوئی بات نہیں کی اس بارے میں؟“ وہ بنا کوئی خوش گوار تاثر دیے سیدھا ہو بیٹھا۔

”نہیں...... لیکن......“

”بس، پھر اپنے بے تکے خیالوں کو اپنے تک رکھو...... بلکہ...... وہ کچھ دیر رکا“ اپنے دماغ کو بھی صاف رکھو۔ کسی اور سے بھی کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ کیا سمجھیں؟“

”یہی کہ ایک نمبر کے بدھو ہو تم......“ وہ ناک سکوڑ کر کمرا ہی چھوڑ گئی۔

پچھلے دنوں وہ تانیہ کے گھر گئی تو خدیجہ آنٹی بہت دیر تک ان کے حالات وغیرہ پوچھتی رہی تھیں۔ رمشہ کو نجانے کیوں ایسا لگا کہ آنٹی کے سوالات کی وجہ کچھ خاص ہے اور وہ خاص وجہ ظاہر ہے کہ بہت واضح اور سمجھ میں آنے والی تھی۔ جب سے تانیہ ملی تھی۔ اس کے خیالات بھی کچھ اسی قسم کے ہی تھے۔ ماضی میں منصب کے ساتھ جو کچھ ہوا، اس کے مداوے کے لیے آخر اُن بہنوں نے ہی کچھ سوچنا تھا۔ اس نے سوچا اگلی بار بجائے منصب سے کچھ کہنے کے وہ میمونہ سے بات کرے گی۔ کیونکہ تانیہ سے آئیڈیل لڑکی تو منصب کے لیے اور ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

☆☆☆

مومن بڑی دیر سے لیپ ٹاپ کھولے آفس کا کام کرتا رہا تھا۔ بڑی دیر بعد ایک انگڑائی لے کر کمرے کا جائزہ لیا۔ عابس ایلیا کے پاس ہی سو گیا تھا۔ وہ لینے کے لیے اُٹھا لیکن ایلیا نے روک لیا۔

”کوئی بات نہیں ادھر ہی سونے دیں۔“

”اتنے سے سنگل میٹرس پر......؟“

”بعد میں وہاں سلا دیں گے۔“ اس نے حل بتایا اور مومن بھی سر ہلاتے اپنے کام میں لگ گیا۔ لیکن پھر ایسا بڑی ہوا کہ کوئی گھنٹہ بھر بعد عابی کا خیال آیا۔

کمرے کا نائٹ بلب آف ہی تھا۔ ہلکی سی روشنی لیپ ٹاپ کی وجہ سے پھیلی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر بچوں کے نزدیک آیا۔ عابس اور ریا پھیل کر سوئے ہوئے تھے جبکہ ایلیا ان کے پیروں کی طرف سمٹ کر آڑی لیٹی ہوئی تھی۔ اُس نے جھک کر جلدی سے عابی کو بازوؤں پر لیا اور جا کر بیڈ پر سلا دیا۔ وہ بھی اتنی گہری نیند میں تھا کہ منہ سے آواز تک نہیں

نکلی۔ مومن اسے سلا کر واپس آیا۔ ایلیا بچوں کی طرح بے خبر سو رہی تھی۔ عالی کو وہاں سے ہٹا لینے کے بعد اب جگہ تو نکل آئی تھی لیکن ایلیا کو اس بات کی کہاں خبر تھی۔ وہ اسی طرح تنگ جگہ پر سوئی ہوئی تھی......

مومن نے ہاتھ آگے بڑھایا تا کہ اسے ریبا کے پہلو میں سیدھا لٹا سکے لیکن پھر کھینچ لیا۔

گھٹنوں کے بل کارپٹ پر بیٹھے اس نے ایلیا کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہیں کر پاتی تھی، ڈرتی تھی اس سے...... جبکہ وہ...... کچھ دن ہوئے کام کاج کے دوران اُسے چوری چوری دیکھنے لگا تھا۔ کبھی غصے کی آڑ میں، کبھی کسی کام کے بہانے، پھر اپنے آپ سے سوال کرتا کہ مومن احمد...... کیا دیکھتے ہو، جواب آتا بس صرف اتنا یقین کرنے کی کوشش کہ یہ دوڑتی بھاگتی، بچوں کو سنبھالتی یہاں وہاں سہولت سے اس کے کام کرتی لڑکی اب اس کی بیوی ہے۔

”کیا واقعی صرف اتنا ہی؟“ مومن نے سوئی ہوئی ایلیا کو دیکھتے خود سے پہلا سوال کیا، اور ابھی جو وہ تنگ جگہ پر مشکل سے سوئی ہے تو اتنی تکلیف کیوں ہو رہی ہے......؟

”کیونکہ میں نرم دل ہوں۔“

”اس نے خود کو جواب دیا۔“ اور فوراً ہی وہاں سے اٹھ گیا۔ پلٹ کر دیکھا۔

اس بے خبر کو کچھ پتا نہیں چلا تھا۔ مومن نے بے اختیار اپنے دل پہ ہاتھ رکھا۔ یہ کم بخت تنہا تنے اسی رفتار سے کیوں بھاگ رہا تھا۔ اس نے کھل کر ایک سانس چھوڑتے بستر سنبھالا۔ سیدھا لیٹتے چھت کو گھورا...... نیند غالب ہونے کی دعا مانگی، کیونکہ وہ خود کو کسی قسم کی نئی سوچوں کے حوالے نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُسے اپنے متعلق کچھ بھی نہیں سوچنا تھا۔ ابھی سب کچھ جیسا چل رہا ہے ویسا ہی رہنا چاہیے۔ کوئی بدلاؤ نہیں، کوئی تبدیلی نہیں...... بالکل نہیں، اس نے کشن میں زبردستی اپنا منہ چھپا لیا۔ حالانکہ کہیں کوئی تبدیلی ضرور تھی جو دھیرے دھیرے رونما ہو رہی تھی۔

☆☆☆

موبائل پر راشد کی کال آرہی تھی۔ منصب کا دل بے ساختہ کچھ الگ انداز میں دھڑکا اور وہ موبائل ہاتھ میں لیے باہر نکل آیا۔

”کہو راشد! کیا حال ہیں، سب خیریت۔

”ہاں یار...... وہ تمہیں بتانا تھا کہ ارحم ابھی کچھ دیر پہلے چترال سے ٹھانہ آنے کے لیے روانہ ہوا ہے۔

”اچھا...... مطلب ...... ارحم اور اس کی بیوی؟“

”بیوی!“ راشد اچنبھے سے رکا ”نہیں تو...... خرم سے بات ہوئی ہے، وہ وہیں چترال میں ہوتا ہے، اس نے ارحم کے ہاتھ ٹھانہ کچھ میوہ جات وغیرہ بھیجے ہیں، بتا رہا تھا ارحم اکیلا ہی جا رہا تھا۔“

”ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ تو ولیمے کے دن بیوی سمیت یہاں سے گیا تھا اور عالیہ اتنے ماہ بعد اب ہی واپس لوٹ رہا ہے۔“

”ہاں بالکل، اس میں تو کوئی شک نہیں جہیتوں سے وہ ادھر نہیں تھا۔“

”تو بیوی کو ساتھ ہونا چاہیے۔“ منصب کا دل خالی خالی ہو رہا تھا۔

”پتا نہیں یار...... مجھے تو جونہی اطلاع ملی میں نے تمہیں کال کر دی، کیا پتہ خرم نے اس کو سامان کب اور کہاں دیا۔ تب ساتھ نہیں ہو گی۔ کچھ بھی وجہ ہو سکتی ہے۔“ راشد کے لہجے میں لاپروائی تھی۔

”ہاں بالکل...... اوکے یار، بہت شکریہ۔ تم نے میری کافی ہیلپ کی ہے۔“

”کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، یار ہو میرے...... کسی بہانے سے بھی یاد کر لو، خوشی ہوتی ہے۔ اوکے اپنا خیال رکھنا۔“ راشد نے محبت سے کہتے اجازت لے لی اور منصب نے نچلا لب چباتے کچھ دیر تک رک کر راشد کی خبر پہ غور کیا...... کچھ سوچا، پھر ٹائم دیکھا اور میمونہ کو کال ملا دی۔

”منصب!“ اس نے نمبر اٹھاتے حیرت سے

دوہرایا، منصب کو سخت شرمندگی ہوئی کیونکہ میمونہ کا لہجہ بتاتا تھا وہ سو رہی تھی۔

"اوہ سوری یار، تم شاید سو رہی تھیں۔"

"ارے نہیں بھئی، شمیر کو سلاتے ذرا سی اونگھ آ گئی۔ ابھی تو بہت سے کام سمیٹنے ہیں۔ اچھا ہوا جاگ گئی۔ تم کہو، سب خیریت ہے۔"

"ہاں...... وہ تم سے ایک بہت ضروری کام ہے، اور دیکھو...... میری بات دھیان سے سن کر اس پہ عمل بھی پوری سنجیدگی سے کرنا ہے۔ بلکہ مسلسل میرے ساتھ رابطے میں رہنا ہے۔"

"کیا ہوا منصب......" میمونہ پریشانی سے پوری اٹھ بیٹھی۔

"پریشان مت ہو۔ بس میرے پیشے کی مجبوری سمجھ لو، مجھے ایک مشکل میں تمہارا ساتھ درکار ہے۔ تمہیں میں باقی کی تفصیل شاید بعد میں بھی بتاؤں...... فی الحال تم نے بس اتنا کرنا ہے کہ صبح ناشتے کے فوراً بعد حویلی جانا ہے۔ بہانا کچھ بھی سوچ لو...... آں جیسے دادی سے ملاقات۔" اس نے جلدی جلدی ذہن لڑایا۔

"لیکن یہ طے ہے کہ صبح تم وہاں جا رہی ہو اور وہ بھی ناشتے کے فوراً بعد...... وسیلہ شاید چترال سے واپس آ رہی ہے، اس سے مل کر آنا...... ہو سکے تو اس کے حالات بھی معلوم کرنا، اس کی زبانی یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ کیا وہ ٹھیک ٹھاک ہے۔"

"اوہ...... اچھا میں سمجھ گئی۔" میمونہ بھی فعال ہوئی۔ کچھ روز پہلے دادی کے پیغام کے بعد اس نے بھی منصب کی باتوں کو سنجیدگی سے لیا تھا۔ منصب اگر وسیلہ کے حالات جاننے کے لیے پچھلے کچھ عرصے سے پریشان دکھائی دے رہا تھا تو دادی بھی کچھ کم فکرمند نہیں لگیں۔

میمونہ نے وہ باتیں بھی منصب کو بتائی تھیں۔ لیکن منصب نے رضوانہ آنٹی تک نہیں پہنچائیں، اسے بس راشد کی کال کا انتظار تھا۔ جو بالآخر آج آ ہی گئی تھی۔ اب آگے کے لیے اسے بالکل معلوم نہیں تھا کہ حالات کیا رخ بدلنے والے ہیں۔ وہ صرف وسیلہ کے حق میں اچھے کی امید کر رہا تھا۔

☆☆☆

میانوم کے پہاڑ بادلوں سے ڈھک رہے تھے...... جولائی اواخر کے نسبتاً گرم دنوں کی یہ ایک خوش گوار دوپہر تھی...... مومن نے میوزک پلیئر آن کیا۔

"اُداس افسردہ روتی۔ غم زدہ آنکھوں سے جس لمحے"

"اُس نے گانا آگے کیا۔ نصرت کی دُکھی غزل سننے کا جی نہیں چاہا۔"

جدا ہو کے بھی...... تُو مجھ میں کہیں باقی......

عاطف کے نغمے کو بھی اس نے آگے کر دیا۔ آج کل اداسی بھرے مایوس کن نغمات بالکل اچھے نہ لگتے تھے۔ احساسات کسی نئے پن سے آشنا ہو رہے تھے، وہ اگلے گانے کے بول سن کر مسکرا دیا۔

دل یہ کہتا ہے...... کانوں میں تیرے
دھیرے سے میں اِک...... بات کہوں......

اور دل تو جانتا ہے کہ ہم کیوں اداسی سے پیچھا چھڑا رہے ہیں۔ دل یہ بھی جانتا ہے کہ ہم کیا چاہ رہے ہیں...... ہم سے جب بے ساختہ کچھ سرزد ہو جاتا ہے تو وہ دل ہی کرواتا ہے۔ وہ جن بولوں کو سن کر مسکرا دیا تھا آج کل دل کے بہت قریب تھے۔ اور ہم صرف وہی سنتے ہیں جو ہماری دلی کیفیات کے قریب تر ہوتا۔ مومن اُس روز ایک خوبصورت طربیہ گیت سنتے ہوئے گھر کے پورچ میں پہنچا، دورانِ سفر ہی ارادہ کیا تھا کہ آج بچوں اور ایلیا کو کہیں باہر لے جائے گا۔ موسم اور مزاج کی بشاشت یونہی کچھ کرنے پر اکساتی ہے۔

"السلام و علیکم......" وہ عابی کے رونے کی آواز سنتے ہوئے امی کے کمرے میں داخل ہوا۔

"وعلیکم اسلام...... آ گئے تم۔" وہ عابس کو اٹھائے یہاں وہاں ٹہل رہی تھیں اور وہ چپ نہیں

ہو رہا تھا۔

"کیوں رو رہا ہے یہ...... اور ماں کہاں ہے اس کی؟" اس نے لیپ ٹاپ وہیں میز پہ رکھا اور عابس کو امی سے لے لیا۔

"نیند سے جاگا ہے ابھی...... اور ایلیا تو ساتھ والے گھر گئی ہے۔ وہاں۔"

"ساتھ والے گھر۔ مطلب۔ کامران لوگوں کے ہاں۔ کب؟" اس نے عابی کو پلنگ کے ساتھ کھڑا کیا، توجہ پوری امی کی جانب مبذول ہو گئی

"ایک گھنٹہ تو ہو گیا ہو گا...... ابھی تو۔"

"ایک گھنٹہ؟" اس نے شدت سے دوہرایا اور بنا امی کی پوری بات سنے باہر نکل آیا۔ موبائل ہاتھ میں لے کر اس نے ایلیا کا نمبر ڈائل کیا۔ اس وقت وہ گھر کے گیٹ کے باہر آ چکا تھا۔

"ہیلو......" ایلیا کی آواز سنائی دی۔

"فوراً گھر واپس آؤ...... عابی رو رہا ہے۔" اس نے حکم دے کر کال آف کر دی...... بے چینی سے یہاں وہاں ٹہلتے پڑوسیوں کے گیٹ کو دیکھنے لگا۔ اس کے نزدیک دو ہی منٹ میں ایلیا باہر نکلتی دکھائی دے گی...... لیکن پانچ، پھر سات۔ آٹھ منٹ...... اس نے زچ ہوتے دوبارہ نمبر ملایا۔

"کہاں ہو تم...... باہر کیوں نہیں آ رہیں......؟"

"جی...... میں تو گھر میں ہوں، عابی کے پاس۔"

"مطلب......" وہ چلایا "میں یہاں گیٹ پہ کھڑا ہوں۔"

"جی میں تو اندر کے دروازے سے آ گئی تھی۔" اس نے ڈرتے ڈرتے بتایا اور مومن نے ہاتھ ماتھے پہ مارا۔

غصے سے باہر نکلتے یہ تو خیال ہی نہیں آیا کہ ان دو گھروں کا آپس کا رابطہ بیچ کے دروازے سے ہوتا ہے۔ وہ فوراً اندر آیا، کچھ دیر تک گھور کر درمیانی دروازے کو دیکھا اور پھر بجائے اندر جانے کے اسٹور روم میں آ گیا۔ یہاں کی ایک پرانی الماری میں کچھ ٹولز وغیرہ رکھے تھے۔

مومن نے سامان میں سے ایک تالا چابی نکالے اور باہر آ کر درمیانی دروازے کو بند کر کے تالا لگا دیا۔ کمرے میں آیا تو ایلیا عابی کو لیے بیٹھی تھی۔ ہلکے پیلے رنگ کے سوٹ میں بالکل اُس دن کی طرح تیار جب وہ اسے تھانہ لے گیا تھا۔ مومن نے چابی اس کے سامنے بیڈ پر پھینکی۔ ایلیا نے چونک کر سر اٹھایا۔

"آئندہ ان پڑوسیوں سے باہر کے راستے رابطہ رہا کرے گا۔ کوئی ضرورت نہیں بیچ کا راستہ کھولنے کی، کون سے ہمارے سگے لگتے ہیں۔ ہے کوئی رشتہ؟" وہ شرٹ کے بٹن کھولتے وارڈ روب کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"اور گھنٹوں گھنٹوں کے لیے جانے کی تو قطعی اجازت نہیں ہے۔" اس نے سفید قمیص پہنی۔

"ان کے ہاں آج زنانہ پروگرام تھا، دیر تو لگ ہی جاتی ہے۔" ایلیا آہستہ آواز میں وضاحت دینے لگی اور مومن کا ہاتھ رُکا، دل میں سوچا......

"زنانہ پروگرام......؟"

"ارم بھابی نے گھر سیٹ کر لیا ہے تو اس لیے آج ان کی نندیں اور دیورانیاں ملنے آئی ہوئی تھیں۔ بھابی نے مجھے بھی بلا بھیجا۔ پڑوس کی ایک دو اور خواتین بھی تھیں۔" وہ بتاتی جا رہی تھی اور مومن آنکھیں بھینچے نچلا لب دانتوں میں دبائے سخت شرمندہ سا کھڑا تھا۔ خواتین کے پروگرام کا سن کر ہونٹوں پر تسلی آمیز ہنسی بھی آ گئی۔ نجانے اتنی دیر سے وہ کیا خرافات سوچے جا رہا تھا۔ ہلکا سا سر گھما کر سائیڈ سے دیکھا۔ ایلیا نے اس کے آج کے غصے کو کوئی الگ معنی نہیں پہنائے تھے تب ہی منہ پھلائے خفا خفا سی بیٹھی تھی۔ مومن نے دل ہی دل شکر ادا کیا۔

☆☆☆

شہناز اس وقت تاریک برآمدے میں ننگے پیر

چکر لگا رہی تھیں۔ جب بڑے گیٹ کے باہر روشنی دکھائی دی۔ انہوں نے ارحم کو ہارن بجانے اور دستک دینے سے بھی منع کیا تھا۔ بھاگ کر خود ہی پھاٹک تک آئیں اور دروازہ پورا کھول دیا۔ ارحم گاڑی لیے اندر آیا اور سائیڈ پر روک دی۔

"تمہیں کسی نے دیکھا تو نہیں۔ ڈیرے پر تو نہیں گئے تھے؟ گیٹ کے باہر کون سا ملازم تھا۔"

جیپ کے رکتے ہی شہناز نے بس ارحم کی پیشانی کا بوسہ لیا اور پھر بنا موقع دیے سوالات کی بوچھاڑ کردی۔ لہجہ البتہ نہایت دھیما تھا اور تیز نگاہ اپنے اطراف پر۔

"کسی نے نہیں دیکھا..... کیوں بوکھلا رہی ہیں۔" ارحم چڑ سا گیا۔

"اچھا ٹھیک ہے..... جلدی اندر چلو۔" وہ اس کا بازو دبوچ کر برآمدے کی طرف بڑھیں۔ سارا خطرہ انہیں ساس کی طرف سے تھا۔ اگر جیپ کی آواز سن کر وہ اپنے کمرے سے نکل آئیں تو سارا بھانڈا ابھی پھوٹ سکتا تھا۔ ارحم چترال سے اکیلا آیا تھا اور وسیلہ اس کے آس پاس کہیں نہیں تھی۔

"جاؤ، اپنے کمرے میں آرام کرو، وسیلہ کو میں اور مسرت صبح سویرے تہہ خانے سے نکال لائیں گے۔"

"اور..... پھر؟" وہ جاتے جاتے رکا۔

"وہی جو بتا چکی ہوں۔ اور جس کے بنا اب اور کوئی چارہ نہیں۔"

"ہوں..... لیکن ذرا دیکھ بھال کر..... ہم میں سے کسی پر نام نہ آئے۔" وہ ایک دم نارمل دکھائی دیتا تھا۔

"بے فکر رہو..... سب سوچ لیا ہے۔"

"او کے، پھر آرام کریں آپ بھی۔"

"نہیں۔ ہمیں ابھی بہت کام ہے..... تم سو جاؤ۔" وہ اسے مسکرا کر تسلی دیتی واپس پلٹ گئیں۔ رات کے پونے تین بجے ارحم واپس گھر پہنچ گیا تھا۔ اور یہ مرحلہ بھی بنا کسی کے علم میں آئے کامیابی سے طے پا گیا تھا۔

اب تو بس اگلی صبح کا انتظار تھا۔ وہ صبح جس کی روشنی دیکھنے کو مہینوں سے وسیلہ بھی تڑپ رہی تھی، پر وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ صبح ہمیشہ کے لیے اس کی زندگی کا چراغ بجھا دینے کے لیے طلوع ہو رہی تھی۔

☆☆☆

منصب کی باتوں کی سنجیدگی کا اثر میمونہ کے ذہن سے اتر کے نہیں دے رہا تھا۔ رات بھی بے چینی سی گزری اور نماز کے بعد بھی وہ دیر تک باہر صحن میں ٹہلتی رہی تھی۔

وہ ایک بھرے پُرے گھر میں رہتی تھی جہاں سب کے سامنے جوابدہ ہونا پڑتا ہے۔ اور اس کا بھائی اس کے حالات سے بخوبی واقف تھا۔ لیکن وہ پھر بھی اس پر بھی زور دے رہا تھا کہ اسے اگلی صبح ہر حال میں حویلی جانا ہے تو ضرور بات معمولی نوعیت کی نہ تھی۔

ناشتہ اس نے معمول سے زیادہ جلدی بنا لیا۔ انیس ناشتے کے بعد اسکول ڈیوٹی پر چلے گئے اور وہ شہیر کو اماں جی کے پاس چھوڑ کر، یہ کہتے گھر سے نکل آئی کہ دادی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور انہوں نے بلا بھیجا ہے۔

اس کی ساس نرم خو سلجھی ہوئی خاتون تھی۔ بنا سوال جواب میں پڑے شہیر کو لے لیا۔ میمونہ نے چادر اپنے گرد اچھی طرح سمیٹی اور گھر سے نکل آئی۔

گھر سے حویلی تک چند گلیوں کی مسافت تھی۔ جلد ہی وہ حویلی کے بڑے دروازے پر آ گئی۔ ہلکا سا وا کیا لیکن دروازہ اندر سے بند تھا۔

اسے مایوسی تو بہت ہوئی لیکن پھر زور سے بجانا شروع کر دیا۔ بنا ملے تو یہاں سے جانا ہی نہیں تھا۔ اتنی صبح صبح کی آمد البتہ کچھ آکورڈ تھی لیکن اسے تو منصب کا کہنا ماننا تھا۔

میمونہ نے ایک بار پھر زور سے دروازہ بجایا لیکن عجیب بات تھی، کوئی آ ہی نہیں رہا تھا۔ وہ اب حیران پریشان کھڑی سوچ رہی تھی کہ کیا کرے۔ اتنا

تو وہ جانتی تھی کہ حویلی کے مکین دیر تک سونے والوں میں سے نہ تھے۔ صبح کی نماز کے ساتھ ہی یہاں کا نظام بیدار ہو جاتا تھا۔

"کون ہے؟" میمونہ نے تیسری بار دروازہ بجایا تو آگے سے مسرت کی دھیمی قدرے چوکنا سی آواز سنائی دی۔

"دروازہ کھولو، میں میمونہ ہوں، بڑی بیگم سے ملنا ہے۔" اس نے اونچی آواز میں کہا تو جواباً بالکل خاموشی چھا گئی۔

"مسرت...... اے مسرت!" میمونہ نے ہاتھ مار کر اونچی آواز میں پکارا لیکن کوئی جواب نہیں آیا۔

"کمال ہے!" وہ لب چباتے سوچ میں پڑ گئی۔ مسرت نے عورت کی آواز سن کر بھی دروازہ نہیں کھولا تھا۔ اس نے رک کر کچھ دیر سوچا، پھر پرس سے موبائل نکال کر منصب کو کال ملا دی۔

"ہاں میمونہ...... کھول آئیں دادی سے؟" منصب نے بنا سلام دعا نہایت بے تابی سے سوال کیا۔

"نہیں منصب! میں تو کب سے یہاں حویلی کے گیٹ کے باہر کھڑی ہوں، کوئی پھاٹک ہی نہیں کھول رہا، بتاؤ، کیا کروں اب؟"

"زور سے بجاؤ، شاید سنائی نہ دیا ہو۔"

"ارے نہیں بھئی، مسرت دروازے تک آ کر واپس چلی گئی۔ میں نے بتایا بھی تھا کہ میمونہ ہوں لیکن نہ اس نے دروازہ کھولا نہ کوئی جواب دیا۔ شاید واپس پلٹ گئی، لگتا ہے کھولنا۔" میمونہ کے ہاتھ سے موبائل گرتے گرتے بچا۔ اندر سے یک لخت ایسی دل دوز چیخ سنائی دی کہ میمونہ کا دل دہل گیا

"م...... منصب...... اندر کچھ ہوا ہے......" اس کی گھٹی گھٹی آواز بمشکل باہر نکلی۔

"کیا مطلب...... کیا ہوا ہے...... بولو میمونہ......"

"کسی عورت کی چیخ سنائی دی تھی...... ایسے ایسا لگا کوئی بہت تکلیف میں تھا۔" میمونہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

"ہمت سے کام لو میمونہ! اور دیکھو یہاں سے کہیں جانا مت۔" "تم گھنٹوں بھی یہاں کھڑی رہو تو تمہیں کسی نے کچھ نہیں کہنا، لیکن دیکھو تم بنا جانے واپس نہیں جاؤ گی......" منصب کا لہجہ قطعی تھا۔

"ہاں منصب...... میں سمجھ گئی......" میمونہ نے بھائی کی باتوں سے اپنے اندر ایک حوصلہ پیدا ہوتا محسوس کیا، لیکن وہ اندر کیسے جائے...... یہ مسئلہ ابھی جوں کا توں تھا۔

☆☆☆

ارحم کے کمرے کے باہر کشادہ برآمدہ تھا۔ واشنگ مشین تو مسرت نے وہاں دو ہفتے پہلے ہی سیٹ کر لی تھی اور دو تین مرتبہ کپڑے بھی دھوئے تھے تاکہ وسیلہ کی موت کے بعد، دادی سے کوئی بیان وغیرہ لیا جائے تو وہ یہ نہ کہیں کہ عین حادثے سے ایک دن پہلے مشین کو وہاں رکھا گیا۔ یہ تو سیدھا شک میں ڈالنے والی بات تھی۔

کالی ہوتی ایکسٹینشن کے کونوں پر سرخ اسکاچ ٹیپ لگا کر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ اس ننگے تار کو کرنٹ سے بچانے کے لیے ٹیپ لگایا گیا تھا، لیکن پھر کسی وجہ سے ٹیپ جگہ سے سرک گیا، تاکہ کرنٹ کا واقعہ حادثہ ہی لگے۔

صبح ارحم کے کمرے کے سامنے سے تار گزار کر واشنگ مشین لگا دی گئی۔ شہناز اور مسرت قریب ساڑھے سات بجے تہہ خانے میں گئے۔ اس کی ساس اس وقت نماز اور تسبیحات کے بعد ایک بار پھر سو چکی تھیں۔

"باہر نکلو......" شہناز نے سوئی ہوئی وسیلہ کو ٹہوکا مارا تو اس نے سوئی سوئی خالی نگاہ تائی پر ڈالی۔ ان کے الفاظ تو سر پر سے ہی گزر گئے۔

"اُٹھ بھی جاؤ، سست منحوس لڑکی۔ باہر جانا ہے۔" انہوں نے شانے سے کھینچ کر زبردستی اسے بٹھا دیا۔

"کہاں......؟" وہ بے یقینی سے انہیں دیکھ

رہی تھی۔ گزرے ساڑھے پانچ ماہ میں یہ جملہ اس کے کانوں نے پہلی بار سنا تھا۔

"یہاں سے تمہاری چھٹی...... آج سے اپنے کمرے میں جاؤ۔" شہناز نے لہجہ دھیما رکھا۔

"کیوں......؟" وسیلہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور بنا تائی کی بات پر یقین کیے حیرت سے بس اتنا پوچھا۔

"کیا تم باہر نہیں جانا چاہتیں؟" وہ تنک کر بولیں، دل ہی دل میں پشیمانی بھی ہوئی کہ کوئی معقول بہانا کیوں نہیں سوجھ رہا۔

"آپ میرے جانے پر تو مجھے باہر نہیں بھیج سکتیں؟" وہ تخت چھوڑ کے جان بوجھ کر بات کو طویل کر رہی تھی۔ تیند سے جاگتے ہی ایک نہ سمجھ میں آنے والی بات سنائی دی تھی اور اسے، بنا سوچے کوئی قدم نہیں اٹھانا تھا۔ باہر نکلنے کا یہ موقع اس کے لیے بہت قیمتی تھا اور وہ اسے اس سے کچھ حاصل کرنا تھا۔ آج وہ بھیڑ بکری کی طرح ان سے بندھی چلی جاتی تو پھر کوئی تہہ خانہ یا شاید کوئی کھائی اس کی منتظر ہوتی۔

"بہت زبان چلانا آ گیا ہے۔" شہناز نے گھور کر دیکھا "تمہیں تمہارے کمرے میں بھیج رہے ہیں، کچھ مہمان آ رہے ہیں۔ چلنا ہے تو چلو۔"

"تو مہمانوں سے کیوں نہیں کہہ دیتیں کہ میں چترال میں ہوں۔" وہ ابھی بھی ڈٹ کر کھڑی تھی۔

"دیکھو لڑکی!" شہناز نے تنبیہاً انگلی اٹھائی "ارحم واپس آ گیا ہے اور اب وہ کچھ دن یہیں رہے گا۔ ان دنوں کو غنیمت جانتے اگر آزادی کے کچھ سانس لینا چاہتی ہو تو آ جاؤ ہمارے پیچھے...... ورنہ سڑو یہیں پہ۔"

وہ اس بار تنک کر سیڑھیاں چڑھ گئیں۔ وسیلہ نے ایک نظر جاتی ہوئی تائی کو دیکھا اور دل میں گھبراہٹ سی پیدا ہوتے محسوس کی، باہر نکلنے کا یہ چانس مس نہیں ہونا چاہیے۔

اس نے پل میں فیصلہ کرتے قدم سیڑھی پہ رکھ دیا اور تب ہی مسرت نے اس کی کلائی کو مضبوطی سے دبوچ کر قابو میں کیا۔ وسیلہ نے ٹھٹک کر اس کی اس حرکت کو دیکھا لیکن وہ اسی ڈھٹائی سے اس کا بازو پکڑے رہی۔ وسیلہ نے اس بار کچھ نہ کہتے سیڑھیاں چڑھنا شروع کر دیا۔ شہناز نے دروازہ کھول کر ان دونوں کا راستہ بنایا اور ساڑھے پانچ ماہ بعد وسیلہ نے روشن زمین پر دوبارہ اپنے قدم رکھے۔ پلکیں بے اختیار نم ہو گئیں۔ اس نے اللہ سے اپنے حق میں دعا مانگی۔ اور تنگ راہداری سے نکلتے کھلے صحن میں آ گئی۔ صبح سویرے کا وقت تھا۔ صحن میں کوئی دکھائی نہیں دیا۔

مسرت اس کا ہاتھ تھامے اسے بائیں ہاتھ کے نئے بنے کمروں کی طرف لے جانے لگی...... وسیلہ نے محتاط نظروں سے ارد گرد دیکھا۔ دور پھاٹک زور زور سے بجایا جا رہا تھا۔ لیکن شہناز تائی اور مسرت اس دستک کی متعلق پرواہ نہ کر رہے تھے...... اسے کھینچ کر جس نئے پورشن کی طرف لے جایا جا رہا تھا اس کے برآمدے میں واشنگ مشین لگی تھی۔ ساتھ چارپائی پر کچھ دھلنے والے میلے کپڑے رکھے تھے۔ مشین کے بالکل ساتھ ایک کمرے کا دروازہ تھا۔ وہ برآمدے کا اسٹیپ چڑھنے لگی تو مسرت نے اس کا بازو پکڑ کر کھینچا۔

"جوتا اتار کے آگے بڑھو۔"

"ہوں......؟" وہ تعجب سے کبھی اسے تو کبھی اس دھول مٹی کے فرش کو دیکھے گئی۔ وہ ہرگز اتنا اجلا نہ تھا کہ اس پر چلنے سے پہلے جوتا اتارا جاتا۔

"اتارو جوتی!" شہناز نے چلا کر حکم دیا تو وسیلہ نے چپلیں اتار دیں...... قدم آگے بڑھائے اور شہناز نے آنکھ کے اشارے سے مسرت کو کچھ دکھایا۔ مسرت نے نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو تار کا ننگا حصہ وسیلہ کے اندر داخل ہونے کے راستے سے معمولی سا ہلا ہوا تھا۔ وہ وسیلہ کا بازو چھوڑ کر آگے بڑھی اور تار کے پلاسٹک والے حصے کو بڑے ہی غیر محسوس طریقے سے پاؤں کے ساتھ تھوڑا سا دائیں کھینچا۔ وسیلہ کا دھیان مسرت کی حرکت کے بجائے اپنی آزاد کلائی کی طرف تھا۔

اس وقت نہ وہ شہناز تائی کی گرفت میں تھی نہ مسرت کی...... پیچھے ایک دروازہ مسلسل پیٹا جا رہا تھا اور صحن دور تک خالی پڑا تھا۔ دیبلہ نے سیکنڈز کے اندر اپنے آپ کو جرات پر اکساتے سرپٹ پیچھے کو دوڑ لگا دی۔ جوتا پیروں میں ویسے نہیں تھا۔ اس نے قل اسپیڈ میں گیٹ کا رخ کیا......

"مسرت، بھاگو۔" شہناز کی چیخ نکلی اور دونوں ہی دیبلہ کے پیچھے دوڑ گئیں...... دیبلہ نے آدھا صحن کامیابی سے عبور کر لیا تھا، وہ پوری طاقت سے زور لگاتے جلد از جلد گیٹ تک پہنچ جانا چاہتی تھی، سانس دھونکنی جیسا چل رہا تھا۔ وہ گیٹ کے قریب پہنچی تو اسے اندر سے بند پایا، جلدی سے الٹے سیدھے ہاتھ مارنے کی کوشش کی لیکن اس سے پہلے ہی مسرت اس تک پہنچ گئی اور پل میں دیبلہ کو دونوں بازوؤں میں دبوچ لیا۔

پیچھے آتی شہناز نے تیز نگاہیں اطراف میں دوڑائیں تو باتھ روم کی دیوار سے لگا لوہے کا سریا دکھائی دیا...... شہناز نے سریا ہاتھ میں لیتے دیبلہ کو دیکھا جو شدت کے ساتھ اپنا آپ مسرت کی گرفت سے چھڑوانے میں لگی تھی۔

انداز میں جنون اور زور اتنا تھا کہ مسرت کے ہاتھ پھسلنے لگے۔ قریب تھا کہ وہ خود کو ایک بار پھر آزاد کروا لیتی، شہناز نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور ہاتھ میں پکڑا سریا دیبلہ کے سر پہ دے مارا۔

آ...... آ...... آ...... حلق سے ایک بلند چیخ نکلی اور وہ گم دماغ لیے پوری چکرا کر زمین پہ آ رہی، چند لمحوں کے اندر کیا ہوا، دیبلہ جب تک سمجھتی سر سے خون کی گرم دھار بہنا شروع ہو چکی تھی اور وہ ہوش و حواس سے مکمل بیگانہ۔

"جلدی کرو، اٹھاؤ اسے۔ اور وہیں ننگی تار کے پاس لے جا کر اس کا پاؤں اس پہ ڈال دیتے ہیں۔" کہیں گے کرنٹ لگنے سے گری اور سر پھٹ گیا۔ اب جان سے مارنا تو ہے نا۔

ہاں ہاں...... یہ ٹھیک ہے۔ مسرت نے بھی تھوک نگلتے مالکن کی ہدایات کو غور سے سنا اور دونوں دیبلہ کو گھسیٹتے ہوئے برآمدے کی طرف لے جانے لگیں۔ اس نیم مردہ وجود کو مکمل بے جان کر دینے کے بیچ اب چند میٹر کا ہی تو فاصلہ تھا۔ جہاں بجلی کا ننگا تار بے ہوش دیبلہ کا منتظر تھا۔

"کیا ہوا...... کس کی چیخ تھی؟" پرانے برآمدے سے ہاجرہ بی بی پریشان حال باہر نکلیں اور شہناز کی حواس باختگی دو چند ہو گئی۔

"اب کیا کریں مسرت...... بڑھیا نے تو دیکھ لیا۔" شہناز کا ماتھا پسینے پسینے ہو گیا۔ دونوں نے برآمدے سے کچھ پہلے دیبلہ کو نیچے زمین پر لٹایا۔ اماں جی اس دوران ان کے قریب آ گئیں۔

"دیبلہ؟" وہ منہ پہ ہاتھ رکھے دو قدم پیچھے ہوئیں۔

"دیبلہ کب آئی...... اور یہ خون...... کک کیا ہوا دیبلہ کو۔ وہ اس کے نزدیک بیٹھ کر بے تابی سے اس کا چہرا تھپکنے لگیں۔

"کوئی ڈاکٹر کو بلاؤ۔ اس کا خون بہہ رہا ہے...... بچی۔" وہ پاگلوں کی طرح اپنے آپ سے بولتی اچانک اپنا دوپٹہ ہٹا کر دیبلہ کے سر پہ باندھنے لگیں۔ اس کا بہتا خون اس کی جان کے لیے خطرہ تھا۔

"ہاں...... مسرت جلدی سے دیبلہ کو پلنگ پہ لٹاتے ہیں۔ شہناز نے ذہن لڑاتے اپنا لہجہ بھی سانس جیسا نرم کر لیا۔"

"ہوا کیا ہے؟"

"پتا نہیں...... شش...... شاید کرنٹ لگا ہے۔" شہناز سے بات سنبھالنا مشکل تھا۔ "جاؤ مسرت! ارحم کو جگاؤ۔" دونوں نے دیبلہ کو پلنگ پر لٹایا اور مسرت بھاگ کھڑی ہوئی۔ ہاجرہ نے شک بھری نظر سے شہناز کو دیکھا اور وہ نظریں چرا کر دیبلہ پہ جھک گئیں۔

"اور جب ارحم باہر آیا تو ہاجرہ بی بی نے شور مچانا شروع کر دیا کہ اسے ہاسپٹل لے جانا

ہے۔" ارحم نے غصے بھری نظر سے ماں کو دیکھا تو وہ فوراً سمجھ گئی۔

"ارے اماں آپ، کہیں بیٹھ جائیں...... پریشانی سے گر نہ جائیں۔" وہ انہیں تھامے باہر نکل آئیں۔ ارحم کی غصیلی آنکھوں سے سمجھ میں آیا کہ اب جیتی جاگتی وسیلہ کو لے کر ہسپتال کیسے جایا جا سکتا تھا۔ لوگوں کے بیچ تو وہ سارا سچ اگل سکتی تھی۔

"مجھے چھوڑو، وسیلہ کو دیکھو۔ اور یہ گیٹ کوئی کیوں نہیں کھولتا، کب سے بج رہا ہے۔" ان کا اب سر پھٹنے کو آ رہا تھا۔ پتا نہیں یہ سب کیا چل رہا تھا۔ وہ کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھیں۔

"میں دیکھتی ہوں، آپ یہاں بیٹھ جائیں۔" وہ انہیں زبردستی ایک کرسی پر دھکیل کر واپس اندر دوڑی۔

"کیا تماشا ہے یہ...... لڑکی کو زندہ کیسے چھوڑ دیا۔" ارحم دبا دبا چلایا۔

"مارنے ہی والے تھے، پر تمہاری یہ دادی آ گئی بیچ میں...... اب اس کے سامنے کیسے گلے پہ تار ڈال دوں۔"

"اور یہ ہاسپٹل...... اس کا کیا کرنا ہے؟" ارحم سخت جھنجھلایا ہوا تھا۔

"یہاں سے نکالو کسی طرح...... اور......" وہ ساتھ ساتھ سوچنے لگیں "سنو ارحم، اسے ڈیرے کے کسی کمرے میں ڈال آؤ وقتی طور پہ...... ہاں یہی ٹھیک ہے۔ جاؤ ارحم۔ جلدی سے ڈیرا خالی کرو، کوئی نوکر چاکر باقی نہ رہے۔ پھر اس کو کسی کمرے میں ڈال دو، تیری دادی سے کہیں گے ہاسپٹل لے گئے ہیں۔ اور ڈیرے میں ہی کام تمام کر دینا۔"

"ہوں، اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے۔" اس نے پلٹ کر جلدی سے باہر کا رخ کیا۔

☆☆☆

میمونہ کو گیٹ کے باہر کچھ دس بارہ منٹ گزرے کہ پھاٹک کی کنڈی کھلنے کی آواز سنائی دی۔ وہ اس وقت پھاٹک سے ذرا دور کسی اور منصوبے پر سوچ رہی تھی، جب ارحم خان باہر نکل کر بنا اس جانب متوجہ ہوئے ڈیرے کی طرف بڑھ گیا۔

میمونہ نے ایک نظر ارحم کی پشت کو اور دوسری پھاٹک کے کھلے چھوٹے دروازے پر ڈالی اور پھر بنا توقف کیے جلدی سے اندر گھس گئی۔ تیزی سے صحن پار کرتے برآمدے تک آئی کیونکہ دادی سامنے ہی بیٹھی دکھائی دی تھیں۔ سر ہاتھوں پہ گرا رکھا تھا اور وجود جیسے ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔

"دادی۔ دادی۔" اس نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر ان کا بازو ہلایا۔

"میمونہ!" وہ پھٹی آنکھوں سے یقین نہ آنے والی نظروں سے میمونہ کو دیکھ رہی تھیں۔ "اندر وسیلہ۔" انہوں نے وحشت زدہ انداز میں انگلی اندر کی طرف اٹھائی۔ "وہ ٹھیک نہیں ہے، اس کو بچا لے کوئی...... جلدی کچھ کرو۔"

"کیا ہوا وسیلہ کو؟" وہ اٹھ کر فوراً اندر بھاگی۔ سامنے پلنگ پر سر پہ سفید دوپٹہ باندھے وہ بے سدھ پڑی تھی۔ ساتھ مسرت کھڑی تھی۔ اور اس کے علاوہ وہاں کوئی نہ تھا۔

"وہ...... یہ...... وسیلہ بی بی...... گر...... گر گئی تھیں۔"

مسرت کی تو میمونہ کو دیکھتے ہی سٹی گم ہو گئی۔ سب کیے کرائے پر پانی پھر رہا تھا۔ جو سوچا تھا۔ سب اس سے الٹا ہو رہا تھا۔ آج تو سمجھو بھانڈا پھوٹنا ہی پھوٹنا...... وہ بیٹھے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیسے گر گئی اور اب کیسی ہے...... کوئی ایمبولینس کو بلاؤ؟" اس نے فوراً ہی منصب کو کال ملا دی اور اس کے کال اٹھاتے ہی بنا اس کے کچھ بولنے کا انتظار کیے اسے وسیلہ کے بارے میں بتا دیا۔

"اب یہ بتاؤ، کرنا کیا ہے۔ انیس کو بلاؤں؟" وہ مشورہ چاہ رہی تھی۔

"انیس تو اسکول ہوگا...... ایک منٹ...... میں یہاں تھانہ پولیس کال کرتا ہوں۔ یہاں بہت واقف ہیں۔ ابھی حوالدار آ جائے گا۔ وسیلہ کو لا کر یہ ہاسپٹل

ZEM Time

نہ لے جائیں تو ریسکیو کی گاڑی فوراً منگوا لینا۔ حوالدار کے آتے ہی یہ لوگ تمہیں کچھ نہیں کہہ سکیں گے۔ دیکھو وسیلہ کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔''

''ہاں......او کے!'' اس نے مسرت کی وجہ سے چپ کر کے منصب کو سنا اور کال آف کر دی۔

''کسی نے ایمبولینس بلائی؟'' اس نے درشتی سے مسرت کو دیکھا۔

''ہاں وہ ارحم خان!'' مسرت نے کہتے ساتھ ہی سامنے دیکھا۔ ارحم خان اندر آیا۔ وسیلہ پر چادر ڈالی۔ ان دونوں کو پردہ کرنے کو کہا اور پیچھے دو نوکروں کو اشارے سے اندر بلایا، دونوں نے جلدی سے چارپائی اٹھائی اور باہر نکل گئے۔

میمونہ کے دل کو اطمینان نصیب ہوا کہ وسیلہ کو ہاسپٹل لے جایا جا رہا تھا۔ اب اس کا بھی یہاں رکنا بے معنی تھا۔ منصب نے اسے وسیلہ کے ساتھ رہنے کو کہا تھا۔ وہ عجلت میں باہر نکلی، پیچھے شاید دادی نے آواز لگائی تھی۔ اور دوسری آواز شاید مسرت کی تھی...... لیکن اس کے لیے فوراً باہر نکلنا ضروری تھا۔ معلوم نہیں وسیلہ کو کس ہاسپٹل لے جایا جا رہا تھا۔

وہ چادر کا پردہ ہٹاتی باہر نکلی تو باہر نہ کوئی ایمبولینس، نہ وسیلہ کی چارپائی نہ بندے...... اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ آخر چند سیکنڈز کے اندر سب کہاں گئے۔ وہ دوڑ کر آگے آئی اور دور دور تک ہر طرف دیکھا لیکن کہیں کچھ آثار نہ تھے۔ وہ ہکا بکا کھڑی تھی جب ڈیرے سے ارحم خان موبائل پر کوئی بٹن پش کرتا باہر نکلا۔

''خان...... وہ وسیلہ کو کدھر لے گئے ہیں؟''

''ہوں......؟'' ارحم ایک دم چونکا ''کون ہو تم......؟ اب تک کے وقت میں اس نے میمونہ پہ غور ہی نہیں کیا تھا۔ اندر بھی جب وہ مسرت کے ساتھ کھڑی تھی وہ شاید اسے کوئی خادمہ سمجھا تھا۔''

''میں میمونہ...... منصب کی بہن...... مجھے وسیلہ کے متعلق جاننا ہے۔'' اس کا دل گھبراہٹ کا شکار تھا لیکن لہجے کو بظاہر مضبوط رکھا۔ ادھر منصب کا نام سن کر ارحم کا دماغ بھک کر کے اڑ گیا۔ سچویشن ہی پہلے انتہا کی گھمبیر تھی...... اوپر سے یہ منصب کا کیا قصہ تھا۔

''اس کو ہاسپٹل بھیج دیا ہے۔ جائیں آپ۔'' وہ کنی کترا کر نکلنے لگا۔

''آپ ساتھ کیوں نہیں گئے...... مجھے وسیلہ کی خیریت جاننی ہے۔ دوست ہے وہ میری...... اور ہاسپٹل میں اس کے ساتھ کون ہے...... اکیلا کیسے بھیج دیا۔''

''بندے ہیں ہمارے، اور میں بھی جا رہا ہوں...... آپ جاتی کیوں نہیں۔'' آخر میں وہ چلا اٹھا۔

''میں ہاسپٹل جا رہی ہوں...... بتایئے کون سے ہاسپٹل بھیجا ہے۔'' وہ ڈٹ کر کھڑی تھی۔

''اس کی کوئی ضرورت نہیں، یہ ہمارے گھر کا معاملہ ہے۔ جائیں آپ۔'' وہ پھر زم پڑا۔ جبکہ اندر سے جبکہ پسینے چھوٹ رہے تھے۔ ڈیرے میں پڑی وسیلہ کیا کم مصیبت جیسی گلے میں اٹک گئی تھی جو یہ دوسرا عذاب...... وہ اس بار رکا نہیں اور حویلی میں داخل ہو گیا۔ میمونہ پریشان حال کبھی جاتے ارحم کو دیکھتی کبھی ویران پڑی اس گلی کو...... پھر منصب کو کال ملا دی۔

''کہو میمونہ...... وسیلہ کیسی ہے؟'' وہ تو جیسے سانس تک روکے بہن کی کال کا منتظر تھا۔

''منصب! اسے ہاسپٹل لے گئے ہیں...... اللہ پاک سے دعا ہے سب خیریت رہے۔''

''کون سا ہاسپٹل...... تم ساتھ کیوں نہیں گئیں۔ اس کی خیریت کون بتائے گا؟'' منصب کو چین نہیں پڑ رہا تھا۔

''ہاسپٹل کا نہیں پتا۔ اور ارحم خان بتانے کو تیار بھی نہیں، تم جانتے ہو اس کی نیچر...... میں اب حویلی کے باہر کھڑی ہوں، اور مجھے سمجھ نہیں آ رہی، میں نے کیا کرنا ہے۔''

''اور میری یہ سمجھ میں نہیں آ رہا میمونہ...... کہ

وسیلہ کو ہوا کیا ہے۔اس کی چوٹ کتنی گہری یا کتنی معمولی ہے......تمہیں یہاں بھیجنے کا مقصد تو اس کی خیریت جاننا تھا......اور حالات بتاتے ہیں کہ وہ بالکل خیریت سے نہیں ہے۔پلیز! اسے ہاسپٹل جا کر ملو......اور وہ حوالدار...... عاشق نام بتایا ہے، پہنچا......؟"

"نہیں...... ابھی یہاں کوئی نہیں......" بات میمونہ کے منہ میں رہ گئی......اس نے ڈیرے سے دو آدمیوں کو باہر نکلتے دیکھا اور بلاشبہ یہ وہی دو آدمی تھے جو وسیلہ کو چارپائی پر اٹھا لے گئے تھے۔

"بھائی......وہ بی بی کدھر ہے......وہ جو زخمی تھی؟"

"ہم کو نہیں معلوم...... جاؤ۔" وہ ماتھے پہ بل دیے سائیڈ سے نکلنے لگے۔

"اچھا، ایمبولنس کس طرف گئی ہے......بس یہی پوچھنا ہے۔" وہ لجاجت کرنے لگی۔

"کون سا ایمبولنس......؟" وہ اجنبی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور میمونہ خود بھی چونک گئی۔

"وہ بی بی......کس گاڑی میں گئی ہے ہاسپٹل......" اس نے سوچا شاید کسی گھر کی کار میں لے گئے ہوں گے۔

"ہم کو کچھ نہیں مالوم...... جاؤ مڑے......" وہ پلٹ کر دوبارہ ڈیرے کے دروازے میں گھس گئے۔

میمونہ ایک بار پھر بے یارومددگار کھڑی رہ گئی۔منصب کو کال ملانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ ایک نئے نمبر سے کال آتی دیکھی۔نمبر اٹینڈ کیا تو عاشق حوالدار کا تھا۔اس نے ڈیرے کی لوکیشن سمجھائی اور شاید کہیں قریب ہی تھا کیونکہ دو ہی منٹ میں آتا دکھائی دیا۔

"جی میڈم......کیا حالات ہیں؟" وہ مستعد سا اس کے سامنے کھڑا پوچھ رہا تھا۔میمونہ نے اب تک کی روئیداد بمع اپنے شکوک و شبہات کے ظاہر کر دی۔عاشق کی آمد سے گھبراہٹ بہت کم ہوئی تھی۔

"یہ تو صاف لگ رہا ہے کہ وہ زخمی عورت یہیں کہیں موجود ہے......یہ لوگ اسے ہاسپٹل لے ہی نہیں گئے۔ضرور یہ حادثہ کروایا گیا ہے اور اب یہ لوگ چھپا رہے ہیں۔" عاشق تو کسی رٹو طوطے کی طرح بولتا گیا اور میمونہ حیرت سے بس دیکھے ہی گئی۔یہ باتیں تو اس کے خیال میں ہی نہ آئی تھیں......اور منصب......اس کا دماغ تو وسیلہ کی چوٹ نے ہی بند کر رکھا تھا۔

"تو......پھر......؟"

"ایک منٹ۔میں منصب صاحب سے مشورہ کرلوں، وہ میرے ساتھ رابطے میں ہیں۔" عاشق نے فوراً ہی نمبر ملا کر منصب سے معاملات ڈسکس کیے، کچھ دیر تک خاموشی سے اسے سنا پھر کال آف کر کے میمونہ کو دیکھا۔

"میں ڈیرے کے اندر جاؤں گا۔یہ لوگ روکنے کی کوشش کریں گے، آپ کہنا کہ عورت کی چیخ سن کر آپ نے مدد کے لیے پولیس کو بلایا تھا تاکہ اندر کوئی تکلیف میں ہے تو اس کو بچایا جا سکے......کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنا ظاہر نہیں کرنا کہ آپ نے مالکوں کے خلاف پولیس بلائی ہے......سمجھ گئیں؟"

"جی جی۔سمجھ گئی۔چلیں۔" اب تو میمونہ کو بھی یقین ہونے لگا کہ وسیلہ ڈیرے میں کہیں ہے۔

ڈیرے کے دروازے پر پھر ان ہی دو آدمیوں سے مڈبھیڑ ہوگئی، پولیس والے کو دیکھ کر انہوں نے فوراً ہی ارحم خان کو بلا لیا تھا۔اور منصب کی بہن کے ساتھ حوالدار دیکھ کر وہ تو پہلے سے ہی اکڑ گیا۔حوالدار عاشق، اب ارحم خان کے تیور دیکھ کر کمزور پڑنے لگا تھا۔اس کے پاس بھلا سرچ وارنٹ کہاں تھا۔میمونہ نے سائیڈ پہ ہو کر منصب کو جلدی سے صورت حال بتائی۔

"منصب! مجھے یقین ہو گیا ہے، وسیلہ ڈیرے میں ہے، اور جیسی اس کی حالت تھی، اس کی جان بھی خطرے میں ہے۔خدارا کچھ سوچو......کاش کہ تم ہی

یہاں آسکتے۔"

وہ ڈھیلے لہجے میں کہے گئی جبکہ دوسری طرف سے کال ہی کاٹ دی گئی۔ میمونہ لب چباتے اس وقت بس اللہ سے مدد کی طالب ہوئی۔ یوں لگا جیسے منصب بھی مایوس ہوگیا تھا۔

اس نے پلٹ کر ڈیرے کی طرف دیکھا۔ حوالدار عاشق اسے دیکھتے کندھے اُچکا کر رہ گیا تھا۔

اس کے نمبر پر گھر سے کال آرہی تھی۔ میمونہ نے سختی سے لب بھینچے۔ اسے گھر سے نکلے بہت دیر ہوچکی تھی، اماں جی یقیناً شہیر کو سنبھالتے تنگ آچکی تھیں۔ اس نے کال اٹینڈ کرتے انہیں اپنی تھوڑی دیر میں آمد کا بتایا اور کال آف کرتے درد بھری گہری آہ نکالی۔ وہ بے سدھ پڑی وسیلہ کے کسی کام نہیں آسکی تھی اور تنہا نے لحظہ لحظہ اس کی حالت اب......

اس نے ایک جھرجھری لے کر آسمان کی طرف دیکھا۔ آنکھ سے آنسو بہہ رہے تھے۔ دونوں ہاتھ بے اختیار آپس میں جڑ گئے۔

"مالک...... کسی کو اتنا لاچار مت کرنا...... وہ بے چاری زخمی لڑکی خود اپنے لیے کچھ نہیں کرسکتی، مولا کرم فرمادیں، کوئی سبب پیدا فرمادیں۔"

"بہرام!" حویلی سے جیپ نکال کر پیچھے آؤ...... جلدی۔ ارحم خان کی چیختی آواز پر میمونہ نے چونک کر دیکھا۔ بہرام نام کا خادم حویلی کا بڑا پھاٹک کھول رہا تھا اور عین اسی وقت دوسرے خادم نے ڈیرے کا گیٹ پورا کھولا...... ارحم تیز قدموں سے اپنی سفید کار کی طرف بڑھا۔ پہلے اس کا دروازہ کھولا پھر بھاگتا ہوا اندر گیا۔ چند لمحوں میں کندھے پر وسیلہ کو ڈالے واپس آیا اور پچھلی سیٹ پر لٹاتے خود فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ڈرائیونگ سیٹ ایک دوسرے آدمی نے سنبھالی اور اس نے ارحم کے منہ سے ہاسپٹل کا نام سنا جو وہ ڈرائیور کو بتانے کے لیے اونچی آواز میں دوہرا رہا تھا۔ میمونہ ابھی کچھ سمجھنے کی کوشش کررہی تھی جب منصب کی کال آتی دیکھی۔

"ارحم روانہ ہوا...... وسیلہ کو لے کر۔"

"ہا...... ہاں...... ہاں!" میمونہ اٹکی" پر کیسے؟"

"میں نے ارحم کو کال کرکے کہا کہ اگر اس نے وسیلہ کو ڈیرے سے نہ نکالا تو ایس پی اسمٰعیل سرچ وارنٹ لے کر خود پہنچنے والے ہیں اور اس دوران حوالدار عاشق اسے بھی ڈیرے سے کہیں فرار نہیں ہونے دے گا۔ لہٰذا اپنی بہتری چاہتا ہے تو بجائے حیلوں بہانوں کے وسیلہ کو ہاسپٹل پہنچائے۔"

"ہاں وہ بہت گھبرایا ہوا ہے۔"

"اوکے، تم اب گھر جاؤ...... حوالدار عاشق پیچھے ہاسپٹل جارہا ہے۔ وسیلہ کے بارے میں وہ مجھے بتاتا رہے گا۔ میں تمہیں اس کی خیریت بتادوں گا۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ میں گھر چلتی ہوں۔" وہ ایک ٹھنڈا سانس بھرتے اسی وقت اپنے گھر روانہ ہوگئی۔ وسیلہ کی سلامتی کے لیے لبوں پر ڈھیروں ڈھیر دعائیں تھیں۔

☆☆☆

"رمشہ...... رمشہ......" وہ اونچی آواز میں پکارتا ہوا گھر میں داخل ہوا تو رمشہ چمچہ ہاتھ میں پکڑے حیران حیران سی کچن سے نکلی۔ دن کے شاید دس بھی نہیں بجے تھے اور منصب گھر واپس آیا تھا۔

"کیا ہوا منصب...... خیریت......؟" وہ بھائی کا چہرہ دیکھ کر ہی حیران سے فوراً پریشان ہوئی۔

"کچھ کام کررہی تھیں؟"

"ہاں، کھانا بنارہی ہوں۔"

"اور وہ صنوبر وغیرہ"

"اوکے جلدی سے یہ چولہا وولہا بند کرو اور عورتوں کو چھٹی دو۔ صرف پانچ منٹ میں گھر بند کرنا ہے۔ ہری اپ!" اس نے جگ سے گلاس بھرتے ایک ہی سانس میں چڑھایا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

وسیلہ اور منعب اس طوفان میں ملتے ہیں۔ اتفاقاً وسیلہ ایک بچہ جو پہلے منعب سے ٹکراتی ہے وہ اسے مختصر راستے سے اپنے گھر لے کر جاتا ہے۔ لیکن وہ اس پر شک کرتی ہے بعد میں اسے منعب کے گھر اسی بچے کی غرض سے جانا پڑتا ہے وہ شرمندہ ہوتی ہے۔

تحریم کی شادی میں وسیلہ منعب اور رمشہ کو انوائٹ کرتی ہے۔ منعب اور رمشہ کو وسیلہ اچھی لگتی ہے تحریم اور مومن پوری فیملی کے ساتھ کالام گھومنے جاتے ہیں اسی سفر میں وسیلہ اور منعب کی پھر ملاقات ہو جاتی ہے۔

ارحم رضوانہ اور ان کی فیملی کو ڈھونڈ لیتا ہے اور شہباز اور دادی کو بھی ان سے ملوانے لاتا ہے۔ رضوانہ کا خوف ختم ہو جاتا ہے شہباز ارحم کے لیے وسیلہ کا رشتہ مانگتی ہے۔ منعب کو جب یہ بات پتا چلتی ہے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

مومن کی شادی ایلیا سے ہو جاتی ہے وہ اس رشتہ کو قبول نہیں کر پاتا کیونکہ اس کے انکار کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ تانیہ عیسیٰ کے بھائی کا علاج کرتی ہے۔ وہ اس لڑکی کی شادی کا پتا چلنے پر خودکشی کر لیتا ہے۔ عیسیٰ اس سب کا ذمہ دار ڈاکٹر تانیہ کو سمجھتا ہے۔ اس کے کلینک پر توڑ پھوڑ کی جاتی ہے۔ وہ مجبوراً چھوڑ کر میانہ دم آ جاتے ہیں۔ شہباز شادی میں دادی کو نہیں لاتی۔ منصوبے کے تحت وہ وسیلہ کو اپنی نیم پاگل بہن کے ساتھ تہہ خانے میں بند کر دیتی ہے۔

آٹھویں قسط

"ہوا کیا ہے۔ کچھ تو۔"

"راستے میں بتاؤں گا۔ پلیز۔ جلدی کرو۔ اور خیریت ہے سب۔ بس فوراً نکلو۔" وہ خود ہی کچن میں گھس کر چولہا بند کرنے لگا۔ رمشہ نے آواز دے کر لبنیٰ اور مفورہ کو بلایا۔

"ہمیں جلدی کہیں نکلنا ہے۔ تم دونوں فی الحال اپنے گھر جاؤ۔" رمشہ نے سنجیدگی سے کہتے انہیں رخصت کیا اور کمرے میں جا کر اپنی چادر اوڑھ کر موبائل اور پرس ہاتھ میں لیا۔ منیب نے اس دوران کمرے وغیرہ لاک کرنا شروع کر دیے تھے۔ مین گیٹ کا تالا چابی پکڑے وہ اس کے نکلنے کا انتظار کر رہا تھا۔

"کیا ہوا منیب۔ میری تو دھڑکنیں ہی قابو میں نہیں آرہیں۔"

"ہم وسیلہ کے گھر جا رہے ہیں۔ مطلب اس کی امی کے گھر۔ تم نے اندر جا کر اس کی چھوٹی بہن سے بات کرنی ہے۔ ڈائریکٹ آنٹی سے کچھ مت کہنا۔"

"کیا کہنا ہے۔" رمشہ کا دل ڈوب رہا تھا۔

"وسیلہ آج صبح ہی چترال سے واپس آئی ہے اور گھر آتے ہی اس کے ساتھ ایک حادثہ پیش آگیا ہے۔ اس وقت وہ ہاسپٹل میں ہے۔ اور دعا ہے کہ سب خیریت رہی ہو۔ ارحم وغیرہ اس کے ساتھ کچھ اچھی طرح پیش نہیں آرہے۔ اس کے پاس اس کے اپنوں کا ہونا بہت ضروری ہے۔ مومن وغیرہ کو فوراً روانہ ہو جانا چاہیے۔ میرے پاس مومن کا نمبر ہوتا تو میں اسے خود ہی کال کر لیتا۔ بہرحال تم سمجھا کے جا کر ان سے ساری بات کرو۔ اور ہاں یہ سب باتیں مجھے میمونہ سے پتا چلی ہیں۔ وہ اس وقت خود وہاں موجود تھی اس لیے شک کی کوئی گنجائش نہیں۔۔۔ ان سے کہنا کسی سے فون پر رابطہ کرنے کے بجائے فوراً خود روانہ ہوں۔"

اس نے رمشہ کو ساری تفصیل سے آگاہ کرتے جب وسیلہ کے گھر کے باہر روکی اور رمشہ بنا کچھ کہے فوراً ہی باہر نکل گئی۔ اس کا رخ مومن کے گھر کی طرف ہی تھا کیونکہ منیب نے اسے ایلیا سے بات کرنے کا کہا تھا۔ وہ تو اسے وہیں جا کر معلوم ہوا کہ رضوانہ آنٹی بھی آج کل یہیں ہوتی ہیں۔ ایلیا اس وقت کام والی فیروزہ کے ساتھ کچن میں تھی، جب رمشہ وہاں پہنچی۔ رمشہ نے نرمی اور کسی قدر آرام سے سارا معاملہ ایلیا کے گوش گزار کیا جسے سن کر وہ پریشان تو بہت ہوئی لیکن فوراً ہی مومن کو کال کر کے ساری سچویشن سے آگاہ کر دیا۔

"مومن گھر آرہے ہیں۔" وہ بتاتے ساتھ ہی خود بھی چیئر پر بیٹھ گئی۔ ہتھیلی سے لبوں کو بھینچ رکھا تھا۔ حالت کچھ شدید گھبراہٹ والی ہو گئی تھی۔ رمشہ نے بھاگ کر پانی کا گلاس اس کے لبوں سے لگایا۔

"گھر میں اور کون ہے۔" اس نے فیروزہ کو دیکھا۔

"بس رضوانہ بی بی اور بچے۔"

"خود کو سنبھالو ایلیا۔ پلیز۔ گھبرانے سے کچھ نہیں ہوگا، ابھی تو تم نے امی کو بھی بتانا ہے۔ تمہیں بہت ہمت سے کام لینا ہوگا۔"

"تھینکس رمشہ۔" ایلیا نے سر اٹھایا تو آنکھیں پانی سے بھری تھیں۔ کانپتا ہاتھ اس نے رمشہ کے ہاتھ میں دیا۔

"وہ سب بعد میں ایلیا۔ ابھی تم جانے کی تیاری دیکھو۔ مومن بھیا آتے ہی ہوں گے۔ اور رضوانہ آنٹی سے ابھی کوئی بات کرنے دو۔ دیکھو کیا طے کر کے آرہے ہیں۔"

"ہاں میں تیاری۔۔" وہ بوکھلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"فیروزہ! تم امی کے پاس جاؤ۔ اور دیکھو کچھ بھی بتانا مت۔ میں بس چپکے سے کمرے میں جا کر سب تیاری کر آتی ہوں۔"

"ایلیا۔" رمشہ کو اچانک کچھ خیال آیا، تو وہ چونک کر مڑی۔

"دو دو بچوں کو کیسے سنبھالو گے تم لوگ۔ معلوم نہیں وہاں کیا صورت حال ہو۔ میرا مطلب ہے مومن بھائی سے مشورہ کر لینا۔ اگر انہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو بچے میرے پاس چھوڑ سکتی ہو۔ میرے پاس مفورہ اور لبنیٰ ہیں، پھر تانیہ ہے۔ مجھے بالکل کوئی پرابلم نہیں ہوگی۔"

"اچھا موسن آ جائیں۔ پھر دیکھتے ہیں۔" وہ جلدی سے باہر نکل گئی۔ رمشہ نے کال کر کے منصب کو بتایا کہ فی الحال وہ ٹھیک ہے۔ اس نے بھی واپس بلانے کی جلدی نہیں کی۔

☆☆☆

"میری مسز کی حالت اب کیسی ہے؟" ارحم نے ڈاکٹر کو باہر نکلتے دیکھا تو لہجے میں در آتے عجز کی رقت سموتے دریافت کیا۔ ہاسپٹل آئے انہیں اب کافی گھنٹے ہو چکے تھے۔ سرجن اب پہنچا تھا اور کافی دیر سے وہی دیلہ کی چوٹ کا معائنہ کر رہا تھا۔

"ایک تو خون بہت بہہ گیا تھا، دوسرے چوٹ بھی سر کی ہے۔ پھر آپ لوگ شاید لائے بھی دیر سے تھے۔ فی الحال تو انہیں ہوش نہیں آیا۔ لیکن ابھی خون چڑھنے سے حالت کے بہتر ہونے کا بہت امکان ہے۔۔ سر کی چوٹ کے لیے البتہ ایک سرجن کو کال کی ہے۔ وہی بہتر بتا سکتے ہیں۔ وہ بھی ان کے ہوش میں آنے کے بعد۔"

"بہت شکریہ ڈاکٹر۔ پیسے کی بالکل فکر مت کیجیے۔ بس میری مسز کو ہر حال میں بچا لیجیے۔"

ارحم کے لجاجت بھرے لہجے پر سرسری سر ہلاتے ڈاکٹر صاحب روانہ ہو گئے۔ ادھر گھر سے ماں کی کال آتے دیکھ کر ارحم بھی ایک سائیڈ کو ہو گیا۔

"کیا چل رہا ہے ارحم۔ اتنی دیر ہو گئی اور تم کوئی اچھی خبر بھی نہیں سنا رہے؟" شہناز کی آواز سرگوشی سے بھی کچھ کم تھی۔

"ابھی وہ بے ہوش ہے۔ اور دعا کریں وہ اسی بے ہوشی میں اُٹھ بھی جائے۔" ارحم کا سراپا لہجہ اچھا کا بے رحم تھا۔

"اب تو یہ بہت ہی ضروری ہو گیا ہے۔ جانتے بھی ہو یہاں کون نازل ہو گیا ہے۔" شہناز کی آواز ابھی تک نہایت کم تھی۔ ارحم کے کان کھڑے ہوئے۔ یہاں تو ہر اگلے لمحے کوئی نئی خبر تھی۔

"دیلہ کے سب ہی گھر والے آن وارد ہوئے ہیں۔ انہیں اطلاع کس نے دی؟"

"مائی گاڈ۔" ارحم نے ماتھے پہ ہاتھ مارا۔

"اور کون۔ یہ عذاب بھی منصب کا نازل کیا ہوا لگتا ہے۔ تو۔ ؟ کیسے سنبھالا آپ نے؟"

"بس رونا پیٹنا کرنا پڑا۔"

"اور وجہ۔ یعنی دیلہ کو چوٹ کیسے لگی؟"

"وہ تو پولیس کی خبر سنتے ہی میں نے سب ترتیب دے دیا تھا۔ تمہارے کمرے کا چھت والا پنکھا۔ تاریں توڑ کر بیڈ پہ گرا دیا۔ ابھی رضوانہ اور موسن وغیرہ کو اندر بلا کر دکھایا کہ فٹنگ شاید ٹھیک سے نہیں ہوئی تھی۔ دیلہ عین نیچے ہی بیٹھی ہوئی تھی اور پنکھا آن گرا۔"

"واؤ۔ گڈ۔ کیا آئیڈیا لڑایا ہے۔" ارحم کی آنکھیں چمکیں۔

"ہاں اور اب وہ سب ہاسپٹل کے لیے نکلے ہیں۔ تم بھی سنبھال لینا۔"

"اور اگر دیلہ کو ہوش آ گیا تو؟" ارحم کو اچانک خیال آیا۔

"اگر وہ ہوش میں آ جائے تو اکیلے میں اسے دھمکی دینا کہ اگر اس نے کوئی بھی سچ اگلا تو نتائج انتہائی بھیانک ہوں گے۔ میں اسے پہلے بھی ایک بار دھمکا چکی ہوں کہ اگر اس نے کسی کو بتانے کی کوشش کی تو بہن اور بہنوئی کا پتا ایک حادثے میں صاف ہو جائے گا۔

اور ہاں، اگر یہ لوگ دیلہ کو ساتھ لے جانے کی بات کریں تو کسی قیمت پہ حامی نہیں بھرنی۔ وجہ جو بھی تم سوچو۔ لیکن زندہ تو اس کو اس کے میکے کے حوالے کرنے کا سوال ہی نہیں اُٹھتا۔"

"ہوں۔" ارحم نے آنکھیں چھوٹی کیں۔ "واپس بھیجنا تو ممکن ہی نہیں۔ چاہے کچھ ہو جائے۔"

☆☆☆

ہاسپٹل کے ویٹنگ روم میں ان کو ایک گھنٹے سے اوپر ہو گیا تھا۔ سرجن ڈاکٹر لطیف نواب زادہ دیلہ کا سٹی سکین کر رہے تھے۔ دیگر کئی ٹیسٹ وغیرہ بھی کیے گئے تھے۔ موسن چاہتا تھا رضوانہ پھوپھو حویلی میں رہتیں، وہ صرف دیلیا کو یہاں لانا چاہتا تھا لیکن وہ کسی طور نہیں مان

رہی تھیں۔ انہیں ہر حال میں وسیلہ کو دیکھنا تھا۔ مومن نے ایک نظر دور کوریڈور میں دیکھا۔ ایلیا ٹہل کر عابی کو بہلا رہی تھی۔ رمشہ کی پرخلوص آفر اور اپنی مجبوری کو دیکھتے ہی وہ اس کے پاس چھوڑ آئے تھے۔ ان لوگوں کے خلوص اور ساتھ کا تو مومن دل ہی دل میں قائل ہی نہیں احسان مند بھی ہو گیا تھا۔

منصب نے اس سے کال پر بات کی تھی اور جتنا پہلے سے منصب نے بتانا شروع کیا تھا۔ مومن کو حیرت ہوئی کہ کیا واقعی ایک پولیس والا عام ذہن سے ہٹ کر سوچتا ہے۔ آخر حویلی والوں کی نیت ان کے ارادے پرکھیں کر شک اٹھے تھے۔ اور وہ شک لاتے بے معنی بھی نہ تھے۔

اسے افسوس تھا کہ وسیلہ سے اتنی محبت کرنے کے باوجود اس کے بارے میں اتنا فکر مند ہونے کے وہ لاتے ماہ اس معصوم سے غافل بھی کیسے رہے تھے۔ جب کہ منصب نے ان لوگوں پر ایک دن بھی بھروسا نہیں کیا تھا اور آج اسی کے شک کا نتیجہ تھا کہ وسیلہ کے پاس اس کے اپنے آموجود ہوئے تھے۔ حویلی والوں نے تو حادثے کی اطلاع دینا بھی مناسب نہیں سمجھا تھا۔ اور اب۔ اب انہیں وسیلہ کو اپنے ساتھ لے جانے کا کچھ بندوبست کرنا تھا اور یہ صلاح بھی منصب کی تھی کہ وسیلہ کو وہاں اکیلا چھوڑنے کی غلطی نہیں کرنی۔

☆☆☆

"مبارک ہو مومن۔ وسیلہ کو ہوش آرہا ہے۔" ارحم نے ڈبڈبائی پلکوں کے ساتھ مومن کا ہاتھ جوش کی گرمی سے دبایا۔

"الحمدللہ۔" اس نے بے اختیار رضوانہ آنٹی کو دیکھا۔ ایلیا اور وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"ہم وسیلہ سے مل سکتے ہیں؟" ایلیا کے لہجے میں بے تابی تھی۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ لیکن ہم اس سے بات نہیں کر سکتے۔ ڈاکٹر نے بولنے سے منع کیا ہے۔ سر پہ پریشر پڑ سکتا ہے۔" ارحم نے اطلاع بہم پہنچائی اور یہی اس کی خوشی کی اصل وجہ تھی۔ ڈاکٹر نے جب مریض سے بات کرنے سے منع کیا تو ارحم کا بے اختیار قہقہہ لگانے کو دل چاہا تھا۔ من کی مراد تو یوں چٹکیوں میں پوری ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر تو وہاں سے اب چلا گیا تھا۔ آگے ارحم نے ہی معاملات سنبھالنے تھے۔ کال کر کے اس نے ماں کو بھی بلا لیا تھا۔ وہ بھی کچھ ہی دیر میں واری صدقے ہوتی وہاں پہنچ گئی۔

"میرا دل کہتا تھا میری وسیلہ کو کچھ نہیں ہوگا۔ ارے ابھی تو جی بھر کر دیکھا بھی نہیں تھا۔ کس کی نظر لگ گئی۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا امی۔ بیٹھ جائیں۔ پہلے ہی آپ کے بی پی کا مسئلہ ہے۔" ارحم نے ماں کو بنچ پر بٹھایا۔

"نہیں بیٹھنا ارحم۔ مجھے میری وسیلہ سے ملواؤ۔" وہ آنسو بہاتے خود ہی آگے بڑھ گئی۔ عابی کو سنبھالتے ایلیا بھی تیز قدموں سے آگے بڑھی۔

"ایلیا۔" مومن نے آہستگی سے آواز دے کر روکا۔

"جی۔" وہ پلٹ کر واپس آگئی۔ اس کی امی اور شہناز تائی ارحم کے ساتھ آگے بڑھ چکی تھیں۔

"عابی مجھے دے دو۔" اس نے کہتے ساتھ ہی دونوں ہاتھ بڑھا کر عابس کو اپنے بازوؤں میں لے لیا۔

"اور آپ؟" وہ حیرت سے مومن کو دیکھ رہی تھی۔

"میں نہیں جا رہا ہوں۔"

"کیوں۔" وہ تعجب سے مومن کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ بھی۔"

"ابھی نہیں۔ ان لوگوں کے مزاج کا اندازہ نہیں، معلوم نہیں وہ میرے اندر جانے پر کیا سوچیں۔ تم ہو آؤ۔ شاباش۔" اس نے نرمی سے انداز اپنایا اور ایلیا واپس پلٹ گئی۔ دل میں مومن کی سمجھداری کی قائل بھی ہوئی۔ پچھلی بار حویلی جانا ہوا تو انہوں نے مومن کو سارا وقت ڈیرے پر ہی بٹھائے رکھا تھا۔ وہ سب اندر آئے تو سامنے بیڈ پر وسیلہ آنکھیں بند کیے سو رہی تھی۔ سارے سر پر سفید پٹیاں بندھی تھیں کیونکہ پنکھا عین سر کے پیچھوں بیچ گرا تھا۔ ایلیا کو جھٹکا وسیلہ کی پٹیاں دیکھ کر نہیں اس کا

بے رونق ویران اور کمزور چہرا دیکھ کر لگا۔ پانچ ماہ میں بیا اس کی بہن کا کیا حال ہو گیا تھا۔ یہ وہ دیلہ تو نہ تھی۔ یہ اتنی کمزوری کیا خون ضائع ہونے سے۔ وہ بے یقین سی تھی۔ دیلہ تو شگفتہ گلاب جیسی تھی۔ گلابی پن اس کے چہرے پر اُڈا رہتا۔ اس کے بھرے بھرے گال جو ہنسنے پر شادابی بکھیرتے کیسے دھنس گئے تھے۔ اس کی صحت کہیں سے بھی چند گھنٹوں کی متاثرہ نہیں لگ رہی تھی... وہ تو جیسے برسوں کی مریض دکھائی دیتی تھی۔ ایلیا نے امی کی طرف دیکھا تو وہ بھی اسی شاک کے زیر اثر دکھائی دیں۔ دیر تک کوئی کچھ بول ہی نہیں پایا۔ ایلیا نے امی کا ہاتھ دبایا۔

"شکر ہے آپی اب خطرے سے باہر ہیں۔"

اس نے امی کی ذہنی رو اس کی موجودہ حالت سے ہٹاتے ایک مثبت جانب کی اور انہوں نے بھی روتی آنکھوں کے ساتھ سر اثبات میں ہلایا۔

"ڈاکٹر۔ کیا کہتے ہیں ارحم؟" شہباز نے بظاہر تشویش بھرے لہجے میں، بیٹے کو دیکھا لیکن ساتھ ابرو کا اشارہ بھی کر دیا اور جسے دیکھتے ارحم فوراً شروع ہو گیا۔

"سب سے پہلے تو اللہ کا لاکھ شکر ہے امی، کہ ہمیں ڈاکٹر لطیف جیسا قابل بندہ موقع پر میسر آ گیا۔ وہ یہاں نہ ہوتے تو ہمیں شاید دیلہ کو پشاور تک لے جانا پڑتا اور اس میں نہ صرف وقت کا ضیاع تھا بلکہ دیلہ کی جان کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا تھا۔ اور اب ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ دیلہ کو چند دن انڈر آبزرویشن رکھنا بہت ضروری ہے۔ تب ہی وہ اس کی ذہنی حالت کے متعلق ٹھیک سے کچھ بتا سکتے ہیں۔"

"کتنے دن؟" رضوانہ بے تابی سے آگے آ گئیں۔

"جی چچی جان، ابھی یہ تو نہیں بتایا لیکن ظاہر ہے ہفتہ بھر تو لگ ہی جائے گا۔"

"امی۔ آپی کو ہوش آ رہا ہے۔" ایلیا نے ماں کا کندھا ہلایا، آنکھیں اس کی لگاتار —— دیلہ پر جمی تھیں، جس نے ہلکے ہلکے اپنی دونوں آنکھیں کھول دی تھیں۔

"آپی۔" ایلیا ماں کا بازو تھامے بیڈ کے قریب چلی آئی۔ دیلہ اسی کو دیکھ رہی تھی۔ لیکن چہرا بے تاثر تھا۔

"اللہ کا لاکھ شکر، میری بچی کو ہوش آ گیا۔" شہباز آسمان کی جانب ہاتھ اٹھا کر شکر ادا کرتے قریب آئی۔

"میں اپنی دیلہ کا سارا دھیان خود رکھوں گی۔ جتنے دن ہاسپٹل میں رہنا پڑے، جتنا وقت گھر میں، میں مکمل خیال رکھوں گی۔ لیکن ارحم ٹھیک کہتا ہے اسے سفر کی زحمت سے بچانا بہت ضروری ہے۔ ہمارے لیے دیلہ کی زندگی اس کی صحت سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے۔ سرجن لطیف کا احسان تو ہم زندگی بھر چکا نے کے نہیں، کیوں رضوانہ۔" شہباز نے اپنے بیان کی تائید کے لیے دیورانی کا ہاتھ تھام کر متوجہ کیا۔

"دیکھو تو۔ دیلہ نے آنکھیں کیا کھولیں۔ ہمیں تو نئی زندگی حاصل ہو گئی —— ہے نا؟"

"جی بھابی۔" رضوانہ کا گلا بے آواز رونے سے مکمل بیٹھ چکا تھا۔ وہ تو اپنی دیلہ کو ہوش میں پا کر کچھ بولنے کے قابل بھی نہ لگ رہی تھیں۔ اور ایلیا بے بسی سے لب چباتے یہ سوچ رہی تھی کہ دیلہ کو واپس ہمارے گھر کیسے لے جایا جائے۔ اب وہ امی کو کیسے منصب کے شکوک و شبہات کے بارے میں بتاتی جو اسے حویلی والوں پر ہیں اور موحسن کی سمجھ، کہ دیلہ کو ہر حال میں یہاں سے نکالنا ہے۔

"لیکن تائی جی، یہاں آپ اکیلی تو ہیں اور وہاں خیال رکھنے والے ہم بہت سارے لوگ۔ چاہیں تو آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں۔" ایلیا نے دبے لہجے کہنے کی کوشش کی۔

"تم ابھی بھی بچی ہو ایلیا۔ ورنہ خود سوچو تو میں اپنی حویلی کا سارا انتظام چھوڑ کر کہیں جا سکتی ہوں اور نہ ہی ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ بیمار بہو کو اس کے میکے جا کر پھینک دیا جائے۔ بہو کی دیکھ بھال تو ہماری ہی ذمہ داری ہے اور اپنی ذمہ داری نبھانا ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔ کیوں ارحم۔" شہباز کا لہجہ اس بار کچھ رعب ڈالتا ہوا سا تھا۔

"آف کورس، میں اپنی بیوی کا خود خیال رکھوں گا۔ کسی بھی دوسرے شخص سے کہیں زیادہ۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں بھابی۔ وصیلہ یہیں رہے گی۔ ہم بس آتے جاتے رہیں گے۔" رضوانہ نے مداخلت کرکے ایلیا کے مزید کچھ بولنے کی راہ روک دی۔ اور یہی ایلیا نہیں چاہتی تھی۔ نجانے اب وہ مومن اور منصب کو کیا جواب دے گی اور نجانے وصیلہ آپی کا مستقبل ان حالات میں کیا ہوگا۔

☆☆☆

وہ کچھ ایسی پریشان کن نظریں اس پہ گاڑے کھڑا تھا کہ نروس ہوکر ایلیا نے سر جھکا لیا۔

"مجھے ارحم سے خود بات کرنا ہوگی۔" مومن کا سرنفی میں ہل رہا تھا۔ وصیلہ کے ساتھ نہ جانے کی بات اس سے کسی طور ہضم نہ ہو رہی تھی۔

"وہ بالکل نہیں مانے گا۔ نہ ہی شہباز تائی۔ وہ کچھ اپنے اصولوں اور رسموں کی بات کر رہے تھے۔ ان کے ہاں بیمار بہو کو میکے چھوڑ آنا بے غیرتی جیسا ہے۔ مطلب۔" وہ کچھ سمجھانے کے انداز میں ہاتھ ہلا رہی تھی۔

"ہوں۔ سمجھ رہا ہوں۔ تو پھر ہم پھوپھو کو یہیں چھوڑ جاتے ہیں۔ وصیلہ کے پاس۔"

"جی، یہ ٹھیک رہے گا۔"

"تم۔ بچوں کو سنبھال لوگی؟" مومن خود بھی جیسے سوچ میں پڑ گیا۔ اس کی امی بھی ان دنوں کراچی تھیں۔

"جی جی، رات کو تو ویسے بھی ہمارے ہی پاس ہوتے ہیں۔ دن کو فیروزہ ہوگی۔ زیادہ مسئلہ ہوا تو ارحم بھائی۔"

"نہیں۔" مومن نے تیوری چڑھائی "آ۔ آئی۔ مین۔ اس سے تو اچھا ہے رمشہ سے ہیلپ لے لو۔" اس نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔ ابھی میری منصب سے بات ہوئی ہے۔ میں نے ہی کال کرکے پوچھا کہ دریا زیادہ تنگ تو نہیں کر رہی تو بتانے لگا کہ خود بھی اس وقت گھر پہ ہے اور دریا تین تین خواتین کے ہاتھوں کا چھالا بنی ہوئی ہے۔" وہ بلاوجہ ہی تفصیل میں چلا گیا۔

"یہ تو اچھی بات ہے۔ پھر میں امی سے کہتی ہوں کہ وہ یہیں رہیں۔۔ اور آپ۔" وہ جاتے جاتے مڑی "آپ وصیلہ سے نہیں ملیں گے؟"

"ملنا چاہتا ہوں۔ بہت شدت سے۔ لیکن تم اجازت لے دو۔ اگر ارحم اور تمہاری تائی کو کوئی اعتراض نہیں تو میں وصیلہ سے مل کر ہی جاؤں گا۔"

"جی میں ابھی پوچھتی ہوں۔" وہ آگے بڑھ گئی اور مومن آگے کے بارے میں سوچنے لگا۔ نجانے منصب کیوں بہت زور دے کر کہہ رہا تھا کہ وصیلہ کو حویلی میں نہیں رکھنا چاہیے۔ نجانے یہ سسرال کی مجبوریاں بھی کیوں پیروں کی زنجیر بن جاتی ہیں۔ وہ سب چاہ کر بھی وصیلہ کو اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتے تھے۔

☆☆☆

"اب یہ نئی مصیبت ہے۔" شہباز بری طرح بپھر گئی۔ ایلیا نے ان سے پوچھا نہیں بلکہ بتایا تھا کہ امی کو وہ یہیں چھوڑ کر جا رہے ہیں اور خود بھی جلد واپس آئیں گے۔

"اب کریں گی کیا؟" ارحم ان سے ہوا جھنجھلایا ہوا تھا۔

"کرنا کیا ہے۔ بس اب بجائے ہسپتال کے اس رضوانہ کے ساتھ سائے کی طرح رہوں گی تاکہ تمہاری دادی زیادہ گھل مل نہ پائے۔"

"اور یہاں؟"

"یہاں کا قصہ تو تمہیں آج کی رات میں ختم کرنا پڑے گا۔ چاہے کسی کو کرائے پہ حاصل کرو چاہے خود کچھ کرو لیکن بس، آج کی رات ارحم۔ ہم یہ رسک ایک دن بھی اور اٹھانے کے نہیں۔ کیونکہ اگر یہ بولنے پہ آئی تو سب ختم سمجھو۔"

"اور یہ تو میں ہونے نہیں دوں گا۔۔ بس ٹھیک ہے، سمجھیں آج رات آپ کا کام ہوگیا۔"

"کرو گے کیا؟" وہ متجسس ہوئی۔

"یہاں اس کے ساتھ ایک بندے کو رکنے کی اجازت ہے، آپ آج رات مسرت کو یہاں روکیں۔

میرا بندہ اس سے موبائل رابطے میں رہے گا۔ آدھی رات کو جب کسی کے آنے جانے کا امکان نہیں ہوتا۔ وہ آکر ڈرپ میں کچھ انجکٹ کر جائے گا۔ بس پھر جب نیند میں ہی یہ سدھار جائے گی تو ہم نے پوسٹ مارٹم سے منع کرتے فوراً ڈیڈ باڈی یہاں سے لے جانی ہے۔ ڈاکٹرز اسے اپنی غفلت گردانتے خود ہی پوسٹ مارٹم سے گریز کریں گے۔ ایسی سچویشن میں پوسٹ مارٹم کا شور زیادہ تر لواحقین کی جانب سے ہی مچایا جاتا ہے۔ اور وہ ہم نے کرنا نہیں ہے۔"

"ہوں۔ میں سمجھ گئی۔" شہناز کو ایک بوجھ سا سر سے سرکتا محسوس ہوا۔ اس لڑکی کے زندہ رہتے تو وہ سانس بھی مشکل سے لے پا رہی تھی۔ اس کا جانا تو طے تھا وہ بھی جلد سے جلد۔

☆☆☆

"مجھے سمجھ میں نہیں آرہا۔ یہ لوگ مروت کس کھاتے میں نبھا رہے ہیں۔ اور کتنا برا کریں گے اس لڑکی کے ساتھ۔" منصب کو جیسے ہی پتا چلا وہ لوگ وسیلہ کو وہیں چھوڑ آئے ہیں، اس کی پریشانی عروج کو پہنچ گئی۔

"مجھے تھانے جانا ہوگا۔ ابھی کے ابھی۔" وہ اٹھ کر ٹہلنے لگا تھا۔

"وہاں جا کر کیا کرو گے منصب۔ اور کس سے ملو گے۔ کس حیثیت سے۔" رمشہ کو اب اس کی اس قدر توجہ پہ غصہ آرہا تھا۔

"تو کسی مرتے ہوئے بندے کو بچاتا ہوا اسٹوپڈ ہے تو کیا یہ سب سوچا جاتا ہے۔" وہ پلٹا تو چہرا کچھ اور غصے سے تپ رہا تھا۔ تانیہ بھی وہیں موجود تھی اور کچھ دیر سے منصب کے رویے پر ہی غور کر رہی تھی۔

"جانے دو رمشہ۔ پھر وہاں میمونہ بھی تو ہے، کسی معاملے میں منصب کو کچھ مشکل پیش آئی تو وہ میمونہ کی مدد لے سکتا ہے۔ پھر ویک اینڈ ہے آج، یہ ڈیوٹی دے کر نکلے تو دو ہی گھنٹوں میں وہاں پہنچ جائے گا اور کل تو چھٹی ہے۔ اسے خود جائزہ لینے دو۔ اور یہاں کی فکر مت کرنا۔ دن کو میں رمشہ کے پاس ہوں۔ رات کو یہ گھر بند کر دیں گے۔ رمشہ کو میں ساتھ لے جاؤں گی۔"

"ہوں۔" وہ بوٹ کے تسمے بند کرتے اب رمشہ کو دیکھ رہا تھا۔

"میں ڈیوٹی سے سیدھے تھانے نکل جاؤں گا۔ میمونہ کو بتا دو۔ باقی پیچھے کی مجھے واقعی کوئی پریشانی نہیں ہے۔ تھینکس تانیہ۔" آخر میں مسکراتے ہوئے تانیہ کو دیکھ کر باہر نکل گیا۔ ساری فکر تو وہاں کی لگی تھی جہاں ایک معصوم، ظالموں کے رحم و کرم میں پھنسی بالکل بے یار و مددگار پڑی تھی۔

☆☆☆

بند کمرے کی چار دیواریں دھیرے دھیرے قریب آرہی تھیں۔ اتنے قریب کہ پلنگ کے چاروں جانب بس سفید دیواریں تھیں۔ چھت بھی دھیرے دھیرے نیچے آرہی تھی۔ چھ سمتوں نے اس سنگل پلنگ کو گھیرے میں لیتے اس بوڑھے وجود کو سانس تک لینے کے قابل نہ چھوڑا تھا۔ ہاجرہ بی بی کو اپنا ایک گناہ رہ رہ کر ماضی میں کھینچ رہا تھا، جو انہوں نے کیا کر دیا تھا۔ کوئی اللہ کے کاموں میں دخل دے کر کتنا وقت خوش رہ سکتا ہے۔ سزا تو ملی تھی اور گزرے چھتیس برسوں میں خوب ملی تھی۔ وہ کھلے ہاتھوں پیروں کے ساتھ بھی قیدی بن کر رہی تھیں۔ اور آج کے دن تک قیدی تھیں۔

"یا اللہ۔ مجھے میرے کیے کی اتنی بڑی سزا نہ دو۔ میرے گناہ میں سارا دخل میری کم عقلی کا ہے۔ وسیلہ اس گناہ کی بے قصور نہ بھینٹ چڑھ جائے۔ مجھے ہمت عطا فرما مالک۔ مجھے جو کہنا ہے اسے کہنے کی طاقت عطا فرما دے۔ مجھے اتنا نہ بے بس کر مالک۔"

وہ سہ پہر کی بات یاد کر کے رو ہی پڑی تھیں۔ وسیلہ کو جب ہوش آ گیا تو مومن نے ایلیا اور عابس کو حویلی چھوڑا تاکہ وہ کچھ دیر ریسٹ کر سکے۔ اور یہاں حویلی میں دادی کے ساتھ وسیلہ کے متعلق باتیں کرتے ایلیا نے ہاجرہ بیگم کو بتایا کہ وسیلہ کے لیے پہلا رشتہ تو منصب کا گیا تھا اور سب راضی بھی ہو چکے تھے لیکن ارحم نے تب منصب کو نوکر کی اولاد کا

ملنے والے صدمے نے وسیلہ کو اس سے چھین لیا۔

وہ تب سے ہکا بکا بیٹھی اپنے ماضی کے فیصلے کو رو رہی تھیں۔ انہیں آج ہر حال میں رضوانہ کو وہ سچ بتانا تھا، جسے برسوں اپنے اندر دبا کر انہوں نے شاید بہت غلط کیا تھا۔ اور اب۔ وسیلہ کی زندگی۔ ان کی سانس اکھڑنے لگی۔ وہ اس وقت ہی الیا کو بتانا چاہتی تھیں کہ بچھا کرنے کی کہانی پر یقین نہ کیا جائے کیونکہ اتنا تو انہوں نے خود دیکھا تھا کہ وسیلہ کو صحن سے گھسیٹ کر کمرے کی طرف لایا جا رہا تھا۔ اس کے سر سے خون بھی بہہ رہا تھا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ حادثہ کمرے میں ہوا تھا۔

حادثہ تو باہر صحن میں ہوا تھا لیکن ان کے کچھ بھی کہنے سے پہلے رضوانہ اور شہباز بے تکی ہوئی کمرے میں داخل ہوئے تھے کہ الیا اور مومن واپس میانو م روانہ ہو رہے ہیں کیونکہ ان کی چھوٹی بچی ریباد ہیں میانو م میں رکی تھی۔ تب ہاجرہ بیگم کو رضوانہ کی یہاں موجودگی کا سن کر کچھ تسلی ہوئی لیکن ابھی نجانے یہ اعصابی کھچاؤ کی کیفیت کیسی تھی۔

ہاجرہ کو جتنا اس گھٹن سے نجات درکار تھی اتنا وہ چاردیواریں مل کر ان کو دبوچ رہی تھیں۔ بازو کا کھچاؤ۔ ٹھنڈے پسینے، سانس کی تکلیف اور سینے کا درد۔ دل میں عجیب سی چبھن پیدا ہوئی۔ انہوں نے چاردیواروں کو جیسے دھکا دے کر پیچھے کرتے خود کو چارپائی سے اتارا۔ ننگے پیر چپلوں کے کھینچ کر خود کو دروازے تک لے گئیں۔ دروازے کو کھول کر گہرے گہرے سانس لینے کی کوشش کی۔ "تم زندہ۔ ہو۔ مرت۔ شہباز۔" وہ زور لگا کر چلا اٹھیں اور بس پھر کچھ ہوش باقی نہ رہا۔ وہ وہیں برآمدے کے پکے فرش پر لڑھک گئی تھیں۔

☆☆☆

"مومن۔ مومن۔ اٹھیں۔" وہ کندھا ہلا کر مومن کو نیند سے جگا رہی تھی۔ دن بھر کی ڈرائیونگ، ہسپتال کی بھاگ دوڑ، واپسی کا سفر اور پریشانی نے مل کر اسے اتنا تھکا دیا تھا کہ موبائل کی آواز پر بھی آنکھ نہیں کھلی۔ الیا نے ہی فون اٹینڈ کیا۔ وہ اور مومن عنابی کو لیے رات کو میانو م واپس آ گئے تھے۔ اور اب تھانے سے امی کی کال آ رہی تھی۔ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ موبائل کان سے لگایا، آدھی رات کو خدا جانے کیوں کال کر رہی تھیں۔

"الیا بیٹا۔ سو رہی تھیں؟" رضوانہ نے لہجے کو دھیما اور رواں رکھا۔ اندازہ تھا کہ وہ نیند سے اٹھی ہوگی اور یقیناً گھبرا بھی گئی ہوگی۔

"جی امی۔ اب جاگ گئی ہوں۔ سب خیریت ہے نا؟ وسیلہ آپی کیسی ہیں۔" الیا کا دل بڑے ہی زوروں سے دھڑک رہا تھا۔

"ہاں بیٹا۔ اللہ کا شکر ہے وہ بالکل ٹھیک ہے۔ اور۔" انہوں نے سست رفتاری سے کہنا شروع کیا۔ "تمہاری دادی کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ ابھی تو ہاسپٹل میں ہیں۔ دراصل ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ مومن کو جگا سکتی ہو تو بتا دو۔ دیکھو پھر وہ کیا کہتا ہے۔"

"اوہ اچھا۔ میں بات کرتی ہوں۔۔ اور دادی ہیں تو ٹھیک نا؟" اسے کچھ وہم سا اٹھا۔

"ہاں ہاں۔ ٹھیک ہیں اب۔ اللہ آگے بھی اپنا کرم فرمائے۔ اور دیکھو۔ مومن کو آرام سے بتانا۔" انہوں نے تنبیہ کی اور الیا اب اپنی جگہ سے اٹھ کر بیڈ کے قریب آ گئی تھی۔ کندھے پر ہلکا دباؤ دیتے دھیمی آواز رکھے مومن کو جگانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ہوں؟" اس نے بڑی مشکل سے تھوڑی سی آنکھیں کھولیں۔

"امی کی کال ہے تھانے سے۔ اٹھیں تو۔"

"تھانے سے؟" وہ جیسے ابھی لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ دماغ جیسے حاضر نہ ہو اور بس پھر سیکنڈز میں ہی ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔

"تھانے سے کال ہے۔ پھوپھو کی۔ کیا ہوا۔ سب خیریت؟" وہ سخت تشویش بھرے انداز میں الیا کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے سامنے ہی بیٹھ گئی۔ ہاتھوں سے تسلی اور اطمینان کا اشارہ کرتے سر اثبات میں ہلایا۔

"جی جی سب خیریت ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔"

"کیا کہہ رہی تھیں۔ وسیلہ کیسی ہے؟"

"وسیلہ آپی تو ٹھیک ہیں۔ اصل میں دادی کی

طبیعت کچھ خراب ہے۔ بس وہی بتا رہی تھیں۔" اس نے امی کا بتایا وہ دہرا بھی دیا۔

"اوہو۔" موسن نے ہونٹ سکوڑے "دسیلہ کی فکر لے لی تھی شاید۔ بزرگ ہیں نا۔ اعصاب ویسے مضبوط نہیں رہتے بندے کے۔"

"جی۔ یہی بات لگتی ہے۔ تو۔" اس نے سوالیہ موسن کو دیکھا "کب چلنا چاہیے؟"

"ٹائم کیا ہوا ہے؟" موسن نے خود ہی سر گھما کر وال کلاک کی طرف دیکھا "ارے ابھی ساڑھے بارہ بجے ہیں۔ ہم شاید جلدی سو گئے تھے آج۔ میرا خیال ہے ہمیں نکل جانا چاہیے۔"

"اور بچے؟"

"دونوں کو اپنے پاس رکھتے ہیں۔ تم وہاں حویلی میں بچوں کے ساتھ ہی رہنا۔ ہاسپٹل ہم چلے جائیں گے۔"

"جی میں تیاری کر لوں۔"

"ہاں بس شور شرابا مت ہونے دینا۔ ان کو سوتے میں اٹھا لے جائیں گے۔ تا کہ راستے میں تنگ نہ کریں۔"

"جی۔" وہ جلدی سے اٹھ گئی۔

☆☆☆

مسرت نے کال کر کے شہناز بی بی کو بتایا کہ ڈیوٹی پر اس وقت بہت کم عملہ موجود ہے اور نرس بھی یہ کہہ کر راؤنڈ لگا گئی ہے کہ اب وہ صبح آئے گی۔ اس دوران کوئی مسئلہ ہو تو وہ خود بلانے آسکتی ہے۔ یعنی ایک طرح سے اب کسی کے کمرے میں آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ ارحم نے سوچا کہ بجائے کسی اجنبی کو ہائیر کرنے کے اسے خود ہی یہ کام نمٹا دینا چاہیے۔ پھر وہ شوہر تھا۔ اس کا آ کر بیوی کو دیکھ جانا کسی کو چونکا نہیں سکتا تھا۔ اس نے زہر ملی دوا سے انجکشن کو بھرا اور کیپ چڑھا کر اندرونی جیب میں رکھتے ماں کو بتایا اور کار کی طرف بڑھا۔

کار کی چابی دروازے میں اٹکی رہ گئی اور برآمدے سے دادی کی چیخ نے گھر بھر کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ رضوانہ چچی اور امی ایک ساتھ کمرے سے باہر نکلی تھیں۔ دادی برآمدے میں گر گئی تھیں۔

ناچار ارحم کو واپس پلٹنا پڑا۔ آج اگر رضوانہ چچی ان کے ہاں موجود نہ ہوتیں تو بڑھیا کے جان سے جانے کا یہ سنہری موقع، وہ ماں بیٹا ہرگز نہ گنواتے۔ لیکن نجانے بڑھیا نے کون سا آب حیات پی رکھا تھا۔ مرتی ہی نہ تھی۔ اور سخت پیچ و تاب کھاتے اسے دادی کو اپنی کار میں ڈال کر ہسپتال بھی لے جانا پڑ گیا۔ آثار دل کے دورے کے تھے۔

ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹر نے فوراً آئی سی یو میں شفٹ کیا۔ ارحم چور نگاہوں سے بار بار ماں کو دیکھ رہا تھا۔ فرسٹ فلور کے ایک کمرے میں مسرت اس کی راہ دیکھ رہی تھی۔ انجکشن جیب میں چھپائے، وہ اسی آج کی رات میں اپنا یہ مشن تو ہر حال میں مکمل کرنا چاہتا تھا۔ دادی مرے یا جئے اس کی بلا سے۔ وہ موبائل فون جیب سے نکالتے ایک جانب ہوا تھا۔

"کیا صورت حال ہے؟"

"خان جی، میں تو آپ کی راہ دیکھ رہی ہوں۔ ڈیپی (ڈیوٹی) پہ اب کوئی نہیں، اور دسیلہ بی بی بھی نیند میں ہیں۔"

"ہوں۔ او کے۔" ارحم نے فون رکھتے اپنی جیب تھپتھپائی۔ انجکشن موجود تھا۔ اس نے ایک نظر ماں اور رضوانہ چچی کی طرف دیکھا۔ اسے بتاتے چپکے سے نکلنا تھا۔ رضوانہ چچی فی الحال تو دادی کی پریشانی میں بیٹھی تھیں۔ لیکن ہسپتال واپس آتے ہی دل تو یقیناً بیٹی کی طرف کھنچ رہا ہوگا۔ اس نے ماں کو آمد کا اشارہ کیا اور غیر محسوس طور پر دور ہوتا گیا۔

☆☆☆

منصب ڈیوٹی کے بعد، تھانہ روانہ ہوا تو شام تک میمونہ اور انیس کے ہاں پہنچ گیا۔ دل تو حالانکہ تب سے ہی بے چین تھا لیکن میمونہ کا کہنا تھا کہ وہ اور منصب صبح ہاسپٹل جائیں گے۔ وہ مروت میں چپ رہے کمرے میں آ کر لیٹ تو گیا لیکن بے کلی ایک پل بھی چین نہ لینے دے رہی تھی۔ کبھی سوچتا شاید وہ

ہی پولیس والے انداز میں سوچنا ترک نہیں کر رہا ہو ورنہ گھر والوں سے بڑھ کر کون وسیلہ کا مخلص ہوگا اور یہی گھر والے اسے تھانہ چھوڑ آئے تھے تو یقیناً اس کی طرف سے مطمئن ہوں گے۔

پھر آخر وہ وسیلہ کے گزرے پانچ چھ ماہ کے متعلق جانتا ہی کیا تھا۔ کیا پتا چترال میں اس کا وقت بہت آئیڈیل گزرا ہو۔ اور وہ معمول مطابق گھر واپس آئی ہو۔ ہو سکتا ہے ارحم خان اور بی بی سچ کہہ رہے ہوں، وسیلہ کا تھانہ ہاسپٹل میں زیادہ اچھا علاج ہو رہا ہو۔ کیا پتا وہ ہی کچھ زیادہ جذباتی ہو رہا ہے۔ اس نے ابھی ابھی سوچوں کو آپ ہی مثبت راہ پہ ڈالا۔ دائیں جانب کروٹ لیتے اس نے خود کو سرزنش کرنے کی کوشش کی۔ لیکن کیسے بھلا۔ وہ تکیہ دور پھینکتے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

اس نے اپنا سر تھاما۔ ارحم کا ولیمے کی صبح چپکے سے چترال نکل جانا اور چھ ماہ وہاں بے کار گزار دینا اور پھر چھ ماہ بعد، جس روز واپسی ہونی ہے وسیلہ کا ایک حادثے کا شکار ہو جانا۔ ہر بات سے بڑھ کر سب سے اہم نکتہ کہ حادثے کے بعد اسے ڈیرے میں چھپا دیا گیا۔ اسے ہسپتال لے جانے کے لیے اگر میمونہ اور اس کی دھمکی نہ ہوتی تو اس وقت وسیلہ کا کیا حال ہوتا۔ میمونہ کا وہاں پہنچنا کیا وسیلہ کے لیے زندگی کی نوید ثابت نہیں ہوا۔ اور کیا اس کا پولیس کے انداز میں سوچنا وسیلہ کے حق میں بہتر نہیں رہا۔ تو اب۔ وہ گہرے گہرے سانس لیتا فوراً ہی پلنگ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اب اگر اس پولیس والے کا دماغ یہ کہہ رہا ہے کہ وسیلہ کا ان لوگوں کے درمیان رہنا کسی طور ٹھیک نہیں۔ تو وہ یہاں بیٹھا کیا کر رہا ہے۔

اس نے ایک جیب میں ریوالور دوسرے میں موبائل ڈالتے جیپ کی چابی اٹھائی اور گھر سے باہر نکل آیا۔ میمونہ کو اس نے میسج کر دیا تھا کہ وہ باہر جا رہا ہے۔ ہاسپٹل پہنچ کر اس نے اپنا کارڈ دکھا کر باآسانی وسیلہ کا کمرا معلوم کر لیا۔ لوگوں کا تھوڑا بہت رش بس وہیں ریسپشن پر ہی دکھائی دیا تھا۔ طویل کوریڈور سے گزر کر پہلی منزل کی سیڑھیاں چڑھتے کہیں کوئی دکھائی نہ دیتا تھا۔ وہ اوپر آیا تو ہلکی روشنی میں دکھائی دیتی اس دوسری راہداری میں دائیں سے بائیں کمروں کی طویل قطار تھی۔ اس نے روم نمبر کے حساب سے دائیں ہاتھ کو چلنا شروع کیا۔

راہداری کے اختتام پر ایک عورت کھڑی دکھائی دی۔ اور جونہی اس کی نظر منصب پہ پڑی وہ بھاگ کر کمرے میں گھس گئی۔ منصب کے قدموں میں تیزی سی آئی کیونکہ اندازاً یہی وسیلہ کا کمرا ہونا چاہیے۔ وہ کمرے کے دروازے میں پہنچا اور کسی سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔ بے اختیار دو قدم پیچھے ہٹتے مقابل کو دیکھا تو وہ ارحم تھا۔ جو اسی وقت کمرے سے باہر نکلا تھا۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ صاف جھلکتی نظر آئی تھی۔

"وسیلہ ٹھیک ہے؟" منصب نے اس کی پریشانی سے فوری طور پر جو اخذ کیا بنا سوچے کہہ دیا، اگرچہ بعد میں پشیمانی ہوئی کیونکہ ارحم کے چہرے پر گھبراہٹ کی جگہ غصے نے لے لی تھی۔

"تم سے مطلب۔" وہ روڈ ہوا۔ "اور ہاں، دادی ابھی آئی سی یو میں ہیں۔ تم شاید ان کا سن کر آئے ہو۔" اس نے کچھ ایسے اعتماد سے بتایا کہ منصب فوری طور پر کچھ بھی بول نہیں پایا۔ دادی کو کیا ہوا تھا، وہ محض سوچ کر رہ گیا۔ ارحم اگر خود وضاحت دینے پر تیار تھا تو وہ سوال کر کے اسے کسی دوسرے شبے میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔

"ہاں مجھے شاید بس گائیڈ کیا گیا، ویسے آپ کی مسز اب کیسی ہیں۔ میری سسٹر جاننا چاہ رہی تھی۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔ آؤ میں دادی کی طرف لے چلوں۔" وہ اسے آگے بڑھنے کا کہتے خود بھی چل پڑا۔ انجکشن اس کی جیب میں پڑا رہ گیا تھا۔ وسیلہ کی جان اوپر والے نے ایک بار پھر بچائی تھی۔ منصب کے آس پاس رہتے وہ فی الحال یہ رسک ہرگز نہیں لے سکتا تھا۔ اسے منصب کو آئی سی یو کی طرف چھوڑ کر اس انجکشن سے بھی نجات پانی تھی۔ یہ مشن کم از کم آج کی رات تو انجام دینے کا نہیں رہا تھا کیونکہ اب یہاں منصب موجود تھا۔

منصب جیسے تھک کر بنچ پر بیٹھ گیا۔ جانے دادی کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ ارحم نے کھڑے کھڑے نرس سے دادی کی طبیعت پوچھی اور اسے وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ منصب کو اپنا آپ نہایت آکورڈ لگ رہا تھا لیکن اس کے لیے غافل رہنا بھی ناممکن تھا۔

"ایکسکیوز می۔ آپ کیا پیشنٹ کے ریلیٹو ہیں؟" اسے وہاں بیٹھے کچھ گھنٹے بھر سے اوپر ہو گیا تھا۔ ارحم بھی واپس نہیں آیا تھا کہ اچانک یہ نرس آ گئی تھی۔ منصب نے چونک کر سر اٹھایا۔

"جی۔ میری دادی ہیں۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"رضوانہ کون ہیں؟" نرس کے انداز میں عجلت تھی۔

"جی وہ ان کی بہو ہیں۔ کیوں؟"

"وہ پیشنٹ ابھی ہوش میں آئی ہیں اور بار بار میری منت کر رہی ہیں کہ انہیں رضوانہ سے کوئی ضروری بات کرنی ہے۔ میں انہیں بلوا دوں۔"

"او اچھا۔ میں ذرا دادی سے مل لوں۔ پھر آنٹی کو بھی بلوا دیتا ہوں۔" وہ نرس کو بنا کوئی مہلت دیے آئی سی یو کے اندر آ گیا۔ دادی آنکھیں کھولے ادھر ہی دیکھ رہی تھیں۔ لیکن شاید پہچان نہیں پائیں۔

"کیسی ہیں دادی۔ میں منصب۔" وہ ان کا ہاتھ تھامے تھوڑا سا جھکا اور ہاجرہ بی بی نے منصب سن کر بے ساختہ اٹھنے کی کوشش کی۔

"منصب۔ تم یہاں۔" ان کا ہاتھ خوشی سے کانپ گیا۔ "کب آئے میرے بچے۔ اور۔ کون کون ہے یہاں؟" وہ بے تابی سے پوچھے ہی گئیں۔

"ابھی تو بس میں ہوں دادی۔ باقی لوگ شاید کچھ دیر میں پہنچ گئے ہوں۔ آپ کیسی ہیں دادی۔ اور یہ طبیعت کو کیا ہوا؟"

"منصب۔ میرے بچے۔ مجھے بہت کچھ کہنا ہے۔ میں تو رضوانہ سے بات کرنے کے لیے بے چین تھی، لیکن مجھے تم مل گئے۔ ضرور یہ مالک کی مہربانی ہے۔ مجھے آج تمہیں کچھ بتانا ہے۔ تت۔ تم حوصلے سے سننا منصب اور وعدہ کرو اپنی دادی کو معاف کر دو گے۔" وہ بے چینی سے اس کا ہاتھ دبا رہی تھیں۔

"پہلے آپ اپنی طبیعت کو دیکھیں۔ آپ کے لیے ریسٹ ضروری ہے دادی۔ زیادہ بولنا ٹھیک نہیں ہے۔"

"میں اب ٹھیک ہوں منصب۔ ابھی ڈاکٹر بھی یہی کہہ کر گیا ہے کہ حالت اب خطرے سے باہر ہے اور مجھے یہ لوگ کسی وارڈ میں شفٹ کرنے والے ہیں۔ میری فکر مت کرو۔ مجھے اس وقت بس یہی خوشی ہے منصب کہ اللہ پاک نے تمہیں بھیج دیا۔ جو میں کہنا چاہتی ہوں، وہ شاید تمہارے علاوہ کسی سے کہنا بنتا بھی نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ رضوانہ کو بھی تم ہی اچھی طرح سمجھا دو گے۔"

وہ کہے جا رہی تھیں منصب خاموش ہو گیا تھا۔ دادی کے دل پہ بہت بوجھ تھا اور باتیں بھی کیا پتہ دیبلہ کے متعلق تھیں۔ اس کا دماغ چکرانا شروع ہوا۔ اس نے پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ نرس ان کی شروع کی وہ چار باتیں سن کر ہی، مطمئن انداز میں واپس چلی گئی تھی۔ دادی کی حالت بھی اب خطرے سے مکمل باہر لگ رہی تھی۔ وہ اب معمول کے مطابق باتیں کر رہی تھیں۔ منصب نے دادی کے ماتھے پہ نرمی سے ہاتھ پھیرا۔

"آپ نے جو کہنا ہے دادی۔ آرام سے اور بالکل بے فکر ہو کر کہتی جائیں۔ میں آپ کو سن رہا ہوں۔"

☆☆☆

"ہمیں گھر واپس آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ منصب نے بار بار کہا تھا کہ دیبلہ کے معاملے کو عام مت لیں۔" مومن لب چبائے سخت پشیمان دکھائی دے رہا تھا۔

"جی، میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔ لیکن ہمیں ریا کی زیادہ فکر تھی۔"

"اولاد کے لیے انسان یونہی سیلفش ہو جاتا ہے۔" مومن کا خود اپنے لیے لہجہ سخت اور کھردرا تھا۔

وہ رہ رہ کر اسے منصب کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ اس نے کھلے لفظوں میں بتایا تھا کہ دیبلہ کو زخمی ہونے کے بعد بجائے ہاسپٹل لے جانے کے، ڈیرے میں چھپا دیا گیا تھا اور وہ دیبلہ کو ہر قیمت پر یہاں سے لے جانے پر زور دے رہا تھا۔ پھر معلوم نہیں کیوں اس نے ارحم کی پر اثر تقریر پر خاموشی اختیار کر لی۔ ارحم

چاہتا تھا سرجن لطیف ہی دیلہ کا علاج کرتا رہے۔ موحسن پوچھنا چاہتا تھا کہ تم تو دیلہ کے ہاسپٹل لانے کے بھی حق میں نہیں تھے۔ اب اچانک اتنا کنسرن۔ لیکن رضوانہ پھوپھو کے فوراً ان سب کی بات مان لینے پر وہ بھی مصلحتاً خاموش ہو گیا تھا۔

"لیکن ہمیں اسی کی وجہ سے تسلی تھی، پھر رہنے کا مسئلہ بھی تھا۔" ایلیا نے موحسن کا پچھتاوا کم کرنے کی کوشش کی۔

"رہنے کا ایسا کیا مسئلہ تھا۔ میں ساری رات ہاسپٹل میں گزار سکتا تھا۔ پھر اتنی بڑی حویلی ہے، تم بھی رہ ہی جاتیں۔ بس ہم نے جلدی کی۔"

"دادی کی طبیعت پتہ نہیں کیسی ہوگی۔" ایلیا نے اس کا دھیان بٹایا۔ موحسن تو اپنے آپ کو معاف کرنے کو تیار نہیں تھا۔

"انہوں نے بھی پریشانی سوار کی۔ خدا کرے سب خیریت ہو۔ آمین۔"

وہ عالی کو تھپکنے لگی۔ ریبا پچھلی سیٹ پر سکون سے سوئی ہوئی تھی۔ قریب تین بجے وہ لوگ حویلی کے گیٹ کے سامنے پہنچے۔ ایلیا پہلے عالی کو اندر جا کر سلا آئی۔ پھر ریبا اور بیگ اٹھا کر خود بھی اندر چلی گئی۔ موحسن اپنی کار کے باہر کھڑا، یہی سوچ رہا تھا کہ سیدھے ہاسپٹل چلا جائے یا پھوپھو کو کال کر کے دادی کی طبیعت پوچھے کہ تب ہی وہاں، کار آ کر رکی۔ ارحم انتہائی بگڑے موڈ کے ساتھ کار کا دروازہ دھاڑ سے بند کرتے حویلی کے دروازے کی طرف بڑھا۔

"ارحم۔" موحسن تیزی سے آگے آیا۔ "دادی کیسی ہیں؟"

"ٹھیک ہے۔" وہ اسی خراب موڈ کے ساتھ مختصراً بس اتنا کہتے اندر چلا گیا۔

موحسن نے سخت تعجب سے اس کی پشت کو دیکھا اور اپنی جگہ ٹھہر سا گیا۔ ارحم نے رک کر مصافحہ تک کرنے کی زحمت نہیں کی تھی جبکہ موحسن ابھی میانمار سے آیا تھا۔ نہ اس نے یہ سوچا تھا کہ رات کے تین بجے ان کا ایک مہمان دروازے کے باہر کھڑا ہے تو اس کا کیا کرنا چاہیے۔ اور تو اور۔ اس نے دادی کے لیے کس بدتمیزی کا انداز اختیار کیا تھا۔ اس نے کمال ضبط کا مظاہرہ کیا۔ اور ایک گہری سانس لیتے کار اسٹارٹ کر کے ہاسپٹل روانہ ہو گیا۔ پتہ نہیں دیلہ کیسی تھی اور معلوم نہیں پھوپھو اس وقت کہاں۔ ذہن میں ایک خیال کے آتے۔ بے اختیار کار کو بریک لگے اور موحسن نے موبائل فون نکال کر ایلیا کا نمبر ملایا۔

"جی......؟" ایلیا کی نرم باریک آواز ماؤتھ پیس سے سنائی دی۔

"تم۔۔۔ کہاں ہو اس وقت؟"

"جی یہ ایک ملازمہ نے مجھے دیلہ آپی کے کمرے میں بٹھایا ہے۔"

"اوہ۔ تو وہ ارحم۔" موحسن کی تشویش کچھ اور بڑھی۔

"جی۔ پتا نہیں۔"

"ایلیا! تم فوراً اس کمرے سے نکلیں اور جاؤ۔ ارحم ابھی ابھی گھر میں آیا ہے۔ ہو سکتا ہے اپنے کمرے میں آرام کرنا چاہے۔"

"تو میں۔" وہ اٹک گئی۔

"یار وہ تم دادی کے کمرے میں چلی جاؤ۔ پلیز ارحم کے آنے سے پہلے یہ کمرا چھوڑ دو۔" موحسن کا بس نہیں چل رہا تھا۔ حویلی کے اندر ہی چلا جائے۔

"جی جی۔ میں نے دادی کا کمرا دیکھا ہوا ہے۔ میں لے چلتی ہوں بچوں کو۔" وہ فوراً ہی اٹھ گئی۔

"اچھا دیکھو۔" اس کا لہجہ خود بخود دھیما سا ہوا۔ ایلیا بھی رک گئی۔ موحسن کچھ کنفیوز سا لگا جیسے کہنے کے لیے بہت ہمت درکار ہو۔

"اگر اس دوران ارحم آ جائے اور تمہیں رکنے پر زور دے، تب بھی بات نہ ماننا۔"

"جی۔" اس نے سر ہلایا۔ دل کچھ گھبرا سا گیا تھا۔ پتہ نہیں ارحم کے حوالے سے موحسن ایسی باتیں کیوں کر رہے تھے۔ وہ بچوں اور سامان سمیت دو ہی منٹ میں دادی کے کمرے میں آ گئی۔ کمرا بھی اندر سے بند کر لیا۔ اس دوران سامنا تو کسی سے نہیں ہوا

لیکن کسی مرد کے کھنکارنے کی آواز، ہال سے سنائی دی تھی۔ یقیناً ارحم آیا تھا۔

"جی میں دادی کے کمرے میں ہوں اور کمرا بھی اندر سے بند کرلیا ہے۔" اس نے کچھ دیر بعد خود ہی کال کرکے موسن کو اطلاع دی، لہجہ البتہ بہت گھبرایا ہوا سا تھا۔ موسن کو اس کی معصومیت پر بے حد پیار آیا۔ لب ہلکا سا مسکرائے اور دل میں ڈھیروں ڈھیر تسلی اتری۔

"بس یونہی احتیاطاً کہا تھا۔ پریشان مت ہو۔ اور ہاں دروازہ بند ہی رہے۔ اور اب تم بھی کچھ گھنٹے سو جاؤ۔ کب سے بے آرام ہو۔"

"وہ تو آپ بھی ہیں۔" وہ کہے بنا رہ نہ سکی۔

"کوئی بات نہیں۔ میں کل گھر جا کر ریسٹ کرلوں گا۔ بس دادی اور وجیہہ کے لیے دعا کرو۔" اس نے اس مرتبہ قدرے تسلی سے کار ہسپتال کی طرف بڑھائی تھی۔

☆☆☆

جمال خان حالانکہ عمر میں چھوٹا تھا اور حویلی کے معاملات کمال خان ہی دیکھتا تھا۔ لیکن جمال خان پڑھا لکھا تھا اور حویلی کی روایتی زندگی سے بہت ہٹ کر سوچتا تھا۔ اس کی شہری سوچ جب بھی گھر والوں سے متصادم ہوئی، حویلی میں ایک ہنگامہ برپا ہوا۔ اس ہنگامہ خیزی میں بڑا ہاتھ شہباز کی شرارتوں کا رہا تھا۔ وہ لمحوں میں کمال کو بدظن کرتی اور کمال، ماں سے جھگڑا کرنے اُن کے سر پر آ موجود ہوتا۔ اس مرتبہ تو بات ہی طوفان کو دعوت دینے جیسی تھی۔ جمال کو اپنی یونیورسٹی فیلو رضوانہ سے محبت ہوگئی تھی۔ ادھر شہباز اور کمال کی جانب سے گلناز سے اس کی شادی پر زور دیا جا رہا تھا۔

وہ گلناز جس سے برسوں پہلے، اُسے زبردستی ایک رشتے میں جوڑ دیا گیا تھا۔ بارہ سالہ گلناز سے پندرہ سالہ جمال کا نکاح صرف ایک جبری بندھن تھا، جس میں جمال اپنی کم عمری اور ناسمجھی کی وجہ سے بندھ تو گیا تھا لیکن قبول بھی نہ کیا تھا۔ جمال نے ماں اور بھائی پر صاف الفاظ میں واضح کیا کہ جب وہ گلناز کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتا تو کیوں اسے زندگی بھر کے لیے باندھنا چاہتے ہیں۔

"آپ مجھ کیوں تنگ رہے ہو کہ وہ میری بچپن کی منکوحہ ہے۔ جسے میں قبول کرنے سے انکاری ہوں اور جب بلوغت میں بچپن کے رشتے کو رد کیا جاتا ہے تو وہ خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ تو یہی بات گلناز کو بھی سمجھا دی جائے، تا کہ ایک معصوم لڑکی کی زندگی تباہ ہونے سے بچ جائے۔"

"تم اس رشتے سے پیچھے نہیں ہٹ سکتے جمال، سمجھنے کی کوشش کرو، کچھ خاندانی مجبوریاں ہوتی ہیں۔ اور۔ میری مانو تو۔"

کمال خان نے ایک محتاط نظر دائیں بائیں دوڑائی اور جمال کے نزدیک آئے۔ "تم نے تو زندگی چکوڑہ میں گزارنی ہے، وہاں اس شہر والی کے ساتھ رہو، اور اس سے شادی کرکے بیشک حویلی میں رہنے دو، پھر آنا جانا تو لگا ہی رہے گا۔"

"یہ ظلم ہے ایک جیتی جاگتی انسان پر۔" جمال نے اپنا بازو جھٹکے سے چھڑایا۔ "آپ نے جو ظلم ہمارے بچپن میں ہم پر کیا اسے میں زندگی بھر کا روگ ہرگز نہیں بننے دوں گا۔"

"اور تم نے گلے کو طلاق دے دی تو اس سے شادی کون کرے گا؟" شہباز تنتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور تنک کر بولی۔

"یہ آپ کو اس وقت سوچنا چاہیے تھا جب پکڑ کر دو معصوموں کو، ایک ایسے رشتے میں باندھ دیا، جب انہیں اس رشتے کی سنجیدگی کا کوئی احساس نہ تھا۔ باقی جہاں تک گلناز کے فیوچر کا تعلق ہے تو مجھے ہرگز بلیک میل کرنے کی کوشش مت کریں، اگر اس کے نصیب میں اللہ پاک نے اچھی خوشحال زندگی لکھی ہے تو وہ اسے مل کر رہے گی۔

طلاق کو گالی مت بنائیں۔ یہ میری طرف سے آزاد زندگی کی طرف اس کا پہلا قدم ہوگا۔ جبکہ جو زندگی آپ اس کے لیے منتخب کر رہی ہیں وہ سوائے زنجیر کے کچھ نہیں۔"

وہ اپنی کہہ کر اور ان کی سنے بغیر واپس ہنگورہ چلا گیا۔ رضوانہ کے بھائی تو تب سے جمال کی بہت اچھی دوستی اور انڈر اسٹینڈنگ تھی۔ وہ اسے اپنے حالات اور مجبوریاں بتا چکے تھے۔ ایک مرتبہ اپنی ماں کو ہنگورہ لا کر ان سب سے ملوایا، اور ہاجرہ بی بی کی رضامندی سے رضوانہ جمال کی زندگی میں آ گئی۔

ہاجرہ نے ہی جمال کو مشورہ دیا تھا کہ فی الحال کچھ عرصہ وہ اپنی دلہن کو حویلی نہ لائے۔ پھر دو برس بعد ہاجرہ بی بی سخت بیمار پڑ گئیں تو جمال، رضوانہ اور ننھی تحریم کو لیے پہلی بار حویلی آئے۔

ماں کو کالا یرقان ہوا تھا۔ شہباز بھائی کی طبیعت وہ جانتا تھا۔ ساس کی عزت تو اس نے پہلے بھی کبھی نہ کی تھی، جمال سے رضوانہ کی شادی کروا کر تو انہوں نے اس نفرت کو کچھ اور بڑھا دیا تھا۔ ماں کی خدمت کرنے کے لیے انہوں نے رضوانہ کو یہیں چھوڑ دیا۔ شاید یہی جمال کی زندگی کی وہ سب سے بڑی بھول تھی جس کا خمیازہ ابھی بھگتنا باقی تھا۔

شہباز کے دل میں اس ان دیکھی چڑیل کے لیے نفرت کا ایک لاوا تھا جو رضوانہ کے حویلی آنے پر پھٹ پڑا تھا۔ گزرے دو سالوں میں پہلے شہباز خود مائیگرین کی مریضہ بنی، جس کے نتیجے میں درد کے انجکشن اور گولیاں لے کر گھنٹوں گھنٹوں وہ سوئی رہتی۔ اس کے بعد کچھ ہی عرصے میں اس شادی کے حتمی اثرات گلناز کے اندر بھی دیکھنے کو ملے۔

وہ کچھ عرصہ ہوا اپنے کمرے کو چھوڑ کر تہہ خانے کی طرف بھاگ جایا کرتی اور خود کو پوری رات کے لیے وہاں بند کر لیا کرتی۔ دن کا وقت وہ دہشت زدہ ہرنی کی طرح چاروں جانب گھبرائی نظروں سے نجانے کیا دیکھتی رہتی۔ شہباز سر کے درد سے نجات پاتی تو بہن کی فکر میں ڈوب جاتی۔ جمال کی شادی کا وہ اتنا گہرا اثر لے گی، یہ تو شہباز نے سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ معصوم دل ہی دل اپنے شوہر کو اتنا چاہتی تھی کہ یہ بات وہ اب نہ صرف دکھائی دے رہی تھی بلکہ گلناز کی پوری شخصیت کو تباہی کے دہانے پر لے جا چکی تھی۔

تہہ خانے سے دوستی ایک نہ سمجھ آنے والا معمہ تھا۔ شہباز کو کمال کو بھیجنا پڑتا کہ وہ کسی طرح اسے وہاں سے نکال لائے۔ پھر نجانے کیا ہوتا کہ اچانک وہ تہہ خانے سے نکل کر بجلی کی رفتار سے پوری حویلی میں بھاگنے لگتی اور جب، کمال بھی تھک ہار کر واپس ڈیرے پہ چلا جاتا تو وہ ہنستے ہوئے تہہ خانے میں چھپ جاتی۔

اچھی بھلی، سمجھ دار، ہوشیار، پیاری اور معصوم سی گلناز کو ایک حادثے نے مکمل طور پر دیوانہ کر دیا تھا۔ درد بھری آہیں شہباز کے اندر کہیں دفن ہوتی گئیں۔ جب دو ہی سالوں میں گلناز پوری پاگل ہو کر تہہ خانے کی پناہ میں چلی گئی تو رضوانہ اپنی نومولود بچی کو لیے حویلی میں داخل ہوئی۔ ساس کی خدمت کرتے وہ ان کی اتنی گہری دوست بن گئی کہ وہ اسے واپس بھیجنے کو تیار نہ تھیں۔

جمال ہی مہینے بھر کے دوران ایک آدھ چکر لگا لیتا تھا۔

شہباز برسوں گزر گئے اولاد کی خوشی سے محروم تھی۔ رضوانہ کی گود میں تحریم تھی اور ان دنوں وہ پھر امید سے تھی، ساس اپنی چہیتی بہو پر دم کرتی نظر آتیں اور شہباز اس پر نظریں گاڑے کسی خاص سوچ میں ڈوبی رہتی۔

اس نے تو دعائیں مانگی تھیں کہ گلے کا دل دکھانے والوں کی گود، بے آباد رہے، تب ہی انہیں اپنی زیادتیوں کا احساس ہوگا۔ گلناز کی ہائے ہی جمال کے ضمیر کو جگانے کا باعث بنے گی لیکن یہاں ایک بچی گود میں کھیل رہی تھی اور دوسرے بچے کی آمد آمد تھی۔ یہ ادھر بدلے کی آگ تھی جو شہباز کے سینے میں جل رہی تھی اور پھر ایسے ہی ایک دن اس نے اس آگ میں ننھی بچی کو جھونکنے کی کوشش کی۔ گھٹنوں پہ دوڑتی تحریم، صحن کے اس انتہائی حصے میں چلی گئی، جہاں اس رات نے تندور جلا رکھا تھا۔

تندور کے ارد گرد اونچی ایک ایک میٹر جتنی کشادہ جگہ تھی۔ شہباز نے آس پاس کسی کو نہ پا کر تحریم کو اٹھا کر اس اونچی جگہ پر بٹھایا اور خود وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ ہاجرہ بی بی بیرونی غسل خانے سے وضو کر کے نکل رہی تھیں۔ انہوں نے شہباز کا نارنجی دوپٹہ دیکھا وہ تندور کی طرف سے بھاگ کر آ رہی تھی، ہاجرہ بی بی نے

عام انداز میں دیکھتے اپنے کمرے کی طرف قدم بڑھائے۔ جب ننھی تحریم کے چلانے کی آوازیں سنائی دیں۔ انہوں نے برآمدے کی سیڑھیاں چڑھتے رک کر دیکھا تحریم چلا رہی تھی۔ اگر وہ معمولی سا بھی آگے بڑھتی تو تندور میں گر جاتی اور اگر پیچھے ہوتی تو تین فٹ نیچے اینٹوں کا پکا فرش تھا۔

ہاجرہ بی بی دوڑتی ہوئی، وہاں تک پہنچی تھیں اور اللہ ہی جانتا تھا کہ لرزتی ٹانگوں نے ان کا کیسے ساتھ دیا تھا۔ انہوں نے لپک کر تحریم کو بازوؤں میں لیا۔ تندور کی گرمی سے اس کا جسم جل رہا تھا۔ وہ ابھی تک گلا پھاڑ پھاڑ کر رو رہی تھی۔ اسے بانہوں میں اٹھائے کتنی ہی دیر بے یقینی سے اس جانب دیکھتی رہیں جہاں ابھی ابھی شہناز گم ہوئی تھی۔ وہ جو پلٹ کر مسکراتے ہوئے اسی جانب ہی دیکھ رہی تھی۔ وہ صرف بچی کے تندور میں گرنے سے ہی خوش نہیں ہو رہی تھی۔ وہ تو اسے گرانے کا موجب تھی۔

انہوں نے تحریم کو سینے سے لگایا، آنکھیں نم تھیں اور شہناز کے عزائم پر دل بری طرح لرزیدہ۔ شہناز کا اندر ان چند لمحوں میں ان پر پوری طرح عیاں ہو گیا۔ وہ رضوانہ کو گلناز کی خوشیوں کی دشمن سمجھتی تھی اور اسی پر اکتفا نہیں کر رہی تھی۔ اس کے اندر انتقام کا الاؤ جل رہا تھا۔ یعنی وہ رضوانہ کی بھی جان کی دشمن تھی۔ یا شاید نہیں۔ ہاجرہ بی بی تھکے قدموں سے اندر جانے لگیں۔ رضوانہ کی جان لینا۔ رضوانہ کو چوٹ پہنچانا اسے درد اور تکلیف میں جلا رکھنا شہناز کا اصل مقصد ہے۔

ایک ننھی جان کا انتخاب اور بھلا کیا بنتا ہے۔ انہوں نے لیٹی ہوئی رضوانہ کے پہلو میں تحریم کو سلایا اور باہر چلی گئیں۔ انہیں جمال سے کہہ کر رضوانہ کو یہاں سے واپس بھیجنا تھا۔ اس کا یہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ انہوں نے اسی ہفتے کے اختتام پر جب جمال گھر واپس آیا، کہہ بھی دیا۔

لیکن رضوانہ کہہ رہی تھی اسے ابھی واپس نہیں جانا۔ وہ حیرت سے بیوی کو بھی دیکھ رہا تھا۔

"جی اماں، میں نے ہی جمال سے کہا ہے کہ ابھی میری طبیعت سنبھل نہیں رہی۔ سارا دن مجھے نیند آتی رہتی ہے۔ وہاں بیگورہ میں تو میں اور تحریم گھر پر اکیلے ہوتے ہیں۔ اس حال میں تحریم کا خیال کون رکھے گا۔"

"رضوانہ ٹھیک کہہ رہی ہے اماں۔ ابھی اس کو یہیں رہنے دیں۔"

"ہوں۔" وہ فوری طور پر تو چپ ہو گئیں، لیکن معاملہ بچی کی جان کا تھا۔

جمال کے جانے کے بعد انہوں نے رضوانہ کو سارا واقعہ کہہ سنایا، سن کر وہ بھی پوری جان سے لرز گئی۔ اور جمال کے پاس جانے کا فیصلہ کیا لیکن انہی دنوں جمال کی بیگورہ سے ایک دور افتادہ گاؤں پوسٹنگ ہو گئی۔ وہاں رہائش کا بڑا مسئلہ تھا۔ خود جمال کو تین ٹیچرز کے ساتھ رہنا پڑ رہا تھا۔ وہ خوش تھا کہ شکر ہے رضوانہ وقت پر حویلی چلی گئی تھی۔ ادھر رضوانہ اور ہاجرہ بی بی کی پریشانیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔

توفیق بھائی بھی فوج میں تھے۔ ان دنوں نوشہرہ میں انہیں چھوٹا سا ذاتی کوارٹر ملا ہوا تھا جہاں وہ فیملی کے ساتھ رہتے تھے۔ بھائی کے سرکاری کوارٹر میں رہنا ممکن نہیں تھا۔ بس کچھ اسی خیال سے ان دونوں نے خود ہی تحریم کا خیال رکھنا شروع کر دیا ایک پل کو بھی وہ اسے آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتیں۔ پھر رضوانہ کے ساتھ جیسا رویہ شہناز نے روا رکھا ہوا تھا۔ رضوانہ کے لیے اسے سہنا بھی کچھ کم امتحان نہ تھا۔

ایسی حالت میں بھی اسے اپنے سارے کام خود انجام دینے پڑتے۔ لڑائی جھگڑا الگ تھا۔ رضوانہ جیسے تیسے وقت کاٹتی، آٹھویں مہینے کے اختتام کو پہنچی تھی۔ ننھی نور یز کی حاملہ بیوی اور رضوانہ آپس میں ہنسی مذاق کر رہی تھیں۔ وہ دونوں ہی ڈاکٹر کے پاس گئی تھیں اور ان دونوں کی تاریخوں میں ڈاکٹر نے دس دن کا فرق بتایا تھا۔ صفیہ کی ڈیٹ پہلے تھی اور رضوانہ کی دس روز بعد۔ ہاجرہ بی بی سوئی ہوئی تحریم

کو دیکھنے کے لیے اپنی جگہ سے اٹھ کر کمرے کی طرف بڑھیں۔ تحریم کی خیریت جاننے کے لیے وہ یونہی اچانک اپنی جگہ سے اٹھ جایا کرتی تھیں۔ آہستہ روی سے چلتے وہ کمرے میں آئیں تو تحریم سوتی ہوئی ملی۔

وہ ستانے کے لیے کنارے پر بیٹھ گئیں۔ تب ہی باہر سے مسرت کی آواز سنائی دی۔ ٹیلی فون اسی کمرے کے باہر برآمدے میں رکھا رہتا تھا۔ آواز نہایت محتاط اور سرگوشی بھری تھی۔ ہاجرہ بی بی اٹھ کر دروازے تک آئیں لیکن پہلے ہی جملے پر قدم بے اختیار اپنی جگہ پر روک لیے۔

"تم آج رات پچھلے دروازے سے کبوتروں والے صحن میں آجانا۔ بی بی ملنا چاہتا ہے۔ تمہیں اہم خفیہ راستہ دکھائے گا۔ اُدھر سے آکر بچہ لے جانا۔ ایڈوانس پیسہ بھی بی بی آج دے گا۔ دیکھو۔ مگر گیارہ بجے کے بعد آنا۔ پھر باہر کوئی نہیں ہوتا، تم کو کوئی دیکھے نا۔" مسرت نے تاکید مزید کرتے ریسیور رکھا اور اسی عجلت میں واپس چلی گئی۔ اس نے یقیناً ہاجرہ بی بی کو باہر صحن میں سب کے ساتھ بیٹھے دیکھا تھا، اس لیے اسے یقین تھا کہ اِدھر اندر کی طرف فی الحال کوئی نہیں ہے۔

ہاجرہ بی بی نے تحریم کا ننھا سا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ وہ اس معصوم کو اپنے سینے سے اب ایک بھی پل جدا نہیں کریں گی۔ کسی کی مجال نہیں جو تحریم کو کہیں لے جائے۔ انہوں نے اس وقت جتنا سمجھا اسی کے حساب سے سوچنا شروع کیا اور پھر ایک خیال انہیں آیا کہ رات کو کسی اجنبی کی آمد کا وقت اور جگہ تو انہیں معلوم ہو ہی گئی ہے۔ تو کیوں نہ ان کی باتیں بھی سن لیں۔ ایڈوانس رقم کا مطلب ہے کہ بچی کو لے جانے کا مشن آج رات کا نہیں ہے۔ مسرت نے کہا تھا بی بی تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہے اور کوئی راستہ دکھانا چاہتی ہے۔

رضوانہ اور تحریم رات کو ہاجرہ بیگم کے ساتھ ہی سوتی تھیں۔ معمول کے مطابق لائٹ آف کر کے وہ تینوں اپنے کمرے میں سو گئیں۔ ہاجرہ بی بی بظاہر سوتی بن گئیں، تب ہی دیکھا کہ مسرت اور شہناز دونوں نے ہی باری باری آکر ان سب کو چیک کیا تھا۔ اور جب وہ مطمئن ہو کر چلی گئیں تو کچھ دیر بعد ہاجرہ بی بی بھی راستہ بدل کر پچھلے صحن کی چھوٹی گلی میں آکر چھپ گئیں۔ مسرت نے ہلکی دستک پر دروازہ کھولا۔ انہوں نے اوٹ سے دیکھا۔ ایک آدمی چادر لپیٹے اندر داخل ہوا اور شہناز خود بھی چادر اوڑھے منہ ڈھکے اس آدمی سے بات کر رہی تھی۔

"یہ لو تمہاری رقم۔ اور اس جگہ کو دھیان سے دیکھ لو۔ پندرہ، سولہ یا سترہ میں سے کوئی ایک رات ہوگی، وہ ہم فون کر کے اسی وقت بتا دیں گے۔ وقت کا بھی صحیح نہیں بتا سکتے۔ دن کا وقت ہوا تو ساتھ کسی بھروسے مند عورت کو لانا، وہی اندر آکر بچہ ہم سے لے جائے گی اور اگر رات کو بلائیں تو اکیلے آنا۔ اور دیکھو ہم بلائیں گے صرف اس صورت میں اگر عورت کو لڑکا ہوا۔ تم نے لڑکے کو لے جا کر کہیں بیچ دینا ہے یا جو چاہے سلوک کرو۔

اگر لڑکی ہوئی تو فون کر کے آنے سے منع کر دیں گے۔ پھر بس یہ ایڈوانس کی رقم تمہاری ہوئی۔ باقی کچھ نہیں ملے گا۔" شہناز نے دبے دبے لہجے میں کہا تھا اور ہاجرہ بی بی نے بے ساختہ ہاتھ اپنے منہ پر رکھا۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ شہناز نے رضوانہ کا ہونے والا بچہ چھیننے کی سازش کی تھی۔ وہ عجلت میں واپس آکر کمرے میں بیٹھ گئیں۔ ٹھنڈی رات میں بھی پسینے چھوٹ گئے۔ اب جمال سے کیسے کہیں کہ ڈلیوری کے لیے بیوی کو ساتھ لے جائے۔ اور اگر ایسے نہ کہوں تو رضوانہ کو میکے بھیج دوں۔ اس کا بھائی تو فوراً اسے آکر لے جائے۔ ہاں ابھی صحیح ہے۔ ابھی تو تقریباً دو ہفتے باقی ہیں۔ یہ بہت ٹائم ہے۔ میں اتنی آسانی سے شہناز کے عزائم پورے نہیں ہونے دوں گی۔ وہ فیصلہ کر کے تسبیح ہاتھ میں لیے لیٹ گئیں۔ نیند آنکھوں سے رخصت ہو چکی تھی۔ آنے والے وقت کا خیال ابھی سے لرزا رہا تھا۔

☆☆☆

"سنیں بی بی!" وہ رضوانہ بھابی بلاتا ہے آپ کو۔" خمارہ دوڑتی ہوئی کمرے میں آئی تو ہاجرہ بی بی نے چونک کر سر اٹھایا۔ بارش میں بھیگی خمارہ دوپٹے سے اپنا چہرہ اچھے تھپتھپا رہی تھی۔ وہ ابھی کچھ دیر ہوئی آرام کرنے لیٹی تھیں۔ رضوانہ شاید بچی کو واش روم لے گئی تھی۔

"کیا ہوا ہے؟" وہ بمشکل خود کو سنبھالتے اٹھ گئیں۔

"وہ۔ بھابی کا پاؤں پھسلا ہے۔ گرتے گرتے بچا ہے اور بہت پانی جمع ہو گیا تھا نا۔" خمارہ عجلت میں بتاتے آگے دوڑ گئی اور ہاجرہ بیگم کے قدموں میں بھی تیزی آ گئی۔ بیرونی واش روم کی سیڑھیوں پہ رضوانہ پاؤں دبائے کراہتی نظر آئی۔ تحریم کو خمارہ نے برآمدے کے پلنگ پہ لٹا دیا تھا۔

"ارے کیا ہوا۔ چوٹ زیادہ لگی ہے؟"

"وہ تو زیادہ مسئلہ نہیں ہے اماں۔ پر۔" رضوانہ جھجک کر خمارہ کو دیکھنے لگی۔

"یعنی؟" ہاجرہ بھی قطعی نہیں سمجھیں۔ بارش فی الحال کچھ ہلکی ہو گئی تھی لیکن بجلی کی چمک اور گھن گرج میں کوئی کمی نہ آ رہی تھی۔

"مجھے بہت درد ہو رہا ہے۔ اور میرا یہاں سے اٹھنا بھی محال ہے۔ آپ نزدیک کوئی نرس وغیرہ ہے تو جلدی بلا دیں۔" ہاجرہ نے غور کیا کہ اس کا دایاں ہاتھ اگر پنڈلی پر تھا تو بایاں درد کی شدت کو دبانے کے لیے کمر پہ رکھا ہوا تھا۔

"ہم۔ میں بلاتی ہوں۔" وہ گھبراہٹ میں لڑکھڑا گئیں۔

آج ہی تو انہوں نے توفیق کو یہاں بلانے کا ارادہ کیا تھا۔ اور یہ رضوانہ کی کیا حالت ہو گئی تھی۔ جمال بھی یہاں نہیں تھا۔ وہ اکیلی بچے کو کیسے بچائیں گی۔ انہیں شاید کمال کو سب کچھ بتا دینا چاہیے۔ وہ سوچتی ہوئی نرس کو بلانے چل دیں۔

"اوہو۔ وقت تو آ گیا ہے۔" اس نے تفکر سے ہاجرہ بی بی کی طرف دیکھا۔

وہ سرکاری ہسپتال کی ایک عام نرس تھی۔ بچے پیدا کرنے کا اسے کوئی تجربہ نہ تھا۔ مسرت سے پتہ چلا کہ کمال خان کار لے کر پشاور گیا ہوا ہے۔ ڈیرے پر ان دنوں ایک ہی گاڑی تھی۔ دوسری جمال کے پاس ہوتی تھی۔ اب ہسپتال کیسے جائیں۔ ادھر ننھی تحریم کو کیسے چھوڑیں۔ وہ گھبراہٹ میں یہاں وہاں دوڑ رہی تھیں۔ شہناز ابھی تک سامنے نہ آئی تھی۔

وہ اس کی سن گن لینے اس کے کمرے کی طرف آئیں تو مسرت کمرے میں داخل ہوتی نظر آئی۔ ہاجرہ بی بی کھڑکی کی اوٹ میں ایک لمحہ کو رک گئیں۔

"کام ہو گیا ہے بی بی۔ شہروز کو کہہ دیا ہے۔ وہ پچھلے صحن میں پہنچ رہا ہے۔" مسرت کی آواز ابھری تھی۔

ہاجرہ بی بی کے گلے میں کچھ پھنسا۔

شہناز بے خبر نہ تھی، نہ ہی غافل۔ مسرت ساری رپورٹس پہنچا رہی تھی۔ رضوانہ کا ہونے والا بچہ یقیناً بہت خطرے میں تھا۔

"یا اللہ، اس بار بھی لڑکی ہو۔" ان کے منہ سے بے ساختہ یہی دعا نکلی تھی۔

"بی بی، وہ منشی نوریز آیا ہے۔ کہتا ہے بہت ضروری بات ہے۔"

"ہاں۔ نوریز۔" ہاجرہ ایک دم کسی خیال سے چونکیں۔

اگر نوریز کہیں سے کار کا بندوبست کر لے تو رضوانہ کو ہسپتال لے جایا جا سکتا ہے۔ انہوں نے فوراً ڈیوڑھی کا رخ کیا۔ چادر اوڑھ کر نوریز کی بات سننے آگے بڑھیں۔ بارش ایک بار پھر برسنا شروع ہو چکی تھی۔

"معافی چاہتا ہوں بی بی جان! بیوی کی حالت اچھا نہیں ہے۔ گھر پر دایہ آئی ہے۔ فوری کچھ رقم درکار ہے۔"

اس نے ہاتھ باندھے اور ہاجرہ بی بی نے بے اختیار لب بھینچ لیے۔

اس روز کی رضوانہ اور صفیہ کی باتیں یاد آنے

گئیں۔ دونوں کی تاریخوں میں دس دنوں کا فرق تھا اور آج، رضوانہ ایک ایمرجنسی کے نتیجے میں صفیہ کی تاریخ کے برابر آ گئی تھی۔

"کیا کہہ رہے ہو۔ دایہ کا بندوبست ہو گیا ہے؟"

"جی بی بی۔ ہیلتھ ورکر ہے۔ بہت قابل ہے۔ گھر پر آیا ہوا ہے۔ بس تھوڑا رحم۔"

"ہاں۔ ہاں میں لاتی ہوں۔ اور دیکھو کہیں سے فوری کار لے آؤ۔ میری بہو کی طبیعت بھی خراب ہے۔ اسے بھی وہیں لے چلنا ہے۔ تمہارے گھر۔ لیکن کسی سے کچھ کہنا مت۔ بس جلدی سے کوئی کار جیپ کہیں سے لے آؤ۔"

"جی بی بی۔ کار تو موجود ہے۔ ابھی اس ڈاکٹر کو لایا ہے اور اسی میں یہیں آیا ہوں۔ میرے ایک دوست کا ہے۔"

"ابھی موجود ہے باہر۔"

"جی بی بی۔ بارش کی وجہ سے اسی میں آیا ہوں۔"

"اچھا رکو۔ میں آتی ہوں۔" وہ فوراً پیچھے آ گئیں۔ رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔ شہباز کے گہرے عزائم کی طرح۔ ہاجرہ بی بی اکیلے اپنے کمزور وجود کو ان کمزور پلوں میں بالکل ہی ناکافی سمجھ رہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا۔ رضوانہ کو اگر بیٹا پیدا ہو گیا تو شہباز، وہ بچہ ان کے ہاتھوں سے چھین لے گی اور وہ کچھ بھی نہیں کر پائیں گی۔

کمرے میں آ کر رضوانہ کو سہارا دے کر اٹھایا۔ جلدی جلدی کپڑوں اور ضروری سامان کا ایک تھیلا تیار کیا۔ تحریم کو اٹھا کر جھٹ پٹ حویلی کا صحن عبور کر گئیں۔ مسرت اس دوران بھاگ کر شہناز بی بی کی طرف گئی تھی۔ جس وقت ہاجرہ بی بی حویلی کا پھاٹک عبور کر رہی تھیں۔ پیچھے برآمدے سے شہباز کے چلانے کی آواز آ رہی تھی۔ شہباز نے یہ ہرگز نہیں سوچا تھا کہ اس کی ماں رضوانہ کو لے کر حویلی سے ہی باہر چلی جائیں گی۔

☆☆☆

رضوانہ کو لڑکا ہوا تھا۔ وہ پھٹی آنکھوں سے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھیں، جن میں ابھی ابھی لیڈی ڈاکٹر نے ایک صحت مند سفید خوب صورت سا بچہ دیا تھا۔ وہ بچہ جس کی زندگی کو اسی پہلے لمحے سے زندہ رہنے کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔

انہوں نے سر گھما کر دیکھا، رضوانہ اب قدرے پرسکون سی سر ایک جانب کیے لیٹی ہوئی تھی۔ آنکھیں بند تھیں اور حالت نہایت کمزوری اور نقاہت والی تھی۔ اس نے یہ تک نہیں پوچھا تھا کہ لڑکا ہوا ہے یا لڑکی۔

"آپ بچے کو لٹا کر ذرا یہاں آ جائیں۔" نرس نے ہاجرہ بی بی کو متوجہ کیا تو وہ بچے سمیت کمرے سے باہر آ گئیں۔ صفیہ درد سے کراہ رہی تھی۔ باہر اس کی دو چھوٹی بچیاں، باپ سے شاید سنبھل نہیں رہی تھیں، تب ہی دونوں کے رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"اس بار کرم کرنا مالک۔ اس بار مایوس نہ کرنا۔" صفیہ دونوں ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے التجا کر رہی تھی۔ اسے لڑکے کی شدید خواہش تھی۔ ہاجرہ بی بی کا دماغ البتہ اس کی التجاؤں کی طرف نہیں تھا۔ وہ بس یہ نہیں سمجھ پا رہی تھیں کہ رضوانہ اور بچے کو حویلی سے کیسے بچائیں۔ انہوں نے فکرمندی کو وقتی طور پر زبردستی پیچھے دھکیلا اور بچے کو ننھی تحریم کے پہلو میں لٹا دیا۔

صفیہ نے بھی ایک بچے کو جنم دے دیا تھا۔ وہ نرس کی مدد کرنے قریب آ گئیں اور یہ دیکھ کر دکھ بھری آہ نکل گئی کہ قسمتی نوریز کے ہاں، تیسری بار بھی لڑکی ہوئی تھی۔ انہوں نے تاسف بھری نظروں سے نرس کو دیکھا۔ اس کا چہرا بھی بجھا بجھا سا تھا۔ صفیہ آخری لمحے تک اللہ سے لڑکے کی دعا کرتی رہی تھی۔

"اچھا۔ اس سوہنے رب کی مرضی۔" انہوں نے مسکرا کر، صفیہ کو دیکھنے کی کوشش کی لیکن اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں۔

"بی بی جان۔ بی بی جان۔" مسرت کی آواز

اور دروازے کی دستک پر ہاجرہ بی بی چونک کر پلٹیں۔ کمرے کا بند دروازہ مسرت پیٹ رہی تھی۔

"دروازہ کھولو بی بی، شہباز بی بی آیا ہے ساتھ۔" اس نے اطلاع دی اور ہاجرہ بی بی کا سر چکرانے لگا۔ آنکھوں کے آگے رضوانہ کا نومولود بیٹا، شہروز، ایڈوانس کی رقم، کمال اور جمال کی یہاں غیر موجودگی اور ہر بات سے بڑھ کر شہباز کا انتقام، گول گول گھومنے لگے۔ شہباز حویلی کا ایسا وارث ہرگز نہیں چاہ سکتی تھی جو اس کے بجائے دوسری بہو سے ہو۔ دوسری بہو بھی وہ جو اس کی بہن کو پاگل کر کے اس کے حق پر قبضہ جما کر آئی تھی۔

"زرّ۔ رُکو۔" انہوں نے دروازہ کھولنے جاتی نرس کو کندھے سے دبوچا۔ گرفت میں بلا کی مضبوطی تھی وہ بے چاری کسمسا کر رہ گئی۔

"بات سنو۔" انہوں نے جلدی سے تورینز کی بچی کو تحریم کے ساتھ لٹا کر لڑکے کو نرس کے ہاتھوں میں دیا۔

"اسے صفیہ کے ساتھ لٹا دو۔" نرس نے چونک کر بڑی بی بی کو دیکھا پھر سر ہلاتے فوراً وہی کیا۔ صفیہ حیران بڑی دقت سے اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ ہاجرہ بی بی نے پاس جا کر اسے دوبارہ لٹایا اور اس کے اوپر جھکیں۔

"بچے کی زندگی بہت خطرے میں ہے۔ حویلی کے اس اکلوتے چراغ کی زندگی تمہارے ہاتھوں میں ہے صفیہ۔" انہوں نے دونوں ہاتھ اس کے آگے باندھ دیے۔

"شہباز اس بچے کی جان لینے کے درپے ہے۔ اسے اپنا بیٹا مان لو۔ بس ابھی کے لیے۔ ورنہ اگر اسے معلوم ہو گیا کہ لڑکا رضوانہ کو ہوا ہے تو چھین کر لے جائے گی اور مار دے گی۔ تم تو سب جانتی ہو۔ خدارا۔ ابھی اتنا کہہ دو؟" انہوں نے صفیہ کے ہاتھ تھامے، جس نے فرمانبرداری سے سر ہلا دیا۔ اُدھر نرس نے دروازے کی چٹخنی اتار دی۔ رضوانہ بھی دستک کے شور سے ہوش میں آ چکی تھی۔ مسرت اور اس کے پیچھے شہباز دھکے دیتی ہوئی اندر داخل ہوئیں۔

"یہ سب کیا ہے؟"

وہ خوں خوار نظروں سے ساس کو گھور رہی تھی۔

"ہم سب کیا مر گئے تھے جو ایسی حالت میں حویلی کی بہو کو آپ یہاں اٹھا لائیں۔۔۔ اور یہ۔ یہ تو۔" وہ کمرے میں اتنے سارے بچے دیکھ کر اپنی ہی بات بھول کر آگے بڑھی۔ تحریم کے پہلو میں لیٹے بچے کو ہاتھوں میں اٹھا کر سوالیہ نظروں سے ساس کو دیکھا۔

"بچی ہوئی ہے۔" ہاجرہ نے آواز کی لرزش پہ قابو پاتے اطلاع دی، تو اس نے صفیہ کی طرف دیکھا۔

"ان کو لڑکا ہوا ہے۔" اس بار نرس نے مستعدی سے جواب دیا تو ہاجرہ بی بی نے سکون سے پلکیں موندیں۔ شکر ہے جواب نرس نے دیا تھا۔ اس کی تصدیق شہباز کو کسی شبے میں نہیں ڈال سکتی تھی۔

"بھابی کو یہاں لانے کا کیا مطلب؟" وہ ساس کو دیکھ رہی تھی۔

"رضوانہ کی حالت گرنے سے اچانک خراب ہوئی۔ اتفاقاً تورینز آ گیا۔ اسے رقم ضرورت تھی۔ اس کی زبانی جب میں نے سنا کہ یہاں ایک نرس موجود ہے تو فوراً اسے یہاں لے آئی۔ نرس کو حویلی نہیں بلا سکتی تھی کیونکہ ادھر صفیہ کا بھی یہی حال تھا۔"

انہوں نے لہجے کو بالکل عام سا رکھتے ہوئے روانی سے سمجھایا تاکہ شہباز کے دماغی فتور کچھ کم کر سکیں۔ اور وہ اس میں کامیاب بھی ہوئیں کیونکہ شہباز یہ دیکھ کر پہلے ہی بڑی مطمئن نظر آنے لگی تھی کہ رضوانہ کو دوسری بار بھی بچی ہوئی ہے۔ اسے خود ابھی کچھ روز پہلے ہی معلوم ہوا تھا کہ وہ اُمید سے ہے۔ اور ایسی صورت میں اسے ہرگز جمال کی اولاد میں لڑکا نہیں چاہیے تھا، کیونکہ اس کی اولاد دوسرے درجے پر آ جاتی۔

"تو، آپ ابھی یہیں ہیں؟" اس نے بچی کو

واپس لٹا دیا۔

"ہاں، ابھی فی الحال رضوانہ کی حالت ایسی نہیں ہے تو۔"

"ٹھیک ہے، کسی چیز کی ضرورت ہو تو منشی کو حویلی بھیج دیں۔" وہ اکتائے ہوئے لہجے میں کہہ کر واپس پلٹ گئی۔

لڑکے کی پیدائش کا دباؤ کم ہوا تو وہ ایک دم ہی پرسکون اور لاتعلق ہو گئی تھی۔ وہ چار منٹ رُک کر مسرت کو لئے فوراً وہاں سے نکل گئی۔ ہاجرہ نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے پلٹ کر رضوانہ کو دیکھا جو بچی کو بازو پر لٹائے مسکرا کر اسے دیکھ رہی تھی۔

"اماں، یہ تحریم سے بالکل الگ ہے، سفید بھی زیادہ ہے ہے نا!" وہ چمکتی آنکھوں سے بچی کے نین نقش دیکھ رہی تھی۔ پھر اچانک صفیہ کو دیکھا۔

"بہت مبارک ہو صفیہ! اللہ پاک نے تمہاری سن لی، وہ اسی شوخ، کھنکتے لہجے میں بولتی گئی۔

"میں نے سنا تھا اس حالت میں عورت جو بھی دعا مانگتی ہے، وہ ضرور پوری ہوتی ہے۔ میں نے تمہارے لئے بچے کی دعا مانگی تھی، میں نے کہا اللہ پاک چاہے مجھے بچی عطا کر دیں، لیکن صفیہ کو اس بار بیٹا ہونا چاہیے۔ اماں لائیں دکھائیں تو۔" وہ اپنی لے میں کہے جا رہی تھی صفیہ، نرس اور ہاجرہ بی بی ایک دوسرے کو دیکھتی جا رہی تھیں۔ ہاجرہ بی بی نے بچے کو چارپائی پہ لٹا دیا۔

"بہت پیارا ہے ماشاء اللہ۔" وہ تھوڑا سا اوپر کو ہو کر تکیے پہ نیم دراز ہوئی۔ "شکل پہ رعب تو دیکھو اماں!" رضوانہ نے ہنس کر ساس کو مخاطب کیا۔

"اِدھر دیکھیں، کیسے مجھے انسپکٹر کی طرح دیکھ رہا ہے۔ اور۔" وہ ایک دم رکی، باہر سے اچانک شدید فائرنگ کی آواز نہایت ہی نزدیک سے سنائی دے رہی تھی۔

"یا اللہ خیر۔" ہاجرہ بی بی نے ہاتھ سینے پہ رکھا۔ اور آگے بڑھ کر فوراً ہی کنڈی کھولی۔

ذرا سا دروازہ کھول کر باہر جھانکا تو نوریز اور چند ایک آدمیوں پہ نظر پڑی۔ مرد، نوریز سے ہنس کر بغل گیر ہو رہے تھے اور ایک لڑکا خوشی سے دمکتا چہرا لئے ہوائی فائرنگ کئے جا رہا تھا۔

"مبارک۔ مبارک۔" دو بزرگ ٹائپ مرد اسی وقت گھر میں داخل ہوئے اور نوریز سے لپٹ گئے۔

"خیر مبارک۔ خان لالہ۔ آپ کا دعا قبول ہوا۔ اللہ نے بیٹا دیا ہے۔" نوریز خوشی سے دیوانہ ہو رہا تھا۔

اِن کو کس نے بتایا۔ ہاجرہ بی بی دھڑکتا دل لئے واپس پلٹیں۔ یہ سب تو ابھی انہوں نے سوچا ہی نہیں تھا۔

وہ تو نوریز کو ہم راز بنانے والی تھیں کہ جیسے ہی کمال یا جمال یہاں پہنچیں گے تب وہ سچ ظاہر کر کے رضوانہ کو حویلی سے روانہ کر دیں گی۔ لیکن مسرت سے پوچھا ہوگا۔ وہی نکلی ہے نا ابھی۔

صفیہ کے چہرے پر بھی تشویش تھی۔ وہ پریشانی سے بڑی بی بی کا چہرا دیکھ رہی تھی۔

"مجھے بھی اب جانا ہے خان بی بی!" نرس اپنا سب سامان سمیٹ کر چادر اوڑھ کر ان کے قریب آئی تو اس کی آنکھوں میں بھی الجھے الجھے سوال تھے۔

"آں۔ ہاں۔" وہ کسی گہری سوچ سے باہر آ گئیں۔ دونوں بچوں پہ باری باری ایک نظر ڈال چادر جھٹکی اور کیلی میں کچھ رقم دبا کر نرس کے پیچھے کمرے سے باہر آ گئیں۔

"یہاں جو کچھ ہوا ہے اس کا ذکر کسی سے مت کرنا۔"

"جی بی بی۔ مجھے پتا ہے۔ لیکن آپ کیا کریں گی اب۔ یہ سب تو لڑکے کی خوشی منا رہے ہیں۔"

"میں نوریز سے بات کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ مجھے اپنے بیٹوں کو بلانا ہے۔ ان کے آئے بغیر حویلی جانا بھی ممکن نہیں۔" ہاجرہ بیگم کا دماغ کئی اطراف میں چل رہا تھا۔ فوری طور پر سچ بتانے میں کئی خطرات لاحق تھے۔ شہباز کسی بھی بہانے انہیں

حویلی لے جا کر اپنا مشن پورا کر سکتی تھی۔ لیکن وہاں نہ جمال تھا نہ کمال خان۔ حویلی میں تو صرف شہباز کی من مانی تھی۔ لیکن اب یہاں والوں کو بھی جلد ہی سچ بتانا ضروری ہو گیا تھا۔ بیٹے کی خوشخبری تو آگ کی طرح پھیلتی جا رہی تھی۔

"تم اپنے گھر جاؤ سلطانہ! بس یہ راز باہر نہ آنے پائے۔"

"جی بی بی! ہم آپ کے خادم ہیں۔ آج کے بعد میں خود بھی یہ بھول جاؤں گی۔" وہ ہلکا سا جھک کر سلام کرتی باہر نکل گئی۔

ہاجرہ بی بی لب بھینچ کر گہری الجھی سوچوں میں ڈوبی واپس کمرے میں آ گئیں۔ رضوانہ آنکھیں بند کیے لیٹی تھی۔ صفیہ عجب حسرت بھری نظروں سے بچے کو دیکھے جا رہی تھی۔ ہاجرہ بیگم صفیہ کے قریب آ گئیں۔ اور بچے کو پیار کرنے کے بہانے نیچے جھکیں۔ آواز کو حتی الامکان بہت آہستہ رکھا۔ ان کا چہرا صفیہ کے قریب تھا۔

"اب کیا کریں؟"

"نہیں۔" صفیہ نے سرگوشی میں ہلاتے بچے کو اپنے قریب کیا۔

اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"اسے خطروں کے حوالے نہ کریں بی بی! اسے مجھے دے دیں۔ میری خوشی مجھ سے چھن گئی تو۔" وہ لب کاٹتے ہوئے کھڑکی کو دیکھنے لگی۔ جس کے پار سے ابھی تک خوشی کی فائرنگ سنائی دے رہی تھی۔

وہ یہ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی کہ نوریز اور اس کے خاندان کو کچھ ہی دیر میں اگر سچ معلوم ہو گیا تو۔ تو ان سب پر کیا بیتے گی۔ اس نے حسرت بھری نگاہوں سے بی بی کو دیکھا۔

"کیا چاہتی ہو بی بی، اسی میں کوئی بہتری ہو؟"

اس کا لہجہ منت بھرا تھا اور ہاجرہ بیگم تو پہلے ہی سو طرح کے اندیشوں میں گھری ہوئی تھیں۔ ایک دم ہی ایک فیصلے پر پہنچ کر صفیہ کا ہاتھ تسلی سے دبایا۔ اٹھ کر سیدھا ہوتے ہوئے ان کی اپنی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو چکی تھیں۔

معلوم نہیں یہ اتنا بڑا فیصلہ انہوں نے کیسے کر لیا تھا۔ ان کے جمال کو بیٹا ہوا تھا۔ ان کا بیٹا یہ خبر سن کر کتنا خوش ہوتا۔ پر انہیں اب کیا بتانا تھا۔ وہ اپنے لب کاٹتی سر جھٹک کر واپس پلٹ آئیں۔ اب تو انہیں بھی یہ حقیقت بھولنی ہو گی۔۔ یاد رکھنا ہے تو بس اتنا کہ رضوانہ کو اللہ نے چاند سی بچی دی ہے۔ وہ دوسری جانب آئیں تو بچی رو رہی تھی۔ رضوانہ نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن ہاجرہ نے آگے بڑھ کر اسے واپس لٹا دیا۔

"بچی کیلئے باہر سے دودھ منگوانا پڑے گا۔ نرس نے کہا ہے کہ تمہارے اندر خون کی شدید کمی ہے۔ تم اپنی جان کو ہلکان مت کرو۔ بچی کو دوسرے دودھ پر لگا میں گے۔" انہوں نے رقم نکال کر ہاتھ میں لے کر ایک نظر صفیہ کو دیکھا۔

جو ابھی تک امید بھری نظروں سے بڑی بیگم کو دیکھ رہی تھی۔ بچے کو ساتھ یوں لپٹا رکھا تھا جیسے اس کے چھن جانے کا خوف ابھی سے حاوی ہو چکا ہو۔ وہ آہستہ سے اس کے قریب آئیں۔ تھوڑا سا جھک کر بچے کے سر پہ ہاتھ پھیر کر صفیہ کو دیکھا۔

"نوریز خان کو مبارک باد دینے جا رہی ہوں۔"

"اللہ آپ کو خوش رکھے بی بی۔" اس نے روتی آنکھوں سے بی بی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ہاجرہ بی بی کے ایک ہی جملے نے اس کی آنکھوں سے خوشی کے آنسوؤں کو جاری کر دیا تھا۔

"آپ کو کبھی پچھتاوا نہیں ہوگا۔ اس نے رضوانہ کی طرف دیکھ کر آہستہ سے کہا اور ہاجرہ بی بی اپنے آنسو پونچھتی باہر نکل گئیں۔

☆☆☆

"تم حویلی کے چاند ہو منصب رضا خان۔ میرے سگے پوتے۔ جمال احمد خان کی اولاد۔ رضوانہ کے بیٹے۔ اور۔"

"اور وسیلہ نوریز خان کی بیٹی۔" منصب نے

عجیب سے لہجے میں دوہرایا، من میں ڈھیروں خدشے تھے۔ بہت سے سوالات اور نظریں دادی پر۔

"کیا وہ میری دودھ شریک بہن؟"

"نہیں۔ صفیہ نے جب نرس سے کہا کہ کوئی دودھ لکھ کر دے جائیں کیونکہ میرا دودھ اترتا نہیں ہے، تب مجھے یونہی خیال آیا کہ اس معاملے میں احتیاط کرنا مستقبل میں اچھا رہے گا۔ تب ہی رضوانہ کو بھی دودھ دینے سے منع کردیا۔ تم دونوں بچوں کو ماؤں کا دودھ نہیں پلایا گیا۔ تم جس وجہ سے پوچھ رہے ہو وہ بھی میں سمجھ رہی ہوں۔ مجھے پچھلی شام ہی ایلیا نے تم دونوں کے رشتے کی بابت بتایا تھا۔ میری طبیعت تو تب سے خراب ہونا شروع ہوئی۔ دیلہ کا جوڑ تو تم سے بہتر کوئی ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ کاش میں نے یہ راز حویلی والوں پر پہلے ہی کھول دیا ہوتا تو آج دیلہ اس حال کو تو نہ پہنچتی۔"

"اچھا اب ان باتوں سے کچھ فائدہ نہیں۔" منصب نے ان کا شانہ تسلی کے انداز میں تھپکا۔

"سنو منصب۔" انہوں نے منصب کا بازو پکڑ کر اپنے قریب کھینچا۔

"ارحم اور شہناز نے ہرگز یہ شادی کسی اچھی نیت سے نہیں کی۔ دیلہ یہاں بہت خطرے میں ہے۔ اس کے سر پر کوئی پنکھا نہیں گرا۔ اسے مارنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اور وہ یہ کوشش دوبارہ بھی کریں گے۔ ماں سے کہو، بچی کو یہاں سے لے جائے۔"

وہ اب خالی خالی نظروں سے دادی کو دیکھ رہا تھا۔

"میرا مطلب ہے، رضوانہ۔" دادی کی نظریں نیچی ہو گئیں۔

"تم اب کیا کرو گے منصب۔ مجھے معاف کرنا، مجھے کوئی سزا نہ دینا، حویلی میں اپنا حق مانگنا۔ رضوانہ کو یقین دلانا۔ یہ سب کچھ کیسے ہوگا۔"

"آپ سے کیا ناراضی دادی، آپ نے تو میری زندگی بچائی، ورنہ اُن حالات کا شکار ہو جاتا تو نومولود ہی۔"

"بس۔" دادی نے اسے مزید کچھ بھی کہنے سے باز رکھا۔ "اللہ تمہیں بہت لمبی عمر عطا فرمائے۔"

"باقی، مجھے حق وغیرہ کا کوئی لالچ نہیں۔" وہ سیدھا اُٹھ کھڑا ہوا۔

"ہاں بس کچھ باتیں بہت عجیب سی ہو گئی ہیں۔ شاید یہ سب اتنا آسان نہیں ہوگا آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ کیا زندگی یونہی گزار دوں۔ جیسی کٹ رہی ہے۔"

"اپنی ماں کو اس کی اصل خوشی سے محروم رکھو گے منصب؟ اُس نے زندگی میں بہت دکھ دیکھے ہیں، مجھ میں ہمت نہیں ہے اس کا سامنا کرنے کی، تم تو اسے یہ خوشخبری سنا دو کہ اللہ نے اسے بھی بیٹے کی نعمت سے محروم نہیں رکھا تھا۔"

"جی، میں اتنا تو ضرور کروں گا۔"

"مجھے رضوانہ سے ملوا دو منصب، تو اس کے لیے یقین کرنا آسان ہو جائے گا۔"

"اور دیلہ دادی۔؟ اس کو یہاں سے کیسے؟"

"ضد اور ڈھٹائی سے منصب، اس کے علاوہ کوئی حل نہیں۔ رضوانہ بہت سیدھی اور نا سمجھ ہے۔ کہیں وہ اپنی نادانی میں بچی کا کچھ نقصان نہ کر بیٹھے۔"

"میں یہ نہیں ہونے دوں گا دادی۔ ہرگز نہیں۔" وہ فوراً ہی کمرے سے باہر نکل گیا۔ سیڑھیاں چڑھ کر سیکنڈ فلور پہ آیا۔ کمرے میں ایک ڈاکٹر کھڑا کچھ رپورٹس دیکھ رہا تھا، ساتھ ایک نرس کھڑی تھی۔

"آپ؟" ڈاکٹر نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔

"میں اے ایس پی میاندم۔" اس نے اوپری جیب سے اپنا کارڈ نکالا۔ "اس پیشنٹ کا کیس عام نوعیت کا نہیں ہے، گھریلو رنجش کے نتیجے میں تشدد اور مار پیٹ کا ہے۔ پیشنٹ کے گھر والوں میں سے اسپیشلی سسرالیوں، شوہر وغیرہ میں سے کسی کو اندر الاؤ

نہ کیا جائے۔ میں جلد ہی آپ کو پولیس کی رپورٹ اور ایک ڈیوٹی کا حوالدار فراہم کرتا ہوں۔ اس دوران پشت کے صرف محکمے والے یہاں ہوں گے۔ کوئی اعتراض کرے تو مجھ سے بات کروائیے گا۔" اس نے اپنا کارڈ ڈاکٹر کی طرف بڑھایا جو نہ صرف مرعوب بلکہ کچھ گھبرایا ہوا سا بھی دکھائی دینے لگا تھا۔

"اوکے...... میں سمجھ گیا۔" منعب بات مکمل کرکے ایک نظر بے ہوش پڑی وسیلہ پر ڈال کر باہر نکل گیا اور میں تھانہ پولیس اسٹیشن کے ایک افسر سے بات کی۔ ساری سچویشن سمجھا کر ایک حوالدار کو ڈیوٹی پر بلایا۔ اس کا ارادہ اب مومن سے تفصیلی بات کرکے اس کے ذریعے شکایت کی رپورٹ لکھوانا تھا۔ مومن کی شکایت درج ہونے کے بعد سارا عمل قانونی ہو جاتا۔ لیکن رات کے اس پہر مومن کو کال کرکے جگاتا۔

"اسلام وعلیکم۔" پشت پر سنائی دیتی آواز پر وہ چونک کر پلٹا۔

"مومن۔ آپ؟" وہ ازحد بے یقینی سے آگے بڑھا اور بے ساختہ مومن سے بغل گیر ہو گیا۔ اسے تو معلوم ہی نہیں تھا کہ مومن تھانہ پہنچ چکا ہے۔ قدرت یقیناً وسیلہ کا ساتھ دے رہی تھی۔ اس کے اندر یقین پختہ ہوا۔

☆☆☆

"یہ سب کیا بکواس ہے۔ پولیس کو کس نے بلایا ہر رپورٹ درج کرانے کا کیا مطلب ہے؟" ارحم چیخ چیخ کر بولتے مومن کو دیکھ رہا تھا۔ منعب، اور وہ پارکنگ میں کھڑے تھے جب ہاسپٹل کی عمارت سے نکل کر ارحم بھنایا ہوا سا ان دونوں کی جانب بڑھا تھا۔ یہ اگلی صبح کی بات تھی۔ وہ ناشتے کے بعد جب تک ہاسپٹل پہنچا، منعب نے تھانہ پولیس اسٹیشن سے رپورٹ تیار کروائی تھی۔ اسے ڈیوٹی کانسٹیبل نے وسیلہ کے کمرے میں نہیں جانے دیا تھا اور جب حقیقت حال معلوم ہوئی تو وہ مومن اور منعب پر چڑھ دوڑا تھا۔

"اس کی باتوں میں مت آؤ مومن، یہ ہماری ذاتی زندگیوں میں دخل دے رہا ہے۔ وسیلہ صرف ایک اتفاقی حادثے کا شکار ہوئی ہے۔ یہاں کوئی تشدد وغیرہ نہیں ہوا۔"

"تو پھر چلاؤ مت ارحم۔" منعب نے نتھنے پھلاتے غصے بھری نگاہ ارحم پر ایسے ڈالی کہ وہ بے ساختہ دو قدم پیچھے ہٹا تھا۔ "اور وسیلہ کا بیان آنے تک چپ ہی رہو، اگر وسیلہ کے ہوش میں آتے ہی اس کا بیان ہمارے متصادم اور تمہارے کہے کے مطابق ہوا تو رپورٹ بھی واپس لے لی جائے گی اور تمہیں بھی اجازت مل جائے گی۔"

"لیکن تم ہوتے کون ہو ہمارے خلاف رپورٹ درج کروانے والے۔ میں تمہاری شکایت۔"

"رپورٹ میری طرف سے درج ہوئی ہے ارحم!" مومن نے آگے بڑھ کر وضاحت دی اور لہجہ اتنا پُراعتماد تھا کہ ارحم لمحے کو گڑبڑا سا گیا۔

"بٹ مومن۔ کس بیس پر۔ جبکہ یہاں ایسا کچھ ہوا ہی نہیں۔ اور تم جس آدمی کے جھانسے میں آ رہے ہو، پرانا دشمن ہے ہماری حویلی کا۔ جڑیں کاٹی ہیں کم بخت نے یہاں کی۔ آج اپنی افسری پر اترا تا پھر رہا ہے۔ نمک حرام ہے یہ۔"

"بس ارحم۔" مومن نے اسے بیچ میں ٹوک دیا "ہمارے لیے سب سے اہم وسیلہ کا معاملہ ہے۔"

"تو جب اس نے ہمارے خلاف کوئی بیان ہی نہیں دیا تو ایسی شکایت درج کرنے کا کیا مطلب؟"

"کچھ ایسی باتیں سامنے آئی ہیں ارحم، جس کی بنا پر ہم یہ اقدام کرنے پہ مجبور ہوئے ہیں۔ باقی تم نیٹ ہو تو پریشان مت ہو، ہر چیز واضح ہو جائے گی۔" مومن نے لہجہ کرخت کیا۔

"میں بے شک نیٹ ہوں، لیکن تم لوگ شاید ہماری ریپوٹیشن کو نیٹ نہیں رہنے دو گے۔" ارحم نے اس بار مومن سے لہجہ سخت کیا "تم لوگوں کے رویے

کی وجہ سے یہاں علاقے میں ہماری بدنامی ہوگی۔ لوگ طرح طرح کی باتیں کریں گے۔"

"گزرے پانچ ماہ کے دوران کئی طرح کی باتیں ہم تک بھی پہنچی ہیں ارحم۔ بس تم کسی بحث میں مت پڑو۔ اور اچھے وقت کا انتظار کرو۔" مومن نے ابرو سے منیب کو کار میں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور وہ دونوں ارحم کو وہیں چھوڑ کر حویلی کی طرف روانہ ہو گئے۔ اُن کے ساتھ کار میں دادی تھیں۔ جن کی حالت خطرے سے مکمل باہر ہو چکی تھی۔ اب انہیں ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔ یہاں کے معاملات اب تسلی بخش تھے۔

دیبا کے کمرے کے باہر کانسٹیبل اور اندر فل ٹائم — نرس موجود تھی۔ اندر اب کسی کے جانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ منیب نے مومن کو ابھی تک کے وقت میں صرف دیبا سے متعلق اپنے خدشات اور گزرے چند دنوں میں جو کچھ پیش آیا تھا، فی الحال صرف اسی کے متعلق بتایا تھا اور مومن کے لیے یقین کرنا بہت آسان تھا کیونکہ دیبا کی موجودہ حالت کو دیکھتے ، اپنی کوتاہیوں پر جہاں صد درجہ پشیمانی پیدا ہوئی وہیں منیب کی پیرا نتھوں پر دل سے بے اختیار اس کے حق میں دعا نکلی۔ وہ نہ ہوتا تو جانے دیبا انہیں کس حال میں ملتی۔ اور باقی کی تفصیل معلوم ہونے کے لیے تو ظاہر ہے کہ دیبا کا ہوش میں آنا بہت ضروری تھا۔

☆☆☆

"منیب تم تھک گئے ہو گے۔ میرا خیال ہے تم اپنی سسٹر کے گھر جا کر آرام کرو۔" دادی کو حویلی چھوڑ کر مومن نے منیب کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں ہی پچھلی پوری رات کے جاگے ہوئے تھے۔ مومن کو اپنی فکر تو ہرگز نہ تھی کہ دیبا کے بھائی کی حیثیت سے یہاں کے تمام معاملات کی ذمہ داری اس کے اوپر تھی لیکن منیب کی بھاگ دوڑ کا اسے بہت احساس تھا۔

"بلکہ میں ہی تمہیں ڈراپ کر دیتا ہوں۔ پھر میں دوبارہ ہاسپٹل جاؤں گا۔ ایک تو دیبا کے پاس کوئی نہیں۔ اور ڈاکٹر بھی ڈیوٹی پر آنے والا ہوگا۔"

"او کے تو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ دن کو آرام کرنا کسے کہتے ہیں بھائی، مجھے معلوم نہیں ہے۔" وہ مسکرایا تو مومن بھی ہنس پڑا۔ منیب جیسے مستعد فعال پولیس آفیسر پر یہ جواب خوب جچا تھا۔

"اچھا تو پھر سیالکوٹ روانہ ہو سکتے ہو۔ کل سے تو تمہاری ڈیوٹی بھی ہے۔"

"ہاں۔ واپس تو جانا ہے۔" منیب کی گہری آہ بڑی ہی بے ساختہ تھی۔ کچھ گھنٹوں پہلے کے نئے انکشافات، ہر تھوڑی دیر بعد دماغ سے ٹکرا کر اس کے اندرونی نظام کو منتشر کر رہے تھے۔ یہ اس کی اعصابی مضبوطی تھی کہ وہ بیرونی طور پر ایک دم نارمل دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ ابھی دن کے آٹھ بجے تھے۔ ڈاکٹر نے ڈیوٹی پر نو بجے آنا تھا۔ سیالکوٹ کا سفر ویسے بھی اتنا طویل ہرگز نہیں تھا کہ فوراً وہاں کے لیے نکلا جاتا۔ ابھی یہاں کے بہت سارے معاملات بہت اہمیت کے حامل تھے۔ لیکن مومن اس کے صد درجہ کنسرن پر بے چینی اور بے زاری بھی محسوس کر سکتا تھا۔ پھر معاملہ دیبا کی سسرال کا تھا۔ مومن کا ایک غیر مرد کو ساتھ لگائے پھرنا یہاں کسی کے لیے بھی قابل قبول نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے مختصر وقت میں کچھ سوچا اور طے کر کے مومن کی طرف دیکھا۔

"ڈاکٹر کے آنے میں ابھی ایک گھنٹہ ہے۔ کیوں نہ قریب کسی ریسٹورنٹ میں ناشتہ کر لیا جائے۔ مجھے ابھی تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

مومن نے اس کے لہجے میں سنجیدگی کے ساتھ ساتھ، ایک الجھن اور بے چینی بھی محسوس کی اور سر ہلا دیا۔

"او کے۔ یہ ٹھیک ہے۔ ویسے بھی بہنوئی پر پرچہ کٹوانے کے بعد مجھے اس کے گھر کا نمک نہیں کھانا چاہیے۔" اس بار وہ ہلکی لطافت کے ساتھ مسکرایا تو منیب کھل کر ہنس دیا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆

www.pklibrary.com

وسیلہ اور منصب اس طوفان میں ملتے ہیں۔ اتفاقاً وسیلہ ایک بچے پر پیچھے منصب سے ٹکراتی ہے وہ اسے مختصر راستے سے اپنے گھر لے کر جاتا ہے۔ لیکن وہ اس پر شک کرتی ہے بعد میں اسے منصب کے گھر اسی بچے کی غرض سے جانا [illegible] ہے وہ شرمندہ ہوتی ہے۔

تحریم [illegible] وسیلہ، منصب اور رمشہ کو انوائٹ کرتی ہے۔ منصب اور رمشہ کو وسیلہ اچھی لگتی ہے تحریم اور مومن پوری فیملی [illegible] گھومنے جاتے ہیں اسی سفر میں وسیلہ اور منصب کی پھر ملاقات ہوجاتی ہے۔

ارحم رضوانہ اور ان کی [illegible] لیتا ہے اور شہناز اور دادی کو بھی ان سے ملوانے لاتا ہے۔ رضوانہ کا خوف ختم ہوجاتا ہے شہناز ارحم کے لیے وسیلہ کو [illegible] گئی ہے۔ منصب کو جب یہ بات پتا چلتی ہے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

مومن کی شادی الیزا سے ہوجاتی ہے وہ اس رشتے کو قبول [illegible] کیونکہ اس کے انکار کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ تانیہ عیسیٰ کے بھائی کا علاج کرتی ہے۔ وہ اس لڑکی کی شادی کا بھی [illegible] کرلیتا ہے۔ عیسیٰ اس سب کا ذمہ دار ڈاکٹر تانیہ کو سمجھتا ہے۔ اس کے کلینک پر توڑ پھوڑ کی جاتی ہے۔ وہ بیچ [illegible] ارحم آجاتے ہیں۔ شہناز شادی میں دادی کو نہیں لاتی۔ منصوبے کے تحت وہ وسیلہ کو اپنی ٹیم پاگل، ممن کے ساتھ [illegible] نے میں بند کردیتی ہے۔

نویں قسط

digest novels lovers group

www.pklibrary.com

"تمہیں اپنی حرکت پر پچھتاوا نہیں ہوگا۔ ڈونٹ وری۔" منصب نے موحن کے کندھے کو تسلی کے انداز میں دبایا۔

وہ دونوں کار میں بیٹھ گئے۔ ریسٹورنٹ تک منصب نے اس کی رہنمائی کی۔ اور وہ دونوں جلد ہی ایک پرسکون سے ریسٹورنٹ کی چھت پر آ بیٹھے۔ وہاں ان دونوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ منصب نے خوب سوچ کر یہ ارادہ کیا تھا کہ دادی کی بتائی معلومات کے متعلق اسے سب سے پہلے موحن کو آگاہ کرنا چاہیے۔

وہ ایک نہایت سلجھا ہوا، سمجھ دار مرد نظر آتا تھا۔ آگے کے حوالے سے منصب کو صرف وہی بہتر رہنمائی دے سکتا تھا۔ تب ہی منصب نے اسے پچھلی رات کی تمام باتیں دھیرے دھیرے گوش گزار کر دی تھیں۔ جو موحن کے لیے بھی اتنی ہی حیرت انگیز ثابت ہوئیں جتنی کہ منصب کے لیے تھیں اور جن کے اثر سے وہ اب تک نہیں نکلا تھا۔

"یہ سب بہت عجیب ہے منصب۔" موحن فوری طور پر جیسے کچھ بھی کہنے کے قابل نہیں تھا۔ ذہن میں بیک وقت بہت سارے معاملات چلنے لگے۔ بہت سے سوالات.......

"منصب...... پھر دادی نے وسیلہ کی شادی یہاں کیوں ہونے دی۔ وہ تو ان لوگوں کی ذہنیت......"

"دادی اس معاملے میں بے قصور ہیں۔ کیونکہ انہوں نے آخری دن تک جدوجہد کی کہ آپ لوگوں کو روک دیں۔ لیکن ان سب نے دادی کی آپ لوگوں تک رسائی ہی نہیں ہونے دی۔"

"اوہ ہاں۔ دادی تو شادی میں بھی شریک نہیں ہوئی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ بیمار ہیں۔" موحن اب ساتھ ساتھ سوچ رہا تھا۔

"منصب...... مجھے تو اب کچھ بھی ٹھیک نہیں لگ رہا۔ جانے وسیلہ کے ساتھ گزرے پانچ ماہ میں کیا سلوک ہوا۔ لیکن......" وہ پھر اٹک گیا۔ "وسیلہ کی امی ابی سے باقاعدگی سے بات چیت ہوتی تھی۔ پھوپھو تو بہت مطمئن تھیں۔۔۔ اُف۔ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا...... اور اب...... یہ تمہارا معاملہ...... تم حویلی کے وارث ہو۔ اور برسوں سے یہ بات دنیا والوں سے مخفی ہے...... تو پھر...... آگے کیا ہوگا۔"

"اتنا مت سوچو موحن۔ فی الحال بس وسیلہ کا معاملہ اہم ہے۔" ان دونوں نے ناشتہ کر لیا تھا۔ منصب جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ موحن بھی ایک ٹھنڈا سانس بھرتے اٹھ گیا۔ زندگی بھی کبھی کبھار نجانے کیسا موڑ لیتی ہے۔ سمجھنا مشکل ہے۔

☆☆☆

"آپ......؟" ڈاکٹر نے ذہن پر زور دینے کی کوشش کی۔

"جی میں موحن احمد...... وشیبہ کا بھائی ہوں۔"

"اوہ آئی سی۔ تو موحن صاحب۔ یہ آپ کی سسٹر کی فائل میں نے تیار کر لی ہے۔ سر کا زخم ابھی کچھ گہرا ہے۔ مجھے اندرونی چوٹوں کے معاملے میں ذرا تشویش ہے۔ لیکن کچھ ٹیسٹ ایسے ہیں جن کی یہاں ہمارے ہاسپٹل میں سہولت موجود نہیں ہے۔ اور اسی لیے میں نے جنید کو پشاور کے ایک ہاسپٹل ریفر کیا ہے۔ آپ کو انہیں جلد از جلد پشاور لے جانا ہوگا۔"

"کیا آج ہی......؟" موحن نے فائل ہاتھ میں لی۔

"ایز سون ایز پوسیبل موحن...... ہم نے ریفر کر دیا ہے۔ آگے اب آپ کی مرضی۔"

"جی۔ ٹھیک ہے، ہم آج ہی اُسے لے جانے کا بندوبست کرتے ہیں۔" موحن کے ذہن میں بہت سے معاملات ایک ساتھ گردش کر رہے تھے۔ اس نے سوالیہ منصب کی طرف دیکھا۔

"ہوں......" منصب فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ "ہم ڈسکس کر لیتے ہیں۔"

"شیور!" ڈاکٹر نے مسکرا کر دیکھا اور دونوں باہر نکل آئے۔

www.pklibrary.com

"اُف!" موسن نے گہرا سانس خارج کیا۔

"میں واقعی کچھ سمجھ نہیں پا رہا موسن..... اور مجھے بالکل سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں پھوپھو کو کیسے....."

"ابھی وہ سب مت سوچو موسن..... فی الحال ہمیں وسیلہ کے بارے میں سوچنا ہے۔ اسے پشاور لے جا کر اس کا علاج کروانا ہے اور شکر کرو کہ وہ تھانے سے بالآخر نکل رہی ہے۔"

"ہاں، میں بھی اطمینان محسوس کر رہا ہوں۔ پچھلے کئی گھنٹوں سے ہم یہاں دشمنوں کے بیچ بیٹھے ان کی مہمان نوازی کا احسان لے رہے ہیں، جو کہ اب میری برداشت سے باہر ہے لیکن اب چونکہ وسیلہ ہی پشاور جا رہی ہے تو ہماری یہاں رکنا بے معنی ہے۔ تم اپنا بتاؤ..... آج اتوار ہے لیکن کل تو....."

"ہاں کل سے ڈیوٹی ہے لیکن میں چھٹی لے سکتا ہوں، تم حکم کرو۔"

"چھٹی لینے کی ضرورت نہیں، میں کچھ اور سوچ رہا ہوں۔" موسن نے ٹرن لے کر کار حویلی کے باہر روکی۔ باتیں کرتے وہ جلدی ہی حویلی واپس آپہنچے تھے۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم پھوپھو، اطیاء اور بچوں کو لے کر ویانہ چلے جاؤ۔ ان کو گھر چھوڑ کر کل اپنی ڈیوٹی بھی دے دو..... میں یہاں سے وسیلہ کو ایمبولینس میں پشاور لے جاتا ہوں۔ میری کار بھی میرے پاس رہے گی۔ ایمبولینس میں اس کے ساتھ ایک لیڈی نرس ہوگی، میں کار میں ساتھ ساتھ جاؤں گا۔ وہاں مجھے موومنٹ میں آسانی رہے گی۔ پھر تمہارے پاس تو اپنی جیپ ہے۔"

"اکیلے مینج کر لو گے؟" منصب بیچ اتر آیا۔

"ہاں ان شاء اللہ۔ پھر جاتے ہی اسے ایڈمٹ کروانا ہے۔ ڈاکٹر کی اپائنٹمنٹ آل ریڈی مل چکی ہے۔ کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔"

"او کے..... تو پھر ابھی؟"

"ہاں، ابھی۔"

"ٹھیک ہے، پھر میں سیٹیں رکتا ہوں۔ تم ان سب کو لے آؤ۔"

"میں بھی کہاں اندر جا سکتا ہوں۔ تم شاید جانتے نہیں....." موسن ہلکا سا ہنسا پھر اسی کو کال ملا دی۔

"آئی انڈر اسٹینڈ۔" وہ بھی مسکرا دیا۔ وہ کیا جانتا نہیں تھا یہاں کے ماحول کو۔ نسوانہ چادر اوڑھے بڑے گیٹ کے باہر آئیں۔ یہ حویلی بھی ویسی طرز کی بنی ہوئی تھی۔ یہاں آس پاس کم ہی کوئی دکھائی دیتا تھا۔ ساتھ ہی ڈیرے کی دیوار تھی۔

"آگئے بیٹا..... وسیلہ کیسی ہے؟"

"جی پھوپھو..... وہ ٹھیک ہے۔ دراصل ڈاکٹر سے ابھی بات ہوئی ہے۔ اس نے کچھ اور ٹیسٹوں وغیرہ کے لیے وسیلہ کو پشاور ریفر کیا ہے۔ آج ہی چار بجے کے قریب چیک اپ ہے۔"

"اوہ..... کوئی پریشانی کی بات۔" ان کا چہرا ہی اتر گیا۔

"ارے نہیں پھوپھو..... یہاں تھانے میں سہولت نہیں ہے۔ اس لیے..... اور کوئی بات نہیں..... آپ فی الحال تیار ہوں..... ویانہ جانے کے لیے..... میں وسیلہ کو پشاور لے جا رہا ہوں۔ آپ منصب کے ساتھ گھر واپس جائیں۔"

"مجھے وسیلہ کے ساتھ رہنا ہے۔ اور ہم کسی غیر کے ساتھ کہیں نہیں جائیں گے۔" انہوں نے بنا لحاظ ایک کڑی نظر منصب پر ڈالی..... شہباز کے رونے دھونے سے پتا چلا تھا کہ منصب نے ہاسپٹل میں پولیس بلوالی تھی۔ ارحم کی شکایت درج ہوئی وغیرہ.....

"منصب غیر نہیں....." موسن جذباتی انداز میں آگے بڑھا لیکن منصب نے اس کی کلائی تھام کر روکا۔ نہیں نظر میں اشارہ کیا جس پر موسن نے ایک سانس کھینچا۔

"آپ کچھ نہیں جانتیں پھوپھو۔ بلاوجہ شہباز تائی اور ارحم کے جھانسے میں مت آئیں۔ میں

www.pklibrary.com

نے آپ کو دیلہ کے حالات کے متعلق بہت کچھ بتانا ہے لیکن ابھی موقع نہیں ہے۔ آپ بس گھر واپسی کی تیاری کریں۔ اور اگر آپ میرے ساتھ آنا چاہتی ہیں تو آ جائیں..... میں ایلیا اور بچوں کو منصب کے ساتھ بھیج رہا ہوں اور۔"

"نہیں نہیں..... ایسے کیسے....." رضوانہ امی بیوی کی طبیعت اور مزاج کے باعث فوراً ہی ردعمل دے بیٹھی تھیں۔ اس بار مومن اور منصب کی ایسی پیچیدہ صورت حال میں بھی ایک ساتھ ہنسی چھوٹ گئی۔ مومن کے لیے منصب کی ٹکی بہن کو اس کے ساتھ اکیلے بھیجنے میں بھلا کیا پرابلم ہو سکتی تھی لیکن پھوپھو یہ بات نہیں سمجھ سکتی تھیں۔ پھر ایلیا کو بھی ابھی کچھ پتا نہیں تھا اس نے بھی سنجیدہ کیا۔

"بس آپ ابھی نکلیں پھوپھو..... اور اتنا سمجھ لیں کہ اس جگہ کو جلد از جلد چھوڑنے میں ہی دیلہ اور ہم سب کی بھلائی ہے۔"

"ہم آتے ہیں۔" وہ اس بار بنا کچھ کہے اندر چلی گئیں۔

"سوری یار..... وہ....." مومن نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن منصب نے ہاتھ اس کے شانے پر رکھ کر روک دیا۔

"ماں ہے میری۔ کہنے دو۔ ایک ساتھ سارے لاڈ اٹھواؤں گا۔" وہ ہنس دیا اور مومن نے بے ساختہ آگے بڑھ کر منصب کو گلے سے لگا لیا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا منصب! تم میرے سگے پھوپھو زاد، میرے بھائی ہو، اور میں نے اتنے سال اکیلے ان ڈھیر ساری عورتوں کے چنگل میں ایک بھائی، ایک دوست کی کمی محسوس کرتے گزار دیے۔"

"اب میں آ گیا ہوں نا..... اور فکر نہ کرو..... میں بھی دو عدد خواتین سمیت آیا ہوں۔ تمہارے گھر کی رونق میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔" وہ بات کو لائٹ لیتے اس کا کندھا تھپک رہا تھا۔ عین اسی وقت ایلیاء ربا کو لیے باہر نکلی تو مومن کو نہایت محبت سے منصب سے بغلگیر دیکھا۔

مومن کے چہرے پر اس کے لیے اتنی محبت اتنی اپنائیت تھی کہ وہ حیرت سے دیکھ کر رہ گئی۔ پچھلے کچھ گھنٹوں سے وہ مسلسل امی کے منہ سے منصب کی برائیاں سن رہی تھی۔ اسی کی وجہ سے انہیں دیلہ کی سسرال میں شرمندہ ہونا پڑا تھا۔ امی کے نزدیک وہ رشتے سے انکار کیے جانے کی دشمنی نکال رہا تھا۔

"ایک منٹ!" وہ اسے چھوڑ کر ایلیا کے نزدیک آیا جو اس کی کار کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"ادھر نہیں ایلیا..... وہاں منصب کی جیپ میں بیٹھنا ہے۔"

"اچھا.....؟" وہ اسے تعجب سے دیکھ رہی تھی۔ مومن نے اسے اور امی کو پیچھے بیٹھنے میں مدد دی۔ منصب نے فوراً ہی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ میمونہ کا گھر راستے میں پڑتا تھا۔ منصب نے طے کیا کہ جیپ باہر روک کر وہ بس کھڑے کھڑے اسے خدا حافظ کہہ آئے گا..... اور مزید دل میں یہ ارادہ کیا کہ کچھ دنوں تک میمونہ اور انیس کو مناسب بلا کر ان سب کے سامنے وہ حقیقت کھولے گا جس نے اندر ہی اندر شدید طوفان برپا کر رکھا تھا۔ نجانے سب کچھ کیسے ہو گا۔

☆☆☆

معلوم نہیں وہ شام دھندلی سی تھی یا منصب کی آنکھوں کے سامنے کوئی چادر تن رہی تھی۔ وہ رومال سے آنکھیں مسلتا اپنی جگہ چھوڑ کر باہر نکل آیا..... دل بھی ایکدم مضطرب اور بوجھل ہو گیا تھا۔ کچھ دیر پہلے اسے پشاور سے مومن کی کال آئی تھی۔ دیلہ اور اسے پشاور میں تیسرا دن تھا۔ اس کے سی ٹی اسکین ہوتے رہے تھے۔ سر کے زخم کی بیرونی بینڈیج وغیرہ بھی ہوئی تھی۔ زخم اب بھر رہا تھا۔ دیلہ کے سر کی چوٹ درمیان سے ذرا سا دائیں ہاتھ کی طرف لمبائی رخ لگی تھی۔ آج ڈاکٹر نے کچھ رپورٹس کے ساتھ دیلہ کو ہاسپٹل سے ڈسچارج کر دیا تھا۔ مومن نے بتایا تھا کہ دیلہ کو پچھلے روز مکمل ہوش آ گیا تھا۔ بظاہر وہ نارمل دکھائی دیتی ہے۔ کھانا پینا بھی ٹھیک رہا

www.pklibrary.com

تھا۔ البتہ ابھی اسے لیکوئڈ ہی دیا جا رہا تھا کیونکہ چباتے وقت اسے سر کے زخم میں درد ہوتا تھا۔ موحن نے بتایا کہ بات چیت سے فی الحال ڈاکٹرز بھی منع کر رہے ہیں اس لیے وہ خود بھی خاموش ہے اور دیلہ سے کسی قسم کا کوئی سوال نہیں کیا۔ پریشان کن بات اس سارے معاملے میں یہ بھی کہ ڈاکٹرز کے مطابق دیلہ کے دماغ کا (right hemisphere) متاثر ہوا تھا۔ جس کی بنا پر کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ وہ عام زندگی میں اب کیسے ری ایکٹ کرے گی۔

ڈاکٹرز کے مطابق اس کے معمولات زندگی پر گہری نظر رکھنا ہوگی اور گھر کے افراد ہی بتا پائیں گے کہ آیا وہ پہلے جیسی دیلہ ہے یا اس میں کہیں کوئی تبدیلی آئی ہے۔ موحن اسے اپنے ساتھ لے آئی تھی۔ منیب بھی واپس آ رہا تھا۔

"کیا ہوا منیب...... کچھ پریشان لگ رہے ہو؟" رمشہ چائے کے دو کپ ہاتھ میں لیے اس کے پیچھے کچن میں نکل آئی۔ منیب نے ایک گہرا سانس کھینچ کر کپ ہاتھ میں لیا اور کچن میں لگنے والی دو کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا۔

"کچھ نہیں۔" اس نے چائے کا گھونٹ بھر لیا۔

"موحن اور تمہارے بیچ آج کل کیا باتیں ہوتی ہیں......؟ کیا وہ تمہارا اچھا دوست بن گیا ہے...... اور پھر اتنا گہرا کہ دن میں کئی کئی بار کال آتی ہے اور یوں لگتا ہے جیسے وہ ہر بات ہی آج کل تم سے ڈسکس کرتا ہے۔" رمشہ نے گزرے دو تین دنوں میں جو محسوس کیا، بنا توقف اگل بھی دیا۔ منیب نے ایک نظر بہن کو دیکھا اور کھل کر ہنس دیا۔

"تم سے تین دن بھی کیسے صبر ہوا...... ہوں؟"

"ارے بھئی جو دیکھا وہی تو پوچھ رہی ہوں۔ تھانہ میں ایک ڈیڑھ دن ایک ساتھ گزارنے کے بعد کافی گہرے مراسم لگنے لگے ہیں تم دونوں کے۔"

"مجھے ویسے یہ لگ رہا ہے رمشہ کہ جیسے تم پوچھ نہیں رہی بلکہ بتا رہی ہو......" وہ ابھی تک ہنس رہا تھا۔ "باقی تمہارے سب ہی سوالوں میں ہی تمہارا ہر جواب بھی ہے۔"

"جیسے......؟"

"جیسے یہ کہ ہاں ان ہی ڈیڑھ دو دنوں میں دوستی گہری ہوئی۔ اور یہ کہ ہاں وہ اب مجھ سے ہر بات ڈسکس کرتا ہے۔ تیسرے یہ کہ...... خیر......" اس نے سر جھٹک کر خود کو کچھ اور کہنے سے روکا۔

"تم سے مجھے یہ کہنا تھا کہ میمونہ کو کال کر کے کچھ دنوں کے لیے یہاں بلا لو...... ساتھ انیس بھی ہو تو زیادہ بہتر ہے۔"

"کیوں، خیریت تو ہے؟"

"ہاں سب خیریت ہے، اور کل دیلہ بھی ہسپتال سے لوٹ رہی ہے۔ ہم اس کی عیادت کو بھی جائیں گے۔"

"اچھا شکر ہے...... الحمدللہ...... ٹھیک تو ہے اب وہ؟"

"ہاں ڈاکٹرز نے ڈسچارج کر دیا ہے۔ بظاہر ٹھیک ہے۔"

"بظاہر......؟" وہ چونکی۔

"ہاں، مطلب فی الحال تو یہی آثار ہیں۔ آگے بھی سب خیریت رہے...... اصل میں سر کا زخم ہے تو ڈاکٹرز کو خدشہ ہے دماغ پر کوئی اثر نہ ہوا ہو۔"

"اف خدایا...... ایسا کچھ نہیں ہوگا۔"

"اور ہاں میری میمونہ سے بات کروا دینا۔ وہ اور انیس اگر گاڑی میں آئیں تو دادی کو ساتھ لیتے آئیں۔ ان کا وہاں رہنا بھی فی الحال ٹھیک نہیں ہے۔ وہ خود بھی یہاں آنا چاہتی ہیں۔ باقی ارحم وغیرہ اگر آڑے آنے کی کوشش کریں تو انہیں کو تھانہ کے ایس پی صاحب کا نمبر نوٹ کروا دوں گا۔ دادی اس سے خود بات کر کے کہہ دیں گی کہ انہیں ان کی بیمار پوتی سے ملنے سے روکا جا رہا ہے۔"

"یار بخش دو بے چاروں کو...... کیوں اچھے بھلے لوگوں کے ساتھ پولیس والا برتاؤ کیے جا رہے ہو۔" رمشہ لاپروائی سے ہنسی۔

www.pklibrary.com

"بخشنے والا تو اب میں بالکل نہیں۔۔ ان کے کھاتے تو مجھ کھلے ہی اب ہیں۔" وہ خالی کپ لیے فوراً ہی اندر جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ دل ایک نئی نئی خبر کے احساس سے پھر بھاری، درد سے پر اور نجانے ...... کیا کیا ...... وہ سر جھٹک کر اندر بڑھ گیا۔

"ایسا میری ہی لائف میں کیوں ہوتا تھا۔" یہ سوال اندر سے اٹھا اور شاید اس کے جیتے جی پیچھا چھوڑنے والا نہیں تھا۔

☆☆☆

وسیلہ کا بیڈ رضوانہ نے اس کے آنے سے پہلے اپنے کمرے میں لگوا لیا تھا۔ موحسن نے وسیلہ کی آمد سے پہلے ہی فون پر انہیں بتا دیا کہ وسیلہ کو اب انہوں نے اپنے پاس ہی رکھنا ہے اور اگر ارحم اور تائی اچھا بننے کا ڈھونگ کرتے پیچھے بھاگتے آئیں بھی ــ تو ان کی کسی بات میں نہیں آنا۔ باقی اسے پورا یقین تھا کہ وسیلہ جلد ہی جب خود بات کرنے کے قابل ہو جائے گی تو اس کا ایک بیان ہی کافی ہوگا، وسیلہ کو ان سب سے دور کرنے کے لیے۔

البتہ منصب کے موضوع پر بولنے کے لیے موحسن کو بہت ہمت درکار تھی۔ نہ تو وہ بات کال پہ کرنے کی تھی، نہ ہی بنا سوچے سمجھے کہنے کی۔ اس لیے پہلے وسیلہ کا معاملہ اہم تھا۔ اور ادھر دوسری جانب بابا کی طبیعت بھی اسلام آباد میں بہت بہتری کی طرف مائل تھی۔ ڈاکٹر نے دوائیں، کچھ تھراپی وغیرہ تجویز کی تھیں۔ دو تین روز میں ان کی بھی واپسی تھی۔ احسن خود انہیں چھوڑنے آ رہا تھا۔

"آں ...... وہ ...... سنو ......" موحسن نے جاتی ہوئی ایلیا کو کچھ جھجک کر آواز دی۔ وسیلہ کو گھر واپس آئے تین گھنٹے ہو چکے تھے۔ سفر کی تھکاوٹ بہت تھی اس لیے وہ آتے ہی سو گئی تھی۔ رضوانہ اس کے آرام کی خاطر عدوت کے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ سوچا جب اٹھ جائے گی تب آرام سے اس کے پاس بیٹھ کر حال احوال کریں گی۔ ایلیا بیگی کو آج مہینوں بعد ڈھیر سارا پیار کریں گی۔ جانے کتنی باتیں سوچی تھیں وسیلہ سے کرنے کے لیے ...... وہ دل ہی دل میں سوچتی جاتیں اور مسکراتی جاتیں ......

"جی ......" وہ جاتے جاتے واپس پلٹ آئی

"ہو سکتا ہے آج کسی وقت منصب اور اس کی سسٹر وسیلہ کی عیادت کو آئیں۔"

"اچھا ...... اچھا ......" وہ پھر پلٹ گئی۔

"رکو یار!" موحسن نے جھنجلا کر اس کی کلائی تھامی، اور وہ چونکہ جا رہی تھی تو اچانک کھنچنے پر کھنچی چلی آئی۔ موحسن نے کندھے سے تھام کر سیدھا کھڑا ہونے میں مدد دی۔ چہرے پر البتہ غصہ تھا۔

"دوڑی کیوں جا رہی ہو ...... میں نے کیا یہ کہنے کے لیے روکا تھا۔"

"سوری ......" وہ پیچھے کھسکنے لگی۔

"میں نے محسوس کیا ہے کہ پھوپھو کا رویہ ان لوگوں کے ساتھ اچھا نہیں ہوتا ......" وہ شاید منصب کو اس سب کی وجہ سمجھتی ہیں ...... مطلب کہ وہ جو شکایت کی رپورٹ ہم نے وسیلہ کی سسرال کے خلاف لکھوائی۔"

"جی ......" وہ اب آرام سے سن رہی تھی۔

"میں چاہتا ہوں تم ذرا ان کی آمد سے پہلے پھوپھو کو تھوڑا سمجھا دو کہ ایک تو منصب کا اس میں کوئی لینا دینا نہیں۔ شکایت میں نے درج کروائی تھی، دوسرے ان کے ساتھ اچھے انداز میں پیش آنا ہے۔ منصب میرا بہت اچھا دوست بن چکا ہے۔ اگر پھوپھو نے کوئی ایسا ویسا جملہ بول دیا تو میرے لیے بہت امبیرسنگ ہوگا۔"

"جی اور رمعہ بھی میری بہت اچھی دوست ہے۔ امی تو باقاعدہ اس سے ملنے پر مجھے جھاڑ پلاتی رہی ہیں۔" ایلیا نے اپنا دکھڑا رویا تو موحسن کو ہنسی آ گئی۔

"تو ٹھیک ہے، اب تم ہی معاملات کو سلجھا بھی آؤ۔"

"میری بات ویسے تو نہ مانتیں، آپ کا حوالہ دوں گی تو بھی نہیں مانیں گی۔"

www.pklibrary.com

"کیوں...... داماد کا رعب ہے، اس لیے؟" مومن کا موڈ اچھا ہوا۔

آج کل ایلیا کی موجودگی نجانے کیوں اچھی لگنے لگی تھی۔ وہ نظروں سے اوجھل ہوتی تو وہ اسے ڈھونڈتا پھرتا...... پشاور کے تین دنوں میں سب سے زیادہ اس نے ایلیا کی موجودگی کو مس کیا تھا۔ لیکن ابھی وہ یہ بات ایلیا سے تو کیا خود اپنے آپ سے بھی کھل کر کہہ نہیں پایا تھا۔ ہاں بس کسی بہانے اس کو روک کر کوئی بات کرنا ایک بے اختیاری عمل تھا۔ حتیٰ کہ وہ خود بھی یہ سمجھتا تھا کہ اسے روکنا اور بات کرنا ضروری تھا اس لیے روکا۔

"جی وہ تو ٹھیک ہے......" ایلیا نظریں نہیں ملا پائی۔ مومن کا خود کو داماد کہنا اسے شرم دلا رہا تھا، جس سے نپٹنے کے لیے تحرک نکل کر لہجے کو نارمل رکھنے میں کوشاں تھی۔ "وہ آپ سے بہت پیار کرتی ہیں۔"

اس نے کہہ کر فوراً ہی باہر کی راہ لی۔ اور "پیار" سن کر مومن کا دل بے ساختہ بہت بے ڈھنگے انداز میں دھڑکا تھا۔ گلا خشک ہوا اور دل سے ایک عجیب سی خواہش، وہ بھی پہلی مرتبہ...... باقاعدہ ایک جملہ، ایک سوال بن کر نکلی۔

"کیا یہ لفظ کبھی زندگی میں وہ ایک دوسرے کے لیے بھی استعمال کر سکتے ہیں؟" اور پھر گھبرا کر سر جھٹکتے وہ باہر نکل گیا۔ نجانے کیسا بے تکا خیال آیا تھا۔ وہ بھی اس کے دل میں...... ایلیا کے لیے...... نہیں نہیں یونہی...... میں بھلا اس کے لیے اس طرح کے جذبات......" اس نے خود اپنی تسلی کے لیے باقاعدہ سر نفی میں ہلایا۔

☆☆☆

منعب جب رمعہ کو لے کر وسیلہ کی عیادت کو آنے لگا تو تانیہ نے بھی ساتھ چلنے کی اجازت مانگی۔ منعب کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ وہ تانیہ کو اپنے ساتھ لے آیا۔ ایلیا کو ان کی آمد کا پہلے سے علم تھا۔ امی کو ایلیا نے مومن کی ناراضی کا حوالہ دے کر سمجھا دیا تھا کہ وہ ان کے سامنے اپنی ناگواری بھی ظاہر نہیں کریں گی۔

رضوانہ ویسے بھی وسیلہ کی وجہ سے چپ چپ سی تھیں۔ انہوں نے بنا کوئی تبصرہ کیے ایلیا کی بات سنی۔

انہیں لگاتار ایک ہی فکر ستائے جا رہی تھی کہ وسیلہ ابھی تک اتنی خاموش کیوں تھی۔ اور ایسا لگتا تھا کہ اسے چپ لگ گئی تھی۔ اس نے پانی مانگا تھا پر درد کی گولی مانگی تھی۔ لیکن وہ بہت سہمی ہوئی سی لگتی تھی۔ حالانکہ اب تو وہ اپنوں میں آ گئی تھی۔ وہ بھی اتنے عرصے بعد...... اپنوں کو دیکھ کر اس کے چہرے پر کم از کم رونق تو دکھائی دیتی۔ نجانے اس کی نظروں میں ایک خوف کیوں نظر آتا تھا۔

رمعہ اور تانیہ اندر آئیں تو زیادہ وقت رضوانہ آنٹی اور ایلیا کے ساتھ ڈرائنگ روم میں گزرا۔ وسیلہ تب بھی آرام کر رہی تھی۔

مومن اور منعب باہر لان میں بیٹھ گئے۔ ایلیا نے تھوڑی سی دیر میں ہی محسوس کر لیا کہ امی ان دونوں کے ساتھ بہت نارمل انداز میں وسیلہ کی بیماری کا حال احوال دے رہی تھیں۔ وہ یہاں سے تسلی ہونے پر کچن میں آ گئی۔ چائے بنا کر دو ٹرے تیار کیں۔ رمعہ اور تانیہ کو خود سرو کر کے واپس کچن میں آئی اور مومن کو کال ملا دی۔

"جی وہ چائے لے جائیں۔"

"ہم گھر کے باہر والے لان میں بیٹھے ہیں...... لے آؤ......" مومن کا لہجہ یکدم نارمل تھا۔ ایلیا کو سخت تعجب ہوا۔ مومن پردے وغیرہ کے معاملے اسے کافی سخت نظر آیا تھا۔ اور منعب کے معاملے میں تو اس کا رویہ بھی دیکھ چکا تھا۔ وہ ہرگز یہ توقع نہیں کر رہی تھی کہ وہ اسے چائے لانے کو کہے گا۔

"آپ اگر آ جاتے تو......" وہ جھجک گئی۔

"ہوں آ جاتا ہوں۔" وہ ہلکا سا مسکرا کر رہ گیا۔

اور کچھ ہی دیر گزری کہ کچن میں اس کے پاس موجود تھا۔

"اب اتنا اہتمام کیا ہے تو...... سرونگ بھی خود

www.pklibrary.com

کرنی چاہیے۔" وہ بہت ہلکے پھلکے انداز میں مسکرا رہا تھا۔ ایلیا کو خاک سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ آخر وہ اسے سامنے لانے پر مصر کیوں تھا۔

"میرے ساتھ آؤ نا......" وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ ایلیا نے گھبرا کر نفی اثبات میں ہلایا۔ "تم آؤ...... ہم دونوں لے جاتے ہیں۔ منیب تم سے ملنا چاہتا ہے۔"

"مجھ سے...... کیوں؟" وہ پھر اسے گھبرا کر دیکھ رہی تھی لیکن مومن ایک ٹرے لے کر آگے بڑھ گیا۔ ایلیا نے دوپٹہ درست کر کے باقی سامان اٹھایا اور اس کے پیچھے پیچھے لان میں آ گئی۔ ان کے دونوں گھروں کے گیٹ کے سامنے والی جگہ بھی گھر کے احاطے میں آتی تھی۔ وہاں باڑھ لگا کر لان بنایا گیا تھا۔ جس کے بیچوں بیچ دو راستے دو دروازوں کی طرف جاتے تھے۔ منیب اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔ ایلیا نے جھک کر ٹرے میز پر رکھی اور سر پر ایک ہاتھ محسوس کرتے حیرت سے اوپر دیکھا۔ منیب نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ اسے ایسی اپنائیت بھری نرم نگاہوں سے دیکھ رہا تھا کہ ایلیا کے لیے ٹھہرنا مشکل ہو گیا۔ کسی کا سر پر ہاتھ رکھ کر عزت دینا ان کے ہاں بہت احترام اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ خصوصاً جب رشتہ بہت تقدس بھرا ہو۔

"بیٹھو......" مومن نے ایلیا کو اشارہ کیا تو وہ پھر حیران ہو گئی۔

"چائے تمہیں بناؤ گی۔" مومن چھیڑ رہا تھا۔ وہ جھینپ کر چائے نکالنے لگی۔

"ایلیا! آپ دیلہ سے کتنے سال چھوٹی ہیں؟" منیب نے چائے لیتے اندر سے ابھرتا سوال پوچھ بھی لیا۔

"جی...... میں آپی سے سات سال چھوٹی ہوں۔"

"او...... پھر تو میرا آپ کہنا بالکل جائز نہیں۔" اس نے کچھ ایسی بشاشت سے بے ساختہ کہا کہ مومن کا قہقہہ نکلا۔

"ہاں بالکل...... تم کہنا چاہیے۔" مومن نے ہی اضافہ کیا اور ایلیا کی رنگت جلدی بدلنے لگی۔ یہ وہی مومن تھے جو کامران کی "حیرت" پر بری طرح چپ ہو گئے تھے۔ اس وقت کامران بھی اس کی کم عمری میں دلچسپی لے رہا تھا اور اب منیب نے تو باقاعدہ اس کی عمر ہی پوچھ لی تھی۔ لیکن یہ مومن کا بے فکرا پن۔

"کیوں بے چاری کو پریشان کر رہے ہو۔" منیب نے ہنس کر ایلیا کا چہرہ دیکھا۔ اسے واقعی مومن کی شوخی قطعی سمجھ میں نہ آ رہی تھی۔

"مومن کا مطلب ہے کہ پھر تو آپ میری چھوٹی بہن ہوئیں۔ اور چھوٹی بہن کو تو تم کہنا چاہیے۔" منیب نے ہی اس کی گھبراہٹ کو کم کیا۔ اور اس پیار ایلیا نے حقیقتاً سکون بھی محسوس کیا۔

"جی منیب بھائی۔ میں نے سنا تھا آپ کی اور دیلہ آپی کی ایک ہی ڈیٹ آف برتھ ہے۔"

"ایئر آف برتھ بھی ایک ہے۔ اتفاق ہے۔" وہ مسکرایا۔

"اچھا کمال ہے۔" اس نے مومن کو دیکھا۔ تو اس نے سر ہاں میں ہلایا۔

"اچھا میں اندر چلتی ہوں۔ ویسے بھی بور ہو رہی ہوں۔ دیلہ آپی تو سو رہی ہیں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میرے بھانجا بھانجی کو ہی باہر بھیج دیں......" منیب مسکرا رہا تھا۔ ایلیا اس بار مسکراتی ہوئی اندر چلی گئی۔ سمجھ گئی کہ مومن نے منیب سے بہت گہری دوستی بنائی ہے اور اب اسی مناسبت سے منیب اسے بہن کے رشتے میں باندھ رہا ہے۔ مومن کا پرسکون رویہ بھی سمجھ میں آ رہا تھا۔ اور اس وقت ایلیا ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ نہیں سوچ سکتی تھی۔ جبکہ یہ منیب ہی جانتا تھا کہ ایلیا کو دیکھ کر اس کے احساسات اس وقت کتنی بے اندازہ محبت لیے ہوئے تھے۔ وہ اپنی چھوٹی بہن کا ماتھا چومنا چاہتا تھا۔ اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر دیر تک اس کے نین نقش ، رٹنا چاہتا تھا۔

لیکن خیر جب اعمد بھی ماں کی وہ زیارت تک حاصل نہیں کر سکا تھا تو یہ حسرت تو اس کے مقابلے میں کچھ کم تھی۔ یہ درد البتہ بہت دیر تک اندر ہی اندر پھیلا اور ستاتا رہا کہ اپنی بڑی بہن کو وہ ملنے سے پہلے ہی کھو چکا تھا۔ لیکن یہ بات وہ موحد سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ تحریم کے جانے کا درد اس نے اپنی ماں سے بانٹا تھا اور انہی سے سنا تھا۔

☆☆☆

توفیق اور عدت کی آمد دیلہ کے پشاور سے آنے کے دو دن بعد ہوئی۔ توفیق اپنے علاج اپنی حالت سے بہت مطمئن لگ رہے تھے۔ دیلہ کو دیکھ کر البتہ دونوں کو ہی بہت پریشانی ہوئی تھی۔ دو روز ہوئے سب اسے خاموشی سے دیکھ رہے تھے۔ پھر دوا اس کا اثر تھا کہ تقریباً تمام وقت وہ سوتی ہی رہی تھی۔ آج تیسرے دن جبکہ سبھی افراد خانہ موجود تھے۔ دیلہ بھی بڑی دیر سے جاگی ہوئی تھی۔ رضوانہ اپنے کمرے میں واپس آ گئی تھیں۔ دیلہ کی واپسی کے بعد انہوں نے آج اپنا بستر دوبارہ سنبھالا تھا۔ پھر عدت اور توفیق بھی اپنے کمرے میں آ گئے تھے۔

"کیسی ہے میری بچی۔" رضوانہ نے اس کا گال پیار سے اپنے ہاتھ سے سہلایا تو وہ پیچھے بچھے دیوار سے لگ گئی۔ رضوانہ کو دیکھ کر اس نے خوف سے ٹانگیں سمیٹ لی تھیں۔ اور اپنے بازو اپنے گھٹنوں کے گرد لپیٹ کر خود کو جیسے بچانے کی کوشش کی۔

"کیا ہوا دیلہ...... طبیعت تو ٹھیک ہے؟" انہیں وہم ہوا کہ شاید دیلہ کو بخار ہوا ہے۔ لیکن ماتھا چھونے پر ٹمپریچر نارمل ہی لگا۔

"کچھ چاہیے بیٹا؟" وہ اس کے پلنگ کے کنارے بیٹھیں تو دیلہ چھلانگ لگا کر بیڈ سے اتری...... اور چھلانگ لگانے سے اس کی اتری جب ننگے فرش پر پڑے تو گی تو درد سنسناتا ہوا سر کی چوٹ تک پہنچا اور وہ سر تھامے بے اختیار نیچے بیٹھتی گئی۔ حلق سے کراہ بھی نکل گئی۔

"دیلہ وہاں سے ہٹنا! موحد، عدت تو وہ خود اتنی پریشان ہو گئیں کہ بھاگ کر دروازے میں آ گئیں۔

"کیا ہوا پھوپھو......" موحد شاید نزدیک کہیں تھا۔ فوراً سامنے آیا۔

"دیکھو تو دیلہ کے سر......" وہ پلٹ کر اسے حیرت کرنے لگیں۔ اور یہ کیا۔ وہ بھاگ کر کمرے میں آ گیا۔ دیلہ اپنی جگہ سے اٹھ کر پلنگ کے کنارے کے پیچھے زمین پر نیچے چھپنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"اسے کیا ہوا...... موحد یہ کیا کر رہی ہے...... یہ ڈر کیوں رہی ہے...... اور...... چھپ کیوں رہی ہے۔" رضوانہ کی طبیعت اس کی حالت دیکھ کر غیر ہونے لگی۔

"پھوپھو آپ پلیز یہاں باہر کرسی پر بیٹھیں۔ میں دیکھتا ہوں۔" اس نے زبردستی پھوپھو کو بیرونی کرسی پہ بٹھایا اور خود دیلہ کی طرف بڑھا۔

"اٹھو دیلہ...... شاباش...... یہاں اوپر بیٹھو۔" اس نے جھک کر اس کا بازو تھاما اور کھڑا ہونے میں مدد دی...... اس بار دیلہ بھی اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور موحد کی مدد سے اپنے پلنگ پر یوں نارمل انداز میں بیٹھ گئی جیسے ہوا ہی کچھ نہیں۔

"کیا ہوا...... ڈر کیوں گئی تھیں؟" وہ مسکراتے ہوئے اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"نہیں بس...... سر گھوم رہا تھا۔" اس نے بھی مسکرانے کی کوشش کی۔

"ادھر ادھر چھلانگیں جو لگاتی پھرو گی...... سر تو چکرائے گا۔ ابھی زخم مکمل ٹھیک نہیں ہوا دیلہ۔"

"آپ۔ مجھے۔ ادھر کیوں لائے ہیں؟" اس نے جھک کر سر اٹھایا اور اٹک اٹک کر سوال کیا اور پھر نظر گھبرا کر ہٹا لی جیسے یہ جملہ کہنے کے لیے بہت ہمت کی ہو۔ موحد نے رک کر اس کے جملے پر غور کیا...... بات تو واضح تھی لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آئی۔

"مطلب......؟" اس نے لہجہ نرم رکھا

"ہم ہاسپٹل سے کیوں آ گئے؟" وہ

www.pklibrary.com

سر جھکائے پوچھ رہی تھی۔

"وہ اس لیے میری پیاری بہن...... کیونکہ تم اب بالکل ٹھیک ہو...... بس یہ سر کا بیرونی زخم ہے جسے نزدیکی کلینک سے چیک کرواتے رہنا ہے۔"

"آپ کا اپنا گھر کہاں ہے......؟" وہ پھر پوچھ رہی تھی۔

"یہ میرا ہی گھر ہے۔" مومن نے اس کا سوال سن کر پہلا خوف کا خشک سانس اندر کھینچا لیکن جواب بڑے تحمل سے دیا۔ اتنا ضرور سمجھ میں آ گیا کہ اسے دیلہ کو بغور سن کر اچھی طرح سمجھ کر ہی آگے بڑھنا ہے۔ معلوم نہیں وہ اتنا الگ کیوں بی ہیو کر رہی تھی۔

"تو...... آپ پہلے کہاں تھے......؟" دیلہ نے اس بار سر اٹھا کر پوچھا تو اس کی آنکھیں پانی سے بھری تھیں...... بس چھلک پڑنے کو تیار، مومن نے اس بار بھی بڑے حوصلے سے اسے سنا۔

"اصل ...... میں...... تم چترال میں تھیں دیلہ...... اور ہم سب یہاں سیالکوٹ...... اور اب تم بھی سیالکوٹ واپس آ گئی ہو......" مومن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے اس کے اپنے ہی گھر کے متعلق بتانے پر کیوں مجبور ہوا تھا...... لیکن اس کے سوال پر اب اور کہتا بھی کیا۔

"اچھا ابھی تم اپنے دماغ پہ زیادہ زور مت دو...... اور اچھا سا ناشتہ کرو...... تین دن ہو گئے بلکہ نڈ پر گزارا ہے۔ آج کچھ سولڈ ہونا چاہیے...۔ تم پراٹھا کھا لو گی...... یا پھر سلائس وغیرہ......"

مومن نے اپنے اندر ابھرتے تجسس کو پیچھے دھکیلتے دیلہ کی صحت کے متعلق سوچا...... اسے دیلہ کو ذہنی دباؤ سے بچانا تھا۔ اس لیے نہ خود کوئی سوال کرنا چاہتا تھا نہ ہی یہ چاہتا تھا کہ دیلہ بلاوجہ کی سوچوں میں پڑ کر اس سے کوئی سوال کرے۔

"یا پھر...... کچھ اور......؟ تم سوچو۔"

"سلائس اور چائے۔" اس نے بھی اس بار مسکرا کر طے کیا۔ جیسے بھوک چمک اٹھی ہو۔ مومن دل میں شکر کرتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"او کے...... میں ناشتے کا کہتا ہوں۔ تم آرام کرو۔" وہ اسے لیٹنے کی تنبیہ کرتے باہر نکل آیا۔ امیلیا سے ناشتے کا کہا اور خود آفس کی تیاری کرنے کے لیے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ دیلہ کی خاطر اسے تین دن کی چھٹی لینا پڑی تھی۔ آج سے جانا ضروری تھا۔

☆☆☆

"دیلہ کا ناشتہ ہے؟" ندرت نے ٹرے میں سلائس، جیم، انڈہ اور چائے دیکھ کر امیلیا کو دیکھا۔ وہ نیپکین سے ہاتھ صاف کر کے اب ٹرے اٹھانے ہی والی تھی۔

"جی ما جی...... آپی نے خود سلائس اور چائے کھانے کی فرمائش کی ہے۔"

"اچھا تو لاؤ...... مجھے دو...... میں ابھی تک اس سے ملی بھی نہیں۔ رات بس کمرے میں جھانکا تو سوئی ہوئی تھی۔ اسے تمہارے ماموں کا حال احوال بھی دے آئی ہوں۔"

"جی ما جی ٹھیک ہے، میں پھر ذرا مومن کو ناشتہ کروا دوں۔" وہ ندرت سے پہلے ہی کچن سے باہر نکل گئی۔

مومن نے ناشتہ کر لیا تھا، اب بس جانے کی تیاری میں تھا۔ ادھر ندرت ٹرے اٹھا کر دیلہ کے کمرے میں آئیں تو وہ سامنے پلنگ کے کنارے بیٹھی اپنے ناخنوں کو کرید رہی تھی۔

"السلام علیکم!" ندرت نے شوخ محبت بھری آواز میں دیلہ کو متوجہ کیا تو اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ ٹرے ہاتھ میں لیے آج وہ اسے مسکرا کر دیکھ رہی تھیں۔ اور یہ ہنسی یونہی نہیں ہو سکتی...... دیلہ نے پریشانی سے تھوک نگلا، دل کی دھڑکن نہایت زوردار اور قابو سے باہر معلوم ہوئی...... وہ ایک بار پھر بھاگ کر پلنگ کے پیچھے جا بیٹھی۔ ندرت نے دیلہ کا ایسا ردعمل دیکھا تو پہلے پہل بری طرح بوکھلا گئیں۔ لیکن پھر ٹرے میز پہ رکھ کر فوراً اس کی جانب بڑھیں۔

"ارے بیٹا۔ کیا ہوا...... گھبرا کیوں گئیں۔"

"اٹھو میری جان۔۔۔ یہاں بیٹھو۔" وہ اسے بازو سے تھام کر پلنگ کی طرف لے آئیں۔ اور وہ ڈرتے ڈرتے بیٹھ تو گئی لیکن ابھی تک ڈری ڈری نظروں سے عدوت کو دیکھ رہی تھی۔

"ناشتہ شروع کرو۔" انہوں نے پلیٹ آگے کی لیکن دیلہ نے سر نفی میں ہلاتے پلیٹ کو پیچھے کیا۔۔۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ رضوانہ صبح سویرے دیلہ کے جاگنے سے پہلے ہی بچوں کے کمرے میں چلی گئی تھیں کیونکہ ایلیا ناشتہ بنانے کچن میں آ گئی تھی۔ اب جو کمرے میں واپس آئیں تو دیلہ کو بے حد گھبرایا ہوا دیکھا۔

"کیا ہوا؟" انہوں نے عدوت کو دیکھا جبکہ دوسری طرف دیلہ کی نظر جب رضوانہ پر پڑی تو وہ بھاگ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

"اس کو کیا ہوا؟" رضوانہ اور عدوت نے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا پھر تیزی سے باہر نکلیں۔ اور نظر دیلہ پر پڑی تو وہ سامنے سے آتے موحن کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی تھی۔

"بھائی مجھے واپس لے چلو۔۔۔ مجھے ہسپتال۔۔۔ وہ کانپ رہی تھی۔ موحن نے اس کا ہاتھ تھپکتے سے تھپکا اور سوالیہ نظروں سے پھوپھو اور امی کو دیکھتے ابرو اٹھایا۔ جواباً وہ کچھ بھی نہ کہہ پائیں بس اسے دیکھے ہی گئیں۔

"او کے۔ لے چلوں گا۔ ابھی تم کمرے میں آؤ۔" وہ راستہ بناتے اسے کمرے میں لے آیا۔۔۔ اس دوران اس نے محسوس کیا کہ دیلہ پھپھو امی اور اس کی امی کو دیکھ کر بری طرح ڈر رہی تھی۔ جتنا وہ دونوں قریب آتی گئیں۔ دیلہ ان سے دور ہوتے بچ کر کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"کیا بات ہے دیلہ! تم امی سے اتنا ڈر کیوں رہی ہو؟" اس نے دیلہ کو بیٹھنے میں مدد دی۔

"وہ۔۔۔ آپ کی۔۔۔ امی ہے؟" دیلہ نے سوال پوچھا تو موحن نے پھر اپنے سر پر ایک آسمان گرتا محسوس کیا۔ جو وہ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ دیلہ کے گھر والوں کے لئے اسی سمت ہی دھکیل رہے تھے۔ وہ گھر والوں کو پہچان نہیں رہی تھی اور یہ ایک بہت پریشان کن بلکہ خطرناک ترین مرحلہ تھا۔ نہ صرف دیلہ کے حوالے سے بلکہ تمام گھر والوں کے لیے بھی یہ خبر کسی قیامت سے کم نہیں ہو سکتی تھی۔

"ہاں۔ وہ میری امی ہیں۔ اور بہت اچھی ہیں۔ ان سب سے ڈرنے کی بالکل کوئی ضرورت نہیں۔ اور دیکھو۔ اب تم اپنے کمرے میں ہی رہو۔ آرام سے ناشتہ کرو کیونکہ بہت ساری دوائیں کھانی ہیں۔ چلو شاباش۔۔۔ دیکھو ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

اس نے ٹرے اس کے سامنے پلنگ پر رکھ دی اور وہ بھی سر ہلا کر ٹرے پر جھک گئی۔ موحن نے اپنے گھر سے باہر جانے کا دانستہ نہیں بتایا۔ اگرچہ دیکھ چکا تھا کہ وہ صرف امی کو اپنا سمجھ رہی ہے۔ البتہ۔۔۔ وہ رکا۔۔۔ کچھ سوچا اور ایک خیال آنے پر باہر نکلتے کمرے میں آ گیا۔

"سنو۔۔۔" اس نے ریا کو سیریلیک کھلاتی ایلیا کو آواز دے کر بلایا تو وہ فوراً ہی اٹھ کر سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"جی!"

"دیلہ کا تم سے کیسا رویہ ہے؟"

"آپی کا۔۔۔" وہ رک کر سوچنے لگی "ابھی تک ایک بار بھی ان سے اس طرح آمنے سامنے بات نہیں ہوئی۔ پچھلے تین دنوں میں زیادہ تر آپ ہی ان کی روٹین دیکھتے رہے تھے۔ میرا جس وقت بھی جانا ہوا وہ آرام کر رہی تھیں۔"

"او کے۔۔۔ تو تم ذرا پھوپھو اور امی کو اس کے پاس زیادہ جانے مت دو۔ پتا نہیں وہ ان سے اتنا گھبرا کیوں رہی ہے۔ اور کوئی بھی کام ہو۔ تم خود جا کر نمٹا آؤ۔"

"جی؟" اس نے سر ہلایا۔

"اور دیکھو اس سے سوال وغیرہ کوئی مت کرنا۔ بس عام روٹین کے معاملات۔۔۔ میرے آنے تک کوئی پرابلم نہیں ہونی چاہیے۔ باقی میں کال

www.pklibrary.com

پر تم سے پوچھتا بھی رہوں گا۔"

"جی!" وہ پھر سر ہلانے لگی اور مومن باہر نکل گیا۔

☆☆☆

"پتا نہیں ندرت! وجیہہ کو کیا ہو گیا ہے۔"

رضوانہ اس وقت لاؤنج میں بیٹھی اپنے آنسو پونچھ رہی تھیں۔ مومن نے جانے سے پہلے انہیں تاکید کی تھی کہ وہ وجیہہ کے کمرے میں نہیں جائیں گی۔ اور وہ اسی بات پر اپنا رونا کنٹرول نہیں کر پا رہی تھیں۔

"ایک تو اتنے عرصے کی دوری...... پھر اس کی ایسی طبیعت...... سوچا تھا سینے سے لگا کر رکھوں گی۔ اور وہ مجھ سے اتنا گھبرا کیوں رہی ہے۔"

"پریشان نہ ہوں آپا...... مجھ سے بھی ایسے ہی کترا کر بھاگ رہی تھی۔ چوٹ کی وجہ سے ذہن پر دباؤ ہے شاید۔ پھر یہ طرح طرح کی دوائیں...... مجھے تو نیند کی گولیوں کا اثر لگتا ہے۔ اسی لیے فی الحال نارمل انداز میں سوچ نہیں پا رہی۔"

"کہیں اس چوٹ کی وجہ سے تو کچھ......"

رضوانہ کا خدشہ بالآخر زبان پر آ ہی گیا۔ ندرت نے ان کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔

"اچھا اچھا سوچیں...... ان شاء اللہ ایسی کوئی بات نہیں ہو گی۔"

"اللہ کرے ایسا ہی ہو۔" انہوں نے آہ بھری اور ندرت وہاں سے اٹھ آئی۔ وجیہہ کے ری ایکشن واقعی بہت عجیب تھے۔ وہ بھی پریشان ہوئی تھیں لیکن ظاہر ہے یہ بات ایک ماں سے نہیں کی جا سکتی تھی۔ وہ گم صم سی اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھیں جب ایلیا کچن کے دروازے میں آئی۔

"بات سنیں مامی!"

"ہوں...... " انہوں نے چونک کر سر اٹھایا اور ایلیا کی طرف آ گئیں۔ "ہاں بیٹا...... کیا ہوا؟"

"وہ...... مامی...... اصل میں......" ایلیا جیسے الفاظ منتخب کر رہی تھی۔ ندرت نے حیران ہو کر دیکھا۔

"کیا بات ہے ایلیا؟"

"مامی! وہ تین دن بعد تحریم آپی کی برسی آ رہی ہے۔"

"اوہ!" ندرت نے حیرت سے منہ پہ انگلیاں رکھیں۔ گھر کے کچھ معاملات اتنے الجھے ہوئے تھے کہ یہ خیال کہیں دور دور تک آیا ہی نہیں تھا۔ اگست کا اینڈ آ گیا تھا اور پورا ایک سال بیت گیا تھا۔

"ہاں ایلیا...... یہ تو پہلے سوچا ہی نہیں...... تو پھر ان حالات میں؟" وہ اسے ہی سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔

"جی...... وہ تو امی اور مومن سے ڈسکس کرنے پر پتا چلے گا کہ کیا کرنا ہے...... اور......" وہ پھر رک گئی۔

"اور کیا......؟"

"بچوں کی پہلی سالگرہ بھی تو اسی دن......"

اس نے بات روک کر مامی کو دیکھا تو وہ کرسی پر بیٹھ گئیں۔ دماغ تو واقعی کچھ عرصے سے بالکل ہی کام چھوڑ چکا تھا۔

"مجھے تو بالکل ہی کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔ ہمارے معصوم بچے بھی تو ہیں اسی دن......" انہوں نے سر جھٹکا۔ "اچھا مومن آ جائے پھر بات کرتے ہیں۔"

☆☆☆

"ایک بات بالکل سمجھ میں نہیں آ رہی منصب...... کہ وجیہہ گھر کی خواتین سے اتنا ڈر کیوں رہی ہے؟"

"ڈاکٹر سے ڈسکس کیا تم نے؟"

منصب اس وقت مومن کے ساتھ پچھلی شام کی طرح لان میں ہی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ آفس میں بیٹھا تھا جب مومن نے کال پر کہا کہ وہ اس سے ملنا چاہتا ہے۔ اور اسی لیے وہ آفس سے نکل کر سیدھا یہیں آ گیا۔ اور اس وقت آفس یونیفارم میں ہی تھا۔

"نہیں، ابھی ڈاکٹر سے ملنے کے لیے میرے

www.pklibrary.com

پاس کوئی تفصیلی اور حتمی رپورٹ نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں، ایک دو روز ذرا زیادہ بہتر طریقے سے چیک کرلوں۔"

"تمہارے ساتھ کیسا رویہ ہے اس کا؟" منصب نے چائے کا کپ اٹھایا۔ کچھ دیر پہلے ہی ایلیا چائے رکھ گئی تھی۔

"میرے ساتھ بالکل نارمل...... جیسے پہلے تھا۔ میری موجودگی میں وہ بہت اچھا محسوس کرتی ہے...... بلکہ یوں کہنا چاہیے منصب کہ بہت محفوظ محسوس کرتی ہے۔ اور یہی بات پریشان بھی کرتی ہے کہ آخر باقی سب کی موجودگی سے اسے کیا عدم تحفظ محسوس ہوتا ہے۔ آج صبح میں امی اور پھوپھو کو منع کرکے گیا کہ وہ سارا دن دیبا کے سامنے نہیں آئیں گی کیونکہ آج صبح سویرے وہ ان دونوں سے ڈر گئی تھی۔ میں ایلیا سے کہہ آیا تھا کہ دیبا کا خیال دن بھر رکھے گی۔ لیکن دوپہر میں واپس آیا تو ایلیا نے بتایا کہ دیبا اس سے بھی ڈر رہی تھی اور پردے کے پیچھے چھپ گئی تھی۔ اور جب وہ کمرے سے باہر نکلی تو دیبا نے بھاگ کر اندر سے کنڈی لگالی...... سارا دن یہ سب پریشان رہے۔ وہ تو میں نے جب دیبا کو آواز دی تب اس نے چٹخنی گرائی۔"

"تو...... تمہیں کیا لگتا ہے...... کیا وجہ ہوگی؟"

"بالکل نہیں سمجھ پارہا...... ہاں بس اتنا سمجھ میں آرہا ہے کہ اسے گھر کی عورتوں سے کچھ پرابلم ہے...... کیونکہ ابھی میں بابا کو وہیل چیئر پر بٹھائے دیبا سے ملوانے لے آیا تو وہ خاموشی اور توجہ سے انہیں تک رہی تھی...... تب تو وہ ایک نارمل پرانی دیبا لگ رہی تھی۔ بابا سے بھی وہ ذرا برابر بھی نہ گھبرائی۔"

"پھر تو واقعی ایک دو دن کی آبزرویشن کا حال تم ڈاکٹر سے شیئر کرو۔"

"میں سوچ رہا ہوں...... ایک بار تم بھی دیبا سے ملو منصب۔ دیکھتے ہیں اس کا کیا ردعمل ہے؟"

"میں......" وہ سوچ میں پڑ گیا۔ "لیکن آنٹی...... مطلب امی۔؟" وہ کچھ گڑبڑا سا گیا۔ مومن کو منصب کی حالت پر بھی آج کل اسے ہی پھر ترس آتا تھا لیکن فی الحال وہ اس کے لیے کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ پھوپھو آل ریڈی شدید ڈپریشن میں تھیں۔ منصب والا قصہ تو ہرگز معمولی نوعیت کا نہیں تھا۔

"وہ بھی سنبھال لوں گا...... بس تم آؤ میرے ساتھ...... میں کچھ آبزرو کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ منصب کو بھی مجبوراً اٹھنا پڑا۔ اور ایسا نہیں تھا کہ وہ دیبا سے ملنا نہیں چاہتا تھا لیکن اس کے دل کی کیفیت آج کتنوں بعد پھر کچھ الگ ہوگئی تھی۔ وہ اس سے شرمندہ تھا اور اتنا کہ سامنا کرنا بھی دشوار تھا۔ معلوم نہیں وہ اسے دیکھ کر کیسے ری ایکٹ کرنے والی تھی۔ وہ ایک گہرا سانس اندر کو کھینچتے مومن کے پیچھے پیچھے چل دیا۔

وقت چونکہ سہ پہر کا تھا۔ گھر میں سب ہی آرام کررہے تھے۔ مومن اسے ساتھ لیے اپنے گھر کے ایک کمرے کے سامنے آیا۔ ہلکا سا دروازہ وا کرکے اندر جھانکا۔ دیبا الماری کے دروازے میں لگے آئینے کے سامنے کھڑی اپنے سر کا زخم دیکھ رہی تھی۔

"ہائے سوئیٹ سسٹر!" مومن نے مسکرا کر ہاتھ ہلایا تو وہ بری طرح چونکی۔ اور جوں ہی نظر مومن پر پڑی تو ہلکا سا مسکرادی۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام...... بھئی کیا ہورہا ہے؟" وہ اندر داخل ہوگیا لیکن منصب کی ہمت نہیں ہوئی۔

"جی بس کچھ نہیں۔"

"سر کا زخم ٹھیک لگ رہا ہے؟"

"جی آج تو روٹی چباتے ہوئے بھی درد نہیں ہوا۔"

"اچھا گڈ...... الحمدللہ۔ میں سوچ رہا ہوں کہ آج شام کو ڈریسنگ کروالیں۔ سیمیں کی اچھی کیئرنگ ہے۔"

"جی۔ جیسا آپ ٹھیک سمجھیں گے۔"

www.pklibrary.com

"اس نے اچھا، ایک منٹ۔ وہ......" موسن کی سمجھ نہیں آیا منصب کا تعارف کیسے کروائے جب ہی بنا کچھ کہے دروازے میں آیا اور اسے بازو سے تھام کر اندر بلا لیا۔

"یہ منصب......" اس نے بس نام لینے پہ اکتفا کرتے دیلہ کا ردعمل دیکھا لیکن اس نے ہلکا سا سر ہلا دیا۔

"بیٹھیے۔" وہ عام انداز میں مسکراتے ہوئے میزبانی کا فریضہ انجام دینے لگی۔ منصب چپ کر کے بس دیکھے ہی گیا۔ موسن سے نظر ملی تو ابرو اٹھا کر بولنے کا اشارہ کیا۔

"آپ کی طبیعت اب کیسی ہے...... میرا مطلب ہے یہ سر کی چوٹ؟"

"جی آج تو بہت بہتر ہے۔"

"اور یہ چوٹ۔ کیسے لگی تھی آپ کو؟" اس نے سوچ کر پوچھ ہی لیا۔ جس پر دیلہ نے الجھن بھری نظروں سے موسن کو دیکھا۔

"یہ تو...... یہ تو......" وہ اپنی سفید پٹی پہ ہاتھ رکھ کر سوچ میں پڑ گئی۔ پھر منصب کو دیکھا "معلوم نہیں...... مجھے یاد نہیں آ رہا۔"

"اچھا کوئی بات نہیں۔ آپ آرام کریں۔" منصب کو لگا کہ دیلہ کی ذہنی حالت اس وقت بہت نازک ہے اسے کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہیے۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ موسن کی طرف ایک نظر دیکھا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"انسپکٹر صاحب۔" دیلہ نے پیچھے سے آواز دی تو دونوں چونک کر پلٹے۔ انداز تخاطب کچھ عجیب ہی تھا۔

"آپ۔ ان عورتوں کو یہاں سے لے جائیں گے؟"

"کن عورتوں کو؟" وہ بنا سوچے بے ساختہ پوچھ بیٹھا، لیکن اس بار دیلہ نے سر جھکا لیا جیسے بات کر کے خود بھی گھبرا گئی ہو۔ پھر سرگوشی میں بڑبڑانے لگی۔ منصب نے پریشان ہو کر موسن کو دیکھا۔ موسن کو کچھ کچھ بات سمجھ میں آ گئی لیکن وجہ ابھی بھی معلوم نہ تھی۔

"جی میں دیکھتا ہوں۔" اس بار منصب مبہم جواب دے کر باہر نکل آیا۔

☆☆☆

"کیا لگتا ہے منصب...... دیلہ سے تمہاری ملاقات کچھ عجیب نہیں رہی؟" وہ دونوں گھر سے ہی باہر نکل آئے تھے۔

"بہت عجیب موسن! تمہیں اندازہ بھی نہیں کہ میں اس وقت کیا کیا سوچ رہا ہوں۔"

"یہی حال میرا ہے یار...... اور مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کس سے ڈسکس کروں۔ اسی لیے آج تمہیں دیلہ سے ملوایا کیونکہ تمہارے علاوہ کوئی نہیں جس سے کھل کر شیئر کیا جا سکے۔"

"دیلہ کے میری طرف بہت چکر لگے، بہت ملاقاتیں لگتی ہیں...... میرا خیال تھا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی مجھ سے منہ پھیر لے گی...... لیکن اس کے لیے میں بالکل ایک اجنبی تھا۔"

"اس بات پر مزید حیرت ہے منصب کہ اسے تم سے ملاقاتیں تھیں لیکن وہ تم سے منکر ہو گئی...... اور امی، پھپھو اور ایلیا سے جوش اور محبت سے ملتا تھا تو ان سے وہ گھبرا اور کترا رہی ہے۔"

"یہ ویسے واقعی ایک بالکل نہ سمجھ میں آنے والی بات ہے موسن! اور اسے ڈاکٹر سے ڈسکس کرنا چاہیے۔"

"کیا اس ڈر کی وجہ آدمی عورت کا فرق ہے......" موسن جیسے اپنے آپ میں بڑبڑایا...... پھر منصب کو دیکھا "جن چھ لوگوں سے وہ اب تک ملی ہے، ان میں تین مرد اور تین عورتیں ہیں...... اور یہ دیکھو کہ مجھ سے تم سے اور ابو سے اس نے بہت سہولت سے باتیں کیں، کہیں کوئی ڈر خوف دیکھنے میں نہیں آیا لیکن عورتوں سے۔"

"ہوں!" منصب نے بھی موسن کی بات پہ غور کیا "اس دن رمشہ اور تانیہ آئیں تو بتا رہی تھیں کہ

www.pklibrary.com

دیلہ آرام کر رہی تھی۔ یعنی ان کی ملاقات نہیں ہو سکی......"

"مطلب اگر ان سے ملاقات ہو جائے دوبارہ......" موحسن ایک دم ایکسائٹڈ ہوا۔" واقعی۔ منصب...... تم ان دونوں کو ایک بار پھر بھیجو...... اس بار وہ دیلہ سے مل کر جائیں، اس سے ہمیں بہت ہیلپ ملے گی۔"

"ہاں شیور...... میں کل ہی انہیں بھیج یہاں ڈراپ کر دوں گا۔ شاید ہمیں کچھ رزلٹ نکالنے میں آسانی ہو۔ اور ویسے بھی میں سوچ رہا تھا کہ تانیہ ان معاملات میں ہم سے کہیں زیادہ تجربہ رکھتی ہے۔ تم سے شاید میں نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ وہ ایک سائیکاٹرسٹ ہے۔ بچکورہ میں اس کا اپنا کلینک تھا۔"

"رئیلی...... موحسن حیران ہوا۔" پھر تو ہمیں ضرور انہیں دیلہ سے ملوانا چاہیے۔"

"اوکے...... میں آج ہی اس سے بات کرتا ہوں۔ اور دیکھو پریشان نہ ہو...... سب ٹھیک ہو جائے گا۔" منصب نے مصافحہ کرتے اس کے ہاتھ پر دوسرا ہاتھ رکھ کر تسلی بھی دی اور جانے کے لیے روانہ ہو گیا۔ موحسن پلٹ کر اپنے کمرے میں آیا تو ایلیا کو اپنا منتظر پایا، وہ اس سے تحریم کی برسی اور بچوں کی سالگرہ والے معاملے پر بات کرنا چاہتی تھی......

"ہوں......" موحسن کرسی پہ بیٹھ کر جوتے اتارنے لگا۔ ایلیا کی بات نے اسے بھی سوچ میں ڈال دیا تھا۔

"امی اور پھوپھو کا کیا کہنا ہے؟" اس نے سوالیہ نظر سے ایلیا کو دیکھا۔ وہ سامنے ہی بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئی تھی۔

"امی سے تو ابھی بات نہیں ہوئی، ماما نے کہا ہے کہ آپ سے مشورہ کروں۔"

"مسئلہ یہ ہے کہ......" وہ دونوں شہادت کی انگلیاں ہونٹوں پہ رکھے ایک بار پھر سوچ میں ڈوب گیا۔ "تحریم کی برسی کا معاملہ اہم بھی ہے، ضروری بھی...... لیکن دیلہ کی طبیعت کو دیکھتے میں گھر میں خواتین وغیرہ کے بلوانے کے حق میں نہیں ہوں...... حتیٰ کہ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ ان دنوں میں نزہت خالہ یا کسی قریبی رشتہ دار کی گھر آمد بھی ہو...... دیلہ کی ذہنی حالت کو ابھی ہم بھی ٹھیک طرح سے سمجھ نہیں پائے......" وہ اب جیسے اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا۔ ایلیا خاموشی سے اسے سن رہی تھی۔

"اوکے...... تو ایسا کرتے ہیں کہ قریبی مسجد میں دعا۔۔۔ اور طلبا کا کھانا کروا لیتے ہیں۔ مولانا صاحب سے میں آج ہی بات کر لیتا ہوں۔ کل جمعہ بھی ہے۔۔۔ سویرے ختم قرآن کروا لیں گے۔"

"جی۔ یہ تو بہت اچھا خیال ہے۔"

"اور بچوں کی برتھ ڈے کی جہاں تک بات ہے...... تو وہ ہم حالات بہتر ہونے پر کسی اور دن سیلیبریٹ کر لیں گے...... بلکہ آنے والے سالوں میں بھی۔۔۔ سالگرہ کی ڈیٹ۔۔۔ الگ۔۔۔ ہونی چاہیے۔"

"جی، میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔"

"اچھا!" موحسن دلچسپی سے مسکرایا۔ "تو کہا کیوں نہیں۔"

"مجھے لگا شاید میرا آئیڈیا پسند نہ آئے۔" وہ بہت جھجک کر بولی اور موحسن بھی مسکراہٹ چھپاتے وہاں سے اٹھ گیا۔

یہ نیا نیا انکشاف تو اسے بھی اب ہونے لگا تھا کہ اس کی سوچ ایلیا کی سوچ سے ملتی جلتی تھی لیکن ایلیا کو شاید ابھی اس بات کا احساس نہیں تھا۔

☆☆☆

"آپ کی کھڑکی کی زرد لائٹ بارش میں بہت دلکش محسوس ہوئی تو کال ملائی، ویسے اندازہ نہیں کہ یہ آپ کا ہی کمرا ہے یا کچھ اور...... میرے تصور نے البتہ جیسے اچھی چھلانگ لگائی تھی۔ یعنی چائے پیتی یا کتاب پڑھتی دیلہ خاتون......"

منصب نے آنکھوں کو سختی سے بھینچ کر سر جیپ کی ٹیک سے لگایا۔ پرانی باتیں درد بن کر اندر مچل رہی

www.pklibrary.com

تھیں۔

آج ایک مدت بعد وجیہہ سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس کے محسوسات کو اس کے علاوہ کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ پھر ملاقات بھی ایسی عجیب...... کاش کہ وجیہہ نے اس پر غصہ نکالا ہوتا...... چیخی چلائی ہوتی، گلے شکوے کیے ہوتے...... لیکن وہ اجنبی نگاہ۔

منصب کی نظریں ایک بار پھر وجیہہ کی کھڑکی پر جمی تھیں۔ شام کو تھانے کا ایک چکر اور لگانا پڑا تو منصب کو وہ شام یاد آگئی جب برستی بارش میں قیدی باہر نکلنے کی ضد کر رہے تھے اور اسے گھر سے بلایا گیا تھا۔ تب اس نے آفس سے نکل کر یونہی بے ساختہ وجیہہ کو میسج کیے تھے جن پر وہ از حد گھبرا گئی تھی۔

منصب اس وقت بھی شام کے دھندلکے میں آفس سے نکل کر وجیہہ کے گھر کی کھڑکی کو دور سے بیٹھا دیکھ رہا تھا اور آج سہ پہر کی ملاقات جو تب سے ذہن کے پردے سے اوجھل ہی نہ ہوئی تھی اسے ادھیڑ رہا تھا۔ معلوم نہیں چترال میں وجیہہ کا واسطہ کن عورتوں سے پڑا تھا کہ اس کی ناگواریاں اس کے ذہن سے چپک کر رہ گئی تھیں۔ پتا نہیں ان عورتوں نے وجیہہ سے کیسا سلوک کیا تھا کہ وہ ڈر اور خوف کے شدید اثر میں آگئی تھی۔ سر کی چوٹ کا ذمہ دار کون تھا اور ایسی چوٹ کہ آج وہ اس سمیت اپنے بھی گھر والوں کو پہچان نہیں پا رہی تھی۔

منصب کی جیپ سڑک کنارے رکی ہوئی تھی اور نظریں بار بار اس کھڑکی کی جانب بھٹک رہی تھیں، جن کے پیچھے کہیں وجیہہ چند ماہ پہلے والی وجیہہ سے یکسر مختلف تھی۔ نہ صرف اس کی ذہنی حالت بلکہ دکھائی دیتا حلیہ بھی پرانی وجیہہ سے میچ نہیں کرتا تھا۔

ارحم کی بیوی بن کر وجیہہ نے نجانے کیا کچھ سہا تھا، پر منصب کے افسوس کی وجہ اس کا وہ فیصلہ تھا جس نے آج وجیہہ کو اس حال میں پہنچا دیا تھا۔ کاش اس نے ارحم کے طعن و تشنیع کو اتنی سنجیدگی سے نہ لیا ہوتا۔ کاش یہ معاملہ اس کی غیرت کا سوال نہ بنتا...... اور آگے...... آگے کیا ہونے والا ہے...... ارحم اس کا تایازاد، وجیہہ اس تایازاد کی بیوی، ادھر وہ میمونہ اور رمشہ کی سگی بہن کے طور پر بھی سامنے آئی تھی۔ منصب سے اس کے حوالے تبدیل ہونے والے تھے۔ کیا تھا آخر اس کچ کے نتیجے میں ان دونوں کا مستقبل...... وہ مستقبل جو شاید ان دونوں کی راہوں کو کچھ اور کٹھن بنا سکتا تھا۔

منصب کے ہاتھ اسٹیئرنگ پر سخت ہو رہے تھے۔ کوئی بھی سوچ کسی راہ کو سہل کرتی دکھائی نہ دے رہی تھی۔ معلوم نہیں یہ سب کس طرف جا رہا تھا۔

☆☆☆

"کچھ کام کر رہی تھیں؟" مومن نے موبائل سے سر اٹھا کر ایلیا کو دیکھا۔ وہ تولیے سے چہرا صاف کر رہی تھی۔

"جی نہیں...... بس ابھی ابھی فارغ ہوئی ہوں۔ آج سارا دن اتنی شرارتیں کی ہیں دونوں نے۔ اور اب دونوں ہی تھک کر سو گئے ہیں۔"

"اور وجیہہ؟" وہ سیدھا ہو بیٹھا۔ نظریں البتہ مکمل دھیان سے ایلیا پر جمائی ہوئی تھیں وہ بغور کچھ دیکھ رہا تھا۔ ایلیا کو البتہ ادراک نہیں تھا۔ وہ چہرا صاف کر کے اب ہاتھوں پر لوشن لگا رہی تھی۔

"امی اور ماسی کو تو وہ دیکھتے ہی دروازہ بند کر دیتی ہے۔ مجھے بچوں نے تنگ کیے رکھا۔ ماسی بتا رہی تھیں کہ انہوں نے ناشتہ وغیرہ فیروزہ کے ہاتھ بھجوایا۔"

"تو...... فیروزہ سے نہیں ڈرتی؟" مومن کو اچانک خیال آیا۔

"آں...... بتایا تو نہیں ایسا کچھ...... میرے خیال سے تو نہیں ڈرتی۔" وہ ڈریسنگ ٹیبل کے آگے سے ہٹ آئی۔ اور معلوم نہیں کہ ارادہ کیا تھا لیکن اس سے پہلے ہی مومن اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اور اسے شانوں سے تھام لیا۔

"جج۔ جی......" اس کا دل اچھلا پھر ڈوبا...... بدک کر پیچھے ہوتے وہ گرتے گرتے بچی۔

"ایک منٹ!" مومن نے غصے سے ابرو کھینچے

www.urdulibrary.com

اور اسے دوبارہ پکڑ کر سامنے کھڑا کیا۔ "آرام سے نہیں بیٹھ سکتیں، ٹکا نہیں رہا۔"

"جی!" اس نے سر جھکا لیا۔ دل تو قابو میں آیا ہی نہیں تھا۔ پتا نہیں کن دنوں سے پکڑنا کیوں ضروری تھا۔ وہ بس سوچ کر رہ گئی اور مومن اسے تھام کر دوبارہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے لے آیا اور خود ہی اسٹول پر بٹھا دیا۔

"کیسے الجھے اور بکھرے ہوئے بال بنا رکھے ہیں۔ اب بندہ کم از کم کنگھی کے لیے تو کچھ وقت نکال لیتا ہے۔"

وہ نرمی سے کہتے اس کا الجھے بالوں والا جوڑا کھولنے لگا۔ ایلیا حیران تو ہوئی، شرمندہ بھی ہو گئی کیونکہ صبح اس نے نیند سے اٹھ کر بنا کنگھی کیے ہی بال جوڑے میں سمیٹ لیے تھے اور اب انہی چٹیلوں جیسے بالوں کا گچھا مومن کے ہاتھوں میں تھا اور وہ رو دینے کو تھی۔

"کنگھی کرنی ہو گی۔ کبھی وقت ملا تھا مہربان ہونے کے لیے۔"

وہ شرم سے پانی پانی ہو رہی تھی۔ مومن نے اس دوران برش اٹھا کر اس کے بال سلجھانا شروع کر دیے تھے۔

ایلیا کی پلکیں لرز رہی تھیں..... مومن کا ایسا رویہ تو اس نے تصور میں بھی لانا چھوڑ دیا تھا..... ترا دل ہی دکھا تھا ہمیشہ..... کہاں تو بات بھی ڈھنگ سے نہیں کرتے تھے اور آج بال سلجھانا..... وہ جیسے بت بنی بیٹھی تھی۔

"پہلے تم اونچی پونی ٹیل بنایا کرتی تھیں..... تو لڑکی لگتی تھیں، وہ بھی چھوٹی سی لڑکی....." ایلیا نے دیکھا وہ اس کے بال بناتے بہت دھیمی مسکان لیے اسے یاد دلا رہا تھا۔ اور وہ کچھ مزید حیرت زدہ رہ گئی۔ منہ سے تو بولا ہی کچھ نہیں گیا۔

"ہوں..... ہو گئے سیٹ....." اس نے ہاتھ جھاڑ کر اپنی محنت دیکھی۔ ایلیا نے بھی خود کو آئینے میں دیکھا۔ مومن نے اس کے بال سلجھا کر اس کی اونچی پونی ٹیل بنائی تھی۔ پھر سامنے رکھے اسٹینڈ میں سے لپ اسٹکس نکالیں۔

"ان میں سے کوئی کھلتا ہوا شوخ کلر لگاؤ۔" اس نے لپ اسٹک ایلیا کے ہاتھ پہ رکھیں اور غائب دماغی سے اسے دیکھتے اس نے ایک لپ اسٹک علیحدہ کی۔

"اونہوں!" مومن نے اس کے ہاتھ پہ انگلیاں مار کر لپ اسٹک گرا دی۔ "مرا ہوا پھیکا رنگ بالکل نہیں۔"

"جی!" اس نے سر ہلا کر خود کو حاضر شو کیا اور ایک سرخ لپ اسٹک نکال کر سامنے کی۔

"میں نے نہیں لگانی محترمہ..... آپ لگا کر تھوڑی سی نازک جیولری بھی پہن لیں۔"

"کیوں.....؟" اس نے ہمت کر کے پوچھ ہی لیا۔ حیرت تو اب مارے ہی ڈال رہی تھی۔

"تمہیں وصیلہ کے پاس لے جا رہا ہوں۔ اب تک تم اکیلی گئیں، اس لیے وہ ڈر رہی تھی۔ مجھ سے چونکہ نہیں گھبرائی تو میں تمہیں ساتھ لے جاتا ہوں۔"

"آ..... اچھا....." اسے جیسے کچھ کچھ سمجھ میں آیا۔ فوراً ہی چھوٹے چھوٹے ٹاپس اور ایک چین گلے میں پہن لی۔

"ٹھیک ہے؟" وہ سامنے کھڑی ہو گئی۔

"ہوں..... بہت....." وہ مکمل توجہ سے اسے دیکھتے بس کچھ کہتے کہتے خود کو روک گیا۔ اور ایلیا بھی سمجھ نہیں پائی کہ "بہت" سے یہاں کیا مراد تھی۔

دونوں وصیلہ کے کمرے میں آئے تو وہ تکیہ گود میں رکھے یونہی بیٹھی تھی۔ مومن کو دیکھ کر اس کے چہرے پہ بشاشت دوڑ گئی۔ وہ پہلے تو وہ اپنے پولیس والے دوست کے ساتھ اس کے کمرے میں آیا تھا اور اب۔ وصیلہ نے ناگواری کی نظر ایلیا پہ ڈالی جسے مومن نے فوراً ہی بھانپ لیا، البتہ کہا کچھ نہیں اور سامنے والے بیڈ کے کنارے بیٹھتے ہاتھ پکڑ کر ایلیا کو اپنے بالکل قریب بٹھا لیا۔

pklibrary.com
”نمو دیلہ...... ہمارا مل ...... ہو گئی ہو تو ہے۔

اس نے کہتے کے ساتھ ہی ایلیا کی پیٹھ کے پیچھے سے بازو لے جا کر اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ ایلیا کا سانس تو مکمل رک گیا، ودیلہ نے البتہ حیرت سے مومن کو دیکھا

”تم نے مجھے کورنش کرتے ہوئے کہا تھا، ایلیا اگر میری وائف بنی تو مجھے مایوسی نہیں ہو گی۔ یہ بہت کمپرومائزنگ ہے۔ اور یاد ہے میں اس وقت چڑ رہا تھا۔ جھنجلایا ہوا تھا...... اس کی کم عمری سے خائف تھا...... لیکن آج دیکھو...... کیا ہم ایک دوسرے سے الگ لگتے ہیں؟“ اس نے ایلیا کو مزید اپنے قریب کرتے پیار سے دیکھا۔

”بہت ودیلہ......“ اس نے ایلیا کی حیرت کو نظر انداز کرتے ودیلہ کی طرف دیکھا لیکن وہ خالی خالی نظروں سے ایلیا کو دیکھتے ابھی تک ناخوش دکھائی دے رہی تھی۔

”ایلیا نے آج اگر میری زندگی کے بہت سے خلا بھر دیے ہیں تو اس کا کریڈٹ تمہیں جاتا ہے...... تو پھر کیا بات ہے ودیلہ کہ آج ابھی ایلیا سے تم کس بات پر خفا دکھائی دیتی ہو...... کچھ ہوا ہے کیا؟“

”نہیں......“ ودیلہ نے سر نفی میں ہلایا لیکن ایسا کہتے ہوئے اس کی خوف زدہ نظریں ایلیا پر تھیں۔ جیسے کوئی خوف کچھ کہنے کے آڑے آ رہا ہو۔

”ہم سب تمہارے اپنے ہیں ودیلہ اور یہ چاہتے ہیں کہ تم جلد سے جلد ٹھیک ہو جاؤ......“

”اگر آپ مجھ سے خفا ہیں آپی تو میں معافی مانگتی ہوں آپ سے...... لیکن پلیز ناراض نہ ہوں۔“ ایلیا نے اپنے دونوں ہاتھ ودیلہ کے سامنے جوڑ دیے اور وہ پھر بھی سر نیچے کیے خاموش بیٹھی رہی۔ ایلیا نے سوالیہ مومن کو دیکھا جس نے تسلی سے پلکیں موند لیں۔

”اچھا تم آرام کرو ودیلہ...... میں کچھ دیر میں دوبارہ آتا ہوں، پھر بہت ساری باتیں کریں گے۔“ وہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا، ایلیا نے بھی پیروی کی اور دونوں

”آج میں اکیلے میں اس سے کچھ تفصیلی بات کرتا ہوں، شاید یہ باتوں کی وجہ سے زیادہ چپ رہتی ہے۔“ وہ جیسے اپنے آپ میں بڑبڑایا۔

ایلیا نے غائب دماغی سے سر ہلا دیا تھا۔ مومن نے ایک نظر دیکھا، کمرے تک کے راستے میں ایلیا اسے بار بار چور نظروں سے دیکھتی آئی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ ایلیا کو ودیلہ سے بھی زیادہ چپ لگی ہوئی ہے۔

”کچھ پوچھنا ہے......؟“ مومن نے ایک دم ہی سوال کیا۔

”جی...... وہ چونکی...... ”نن...... نہیں۔“

”اچھا...... کیوں......؟“ انداز میں حیرت تھی۔ وہ رک کر اسے دیکھنے لگا ”کوئی سوال نہیں آ رہا اندر سے؟“ انداز کچھ شرارتی سا تھا۔ ایلیا کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو کمرے میں گھس گئی اور ٹشو پیپر اٹھا کر لپ اسٹک اتارنے لگی۔ کچھ دیر پہلے کی مومن کی تمام باتیں خوش اور حیران کیے جا رہی تھیں۔ بھلا کب ایسی باتیں کہاں کرتا تھا جو ابھی کچھ عرصے سے شروع کر دی تھیں۔ اچھا بھلا وہ اس سے مخاطب ہوا کرتی تھی...... بات چیت بھی سہولت سے کر لیتی۔ اب تو بولتی ہی بند ہو گئی تھی۔

”کیوں اتار رہی ہو......؟“ وہ اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔ آئینے میں اسے دیکھا نظر آیا تو وہ گھبرا کر سامنے سے ہٹ گئی۔ مومن نے کلائی پکڑ کر اس کا رخ موڑا تو وہ حیران حیران نظروں سے دیکھتے پیچھے ہٹنے لگی۔ مومن بھی آگے آتا گیا، یہاں تک کہ وہ دیوار سے لگ گئی۔ مومن نے ہنسی روکتے چہرا سنجیدہ کیا اور دونوں ہاتھ اپنے سینے پر باندھے۔

”تمہیں کیا پوچھنا چاہیے کہ...... وہاں ودیلہ کے سامنے میں وہ سب باتیں کیوں کہہ رہا تھا؟“ جواباً وہ سر جھکائے کھڑی رہی، کہ پوچھنا تو چاہتی تھی پر ہمت کہاں تھی۔

”اچھا تسلی میں یہ سب ودیلہ کے خوف دور

www.pklibrary.com

کرنے پاؤں کہہ لو، اس کے ذہن میں پرانی یادیں واپس لانے کے لیے کر رہا ہوں۔ تم سے اس کی بات نہ کرنا اور گھبرانا مجھے اس وہم میں ڈال رہا ہے کہ کہیں اس کی یادداشت پہ اثر نہ پڑا ہو..... تمہاری بولی نکل اس لیے بائدھی تا کہ اسے پرانی ایلیا کی یاد آسکے۔ اب ہم نے اپنا زیادہ وقت اسے پرانی باتیں یاد دلانے میں لگانا ہے۔ میں نے ہماری شادی کی یاد دلائی، کچھ جھوٹ بولے..... صرف اس سے پرانی یادیں دوہرانے کے لیے۔"

"جی؟" ایلیا نے خود کو مستحضر ظاہر کرتے زور سے سر ہلایا، لیکن یہ آنکھیں کم بخت ایک ہی لفظ "جھوٹ" پر نم ہو گئیں۔ وہ سر نیچے کیے زور زور سے پلکیں جھپک رہی تھی تا کہ پانی نیچے نہ گرے..... اور پیچھے سے مزید آنسو تو بالکل ہی نہ آئیں۔ وہ ایک خوبصورت جھوٹ کی اتنی مختصر مدت پر ابھی مکمل خوش بھی نہ ہونے پائی تھی کہ مومن نے وہ خوشی اس سے بڑی بے دردی کے ساتھ چھین لی تھی۔ مومن نے اس کی پلکوں کے پانی کو دلچسپی سے دیکھا۔ ہونٹوں پر ہنسی آئی۔

وہ تو اسی نیچرل اظہار کے لیے اتنے دنوں سے سارا ڈرامہ کر رہا تھا۔ بہت دنوں سے جو کچھ خود محسوس کر رہا تھا..... خود سے ایک دن سوال کیا کہ مومن احمد جوابی اظہار کے متعلق کیا سوچتے ہو..... دل نے کہا جواب بھی اتنا فطری اتنا اپنائیت بھرا ملنا چاہیے۔

"اب ویلیہ کی حالت تو تمہارے سامنے ہے۔" اس نے لہجہ سنجیدہ رکھا۔

جی، میں سمجھ سکتی ہوں۔ اس نے سانس کھینچ کر خود کو نارمل کیا اور ایک سائیڈ سے ہو کر باہر جانے لگی۔

"باقی ہمارے بچ پر ہم کسی وقت آرام سے بات کریں گے۔"

مومن کی آواز نے اس کی سانس اور قدم بیک وقت روکے، پھر وہ تنا کچھ کے باہر نکل گئی۔ "ہمارے بچ کے بارے میں کیا کہیں گے آپ..... جانتی ہوں۔"

اس نے کچن کی طرف جاتے اس بار بالکل اپنے آنسوؤں کو نہیں روکا۔ عروبہ کو بیاہ کر لانے کی بات کریں گے اور مجھے دل پہ جبر کرکے ہاں کہنی پڑے گی۔ اب وعدہ کر چکی ہوں۔۔۔ اور یہ بھی پوچھی تو نہیں مانے تھے شادی کے لیے۔

☆☆☆

سرسوں جیسے کھلے پیلے کپڑوں میں وہ خود بھی بہار کی کلی جیسی تر و تازہ تھی۔ تانیہ نے آج پہلی مرتبہ منصب کی محبت، اس کی ویلیہ کو دیکھا تھا۔ ہلکی سی دستک دے کر وہ دونوں کمرے میں داخل ہوئیں تو ویلیہ نے اجنبی نظروں سے آنے والوں کو دیکھا۔ تانیہ کو وہ خالی خالی نگاہ بھی اتنی پسند آئی کہ وہ اس معصوم پری سے نظریں ہٹانا بھول گئی۔ معلوم نہیں کیسا دل کھینچ لینے والا خالی پن تھا ان آنکھوں میں..... اور آنکھوں کی خوبصورتی ایسی جھک تانیہ کو ان آنکھوں کے سحر پن نے جکڑ لیا تھا۔ وہ انہیں دیکھ کر اپنے آپ میں کتنی کیوں گئی، فی الحال سمجھنا مشکل تھا۔

وہ منصب نے آگے بڑھ کر پہلے مصافحہ کیا، پھر تانیہ آگے بڑھی اور اس کے سامنے والے سنگل پلنگ کے کنارے بیٹھ گئیں۔

"آپ..... کون؟" ویلیہ کی آواز بھی اس کی شخصیت جیسی خوب صورت تھی۔

"ہم یہاں قریب سے آئے ہیں..... آپ کی طبیعت کا سنا تو پوچھنے آگئے۔" تانیہ نے بہت نپے تلے انداز میں بہت سنبھل کر آغاز لیا۔

منصب نے اس سے ویلیہ سے اپنی ملاقات کا احوال شیئر کرتے مدد مانگی تھی کہ اگلی بار اسے ویلیہ سے ایک ماہر نفسیات کے انداز میں ملنا ہے۔ اور یہ سب معاملات اس نے تانیہ پر چھوڑ دیے تھے کہ اسے وہاں جا کر کیا کہنا ہے، کون سے سوال پوچھنے ہیں۔

البتہ اس ساری ملاقات سے اس نے بہت کچھ اخذ کر کے آنا ہے۔

www.pdklibrary.com

"اچھا اچھا!" وہ پہلی مرتبہ ہلکا سا مسکرائی۔

"میرا نام ثانیہ ہے...... اور یہ رمشہ ہیں۔۔۔ آپ سنائیں طبیعت اب کیسی ہے؟"

"جی اللہ کا شکر ہے، اب تو بہت بہتر ہے۔"

"اچھا...... الحمدللہ......" ثانیہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئی۔ دیلہ دونوں باتوں کا جواب دے کر اب غائب دماغی سے اپنی قمیص کے پرنٹ پر انگلیاں پھیر رہی تھی۔ سر نیچے جھکا ہوا تھا۔ اور یکدم لاتعلق نظر آتی تھی۔ جیسے اب کچھ پوچھنا اور بتانا نہ ہو۔ رمشہ نے سوالیہ نظروں سے ثانیہ کو دیکھا تو اس نے پلکیں جھپکیں۔ اب تو اسی نے ہی بات کو آگے بڑھانا تھا۔

"آپ کیا کرتی ہیں دیلہ...... مطلب اسٹڈیز وغیرہ؟" ثانیہ نے اپنا انداز تعارفی سا رکھا جیسے پہلی ملاقات پر ہوتا ہے، معمول کے سوالات پوچھنے والا۔

"میں نے ایم اے کیا ہے۔"

"اچھا...... ماشاءاللہ...... تو پھر...... پریکٹس وغیرہ؟" ثانیہ نے خود کو پرجوش ظاہر کیا۔

"ابھی تک نہیں کر سکی۔" اس کے چہرے پر مایوسی چھا گئی "پہلے امی بیمار ہو گئی تھیں...... پھر میری طبیعت ایسی ہو گئی۔"

"او...... اچھا...... تو پھر اب؟" ثانیہ نے بات کو جاری رکھا۔

"اب...... تو...... جب واپسی ہو گی۔ تب ہی۔" اس نے کندھے اُچکا کر اسی مایوس کن انداز میں جواب دیا اور سر جھکا لیا جبکہ رمشہ اور ثانیہ نے بے ساختہ ایک دوسرے کو دیکھا۔

"واپسی۔ کہاں...... دیلہ......؟" ثانیہ نے رک رک کر، بہت سوچ کر سوال کیا تو دیلہ نے اپنی بڑی بڑی پلکیں اوپر اٹھا کر ثانیہ کو دیکھا۔

"یعنی قید سے نکل کر۔" اس نے ایک بہت درد بھری آہ بھری تھی۔ ثانیہ کو یہ ایک بہت مشکل گھڑی لگی۔ احتیاط سے آگے بڑھنا ہی مقصد تک پہنچا سکتا تھا۔ اسے جلد بازی سے کام نہیں لینا تھا۔ اس نے اپنا ذہن کافی دور تک کچھ سوچ چکا۔

اس دوران اپنا ہاتھ غیر محسوس طریقے سے رمشہ کے ہاتھ پر دبا کر اسے کچھ بھی بولنے سے منع کیا۔ رمشہ کا یونہی بنا سوچے کچھ کہہ دینا اس موقع پر سارے کھیل کو بگاڑ سکتا تھا۔ ادھر رمشہ بھی سانس روکے اس حیرت انگیز جواب کے اگلے مرحلے کی منتظر تھی۔

"کیا...... ہم...... آپ کی کوئی مدد کر سکتے ہیں...... میرا مطلب ہے اس قید سے نکلنے میں؟" اس نے آواز کو نہایت دھیما رکھتے اپنا منہ دیلہ کے کچھ قریب کیا۔ جس پر دیلہ کی آنکھوں میں بجلی سی امید کی چمک پیدا ہوئی۔ اس نے بے ساختہ دروازے کی طرف دیکھا تھا۔

"ان لوگوں نے آپ کو اندر کیسے آنے دیا؟" اس بار دیلہ کی آواز بھی دھیمی تھی۔

"بس ہم خود ہی آ گئے...... باہر کوئی دکھائی نہیں دیا۔" ثانیہ ایک بار پھر مسکرا دی تھی۔

"آپ میری مدد کریں گی؟" دیلہ کا حلق خشک ہوا...... امید کی اس ہلکی سی کرن کو وہ اپنے مقابل بیٹھا دیکھ رہی تھی۔

"جی دیلہ...... آپ مجھے بہت اچھی لگی ہیں...... میں آپ کی مدد ضرور کروں گی۔ اور کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر دیلہ کے مقابل جا بیٹھی۔ لہجہ بھی سرگوشیانہ کر لیا۔

"آپ پلیز جلدی سے مجھے اپنا سکتی ہیں، ایسا نہ ہو کوئی آ جائے۔" ثانیہ نے اس کا سفید کومل ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا۔

"وہ...... ہم...... مجھے اپنی امی کے پاس جانا ہے۔ وہ بیمار ہیں، مجھے بہت یاد کرتی ہیں، لیکن یہ لوگ جانے نہیں دیتے۔"

"آپ کی امی کہاں ہیں اس وقت؟" ثانیہ نے سوال کیا۔

"ہم میانوالی سے ہیں۔ میری ساری فیملی وہاں ہے۔ یہاں ایک بھائی رہتا ہے اچھا سا، اسی نے

www.pklibrary.com

میرا علاج کروایا ہے لیکن وہ مجھے ساتھ نہیں لے جا رہا۔ وہ ان لوگوں کو اچھا سمجھ رہا ہے۔"

"اچھا۔" تانیہ نے بھی کچھ دیر رک کر سوچا۔ دیلہ کی باتیں ابھی الجھی ہوئی سی تھیں۔ اس لیے بہت سوچ کر آگے بڑھنا تھا۔ وہ اس وقت سیانٹرم میں موجود تھی اور اپنی فیملی حتیٰ کہ اپنی ماں کے پاس تھی لیکن جو وہ کہہ رہی تھی، وہ اس ساری صورت حال سے میچ نہیں کر رہا تھا۔

"اچھا..... تو دیلہ..... یہاں کون کون آپ کا دشمن ہے؟ مجھے کس سے بچ کر رہنا ہوگا؟"

"وہ تین عورتیں۔" دیلہ کی آنکھوں میں ایک خوف تھا۔

"کون سی تین عورتیں؟" تانیہ کا دل اب دھڑک رہا تھا۔

"وہی سب جو یہاں رہتی ہیں....." اس کی آنکھیں خوف سے پھیلی ہوئی تھیں۔

"ان کے نام کیا ہیں؟"

"نام..... دیلہ یک دم سوچ میں پڑ گئی پھر سر اٹھا کر تانیہ کو دیکھتے سرنفی میں ہلایا۔" نام تو مجھے کسی کا یاد نہیں ہے۔"

"اچھا کوئی بات نہیں۔ میں کچھ سوچتی ہوں۔ آپ بس مجھے دو چار دن دے دیں۔"

"آپ..... کریں گی میری مدد؟"

"ہاں ضرور..... آپ مجھ پر بھروسا رکھیں۔" تانیہ نے مسکرا کر پھر اس کا ہاتھ دبایا اور تب ہی ایلیا ٹرے ہاتھ میں لیے اندر داخل ہوئی..... دیلہ کا ہاتھ ابھی تک تانیہ کے ہاتھ میں تھا۔

دیلہ نے جلدی سے ہاتھ چھڑوا کر دونوں ہاتھ اپنی گود میں باندھ لیے۔ اور دانستہ تانیہ سے کچھ دور ہٹ کر بیٹھ گئی..... ایلیا سے چائے کا کپ لیتے اس کے ہاتھوں میں کپکپاہٹ آگئی تھی۔ تانیہ نے دیکھا کہ ایک بار پھر وہ سہمی ہوئی ہرنی لگ رہی تھی۔ جبکہ درمیان کا تمام وقت وہ بالکل نارمل لگنے لگی تھی۔ بول چال بھی متوازن تھی۔ پر اب ایلیا کو دیکھ کر نجانے کیوں۔

تانیہ نے ابرو کے اشارے سے ایلیا کو باہر جانے کا اشارہ کیا اور وہ بھی چونکہ اس سارے معاملے میں شریک تھی اس لیے فوراً سمجھ کر باہر نکل گئی۔

"دیلہ..... یہ لڑکی کون تھی؟"

"یہ ان کی کام والی ہے۔ بہت خطرناک ہے۔" دیلہ کے چہرے پر ایک خوف دکھائی دے رہا تھا۔

"او، اچھا!" تانیہ نے زیادہ تبصرہ نہیں کیا۔ "اچھا دیلہ۔ ہم دوبارہ آئیں گے۔ آپ آرام کریں..... اور ایک اچھی خبر کا انتظار بھی....." وہ اس کا شانہ تھپک کر رسمہ کو اشارہ کرتی فوراً ہی باہر نکل آئی۔

"کیا بنا۔ کچھ پتا چلا؟" ایلیا ہی سب سے پہلے ان دونوں کی جانب لپکی۔

"ابھی تو کچھ بھی کہنا مشکل ہے۔ میرا خیال ہے مجھے آنے والے دنوں میں دوبارہ دیلہ سے ملاقات کرنی ہوگی۔ اس سے آہستہ آہستہ ہی کھلا جا سکتا ہے۔ تاکہ اس کے ذہن پر کسی قسم کا دباؤ نہ پڑے اور....." وہ ذرا دیر کو رکی۔ "کیا میں موحسن بھائی سے بات کر سکتی ہوں۔"

"جی جی..... آپ میرے کمرے میں آجائیں۔ وہ اُدھر ہی ہیں۔" ایلیا ان دونوں کو لیے کمرے میں آئی تو موحسن اضطراری کیفیت میں یہاں وہاں ٹہل رہا تھا۔ عالی کو اس نے گود میں اٹھا رکھا تھا۔

ایلیا نے آگے بڑھ کر عالی کو اس سے لے لیا۔ موحسن بنا کچھ کہے بس سوالیہ نظروں سے تانیہ کو دیکھ رہا تھا۔ تانیہ نے دیلہ اور اپنی گفتگو دہرا دی۔

"تو..... آپ کو کیا لگتا ہے مس تانیہ، ان سب باتوں کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟"

"معاملہ تو یادداشت کا ہی لگتا ہے۔ لیکن یہ صرف یادداشت کا جانا نہیں ہو سکتا، کیونکہ دیلہ کے

www.pklibrary.com

اندر کچھ خوف بھی ہیں۔ اور مجھے لگتا ہے، وقتاً فوقتاً اس سے ملتے رہنا بہت ضروری ہے۔

"کیا آپ ہماری مدد کریں گی تانیہ......؟" ایلیا نے بے ساختہ کچھ ایسے پوچھا جیسے منت کر رہی ہو۔ تانیہ کے ساتھ موسیٰ نے بھی چونک کر ایلیا کو دیکھا۔ وہ اپنی پلکیں زبردستی جھپک رہی تھی۔ بولا بھی بڑی مشکل سے گیا تھا۔ لہجہ نم تھا۔

"یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے ایلیا!" تانیہ نے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا۔ "میں نہ آپ سب کے کہے نہ صرف مدد کے لیے تیار ہوں بلکہ مجھے آپ سب کا ساتھ بھی چاہیے۔"

"اور امی......؟" اس بار ایلیا اپنی آواز پہ قابو نہیں رکھ پائی۔ موسیٰ نے بڑی مشکل سے خود پہ ضبط کیا۔

"ان سب کو بھی بتانا پڑے گا۔ اگرچہ یہ ایک مشکل مرحلہ ہوگا۔ لیکن یہ بہت ضروری ہے کیونکہ ہم سب نے مل کر وصیلہ کو اس مرض سے نجات دلانی ہے۔"

تانیہ کا لہجہ حتمی تھا۔ ایلیا نے آنسوؤں سے بھری آنکھیں موسیٰ کی جانب اٹھائیں۔ جس پر اس نے تسلی آمیز انداز میں سر ہلایا۔

"ہم کریں گے۔ ڈونٹ وری۔ اور وصیلہ کا باقی علاج......؟ میرا مطلب ہے وہ دوائیں وغیرہ؟" موسیٰ نے اس بار سوالیہ انداز میں تانیہ کو دیکھا۔

"اس کے لیے مجھے وصیلہ کے سرجن ڈاکٹر سے بات کرنی ہوگی۔ لیکن فی الحال مجھے ایک دو مرتبہ پھر سے یہاں آکر وصیلہ سے بات کرنی ہوگی۔ اس کی یادداشت کے متعلق حتمی رائے کچھ وقت کے بعد ہی دے پاؤں گی۔ لیکن بہرحال تسلی رکھیں۔ علاج سے وصیلہ ٹھیک ہو سکتی ہے۔ اور بہت جلد ان شاء اللہ۔"

تانیہ پر یقین تھی یا نہیں لیکن اُن سب کے سامنے اپنا لہجہ مستحکم رکھا۔

"ہاں بس ایک بات کا دھیان رہے کہ آپ سب وصیلہ سے بہت سوچ سمجھ کر بات چیت کیا کریں گے۔ ایسا کوئی سوال مت کریں جس سے وصیلہ کے دماغ پر اور بوجھ پڑے۔" تانیہ کھڑی ہوگئی۔

"نہیں، میں سب کو منع کر دوں گا...... سوائے آپ کے وصیلہ سے کوئی بھی کچھ جاننے کی کوشش نہیں کرے گا۔ آپ چونکہ کیس کو ڈیل کرنا جانتی ہیں تو یہ کام بھی آپ ہی کیجیے گا۔"

موسیٰ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ رمشہ اور تانیہ جانے کی اجازت لے کر اسی وقت روانہ ہو گئے۔ اور ایلیا نے تھکے تھکے انداز میں موسیٰ کو دیکھا کہ جس کے سر پر اب ایک اور بڑی ذمہ داری آگئی تھی۔ اور اس نے بھی جیسے ٹھان لی تھی کہ اب اگر بتانا ہے تو پھر دیر کیسی۔ وہ اسی وقت رضوانہ پھوپھو اور امی کی طرف روانہ ہوگیا۔

☆☆☆

رات کچھ آدھی سے اوپر بیت چکی تھی......

موسیٰ کو تو کچھ ایسا ہی لگا جیسے وہ بہت لمبی نیند سے جاگا ہو...... اور وہ بھی کسی آواز سے۔ اس نے اٹھ کر سامنے دیکھا۔ سونے کی ترتیب ابھی تک وہی تھی۔ عالی اس کے پاس بیڈ پر سوتا تھا اور ربا نیچے میٹرس پر ایلیا کے ساتھ...... لیکن مدھم سی باہر سے آتی روشنی میں صرف ربا سوتی دکھائی دی۔ ایلیا کمرے میں کہیں نہیں تھی۔

بچے تو دونوں بے خبر سو رہے تھے۔ معلوم نہیں اس کی آنکھ کیسی آواز سے کھلی تھی۔

اس نے کمرے کے دروازے کو دیکھا کہ شاید ایلیا کسی کام سے باہر نکلی ہو اور اسی کی آواز آئی ہو۔ لیکن کمرے کا دروازہ بند تھا حتیٰ کہ چٹخنی بھی چڑھی تھی۔ اس نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے واش روم کے دروازے کو دیکھا۔ لیکن نیم وا دروازہ تاریک دکھائی دیا۔ ایلیا اندر گئی ہوتی تو لائٹ جل رہی ہوتی۔

وہ کمبل ہٹا کر بستر سے نیچے اترا۔ ایلیا کہاں تھی...... وہ کارپٹ پر ننگے پاؤں چلتا چھوٹے

کمرے کے دروازے تک آیا، دروازہ آدھا کھلا ہوا تھا...... وہ تھوڑا اور آگے آیا تو ہلکی ہلکی سسکیوں کی آواز سنائی دی۔ یہاں نائٹ بلب آن تھا...... مومن نے لائٹ آن کرنے کے لیے سوئچ بورڈ کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن پھر بچوں کی ڈسٹربنس کے خیال سے واپس کھینچ لیا۔ ایلیا کو بھی کسی کی آمد کا احساس ہوا تو اس نے سر اٹھایا۔

"کیا ہوا...... رو کیوں رہی ہو؟" وہ اس کے قریب نیچے قالین پر بیٹھ گیا۔ "ایلیا...... کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں......" اس نے اپنا چہرا ہتھیلیوں سے رگڑا اور اپنی جگہ سے اٹھنے لگی جیسے اپنی اس کیفیت کے سامنے آنے پر شرمندہ ہو۔ لیکن مومن نے اسے اٹھنے نہیں دیا اور کلائی سے پکڑ کر دوبارہ بٹھا دیا۔

"بتاؤ...... کیا ہوا ہے؟"

"بس ویسے ہی دل بھر آیا۔" وہ نیچے دیکھ رہی تھی۔

"وسیلہ کی وجہ سے؟" مومن نے نرمی سے استفسار کیا۔ ایلیا کی کلائی ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھی۔ ایلیا نے وسیلہ کے نام پر پہلے ہاں میں سر ہلایا پھر ناں میں...... مومن مزید حیران ہو گیا۔

"کیا مطلب ایلیا...... یار صاف صاف بتاؤ۔"

"وسیلہ آپی کی پریشانی تو ہے...... لیکن امی کی بہت فکر ہے...... ان کی حالت دیکھی تھی شام کو...... وہ کتنے سالوں بعد سے پھر سکنے لگی۔"

مومن نے تانیہ اور رمشہ کے جانے کے کچھ ہی دیر بعد امی اور پھوپھو کو پاس بٹھا کر ساری صورت حال بتائی تھی۔

فوری طور پر تو اسے ہرگز ایسا نہیں لگا کہ پھوپھو نے بات کو اس قدر سنجیدگی سے لیا ہے، لیکن کچھ ہی دیر میں ان کی طبیعت اتنی بگڑ گئی کہ انہیں ایمرجنسی لے جانا پڑا...... شوگر لیول اور بلڈ پریشر دونوں ہی بہت ہائی تھے۔ تین گھنٹے انہیں ہاسپٹل میں ہی رکھا گیا...... شام کو گھر واپسی ہوئی اور ان کی طبیعت قدرے بہتر تھی۔

"اگر امی کو کچھ ہو گیا تو وسیلہ آپی کو تو خبر بھی نہیں ہو گی کہ ان کی ماں کے ساتھ کیا ہوا۔ وہ تو امی کو پہچانتی ہی نہیں۔ مجھے اتنا ڈر پہلے کبھی نہیں لگا۔" وہ ہچکیاں لے کر روتے کہتی چلی جا رہی تھی اور اپنے آپ میں سمٹتی جا رہی تھی۔

"تحریم آپی دنیا سے چلی گئیں، وسیلہ آپی پہچاننے سے انکاری ہیں...... اور امی کی حالت کسی بھی طرح سے بہتر ہوئی ہے...... لیکن اگر انہیں کچھ ہو گیا تو میں بالکل اکیلی ہو جاؤں گی......"

"کسی کو کچھ نہیں ہو گا پاگل۔ اور اکیلی کیوں...... ہم سب ہیں نا۔"

"میرے گھر والے مجھ سے دور جا رہے ہیں۔"

"اور میں؟ میں کچھ نہیں ہوں تمہارا؟"

"آپ بھی تو کچھ نہیں لگتے......" وہ اچانک ہی چہرا ہاتھوں میں چھپا کر اتنا روئی کہ بہت دیر تک مومن چپ کا چپ بیٹھا رہ گیا۔

"مجھے...... یہاں...... دل میں......" وہ سسک سسک کر پھر بولنا شروع ہو گئی۔ مومن بغور اسے سن رہا تھا۔ "بڑی دیر سے بہت درد ہو رہا ہے...... ایک ایک کر کے...... سب ہی بچھڑنے لگے ہیں...... دور جانے لگے ہیں...... پھر دل چاہتا ہے، ہم بھی کیوں زندہ ہیں...... ہمارے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے...... میری بہن کے ساتھ...... وہاں۔ کیا ہوا ہو گا...... وہ کیا کبھی بتا پائیں گی...... کیا ہم سب پہلے کی طرح خوش۔"

وہ اپنے روتے لہجے کی وجہ سے بات بھی مکمل نہیں کر پا رہی تھی۔ سسکیاں اس کے کنٹرول سے باہر تھیں۔

"بس کرو ایلیا...... بس کرو......" مومن نے بے اختیار اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

وہ بالکل ہی آپے سے باہر ہو رہی تھی۔ مومن

www.pklibrary.com

جانتا تو تھا کہ وہ کتنے نازک، کتنے حساس دل کی مالک ہے لیکن یہ حساسیت آج اسے کتنا درد دے رہی تھی، کہیں اس کی ایلیا کو کچھ ہو نہ جائے۔۔ موسن کا دل بڑے کرب سے دھڑکا تھا۔ اس نے ایلیا کو مزید بھینچ لیا۔

"نہ میں تمہیں کچھ ہونے دوں گا، نہ ہی دیپہ، نہ پھوپھو...... تم سب میرے لیے بہت قیمتی ہو...... دیکھو ہمیں بچانے کی، ہمارے بیچ واپس آنے کی یہ میرا عزم ہے وعدہ ہے ایلیا......" وہ اس کے بالوں اور اس کی پشت کو محبت کی نرمی سے سہلا رہا تھا۔

"مت بھولو کہ صرف پھوپھو اور دیپہ ہی تمہاری فیملی نہیں۔"

"امی، بابا، ہمارے بچے... میں...... ہم سب تمہاری فیملی ہیں...... میں تمہیں کبھی خود سے جدا نہیں ہونے دے سکتا، تمہاری زندگی، تمہاری خوشیاں صرف مجھ سے مکمل ہوں گی...... تم کبھی کوئی حسرت، کبھی کوئی ادھورا پن محسوس نہیں کرو گی...... میری محبت، میرے دل، میری پوری زندگی پر تمہارا حق ہے ایلیا۔"

وہ اسے لپٹائے کہتا جا رہا تھا اور ایلیا پچھلا درد بھول کر ایک نئی حیرت میں غرق تھی...... موسن کی باتیں، اس کا یہ روپ...... وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کب اس کی تسلی، اس کے دل کی کیفیات میں شامل ہوتی اسے بے خود کرتی گئی...... وہ جو کہہ رہا تھا۔ ہرگز سوچا سمجھا ہوا نہیں لگ رہا تھا...... وہ تو جیسے اندر سے اپنے آپ باہر آ رہا تھا۔

بڑی دیر بعد موسن کی گرفت کچھ اچانک جیسے ایک جھٹکے سے ڈھیلی پڑی...... اور وہ خواب کی کیفیت سے باہر آیا...... جب بڑی دیر بعد ارد گرد کے ماحول کو بغور دیکھا، سمجھا اور جونہی سمجھ میں آیا وہ فوراً وہاں سے اٹھ کر باہر چلا گیا۔

بڑے کمرے میں آ کر دیوار سے پشت لگائے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں لبوں پہ رکھے وہ اپنے ہی جملوں پہ حیرت زدہ تھا...... یہ اتنی ڈھیر ساری محبت کیسے اور کب سے اس کے اندر سما گئی تھی۔ وہ تو خود بے خبر تھا اپنے جذبات سے، اپنے دل...... وہ بے ساختہ ہنس دیا...... یہ دل...... یہ بھی کیا عجوبہ تخلیق ہے قدرت کی۔ سوچ بچار سے اسے کیا لینا۔ کب اور کیسے کوئی بنا آہٹ کے دبے پاؤں اندر آ جائے۔ اور بندہ حیران کھڑا سوچنے لگے کہ یہ اس کے ساتھ کیا ہوا۔

☆☆☆

رضوانہ کی طبیعت آج بالکل ٹھیک لگ رہی تھی۔ ایلیا ناشتہ لے کر امی کے پاس آئی تو عفت ماسی ان کے پاس بیٹھی تھیں۔ کھانا کھلا کر اس نے امی کو دوا بھی وغیرہ دیں۔ اب وہ نارمل انداز میں دیکھنے کی پرابلم کو ڈسکس کر رہی تھیں۔ اور تانیہ کی باتوں کو سننے کے بعد قدرے پرامید بھی لگ رہی تھیں۔ ماسی نے ان کی تانیہ سے فون پر بات کروائی تھی۔ جس کے بعد وہ اور بھی مطمئن لگ رہی تھیں۔

موسن نے پچھلی رات ہاسپٹل سے واپس آ کر تانیہ سے بات کی تھی کہ وہ رضوانہ آنٹی کی تسلی کی خاطر وہ اس معاملے کو بہت عام اور معمولی نوعیت کا بتائے گی۔ تانیہ خود بھی خاصی سمجھدار تھی۔ اس نے رضوانہ آنٹی کی خوب تسلی کروا دی تھی۔

ایلیا انہیں دوائیں دے کر واپس کچن میں آئی تو موسن وہاں کھڑا کف کے بٹن بند کر رہا تھا۔ رات کی باتوں کے بعد نئے احساس نے ایلیا کے قدم صرف جھجک سے نہیں روکے تھے بلکہ ان میں ایک خوش گوار سی، ایک ناقابل بیان سی اپنائیت بھی تھی۔۔ وہ موسن کی طرف مکمل دیکھ ہی نہیں پائی اور چولہے کی طرف بڑھ گئی۔

اسے موسن کو ناشتہ دینا تھا لیکن دماغ بالکل غیر حاضر ہو چکا تھا۔ وہ چولہے کے نزدیک آ کر رکی ضرور تھی لیکن دھیان کا خانہ بالکل بلینک تھا۔ اسے چولہا جلا کر موسن کے لیے چائے گرم کرنی تھی...... لیکن وہ وہاں کھڑی خالی خالی نظروں سے کیتلی کو دیکھ رہی تھی۔ اسے کیا کرنا تھا کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔

www.pklibrary.com

مومن کچھ دیر تو ساکت کھڑی ایلیا کو دیکھتا رہا لیکن پھر سمجھنے میں بس بہت تھوڑا وقت لگا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ ایلیا کی اس کی جانب پشت تھی منہ کیبنٹ کی طرف تھا۔ وہ چند قدم آگے آئے بالکل اس کی بیک پر آیا اور ایک ہاتھ سائیڈ سے آگے لے جاتے چولہا آن کر دیا۔ ایلیا ایک دم چونک کر پیچھے ہوئی اور بلاوجہ ادھر اُدھر ہاتھ مارنے لگی...... دماغ ابھی بھی حاضر نہیں لگ رہا تھا۔

اسے اب چائے کا کپ اور پھینٹی نکالنا تھی لیکن اس نے ہاتھ میں پلیٹ اٹھائی تھی۔ مومن نے دونوں لب دانتوں میں دبا کر ہنسی روکی، خود ہی کپ اور پھینٹی بھی سیدھے کیے اپنے لیے چائے ڈالی۔ ایلیا سامنے سلیب کو دیکھتے ہاتھ میں ہنوز پلیٹ لیے کھڑی تھی۔ مومن نے چائے کا کپ اٹھایا اور اس کے نزدیک آتے چہرہ اس کے کان کے قریب کیا۔

"میں ..... چائے کے ساتھ پلیٹ نہیں کھایا کرتا ہوں، اور وہ شاید ہاٹ پاٹ میں ہوگا۔" وہ اسے یاد دلاتا چھوٹی ٹیبل کے قریب جا بیٹھا اور ایلیا شرمندہ سی مسکرا دی۔ ہلکی قصور میں نہیں بلکہ چپت ماتھے پہ ماری جس پر مومن کو اور بھی ہنسی آگئی۔ ایلیا نے ہاٹ پاٹ اس کے سامنے لا کر رکھ دیا۔

"انڈا بنا دوں؟"

"نہیں بس، مکھن اور شہد......" اس نے خود ہی اٹھا کر اپنے قریب کر لیے۔ ایلیا واپس پلٹنے لگی جب مومن نے کلائی پکڑ کر روکا۔

"بیٹھو......"

"جی......" وہ فوراً ہی کسی معمول کی طرح سامنے کرسی پر ٹک گئی۔ ہاتھ البتہ چھڑا لیا۔

"ناشتہ کر لیا ہے؟" مومن نے پوچھا تو اس نے سر نفی میں ہلایا۔ مومن نے مسکرا کر اپنے پہلے نوالے کو دیکھا اور تھوڑا سا آگے ہوتے ہاتھ ایلیا کے منہ کے قریب کیا۔ ایلیا نے حیرت سے دیکھا...... لیکن پھر آگے بڑھ کر نے بھی لیا۔

"جاؤ..... اپنی چائے لے آؤ...... مل کر ناشتہ کرتے ہیں۔"

"لیکن......" وہ گھڑی دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی، جیسے یاد دلانا چاہتی ہو کہ وہ لیٹ ہو رہا ہے۔ منہ سے البتہ کچھ نہیں کہا۔

"کیا لیکن...... جاؤ چائے لے کر آؤ، آج سے ہم اکٹھے کھایا کریں گے۔"

"جی...... وہ میں چائے نہیں پیتی۔" اس نے اپنی مجبوری بتائی اور مومن بری طرح حیران ہوا، اسے واقعی نہیں پتا تھا۔

"بڑی بدذوق ہو...... کمال ہے، چائے کیوں نہیں پیتیں؟"

"بس پا نہیں، بچپن سے کبھی نہیں پی۔"

"تو اب پیا کرو...... بہت مزے کی ہوتی ہے۔" مومن نے مسکرا کر اپنا کپ اس کے آگے کھسکایا۔ اور ایلیا جو بڑی دیر سے خود کو بیچ کسی مشکل میں گھرا محسوس کر رہی تھی...... ایک دم مسکرا دی۔ مومن کی ہلکی پھلکی باتیں، خود پچھلی رات کے اثر کو دوستی کے رنگ میں ڈھال رہی تھیں اور وہ اتنی دیر سے ساکن دماغ لیے ان لمحوں کی خوبصورتی کو خود اپنے ہاتھوں غارت کر رہی تھی۔ اگرچہ یہ بھی محبت کی گہرائی تھی۔ جتنی شدت سے ہم کسی کو اپنے اندر محسوس کرتے ہیں...... سامنا ہونے پر وہی ہمیں پتھر کا بنا دیتا ہے۔

لیکن مومن مرد تھا۔ اپنے کہے کا مان رکھنے والا مرد...... جو اس نے رات کہا اگرچہ بنا سوچے سمجھے کہا ہو گیا لیکن اب جب اظہار ہو چکا تو کیسے ممکن تھا کہ وہ دوبارہ اسی مقام پہ جا ٹھہرتا۔ ایلیا نے چائے کا کپ ہاتھ میں لے کر ایک گرم گھونٹ لیا اور کپ واپس رکھتے مومن کی طرف دیکھا۔

"جی...... بہت اچھی ہے۔"

"ہوں......" وہ اسے مسکرا کر دیکھتے کپ اٹھا کر منہ سے لگانے لگا لیکن ایلیا نے فوراً ہاتھ بڑھا کر روک دیا۔

"میں آپ کے لیے اور لاتی ہوں...... یہ تو

www.pklibrary.com

بھول ہوگئی۔"

"جھوٹا سچا مجھے نہیں سمجھاؤ..... یہی ٹھیک ہے۔" وہ مسکرا کر اپنے ناشتے میں مصروف ہوگیا اور ایلیا بس محبت سے دیکھ کر رہ گئی۔ اس دن کے بارے میں اس نے کب سوچا تھا۔

☆☆☆

مومن نے آفس سے نکل کر منعب سے رابطہ کیا تو پتا چلا کہ وہ ڈیوٹی سے فارغ ہو کر اپنے گھر پہنچ چکا ہے۔ منعب نے اسے بھی وہیں بلا لیا۔ مومن آفس سے سیدھا منعب کے گھر آگیا۔

"کیسی طبیعت ہے ادی کی؟" منعب نے آواز شاید رعد کی وجہ سے نیچی رکھی۔ مومن نے ایک نظر کچن کی طرف دیکھا پھر منعب کو۔

"ہمیشہ کو نہیں بتایا؟"

"ابھی کسی کو نہیں بتایا، بڑی بہن تھانہ سے آجائے تو پھر۔"

"کیسا لگتا ہے منعب..... یہ سب بہت ناقابل یقین ہے۔"

"درد ہوتا ہے....." منعب نے بے ساختہ آہ بھری تھی۔ مومن چونک سا گیا "خود کو وجیہہ کا مجرم سمجھتا ہوں۔"

"نہیں میں تمہارے معاملے کی بات کر رہا ہوں۔" مومن کچھ الجھ سا گیا۔ منعب اسے دیکھ کر ہنس دیا۔

"میں بھی اسی معاملے کی بات کر رہا ہوں۔ رشتوں ناتوں کی یہ انقلابی تبدیلی اپنی جگہ مومن لیکن درد اس بات کا ہے کہ اگر مجھے اس وقت اس بات کا علم ہوگیا ہوتا تو میں ارحم کے طعنوں اس کی دھمکیوں میں تو نہ آتا اور نہ ہی وجیہہ اس حال کو پہنچتی..... وادی کے قتل کے پیچھے ان کے ڈر ان کے خوف تھے اس لیے انہیں تو الزام نہیں دے سکتا لیکن قدرت سے بھی کیا شکوہ کروں....."

"فی الحال یہ سب مت سوچو منعب اور پیچھے مڑ کر دیکھنے کا فائدہ بھی کیا ہے..... فی الحال ہمیں وجیہہ کی صحت پر فوکس کرنا ہے۔"

"کیسی طبیعت ہے اس کی؟" منعب نے بھی اپنا دھیان بچھلی باتوں سے ہٹایا۔

"یار تم سے آج بہت کچھ ڈسکس کرنا ہے..... سب سے پہلی بات یہ کہ ڈاکٹر ثانیہ سے کب اور کیسے ملاقات ہو سکتی ہے؟"

"ثانیہ یہاں سے تیسرے ڈور پر رہتی ہے..... میں ابھی کال کر کے پتا کر لیتا ہوں، اگر وہ فری ہے تو ہمیں ملنے آجائے گی۔"

"اوکے گڈ..... دراصل میں آج انہیں بطور ایک سائیکاٹرسٹ کے وجیہہ کے لیے ہائیر کرنا چاہتا ہوں..... ان کی فیس وغیرہ ان کے وزٹ....."

"وزٹ وغیرہ کے متعلق ضرور پوچھو..... لیکن فیس کی بات وہ نہیں سنے گی۔" منعب ذرا سا مسکرایا۔ تو مومن کو حیرت ہوئی

"کیوں....."

"بھئی..... میں آل ریڈی اسے ہائیر کر چکا ہوں۔ اور یہی سب کہا ہے لیکن وہ فیس وغیرہ نہیں لے گی..... اصل کی بات یہ ہے مومن! کہ ثانیہ نے ایک حادثے کی وجہ سے اپنا کلینک اور کام دونوں چھوڑ دیے تھے۔ اس کی تفصیل میں پھر کسی وقت سناؤں گا..... لیکن یہاں میرا اور میرا باوجود ہم سب کے فورس کرنے کے وہ دوبارہ کلینک کھولنے پر تیار نہیں ہوئی..... البتہ اب وجیہہ کی بیماری کے بعد جب میں نے اس سے باقاعدہ اس کے علاج کے لیے فیور مانگی تو ثانیہ نے اسے میری دوستی کی خاطر ایک چیلنج سمجھتے ہوئے قبول کر لیا ہے۔

اور اگر اس کی کوششوں سے وجیہہ مکمل صحت یاب ہو جاتی ہے تو نہ صرف اس کا اعتماد بحال ہوگا بلکہ وہ اپنا کلینک بھی دوبارہ کھول لے گی۔ لیکن شرط یہی ہے کہ وہ اپنے چیلنج کی راہ میں ایک روپیہ بھی وصول کرنے کو تیار نہیں۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆

مومن رضوانہ اور ایلیا کے ساتھ تھانہ آتا ہے۔ دیلہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہوتی ہے، اس کی دماغی حالت خراب ہو جاتی ہے وہ کسی کو نہیں پہچانتی۔ منصب کی مدد سے مومن شہباز اور ارحم کے خلاف رپورٹ درج کرواتا ہے۔ ارحم اور شہباز اپنی ملازمہ کے ذریعے ہاسپٹل میں دیلہ کو مارنے کی کوشش کرتے ہیں، عین وقت پر منصب آجاتا ہے۔

digest novels lovers group

مومن دیلہ کو میاادیم لے آتا ہے۔ یہاں اس کا علاج ہوتا ہے۔ لیکن اس کی دماغی حالت بہتر نہیں ہوتی۔ اس کے لیے تانیہ کی مدد لی جاتی ہے۔

دادی منصب کو بتا دیتی ہیں کہ وہ ان کا پوتا ہے۔ شہباز اسے مارنے کا پروگرام بناتی ہے اس لیے وہ خشی کی بیوی سے رضوانہ کا بیٹا تبدیل کر دیتی ہیں تا کہ اس کی جان بچ جائے۔

دسویں قسط

"مجھے یقین ہے تانیہ اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوگی اور ہم بھی اس کے ساتھ ہیں۔"

"ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ اور ہاں۔ تم کیا کہہ رہے تھے کہ بہت کچھ مس کرتا ہے۔"

"یار، سب سے بڑی پرابلم تو دیلہ کا گھر کی خواتین کے ساتھ رہنے کا ہے۔ میں گھر پر شفٹ ہوں تو ان کے لیے چیج کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ پھوپھو الگ پریشان رہتی ہیں۔ دوسرا مسئلہ گھر میں جگہ کی کمی کا بھی آرہا ہے۔ اس کے لیے تو خیر میں نے کامران سے بات کرلی ہے۔ ہم نے پھوپھو کے اکیلے پن کی وجہ سے گھر کرائے پر دے دیا تھا۔ کامران کے لیے اب میں کوئی دوسری جگہ گھر دیکھ رہا ہوں۔ وہ بھی ہماری مجبوری سمجھ رہا ہے۔"

"ٹھیک کر رہے ہو مومن، اور دیلہ کا اپنے گھر جانا اس لیے بھی بہت ضروری ہے کہ اگر اسے پرانی باتیں کچھ کچھ یاد ہیں تو اپنے گھر، اپنے کمرے میں واپس جانا بہت مددگار ثابت ہوگا۔"

"لیکن مسئلہ یہ ہے کہ وہاں صرف پھوپھو اور دیلہ ہوں گی۔ اور پھوپھو سے تو وہ ڈرتی اور جھجکتی ہے۔ اور ہرگز ان کے ساتھ رہنے کو تیار نہیں۔"

"ہوں۔" منصب نے بھی لب بھینچے۔ "ایلیا اور ماں کا جانا بھی کسی کام کا نہیں، وہ انہیں بھی پسند نہیں کرتی۔" وہ اپنے آپ میں بڑبڑایا تھا۔

"تم گھر آجاؤ منصب؟" مومن نے ایک دم ہی کہہ دیا تو منصب نے چونک کر سر اٹھایا۔

"میں.....؟" وہ حیرت زدہ تھا۔ "کیا یہ اتنا آسان ہے مومن؟"

"آسان یا مشکل مجھے نہیں پتا منصب..... لیکن یہ بہت ضروری ہے۔"

"تم سمجھ نہیں رہے مومن۔" اس نے بے چینی سے جگہ بدلی۔ "امی اور باقی گھر والے اس حقیقت کو مان بھی جائیں کہ میں اس گھر کا فرد ہوں، ہم باقی دنیا کو کیسے یقین دلائیں گے۔ اور کون مانے گا۔ اتنا بڑا سچ۔ جو دنیا کے نزدیک معلوم نہیں سچ ہے بھی یا نہیں ہو۔"

"پلیز منصب۔ اس وقت صرف دیلہ کے متعلق سوچو۔ میرے پاس اس وقت میرے علاوہ کوئی نہیں ہے جسے وہ اپنا سمجھے۔ اور مجھے صرف تمہاری نہیں رمشہ کی بھی ضرورت ہے۔ تمہیں اس نے اگر صرف پہچانا تھا تو رمشہ اور تانیہ کو اس نے اپنی دوست سمجھا ہے۔ وہ مجھ سے کئی بار ان دونوں کے متعلق پوچھ چکی ہے۔ ایسے میں اگر تم گھر آجاؤ تو رمشہ مستقل اس کے پاس آجائے گی۔ پھر تم خود سوچو، وہ رمشہ کا خون اس کی سگی بہن ہے۔ تم دونوں کر رمشہ پر بھی کیوں ظلم کر رہے ہو۔"

"کیونکہ ہماری زندگی آپ سب سے دور رہ کے گزری ہے۔" منصب بے ساختہ کچھ تلخ ہوا، پھر خود ہی سر جھٹک کر ہاتھ تھکے تھکے انداز میں اپنی

گود میں گرائے۔

"میں صرف وصیلہ کے تئیں۔ ارحم اور حویلی والوں کے بارے میں بھی سوچ رہا ہوں مومن! وہاں بھی کوئی نہیں جانتا کہ رشتوں کی نوعیت بدل چکی ہے۔ اور اگر جان جائیں تو یقیناً مرتے دم تک نہیں کریں گے۔ ایسے میں ارحم کی بیوی کے ساتھ میرا ایک ہی گھر میں رہنا۔" اس نے سوالیہ مومن کی طرف دیکھا تو اس نے بھی ایک گہرا سانس کھینچا۔

"بات تمہاری ٹھیک ہے منصب! لیکن سب سے پہلے میرا تمہیں مشورہ ہے کہ تم حویلی والوں کے پریشر سے باہر نکل آؤ۔ اور وہ اس لیے کہ تم حویلی کے مالکوں میں سے ایک ہو۔ اور تمہیں یہ بات روز اللہ کے حساب سے خود کو یاد دلانی ہوگی۔ جہاں تک کسی کو یقین دلانے کی بات ہے تو سب سے پہلی بات یہ کہ والدین حیات ہیں۔ وہ خود کافی ہیں۔ دوسرے یہ کہ "سچ" بہر حال ایک ورتھ (قیمت) رکھتا ہے۔ اس کی حقیقت کو کوئی لاکھ جھٹلائے وہ اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے۔ اس لیے میرا تمہیں مشورہ ہے کہ سب سے پہلے رمشہ کو یہ سچ بتاؤ۔ اس کے بعد تانیہ کو بتا کر اس سے معافی مانگو۔ وہ یقیناً ایک بہت اچھی ضمیر ہے۔ اور ہاں، پھوپھو کا گھر دو تین دنوں میں فارغ ہو جائے گا۔ میں تانیہ سے مشورے کے بعد ان کو وہاں شفٹ کرنا چاہتا ہوں۔ تم کسی وقت تانیہ کو گھر لے آنا۔ میں اور ایلیا اس سے سیٹنگ وغیرہ کے متعلق ڈسکس کرنا چاہتے ہیں۔ میرا مطلب ہے کیا یہ نیا ماحول پیدا کرنا واقعی کچھ ہیلپ کرے گا۔ یا ہمیں کچھ اور سوچنا چاہیے۔"

"او کے۔ میں تانیہ کو جلد ہی آپ کے ہاں لے آتا ہوں۔ اور۔" وہ ذرا دیر کو رک کر مسکرایا "بڑے بھائی کے باقی مشوروں پر بھی عمل کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"ہاں۔ یہ بہت ضروری ہے۔" مومن نے مصافحہ کرتے گرمجوشی سے اس کا ہاتھ دبایا۔ اور جانے کی اجازت لے لی۔

☆☆☆

"پھوپھو کی طبیعت کیسی ہے؟"

اس نے گھڑی سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ایلی کو دیکھا۔ انداز کچھ تھکا تھکا سا تھا۔ گھر آتے ہی تین تین مریضوں کا حال پوچھنا پڑتا تھا اور اعصابی طور پر مومن خود کو بہت ڈھیلا محسوس کرنے لگا تھا۔ روز اللہ کا حال اگر آج کل وہ منصب سے شیئر نہ کر رہا ہوتا تو حالت شاید کچھ اور دگرگوں ہوتی۔ کھانا وہ منصب کے گھر سے کھا کر آیا تھا۔

اور اب چائے پی کر پہلے کچھ دیر ابو کے پاس بیٹھ کر ان کی طبیعت کا پوچھا تھا۔ اسلام آباد سے واپسی پر وہ اس اور تحریم ابی کی وجہ سے ان کی حالت بہت بہتری کی طرف مائل تھی۔ اب وہ باتیں کرنے کے دوران اٹکتے بہت کم تھے۔ چار پانچ لفظ تو بڑی روانی سے بول جاتے تھے۔ ہاتھ بھی اب ایک فٹ اوپر تک اٹھا لیتے تھے۔ انگلیوں کے اشارے پہلے کی نسبت زیادہ پختہ ہو گئے تھے اور سب سے اچھی بات یہ تھی کہ اب ان کی گردن ایک سائیڈ کو ڈھلکی نہ رہتی تھی۔ گردن کا تناؤ کافی پر سدھ واپس آ چکا تھا۔

وہ خود بھی اپنی طبیعت اور اپنے نئے علاج سے بہت مطمئن تھے۔ اور اب وہ مومن اور عمارت کی مدد سے لان میں چہل قدمی بھی شروع کر چکے تھے۔ ان کے ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ چھ ماہ کے اندر وہ مکمل فٹ اور تندرست محسوس کریں گے۔ دوسرا نمبر رضوانہ پھوپھو کا ہوتا۔ وہ ان کے پاس بیٹھ کر انہیں وصیلہ کے متعلق اچھی اچھی خبریں سناتا۔ آج کل وہ بھی اس بات سے خوش تھیں کہ وہ اپنے گھر میں واپس شفٹ ہونے والی تھیں۔ اس کے بعد وہ وصیلہ کے پاس بیٹھتا لیکن وصیلہ سے صرف اس کی طبیعت کے متعلق بات ہوتی۔

تانیہ آج کل پورے انہماک سے ذہنی امراض کی اسٹڈی کر رہی تھی۔

وصیلہ کی چوٹ کے متعلق اسے پورا یقین تھا کہ وہ جلد کسی نتیجے پر پہنچ کر مشورہ دے گی کہ ایسے شخص کے ساتھ کس طرح ڈیل کرنا چاہیے۔

اور چوتھا آج کا اہم کام کامران کے پاس جانا تھا۔ وہ لوگ اگلے روز یہ گھر چھوڑ رہے تھے۔ مومن کو

اسی سلسلے میں کچھ ضروری باتیں کرنی تھیں۔ وہ پھوپھو کی طبیعت پوچھ کر کمرے سے باہر نکلا تو ایلیا چائے لیے سامنے آ گئی۔ دن بھر کے بعد وہ اسے اب دکھائی دی تھی۔ گہرے سوگوار فکر میں وہ کوئی ساحرہ لگ رہی تھی۔ وہ زیادہ نہ سوچے نظر چرا کر پھوپھو کے کمرے میں آ گیا۔ ایلیا بھی ٹرے لیے وہیں آ گئی۔ عدت ماں بھی اس کی امی کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ ٹرے میں تین کپ تھے اس نے سامنے میز پر رکھ دیے۔ حالی اور دیا وہیں میٹرس پر بیٹھے بلاک سے کھیل رہے تھے۔ وہ چائے رکھ کر ان کے پاس جا بیٹھی۔

"وسیلہ کی چائے؟" عدت ماں نے سوالیہ ایلیا کو دیکھا۔

"آپی نے کھانا لیٹ کھایا ہے ماں۔ اور ابھی میں گئی تو وہ سو رہی تھیں۔ جب جاگیں گی تو بنا دوں گی۔"

"اور تم؟" انہوں نے معلوم نہیں کیا پوچھا تھا۔

موحن نے امی کے سوال پر ایک نظر پوچھتی ایلیا کو دیکھا لیکن اس نے بنا کوئی جواب دیے سر جھکا لیا۔

"یہ تو چائے نہیں پیتی۔" امی نے عدت کو یاد دلایا۔ وہ یہی سمجھیں کہ عدت اس سے چائے کا پوچھ رہی ہیں۔

"نہیں، میں کھانے کا کہہ رہی ہوں۔ اس نے ہم سب کو کھانا دیا لیکن خود نہیں کھایا تھا۔"

"کیوں، ایلیا کھانا کیوں نہیں کھایا؟" رضوانہ بھی اسے تشویش سے دیکھنے لگیں جبکہ وہ بری طرح نروس ہو گئی۔ وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ اس موضوع پہ بولا جائے اور موحن نے اس بات کو شدت سے محسوس کیا کہ وہ کھانے کے موضوع سے گریز کر رہی تھی۔ وجہ البتہ اس کی سمجھ میں نہیں آ سکی۔

"کیا بات ہے۔ کھانا کیوں نہیں کھایا؟" ایلیا جوں ہی اپنے کمرے میں گئی، وہ بہانا کر کے اٹھتے فوراً اس کے پیچھے آیا، لیکن جواباً ایلیا نے بنا کچھ کہے خاموشی سے ایک نظر اسے دیکھا۔ جس پر موحن مزید چونکا۔ ایلیا کی نظر کچھ کہتی، کچھ جتاتی ہوئی سی تھی۔ جیسے کہتی ہو، خود یاد کریں۔ لیکن کیا۔ وہ کچھ دیر سوچتے کے بعد بھی کچھ نہیں پایا۔

"یار بتاؤ نا۔ کیا وجہ ہے؟" وہ پھر اس کے سامنے آ گیا۔

"صبح آپ نے کیا کہا تھا؟" اس نے الٹا اسی سے پوچھ لیا۔

"صبح۔" وہ سوچ میں پڑ گیا۔ "ناشتے کے نام۔ کچن میں؟"

"ہوں۔" وہ اسے دیکھے گئی۔

"پتا نہیں۔ صبح تو بہت ساری باتیں ہوئیں۔"

"آپ نے کہا تھا، آئندہ ہم ایک ساتھ کھانا کھائیں گے۔" اس نے جھکے سر کے ساتھ یاد دلایا تو موحن نے بے ساختہ نچلا لب دانتوں تلے دبایا۔ وہ تو منصب کے گھر سے کھانا کھا کر آیا تھا۔

"سوری یار۔ منصب نے روک لیا کھانے پہ۔"

"اور آپ کو یاد بھی تو نہیں تھی اپنی بات۔" وہ شکوہ کر کے پلٹ گئی۔

"کیسے یاد ہوتی۔ ابھی آج پہلا ناشتہ ہی تو کیا ہے ایک ساتھ۔ عادت بناؤ گی تو بھولے گی ہی نہیں۔"

"جی!" وہ سعادت مندی دکھاتے فوراً تائید کرنے لگی۔ موحن نے کچھ دیر اس کی بے تکی مصروفیت کو دیکھا۔ پھر آگے بڑھ کر اسے کندھوں سے تھام کر اپنے سامنے سیدھا کھڑا کیا۔

"اتنا کنسرن دکھا کر میرے تن من آرام کی دشمن نہ ہو۔"

"جی!" وہ حیرت سے دیکھنے لگی۔ جملہ بالکل سمجھ میں نہیں آیا۔

"ابھی میں بہت الجھا ہوا ہوں، چاہوں بھی تو اپنی خواہشات کے لیے وقت نکالنا ممکن نہیں، وہ کیا کہتے ہیں۔"

"ابھی کچھ دن لگیں گے، خواب کو تعبیر ہونے میں۔" وہ مسکرایا۔

"میرے ساتھ ایسا ہی کچھ ہے، کتنی باتیں، کتنے انکشاف ہیں جو صرف تم سے شیئر کرنے ہیں۔ لیکن یہ سارا حسن فرصت مانگتا ہے، جو ابھی

میرے علاوہ ان دونوں کو بھی حاصل نہیں۔ جانتی ہو ایلیا۔" وہ اس کے ماتھے پر آئے بالوں کو انگلی سے ہٹانے لگا۔ "ان سب میں ایک بات ایسی ہے جو تمہیں حیران کر دے گی اور جسے بتانے کے لیے میں بہت بے تاب ہوں، لیکن کاش وہ وقت قدرت مجھے جلد نصیب کر دے۔"

"ہاں مجھے اندازہ ہے۔ اور میں چاہتی ہوں آپ کی ہر پریشانی بانٹ سکوں۔"

"بانٹ ہی تو رہی ہو میری جان۔ پہلے دن سے اور کون ہے جس نے میرے بوجھ اپنے سر لیے ہیں۔"

"بوجھ کیسے؟" وہ اسے دیکھنے لگی۔

"میری اولاد، میری فیملی۔"

"نا۔" ایلیا نے بے ساختہ انگلیاں اس کے لبوں پہ رکھ کر روکا "نہ بچوں کو بوجھ کہتے ہیں نہ فیملی کو۔ اللہ پاک ناراض ہوگا۔ پھر میں بچوں کے لیے اور آپ کی فیملی کے لیے پرائی تو نہیں تھی کہ" بات اس کے منہ میں رہ گئی اور موسن نے اسے ہلکا سا اپنی طرف کھینچا۔

"اور موسن۔ وہ کیا ہے تمہارا؟"

"وہ بھی نہیں۔" وہ مسکرائی تو ہونٹوں پر شرمیلی لیکن شرارتی سی ہنسی بھی تھی "میں بھی تب ہی بتاؤں گی، کیونکہ" وہ ذرا سا رکی "حیران کرنے کے لیے میرے پاس بھی کچھ ہے۔"

"اچھا۔؟" وہ گہری نظر سے دیکھنے لگا "پھر تو اس خوب صورت وقت کو قریب لانے کے لیے محنت بھی ڈبل کرنی پڑے گی۔"

"ہوں۔ تو کیا اسی لیے آپ نے عروبہ کو بلا بھیجا ہے؟" وہ ایک دم خفا ہوتے اس سے دور ہٹ گئی جبکہ موسن نے وہیں رک کر اس کی اچھوتی بات کو سوچا۔ اس نے امی سے کہا تھا کہ کل صبح کامران وغیرہ گھر فارغ کر دیں گے۔ پھر عروبہ بچوں کو سنبھال لے گی اور ایلیا فیروزہ مل کر گھر صاف کر لیں گی۔ اب لگتا تھا امی نے یہی بات ایلیا کو بتائی تھی۔ لیکن یہ ایلیا۔ اس نے باہر جاتی ایلیا کو دروازے میں روکا۔

"اے لڑکی۔ تم عروبہ سے جیلس ہوتی ہو۔ ہاں؟"

"وہ لوگ مجھے پسند نہیں کرتے۔ تو میں کیا جیلس بھی نہیں ہو سکتی؟" وہ سر جھکائے کھڑی تھی۔

"یہ کس نے کہا؟" وہ اب حیران تھا۔

"اور کس نے۔ آپ کی خالہ ہر بار کچھ نہ کچھ کہہ جاتی ہیں۔ اس روز کہنے لگیں، تمہیں بچے پالنا تو آتا نہیں تھا صاف لگ رہا ہے مقصد کچھ اور تھا۔"

"خالہ نے ایسا کہا؟" اسے یقین نہیں آیا۔

ایلیا نے تبصرہ نہیں کیا اور چپ کھڑی رہی۔

"اچھا، کہنے دو۔ جب میں مطمئن ہوں ہمارے بچوں کی طرف سے تو وہ کون ہیں فکریں لگانے والی۔"

"میں بس یہ چاہتی ہوں کہ وہ مہمان بن کر جب دل چاہے یہاں آئیں لیکن آپ گھر کے معاملات میں کوئی احسان نہ لیا کریں۔ میں اور فیروزہ سب کچھ کر لیں گے۔ بچوں کو سنبھالنے کے لیے امی اور ابا ہیں نا۔"

"ٹھیک ہے زوجہ محترمہ، لیکن جب تک آپ کہیں گی نہیں مجھے پتا کیسے چلے گا۔"

"اگر آپ مجھ سے بات کرتے تو میں رمشہ کا نام لیتی۔ وہ اتنی نائس، اتنی کوآپریٹو ہے کہ کبھی تم بچوں کا خیال رکھو میں اور فیروزہ گھر صاف کرتے ہیں۔"

"ہاں واقعی۔ مجھے بالکل خیال نہیں آیا۔"

"بس تو آپ آئندہ میرے مشوروں پر ہی چلا کریں۔" وہ شرارت سے مسکرائی۔

"حاضر جناب!" وہ ہلکا سا جھکا اور ایلیا ہنستے دل سے ہنستی ہوئی باہر نکل گئی۔ یہ بندہ تو کتنا اچھا ہو گیا تھا۔ سڑو بھی نہیں لگتا تھا۔ غصہ اور اکڑ بھی اب کہاں رہے تھے۔ ہلاکو تو سچ مچ موسن بن گیا تھا۔ وہ کھلکھلاتی ہوئی کچن میں داخل ہو گئی۔

☆☆☆

"کیا حال ہیں وسیلہ۔ طبیعت کیسی ہے؟"

ثانیہ نے بیگ پلنگ کے کنارے رکھا اور آگے بڑھ کر وسیلہ سے مصافحہ کیا۔ آج وہ دو دن بعد یہاں

آئی تھی۔ وہ بھی ایک خاص مقصد کے تحت، بہت اچھی طرح کچھ پلان کرکے اور باقیوں سے مشورہ کرکے، منیب اور مومن کے ساتھ اس کی لمبی نشست ہوئی تھی۔ جس میں دیبہ کے متعلق بہت کچھ ڈسکس اور طے کیا گیا تھا۔

تانیہ اب ڈاکٹر تانیہ کی حیثیت سے دیبہ کا باقاعدہ علاج شروع کرنے والی تھی۔ اور آج جب رمشہ یہاں آنے والی تھی تو وہ بھی اس کے ساتھ آگئی تھی۔ مومن سے پتا چلا کہ رضوانہ آنٹی کا گھر کرائے داروں سے خالی کرالیا گیا ہے اور ان دونوں الطیاف وہاں کی کلینگ اور سیٹنگ کررہی تھی۔ تانیہ سے جب مشورہ کیا گیا تو اس نے یہی کہا کہ دیبہ کی یہاں سے رخصتی کے وقت تک گھر کی ڈیکور اور سیٹنگ بھی، بالکل ویسی رکھی جائے۔ کیونکہ نہیں کہہ سکتے کہ کب کون سی بات دیبہ کے دماغ کو ایسے چھو جائے کہ اسے پرانی ہر بات یاد آجائے۔ اور انہی ڈسکشن کے دوران تانیہ کے دماغ میں وہ اچھوتا آئیڈیا آیا تھا جس پر وہ ابھی دیبہ سے بات کرنے والی تھی۔ رمشہ الطیاف کی طرف چلی گئی تھی اور وہ دیبہ سے ملنے اس کے کمرے میں آگئی تھی۔

”آ۔ آپ؟“ وہ اُسے کچھ ایسی نظروں سے دیکھ رہی تھی جیسے دماغ پہ زور دے رہی ہو۔

”میں تانیہ۔ آپ کو بتایا تھا نا۔ ہم کمیں پاس میں سے آئے ہیں۔“

”جی جی۔ وہ ایک دوسری لڑکی بھی تھی۔“ دیبہ یاد دلائے جانے پر شرمندہ ہوگی۔

”ہاں، اس کا نام رمشہ ہے۔ وہ بھی آئی ہے۔ اور آپ سنائیں۔ زخم تو ماشاءاللہ بالکل ٹھیک لگ رہا ہے۔“ دیبہ نے اس کے سر کی طرف دیکھا۔ ڈاکٹر نے اب ڈریسنگ بند کردی تھی۔ اس کے حساب سے اب چوٹ والی جگہ کو اوپن رکھنا زیادہ بہتر ہے۔

”اور سنائیں۔ وہ مومن بھائی آتے رہتے ہیں؟“ تانیہ نے شرارت سے گفتگو کا آغاز لیا۔ اُسے اب دیبہ کو زیادہ سے زیادہ بولنے کا موقع دینا تھا تاکہ پتا چلے کہ وہ اندر ہی اندر کیا سوچتی رہتی ہے اور کیا محسوس کرتی ہے۔ یہ دیکھنا بھی بہت ضروری تھا کہ آیا اس کی کیفیت اب تک وہی ایک سی ہے یا ہر بڑھتے دن کے ساتھ مختلف ہوتی رہتی ہے۔

”جی بس ان کا وہی ہے۔“ دیبہ نے عجیب ناگواری کا منہ بنایا ”آتے تو ہیں لیکن مجھے یہاں سے نکالنے کی بات نہیں کرتے۔“

”نہیں دیبہ ایسی بات نہیں ہے۔ بس مجبوریاں ہوتی ہیں۔ ویسے میں آپ کو یہ بتانے آئی ہوں کہ کل میں اور رمشہ چونکہ بہادر ہیں تو ہم کوشش کریں گے کہ آپ کو بھی یہاں سے نکال لے جائیں۔“

”اچھا، سچ!“ دیبہ ایک دم پلنگ سے اٹھ گئی۔ ”ایسا ہوسکتا ہے تانیہ؟“

”آپ دعا کریں دیبہ! کہ ہم اپنے مشن میں کامیاب ہوجائیں۔ آپ بس تیار رہنا۔“ تانیہ نے سوچی سمجھی اسکیم کے تحت دیبہ کو اپنا پلان بتایا اور دیبہ کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

”میں بہت خوش ہوں تانیہ! اور میں آپ کو اپنی امی اور بہنوں سے ملواؤں گی آپ۔“ وہ ذرا سا رکی ”آپ وہاں مجھ سے ملنے آئیں گی نا؟“

”ہاں بالکل۔ ضرور آؤں گی۔ آپ کی امی اور بہنوں سے ملنے کا مجھے بھی بہت شوق ہورہا ہے۔ کیا نام ہیں آپ کی امی اور بہنوں کے؟“ تانیہ نے بنا سوچے یونہی پوچھ لیا۔

”ہاں۔ امی!“ وہ کچھ کہتے کہتے رُک گئی ”اُں..... مجھے آتا ہے.....“ اس نے جیسے وقت مانگا۔ اور سوچنے بھی لگی لیکن ذہن پہ زور دینا جیسے تکلیف دہ ثابت ہورہا تھا۔ اس نے تانیہ کی طرف دیکھا تو چہرے پر مایوسی تھی۔

”شاید میں بھول رہی ہوں، اور بہنوں کے نام۔“ وہ پھر سوچنے لگی۔ اور اس بار چہرا ہاتھوں میں دیے رونے ہی لگ گئی۔

”مجھے اُن سب کے نام کیوں بھول گئے۔“

”ارے کوئی بات نہیں دیبہ..... آپ آج کل دوائیں لے رہی ہیں نا..... تو حالت ایسی ہی نیند اور

سکون والی ہو جاتی ہے..... ایسے میں یہ نارمل ہے۔ انس او کے۔"

تانیہ نے فوراً دل میں ارادہ کیا کہ اب وہ ایسے حساس سوال ہرگز نہیں پوچھے گی۔ اُسے اب دیبلہ سے معمول کی عام گفتگو کرنی تھی، جس سے وہ اچھا اور بہتر محسوس کر سکے۔

"میں منیب کو کال کرتی ہوں، انہوں نے ہمیں لینے آنا تھا۔"

"منیب!" دیبلہ نے زیرِ لب دہرایا تو تانیہ نے موبائل اُٹھاتے چونک کر دیبلہ کو دیکھا۔ وہ ایک بار پھر اپنے ذہن پر زور دے رہی تھی۔

"وہ جو اس دن وردی میں آئے تھے۔ موحن بھائی کے دوست۔" تانیہ نے یاد دلانے کی کوشش کی تو دیبلہ کو بھی یاد آ گیا، مسکرا کر سر ہلا دیا۔

"وہ رمشہ کے بھائی بھی ہیں نا!" تانیہ نے مزید بتایا۔

"تو۔ وہ ہمیں جاگیں گے میانڈم؟"

"آں۔ وہ۔" تانیہ نے جیسے سوچنے کا وقت لیا "ارے نہیں، یہاں تو وہ کسی کام سے آئے ہوئے تھے۔ وہ تو میانڈم پولیس اسٹیشن میں انسپکٹر ہیں۔ شاید وہی ہمیں لے کر جائیں۔"

"میں بہت خوش ہوں، میانڈم جانے کے لیے۔" وہ بچوں کی طرح نہ صرف فوراً چہکی بلکہ خوشی سے اس کی پلکیں بھی بھیگ گئی تھیں۔ تانیہ کا دل موم کی طرح پگھلا۔ دیبلہ کی مکمل صحت یابی کے لیے ڈھیروں دعا کی تھیں۔ اور اس وقت تانیہ کو حقیقتاً اپنی کامیابی سے کہیں زیادہ دیبلہ کے مستقبل کی فکر لاحق ہوئی تھی۔

وہ معصوم پری سی لڑکی خود بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ کتنی اذیت جھیل رہی تھی اور نہ جانے اس حال کو پہنچنے تک کتنا کچھ اور بھی سہہ چکی تھی۔

☆☆☆

موحن گھر میں داخل ہوا تو ہر طرف عجیب سی گہما گہمی نظر آئی۔ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو سامنے رمشہ سے ہوا۔ وہ ردیا کو اٹھائے یہاں وہاں ٹہل رہی تھی۔

موحن اُلٹے قدموں باہر نکلا۔ دیبلہ کی طرف آیا تو وہاں تانیہ کو بیٹھے دیکھا۔ امی کے کمرے میں پھوپھو اور امی عالی کو سنبھالے ہوئے تھیں۔ نہیں دکھائی دی تھی تو وہ آنکھوں کی ٹھنڈک، دل کا قرار۔

وہ بابا کو سلام کر کے کچھ دیر ان سے بات چیت کر کے باہر نکلا اور درمیانی دروازے سے پھوپھو کے گھر میں داخل ہوا۔ کامران وغیرہ پچھلے روز ہی گھر خالی کر کے جا چکے تھے۔ پورچ تک دھلا ہوا گیلا فرش بتاتا تھا بیگم صاحبہ جی جان سے کام میں لگی ہیں۔ پچھلی رات وہ کہہ رہی تھی، فیروزہ کے ساتھ مل کر صفائی کرے گی۔ وہ محتاط انداز میں چلتا اندر داخل ہوا۔ بڑا کمرا ابھی صاف ستھرا دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے کچن میں جھانکا، کوئی دکھائی نہیں دیا۔ باری باری تینوں کمرے دیکھے، وہ بھی خالی تھے۔ واش روم بھی کھلے تھے۔ پتا نہیں وہ دونوں کہیں نظر کیوں نہیں آ رہی تھیں۔ وہ اب کچھ پریشان ہونے لگا تھا۔

پھوپھو کے گھر کا ایک ہی سامنے کا صحن اور پورچ تھا۔ باقی سب بلڈنگ ایریا تھا۔ وہ آخری کمرے سے نکل کر واپس جانے والا تھا جب کھٹکے کی آواز پر چونکا۔ کمرے کے دائیں ہاتھ کونے میں اسٹور روم تھا، آواز وہاں سے آئی تھی۔ اس نے سکون کا سانس لیا۔ دونوں یقیناً وہیں گھسی تھیں۔ وہ اسٹور روم کے دروازے میں آیا۔ کمرے میں اندھیرا سا تھا۔ اس نے حیرت سے اندر جھانکا۔

"ایلیا..... تم ہو یہاں؟"

"آ۔ آپ....." نیم تاریکی میں ایلیا کی گھبرائی سی آواز سنائی دی۔ وہ پورا اندر داخل ہو گیا۔ باہر سے جتنی روشنی آ رہی تھی، اسی میں نظر آیا کہ ایلیا وہاں اکیلی کھڑی تھی۔

"تم اکیلی ہو یہاں؟" وہ قریب آیا "وہ فیروزہ کہاں ہے؟"

"جی وہ بارہ بجے گھر چلی گئی تھی۔ اس نے اپنے بچوں کے لیے کھانا بنانا تھا۔ کہہ رہی تھی تمن

بجے تک واپس آجائے گی۔"
"تو یار! تم بھی گھر آجاتیں۔ اکیلی کیا کر رہی ہو؟"
"وہ ہم نے سارا گھر صاف کیا تو بہت سارا فالتو سامان یہاں اسٹور روم میں رکھنے کا تھا۔ میں یہاں آئی تو دیکھا بلب فیوز ہے۔
میں نے سوچا۔ فیروزہ کے آنے سے پہلے بلب لگا لوں۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا بلب سامنے کیا۔ مومن نے دیکھا کہ ایک اونچا لیکن قدرے کمزور سا اسٹول بھی دیوار کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ اور جس پر چڑھ کر اب وہ چڑھنے والی تھی۔
"اکیلے میں کوئی الٹا سیدھا کام مت کیا کرو۔ لاؤ ادھر دو۔" اس نے ہاتھ آگے کیا تو ایلیا نے بلب مومن کی طرف بڑھا دیا۔
"اور۔ تم تو گیلی بھی ہو۔" مومن کے ابرو تن گئے۔ ایلیا کی آستین سے پانی ٹپک رہا تھا۔ اس نے نیچے دیکھا۔ پاؤں میں جوتے بھی نہیں تھے۔
"پاگل ہو ایلیا۔" وہ اسے غصے سے دیکھ رہا تھا۔ "تم اس بھیگے حلیے میں بجلی کا کام کرنے والی تھیں۔ کرنٹ لگ سکتا ہے۔ پھر یہ ہلتا جلتا اسٹول۔ اگر تم اس سے گر جاتیں۔ چیخ مارتیں تو آواز بھی کوئی نہیں سن سکتا۔ حد ہے لاپروائی کی۔" وہ بلب کو بستروں کے اونچے ڈھیر پر پھینک کر غصے سے باہر نکل گیا اور ایلیا کو مدت بعد وہ مومن یاد آیا جو اس کی الٹی سیدھی حرکتوں پر بری طرح چڑ جایا کرتا تھا۔ وہ سخت پشیمان ہوئی۔
مومن تو پھر سے بدل گیا تھا۔ وہ تو سمجھ رہی تھی حالات بدل رہے ہیں، خیالات بدل رہے ہیں۔ زندگی نجانے کیا سے کیا ہونے والی ہے۔ اور۔ یہ کیا ہو گیا تھا۔ مومن تو پرانی ایلیا کو دیکھ کر پھر سے مایوس ہو گیا۔ وہ بہت ہی ڈرتے ڈرتے اسٹور روم سے باہر نکلی۔ مومن دونوں ہاتھ کمر پہ رکھے چپ چاپ سینہ سے کھڑا تھا۔
"سوری۔" اس کے منہ سے بڑی دقت سے ساتھ فوری طور پر بس یہی نکل سکا۔ اب غصے بھرے مومن کے سامنے اور کہا بھی کیا جا سکتا تھا۔ اسے رہ رہ کر اپنے سارے پرانے کرتوت یاد آ رہے تھے جنہوں نے ہمیشہ ہی مومن کو اتنا تپایا تھا کہ وہ اس کی صورت تک دیکھنے کو تیار نہیں ہوتا تھا۔
"سوری؟" وہ کہتے ہوئے پلٹا تو لہجہ اچھا خاصا تلخ تھا۔ "بس ایلیا..... صرف سوری......" وہ اس کا بازو کھینچ کر سامنے کھڑا کرتے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔
"تمہیں کچھ ہو جاتا تو اس سوری کی نوبت بھی نہ آتی۔ اور میرے بارے میں سوچو۔ کیا میں تمہیں کچھ ہوتا دیکھ سکتا ہوں۔ کیا اب میں کوئی نقصان افورڈ کر سکتا ہوں۔ اینٹ، پتھر یا لوہے کا بنا دکھتا ہے؟" اس نے ایلیا کا بازو جھٹکا۔ "کب تک برداشت کروں اور کیا کیا برداشت کروں۔"
"پلیز مومن۔ معاف کر دیں۔ میں آئندہ" وہ رونے کو ہو گئی۔
"آئندہ ایسا کچھ ہونا بھی نہیں چاہیے ایلیا!" وہ اسے قہر بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ "ہمارے حالات پہ غور کرو اور ذرا میری حالت کا اندازہ لگاؤ۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں بابا کو، پھوپھو کو، ہیلے کو۔ کیسے جنگل بجاتے پہلے جیسا کر دوں۔ حل ڈھونڈنے بیٹھتا ہوں تو مجبوریاں، رکاوٹیں پہاڑ جیسی سامنے آن کھڑی ہوتی ہیں۔ ایسے میں بس بچے سارے اور تم ہو جنہیں دیکھ کر فقط "سکون" سے پہچان ہوتی ہے۔ میری مشکلیں مت بڑھاؤ۔"
"سچ میں یہ اتنی بڑی بات نہیں تھی جو آپ بنا رہے۔" وہ اپنی طرف سے شاید تسلی دینا چاہتی تھی لیکن مومن نے اسے کھینچ کر اپنے مقابل کھڑا کیا پر یوں کہ آنکھوں میں وحشت تھی، چہرے پر ابھی تک دہشت رکی تھی۔
"بلا وجہ نہیں ایلیا۔ میرا یہ غصہ، یہ وہم بلاوجہ نہیں ہیں۔ ابھی پچھلے روز تمہیں بتایا کہ میرے پاس کچھ ہے تمہیں حیران کرنے کے لیے۔ سوچا تھا وہ بات کسی بہت خوب صورت لمحے میں بتانے کی ہے۔ لیکن مجھے تو شاید موقع کل بھی راس نہیں آتا۔ ابھی آج ایک ٹینشن میں اتنا نانبرز رہا ہے۔" اس نے ایک آہ بھری۔
"تمہارے لیے میری پریشانی، میرے وہم اور یہ کنسرن جانتی ہو کیوں ہیں؟"

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ ایلیا کے لیے تو اور کہیں دیکھنے کی گنجائش ہی نہ تھی۔

"تم سمجھتی ہو، مومن کو محبت ہوئی ہے تم سے۔ ہے نا؟" اس نے تائید چاہی۔ "غلط نہیں سمجھتیں...... یہ سچ ہے مجھے محبت ہوئی ہے۔ لیکن تم نہیں جانتیں ایلیا کہ مومن احمد کو زندگی میں پہلی بار محبت ہوئی ہے۔ سن رہی ہو۔ پہلی بار۔"

اس نے ایلیا کے دونوں کندھوں پر اپنے ہاتھوں کا دباؤ بڑھایا۔ اور وہ سن تو رہی تھی لیکن کچھ واضح نہیں پا رہی تھی۔ تب ہی تو چہرے کا ایکسپریشن ہی نہیں بدلا، وہ اُسے خالی خالی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ مومن نے بہت قریب سے کچھ دیر تک بغور اس کی شکل کو دیکھا، پھر بے ساختہ ہنس دیا۔

"جاؤ ایلیا...... اور اس بات پہ پوری رات لگا کر غور کرو۔ اسے سمجھو۔ اور جب لگے کہ ہضم ہو گئی ہے تب میں آگے کچھ بتاؤں گا۔" وہ جو خود اپنی کیفیت سے بھٹوں ہوئے بھولا بھولا پھر رہا تھا۔ آج ایک دم ہلکا پھلکا محسوس کرتے واپس پلٹ گیا۔ اور ایلیا اپنے کانوں میں کچھ نئی نئی دھنوں کی گھنٹیاں سی بجتی سننے لگی۔

☆☆☆

"مومن بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے منصب۔ تمہیں اب وہاں رہنا چاہیے۔ تم چاہے سمجھو یا نہیں لیکن رضوانہ آنٹی، تمہاری بہن، وہ گھر سب کچھ اب تمہاری ذمہ داری ہیں۔"

"اور دیلہ؟" منصب نے اپنی بھاری پلکوں کا بوجھ ہلکا سا اوپر اٹھایا۔

"مانتی ہوں، ذرا الجھی ہوئی صورت حال ہے لیکن فی الحال تم مومن کی مشکلات پہ غور کرو۔ وہ اس وقت بہت اکیلا پڑ رہا ہے۔ اسے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ میمونہ کل آرہی ہے نا۔ تو پہلے بہنوں کو بتاؤ۔ اور پھر وہاں۔ ہم سب مل کر بتاتے ہیں۔"

"اور دادی؟" منصب نے سوالیہ ایک نظر ہی دیکھا اور تانیہ اس کی بات کا مطلب سمجھ گئی۔

"تو تمہیں لگتا ہے، ان کی موجودگی بھی ضروری ہے؟"

"صرف ضروری نہیں تانیہ۔ یہ ساری بات کہنی ہی انہیں چاہیے۔ ساری بحث، اگر مگر، لیکن ویکن، اپنے آپ سمٹ جائیں گے۔"

"تو پھر؟ کیا لگتا ہے یہ کیسے ممکن ہے؟"

"میں بہت دنوں سے اس سب پر سوچ رہا ہوں۔ دادی وہاں حویلی میں ویسے بھی بڑا مشکل وقت کاٹ رہی ہیں۔ میں میمونہ اور انیس سے کہتا ہوں کہ وہ آنے سے پہلے دادی کو لینے حویلی جائیں۔ اور اگر وہ نہ آنے دیں تو انیس آئی شفقت کی مدد لی جائے۔ میمونہ دادی کو سمجھائے کہ وہ خود پولیس میں بیان دیں کہ وہ اپنی بیمار پوتی سے ملنے جانا چاہتی ہیں اور انہیں جانے نہیں دیا جا رہا۔ ان کے خلاف تو ویسے بھی رپورٹ درج ہے۔ ادھر دیلہ کے بیان کا سب کو انتظار ہے۔ میں اس سارے معاملے کو خود دیکھ کر دادی کو بلواتا ہوں۔ اور پھر جانے بھی نہیں دوں گا۔ وہ یہیں رہیں، ہمارے پاس۔"

"یہ تو اور بھی اچھا ہے۔"

"مرے تم لوگ اٹھو بھی۔ ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔ وہاں سب ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔" رمشہ کچھ تھوڑا اتنی ہولی اندر داخل ہوئی تو وہ دونوں بھی چونکے۔

"ہاں بالکل۔ شام تو ہونے والی ہے۔ اور یہی تو طے ہوا تھا۔" تانیہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی پھر منصب کو دیکھا۔ "تم دوری وکیل لوگوں سے بات کرو، یاد ہے نا وہ سب؟"

"ہاں سب یاد ہے، اور باقی باتیں راستے میں دہرا لیں گے۔" منصب بھی عجلت میں اٹھا۔

"بس اب دعا ہے کہ اس سب کا اچھا اثر پڑے۔ اور شاید اسے کچھ یاد آجائے۔" تانیہ کا لہجہ معلوم نہیں کیوں لیکن منصب کو کچھ بجھا بجھا سا لگا۔

"تم کچھ مایوس سی کیوں لگ رہی ہو؟" منصب اسے بغور دیکھتے وہیں رک گیا۔

"اس لیے کہ یہ کوشش ایک حیلہ ضرور ہیں منصب۔ لیکن مجھے دیلہ کی ذہنی حالت ابھی اتنی

اچھل نہیں لگتی۔ شاید یہ سب اتنا آسان نہیں ہے۔ لیکن خیر ہم نے ہمت نہیں ہاری۔"

"ہاں اور فی الحال ہمیں بس یہی یاد رکھنے کی ضرورت ہے، کہ ہمت نہیں ہارنی۔ اور مجھے لگتا ہے تم ویلہ کی ذہنی حالت سے زیادہ اپنی ذمہ داری کے حوالے سے نروس ہو۔" منصب نے صاف گوئی سے تجزیہ کیا، جس پر تانیہ شرمندہ سی ہنس پڑی، کیونکہ بات یہی تھی۔ اُسے یہ چیلنج اپنی اہلیت کے حساب سے بہت بڑا لگ رہا تھا۔ بہرحال وہ اللہ پاک کی ذات سے مایوس نہ تھی۔

☆☆☆

"اٹھو ویلہ۔ ہمیں ابھی یہاں سے نکلنا ہے۔"

نیم تاریک اس تہہ خانے کی قید میں آج یہ کس کی آواز تھی جو اُسے موت سے زندگی کی طرف کھینچتی سی محسوس ہوئی تھی۔ ویلہ سوتے سے اٹھی تو ڈھیلے جوڑے میں بندھے بال بکھر کر کندھوں پر آ گئے۔

"کون؟" وہ اپنی آنکھیں پورا زور لگا کر کھول رہی تھی۔

"میں ہوں تانیہ۔ میرے ساتھ رملہ ہے۔ اور باہر اے ایس آئی منصب رضا بھی ہماری مدد کرنے کے لیے ریڈی کھڑے ہیں۔" تانیہ کی آواز سرگوشی جیسی تھی اور وہ محتاط انداز میں ادھر اُدھر دیکھتے اسے اپنا پلان بتا رہی تھی۔

یہ پلان تانیہ نے منصب اور موسیٰ کے ساتھ مشورے کے بعد بنایا تھا۔ ویلہ نے جب اس سے کہا کہ وہ اپنی ماں کے پاس میانوم جانا چاہتی ہے تو انہیں پہلی مرتبہ سمجھ میں آیا کہ ویلہ اس جگہ کو کچھ اور سمجھ رہی ہے اور جو جگہ بھی سمجھ رہی ہے اس سے خوش بالکل نہیں ہے اور یہاں سے نکلنا چاہتی ہے۔ تب تانیہ نے مشورہ دیا کہ جب ان سب نے موسیٰ کے گھر سے رضوانہ آنٹی کے گھر شفٹ ہونا ہی ہے تو ویلہ پر یہ ظاہر کیوں نہ کیا جائے کہ اسے اس ناپسندیدہ مقام سے اس کے گھر، اس کے میانوم لے جایا جا رہا ہے۔ اور اب وہ سب اسی منصوبے پر عمل کرنے کے لیے یہاں اکٹھے ہوئے تھے۔

"کیا کرنا ہے؟" ویلہ اب مکمل بیدار ہو چکی تھی اور تانیہ کو پہچان بھی چکی تھی۔

"ہم تمہیں میانوم لے جانے آئے ہیں۔" تانیہ نے اسے مسکرا کر دیکھا۔

"باہر کوئی نہیں ہے؟" وہ خوف زدہ نظروں سے تانیہ کو دیکھ رہی تھی۔

"ہاں ویلہ۔ فی الحال تو باہر کوئی نہیں ہے۔ تم بس دیر مت کرو۔ ہمیں ابھی کے ابھی نکلنا ہے۔" تانیہ نے اُسے کندھے سے پکڑ کر اٹھنے میں مدد دی اور اُسی وقت دروازے سے رملہ نے اندر جھانکا۔

"جلدی کرو۔ منصب انتظار کر رہا ہے۔" اس کی آواز بھی مدھم تھی۔

ویلہ کے قدموں میں خود بخود تیزی آ گئی۔ وہ بے چاری لڑکیاں خطرہ مول لے کر اس سے ہمدردی کر رہی تھیں۔ اس نے بھی فوراً پیش قدمی کی، حالانکہ تیزی کے ساتھ اٹھنے سے سر میں درد کی شدید لہر اٹھی تھی لیکن وہ سر پر ہلکا سا ہاتھ رکھتے باہر نکل آئی۔ باہر بھی اندھیرا تھا۔ تانیہ اور رملہ اسے سیدھا گھر سے باہر نکال لائیں۔ اندھیرے میں کچھ ٹھیک سے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اسے ایک جیپ میں لا کر بٹھا دیا گیا۔

"کیسی ہو؟" ایک مردانہ آواز پر ویلہ نے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ منصب تھا۔ اپنی پولیس وردی میں ملبوس۔ دونوں کی ایک دوسرے سے نظریں ملیں، ویلہ کی آنکھوں میں مسکراہٹ کے ساتھ تشکر ابھرا اور پھر اس نے پلکیں موند لی تھیں جبکہ منصب مارے دکھ اور شرمندگی کے مسکرا بھی نہیں سکا۔ ویلہ کی حالت ہمیشہ ہی اسے پچھتاووں میں گھیرنے لگتی، اور پھر وہ پہروں خود کو اس درد سے نکال نہیں پاتا تھا۔

اُس نے خاموشی سے جیپ آگے بڑھائی اور اب اُسے میانوم کا ایک خوب لمبا چکر کاٹ کر ویلہ کے گھر داخل ہونا تھا۔ موسیٰ نے اس دوران رضوانہ

پھوپھو، امی اور ایلیا کو دوسرے گھر بھیجا۔ وہاں کی سیٹنگ تانیہ کے مشورے کے مطابق بالکل پرانے انداز کی رکھی گئی تھی۔ رضوانہ تو اس قدر حواس باختہ تھیں کہ انہوں نے کپڑے بھی وہی پہن لیے جن میں وسیلہ نے انہیں آخری مرتبہ دیکھا تھا۔ اور یہ سارا پلان تانیہ نے بنایا تھا۔ وسیلہ چونکہ ابھی تک اپنی ماں اور بہنوں کو پہچان نہیں پائی تھی اور ان سے خوف زدہ رہتی تھی تو یہ سوچا گیا کہ کیا پتا اپنا گھر یاد آنے کے ساتھ ساتھ اسے اپنی امی اور بہن بھی یاد آجائیں۔

منصب نے ایک نظر پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ گھر نزدیک آنے والا تھا اس لیے تانیہ نے وسیلہ کو آنکھیں کھولنے کو کہا وہ اسے بتا رہی تھی کہ ہم میانوالی پہنچ گئے ہیں۔ اور گھر آنے والا ہے۔ بیک ویو مرر میں نیم تاریکی کی وجہ سے منصب کو وسیلہ کے تاثرات تو دکھائی نہ دے رہے تھے لیکن وہ دل سے دعا گو ضرور تھا کہ سب کچھ پہلے جیسا ہو جائے۔

☆☆☆

"وہ---- رو رہی ہیں----" ایلیا کھڑکی سے کچھ جھانک کر پلٹی تو مومن سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔

"ایک منٹ یار۔ آرام سے۔" مومن نے پھر کندھے سے پکڑ کر سیدھا کیا۔ اب تو اسے لگنے لگا تھا جیسے زندگی کا مقصد ایلیا کو گرنے سے بچانا ہے۔ جب دیکھو وہ کہیں نہ کہیں اوندھی گری ہوتی۔

"آپی!" اس نے آواز نیچی کرتے مومن کو آستین سے پکڑ کر کھڑکی سے دور کھینچا "تانیہ انہیں ان کے کمرے میں لے کر بیٹھا آئی تھی کہ اب وہ میانوالی میں اپنی امی کے گھر میں ہے اور بالکل محفوظ ہے۔" ہم نے کچھ دیر کے لیے انہیں اکیلا چھوڑ دیا تھا تاکہ وہ اپنے کمرے کی چیزوں کو دیکھیں اور پہچانیں۔ لیکن آپی تو رو رہی ہیں۔"

"ہوں۔ تو میرا خیال ہے کہ تانیہ کو ہی کمرے میں بھیجتے ہیں۔ وسیلہ صرف اسی کو بتا سکتی ہے کہ اسے کیا مسئلہ ہے۔" مومن فوراً پلٹ کر بڑے کمرے میں آیا اور تانیہ کو صورت حال بتائی۔

"اللہ کرے سب خیریت ہو۔" رضوانہ کا تو سن کر ہی چہرا اتر گیا۔

"پریشان نہ ہوں آنٹی۔ کیا پتا وہ ایموشنل ہو گئی ہوں۔" رمشہ نے تسلی دینے کی کوشش کی، حالانکہ اندر سے دل بہت ڈر گیا تھا۔ تانیہ اس دوران کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"ارے وسیلہ کیا ہوا آپ کو؟" تانیہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔ وہ چہرا ہاتھوں میں چھپائے بہت شدت سے رو رہی تھی۔

"مجھے یہاں سے لے چلیں تانیہ۔ پلیز آپ مجھے اپنے گھر لے جائیں یا کم از کم کسی پاگل خانے ہی چھوڑ دیں۔ یا۔" وہ ایک دم بوکھلائی ہوئی سی تھی۔ تانیہ نے قریب بیٹھ کر اس کا ہاتھ تھاما۔

"اچھا مجھے ٹھیک ہے۔ جہاں آپ کہیں گی، وہیں لے جاؤں گی۔ لیکن پہلے مجھے اپنے رونے کی وجہ بتائیں۔"

"آ۔ آپ نے کہا تھا آپ مجھے میانوالی لے جا رہی ہیں، میری امی کے گھر۔ تت۔ تو پھر وہ سب عورتیں یہاں کیوں آگئی ہیں۔ وہ سب میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ رہیں۔ مجھے ان سے نجات کب ملے گی۔ ملے گی یا نہیں؟"

وسیلہ کے آنسو جھر جھر بہہ رہے تھے۔ گلے سے ہچکیوں اور سسکیوں کی آواز اس کی بات کو لگاتار بیچ میں اٹکائے جا رہی تھی۔ تانیہ کا دل اس کی بات سنتے ہی بجھ سا گیا۔ تو ان کا پہلا پلان ناکام ثابت ہوا تھا۔ وسیلہ باوجود اپنے گھر آجانے کے اپنی فیملی کی پہچان نہیں کر پائی تھی۔

"وسیلہ یہ آپ کی امی، مامی نصرت اور بہن ایلیا ہی ہیں۔ آپ پلیز ذرا اپنے ذہن پہ زور دیں۔" تانیہ نے اسے یاد دلانے کی کوشش کی لیکن وہ جواباً تانیہ کو یوں دیکھنے لگی جیسے اس کی دماغی حالت پر شک کر رہی ہو۔

"آپ نہیں جانتیں تانیہ" وسیلہ نے اپنی آنکھیں صاف کیں۔ "آپ یہاں نئی آئی ہیں نا۔ ضرور ان لوگوں نے مجھے تنگ کرنے کے لیے آپ کے ساتھ مل

بیانی کی ہے۔ یہ میری ای ای وغیرہ نہیں ہیں۔"

"تو یہ کون عورتیں ہیں دیلیہ؟" تانیہ نے سوچا آج پوچھ ہی لے کہ آخر وہ ان سب سے کیوں اتنا ڈرتی ہے۔

"پتا" دیلیہ ایکدم کسی گہری سوچ میں پڑ گئی۔ اسے ایک منظر جس زدہ کر رہا یاد آیا۔ سفید آنکھوں والی ایک عجیب سی عورت، اچانک بے ہوش ہو کر گرنا، ایک موٹی تازی عورت کا اسے سیڑھیوں جیسی جگہ سے دھکا دینا، ایک تیز چبھتی آنکھوں والی عورت کا اس پر چیختا چلانا۔ "لیکن۔" دیلیہ نے اپنے ذہن پر زور دیا۔ "وہ سب عورتیں کون تھیں۔ اور کیا چاہتی تھیں۔ ان کے نام کیا تھے۔ ان سے دیلیہ کا رشتہ کیا تھا اور دشمنی۔" دیلیہ نے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ اسے چند دھندلے مناظر کے علاوہ کچھ بھی یاد نہیں آرہا تھا۔

"دیلیہ! آپ کا شوہر کہاں ہے؟" تانیہ کو اچانک ایک خیال آیا۔ بہت دن پہلے مومن نے بھی اس سے یہی کہا تھا کہ دیلیہ سے ارحم کے حوالے سے اب تک کوئی سوال نہیں کیا گیا۔

"شوہر؟" وہ حیرت سے تانیہ کو دیکھنے لگی پھر ایک دم سے ہنس پڑی۔ "آپ کو کسی نے غلط بتایا ہے، میری تو شادی ہی نہیں ہوئی۔"

"تو۔ ارحم؟" تانیہ نے تھوڑا رک کر بالآخر پوچھ ہی لیا۔

"ارحم؟" دیلیہ نے ماتھا سکوڑ کر کچھ دیر سوچا۔ اس نے تو یہ نام ہی پہلی بار سنا تھا۔

"کون۔ ارحم؟" وہ خالی خالی نظروں سے تانیہ کو دیکھ رہی تھی۔

"نہیں شاید میں ہی بھول رہی ہوں۔" وہ اس کے کندھے پر نرم سی تھپکی دیتے مسکرا پڑی۔ اسی وقت مومن نے کمرے میں جھانکا۔ منصب بھی ساتھ تھا۔

"کیا ہوا دیلیہ۔ سب خیریت ہے؟" مومن نے نہایت نرم لہجے میں کہتے قریب آنے کی کوشش کی لیکن دیلیہ نے غصے سے منہ پھیر لیا۔ مومن نے سوالیہ نظر تانیہ پر ڈالی، جس پر وہ اپنی جگہ سے اٹھتے باہر کو کھسک گئی۔ اسے مومن کو کچھ بتانا تھا لیکن ظاہر ہے کہ دیلیہ کے سامنے نہیں۔ مومن نے بھی فوراً پیش قدمی کی۔

باہر آکر تانیہ نے دیلیہ کی باتیں مومن کے سامنے دہرا دیں۔

"مجھے لگتا ہے مومن بھائی۔ وہ آپ پر اس لیے غصہ ہے کہ آپ ان سب عورتوں کو یہاں ساتھ کیوں لائے ہیں۔ اس نے ابھی تک اپنی ای ای وغیرہ کو نہیں پہچانا۔"

"ہوں!" اس نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے ہاتھ کمر پہ رکھے "اب اس کا کیا کریں۔"

"میں کچھ کہوں؟" منصب اسی وقت کمرے سے باہر نکلا، دونوں حیرت سے پلٹے۔

"آپ دونوں کے باہر نکلتے ہی دیلیہ نے مجھے روک لیا۔ اور کہنے لگی کہ میں اس کی مدد کروں، اس نے مجھے بھی یہی ساری بات بتائی اور کہا کہ میں ان تین عورتوں کو کسی طرح اس گھر سے نکال دوں۔"

"اوہ۔ تو اب کیا کہیں دیلیہ سے؟" مومن کے چہرے پر تشویش لہریں لے رہی تھی۔

"میں تو کہہ آیا۔" منصب نے لب بھینچ کر کچھ ہچکچاتے ہوئے مومن کو دیکھا۔

"کیا؟" تانیہ آگے بڑھی۔

"میں نے دیلیہ سے کہا کہ ہم ان عورتوں کو جان بوجھ کر ساتھ لائے ہیں، کچھ دن ہم انہیں اپنے ساتھ رکھیں گے، ان پہ نظر رکھیں گے اور پھر جیسے ہی انہوں نے کوئی مشکوک حرکت کی، ان کو پکڑ کر بند کر دیں گے۔ لیکن اس دوران ہم ان سے نارمل رویہ رکھیں گے تاکہ ان کو کچھ شک نہ ہو۔ اور اب پتا نہیں کہ یہ سب ٹھیک ہوا یا غلط۔ لیکن۔"

"بالکل ٹھیک۔" تانیہ پرجوش ہوئی "اس طرح ہمیں ان تینوں کو کہیں چھپانے اور دیلیہ سے دور کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

"لیکن وہ ان سب سے ڈرتی تو اسی طرح رہے گی نا۔" مومن کچھ مطمئن نہیں تھا۔

"تو پھر یہ اے ایس آئی صاحب ہیں نا۔" تانیہ مسکرائی "انہیں سے آئے ہیں یہاں کھینچ کر۔"

"ہاں، اب تو لانا ہی پڑے گا۔" مومن بھی ہنس دیا "اب ڈرامہ رچایا ہے تو ڈائریکٹ بھی خود کریں۔"

"لیکن۔"

"لیکن ویکن کچھ نہیں منصب۔ اب دادی آرہی ہیں تو یہ بات یوں بھی کھلنے والی ہے۔ تم رمشہ اور دادی سمیت یہاں آجاؤ۔ یہاں صرف دیلہ اور پھوپھو ہیں، دادی اور رمشہ کی وجہ سے دیلہ گھر میں آزادی سے گھومنا پھرنا کر سکے گی۔ تانیہ وغیرہ اسے سپا، جم گھمانے لے جایا کریں گی تو اس کا ذہن بہت کچھ سوچنے پر خود بخود مجبور ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ کام ایلیا نہیں کر سکتی۔"

"میرے لیے تو رمشہ کو بتانا بھی مشکل ہو رہا ہے۔"

"میں ہوں نا۔ دادی آجائیں پھر میں اور وہ مل کر سمجھا لیں گے۔ فی الحال کے لیے ایک چھوٹی سی کامیابی جو ہمیں حاصل ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ دیلہ اس گھر کو گھر سمجھنے لگی ہے۔ ورنہ آپ کے گھر میں وہ جس کمرے میں تھی وہاں سے بھی ناخوش تھی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سوچ اس کے اپنے دماغ کے لیے بھی بہت دباؤ کا باعث رہی ہوگی۔"

"ہاں یہ واقعی ایک اچھا سائن ہے۔ اور اب جلد از جلد اس کے آس پاس کچھ نئے چہروں کو لانا بہت ضروری ہے جن سے وہ کسی بھی حوالے سے خوف زدہ نہیں ہے۔"

☆☆☆

عالی کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے اس رات مومن کی سوچیں کن ان دیکھی گرہوں میں الجھی تھیں۔ وہ دماغ آج کل بیک وقت کئی اطراف میں دوڑتا رہتا۔ اور لگتا ہر سمت آگے بند دیوار سے جا ٹکرایا ہے۔ عالی کب کا سو چکا تھا۔ ریا کو ایلیا نے نیچے میٹرس پر سلا دیا تھا۔ اور اب وہ امی اور دیلہ کو دیکھنے ساتھ والے کمرے گئی تھی۔ دروازے کی آہٹ پر مومن نے سر اٹھایا تو ایلیا آہستہ قدموں سے چلتے اندر آرہی تھی۔ مومن کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ وہ بچوں کی نیند کے خیال سے احتیاط کر رہی تھی جبکہ بچے اب گہری نیند میں جا چکے تھے۔

"دیلہ سو گئی؟" اس نے قریب آنے پر ایلیا کی طرف دیکھا۔ وہ جھک کر عالی کے تکیے درست کر رہی تھی۔

"جی۔ آپی سو چکی تھیں۔ اور امی اب سونے لگی تھیں۔" وہ عالی کی جگہ سیٹ کر کے پلٹنے لگی تھی۔

"سنو۔" مومن کی آواز میں بلا کی نرمی تھی۔ وہ چونک کر مڑی۔

"عالی کو وہاں ریا کے پاس نیچے سلا دو۔"

"جی؟" وہ سمجھ نہیں پائی۔

"ہوں۔ اسے وہاں سلا کر تم یہاں میرے پاس آؤ۔"

"م۔ م۔" ایلیا کا حلق سیکنڈز میں خشک ہوا۔ وہ اپنی ہکلاہٹ پر قابو پانے میں بری طرح ناکام ہوئی تھی۔ مومن نے اگنور کر کے سر اثبات میں ہلایا۔

"ہاں۔ اسے وہاں سلا کر واپس آؤ۔" اس نے نیم دراز ہوتے ہوئے دونوں بازو سر کے پیچھے باندھے اور ایلیا میں بھلا کہاں ہمت تھی کہ مزید کچھ پوچھتی۔ جھک کر عالی کو اٹھاتے نیچے میٹرس پر ریا سے کچھ فاصلے پر سلا دیا۔ ڈھیلے مرے قدموں سے واپس آئی اور پلنگ کے ذرا سے کونے پر یوں بیٹھ گئی جیسے دن بھر بھری نہتے ہی دوڑ لگائی ہو۔ مومن نے ایک ترچھی نظر اس کے انداز پر ڈالی۔ چند سیکنڈز سوچا پھر اپنا ایک بازو سر کے پیچھے سے نکالا اور بیڈ پر تھپکتے ابرو کے اشارے سے اسے قریب بیٹھنے کو کہا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" اس نے پھر گلا تر کیا، جبکہ مومن نے اس کی بات کے جواب میں ذرا سا اٹھ کر اس کے بیڈ پر ٹکے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر اپنی طرف کھینچا۔ اب معلوم نہیں اس کا بولنے کو دل نہیں

جا رہا تھا یا مقصد جان بوجھ کر ایلیا کو تنگ کرنا تھا۔ ایلیا کی کہنی ہاتھ کھینچنے سے بیڈ پہ جا لگی، اس نے خود کو سنبھال کر اس بار آگے آتے بیڈ پر آلتی پالتی ماری۔ نظریں خفا خفا اور لب شکوہ اندر دبائے کچھ روٹھے ہوئے سے تھے۔ مومن کی یہ سنجیدہ شرارتیں اسے پہ بہت بے ڈھب لگتیں اور وہ سخت بے بسی محسوس کرتی۔

"نیند تو نہیں آئی؟" مومن کی طرف سے پہلا سوال آیا جس پر اس نے سرنفی میں ہلایا، ادھر دل میں یہ بھی سوچ رہی تھی کہ آیا جواب ہاں میں دینا چاہیے تھا یا ناں میں۔

"ایک بات پوچھوں ایلیا؟" مومن کچھ کہتے ہوئے سوتے سے اٹھ کر بیٹھا تو اس کے اور بھی نزدیک آگیا۔ ایلیا اس کے ایک دم متقابل آجانے پر بے ساختہ پیچھے ہوگئی جس پر مومن کھل کر ہنس دیا، بچاری بچ کر مشکل میں تھی۔

"تم نے اپنے بابا کو بہت بچپن میں کھو دیا تھا۔ شاید وہ اب تمہیں یاد بھی نہ ہوں۔۔۔ ہے نا؟"

اس نے لہجے کو سنجیدہ کیا تو ایلیا اس کی بات پر حیران ہو کر دیکھنے لگی۔ ابھی چند سیکنڈز پہلے کی شپٹاہٹ بھی کہیں اڑن چھو ہوگئی۔ مومن کا سوال شاید کچھ بے موقع تھا۔ پھر بھی اس نے کچھ وقت لے کر خود کو سنبھالا۔

"جی! بہت کم دھندلے دھندلے سے منظر باقی ہیں۔"

"میں سوچ رہا تھا، نہ تم نے زندگی میں باپ کو دیکھا، نہ بھائی کا پیار، بیٹا چھوٹا بھی بہت ہے، اپنا بھی نہیں ہے۔ اور رہا شوہر۔ تو وہ بھی کون سا ہونے برابر ہے۔ تو تمہاری زندگی کے یہ سارے ادھورے پن یہ خلا کیسے پر ہوتے ہیں؟"

مومن نے آج اس سے کچھ بہت اہم شیئر کرنا تھا۔ یہ تمہید بھی اس نے کچھ سوچ کر باندھی تھی۔ وہ ایلیا کو کھل کر بولنے کا موقع دینا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا وہ آج دل کی تمام بھڑاس نکال دے گی، تب اسے بتانا آسان ہوگا کہ۔۔ لیکن وہ تو رونے لگی تھی۔

"ارے۔ تم رونے کیوں لگیں۔" وہ بوکھلا ہی گیا۔ سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے اس کا چہرہ اوپر کیا۔

"کیا ابو کی یاد آگئی؟" اس نے پوچھا تو ایلیا نے سرنفی میں ہلایا۔

"ہاں۔ تو بھائی کی کمی؟" اس نے پھر پوچھا جس پر مزید زور سے ناں میں ہلا کر۔ "ارے تو میری کوتاہیاں۔" وہ مجبوراً پوچھ بیٹھا جس پر ایلیا۔ رو دی۔ آنسو ابھی بھی برسات جیسے بہے جا رہے تھے۔

"ایک دن میں حالی اور ریا کو لے کر کہیں چلی جاؤں گی۔ پھر آپ کو پتا چلے گا کہ یہ کس کے بچے ہیں؟" وہ زور زور سے روتے اپنے رونے کی وجہ بھی بتانے لگی جس پر مومن کا قہقہہ نکل گیا۔ اور ایسے کہ وہ دیر تک ہنستا ہی چلا گیا۔ پھر آگے بڑھ کر بے اختیار ایلیا کو اپنے کندھے سے لگا لیا۔

"سوری میری جان۔ رئیلی ویری سوری۔ آئندہ کبھی نہیں کہوں گا۔ بیٹا بھی تمہارا اپنا ہے، بیٹی بھی تمہاری ہے۔"

"کہیں گے آپ۔ کہے بنا رہ ہی نہیں سکتے۔" اس نے مومن کے بازو پر مکا مارا۔

"اچھا بابا، اب ہمارے بچوں کو نہ نیند سے جگا دینا۔ بس چپ کر جاؤ۔ میرے پاس تمہارے لیے ایک بہت بڑی۔ بلکہ دھماکے دار نیوز ہے۔ ایسی کہ ساری رات تمہیں نیند بھی نہیں آئے گی۔"

"بتائیے۔" اس نے آنکھیں صاف کرتے کسی حد تک خود کو مصالحت پر آمادہ کیا۔

"اگر تمہیں ان سب رشتوں میں سے اچانک ایک رشتہ مکمل حاصل ہو جائے تو کیسا لگے گا؟"

"مط۔ لب؟" ایلیا کو پھر کچھ مشکوک قسم کے گمان ہونے لگے۔ چہرا بھی حدت سے گلابی پڑنے لگا۔ گلا پھر سے خشک ہوا۔

"یوں دیکھا جائے تو نصیب ان دنوں تم پر کچھ زیادہ ہی مہربان ہے۔" وہ کچھ معنی خیزی سے مسکرایا۔ "یہی دیکھ لو۔ ایک عدد مومن احمد ہے جسے آج کل سوائے ایلیا کے کچھ دکھائی اور سجھائی نہیں

دیتا۔ لیکن ظالم سماج بھی عین اسی وقت حملہ آور ہوتا ہے۔ دنیا کسی کے دل کو آباد ہوتا کہاں دیکھ سکتی ہے۔ میں اگر ہمارے محبت کے رشتے کو مکمل کرنا چاہتا ہوں تو حالات اس کی قطعی اجازت نہیں دیتے۔ میں جن حساس ترین رشتوں سے جڑا ہوں، جب تک وہ سب مجھے آسودہ و مطمئن دکھائی نہیں دے جاتے، میرا اپنی خوشیوں کی راہ ہموار کرنا ناممکن ہے۔"

وہ نرمی اور دھیمے لہجے میں بس اپنی رو میں کہتا چلا جا رہا تھا۔ اور ایلیا کو یہ تو معلوم نہیں تھا کہ اس کی آج کی باتیں کس وجہ سے ہیں لیکن یہ ضرور سمجھ میں آ رہا تھا کہ ہمیشہ سے کم گو دکھائی دینے والا موسن آج کل بہت کھل کر بولتا تھا اور اسے آج احساس ہو رہا تھا کہ اس کو سننا کتنا خوب صورت ہے۔

"اگر زندگی کے اس موڑ پر تمہیں پتا چلے ایلیا کہ تمہارا ایک عدد بھائی بھی ہے تو تمہیں کیسا لگے گا؟"

"کوئی منہ بولا بھائی؟" ایلیا نے منہ بنایا "مجھے تو ایسے ان نیچرل رشتے بالکل اچھے نہیں لگتے۔"

"اصلی بھائی۔ سگے والا۔" موسن مسکرایا تو وہ حیران ہو کر چیخ اٹھی۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ ناممکن۔"

"کچھ بھی ناممکن نہیں ہے ڈیئر۔" وہ مسکرانے لگا "تم حقیقتاً ایک عدد بھائی رکھتی ہو۔ جو حالات کی ستم ظریفی کہہ لو کہ ایک بچی سے تبدیل ہو گیا تھا۔ وہ بچی جسے گزرے پچیس برسوں میں تم نے اپنی بہن اور پھوپھو نے اپنی بیٹی سمجھا۔"

موسن کا لہجہ بتاتے ساتھ ہی سنجیدہ اور کچھ افسردہ سا ہو گیا۔ دیلہ کا ذکر ان دنوں یونہی مغموم کر دینے کے لیے کافی تھا۔ اور اب اس کے حوالے سے یہ تلخ سوچ۔ اگرچہ موسن کو اس سوچ سے آج تک بھی فرق نہیں پڑ سکتا تھا۔ کیونکہ دیلہ جب پھوپھو زاد تھی اس نے تب بھی اسے اپنی بہن سمجھا تھا

اور اب اگر وہ پھوپھو زاد سے بالکل ایک غیر لڑکی بن کر سامنے آئی تھی اس کا دل تب بھی اپنی بہن کی محبت سے بھرا تھا۔ ہاں البتہ اس دل میں ایک بھائی کو سمانے کی کشادگی بھی در آئی تھی۔

"آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" اسے لگا کہ موسن نیند میں ہے۔

"دیلہ بچپن میں تمہارے بھائی سے بدل گئی تھی۔" موسن نے کہہ ہی دیا۔

"میرا بھائی؟"

"ہاں اور وہ بچہ منصب تھا جو دراصل تمہارا سگا بھائی اور رضوانہ پھوپھو کا بیٹا ہے۔ تم نے ایک بار مجھے بتایا تھا کہ منصب اور دیلہ کی سالگرہ ایک دن ہوتی ہے۔ اصل میں دونوں ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ پیدا ہوئے تھے اور ایک دوسرے سے بدل گئے تھے۔ اس بات کی تصدیق تو تمہاری امی بھی کریں گی کہ تنزیلہ کی بیٹی اور وہ ڈلیوری کے ٹائم ایک ساتھ تھیں۔"

"آپ واقعی کوئی بچی کہانی سنا رہے ہیں۔ مجھے بالکل یقین نہیں آ رہا۔"

"کل تمہاری دادی یہاں آ رہی ہیں۔ انہوں نے ہی یہ سچ منصب کو بتایا تھا۔ کیونکہ بچے انہوں نے تبدیل کیے تھے۔ اور اب وہ یہ سچ تمہاری امی کو بتائیں گی۔"

"او۔ اور دیلہ؟" ایلیا کے اعصاب ایک دم ڈھیلے سے تھے "دیلہ واپس چلی جائے گی؟"

"دیلہ کہیں نہیں جائے گی بدھو لڑکی۔ اس کے والدین کی وفات ہو چکی ہے۔ اس کی دو بہنیں ہیں۔ میمونہ اور رمشہ۔ بلکہ تمہاری اطلاع کے لیے۔ اب رمشہ اور منصب ہمیشہ کے لیے یہاں آ جائیں گے۔ اور دیلہ بھی یہیں رہے گی۔"

"یہ سب کتنا عجیب ہے۔ اور۔ اور اس دن منصب بھائی لان میں اس لیے۔" وہ منہ پہ ہاتھ رکھے بونگوں کی طرح موسن کو دیکھ رہی تھی۔

"ہاں۔ وہ اپنی چھوٹی بہن سے بہت سی باتیں

کرنا چاہتا تھا۔ تمہیں روکنا چاہتا تھا۔ اسے بے حد افسوس ہے کہ اس کی بڑی بہن اس کی آمد سے پہلے دنیا سے چلی گئی۔"

"میں بھی اُن سے ملنا چاہتی ہوں۔" ایلیا کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"ابھی؟" موحن نے لہجہ سنجیدہ رکھا اگرچہ وہ شرارت ہی کر رہا تھا۔

"جی نہیں۔" ایلیا نے منہ بسورا۔

"کل ملوں گی۔"

"کل پھوپھو کو بھی سب بتانا ہے۔ میں نہیں چاہتا تھا۔ مجھے ایک ساتھ بہت سارے حیرت بھرے چہرے دیکھنے پڑیں۔ تب ہی تمہیں آج بتا دیا۔"

"امی؟" اس نے موحن کو دیکھا "کیسے ری ایکٹ کریں گی؟"

"خبر تو خوشی کی ہے۔ اچھی امید رکھنی چاہیے۔ شاید فرط جذبات سے لپٹ جانا چاہیے اپنے بچھڑے ہوئے بیٹے سے۔" وہ اب مسکرا رہا تھا۔ اور ایلیا منظر کو تصور میں لاتے حیرت سے اس نئی نئی خبر کو ہضم کرنے لگی۔ آج خوشی سے، حیرت سے۔ نیند تو واقعی نہیں آنی تھی۔

"اب میں سو جاؤں؟" موحن نے بہت قریب سرگوشی کی تو وہ ہوش میں آئی۔ وہ ابھی تک اس کے بیڈ پر براجمان تھی، شاید وہ اسی لیے کہہ رہا تھا۔

"نج جی۔" وہ کھسکنے لگی، لیکن موحن نے جاتی ایلیا کے ہاتھ پر اپنی انگلیاں رکھیں۔

"آج بھائی ملنے کی خوشی میں جاگو۔ اور اللہ وہ وقت قریب لائے جب موحن احمد تمہیں ایک بھی پل کے لیے سونے نہ دے۔"

"واہ جی۔ کیوں سونے نہیں دیں گے۔" وہ سرخ سرخ چہرا لیے مسکراتے ہوئے اٹھ گئی۔

"ہا۔ اب تمہیں کیا کیا بتائیں۔" وہ ایک حسرت بھری آہ بھرتے اُس کی معصوم ہنسی کو دیکھے گیا۔

☆☆☆

"اب تم مجھے روک نہیں سکتے ارحم! اب میں ان کی ایک نہیں چلنے دوں گی۔" وہ کسی ناگن کی طرح بل کھا رہی تھی۔

"ارے اب کیا کرنے والی ہیں آپ؟" ارحم تخت سے بیزار سا بیڈ پر آڑا لیٹا تھا۔

"تم جیسا بے حس تو میں نے آج تک نہیں دیکھا۔" وہ بپھری ہوئی سی بیڈ کے نزدیک آئی "دیکھا نہیں، کیا کچھ سنا کر گئی ہے وہ پولیس والے کی بہن۔"

"اچھا بھلا وہ دادی کو ساتھ لے جا رہی تھی۔ بہت شوق ہو رہا ہے آپ کو مریضہ کی خدمت کرنے کا۔" وہ انہیں شاید ٹھنڈا کرنے کی کوشش میں تھا۔

"خدمت کریں میرے دشمن۔" اس نے ہڑ جھے۔ "لیکن مصیبت یہ ہے کہ بڑھیا نجانے وہاں جا کر کیا کچھ کہہ دے۔" شہناز بے چینی سے لب کاٹ رہی تھی۔

"دادی نے کچھ دیکھا تھا اپنی آنکھوں سے؟" ارحم اب ماتھا سکوڑے ماں سے استفسار کر رہا تھا۔

"نہیں۔ دیلے کے تہہ خانے کی اسے بھنک بھی نہیں پڑی۔"

"تو پھر کیا فکر ہے، جانے دیتیں کل۔" ارحم ایک جمائی لے کر سیدھا ہوا اور شہناز نے بیٹے کی لاپروائی کو خوب غصے سے دیکھا۔

"تمہیں کسی بات کی عقل ہوتی تو کیا ہی اچھا تھا۔ وہ بیوقوف پولیس کی دھمکی دے کر تمہاری دادی کو ساتھ لے جانے آئی تھی اور میں اتنی آسانی سے اس کے ساتھ روانہ کر دیتی۔ اتنی بے بس تو میں بھی نہیں۔"

"کبھی تو شکر پڑھ لیا کریں کسی بات کا۔ ورنہ سوچیں، وہ دیلے بی بی اگر کچھ بھی بتانے کی پوزیشن میں ہوتیں تو۔ میرا اور آپ کا اس وقت کیا حشر ہو رہا ہوتا؟"

"دیکھو ارحم۔ مجھے نہ سکھاؤ، سمجھاؤ۔ ان کے

ساتھ جو ہو رہا ہے نا۔ بہت ہی صحیح ہو رہا ہے۔ سب قدرت کا انتقام ہے جو آج معذور، لاچار بیٹی کو پاس بٹھا کر بھی بے بسی سے تماشا دیکھ رہے ہیں۔

"بھئی تو آپ بھی اسی کو کافی سمجھیں نا؟" وہ تنگ آ گیا۔ "شکر کریں کہ دیبلہ کسی قسم کا بیان نہ اب تک دے پائی ہے اور نہ ہی دینے کی پوزیشن میں ہے۔ مجھے تو یہی سن کر ہی اندر تک ٹھنڈک اتر گئی کہ وہ سب بھول چکی ہے۔ کیا نشانے پر ضرب لگائی ہے آپ نے۔" وہ اب ڈھیٹوں کی طرح ہنس رہا تھا۔ اور اس بار شہناز بیگم کو بھی ہنسی آ گئی کہ یہ تو واقعی بڑا کام ہوا تھا۔ ورنہ وہ ماں بیٹا تو اس وقت جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہو سکتے تھے۔

لیکن یہاں یہ بھی طے تھا کہ وہ اسی پر قناعت کرنے والی نہ تھی۔ اوپر سے اس میمونہ کا آ کر یہ کہنا کہ وہ دادی کو بھی ارحم نے جانا چاہتی ہے۔ شہناز سے بالکل برداشت نہیں ہوا۔ ساری کی ساری دولت گنوانے کے بجائے ہرگز ان لوگوں کے حوالے نہیں کر سکتی تھی، لیکن ابھی اس کے دماغ میں کچھ اور چل رہا تھا۔

"ہاں ٹھیک ہے کہ فی الحال تو سب کچھ ہمارے حق میں ہوا ہے لیکن آگے کے لیے ایک پل کی بھی کوئی گارنٹی نہیں۔ دیبلہ کی بیماری نے ہمیں وقتی طور پر بچایا ہے ارحم۔" شہناز اب ہاتھ سامنے باندھے حقیقت پسندانہ تجزیہ کر رہی تھی۔

"تو۔ کیا سوچ رہی ہیں آپ۔ اور ہم کر بھی کیا سکتے ہیں؟"

"دیبلہ کو واپس لانا پڑے گا۔"

"اور وہ سے؟" وہ تڑپ کر اٹھ بیٹھا "میں یہاں سمارہ کو لانے کا سوچ رہا ہوں اور آپ۔"

"محبت کرتے ہو اپنی بیوی سے؟" شہناز کا انداز طنزیہ تھا۔

"آف کورس۔ کیا شک ہے؟" ارحم انہیں نہ سمجھ میں آنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"تو مطلب تم اپنے ساتھ ساتھ اس غریب کو بھی پھنسانا چاہتے ہو۔

"لیکن۔"

"خاموش رہو ارحم۔ اور غور سے سنو۔" شہناز نے ہاتھ اٹھایا "سمارہ کو یہاں لانے کے متعلق تو فی الحال بھول ہی جاؤ۔ حالات بہت نازک موڑ پر ہیں۔ ہم پر بوجھ کتنا ہوا ہے، دیبلہ کو کسی بھی وقت سب کچھ یاد آ سکتا ہے۔ اور تمہاری شادی بھی خطرے پر آ سکتی ہے۔ وہ شادی جو تم نے اپنی پہلی شادی کے محض دو دن بعد رچائی۔ پھر تمہاری دادی کو بھی میں نے میمونہ کے ساتھ نہیں جانے دیا۔ سب کچھ ہی ہمیں شک کے دائرے میں کھڑا کر رہا ہے۔ اس لیے اس سب کو ٹھیک ہو جانے دو۔ اور جیسا میں کہتی ہوں ویسا کرتے جاؤ۔"

"ٹھیک ہے۔" ارحم کا سارا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ چکا تھا۔ تھک کر سائیڈ پر جھکتے اس نے ماں کو سننا شروع کیا۔

☆☆☆

رضوانہ نے چائے کی پیالی سامنے میز پر رکھی اور دبے قدموں چلتے پردے کی اوٹ میں آ گئیں۔ دیبلہ کا کمرا ان کے بالکل سامنے والا تھا۔ بیچ میں چھوٹا سا کوریڈور تھا۔ فیروزہ چائے دے کر گئی تو انہوں نے اس سے لائٹ آف کر کے جانے کو کہا۔ وہ نیم تاریکی میں سامنے کمرے میں بیٹھی دیبلہ کو دیکھنا چاہتی تھیں۔ اور وہ چونکہ ان سے گھبرائی تھی تو لائٹ ہی آف کر دی تاکہ دیبلہ انہیں دیکھ نہ سکے۔ اور اس وقت وہ بری طرح چونکی تھیں۔

فیروزہ ابھی کچھ دیر پہلے دھلے ہوئے خشک کپڑے تار سے اتار کر دیبلہ کے بیڈ پر رکھ آئی تھی۔ کاموں سے فارغ ہو کر تہہ لگاتے اسی نے الماری میں بھی رکھنے تھے۔ دیبلہ ان کے سامنے آرام چیئر پر بیٹھی موبائل پر کچھ دیکھ رہی تھی۔ فیروزہ کے کپڑے رکھ کر جانے کے بعد کچھ دیر تک وہ کپڑوں کو دیکھتی رہی تھی اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر اس نے ایک شال اٹھائی تھی۔ سرخ رنگ کی گولڈن کڑھائی والی یہ شال رضوانہ نے تحریم کو اس کے جہیز میں دی تھی۔ اور ان

دنوں اہلیا کے استعمال میں تھی۔ دیلہ نے سرخ شال کو الٹ پلٹ کر دیکھا تھا، پھر اسے اوڑھ لیا، اب وہ ہلکا ہلکا مسکرانے لگی تھی۔ پھر شال کو لہراتے ہوئے کمرے میں یہاں سے وہاں چلنے لگی۔ اور نجانے پھر اچانک کیا خیال آیا کہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامان کو انہماک سے تکنے لگی، اس میں کوئی چیز ڈھونڈی۔

رضوانہ بغور اس کی حرکات کا جائزہ لے رہی تھیں۔ دیلہ نے لپ اسٹک کا ڈھکن کھولا اور ہونٹوں پر پھیرا۔ دیلہ نے لپ اسٹک کے بعد آئی شیڈز بھی لگائے اور کچھ جیولری بھی پہنی۔ اور اب وہ آئینے میں اپنے آپ کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ رضوانہ کا پورا دھیان دیلہ کی طرف تھا جب سامنے میز پر پڑا موبائل بجا۔ رضوانہ نے اونچی آواز پر بوکھلاتے ہوئے بنا دیکھے ہی کال ریسیو کرلی۔ وہ دیلہ کے ارتکاز کو توڑنا نہیں چاہتی تھیں۔

"ہیلو؟" رضوانہ نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

"کیسی ہیں بھابی۔ میں شہناز۔"

"آ آپ!" رضوانہ کا ہاتھ کانپ گیا۔ "آپ نے یہاں کال کیوں کی؟"

"کیا کہہ رہی ہو رضوانہ، ظاہر ہے اپنی بہو کی خیریت جاننا چاہتی ہوں۔ بھلے تم لوگوں نے دشمنی نبھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی لیکن میں تو اتنی بے حس نہیں ہوں۔ اب تم لوگ ہم پر پرچا کٹواؤ، چاہے اپنی بیٹی کو زبردستی اپنے ہاں لے جاؤ، اسے اس کے شوہر سے دور کرو۔ میرا اللہ تو جانتا ہے نا کہ ہم نے کچھ نہیں کیا اور دیلہ کے ساتھ جو ہوا، وہ صرف ایک حادثہ تھا۔"

"جی لیکن ابھی اس کی کوئی تصدیق نہیں ہوئی۔" رضوانہ نے لہجہ روکھا ہی رکھا۔

"اللہ پاک وہ دن جلد لائے جب دیلہ مکمل صحت یاب ہو کر آپ سب کو حقیقت سے آگاہ کردے۔ تب تو یقین کرو گی بھابی کہ ہم بے قصور تھے اور دیلہ کے ساتھ محض ایک اتفاقی حادثہ ہوا تھا۔" شہناز کا لہجہ انتہا کا دکھی تھا۔

"لیکن!" جیٹھانی کے اصرار پر رضوانہ سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔

"وہ سب چھوڑو بھابی، مجھے اپنے اللہ پر پورا یقین ہے، ایک دن سب ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ بتائیں کہ دیلہ اب کیسی ہے؟ اس کا علاج تو ٹھیک سے ہو رہا ہے نا؟"

"جی بس وہ ہمیں کچھ اور بجھ رہی ہے۔" رضوانہ نے لہجہ سپاٹ رکھا۔

"کچھ اور؟" شہناز کا اچانک ہی رنگ اڑ گیا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آرہا، معلوم نہیں وہ گھر کی سب ہی عورتوں سے اتنا ڈر کیوں رہی ہے۔ اور بتاتی بھی کچھ نہیں۔"

"اوہ!" شہناز نے سکون کا سانس لیا۔ دیلہ کی خاموشی کی وجہ سے تو وہ بچتی آرہی تھیں۔ اور اس کی خواہش بھی کہ وہ کبھی بولنے کے قابل نہ ہو سکے۔

"اس کا مطلب وہ کسی کو بھی پہچان نہیں رہی؟" شہناز کا انداز کچھ جاننے جیسا تھا۔ لیکن رضوانہ اس ہوشیاری کو سمجھ نہیں پائیں اور اپنی سادگی میں اقرار کرلیا کہ ہاں دیلہ نے یہاں کسی کو بھی نہیں پہچانا تھا۔ شہناز کے لیے فی الحال یہ خبر ہی بہت خوش کن تھی۔

☆☆☆

"سوری منصب۔ میں تمہاری دادی کو نہیں لائی۔" میمونہ نے سخت اداسی سے بھائی کو دیکھا۔

"اچھا جناب۔ اب وہ میری سگی دادی کیا بن گئیں، میری تمہاری بھی ہونے لگا؟" منصب "تمہاری دادی" کہنے پر مسکراتے ہوئے چڑا۔ "لوگ کہیں جیلس تو نہیں ہو رہے؟"

"ہاں، بہت زیادہ جیلس۔" میمونہ پہلے تو بے ساختہ کہہ گئی، پھر نجانے کیا ہوا کہ منہ پھیر لیا۔

رمشہ اور منصب نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ میمونہ اور انیس کی آمد کے کچھ ہی دیر بعد منصب نے بہنوں کو بھی رشتوں کی حقیقت سے آگاہ کر دیا تھا۔ ان کی حیرت کا بھی وہی عالم تھا، لیکن سچ ایسا تھا کہ

جھٹلانا ناممکن تھا۔

"سچ بتاؤ منیب۔ تمہیں دادی کے اتنے بڑے اقدام پر افسوس نہیں ہوا۔ جس نے تمہاری زندگی کو کیا سے کیا بنا دیا۔ کیا تم ان سے خفا نہیں ہو؟" وسعت نے دل میں دبا سوال بھی پوچھ ہی لیا۔

"کیسے خفا ہو سکتا ہوں۔ ان کے توسط سے مجھے تم جیسی پیاری بہنیں ملیں۔ امی ملیں، بابا ملے۔"

"لیکن ایسے ہی کچھ رشتے تم سے چھن بھی تو گئے۔" میمونہ بھی قریب آ گئی۔ دونوں بڑی عجیب سی کیفیت میں گھری تھیں۔ منیب نے دونوں کے کندھوں پہ ہاتھ رکھ کر انہیں قریب کیا۔

"تو قدرت نے لوٹا بھی تو دیا۔ آج مجھے سب ہی رشتے حاصل ہو گئے نا۔ ماں اللہ نے لے لی لیکن آج دو بارہ مل بھی گئی۔"

"اچھا ہاں منیب! دادی کے متعلق کیا سوچ رہے ہو؟"

"انہیں میں خود جا کر لے آؤں گا۔ بہت جلد۔" منیب کا انداز حتمی تھا۔

"منیب! ان سب کا بہت برا حشر ہونا چاہیے۔ وسیلہ کی حالت کے ذمہ دار بھی یہی سب لوگ ہیں۔" میمونہ کے چہرے پر نفرت تھی۔

"ہاں۔ ضرور ہو گا ان سب کا حساب۔ لیکن فی الحال وسیلہ کی ذہنی حالت ٹھیک ہونے اور اس کی طرف سے ایک مضبوط بیان آنے تک کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ اچھا، اور یہ کن باتوں میں لگا دیا ہے مجھے۔ میں ذرا سوہن سے مل آؤں۔ ایک دو ضروری معاملات پر بات کرنی ہے۔"

"یوں کہو نا اپنی امی سے ملنے کی جلدی ہے۔" وسعت نے محبت سے بھائی کو دیکھا تو اس نے لب بھینچ کر سر اثبات میں ہلا دیا۔ آج کل اس کی دلی کیفیت تو کچھ اس سے بھی سوا تھی جتنا اس کی بہنیں سمجھ رہی تھیں۔

☆☆☆

ستمبر آدھا گزر چکا تھا۔ سون سون اگرچہ رخصت ہو چکا تھا لیکن بارشیں اس سال خوب برسی تھیں۔ آج صبح بھی تیز بارش ہوئی اور موسم تو گرما میں ویسے ہی بھیگا بھیگا سا رہتا۔ وسیلہ کا ہاتھ پکڑ کر فیروزہ اُسے باہر لان میں لے آئی۔ اُسے دھلے دھلے لان میں باہر کرسی صاف کر کے بٹھایا۔ رضوانہ نے پردہ ہٹا کر کھڑکی سے بیٹی کو دیکھا۔

ایک ہی گھر میں رہتے انہیں بیٹی سے سامنے کی ہمت نہ تھی۔ وہ ان سے ڈر کر دور بھاگتی تھی۔ عدت اور ایلیا کو بھی اسی وجہ سے دور رہنا پڑتا۔ دن کا سارا وقت فیروزہ کو اس کا خیال رکھنا پڑتا اور باقی کا وقت سوہن ہی بھاگتا رہتا۔

سب کو یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی تھی کہ وسیلہ کو اپنا گھر ماں باپ کرا دیکھ کر بھی کچھ یاد نہیں آیا تھا۔ وہ کئی طرح کی تسبیحات دم کر کے دور سے پھونکتی رہتیں۔ گزرے ڈھائی تین ہفتوں میں اتنا ضرور ہوا تھا کہ گھر کی پرسکون فضا، اچھی خوراک اور بھرپور نیند نے وسیلہ کے چہرے کی تازگی بہت حد تک لوٹا دی تھی۔ ورنہ پہلے پہل اسے جس حال میں رضوانہ نے دیکھا تھا، ان کے خوف سے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ سجدے میں گر کر بے ساختہ یہی منہ سے نکلا کہ شکر ہے مالک ان کی بیٹی انہیں زندہ سلامت واپس مل گئی تھی۔

پہلے تو وہ اسے جسمانی کے مظالم سے تعبیر کرتی رہی تھیں لیکن شہباز کی اس دن کی باتوں کے بعد لگا کہ حادثے کے بعد یقیناً وسیلہ کا خون بہت ضائع ہو گیا تھا تب ہی وہ اتنی کمزور اور نڈھال دکھائی دے رہی تھی۔

ادھر شہباز کی سوچ رضوانہ کی طرف گئی ادھر گیٹ سے داخل ہوتی گاڑی پر ان کی نظریں ایک دم ساکن ہو گئیں۔ وہ حیرت کے ساتھ گاڑی سے اترنے والوں اور لان میں بیٹھی وسیلہ کو دیکھے جا رہی تھیں۔ ارحم، شہباز اور اماں جی گاڑی سے اتر کر مسکراتے ہوئے لان کی سمت بڑھ رہے تھے۔

"کیسی ہو میری بچی، میری جان!" شہباز نے

جھک کر دیلہ کی پیشانی چومتے اس کے ماتھے سے بال ہٹائے۔

"آپ؟" دیلہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

"تمہاری آنٹی ہوں دیلہ!" شہناز کے اندر معمولی سا ڈر اگر پہچان لیے جانے کا تھا بھی کبھی تو اسے اس نے دوسرے رشتے میں لپیٹ کر دیلہ کو کنفیوز کر دیا۔ اِدھر آنٹی سن کر ہاجرہ بی بی نے چونک کر بہو کو دیکھا۔ نہ تائی نہ ساس، شہناز نے اپنا تعارف آنٹی کہہ کر کروایا تھا۔ اِدھر دیلہ ہلکا سا سر ہلا کر ارحم کو دیکھنے لگی۔

"اپنی دادی سے ملو دیلہ۔ کتنا ترس رہی تھیں تم سے ملنے کے لیے۔" شہناز نے ارحم کا تعارف کروانے کے بجائے دیلہ کی توجہ دادی کی جانب کروائی کیونکہ وہ دیلہ سے یہ ہرگز نہیں کہنا چاہتی تھی کہ یہ تمہارا شوہر ہے اور کسی دوسرے تعارف جیسے کزن وغیرہ کہنے سے اماں کی مزید مشکوک ہو جاتیں۔ تب ہی بڑی لگاوٹ سے بہت عام انداز میں تعارف کروا کر اندر کی راہ لی۔ اور ہاجرہ بی بی نے پیار سے دیلہ کو گلے لگا کر اس کے تاثرات دیکھے لیکن وہ اسی اجنبیت سے دادی کو دیکھ رہی تھی۔ پہچان کی اپنائیت آنکھوں میں کہیں دکھائی نہ دی۔ اس لیے وہ بھی اس سے مل کر خاموشی سے شہناز کے پیچھے اندر بڑھ گئیں۔ اور شہناز کے لیے فی الحال یہی کافی تھا کہ دیلہ نے انہیں نہیں پہچانا تھا۔ اب یہاں سے غائب ہو جانے میں ہی عافیت تھی۔ بلکہ ایک طرح سے رسک لے کر فائدے میں ہی رہی۔ جو وہ سوچ کر آئی تھی اس کے لیے راہ کچھ اور ہموار ہوگئی تھی۔ دیلہ نے ان سب کو نہیں پہچانا تھا۔ ارحم سے تو چلو وہ واقف ہی نہ تھی۔ شہناز نے بھی اپنے ظاہری حلیے میں خوب دکھائی دیتا انقلاب پیدا کیا تھا۔ اس وقت حجاب میں چہرا لپیٹے عینک لگائے جو عورت اس کے سامنے تھی وہ کسی طور تہہ خانے میں آنے والی شہناز سے لگا نہ کھاتی تھی۔

"کیسی ہو بھابی؟" شہناز بڑے جوش سے بغلگیر ہوتے ایسی محبت سے رضوانہ کو دیکھ رہی تھی جیسے بچھڑی بہنیں آپس میں ملتی ہیں۔

"آپ!" وہ بس خالی خالی نظروں سے جیٹھانی کو دیکھ کر رہ گئیں۔ ابھی صبح ہی تو ان سے کال پر بات ہوئی تھی اور اب وہ خود یہاں پہنچ گئے تھے۔ وہ اسی خالی الذہنی سے ساس سے بھی ملیں اور ان سب کو لاؤنج میں لے آئیں۔

"بیٹی کی ماں ہونے کے ناتے تم سب کا فوری طور پر غصے میں آنا جائز تھا رضوانہ۔ میں بھی وقتی طور پر بہت صدمے میں تھی۔ رابطہ بھی اتنے دنوں اس لیے نہیں کیا کہ مجھے اس بات کا شدید افسوس تھا کہ تم لوگوں نے ناحق ہم پر الزام لگائے وہ پولیس بلائی، لیکن ارحم بہت بے چین تھا۔ اس کا تو بھی ایک پل بھی دیلہ کے بغیر نہیں گزرا۔ وہی کہتا تھا کہ ہر بات دل سے صاف کرلوں۔ پھر میرے گھر کے وہ نوکر جنہوں نے یہ حادثہ اپنی آنکھوں سے ہوتے دیکھا، وہ پولیس اسٹیشن بیان دینے بھی گئے۔ ان کی گواہی کے بعد اتنا ہوا کہ ہمیں اپنی بہو سے ملنے کی اجازت مل گئی۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ میمونہ وغیرہ سے آپ کی کیا رشتے داری ہے۔"

"جی۔ رضوانہ فوری طور پر کچھ نہیں سمجھیں۔ پھر یاد آیا کہ میمونہ منیب کی بہن ہے۔ "ان سے تو کوئی رشتے داری نہیں۔"

"تو بھابی! پھر وہ پولیس کی دھمکی دے کر اماں جی کو لینے حویلی کیوں آئی۔ بتاؤ بھلا میں کیا اماں جی کو چھپا کر بیٹھی ہوں۔ دیکھ لو خود ملوانے لے آئی۔"

"اچھا!" رضوانہ ان کی باتوں پر پریشان ہوگئیں "مجھے تو کچھ پتا نہیں۔ اور ارحم۔ بیٹا تم وہاں دروازے میں کیوں کھڑے ہو آؤ۔"

"السلام علیکم چچی جان۔" وہ جو دروازے کے باہر کھڑا تھا۔ مؤدب بنا فوراً اندر داخل ہوا۔ چہرے پر اداسی کی چھاپ یوں بھی تھی جیسے بیوی کو اس حال میں دیکھ کر سب سے زیادہ متاثر وہی ہوا ہو۔

"بیٹھ جاؤ ارحم۔ باہر کیوں کھڑے تھے۔"

"بیٹو گھر کے اندر بھی نہیں آ رہا تھا۔ وہ تو۔"

"آنا بھی نہیں چاہیے تھا۔" پیچھے سے موحن کی بھاری آواز سنائی دی تو تینوں نے ایک ساتھ دروازے کی طرف دیکھا۔ وہاں نہ صرف موحن بلکہ اس کے پیچھے منصب بھی کھڑا تھا۔

"بلا اجازت آپ ہمارے گھر میں گھسے بھی کیسے؟" موحن کے تیور جارحانہ تھے۔ رضوانہ تنی میں ہاتھ ہلانے لگیں۔

"تم غلط کر رہے ہو موحن۔" شہباز کا لہجہ تیز ہوا "ارحم شوہر ہے دیبلہ کا اور تم اسے اپنی بیوی کے پاس آنے سے نہیں روک سکتے۔ اور میں اماں کو دیبلہ سے ملوانے لائی ہوں۔ جسے تمہارا یہ دوست پولیس کے بل پر بلوانا چاہتا تھا۔ باقی اگر اس رپورٹ پر اچھل رہے ہو جو تم نے ہمارے خلاف لکھوائی تھی تو سن لو کہ وہ خارج ہو چکی۔ گھر میں موجود سب ہی نوکر گواہی دے چکے کہ دیبلہ پر پنکھا ہی گرا تھا۔"

"یہ تو خیر ہوا ہی تھا۔" وہ طنزیہ ہنسا "ویسے اب آپ چاہتی کیا ہیں؟"

"ہم دیبلہ کو واپس لے جانے آئے ہیں۔ اس کا بہت اچھا علاج کروائیں گے۔ تمہاری طرح اس غریب کو گھر میں لے کر نہیں بیٹھے رہیں گے۔ ارحم یہاں سے اپنی بیوی کو لیے بغیر ہرگز نہیں جائے گا۔"

"آپ کے بیٹے کے ہاتھ میں تو اب خلع کے پیپر تھماؤں گا میں۔" موحن کا لہجہ انتہا کا سرد تھا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو موحن؟" رضوانہ نے دہل کر موحن کو دیکھا۔

"کیوں نہیں نہیں رضوانہ۔" شہباز نے آنکھیں نچائیں "پولیس والے اسے اونچے خواب جو دکھا رہے ہوں گے۔"

"موحن ٹھیک کہہ رہا ہے۔ دیبلہ اب کہیں نہیں جائے گی۔ تشریف لے جائیں یہاں سے۔" منصب نے باری باری ان دونوں کو دیکھا۔

"پولیس والا ہمیں گرآرڈر دے رہا ہو یا۔" وہ خود ہی قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

"رشتے بہت ہیں، جو چاہے فرض کر لیں۔" منصب کے چہرے پر شدید ناگواری تھی۔

"کیسا ماحول بنا رکھا ہے میری بہو کے آس پاس؟" شہباز نے اس بار تنک کر غصے سے رضوانہ کو دیکھا جس پر وہ مزید سہم گئیں۔ گھبرا کر موحن کو دیکھا جس کے چہرے پر کوئی خاص پریشانی دکھائی نہ دی۔ دوسری نظر غصے سے منصب پر ڈالی۔ نجانے وہ کیوں ہر دوسرے دن ان کے ہاں گھسے پہنچ جاتا تھا۔

"میں نے کسی کو یہاں نہیں بلایا، اور نہ ہی میں اجازت دوں گی آئندہ کسی کو بغیر اجازت اپنے ہاں آنے کی۔" رضوانہ کے ذہن پر شہباز کی آمد اور باتوں کا اتنا شدید دباؤ پڑ چکا تھا کہ غصہ انہوں نے منصب پر نکالا۔ شہباز اور ارحم کا منصب کو یہاں دیکھ لینا انہیں بری طرح پریشان کر گیا تھا۔ آخر یہ لڑکا ان کا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتا۔

"کیوں آئے ہو تم یہاں۔ کیوں میری بچی کا ہنستا بستا گھر اجاڑنے پر تلے ہو۔"

"کیسا ہنستا بستا گھر؟" موحن نے تعجب سے پھوپھو کو دیکھا۔ اس کی سیدھی سادی پھوپھو واقعی حالات کو جانچنے پرکھنے کی صلاحیت سے محروم تھیں۔

"تم غلطی کر رہے ہو موحن!" پھوپھو کی سانس اکھڑ رہی تھی۔ وہ بولنا شروع ہوئیں تو ایک دم ہی جذباتی ہونے لگیں "بنا آنکھوں سے دیکھے اور کانوں سے سنے بھی بدگمان نہیں ہونا چاہیے۔ سخت گناہ ہے۔ دیبلہ کی چوٹ حادثاتی ہے، اب تو ثابت ہو گیا۔"

"ثابت ہو گیا؟" موحن نے ماتھا پیٹ لیا۔ "کس کے بہکانے میں آ رہی ہیں پھوپھو۔ انہوں نے اپنے نوکروں سے وہی کہلوایا جو وہ چاہتے تھے۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو۔ ہے کوئی ثبوت اس الزام کا؟" شہباز نے حصہ لیا تو لہجہ مدھم ہو گیا تھا۔

رضوانہ کی بے وقوفی کو اپنے حق میں استعمال کرتے اس نے فوراً ٹون بدلی۔ اپنا اب تک دھونس

جاتا تو یہ بھی پشیمان کر گیا۔ یہ بے وقوف عورت تو دو جملوں کی مار تھی۔ اسے اب بھی اپنی بیٹی کی ازدواجی زندگی کو سنوارنے سے سروکار تھا۔ اب تو بس کچھ ایسا کہنا تھا کہ رضوانہ اپنی بیٹی کو ان کے ساتھ روانہ کر دیتیں۔

"ارحم اپنی بیوی کو لے جانے آیا ہے۔ اسے نہ صرف بسانا چاہتا ہے، بلکہ دل و جان سے اس کے علاج پر پیسہ خرچ کرنا چاہتا ہے۔ آخر ہمیں کس چیز کی کمی ہے۔ ہم وسیلہ کو یہاں سے لے کر ہی جائیں گے۔ چاہو تو رضوانہ کو بھی ساتھ بھیج دو، وہ اپنی تسلی کے لیے اپنی بیٹی کے ساتھ ہی رہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ کیونکہ ہم مخلص ہیں اور محبت کے اس رشتے کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں۔"

"میں بھی یہی چاہتی ہوں۔ اور مجھے یقین ہے کہ حویلی واپس جا کر وسیلہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔" رضوانہ نے اس سے کہیں زیادہ جوش کا مظاہرہ کیا۔

"رضوانہ سچ کہہ رہی ہیں۔ پھر بھابی آپ بتا رہی تھیں کہ وہ آپ سب سے ڈرتی ہے، جبکہ میں ابھی اس سے مل کر آئی تو وہ مجھ سے بالکل نہیں گھبرائی۔ کیوں اماں جی، آپ نے تو خود دیکھا۔" شہناز نے ساس کو سامنے کیا اور وہ ایکدم چپ ہی ہو گئیں۔ اب بھلا شہناز کو کیسے جھٹلاتیں، جبکہ وسیلہ واقعی اس سے نہ گھبرائی تھی۔

اور اس بار رضوانہ نے مزید اپنا ارادہ مستحکم ہوتا محسوس کیا۔ انہیں کچھ دنوں سے واقعی ایسا لگنے لگا تھا کہ وسیلہ اپنی سسرال میں ہی خوش رہ سکتی ہے۔ اپنے گھر اپنے سگے رشتوں سے اس کا جی اچاٹ ہو چکا ہے۔ شاید اس لیے کہ وہ اپنے شوہر، اپنے گھر میں خوش تھی۔ اور واقعی اس کی چوٹ سوائے ایک حادثے کے کچھ نہ تھی۔

"مجھے لگتا ہے، وسیلہ کو واپس چلے جانا چاہیے۔ اور میں بھی ساتھ چلتی ہوں۔ مجھے یقین ہے میری بیٹی کو سب یاد آ جائے گا۔ اور وہ مجھے پہچاننے لگے گی۔"

"وسیلہ یہیں ٹھیک ہے۔" ہاجرہ بیگم نے بے ساختہ ہی مداخلت کی۔

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں اماں۔" بجائے رضوانہ کے شہناز عجلت میں ان کے قریب آئی۔ "آپ نہیں چاہتیں کہ وسیلہ آپ کے قریب آ جائے۔" پھر فوراً مومن کے سامنے آئی۔

"دیکھو مومن۔ یہ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہوں۔" شہناز نے مومن کے سامنے آ کے دونوں ہاتھ باندھ لیے "میں جانتی ہوں، وسیلہ تمہارے لیے بہن جیسی ہے، تمہارا اس کے لیے جذباتی ہو کر سوچنا جائز ہے، لیکن دیکھو، بدگمان ہونے میں جلدی مت کرو، ایک اتفاقی حادثے کو ہمارا کوئی منصوبہ مت سمجھو، ہم بھی اولاد رکھتے ہیں، کسی اور کی اولاد پر ایسا ظلم ہوتے دیکھ بھی نہیں سکتی، وہ کچھ کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔ آج میں اس لیے یہاں آئی ہوں کہ پرانے گلے شکوے مٹا کر ہم سب کو وسیلہ کی صحت کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ وسیلہ کا ٹھیک ہو جانا ہم سب کی دوریاں مٹا دے گا۔ جب وہ ہی تم سے کہہ دے گی کہ اس کے ساتھ حادثہ ہوا تھا اور تم بلاوجہ اس کے سسرالیوں کے متعلق غلط سوچتے رہے تھے تو پھر باقی کیا رہ جائے گا۔"

"اوکے تو جب وسیلہ ٹھیک ہو جائے گی اور اپنے منہ سے بھی سب کہہ دے گی تب اس کو بھیج بھی دیں گے۔" منصب نے فوراً جتا دیا۔

"تم باہر کے آدمی، کس حق سے مشورے دے رہے ہو؟" شہناز کو اس کا بولنا قطعاً برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

"پلیز چپ رہو منصب! تمہیں ہمارے گھر کے معاملے میں بولنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ مجھے اپنی بیٹی کی زندگی کے بارے میں خود سوچنے دو۔" رضوانہ پھر بیچ میں آنے لگیں۔

"اور کیا سوچا ہے آپ نے اپنی بیٹی کی زندگی کے بارے میں؟" اس بار مومن نے تحمل سے سننے

کے انداز میں پھوپھو کو دیکھا۔
"وسیلہ اور میں ان کے ساتھ واپس جائیں گے۔ تم دیکھنا وسیلہ بالکل ٹھیک ہو کر آئے گی۔"
"وسیلہ ان کے ساتھ قطعاً نہیں جائے گی۔"
مومن نے انگلی اٹھائی۔
"مجھ پر اپنے فیصلے مت ٹھونسو مومن!" رضوانہ بھی غصے میں آگئیں۔
"مومن ٹھیک کہہ رہا ہے آپ۔" منیب نے بے ساختہ کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن رضوانہ نے سخت غصے سے اسے دیکھا تو وہ کچھ بھی کہنے کی ہمت نہ کر سکا۔
"وسیلہ کہیں نہیں جائے گی۔" اس بار دادی نے رضوانہ کو دیکھ کر دوٹوک لہجے میں کہا "میری بات تمہیں ماننی پڑے گی رضوانہ۔ اور میں بھی واپس حویلی نہیں جا رہی۔"
"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔" شہناز کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ یہ ساس نے کیا کہہ دیا تھا۔ وہ تو منیب کے منصوبے کو خاک میں ملاتے خود ساس کو منوانے اور اچھا بننے یہاں پہنچ گئی تھی۔ لیکن ہاجرہ بیگم تو یہاں آکر اب واپس جانے کو ہی تیار نہ تھیں۔
"دادی اگر یہیں رہنا چاہتی ہیں تو آپ کو کیا اعتراض ہے؟" مومن نے بظاہر عام انداز میں شہناز تائی کو دیکھا۔
"نہیں، میرا مطلب ہے ہم وسیلہ کو لے جا رہے ہیں نا!"
"وسیلہ یہاں سے کہیں نہیں جائے گی۔"
مومن کا لہجہ جارحانہ ہو گیا۔
"لیکن وسیلہ ہم سب کو پہچاننے سے انکاری ہے مومن۔ اور اب میں کسی کی نہیں سنوں گی، میری وسیلہ صرف حویلی جا کر ہی ٹھیک ہو سکتی ہے۔"
"اور جو کچھ حویلی میں اس کے ساتھ ہوا، وہ آپ بھول گئیں؟" منیب بے اختیاری بول گیا۔
"مومن! تم اس آدمی کو یہاں سے نکال کیوں نہیں دیتے۔ آخر یہ کیوں میری بیٹی کی زندگی تباہ

کرنے پہ تلا ہے۔"
"کیونکہ یہ آپ کی بیٹی کا، اس گھر کا، ہم سب کا خیرخواہ ہے۔ اور منیب جو کہہ رہا ہے، وہ بالکل درست ہے۔ ہم میں سے کوئی بھی وسیلہ کو دوبارہ اس جہنم میں کبھی نہیں دھکیلے گا۔"
"دیکھ لو بھابی۔ جو شخص ہمارے ٹکڑوں پہ پل کر کسی مقام تک پہنچا ہے، آج وہی ہمارے لیے آستین کا سانپ بن رہا ہے۔ تمہارا بھتیجا اس کو نہ صرف شہ دے رہا ہے بلکہ آج اس باہر کے آدمی، دو ٹکے کے منشی کے بیٹے کی باتیں مانی جا رہی ہیں۔ مومن کے سر پر بھی اس کے عہدے کا رعب سوار ہے۔"
"دادی! آپ بتا کیوں نہیں دیتیں۔" علیا جو کچھ دیر ہوئی دروازے میں آکر رکی تھی۔ زچ ہو کر دادی کو دیکھنے لگی۔
"بس اب کسی کے کچھ کہنے سننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میری وسیلہ کا سامان باندھو اب وہ یہاں نہیں رہے گی۔ بلکہ ہمیں سامان کی بھی ضرورت نہیں۔ بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر چلے جاؤ، یہی مجھے بہت کافی ہے۔ ارحم اس کا شوہر ہے اور شوہر کے ساتھ اس کے گھر جانے سے بیوی کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اور اماں جی آپ بھی بیمار پوتی سے ملنے آئی تھیں نا؟" شہناز نے کڑی کچھ جھنکائی ہوئی سی نظر ساس پر ڈالی۔
"تو پھر آپ بھی ساتھ چلیں گی، کیونکہ آپ کی بیمار پوتی کو آپ کی شفقت کی وہاں بہت ضرورت ہے۔" شہناز تن کر کہتے باہر نکل گئی جہاں وسیلہ ابھی تک صحن میں اکیلی بیٹھی تھی۔ ارحم بھی ماں کے تیور دیکھتے اب اعتماد سے وسیلہ کی طرف بڑھ گیا تھا۔
"کہا نا۔ وسیلہ کہیں نہیں جائے گی۔" مومن دروازے کے بیچوں بیچ ہوا "اور دادی بھی یہیں رہیں گی۔ ان کے ساتھ بھی کوئی زبردستی نہیں کرے گا۔"
"اماں جی آپ چل رہی ہیں ہمارے ساتھ؟" شہناز نے ایک چبھتی نگاہ ساس پر ڈالی تو اس میں جھنجھلاہٹ اور جتاتا ہوا رعب تھا لیکن ہاجرہ بیگم بھی آج

ٹھان کر آئی تھیں۔ انہیں تو بس ایک بار کسی طرح حویلی سے نکلنا تھا اور قدرت نے آج وہ موقع خود شہناز کے ہاتھوں دلوا دیا۔ انہوں نے منصب اور مومن کو بس ایک نظر دیکھا اور یہی بہت تھا۔ وہ دونوں بیک وقت دادی کے سامنے آ گئے

"برائے مہربانی آپ یہاں سے تشریف لے جائیں۔ دیلہ اور دادی ہمارے پاس ہیں۔ اور ہم ان کا پورا خیال رکھیں گے۔" مومن نے اس بار لہجہ بظاہر نارمل لیکن اتنا سخت رکھا کہ شہناز کچھ دیر کے لیے سوچ میں پڑ گئی لیکن پھر فوراً ہی لہجے میں اعتماد پیدا کیا۔

"تم غلط کر رہے ہو مومن۔"

"اس میں کچھ غلط نہیں ہے۔ دیلہ آپ کی بہو اور ارحم کی بیوی ہے۔ اس سے کوئی انکار نہیں۔ لیکن شادی کے پانچ چھ ماہ بعد وہ پہلی مرتبہ اپنے میکے آئی ہے اور ہم اسے کچھ دن اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ ہم نے لڑکی کا بیاہ کیا تھا اسے بیچا نہیں تھا اس لیے ہمارا بھی اتنا ہی حق بنتا ہے۔ اس لیے بات کو بگاڑنے کے بجائے ہماری مان لینے میں ہی عافیت ہے۔ ورنہ شادی کے اتنی مدت بعد اپنی بچی کو اس حال میں دیکھ کر میکے والوں سے کسی بھی سختی کی امید کی جا سکتی ہے۔ فی الحال جس کا آپ کو سامنا نہیں کرنا پڑا اور دعا کیجیے کہ آگے بھی نہ ہو۔"

مومن نے اس بار ٹھہر ٹھہر کر کچھ ایسے اپنا موقف واضح کیا کہ شہناز کو جواب کے لیے لفظ ہی سوجھ نہیں پائے۔ وہ کچھ کہنے کے لیے منہ کھولتی لیکن پھر چپ ہو جاتی اور آخر اسی خاموشی سے گہرا سانس خارج کرتے باہر نکل گئی۔

ارحم پہلے ہی دروازے میں کھڑا تھا۔ ماں کو آتے دیکھ کر اس سے پہلے باہر نکل گیا۔ دیکھ لیا تھا مومن کسی صورت انہیں دیلہ کو لے جانے نہیں دے رہا تھا۔ اب تو اسے کچھ اور سوچنا تھا۔ اور اس نے پلان کا ایک سرا تو خود سامنے کھڑا دوست تماشا دے رہا تھا۔

وہ منصب کو بڑی معنی خیز نظروں سے دیکھتے چپ چاپ باہر نکل گئی۔ یہ دیکھے بنا کہ رضوانہ اچانک شوگر لیول لو ہونے سے کرسی پر ڈھے سی گئی تھیں۔

☆☆☆

ایلیا اور عدت نے بھاگ دوڑ کر کے انہیں کھلا پلا کر ان کا شوگر لیول معمول پر کرنے کی کوشش کی۔ اور پندرہ منٹ بعد اتنا ہوا کہ اب وہ بیڈ پر لیٹی آنکھیں کھولے ان سب کو دیکھ رہی تھیں۔

"سوری پھوپھو!" وہ پھوپھو کا ہاتھ تھامے ان کے قریب آ بیٹھا۔ مومن کو اندازہ تھا کہ اس کے سخت رویے نے پھوپھو کو اعصابی طور پر کمزور کیا تھا۔ وہ جو سوچے کھڑی تھیں چونکہ مومن نے ہونے نہیں دیا تھا تو اس لیے بے حد بے بسی محسوس کی تھی۔ اور اپنی بات کے رد کیے جانے نے انہیں توڑ سا دیا تھا۔

"تم نہیں جانتے مومن۔ جو آج میں نے دیکھا ہے۔" رضوانہ کی آنکھوں کے آگے سرخ دوپٹے کا منظر گھوم گیا۔ انہوں نے وہ ساری بات مومن کو کہہ سنائی ساتھ ہی اپنے خیالات بھی بتائے کہ دیلہ اپنی ازدواجی زندگی سے خوش تھی۔

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے رضوانہ۔" ہاجرہ بی بی کرسی قریب لاتے ان کے پاس آ بیٹھیں۔

"تمہاری بات سن کر مجھے جو منظر یاد آیا ہے اگر میں وہ سب کو بتا دوں تو تم سب اندازہ لگا سکتے ہو کہ حویلی میں دیلہ کے ساتھ کیا کیا ہوتا رہا تھا۔"

انہوں نے آخری دنوں کی وہ بات سب کے گوش گزار کی جب گلناز دیلہ کے زیور اور کپڑے پہنے حویلی میں ناچتی پھر رہی تھی۔

"تب میں بھی ٹھیک طرح سے سمجھ نہیں پائی تھی کہ آخر دیلہ کے کپڑے اور زیور گلے کے ہاتھ کیسے لگے اور میں ان دنوں اسی ٹوہ میں ہی لگی تھی لیکن میری طبیعت نے میرا ساتھ نہیں دیا اور دل کا دورہ مجھے ہسپتال لے گیا۔"

"یہ آخر آپ کس پہ بھروسا کر رہی تھیں۔ سن لیا

کیسی سوچ رکھتے ہیں وہ۔" ایلیا افسوس سے لب چبا رہی تھی

"آئندہ ان کو اندر ہی نہ آنے دیا جائے۔ ہماری فیملی میں ان لوگوں کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔"

"ہماری فیملی میں کئی لوگوں کی گنجائش نہیں نکلتی۔" انہوں نے بے ساختہ ایک چبھتی نظر رمشہ اور ساتھ کھڑے منصب پر ڈالی۔ عجیب ڈھیٹ لوگ تھے، باوجود شکل کر منع کرنے کے جب دل چاہے منہ اٹھا کر آجاتے تھے۔

"پھپھو جان یہ لوگ آئندہ اسی گھر میں رہنے والے ہیں۔" ایلیا نے شرارت سے مومن کو ایک نظر دیکھا اور کہنے کی جرأت بھی کر ہی لی۔ مومن کے ساتھ ساتھ باقی سب بھی ہنس پڑے۔ رضوانہ البتہ ناگواری سے بچی کو دیکھ رہی تھیں۔ جس نے گود میں اٹھائی ریبا آگے بڑھ کر منصب کے حوالے کر دی۔ ایلیا کا اتنی بے تکلفی سے منصب کے سامنے جا کھڑا ہونا اور اتنی اپنائیت سے بچہ اسے تھمانا انہیں سخت کوفت میں مبتلا کر گیا۔ وہ دل ہی دل میں سخت شرمندہ ہوئیں کہ مومن آخر اپنی بیوی کے متعلق کیا سوچتا ہوگا۔

"لو اپنے ماموں سے لاڈ اٹھواؤ۔ اور دیکھ لیں بھیا! اب میں کچن کے کام شروع کرنے والی ہوں۔ آپ نے ہی سنبھالنا ہے ریبا کو۔" اس نے انگلی اٹھا کر وارن کیا اور مومن ہنستے ہوئے منصب کے پہلو میں آیا۔

"چلو بھائی! میں کچھ تمہاری مدد کروا دوں۔"

"رہنے دیں۔ بھانجی کو میں خود سنبھال لوں گا۔ آپ کچن میں اپنی بیگم کی مدد کروائیں۔" منصب نے ریبا کو اپنے سینے سے لگایا۔

"اچھا؟" اس نے باقیوں کی نظر بچا کر باہر نکلتی ایلیا سے ابرو اٹھا کر پوچھا تو وہ ہنس کر باہر نکل گئی۔

"او کے۔ تو میں وہاں مدد کروانے جاتا ہوں۔ اس محاذ پر آج تم اکیلے لڑو۔"

مومن نے پھوپھو کی طرف اشارہ کرتے خود بھی باہر کی راہ لی۔ مومن نے پہلے رمشہ پھر دادی کو دیکھا جنہوں نے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا۔ منصب نے خفا بیٹھی ماں کو لب بھینچ کر کچھ دیر دیکھا پھر ریبا آگے بڑھ کر رمشہ کو تھمائی اور ایک گہرا سانس کھینچ کر رضوانہ کے قریب آیا۔

"آپ کیوں مجھ سے اتنی خفا رہتی ہیں؟ کیا مجھے موقع ملے گا اپنی کوتاہیوں کی اصلاح کا؟" وہ ان کے قدموں میں آبیٹھا اور بڑی تابعداری سے کہنا شروع ہوا تو رضوانہ کا دل بری طرح سلگا۔ وہ جنہیں گھر سے نکالنے کے درپے تھیں، وہ معافیاں مانگ کر گھر میں گھسنے کی راہ ہموار کرنا چاہتا تھا۔ اور اب وہ اس کی وجہ بھی اچھی طرح سمجھ رہی تھیں، مومن کی خلع والی بات نے سب صاف کر دیا تھا۔ انہیں سخت افسوس تھا کہ ان کے اپنے بھتیجے نے ان کی مرضی کے بغیر دیبا کے لیے کچھ پلان بھی کر لیا تھا۔ وہ دیبا کے لیے منصب کو پسند کر چکا تھا اور اس کے پرانے رویے کو یکسر نظر انداز کر رہا تھا۔ وہ اکثر اس بات کو سوچ کر اداس ہو جاتیں کہ کیا گر دیبا کے لیے منصب نے تب ہاں کہہ دی ہوتی تو آج حالات بالکل مختلف ہوتے۔

"میرا تمہارا صلح یا ناراضی کا کوئی رشتہ نہیں ہے منصب۔ مجھ سے لاتعلقی برتو، یہی ہم دونوں کے حق میں بہتر ہے۔"

"وہ تو اب ممکن نہیں ہے۔" وہ ان کی طرف دیکھ کر محبت سے مسکرایا تو رضوانہ جیسے چڑ کر فوراً اٹھ کھڑی ہو گئیں۔ یہاں بحث بے کار تھی، اب تو جو بھی سمجھانا تھا مومن کو ہی سمجھانا تھا۔

"امی!" اس نے بازو سے تھام کر رضوانہ کو روکا تو انہوں نے پہلے جھٹکے سے بازو چھڑوا دیا۔ پھر وہی ہاتھ منصب کے چہرے پر اٹھا دیا۔

"ابھی میری بچی کی طلاق نہیں ہوئی اور تم نے مجھ سے ساس کا رشتہ بھی قائم کر لیا۔"

باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ

☆☆

www.pklibrary.com

مومن رضوانہ اور ابیہا کو ساتھ لے آتا ہے۔ وسیلہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہوتی ہے، اس کی دماغی حالت خراب ہوجاتی ہے وہ کسی کو نہیں پہچانتی۔ منصب کی مدد سے مومن شہناز اور ارحم کے خلاف رپورٹ درج کرواتا ہے۔ ارحم اور شہناز اپنی ملازمہ کے ذریعے ہاسپٹل میں وسیلہ کو مارنے کی کوشش کرتے ہیں، عین وقت پر منصب آجاتا ہے۔

digest novels lovers group

مومن وسیلہ کو میامی لے آتا ہے۔ یہاں اس کا علاج ہوتا ہے۔ لیکن اس کی دماغی حالت بہتر نہیں ہوتی۔ اس کے لیے تانیہ کی مدد لی جاتی ہے۔

دادی منصب کو بتاتی ہیں کہ وہ ان کا پوتا ہے۔ شہناز اسے مارنے کا پروگرام بنالیتی ہے تو وہ نور بخشی کی بیوی سے رضوانہ کا بیٹا تبدیل کردیتی ہیں تاکہ اس کی جان بچ جائے۔

گیارہویں قسط

"امی!" اس نے بازو سے تھام کر رضوانہ کو روکا تو انہوں نے جھٹکے سے بازو چھڑا لیا۔

"ابھی میری بیٹی کی طلاق نہیں ہوئی اور تم نے مجھ سے ساس کا رشتہ بھی ختم کرلیا۔"

"رضوانہ......" دادی جو اب تک کی نوک جھونک کو خاموشی سے دیکھ رہی تھیں۔ رضوانہ کے اچانک ایکشن پر سخت افسوس محسوس کرتے اٹھ کھڑی ہوگئیں۔

"یہ کیا پاگل پن ہے۔ منصب کا لاڈ اس کی محبت ہرگز اس وجہ سے نہیں ہے جو تم سمجھ رہی ہو۔"

"کچھ مت کہیں دادی۔ وہ ابھی لاعلم ہیں۔"

منصب اپنی جگہ سے اٹھا۔ ماں کی پشت کو خاموشی سے دیکھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

"بیٹھو رضوانہ۔ اور چپ کرکے میری بات سنو۔" باجرہ بی بی نے ہاتھ پکڑ کر بہو کو سامنے بٹھایا۔

جانتی تھیں یہ ایک مشکل وقت ہے اور اب اس نازک مرحلے سے نمٹنے کی ذمہ داری بھی صرف ان ہی کی ہے۔

"تمہیں وہ رات یاد ہے رضوانہ! جب میں برستی بارش میں تمہیں نور بخشی کے ہاں لے گئی تھی۔ یاد کرو کہ اس رات میں اکیلے ہی تمہیں حویلی سے دور نکال لے گئی تھی۔ جانتی ہو اس کی وجہ کیا تھی؟ کیوں حویلی میں کئی افراد، درجنوں نوکروں کے ہوتے میں تمہیں وہاں سے نکال لے گئی۔؟

وقت نے مجھے مہلت دی ہوتی تو شاید میں تمہیں بہت پہلے بتا دیتی۔ پر یہ بھی میرا ہی فیصلہ تھا کہ وہاں سے نکلنے کے بعد اپنا پتا ٹھکانا بھی معلوم نہ ہونے دینا۔ تو کبھی تم نے یہ سوچا رضوانہ! کہ آخر وہ کیا مجبوری ہوگی۔ جس کی وجہ سے ایک ماں اپنے ہی بچوں کو خود سے الگ کرنے پر مجبور ہوئی ہوگی۔ میں نے تو کبھی جمال کو بھی پتا نہیں چلنے دیا کہ حویلی والے تم سب کے خلاف کیا کیا سازشیں رچاتے رہے تھے۔ تمہارے حمل کے دوران میں چاہتی تھی کہ بچے کی پیدائش سے پہلے ہی تم وہاں سے نکل جاؤ۔ لیکن میرا ہی نصیب خراب تھا۔ میرے کچھ سوچنے سمجھنے سے پہلے ہی بچے کی پیدائش کا وقت آگیا۔ وہ بچہ کہ جس کے قتل کا منصوبہ شہناز نے اس کی پیدائش سے پہلے بنالیا تھا۔"

"جی۔" رضوانہ جو کسی قدر بے دلی سے اماں جی کی تمہید کو سن رہی تھی، چونک کر پلٹیں۔

"اس رات اللہ نے تمہیں بیٹی نہیں بیٹا دیا تھا رضوانہ" اماں جی کی آنکھیں چھلک گئیں۔

"کیا مطلب۔ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" وہ ان کو کندھوں سے تھام کر کھڑی تھیں۔

"ہاں رضوانہ نور بخشی کو بیٹی ہوئی تھی۔ میں نے تمہاری غشی کی حالت سے فائدہ اٹھاتے بچے تبدیل

www.pklibrary.com

کر دیے تھے۔ یہ بات نوریز کی بیوی اور دایہ کو پتا تھی۔ منصب تمہارا خون ہے رضوانہ! تمہاری اپنی کوکھ کی اولاد۔ اور دیبلہ مشی نوریز کی بیٹی۔ میمونہ اور روحہ کی تیسری بہن، حالات نے جسے تمہارے گھر بھیج دیا اور تمہارے بیٹے کو وہاں۔ کیونکہ اُس رات شہناز نے ایک آدمی کو پیسے دے کر حویلی کے پچھواڑے بلایا تھا کہ اگر رضوانہ کو بیٹا ہوا تو وہ اسے پیسوں کے عوض اس آدمی کو بیچ دے گی، پھر چاہے وہ اسے مار ڈالے یا کچھ بھی کرے۔ اسے حویلی کا وارث صرف اپنی کوکھ کے بچے کو بنانا تھا

مجھے معاف کر دو رضوانہ۔ تمہارے بیٹے کو بچانے کے لیے مجھے جلد بازی میں ایک ایسا فیصلہ کرنا پڑا جس نے نہ صرف تمہاری زندگی میں خلا پیدا کر دیا بلکہ اس بچے کے حالات کو کیا سے کیا کر دیے۔ اس رات اگر جمال یا کمال حویلی میں ہوتے تو صورت حال کچھ اور ہوتی لیکن میں اتنی اکیلی پڑ گئی تھی کہ میرے سر پر صرف بچے کی جان بچانے کا سودا سوار تھا چاہے اس کے لیے مجھے کسی بھی حد تک جانا پڑ جائے۔

"منصب۔ میرا بیٹا!" رضوانہ نے زیر لب دہرایا ضرور لیکن لہجے میں یقین کی جھلک تک نہ تھی۔ انھوں نے خالی خالی نظروں سے ساس کو دیکھا۔

"تو حالات اگر ایسے ہی بھیانک تھے۔ پھر آپ نے دیبلہ کی شادی حویلی میں کیوں ہونے دی؟" رضوانہ کو بیک وقت کئی شاک پہنچے تھے۔ سب سے ایک ساتھ نمٹنا مشکل تھا۔

"نہیں چاہتی تھی۔ بالکل نہیں چاہتی تھی لیکن میری کسی نے سنی ہی نہیں۔ شہناز نے تم سے میری ملاقات کا ہر راستہ بند کر دیا تھا، نہ صرف یہ بلکہ مجھے ان ماں بیٹے نے پاگل کر دکھا دیا۔ مجھے انھوں نے حالات کی ایسی تصویر دکھائی جس سے مجھے لگا کہ یہ لوگ واقعی بدل گئے ہیں۔"

"اور منصب!" وہ دروازے کی جانب دیکھنے لگیں "اس کے ماں باپ۔ وہ سب؟ وہ بدبختوں کی طرح ساس کو دیکھ رہی تھیں

"سوائے دو بہنوں کے اس کا اب کوئی نہیں۔ تمہارا بیٹا ہمیشہ کے لیے تمہارے پاس واپس آ گیا ہے۔"

"تو وہ اس لیے؟"

"ہاں، میں نے اپنی بیماری کے دوران ابھی کچھ دن پہلے ہی تو اس کو بتایا ہے۔"

"یہ آپ نے کیا کر دیا اماں۔" وہ ہتھیلی پہ ماتھا گراتے وہیں کرسی پر بیٹھ گئیں۔ اعصاب ساتھ چھوڑتے جا رہے تھے۔ وہ ایک دم نڈھال سا محسوس کرنے لگیں۔

"میں کیا کرتی رضوانہ! میں نے بڑی دعا کی تھی کہ تمہیں بچی پیدا ہو جائے اور یہ پریشانی ہی ختم ہو جائے کیونکہ بچی پیدا ہونے کی صورت میں شہناز نے ارادہ بدل دینا تھا۔ اور وہی ہوا۔ دیبلہ تمہاری گود میں ڈالی تو جیسے دریا یا طوفان ایک پل میں ٹل گیا۔ اور اس وقت لڑکے کی جان بچانا اتنا اہم تھا کہ بعد کی باتیں سوچی ہی نہیں۔ مجھے لگا جمال کے آنے پر میں اس کو ساری حقیقت سے آگاہ کروں گی اور تم دونوں اپنے بچوں کو لے کر ہمیشہ کے لیے حویلی سے دور چلے جاؤ گے۔ لیکن وہ وقت پھر کبھی آیا ہی نہیں کیونکہ نوریز اس کا پورا خاندان لڑکے کی حسرت لیے باہر منتظر تھا۔ جونہی انھیں بچے کی پیدائش کا پتا چلا۔ حالات میرے ہاتھ سے یکسر نکل گئے۔ بس پھر میرے پاس سوائے منصب کی تعلیم، اس کی تربیت کا خیال رکھنے کے اور کوئی راہ نہیں بچی۔ اور زندگی کے اتنے برس نکل گئے۔"

"میں۔ منصب سے مل آؤں۔" وہ پتا نہیں اماں جی کو سن بھی رہی تھیں یا نہیں، جواباً بس یہی کہا اور باہر نکل گئیں۔

☆☆☆

"تم کیوں رو رہی ہو۔" مومن اس کے پیچھے آیا تو وہ چونک کر پلٹی پھر جلدی سے آنکھیں صاف کیں۔

www.pklibrary.com

"امی کو کتنی مدت بعد خوشی ملی ہے۔ آج وہ بابا اور تحریم کو کتنا یاد کر رہی ہوں گی۔ اور پھر دیلہ بھی تو۔" وہ بے خود بلکنے لگی۔ مومن نے اس کا گال تھپکا۔

"بس اب منیب آگیا ہے نا۔ تو سارے رنج و درد دور ہو جائیں گے۔" وہ اس کے پیچھے کھڑا اس کے شانے پہ ہاتھ رکھے سامنے دیکھ رہا تھا، جہاں رضوانہ پھوپھو منیب کو سامنے بٹھائے پیار سے اسے بس دیکھے ہی جا رہی تھیں۔ بار بار منیب کی صورت دیکھتے وہ حیرت میں پڑ جاتیں، منیب کی ناپسندیدگی کی پٹی ایسی آنکھوں پہ بندھی تھی، کبھی ایک بار بھی انہیں ایسا نہیں لگا تھا کہ وہ اپنے باپ سے بہت مشابہ تھا۔ جمال جیسی آنکھیں، وہی قد کاٹھ، وہی رنگت حتیٰ کہ منیب کے ہاتھوں کی بناوٹ بھی بالکل اپنے باپ جیسی تھی۔

"امی آپ کو پولیس والوں سے کیوں اتنی چڑ تھی؟" وہ ماں کے ہاتھ محبت سے ہاتھوں میں لیے ان کی صورت دیکھ رہا تھا۔ رضوانہ اس کا سوال سن کر بے ساختہ ہنس پڑیں۔

"کچھ خیالات واقعی بے وجہ ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں تم کہہ سکتے ہو کہ ہاں میرے چڑنے کی ایک وجہ تھی، اصل میں تمہارے بابا کی ڈیتھ ایک حادثے میں ہوئی تھی۔ وہ سڑک کنارے زخمی پڑے تھے، ان کے موبائل پر آخری کال پولیس کو کی گئی تھی۔ انہیں مدد کی ضرورت تھی تو انہوں نے پولیس کا نمبر ملا کر شاید انہیں بلایا، لیکن افسوس کہ تمہارے بابا کے ہسپتال تک جانے کی نوبت نہیں آئی اور وہ راستے میں ہی دم توڑ گئے۔ مجھے ہمیشہ یہ سوچ کر ناقابل بیان درد ہوتا تھا کہ نجانے کتنی دیر وہ سڑک کنارے مدد کے لیے تڑپتے رہے ہوں گے۔ اگر پولیس وقت پر پہنچ جاتی تو۔"

موت تو اپنے وقت پر ہی آئی امی! کوئی نہ کوئی وجہ تو صرف ایک بہانہ ہوتا ہے، اب یہ بھی کوئی جی ہلکان کرنے والی بات ہے۔ آخر ایک نہ ایک دن تو ہم سب کو جانا ہے نا۔ تو کوئی نہ کوئی بہانہ کسی اوٹ میں ہمارا بھی منتظر۔"

"مت کرو ایسی سخت باتیں۔" رضوانہ نے منیب کے منہ پہ اپنا ہاتھ رکھ کر روکا۔ "ابھی ابھی تو ملے ہو۔ مجھے تو اب اپنی لمبی عمر کی بھی دعائیں مانگنی ہیں، تم تو پورے سو سال جیو۔"

"شکر ہے ہزاروں سال نہیں کہا، جیسا کہ منہ اٹھا کر کہہ دیا جاتا ہے۔" وہ ہنس رہا تھا۔ مومن اور ایلیا اسی وقت اکٹھے اندر آئے تھے۔

"کافی رنکلنگ ماں ملی ہیں آپ کو۔" ایلیا ہنستے ہوئے بھائی کے قریب بیٹھ گئی۔

"اچھا، اب تم گھر کب آ رہے ہو۔" رضوانہ کی نظریں منیب کے چہرے سے نہ ہٹ رہی تھیں۔

"جب آپ حکم کریں۔ حالانکہ میرا تو خیال تھا کہ آنا جانا لگا رہتا، ہم وہیں۔"

"کیسی غیروں والی باتیں کر رہے ہو منیب؟" رضوانہ بولیں تو آنکھیں پل میں ہی چھلک گئیں۔ بھلا اب وہ اپنے بیٹے سے دوری کا سوچ بھی کیسے سکتی تھیں۔

"اگر تم اپنے گھر پر رہو گے تو، سن لو کہ پھر میں وہیں آجاؤں گی۔"

"یونہی نخرے کر رہا ہے پھوپھو، آج ہی اسے ساز و سامان سمیت اٹھواتے ہیں۔" مومن کے لہجے میں بھرپور شوخی سموئی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے آجاؤں گا۔ ابھی جتنے دن میمونہ یہاں ٹھہری ہے، اس کے بعد۔"

"جی بالکل، ہم آپ کی امانت بہت جلد آپ تک پہنچا دیں گے۔" رمشہ ہنستی ہوئی اندر آئی۔

"امانت نہیں پہنچائی میڈم، خود بھی ساتھ آنا ہے۔" ایلیا نے آگے بڑھ کر رمشہ کو اپنے ساتھ لگایا اور امی کو ابرو سے اشارہ کیا۔

"ہاں رمشہ، میرے لیے دیلہ ایلیا اور تم دونوں ایک برابر ہو۔ تم بھی منیب کے ساتھ اس گھر میں آجاؤ گی تو مجھے لگے گا میری تحریم لوٹ آئی ہے۔ ویسے بھی یہ بات ثابت شدہ ہے کہ دل کے رشتے

www.pklibrary.com

خون کے رشتوں سے کہیں بڑھ کر ہوتے ہیں۔ جس طرح یہ جان لینے کے بعد کہ دیلہ میری سگی اولاد نہیں ہے، میں اسے خود سے جدا کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی، اسی طرح منعب کے لیے بھی پرانے رشتے اہم ہیں۔ تم اس کے لیے اب بھی سگی بہن سے کم نہیں ہو۔ اور تم ویسی ہی رہو گی جہاں تمہارا بھائی رہے گا۔"

"شکریہ آنٹی۔" وہ کچھ کہتے کہتے رکی پھر رضوانہ کے قریب آئی۔

"منعب بھیا کی طرح میں بھی آپ کو امی کہہ لیا کروں؟"

"جی ہاں، جناب، کہنا بھی یہی ہے۔" ایلیا نزدیک آئی۔ "نہ صرف تم نے بلکہ میمونہ باجی بھی اب میری امی کو امی کہیں گی۔ اور امی جی آپ کو آج سے پانچ، پانچ بچے مبارک ہوں۔" اس نے بات کے دوران ماں کو دیکھ کر کہا تو سب ہی ہنس پڑے۔

☆☆☆

"یہاں آؤ...... منعب...... ادھر بیٹھو میرے پاس۔" توفیق احمد نے مسکرا کر اپنا ہاتھ اونچا کیا تو منعب تیز قدموں سے ان کے نزدیک آتے بالکل ان کے قریب بیٹھ گیا۔ توفیق احمد نے اپنا ہاتھ اس کی پشت پر محبت سے پھیر دیا۔

"ماموں جان۔" منعب نے بنا جھجکے انہیں نئے رشتے سے پکار کر ان کے ساتھ ساتھ خود اپنے دل کو بھی نئی خوشی کے احساس سے دوچار کیا۔

"مومن بتا رہا تھا۔ اچھے اچھے رہتے ہو۔ ہاں؟" وہ اس سے پوچھ رہے تھے۔ منعب نے جھینپ کر سر جھکا لیا۔ مومن سے تو وہ بلا تکلف ہر بات کر لیا کرتا تھا۔ اب ماموں سے کیا کہتا۔ یہاں آئے ابھی انہیں دوسرا دن تھا۔ امی نے اس کے لیے الگ کمرا سیٹ کیا تھا۔ رمشہ فی الحال تو رضوانہ اور دادی کے ساتھ ان کے کمرے میں تھی۔ لیکن ان کا ارادہ یہی تھا کہ رمشہ اور دیلہ ایک کمرے میں رہیں تاکہ دیلہ میں بولنے کی جھجک دور کی جا سکے۔

"بیٹا ہے منعب!" انہوں نے آہستہ سے آغاز لیا۔ "ہم میں سے کسی کی زندگی دوسرے سے نہیں ملتی، حتیٰ کہ ایک گھر سے تعلق رکھنے والے، ایک ہی فیملی کے ممبر۔ وہ بھی ایک دوسرے سے الگ زندگی جیتے ہیں۔ ہمارے ماں باپ بہن بھائی۔ سب اپنی زندگی میں کئی الگ الگ تجربوں سے گزرتے ہیں۔ تمہارے نصیب میں جو آیا اس پر زیادہ مت سوچو۔ تمہاری زندگی کے دائرے نے کچھ اسی طرح ہی مکمل ہونا ہوگا۔ اب تو بس یہ سوچو کہ جو خوشی حاصل ہوئی ہے اس سے کس طرح لطف اندوز ہونا ہے۔"

"میں نے تو سوچ بھی لیا ہے۔" مومن اسی وقت قریب آیا اور کرسی کھینچ کر کچھ پرجوش سے انداز میں ان دونوں کو دیکھنے لگا۔ توفیق احمد اور منعب نے سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"جی بابا۔ میں سوچ رہا ہوں کہ ہم سب کو کہیں آؤٹنگ پر نکلنا چاہیے۔"

"واہ یہ تو واقعی بڑی اچھی سوچی۔ تو کہاں؟" توفیق احمد کی دلچسپی بڑھی۔

"دو آپشنز ہیں۔ پہلا سفید محل مرغزار۔ دوسرا بحرین۔ کیا خیال ہے؟"

"میں کچھ کہوں؟" ایلیا اسی وقت چائے لیے ان سب کے قریب آئی تو اس بار سب نے اسے حیرت سے دیکھا۔

"جی ارشاد۔ آپ کے خالی دماغ میں کیا ہے۔" مومن کا چہرا اسے دیکھ کر نرم سی مسکراہٹ سے سجا تھا۔ ایلیا نے دھیان باتوں کی طرف لگایا۔ مومن تو بات ہی بھلا دیتے تھے

"وہ میں سوچ رہی تھی کہ کسی ایسی جگہ جائیں جہاں دیلہ آپی کی یادیں تازہ ہوں۔"

"ہاں بالکل۔ یہ خیال مجھے واقعی نہیں آیا تھا۔"

"تو۔ کالام۔" ایلیا نے اس بار معنی خیزی سے منعب کی طرف دیکھا تھا۔ یہ بات وہی دو جانتے تھے کہ دیلہ کی یادوں میں منعب کے حوالے سے کالام اور گوزاگ بہت اہم تھے۔

www.pklibrary.com

"ہاں۔ وسیلہ کی شادی سے کچھ ماہ پہلے ہی تو جانا ہوا تھا۔ اپنی فیملی سے متعلق اسے بہت کچھ یاد آسکتا ہے۔" سومن نے بات کو اس انداز میں لیا۔ کالام کے ٹورز میں اس کا سامنا منصب وغیرہ سے کبھی کبھی ہوا تھا اس لیے وہ اس بات سے بے خبر تھا۔

"وسیلہ کی طبیعت ایسی ہے کیا کہ اسے سفر پر لے جایا جائے؟" توفیق احمد کو خیال آیا۔

"یہ تو ڈاکٹر ثانیہ ہی بہتر بتا سکتی ہیں۔" منصب نے سومن کو دیکھا۔

"ہاں۔ ان ہی سے پوچھ لیتے ہیں۔ اور میرا خیال ہے ڈاکٹر ثانیہ بھی ہمارے ساتھ چلیں۔ دوران سفر یا وہاں پہنچ کر وہی صورت حال کی مناسبت سے وسیلہ کو کچھ یاد دلانے میں معاون ثابت ہو سکتی ہیں۔"

"ہاں۔ وہ راضی ہو جائیں گی۔ آئی تو۔" منصب نے سر ہلایا اس کا اپنا دل البتہ اندر ہی اندر اس خیال سے بری طرح بے چین ہو گیا کہ اگر وسیلہ کو اپنے اور اس کے حوالے سے بھی ہر بات یاد آ گئی تو۔ اس نے بے ساختہ ایک آہ بھر کر سر جھٹکا کہ یہ مسئلہ تو ایک نہ ایک دن جھیلنا ہی ہوگا۔ کم از کم وسیلہ ٹھیک ہو جائے۔

"میں ایک اور بات سوچ رہا ہوں۔" سومن ان سب کی باتوں کی طرف بالکل متوجہ نہیں تھا۔ اچانک ایک خیال سے چونکا۔

"میں سوچ رہا ہوں ہمیں سب سے پہلے مین بڑے روڈ کے اس کنارے تک جانا چاہیے جہاں اس رات کار کا حادثہ ہوا تھا۔ ایک تو یہ جگہ نزدیک ہے۔ لمبے سفر کی دقت سے بھی وسیلہ بچ جائے گی اور اس کی یادداشت کے معاملے میں ہمیں بھی کچھ نہ کچھ سمجھنے میں مدد مل جائے گی۔"

"ہاں ٹھیک کہہ رہے ہو سومن۔ میں بھی یہی سوچتا ہوں کہ فی الحال کسی لمبے سفر کا رسک نہ لیا جائے۔ لیکن ہاں۔ اگر یہ چھوٹا سا سفر وسیلہ کی طبیعت پر اچھا اثر ڈالتا ہے تو آگے کے لیے مزید بھی سوچا جا سکتا ہے۔" توفیق احمد اب بہت سہولت سے بات کرنے لگے تھے۔ سومن بہت محبت سے باپ کو دیکھ رہا تھا۔ اسے وہ وقت یاد آیا جب انہوں نے بابا کو اپنی گفتگو میں شامل کرنا بھی چھوڑ دیا تھا۔

"تو ٹھیک ہے پھر میں ثانیہ سے بات کر کے کوئی دن طے کرتا ہوں۔ آپ سب بھی تیاری کریں۔" منصب اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆

ایلیا نے گھڑی دیکھی۔ پونے گیارہ ہو گئے تھے۔ سومن سنڈے کو دیر تک سوتا رہتا تھا۔ تب ہی وہ فیروزہ کو ساتھ لیے امی کے ہاں آ گئی تھی۔ وسیلہ کو کچھ دیر کے لیے باہر بھیج کر ان دونوں نے کمرا سیٹ کیا تھا۔ ثانیہ کی تجویز پر اب رمعہ اور وسیلہ کو ایک کمرا دیا گیا تھا تاکہ وسیلہ بلا جھجک رمعہ سے دل کی ہر بات کر لیا کرے اور ایسا کرنے سے اس کے اندر نئی نئی سوچیں پیدا ہونے کا امکان تھا۔ اور اسے پرانی کی بندگی بلکہ پریشان کن سوچوں سے نکالنے کے لیے یہ بہت ضروری تھا۔ ایلیا نے دونوں بچوں کو بھی امی کے پاس چھوڑ دیا تھا۔ کیونکہ اب رمعہ کے آ جانے سے اس کی امی کو بہت مدد مل جاتی تھی۔۔۔ وہ کمرے میں واپس آئی تو سومن نہ صرف جاگ چکا تھا بلکہ الماری کھولے شاید اپنے کپڑے ڈھونڈ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک ہینگر تھا جس پر ایلیا کی پیلی قمیص لٹکی تھی۔

"کچھ چاہیے آپ کو؟" وہ جلدی سے نزدیک آئی۔

"ہوں۔" اس نے چونک کر ایلیا کو دیکھا "نہیں۔" سومن نے پیلی شرٹ واپس لٹکا کر الماری بند کر دی۔

ایلیا نے حیرت سے اسے دیکھا۔ کہ کچھ چاہیے نہیں تھا تو کھول کیوں رکھی تھی۔ لیکن کہا کچھ نہیں اور بچوں کا بکھرا ہوا سامان سمیٹنے لگی۔ بچوں کے جاتے ہی وہ کھلونوں اور باقی کا بہت سارا سامان

www.pklibrary.com

چھوٹے کمرے میں رکھ آتی تھی۔ مومن کے واش روم سے آنے تک اس نے بھاگ دوڑ کر کمرے کو ایک دم صاف کر دیا۔ مومن نہا کر نکلا تو کمرے کا حلیہ ہی تبدیل ہو چکا تھا۔ اس نے ستائشی نظر سے دیکھا ضرور لیکن کہا کچھ نہیں۔ ایلیا اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"میں آپ کا ناشتہ لاتی ہوں۔"

"ایک منٹ ایلیا، بات سنو۔"

"جی!" وہ بس ذرا سا ہی جھجکی کہ شاید چھوٹی موٹی کوئی ہدایات ہوں گی ناشتے کے متعلق۔

"یہاں آؤ بیٹھو، بات کرنی ہے۔" وہ خود بھی پلنگ کے کنارے پر بیٹھ گیا۔ ایلیا نزدیک آئی تو مومن نے اس کا ہاتھ پکڑ کر مزید قریب کرتے اپنے پاس بٹھا لیا۔

"کام کرتی بیویاں بھلے شوہر کو بہت اچھی لگتی ہیں۔ لیکن کام کے چکر میں وہ شوہر کو ہی لفٹ نہ کرائیں۔ یہ تو زیادتی ہے نا۔" وہ نرم دھیمی آواز میں کہتے اس کے ماتھے کے بال بھی سائیڈ پہ کر رہا تھا۔ ایلیا کو ایسے لمحوں میں ہمیشہ پہلا خیال یہی آتا کہ ایسے بدلے بدلے مومن سے تو وہ سڑو والے مومن بہت اچھے تھے، کم از کم وہ ان کی طرف دیکھ تو سکتی تھی۔ اور دل بھی اس نئے طریقے سے کب دھڑکتا تھا۔

"کب جانا ہے پکنک پر؟"

"جی۔ پکنک؟" وہ ذہن پر زور دینے لگی۔

"اچھا ہاں۔ وہ پہلے تو آج کا ہی بولا تھا منیب بھائی نے لیکن ان کی سنڈے کی ڈیوٹی آ گئی۔ تو کہہ رہے تھے، اسی ویک میں کسی دن سیکنڈ ٹائم۔"

"ہوں۔ اور میں پتا ہے کیا سوچ رہا ہوں۔"

"جی..... کیا؟" وہ بس تھوڑا سا ہی دیکھ کر رہ گئی۔

"تحریم کی برتھ ڈے تو ہو گئی تھی اگست میں لیکن بچوں کی برتھ ڈے ابھی تک پینڈنگ ہے۔"

"او ہاں۔" ایلیا کو تو یاد ہی اب آیا۔ بے ساختہ اس نے اپنا رخ مومن کی طرف کیا۔ "تو۔ کیا ہے آپ کے ذہن میں؟"

"یہی کہ کل شام یا پرسوں پہلے بچوں کی سالگرہ منا لیتے ہیں گھر پہ اور اس کے بعد کسی دن پکنک۔"

"جی۔ بہت ٹھیک ہے۔" وہ ایک نئے خیال سے ایک دم خوش ہو اٹھی۔ "تو۔ کرنا کیا ہوگا۔ مطلب کس قسم کا پروگرام۔"

"باہر سے کسی کو نہیں بلائیں گے سوائے ڈاکٹر ثانیہ کے، کیونکہ دیلہ کی طبیعت کا جتنے کم لوگوں کو پتا ہو اتنا بہتر ہے۔ اور ہم سب بھی ماشاءاللہ کم تو نہیں۔ باقی کھانے پینے کا ارینجمنٹ تم خود اچھی طرح دیکھ سکتی ہو۔"

"اچھا؟" وہ حیرت سے بے اختیار ہی پوچھ بیٹھی، اور پھر شرمندہ بھی ہو گئی۔ مومن کو ہنسی آ گئی۔

"ہاں۔ تم بہت اچھی منتظم ہو۔" اس نے لہجہ سنجیدہ کیا۔ "مجھے تمہیں سمجھنے میں دیر لگی۔"

"میں جاؤں۔" اس نے نروس ہو کر موضوع بدلا۔ "آپ کا ناشتہ۔"

"ہاں ناشتہ یہیں لے آؤ، اور سنو۔" اس نے لہجے کو ایک دم سرسری بنایا۔ "تمہیں کون سا کلر پسند ہے؟"

"کلر۔ مجھے۔" ایلیا کو پھر سب کنفیوژ ہونے لگا۔ "مجھے تو سارے ہی کلرز اچھے لگتے ہیں۔ تحریم آپی کہتی تھیں۔ جب تم پیدا ہوئی ہوگی ضرور آسمان پر قوس قزح چھائی ہوگی۔" وہ آپی کو یاد کر کے مسکرائی اور مومن بھی سر ہلاتے کچھ سوچنے لگا۔

☆☆☆

"لوگ اتنے سیدھے ہوتے نہیں، جتنا اپنی دانست میں ہم انہیں سمجھ لیتے ہیں۔ اور اس بار تو سارے ہی پانسے الٹے پڑ گئے۔"

وہ کمرے میں دائیں سے بائیں چکر کاٹتے سوچوں میں اپنے آپ سے الجھ رہی تھی۔ ارحم منزل میں بڑی رہنے کے باوجود کسی کسی وقت امجد

www.pklibrary.com

اٹھا کر چکر لگاتی ماں کو دیکھ لیتا۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں ارحم۔ اس مومن کی نظر ایک بار پھر اس پولیس والے پر ہے۔ ورنہ یہ خلع وغیرہ کا خناس کیسے اس کے دماغ میں بھر گیا۔" شہناز خیالوں سے باہر آ گئیں۔

"مومن کا بھی اتنا قصور نہیں۔ جتنا وہ منحوس خود بدنیت ہے۔ وہی اب اچھا بنا مومن سمیت سارے گھر کی ہمدردیاں بٹور رہا ہے۔" ارحم نے موبائل کو سائیڈ پر رکھا۔

"مطلع کیں گے اب یہ۔" شہناز نے دانت پیسے۔

"اچھا ویسے۔ اس ذہنی مریضہ سے شادی کر کے کیا لے گا وہ۔" ارحم استہزائیہ ہنسا تو شہناز نے اسے بری طرح گھورا۔

"بیوی ہے تمہاری۔ کیسی باتیں کر رہے ہو۔"

"اچھا۔" ارحم کا لہجہ ایکدم طنزیہ ہو گیا۔" اور کب تک بیٹھنا ہے میں نے اس ڈھول کو؟"

"یعنی؟"

"آپ نے کہا تھا...... یہ حادثے وارثے کے بعد میری جان چھوٹ جائے گی اس سارے معاملے سے۔"

"تو...... دیکھا نہیں حادثے کا نتیجہ۔" شہناز کا لہجہ بھی جلا بھنا تھا۔

"ارے تو آپ کی غلطیاں ہیں۔ سزا میں کیوں بھگت رہا ہوں۔" ارحم کا اشارہ صاف اپنے اور سارہ کے معاملے کی طرف تھا۔ شہناز کے لیے سمجھنا مشکل نہیں تھا۔

"اچھا صبر کرو۔ ہو جائیں گے حالات ٹھیک۔ فی الحال تو مجھے اس مومن سے پرچا کٹوانے کا بدلہ لینا ہے۔"

"اف آپ کے بدلے۔ ہورِبل (خوفناک)" ارحم سخت ناپسندیدگی سے منہ بناتا اٹھ کھڑا ہوا۔ باہر نکلنے کا ارادہ تھا لیکن ایک نمبر سے کال آئی دیکھ کر وہیں رُک گیا۔

"جی کاکا جان۔ سکتے؟"

"آں۔ اچھا اچھا۔ کب؟"

"او۔ کدھر ہیں اب؟" اس کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے۔ تھوڑی دیر میں بات ختم کر کے سخت پریشانی سے ماں کو دیکھا۔

"کیا ہوا۔ کون ہے یہ کاکا جان؟" شہناز اسے ماتھا سکوڑ کر دیکھ رہی تھیں۔

"سارہ کے بابا ہیں۔ اور وہ سارہ کو یہاں لائے ہیں۔ تھانے۔"

"ہیں۔" شہناز کا منہ کھل گیا۔" کیا مطلب؟"

"سارہ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ وہ اسے میرے پاس چھوڑنے آئے ہیں۔"

"چھوڑنے مطلب؟" شہناز جو ابھی ابھی کرسی پر بیٹھی تھیں، گھبرا کر اٹھ کھڑی ہو گئیں۔

"ارے امی۔ یہ عجیب و غریب ایکسپریشن بعد میں دے لیجیے گا۔ ابھی مجھے نکلنے دیں۔" وہ بنا ماں کو دیکھے باہر نکل گیا۔ اس کا دھیان تو پورا پورا کال نے اپنی جانب کھینچ لیا تھا۔ اس کی سارہ یہاں آ چکی تھی اس کے شہر میں۔ اور یہیں کہیں اس کی منتظر تھی۔ وہ سرپٹ بھاگا۔

☆☆☆

"سب تیاریاں ہو گئیں؟" مومن نے بیچ کوریڈور میں اطیبا کو روکا۔

"جی جی۔ کام کاج تو سب ہو گئے۔ اب بس ہماری تیاری باقی ہے۔ اور ڈاکٹر تانیہ نے آنا ہے۔ اچھا ہاں، وہ میں نے تانیہ کی امی کو بھی انوائیٹ کر لیا تھا۔ وہ بے چاری جب سے میاں ڈم آئی ہیں، کہیں نکلی ہی نہیں تو۔"

"ہاں ہاں ٹھیک ہے۔ اب تم بچوں کی تیاری کروا دو۔"

"لیکن آپ بھی تو تیار ہو جائیں۔" وہ بوکھلا کر مڑی۔

"میں بھی ہو جاؤں گا تیار۔ تم فی الحال کمرے میں جاؤ اور بچوں کو ریڈی کرو۔" وہ عجلت میں جا

www.pklibrary.com

قریب سے نکل گیا اور ایلیا ذہن میں باقی بچے کاموں کا حساب کتاب کرتے کمرے میں داخل ہوگئی۔

بچے تو دونوں وہ امی کے پاس چھوڑ آئی تھی۔ سوچا ان کے کپڑے ہی وہیں لے جائے۔ دونوں کے ریڈی میڈ ڈریس بیڈ پر رکھے تھے، اس نے ہاتھ بڑھایا پر ایک نئے شاپنگ بیگ کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ حیرت بھرے تاثرات کے ساتھ کھول کر دیکھا تو ایک نیوی بلو لیڈیز سوٹ تھا۔ وہ کھول کر حیرت سے دیکھ رہی تھی جب ایک کارڈ نیچے گرا۔

”فائیو مارییج کی ہیپی سالگرہ پر ان کی امی کے لیے۔ فرام مومن۔“

اس نے حیرت بھری ہنسی کو لب بھینچ کر دبایا۔

مومن کی طرف سے تحفہ ملنا ایک ناقابل یقین سی بات تھی، اور وہ بھی بنا مانگے۔ اس نے فوراً ہی جا کر وہ سوٹ پہن لیا اور وائٹ جیولری اور ہلکے میک اپ کے ساتھ اس کی خوب صورتی میں کچھ مزید اضافہ کیا۔ بال بھی ایک شرارتی سی سوچ کے تحت مسکراتے ہوئے اونچی پونی ٹیل میں باندھ لیے۔

بچوں کی سالگرہ کا پروگرام وسیلہ کی وجہ سے امی کے گھر میں رکھا گیا، اس نے یہاں آ کر بچوں کو تیار کیا۔ تانیہ اور آنٹی بھی آ گئی تھیں۔ ایلیا کی متلاشی نگاہیں مومن کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ ندرت ممانی بھی یہاں آ گئی تھیں۔ رمشہ نے وسیلہ کو تیار کیا تھا۔ وہ آئینے میں اپنے آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہو رہی تھی۔ تب ہی درمیانہ دروازے سے مومن اپنے ابو کو وہیل چیئر پر لیے اس گھر میں داخل ہوا تو ایلیا کا حیرت سے منہ کھلا۔ مومن کے لیے وہ سفید قمیص شلوار پریس کر کے آئی تھی لیکن وہ نیوی بلو شلوار قمیص اور ویسٹ کوٹ پہنے گھر میں داخل ہوا۔ ماموں کو برآمدے سے گزار کر ہال میں لایا۔ اور وہ اپنی وہیل چیئر سے اٹھ کر خود ہی صوفے پر بیٹھ گئے۔ اب وہ گھر میں بھی بہت ہلکا سا چل پھر لیتے تھے۔

”وہ دیکھو وسیلہ!“ رمشہ نے شرارت سے وسیلہ کو کہنی ماری ”ایلیا اور مومن بھائی کی میچنگ۔“

”ہوں۔“ وسیلہ ہلکا سا مسکرا دی۔

”تم بھی بہت اچھی لگ رہی ہو وسیلہ!“ تانیہ بھی ہنستی ہوئی قریب آ گئی اور وسیلہ رمشہ سے مل کر ان ہی کے پاس بیٹھ گئی۔

”شکریہ!“ وسیلہ نے شرما کر ایک نظر تانیہ کو دیکھا لیکن تانیہ کی پشت پر اسی وقت کمرے میں داخل ہوتے منصب پر نگاہ پڑی تو وسیلہ کی نظر بھی ٹھہر گئی۔ منصب نے براؤن پینٹ شرٹ پہن رکھی تھی اور اتفاق سے اس کو بھی ایلیا نے براؤن سوٹ نکال کر دیا تھا۔ وہ بری طرح نروس ہو کر نظر چرانے لگی۔

”بیٹھیں تانیہ۔“

”ہاں۔ میں بس آنٹی وغیرہ سے مل کر آتی ہوں۔“ اس نے اپنا ہینڈ بیگ وہیں رکھا اور ندرت ہر شوانہ کی طرف بڑھ گئی۔

”میں بھی دادی کو دیکھنے جاتی ہوں۔ پتا نہیں ابھی تک تیار کیوں نہیں ہوئیں۔“ رمشہ نے پیچھے کمرے کی طرف دیکھا۔

”میں بھی چلوں ساتھ۔“ وسیلہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور رمشہ مسکرائی۔

”ہاں کیوں نہیں۔ آؤ۔“ وہ خود آگے بڑھ گئی۔ وسیلہ کو بیماروں کی طرح پکڑ کر ساتھ لے جانا اسے اچھا نہیں لگا۔ ویسے بھی اب وہ گھر میں عام انداز میں چل پھر لیتی تھی۔ وسیلہ رمشہ کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ رمشہ کمرے میں داخل ہونے لگی منصب اسی وقت ان کے کمرے سے باہر نکل رہا تھا۔ رمشہ کو سائیڈ سے رستہ دے کر اپنے ہی دھیان میں تیزی سے باہر نکلا تو وسیلہ بالکل غیر متوقع طور پر سامنے آئی۔ اس نے بچنے کی حتی الامکان کوشش کی لیکن وسیلہ کا سر اس کے کندھے سے ٹکرا چکا تھا۔

”آ۔آ۔ئی!“ وسیلہ نے اپنا سر تھاما اور منصب نے بھی فوراً اسے سنبھالا اور جلدی سے کمرے میں لے آیا۔

”آپ ٹھیک ہیں وسیلہ۔ رمشہ پلیز ڈاکٹر تانیہ کو بلاؤ۔ سوری۔“ وہ سخت پریشان دکھائی دینے لگا

تھا۔ دحیلہ نے ہاتھ سامنے اٹھا کر اسے رکنے کا اشارہ کیا۔ ہونٹوں پہ ہلکی سی ہنسی بھی تھی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ کسی کو بلانے کی ضرورت نہیں۔"

"اوہ!" منیب نے سکون کا گہرا سانس لیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ "تھینکس گاڈ۔ دادی! آپ دحیلہ کے پاس رہیں، میں کسی کو بھیجتا ہوں۔"

وہ تانیہ کو بلانے خود باہر نکل گیا۔ اور وہ گردن موڑے نہ صرف اسے جاتا دیکھتی رہی بلکہ اس کے جانے کے بعد بھی ہلتے پردے کو تکے گئی۔ راحمہ بیگم نے دحیلہ کی توجہ کو اس وقت بڑی پرسوچ نظر سے دیکھا۔ انہیں منیب کی کہی بات یاد آئی کہ وہ دحیلہ کا باقاعدہ رشتہ مانگ چکا ہے۔ اور اب دحیلہ کی توجہ کیا اُسے منیب کے حوالے سے کچھ یاد ہے؟ وہ بس سوچ کر رہ گئیں۔ اس بارے میں رضوانہ سے ہی بات کی جا سکتی تھی۔

☆☆☆

"یہ لڑکی۔ یہ اب یہاں رہے گی؟" شہناز کی بوکھلاہٹ ان کے چہرے سے عیاں تھی۔ وہ ہونقوں کی طرح ارحم کو دیکھ رہی تھیں۔

"یہ لڑکی آپ کی بہو اور میری بیوی ہے۔" ارحم نے یاد دلانے کی کوشش کی۔

"ارے لعنت بھیجو رشتوں کی تفصیل پہ۔" شہناز بری طرح تلملائیں "تم نے اُسے دحیلہ کے کمرے میں جا بٹھایا۔ اور وہ وہاں لیٹی پڑی ہے۔"

"دحیلہ کا کمرا؟" ارحم نے بازو کمر پہ رکھے اور تقریباً چلا کر "دحیلہ" کہا "ذہن پر زور ڈالیں امی جان۔ اُس کی قسمت میں تہہ خانہ آیا تھا۔"

"معلوم ہے مجھے۔ تم نہ یاد دلاؤ۔" شہناز نے ہاتھ لہرایا "میرا کہنے کا مطلب ہے اگر کوئی حویلی آیا تو اس لڑکی کا کیا بتائیں گے؟"

"کیوں فالتو کے بہانے بنا رہی ہیں۔" وہ چڑ سا گیا "اور اگر کوئی آیا تو گائے بیل کی طرح سیدھا اسی کمرے میں کیوں گھسا آئے گا۔ اسے یہاں بٹھائیں۔"

"ہاں اچھا اور یہ بے نتھی بیل تو پیچھے کمرے سے نہیں نکلے گی۔" شہناز کا غصہ کسی قیمت کم نہیں ہو رہا تھا۔

"اب سارہ تو سمجھیں کہیں جانے والی نہیں۔ اس کا باپ اسے زبردستی یہاں چھوڑ گیا ہے۔ کہتا ہے جب ڈلیوری کا ٹائم آئے گا، برف باری کی وجہ سے اُدھر راستے بند ہو چکے ہوں گے۔ اس لیے اپنی امانت سنبھالو۔"

"ہاں تو وہی نا۔ یہ اس کی دوہری حالت۔" شہناز کو نئے سرے سے تاؤ آ گیا۔ ایک تو سارہ نہ صرف خود آدھمکی تھی بلکہ اُسے چھ ماہ کی پریگنینسی بھی تھی اور یہ بات تو انہیں ارحم نے بتائی ہی نہ تھی۔

"میرا دل چاہ رہا ہے ارحم! اب اسے تہہ خانے میں بند کرا آؤں۔"

"تہہ خانے کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گی میری پٹھانن۔" وہ استہزائیہ ہنستے باہر نکل گیا اور شہناز اپنے لاڈلے کی ہٹ دھرمی پر کھول کر رہ گئیں۔ جانتی تھیں یہاں وہ کچھ بھی نہیں کر پائیں گی۔ اب تو شہناز کو ہی کسی طرح مصالحت پر آمادہ ہونا تھا۔ وہ خوبصورت بلا اب یہاں سے نکلنے والی نہ تھی۔ اور بیٹا تو اس پٹھانن کے آتے ہی اتنا خوش دکھائی دے رہا تھا۔ شہناز کی کہاں مجال تھی کہ اپنی کچھ مرضی چلاتیں۔ اولاد تو ایسے ہی مجبور و بے بس کر دیا کرتی ہے۔ پھر ایسی منحوس مرادوں والی اکلوتی اولاد......!

شہناز ایک آہ بھر کر بس یہی سوچ سکیں کہ اب اسے دنیا سے کس طرح چھپانا ہے۔ کیونکہ بیٹے کے تیور بتاتے تھے کہ یہاں سے جانے والی اب وہ نہیں۔

☆☆☆

دریائے سوات کے چوڑے کنارے گاڑیاں روک کر وہ نیچے اتر آئے تھے۔ پانی ان دنوں دریا میں کچھ کم تھا۔ دھوپ بھی ابھی نکلی تھی۔ تو تنزیل احمد اپنی

www.pklibrary.com

وڈنگ چیئر پر تھے۔ کچھ فولڈنگ کرسیاں اور نیچے بچھانے کی شیٹ ڈالے وہ سب دریا کے کنارے جا بیٹھے تھے۔ ایلیا ہی بھاگ بھاگ کر سارے کام نمٹا رہی تھی۔ رمشہ اس کی مدد کررہی تھی۔ لیکن اب کھانے کا کچھ سامان دے کر اس نے رمشہ کو وہیں بیٹھنے کو کہا۔ اس وقت وہ ربیا کا کیریئر اٹھانے اوپر سڑک کنارے آئی تھی۔ موسن بھی کاروں کو لاک لگا رہا تھا۔

"سنو۔" اس نے آواز دے کر ایلیا کو روکا

"جی جی۔" وہ بس عجلت میں رکی لیکن موسن بجائے جواب دینے کے بونٹ کے آگے سے گزر کر اس کے قریب آ گیا۔ وہ اب بھی اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"کہاں بھاگی جارہی ہو؟" وہ قریب آنے پر مسکرایا تو ایلیا نے نروس ہو کر نظر ہٹالی

"جی بس سامان رکھ رہی تھی۔"

"رکو کچھ دیر۔"

"یہاں؟" وہ متعجب ہوئی جس پر موسن نے ابرو اٹھا کر مزید حیرت سے دیکھا "کیوں یہاں رکنے میں کیا مسئلہ ہے؟"

"نہیں وہ۔ سب اُدھر بیٹھے ہیں تو۔" وہ پھر دوسری جانب دیکھنے لگی۔ موسن نے گاڑی سے ٹیک لگا کر مسکراتے ہوئے منہ اس کے کان کے قریب جھکایا۔

"اسی لیے تو کہہ رہا ہوں جان۔ یہاں ہم اکیلے ہیں۔" وہ نہایت شیریں لہجے میں اس کے کان کے قریب بول رہا تھا۔ اور ایلیا کا دل —— چھلانگیں لگا رہا تھا۔ یہ موسن کو بھی آج کل پتا نہیں کیا ہوگیا تھا۔ اب جان کہنے کا کیا مطلب ہے۔ وہ شرم سے لال سرخ ہوگئی۔

"بابا نے ربیا کا کیریئر مانگا تھا۔" اس نے اپنی لرزتی ہاتھوں کو آگے دھکیلا لیکن موسن نے کلائی پکڑ کر اسے جانے سے روک دیا

"جا کر دکھاؤ۔" وہ اسی شرارتی موڈ میں مسکرا رہا تھا۔ ایلیا نے خفگی سے دیکھا اور ہاتھ چھڑا کر خود بھی وہیں رک گئی

"سب کیا سوچیں گے۔" وہ دھیرے سے بڑبڑائی۔

"بس اتنا ہی کہ یہ میاں بیوی دور سے دریا کا نظارہ کررہے ہیں۔ اور کیا۔" اس نے شوخی سے کندھے اچکا دیے اور ایلیا بھی اس بار مسکرا دی۔ کیریئر نیچے رکھ کر اس نے خود بھی کار سے ٹیک لگالی دونوں کے بیچ کچھ دیر خاموشی در آئی۔ دونوں کی نظر نیچے دور دریا کنارے بیٹھی اپنی فیملی کی طرف تھی۔

"آج ویسے باہر نکل کر ہم نے بہت اچھا کیا۔" موسن نے ہلکا سا رخ اس کی طرف موڑ کر تائید چاہی۔

"جی۔ سب بہت خوش دکھائی دیتے ہیں۔" اس نے سر ہلایا۔

"ہاں۔ بابا کی طبیعت بھی اب پہلے سے بہت بہتر ہوئی ہے۔ خود چل کر نیچے اترے ہیں۔ پھوپھو تو لگتا ہے منصب کے آجانے سے ہی ٹھیک ہوگئی ہیں۔ پھر تمہاری دادی بھی یہاں آ گئیں۔ سب کچھ ٹھیک ہوگیا ہے۔"

"لیکن آپی ابھی ٹھیک نہیں ہوئیں۔" ایلیا نے بے ساختہ نہ صرف جملہ جوڑا بلکہ ہنسی چھپانے کے لیے منہ بھی دوسری جانب پھیر لیا۔ اور موسن نے تو جملے کی معنی خیزی کو مسکرانے سے پہلے ہی پکڑ لیا تھا۔

"لوگوں کی سمجھداری دیسان کا کیس ہوا تھا ہے۔ لیکن نمبر دینے کا موڈ نہیں ہے ابھی۔" وہ گلا کھنکار کر مسکرا دیا۔

"لوگ بھی دعا کو ہیں کہ جلدی سب اچھا اچھا ہو جائے۔" اس نے بالآخر بڑی ہمت کرکے کہہ ہی دیا۔ چہرا البتہ شرم کی تپشوں میں لپٹا ہوا تھا۔

"آمین!" وہ رخ موڑ کر اس کی شرم کو بغور دیکھنے لگا۔ کچھ دن پہلے موسن نے ہی اسے کہا تھا کہ جب تک سب ہی گھر والے اسے آسودہ اور مطمئن نہیں دکھائی دیتے وہ اپنی خوشیوں کی راہ ہموار نہیں

www.pklibrary.com

کرپائے گا۔ اس کی دیلہ کی صحت کی طرف توجہ دلانے کی شرارت اسی جملے کا جواب تھا۔ موسن مسکرا کراسے ہی دیکھ رہا تھا۔ ایلیا نے آج لائٹ اورنج، گرین، بلیو مکس پرنٹ کا سوٹ پہنا تھا۔ کھلے بال ایک سائیڈ سے آگے ڈالے ہوئے تھے اور اورنج دوپٹہ پھیلا کر سر پہ اوڑھ رکھا تھا۔ اور موسن کو تو آج کل اس کی ہر ادا بہت پیاری لگتی تھی۔ وہ اس کی حیا کے گلابی رنگ محبت بھری نظروں سے دیکھتے اچانک کچھ یاد آنے پہ چونکا۔

ایلیا! تم نے مجھے کون سی حیرت انگیز بات بتانا تھی۔

"جی۔ وہ۔" ایلیا گڑبڑا گئی۔ "ابھی نہیں۔"

"اچھا۔ ایسا کیا ہے۔" وہ حیران ہوا۔

"بعد میں سہی۔ فرصت سے۔" اس نے بات کو گول مول کیا

"تم سے مجھے کسی گہرائی کی توقع تو نہیں ہے۔ لیکن چلو۔" وہ بھی بات کو مذاق میں اڑا کر آگے بڑھ گیا اور پیچھے چلتی ایلیا نے دانتوں میں لب دبا کر اپنی ہنسی کو ضبط کیا۔

"اچھا ویسے آپ کو مجھ سے کیسی توقع ہوتی ہے؟" اس نے بھی موسن کا سوال اچھا دیکھ کر بات کو آگے بڑھایا۔ موسن اس کے آگے آگے چلتے ڈھلان اتر رہا تھا۔ اس کی بات پہ چلتے ہوئے قدم آہستہ کرتے اس کے مقابل آیا۔

"لوٹ پٹانگ حرکتوں کی توقع۔ وہ بھی ہیروں کے حساب سے۔" اس نے بازو پھیلائے۔ "جیسے وہ سامنے کا پتھر دیکھتے مجھے یاد آیا کہ کس طرح تم نے بندر کی طرح اس رات گاڑی پہ چھلانگ لگا دی تھی، کسی کی جان بچانے کا ایسا اناڑی مظاہرہ۔ سوائے حماقت کے اور کچھ نہیں۔" وہ اب اس کا مضحکہ اڑا رہا تھا اور وہ بھی بالکل برا نہ مناتے ہنستی رہی۔

☆☆☆

"یہ دیکھو دیلہ تمہاری تصویریں کتنی اچھی آرہی ہیں۔"

تانیہ نے موبائل اسکرین دیلہ کے سامنے کی۔ وہ دونوں دریا کے کنارے بیٹھی تھیں۔ سامنے کے چھوٹے بڑے پتھروں سے پانی ونچے سروں میں بہہ رہا تھا۔ آج پانی کا شور اور فراوانی اگرچہ ویسی نہ تھی جیسی اس طوفانی رات میں رہی تھی۔ لیکن پھر بھی دیلہ کے دماغ سے کوئی سوچ کوئی یاد بار بار آکر ٹکرا رہی تھی۔

سامنے دریا کے بیچوں بیچ والے بڑے پتھر کو دیکھ کر اسے کسی بہت پچھلے منظر کے تہامت دھندلے دھندلے عکس بنتے بگڑتے محسوس ہو رہے تھے لیکن کوئی بھی یاد مکمل اور واضح نہیں تھی۔ تانیہ کی بات پر اس نے اپنی توجہ موبائل کی جانب مبذول کی۔ تصویر میں اس کا ہلکا انگوری دوپٹہ آدھے چہرے کو ڈھک رہا تھا۔ اس نے موبائل چونک کر تانیہ سے لیا اور بغور اپنے دوپٹے کو دیکھنے لگی۔ تانیہ دم سادھے غور سے دیلہ کی حرکات کو دیکھ رہی تھی۔

منیب نے اس سے کہا تھا کہ اس طوفانی رات دیلہ کا سوٹ ہلکے انگوری رنگ کا تھا۔ اور اسے وہی رنگ دوبارہ پہنایا جائے شاید اسے کچھ یاد آئے اور اب واقعی ایسا ہوا تھا۔ وہ اپنا انگوری دوپٹہ دیکھ رہی تھی اور اسے بس چند لمحوں کے لیے کوئی بچہ یاد آیا۔ ایک بچہ اور یہ سبز دوپٹہ۔ نجانے کیوں۔ اس نے کھوئے کھوئے انداز میں موبائل تانیہ کے حوالے کر دیا۔

"کوئی بات یاد آئی؟" تانیہ نے لہجہ سرسری رکھا

"آپ کو کیا لگتا ہے تانیہ۔ میں کیا بھول رہی ہوں۔ اور مجھے کیا یاد رکھنا چاہیے۔" دیلہ کا انداز بہت عجیب سا تھا۔ تانیہ نے خاموشی سے اسے سنا۔ "میرا مطلب ہے، آپ کیا جانتی ہیں میری لائف کے بارے میں؟"

"اور اگر یہی سوال میں آپ سے کروں کہ آپ کو اپنی لائف کے متعلق کیا کیا یاد ہے تو آپ

www.pklibrary.com

کا جواب کیا ہوگا؟" تانیہ بہت متحمل تھی۔

"جی مجھے تو سب یاد ہے۔ میرے بابا کی حادثے میں ڈیتھ ہوئی تھی۔ اس وقت میں چھٹی جماعت میں پڑھتی تھی۔ امی بیمار رہنے لگیں۔ جیسے تیسے وکالت مکمل کی۔ تحریم کی شادی آ گئی۔" وہ کہتے کہتے رک گئی اور تانیہ کو دیکھا۔

"میری بہن کا نام تحریم ہے نا۔ دیکھیں مجھے یاد ہے۔" وہ مسکرا رہی تھی۔ تانیہ نے بھی خود کو خوش ظاہر کیا۔ وہ اسے نہیں بتا سکی کہ اس کی بہن تحریم اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ بلکہ یہ انکشاف بھی اس پر ابھی ابھی ہوا تھا کہ دیلہ کی یادداشت کسی مخصوص مدت اور چیدہ چیدہ واقعات کے دائرے میں مقید ہو چکی تھی۔ اور جسے وہ سمجھتے اسے اپنی ذہنی امراض کی اسٹڈی کو کچھ اور محدود کرتا تھا۔ ایک طرح سے اس کے لیے فائدہ مند تھا کہ دیلہ کا کیس سمجھنا اب نسبتاً آسان ہو سکتا تھا۔"

"امی اور چھوٹی بہن کا نام یاد ہے؟"

"ان کا نام۔" وہ ذہن پہ زور دینے لگی تو تانیہ نے اس کے ہاتھ پہ نرمی سے ہاتھ رکھا۔

"میں بتاتی ہوں۔ اب یاد رکھنا۔ امی کا نام رضوانہ اور چھوٹی بہن کا نام عالیہ ہے۔"

"واہ جی، اکیلے موسم کے مزے لیے جا رہے ہیں؟" رمعہ مسکراتے ہوئے ان دونوں کے قریب آ گئی۔ اس نے عابس کو بازو پہ اٹھا رکھا تھا۔

"تم کہاں مصروف تھیں۔ آؤ بیٹھو۔" تانیہ نے اس کا ہاتھ تھام کر قریب بیٹھنے میں مدد دی۔ دیلہ نے عابس کو اپنی گود میں بٹھا لیا تھا۔ عابس اب ایک دو لفظ ادا کرنے لگا تھا۔ وہ اس سے باتیں کرنے لگی۔

"تانیہ۔ وہ منصب تمہیں بلا رہا ہے۔" رمعہ نے بھائی کا پیغام آہستہ سے تانیہ تک پہنچایا لیکن دیلہ نے سن لیا اور چونک کر دیکھا۔ تانیہ اس دوران معذرت خواہانہ انداز میں اجازت لیتے وہاں سے اٹھ گئی۔

منصب ابھی امی کے ساتھ بیٹھا تھا۔ تانیہ کو آتے دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور تانیہ کی طرف بڑھنے لگا۔ دونوں اس وقت ڈھلان کے نزدیک اکیلے کھڑے تھے۔

"میں کچھ سوچ رہا تھا تانیہ!"

"ہاں..... کیوں؟" وہ پرتجسس اور مکمل متوجہ تھی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے، ہمیں دیلہ کے سامنے اس طوفانی رات کو یاد کرنا چاہیے۔ آئی مین اس رات ہم سب ہی یہیں تھے۔ اگر اس واقعے کو یاد کریں تو کیا یہ اس کے حق میں اچھا ہوگا؟"

"ہاں اچھا تو ہوگا لیکن اس طرح یاد کریں کہ اسے محسوس نہ ہو کہ اسے یاد دلانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس سے وقتی ایک دباؤ میں آ جاتا ہے۔ ابھی جب کھانے کے وقت سب اکٹھے بیٹھیں تو کوئی ایک اس واقعے کا ذکر چھیڑ دے اور سب کچھ نہ کچھ اس میں ایڈ کرتے جائیں۔ دیلہ چپ کر کے سنتی رہے گی اور ہو سکتا ہے کچھ اس کے ذہن سے ٹکرا ہی جائے۔"

"ہوں گڈ!" منصب نے ایک دم پرجوش ہو گیا۔

"ٹھیک ہے، میں موحن سے ڈسکس کر لیتا ہوں۔" وہ مسکرا کر کہتے فوراً ہی پلٹ گیا اور تانیہ واپس رمعہ اور دیلہ کی طرف آ گئی۔

"کیا ہوا، کیا کہہ رہے تھے؟" دیلہ نہ صرف منتظر تھی بلکہ اس کا پورا دھیان اسی طرف تھا۔

"وہ، بس ویسے ہی کہ آگے کیا پروگرام ہے۔" تانیہ چونکہ اس کے سوال کے لیے تیار نہیں تھی تو فوری طور پر یہی کہہ سکی۔ دیلہ نے البتہ اس کے نروس ہونے سے کچھ اور ہی مطلب لیا۔

"منصب آپ کے کیا لگتے ہیں؟"

"منصب!" تانیہ ایک بار پھر خاموش ہو گئی۔

"ہم بچپن کے دوست ہیں۔ اور کافی سالوں بعد ہمارا دوبارہ ملنا ہوا ہے۔" اس بار تانیہ نے سچ بولنے کو ہی ترجیح دی۔ بلاوجہ کی سوچ بچار اسے مشکوک کر رہی تھی۔

"اچھا!" دیبہ نے کچھ دیر سوچا اور اندر کہیں بہت شدت کی جلن محسوس کی۔ "پھر تو منصب بہت خوش ہوں گے؟"

"آں۔ جی!" تانیہ کو جیسے اب اصل بات کی سمجھ میں آنے لگی۔ دیبہ کے سوالات کا موضوع منصب تھا۔

"ہاں بچپن کے دوستوں کا پھر سے ملنا بہت خوب صورت احساس ہوتا ہے۔"

"اچھا۔ اور میں سمجھتی تھی کہ آپ رمشہ کی دوست ہیں۔" دیبہ کا چہرا کچھ بجھ سا گیا تھا۔ تانیہ کو کسی سوال جواب کی ضرورت ہی نہیں پڑی، دیبہ کے جذبات اس کی باتوں اور تاثرات سے صاف عیاں تھے، اور تانیہ بس دیبہ کو دیکھ کر رہ گئی۔ اُسے اپنا دل ایک نئی پریشانی میں ڈوبتا محسوس ہوا۔ دیبہ ارحم کی بیوی تھی لیکن المیہ تو یہ تھا کہ ارحم کو یاد رکھتا تو وہ وہ خود کو شادی شدہ ہی نہیں سمجھتی تھی۔ ایسے میں منصب کے لیے دل میں پیدا ہوتے یہ نئے نئے پسندیدگی کے جذبات۔ نئے اس لیے کہ دیبہ کو منصب اور اپنے پرانے تعلق کے حوالے سے کچھ یاد نہیں تھا۔

:ایک پرانی محبت نئے سرے سے یا شاید ایک نئے ڈھنگ سے دوبارہ دیبہ کے دل پر دستک دے رہی تھی، نجانے اس صورت حال کا انجام کیا ہونے والا تھا۔۔۔۔

☆☆☆

منصب اپنے آفس سے گھر واپس لوٹا تو ہر طرف خاموشی چھائی تھی۔ امی کے کمرے میں جھانکا تو امی اور دادی دونوں سوئی ہوئی تھیں۔ وہ بنا آواز کیے واپس پلٹ آیا۔ ایلیا یقیناً اپنے گھر پر تھی۔ وہ دیبہ کے کمرے تک آیا لیکن بجائے اندر جھانکنے کے ہلکی سی دستک دی۔

"رمشہ!" اس نے دروازے پر انگلی کی نوک بجا کر بہن کو آواز دی۔ جب سے رمشہ کو دیبہ کے کمرے میں شفٹ کیا گیا تھا منصب کو اپنے کاموں کے لیے اُسے بلانے میں اسی طرح دقت پیش آرہی تھی۔ ادھر دیبہ نے جوں ہی منصب کی آواز سنی، ننگے پاؤں ہی دروازے تک دوڑی چلی آئی۔ اس کے ہونٹوں پر بہت دھیمی مسکان تھی۔

"سوری۔ مجھے رمشہ سے کچھ کام تھا۔" منصب بوکھلا کر کچھ قدم پیچھے ہوا۔ وہ چونکہ رمشہ کی توقع کر رہا تھا اس لیے دیبہ کے آنے پر بری طرح نروس ہو گیا۔

"کوئی بات نہیں۔" وہ پھر ہنس پڑی۔ "رمشہ شاید ساتھ والے گھر گئی ہے۔ ان کے دو چھوٹے بچے ہیں نا، ان کو کچھ ہیلپ چاہیے تھی۔" وہ وضاحت کرتے کمرے سے باہر نکل کر کوریڈور میں آگئی۔

"جی ٹھیک۔" منصب نے اسی سنجیدہ انداز میں دیبہ کا تفصیلی جواب سنا اور واپسی کے لیے پلٹ گیا۔

"سنیں۔" دیبہ نے پیچھے سے آواز دے کر روکا تو منصب مڑا۔

"جی جی۔"

"آپ کو مجھ سے بات کرنا اچھا نہیں لگتا؟"

"اوہ۔ سوری۔ ایسی کوئی بات نہیں، دراصل میں کچھ جلدی میں تھا۔" اسے اور کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو یہی کہہ دیا۔

"آپ ہمارے ہاں کرایے پر رہنے آگئے۔ یہ بہت ہی عجیب بات ہوئی نا۔" وہ دیوار سے ٹیک لگا کر بڑے اشتیاق سے پوچھنے لگی اور منصب نے سر جھٹکتے لیے چند سیکنڈ ضرور لیے۔ اسے اس کی بات کا پتا نہیں تھا، بہر حال سمجھنا تو مشکل نہیں تھا۔

"جی۔ واقعی اتفاق۔" منصب نے بے ساختہ کہتے زبان کو روکا۔ لفظ "اتفاق" سے جانے کیا کچھ یاد آگیا۔ اور معلوم نہیں کہ دیبہ کو بھی یاد آسکتا تھا یا نہیں۔

"جی بڑی عجیب بات ہے۔ بس آپ کی امی نے کہا کہ گھر میں بہت مختصر لوگ ہیں تو میری امی واپس آگئیں۔ آپ سے ملاقات ہوئی۔ کہاں ہیں؟" وہ ایک دم پرجوش ہو کر پوچھنے لگی۔

"ہاں جی وہ۔" منصب ایک مرتبہ پھر پریشان

ہوگیا۔" تانیہ یا موسن کی غیر موجودگی میں اسے بالکل سمجھ میں نہ آتا کہ دیلہ سے کس طرح پیش آتا ہے۔

"کہاں گئی تھیں آپ کی امی؟" اسے خود ہی پوچھنا پڑا۔

"جی، وہ میری بہن تحریم کی شادی ہے نا۔ تو اس کے ساتھ گئی تھیں۔"

"جی بالکل۔ وہ واپس آ گئی ہیں۔" منصب نے تدبر سے تائید کی اور خاموش ہوگیا۔ اب بھلا مزید کیا کہے۔

"آپ کی دوست آج نہیں آئی؟" دیلہ نے بات بڑھائی بلکہ وہ شاید یہی پوچھنا چاہ رہی تھی۔

"دوست؟" منصب کو فوری طور پر کچھ سمجھ نہیں آیا۔

"جی وہ ڈاکٹر تانیہ۔ وہ آپ کی بچپن کی دوست ہے نا؟"

"او ہاں ہاں۔" منصب اس بار خوش دلی سے مسکرا دیا۔ "جی بالکل ہماری بہت سالوں بعد ملاقات ہوئی ہے۔"

اس کے چہرے پر اب مسکراہٹ تھی اور دیلہ کو یہ اپنی برداشت کا امتحان لگا۔ منصب کے چہرے پر ہنسی آئی بھی تھی تو بھلا کس کے نام سے۔ اور اس نے تو تانیہ کا ذکر چھیڑا بھی بس اسی لیے تھا کہ وہ منصب کے اس کے متعلق جذبات جاننا چاہتی تھی اور اب یہ منصب کی ہنسی۔ دیلہ کا دل سلگ رہا تھا۔

"مجھے تو اپنے کوئی دوست بھی یاد نہیں۔" وہ سر جھکائے ایک دم دل گرفتہ دکھائی دینے لگی۔ منصب کے لیے سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ وہ اس سے دوستی کی طلب گار ہے۔ لیکن اپنی بات کہنا دیلہ کے لیے آج بھی ایک مشکل مرحلہ تھا۔

منصب نے ایک امتحان سا سر پہ محسوس کیا تو پتا نہیں کیسے پل میں واپس پلٹ گیا۔ پرانی یادوں سے پیچھا چھڑانا، اپنے آپ کو سمجھانا کتنا مشکل تھا اب وہ کس کس کو سمجھاتا۔ ہر ایک کو بس یہی حل دکھائی دیتا

تھا کہ وہ اپنی ماں کے پاس واپس آجائے۔ کسی کو کیا معلوم اس کے دل پر کیا بیت رہی ہے۔ کسی کو کیا احساس۔

☆☆☆

"میرا آدمی کدھر ہے؟" وہ کمرے کے دروازے میں آتے ہی خالص دیہاتی چترائی میں چوکس کرکے شہناز سے پوچھ رہی تھی۔

شہناز نے منہ کھولے حیرت سے پہلے سارہ کو پھر پاس کھڑی مسرت کو دیکھا، جو منہ پہ ہاتھ رکھے ہنسی روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ شہناز نے ہتھیلی ماتھے پہ ماری۔

"کس قصور کی سزا ہے یہ۔" چہرے پہ نگاہ ڈالو تو کم بخت اور کہیں نظر جاتی ہی نہیں۔ سرخ سیبوں جیسے شگفتہ چہرے کا ہر نقش نہارنے اور تکتے چلے جانے پہ مجبور کرتا تھا۔ ان کا بیٹا یونہی تو دیوانہ نہیں ہوا تھا اس حسین و جمیل بلا کا۔ پر یہ نمونہ قسم کی بہو شہناز کے لیے کسی آزمائش سے کم ثابت نہ ہو رہی تھی۔ سوائے مسرت اور سارہ کے انہوں نے فی الحال کسی کو بھنک تک پڑنے نہ دی تھی۔ لیکن وہ پوری حویلی میں مزے سے دندناتی پھر رہی تھی۔

اب سے پہلے حویلی کے دروازے دیلہ کی وجہ سے بند رہتے تھے تا کہ کسی طرح وہ تہہ خانے سے فرار نہ ہو جائے، اور اب یہ دوسری آئی تھی۔ اب انہیں اس مصیبت کو دنیا سے چھپانا تھا۔ اوپر سے ارحم اس کے خلاف کچھ بھی سننے کو تیار نہ تھا۔ وہ تو دن رات اس کے چاؤ اٹھانے میں لگا تھا۔

پچھلے روز سارہ نے بھنے ہوئے بکرے اور سادے چاولوں کی فرمائش کر دی۔ اور ارحم نے اسے ہونے والے بچے کی فرمائش سمجھتے پورا بکرا منگوا کر بھونے دے دیا۔ شہناز کا خون کھول رہا تھا ان حرکات پہ۔

"کیا کام ہے ارحم سے؟" شہناز نے اسی بگڑے موڈ کے ساتھ پوچھا۔

"باہر گھومنے جانا ہے۔ یہاں بہت گرمی ہے۔" اس نے سخت اکتاہٹ ظاہر کرتے سکون سے

www.pklibrary.com

اپنا مدعا ظاہر کیا اور شہناز کا دل چاہا چپل کھینچ کے مار یں اس بے حس ترین مخلوق کو۔

"سن رہی ہو۔" انہوں نے مسرت کو دیکھا۔
"یہ منحوس کھلے صحن سے صرف گزر بھی جائے تو میری سانسیں رُک جاتی ہیں کہ کہیں کوئی دیکھ نہ لے۔ اور اب یہ باہر گھومنے جائے گی۔ میں کہہ رہی ہوں مسرت یہ میرے گناہوں کی سزا ہے، اور کچھ نہیں۔"
"فکر نہ کریں بی بی۔ کسی کو پتا نہیں چلے گا۔"
"کیسے پتا نہیں چلے گا۔ ارحم اسے کار میں گھماتا پھرے گا تو کیسے ممکن ہے، کسی کو ہوا بھی نہ لگے۔ مجھے تو کچ کہتی ہوں ڈیرے کے آدمیوں پر بھی کچھ بھروسا نہیں۔"
"اللہ خیر کرے گا۔ آپ نہ پریشان ہوں۔" مسرت کا الگ منہ اترا ہوا تھا۔ نئی بہو نے تو صحن سے بیزار کر دیا تھا۔ سارا دن اس کے چونچلے اٹھانے میں نکل جاتا۔
"پتا نہیں یہ ارحم کہاں چلا گیا۔ وہی سنبھال سکتا ہے اس مصیبت کو۔" وہ موبائل نکال کر کال ملانے لگیں۔

☆☆☆

اماں ہمیشہ آہ بھر کر کہتی تھیں، "بندے کا کیا بھی اس کے سامنے آتا ہے۔"
"کیوں اماں، پھر کیا ہوا۔" وہ چوکی کھینچ کر ماں کے قریب آ بیٹھا۔
"ارے کچھ نہیں بیٹا۔ حویلی گئی تھی آج۔ تیرے دلوں بعد گئے بے چاری کو دیکھا دیوانہ وار بھاگتی ہے، کبھی دیواروں میں جا گھستی ہے، کبھی کہیں جا گھستی ہے۔ شہناز بی بی کا الگ دیکھ دیکھ کر حال برا ہوتا ہے۔"
"اماں یہ پیدائشی پاگل ہے؟" وہ تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر پوچھ بیٹھا۔ یہی اس کے لیے بچپن سے ایک معمہ تھی۔
"نہیں تو ــــ شہناز بی بی جب دلہن بن کر آئیں یہ بارہ تیرہ برس کی بہت پیاری سی بچی تھی۔ شرارتی سی آنکھیں تھیں۔ ہنستی مسکراتی رہتی تھی۔ بالکل عام بچوں جیسی تھی۔ کوئی پاگل پن نہیں۔۔۔ بچپن نے بچپن میں ہی چھوٹے خان جمال سے اس کا نکاح کروا دیا۔ کچھ برس بعد جب بالغ ہوئی تو ظاہر ہے اپنے خان کی راہ دیکھنا شروع کر دی ہوگی، پر وہ تو بیچور سے دلہن بیاہ لایا۔ بس پھر کیا کرتی، جبر اور خاموشی نے تل کر اسے اس حال تک پہنچا دیا۔"
"تو آپ یہ کیوں کہہ رہی تھیں کہ بندے کا کیا اس کے سامنے آتا ہے۔"
"نہیں، وہ تو بس ویسے ہی۔" منصب نے محسوس تو ضرور کیا تھا کہ اس کی ماں کچھ چھپا گئی تھی پر وہ بات تو اب اس کی سمجھ میں آگئی کہ اماں اسی کے متعلق سوچ رہی ہوں گی۔ ان کے نزدیک رضوانہ نے گلناز کے حق پر قبضہ کیا اور اللہ نے اسے اس کے بیٹے سے محروم کر دیا تھا۔ لیکن اگر اس کی ماں مکافات عمل سے گزر چکی تھی تو پھر دیبا اب اس حال کو کیوں پہنچی، جو کہ شہناز بی بی کے نزدیک اس کے گناہ کی سزا تھا۔ یعنی رضوانہ نے اس کی بہن کے ساتھ برا کیا تو اب اللہ نے اس کی بیٹی کو بھی اسی حال میں پہنچا دیا۔
"کیا سوچ رہے ہو؟" ثانیہ نے اسے لان میں اکیلے بیٹھے دیکھا تو وہیں آ گئی۔ آج وہ سہ پہر سے یہاں آئی ہوئی تھی۔ مومن نے دیبا کی دوائیں پنڈی سے منگوائی تھیں۔ ثانیہ نے دوائیں وغیرہ تفصیل سے چیک کر کے دیبا کو سمجھا دی تھیں۔
"ہوں۔ کچھ نہیں۔ بیٹھو۔" وہ سیدھا ہو بیٹھا۔
"سناؤ۔ کیا حالات ہیں یہاں۔ تم سیٹ ہو گئے اور دیبا؟" وہ کہتے کہتے سوالیہ نظروں سے منصب کو دیکھنے لگی۔
"ہاں، مجھے تم سے دیبا کے متعلق ہی بات کرنی ہے۔ دراصل۔" وہ پھر کہتے کہتے رُک سا گیا۔
"ہاں کہو۔" ثانیہ کو اس کی جھجک سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ وہ تو دیبا کے متعلق بہت کھل کر اس سے ہر بات ڈسکس کرتا تھا۔ جوابا منصب نے اسے پچھلے

دن کی باتیں بتائیں جو اس سے دیبلہ نے کی تھیں۔

"ہوں۔" تانیہ بھی کچھ دیر کو چپ ہوگئی۔ آؤٹنگ والے روز وہ بھی اس بات کو محسوس کر چکی تھی۔

"مجھے دیبلہ کی یہ نئی نئی الجھن بہت پریشان کر رہی ہے۔ وہ ادھر کی ہو رہی ہے۔ لیکن اسے اپنی شادی ہی یاد نہیں۔ میرا اگر بڑا سے اپنی شخصیت کی کوئی کمی، کوتاہی لگے گا، اور اس کی موجودہ حالت میں یہ اس کی طبیعت کے لیے اچھا سائن نہیں۔"

"ہاں میں سمجھ رہی ہوں۔"

"اور موسن یا الیا سے کہنا بھی عجیب ہے، وہ ان کی بہن ہے۔ امی سے تو بالکل بھی نہیں۔" منصب جیسے اپنے آپ سے بول رہا تھا۔

"بجتی، مجھے بھی کچھ سوچنے دو۔" تانیہ نے اسے جس کر اسٹاپ لگایا تو وہ بھی مسکرانے لگا۔

"جی۔ اب آپ سوچئے۔"

"بہتر تو یہی ہے کہ نہ کرید دکھایا جائے نہ بڑھاوا دیا جائے۔ بس ایسے عام انداز میں پیش آؤ کہ وہ خود ہی اپنی مرضی کے مطلب نکالتی رہے۔ اس کے ہاتھ بھی ایک دلچسپ مشغلہ آ جائے گا۔ وہ اسی میں مگن رہے تو اچھا ہے۔"

"یہ بات ویسے عجیب نہیں تانیہ کہ اس کا دماغ کام بھی کر رہا ہے لیکن کچھ سال پیچھے۔"

"ہاں بہت عجیب ہے۔ لیکن ایسا ہو سکتا ہے۔"

"لیکن مجھے صرف اس بات کی سمجھ نہیں آئی کہ دماغ کے پیچھے کام کرنے میں امی اور بہن اور ماسی وغیرہ سے ڈرنے کا کیا تعلق ہے۔ اگر چند سال پیچھے چلا گیا ہے تو کریکٹرز کیسے بدل گئے۔ وہ سب تو وہی ہیں۔ اور..."

"ایک منٹ منصب!" تانیہ جو بغور اسے سن رہی تھی، بہت بری طرح چونکی۔ "ایک منٹ رکو منصب۔" وہ فوراً اپنے موبائل پر جھکی اور کچھ پرانی فائلز کو اوپن کیا۔

"مائی گاڈ۔ یو آر رائٹ منصب۔ یہ کریکٹرز کو بکس کر رہا ہی ہے۔" وہ منہ پہ ہاتھ رکھے منصب کو دیکھ رہی تھی، جبکہ اسے خود پتا نہیں تھا کہ تانیہ کس بات پر حیران ہے۔

"مجھے بھی کچھ بتاؤ۔ کیا کہے جا رہی ہو؟"

"اب سے پہلے میں بھی صرف یہ سمجھتی تھی منصب کہ دیبلہ کا دماغ کچھ سال پہلے کی طرف چلا گیا ہے اور اس لیے اسے اپنی شادی یاد ہے نہ ادھم شہر آل، نہ تحریم کی موت، نہ تم سے ملاقات۔ لیکن یہ بات مجھے بھی کچھ کھٹکی تھی کہ چند سال پیچھے چلے جانے میں اپنے گھر والوں سے ڈرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ پھر ابھی تم نے ایک لفظ استعمال کیا، کریکٹرز مکس کرنا۔ میں وہ لفظ سن کر چونکی۔ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ بعض حالات میں دماغ پر چوٹ پڑنے سے انسان کرداروں کو آپس میں گڈمڈ کر دیتا ہے اور ابھی ابھی میں نے پڑھا کہ رائٹ سائیڈ پہ چوٹ لگنے سے اکثر یہ مارفوسس (Intermetamorphosis) کا خدشہ پیدا ہو سکتا ہے۔ ایسے میں بندہ سامنے کھڑے شخص کو کوئی اور شخص سمجھ رہا ہوتا ہے۔ مجھے لگتا ہے دیبلہ گھر کی ان تین عورتوں کو کوئی اور تین عورتیں سمجھ رہی ہے۔ اور اب ہمیں دیبلہ سے ہی یہ بات نکلوانی ہے کہ آخر وہ ان سب کو کیا سمجھ رہی ہے۔"

"تو کیسے ہوگا یہ؟"

"مجھے لگتا ہے ہمیں رمشہ کی ہیلپ لینی پڑے گی۔ وہی اس کے ساتھ رہتی ہے اور دیبلہ کے ساتھ اس کی بہت اچھی دوستی ہو گئی ہے۔ وہی پوچھ سکتی ہے کہ آخر ان عورتوں سے ڈرنے کی وجہ کیا ہے۔"

"میں رمشہ کو یہیں بلا لیتا ہوں۔ اس سے ابھی ساری بات کرو۔" منصب نے فوراً ہی رمشہ کو کال ملا کر باہر بلا لیا۔

☆☆☆

"چھوٹی چھوٹی خوشیوں کے رنگ برنگے موتی جس سیپ میں چھپے ہوتے ہیں وہ دنیا اسے "دل" کے نام سے بلاتی ہے۔ اور کیسا دلچسپ جہان ہے اس

www.pklibrary.com

دل کا جو بس ایک ہی محور کے گرد گھومتے، بنا اکتائے بنا تھکے بس اسی میں جیے چلا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ بات ہر دل پہ لاگو نہیں ہو سکتی لیکن ایسے گہرے اور منہ زور سے خیالات ان دنوں موسن احمد کی کیفیات کے خوب ترجمان تھے۔ آفس سے واپسی پر ایلیا اسے کمرے میں منتظر ملتی تھی۔ اس کی چیزیں سمیٹتے ساتھ ساتھ دن بھر کا حال احوال سنائی، اور وہ باتوں کے دوران اس کی آس پاس موجودگی سے جو تسکین محسوس کرتا تھا یہ صرف اس جیسا دن بھر کا تھکا ہارا اور محبت کا مارا ہی سمجھ سکتا تھا۔

موسن اس وقت سستی سے بیڈ پر لیٹا اس کی اس ایک جھلک کو بار بار تصور میں لا رہا تھا جو کچن میں جھانکنے پر دکھائی دی تھی۔ نیلا اور سفید پرنٹ پہنے وہ گیلے کھلے بالوں کے ساتھ سخت مصروف سی صرف اس سے کھانے کا پوچھ پائی لیکن کھانا آج وہ کھا کر آیا تھا تو معذرت کر کے اندر آ گیا۔

خیال تھا کہ ابھی وہ پیچھے پیچھے کمرے میں آ جائے گی لیکن چینج وغیرہ کرنے کے بعد بھی وہ بڑی دیر تک اس کی راہ دیکھتا رہا پر وہ کاموں سے فارغ نہیں ہوئی، وہ تو امی سے پتا چلا کہ آج اس کی کوئی دوست اس سے ملنے آ رہی ہے اس لیے وہ مصروف ہے۔ امی کچھ دیر اس کے ساتھ حال احوال کرتی رہیں پھر ریبا کو لیے چلی گئیں۔ عالی وہیں بیڈ پر سویا ہوا تھا۔ لیکن اب ہلکا سا کسمساتے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور اب منہ بسورے سر گھما گھما کر ماں کو تلاش کر رہا تھا۔

"آج تو ہمارے ساتھ گزارا کرو یار شیر۔" موسن نے مسکرا کر اسے اپنے سینے پر بٹھا لیا "میری مسز اور تمہاری ماں کے پاس آج ہمارے لیے ٹائم نہیں ہے۔"

"ماما!" اس نے ہونٹ لٹکائے۔ باپ کے چاؤ بھی دل پہ اثر نہیں کر رہے تھے۔ وہ اسے بازوؤں پہ اٹھائے باہر آ گیا۔ کچن میں جھانکا تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ کمرے کی طرف بڑھا تو عالی برآمدے میں رکھی واکر کی طرف ہمکنے لگا۔ موسن نے اسے واکر میں بٹھایا تو پیچھے کمرے سے اجنبی نسوانی آواز سنائی دینے لگی۔ موسن سمجھ گیا کہ ایلیا کی مہمان آ چکی ہے۔ اس لیے اندر جانے کا ارادہ موقوف کرتے عالی کے قریب وہیں کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ارے ماشاء اللہ۔ یہ تو بڑی شرارتی ہو گئی۔" ستارہ نے صوفے پر بیٹھی ریبا کو ہاتھوں میں لیا "میں نے تو بہت ننھے منے دیکھے تھے۔"

"تم آ بھی تو اتنی مدت بعد ہو۔" ایلیا نے فروٹ چاٹ اور نگٹس وغیرہ سامنے رکھتے شکوہ بھری نظر سے ستارہ کو دیکھا۔ اس کا کالج کیا چھوٹا ساری سہیلیاں بھی پیچھے چھوڑ گئی تھیں۔ ستارہ البتہ باقیوں سے نہ صرف الگ تھی بلکہ ایلیا کی سب سے قریبی اور پرانی دوست وہی تھی۔ وہ تحریم کی وفات پر افسوس کرنے بھی آئی تھی اور جب اسے ایلیا اور موسن کی شادی کا پتا چلا تب بھی بھاگی چلی آئی تھی۔

"میں تو پھر بھی آ جاتی ہوں۔ پر تمہارے ہاتھوں کی مہندی تو سات آٹھ ماہ گزر جانے پر بھی سوکھی نہیں۔"

"یار بچے فرصت کہاں دیتے ہیں۔"

"لیکن اب فرصت نکالنی پڑے گی۔" اس نے پرس میں سے ایک کارڈ نکال کر سامنے لہرایا تو ایلیا نے جھپٹ کر کارڈ چھینا۔

"واؤ۔ تمہاری شادی طے ہو گئی۔" وہ فوراً ہی کھول کر دیکھنے لگی۔

"جی ہاں۔ شادی ہو رہی ہے اور سن لو کہ میں بالکل کوئی بہانہ نہیں سنوں گی۔ تمہیں آنا ہی ہو گا۔"

"ہاں بھئی۔ آؤں گی۔ اور اپنے بچوں کو بھی لاؤں گی۔"

"اور اپنے اُن کو بھی لانا ہے۔" ستارہ نے یاد دلایا تو ایلیا بس ہلکا سا مسکرا دی۔

"یار مت پوچھو میں تو سچ کہوں تم دونوں سے ملوانے کے لیے کتنی ایکسائٹڈ ہوں۔"

"ہیں، کیوں۔" ایلیا نے چونک کر سر اٹھایا۔

"ہاں نا۔ اب کہنے کو تو ہماری بھی پسند کی شادی

www.pklibrary.com

بے یقین یار۔ جو ملاپ قدرت نے تم دونوں کا کیا ہے اس کے تو کیا ہی کہنے۔"

"چپ رہو پاگل۔" ایلیا نے اس کے کندھے پہ تھپڑ مار کر خاموش رہنے کی تنبیہ کی۔

"نہیں یار۔ ایسا واقعی بہت کم ہوتا ہے۔"

"بس بھی کرو۔ لو یہ چاٹ کھاؤ۔" ایلیا نے اسے پھر لگام لگانے کی کوشش کی۔

"اچھا ویسے موحسن بھائی کے کیا تاثرات تھے جب ان کو پتا چلا کہ۔"

"کس کا؟" موحسن کا ہاتھ رکا اور کان جڑے بے اختیار ان کی باتوں کی طرف متوجہ ہوئے۔

"چپ کرو ستارہ!" ایلیا تو سچ پریشان ہو گئی۔ گھر میں اتنی خاموشی تھی، پھر موحسن بھی گھر پہ تھے۔ اگر انہوں نے سن لیا تو۔

"کیسی ڈرامائی سچویشن ہو گی ایلیا جب تم نے موحسن بھائی کو بتایا ہو گا کہ۔"

"تب چپ کرا دوں گی میں تمہارے منہ پہ۔" ایلیا نے پھر اس کی بات کاٹی اور موحسن کا تجسس بھی اپنے عروج کو پہنچنے لگا۔ آخر اس کے متعلق ایسی کیا بات تھی جو ایلیا مکمل سننے ہی نہیں دے رہی تھی۔

"اچھا پلیز ایک بار بتاؤ نا۔ موحسن بھائی تو بالکل ہی اچھل گئے ہوں گے جب ان کو پتا چلا ہو گا کہ وہی تمہارا پہلا پیار، تمہاری آخری محبت ہیں۔"

ستارہ کی شوخی میں کوئی کمی نہ آرہی تھی۔ اس نے بالآخر اپنی بات کہہ کر ہی دم لیا۔ ایلیا تو بس ایک سرد آہ بھر کر رہ گئی پر کمرے کے باہر بیٹھے موحسن کا دل ایک ایسے ٹین ایجر کی طرح اپنی جگہ سے پھڑکا، جس کے لیے پیار کا پہلا رنگین احساس ایک خوبصورت دھن یا سروں کے تار جیسا دل پہ پڑتا ہے۔ وہ دماغ سوچنا سمجھنا چھوڑ جاتا ہے۔ ہونٹ ایک مستقل مسکان لیے چہرے کو شگفتہ و شاداب بنا دیتے ہیں۔

کس نے کیا کہا، کون قریب سے گزرا کچھ ادراک نہیں ہوتا۔ دھرتی ایک خلا بن جاتی ہے کہ جس پہ پاؤں دھرنے پر زمین کی محسوسات ختم ہو جاتی ہیں۔

وہ بھی عابس کو بازو پہ اٹھائے وہاں سے نکلا تو بجائے پھوپھو کے گھر جانے کے ڈھلان اترتا گیا اس کے قدموں سے ہوتا ہوا عین سڑک کے کنارے آپہنچا۔ کسی کار کے تیز ہارن نے چونکنے پر مجبور کیا تو اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ وہ بے دھیانی میں گھر سے کتنے میٹر دور آ کھڑا ہوا تھا۔ جھینپ کر عابس کو دیکھا جو اپنی سوئی سوئی آنکھوں سے باپ کو دیکھ رہا تھا۔ موحسن نے پیار سے اس کی ناک سے اپنی ناک رگڑی۔

"تمہارا باپ تو کام سے گیا یار۔"

☆☆☆

"وسیلہ جس بیماری انگزائٹی نیوروسس کا شکار ہوئی ہے اس کی بنیادی وجہ تو سر پہ چوٹ لگنا ہی تھی لیکن اب جبکہ وہ چند کرداروں کو ایک دوسرے سے مکس کر رہی ہے تو اس کی حساسیت کو مد نظر رکھتے ہوئے ہمیں بہت ہی احتیاط کے ساتھ آگے بڑھنا ہوگا۔"

"ہم پورا خیال رکھیں گے تانیہ اور اس معاملے میں جو تمہاری ہدایات ہوں گی ہم ان ہی پہ عمل کریں گے۔" رمشہ نے جواب دیتے تائید کے انداز میں موحسن اور منصب کی طرف دیکھا۔

"ہاں بالکل، تم ہم سب سے بہتر سمجھتی ہو کہ کیا کرنا ہے۔" منصب نے سر ہلاتے تانیہ کو دیکھا۔

"اگر میں رضوانہ آنٹی، ایلیا یا مدحت آنٹی کو گاہے بگاہے وسیلہ کے کمرے میں بھیج کر اپنا مطلب نکلوانے کی کوشش کروں گی تو یہ وسیلہ کی طبیعت سے کھیلنا ہو جائے گا۔ مجھے یہ حل ٹھیک نہیں لگ رہا۔ اس لیے تم بس اتنا کرنا کہ کسی وقت جب رضوانہ آنٹی باہر لان میں بیٹھی ہوں، تم کھڑکی میں کسی طرح وسیلہ کو لے آنا اور ان کی طرف اشارہ کر کے کہنا کہ مجھے بھی یہ عورت بہت عجیب لگتی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا ان دو تین عورتوں سے کیسے بچا جائے۔ اب بظاہر تو یہ بات گھر کی تینوں عورتوں کے خلاف

www.pklibrary.com

جاتی ہے لیکن ہمیں اس کی فی الحال مطلق پرواہ نہیں کرنی کیونکہ جب تک دیلہ کا ذہن اس بیماری کے زیر اثر ہے۔ اس نے ان کو غلط ہی سمجھنا ہے۔ جب ایک بار وہ ٹھیک ہو جائے گی تو ان شاء اللہ ہر کردار واپس اپنی جگہ پر آ جائے گا لیکن اس دوران یہ معلوم کرنا بہت ضروری ہے کہ آخر وہ کیا سمجھ کر ان سے ڈرتی ہے۔"

"ہاں اور دیلہ کا بیان ہمارے اندازوں سے کہیں بڑھ کر اہم ہے۔ جب تک وہ اپنے ڈر کی وجہ خود نہیں بتاتی ہم۔ صرف مفروضوں پر آگے بڑھ سکتے ہیں۔"

"لیکن مجھے ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ دادی جواب سے پہلے حویلی میں رہتی تھیں۔ وہ اس سب کے متعلق کیا کہتی ہیں۔" موحن نے کسی قدر الجھے انداز میں استفسار کیا۔

"میں نے ان سے پوچھا تھا۔ انہوں نے کہا کہ اگلے ہی روز ارحم اور دیلہ کے چترال روانہ ہونے کی جب انہیں اطلاع دی گئی، وہ تب بھی بہت پریشان ہوئی تھیں لیکن سوائے پریشان ہونے کے وہ اور کیا کر سکتی تھیں۔ نہ ان کے پاس موبائل فون ہے نہ کسی سے ملنا جلنا۔ وہ بس دیلہ کی خیریت کی دعا کرتی رہتی تھیں۔ ہاں البتہ دیلہ کے سر پر چکھا گرنے کے معاملے میں وہ کافی شکوک کا شکار ہیں۔ اس حوالے سے انہوں نے جو کچھ دیکھا انہیں لگتا ہے کہ یہ اس کی ساس کی غلط بیانی ہے۔"

"ہوں!" موحن نے ثانیہ کی طرف دیکھا جو کچھ کہنا چاہتی تھی۔

"میری کچھ دن پہلے دیلہ کے نیورو سرجن سے بات ہوئی۔ وہ دیلہ کے کچھ ٹیسٹ وغیرہ بھی کرنا چاہتے ہیں۔ اور مجھے لگتا ہے ہمیں دیلہ کے لیے اپائنٹمنٹ لے لینی چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔ پھر میں لے جاؤں گا، اور آپ مناسب سمجھیں تو رمشہ بھی ساتھ چلی جائے۔"

"صحیح ہے۔ اس طرح دیلہ بھی اچھا محسوس کرے گی۔ کیونکہ ہم دونوں کے ساتھ وہ کمفرٹ ایبل رہتی ہے۔ میں پھر اپائنٹمنٹ لیتی ہوں۔"

وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تو منصب بھی اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ ہوچا خود ہی اسے گھر چھوڑ آئے۔ دونوں گھر کی ہیرونی ڈھلان سے پیدل ہی اترنے لگے۔ اور کھڑکی میں آ کر یہ بھی باہر کا نظارہ کرتی دیلہ کے لیے یہ ایک تکلیف دہ احساس تھا۔ نجانے منصب کا ڈاکٹر ثانیہ سے بات کرنا اسے بھی اچھا کیوں نہیں لگا تھا۔

☆☆☆

"اوئے بدمعاشو۔ کیوں میری بیوی کو تنگ کر رہے ہو۔ ہاں؟" موحن نے ٹی وی آف کر کے ریموٹ پھینکا اور بچوں کی طرف آ گیا۔ ایلیا نے ان کے آگے رنگ برنگے کئی کھلونے پھیلا رکھے تھے لیکن وہ دونوں ایک ہی بلو کار کے لیے جھگڑ رہے تھے۔ اور بالآخر عالی اسے ربیا سے چھیننے میں کامیاب ہو گیا تو ربیا نے چلانا شروع کر دیا۔ ایلیا کا سمجھانا بجھانا نرمی سختی کچھ بھی کام نہ آ رہی تھی۔ وہ بے چاری اب سر ہاتھوں پہ گرائے سخت عاجز بیٹھی تھی۔ موحن نے ایک مسکراتی نظر اس کے اترے چہرے پر ڈالی اور خود بھی نیچے میٹرس پر اس کے بالکل قریب آ بیٹھا

"آئندہ ان کے کھلونے ایک ہی طرح کے لیا کریں۔ ربیا کو اپنی بلو کار اچھی نہیں لگتی۔" ایلیا اس کے قریب بیٹھنے پر نروس تو ہوئی پر اس کا اثر کچھ اس طرح کم کرنے کی کوشش کی کہ تیز تیز بولنا شروع کر دیا۔ موحن نے اس کی گھبراہٹ کو بڑی خاموشی سے جانچا۔ اور اسے تنگ کرنے کے لیے جان بوجھ کر اس خاموشی کو طویل کیا وہ اس وقت بغور ایلیا کو دیکھے جا رہا تھا۔ جس پر ایلیا نے گھبرا کر کھلونے سمیٹنا شروع کر دیے۔

"آپ ہی سنبھالیے اپنے بچوں کو۔" وہ اب کھسکنے لگی تھی لیکن موحن نے اس کا بازو مضبوطی سے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور وہ جو اٹھنے ہی لگی تھی

www.pklibrary.com

دھپ سے دوبارہ بیٹھ گئی۔

"بس۔ صرف "میرے" بچے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر یوں چھوڑ رہا تھا۔ ایلیا نے مسکرا کر سر نفی میں ہلایا۔ وہ اسے اس کی بات یاد دلا رہا تھا۔

"جملے نہ پکڑا کریں۔" ایلیا نے منہ بسورتے شکوہ کیا۔

"جملے" بہت قیمتی ہوتے ہیں۔ دل میں اتر جاتے ہیں۔" اسے اچانک کچھ بڑی شدت سے یاد آیا۔ "وہ تمہارا پہلا پیار، تمہاری آخری محبت ہیں"۔

مومن نے دل کو تیزی سے ڈوبتا محسوس کیا۔ معصوم نہیں اس ایک جملے میں کیسا نشہ تھا جب بھی یاد آتا ہر بار ایک نیا جادو، نیا اثر پیدا کرتا۔ اس نے بمشکل خود کو حال میں حاضر کیا۔ وہ حال جہاں اس کی جان کن اس کے بہت پاس بیٹھی تھی۔ ایلیا نے اپنے بازو کو ہلکا سا کھینچ کر مومن کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کی۔ مومن نے اس کے بیٹھ جانے کے باوجود اس کا بازو پکڑ رکھا تھا۔

"میں یہاں آیا تو تم جا رہی ہو۔ کیوں؟" وہ اس کے کان میں پھر آہستہ سے بول رہا تھا۔ ایلیا نے بند آنکھوں سے آواز کے اس سحر کو رگ و جاں میں پھیلتا محسوس کیا۔ مومن کی آواز جب بھی کان کے قریب سنائی دی ایلیا کو سن ہوتا سا محسوس ہوا۔

"مجھے لگا آپ بچوں کو بہلانے آئے ہیں۔" وہ کچھ جھجکتے وضاحت دینے لگی۔

"میں تو اپنے آپ کو بہلانے آیا ہوں۔ تمہاری موجودگی سے، تمہاری باتوں سے، اور کتنی ظالم ہو تم۔"

"میں؟" اس نے دبا دبا احتجاج کیا۔ "میں ظالم لگتی ہوں آپ کو؟"

"حلفیہ کہتا ہوں کہ بہت ظالم، بے حس اور سخت دل ہو۔" وہ مسکراتے ہوئے کہتا گیا۔ ایلیا منہ پھلائے اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

"مجھے تو ہر کوئی اتنا نرم دل کہتا ہے، امی کہتی ہیں دل نہیں پگھلا ہوا موم ہے اس کے اندر۔"

"لیکن اب میں بتاؤں گا سب کو کہ کیسی سنگدل سے پالا پڑا ہے میرا۔" اس نے کہنی میٹرس پہ ٹکا کر ہتھیلی کنپٹی کے نیچے رکھی اور نیم دراز ہوتے شرارت سے ایلیا کو دیکھنے لگا۔

"میں نے کیا کیا ہے؟"

"یہی تو مسئلہ ہے۔ کچھ کرتی ہی نہیں ہو۔"

"کیا سننا ہے آپ کو؟" اب چونکہ وہ دور چلی گئی تھی تو خود بھی لطافت سے باتوں میں حصہ لینے لگی۔

"وہی جو کب سے تمہارے دل میں ہے۔" اس نے بڑی سہولت سے کہہ دیا اور اس مرتبہ ایلیا بری طرح چونکی، پھر گڑبڑا کر کھلونے لیے چھوٹے کمرے میں گھس گئی۔ دل زوروں سے دھڑکنے لگا تھا۔ یہ مومن نے کیا کہہ دیا تھا۔ ان کو کیسے پتا میرے دل کا۔ کوئی اور بات ہوگی۔ وہ بہت دیر تک اسی طرح کھلونے ہاتھ میں لیے کشمکش کا شکار کھڑی رہی۔ مومن نے کچھ دیر تو اس کی واپسی کی راہ دیکھی پھر رہا نہ گیا تو اٹھ کے خود ہی چھوٹے کمرے میں آ گیا۔

"میں تو سمجھا سو گئی یہاں۔" وہ اسے شرارت سے دیکھ رہا تھا۔

"نہیں۔ وہ... میں سوچ رہی تھی بچے بہت شرارتی ہو گئے ہیں۔ رات کو آپ ڈسٹرب ہوتے ہوں گے۔ اس لیے انہیں یہاں واپس لے آتے ہیں۔" اس نے کھلونے الماری میں رکھتے ہوئے بات اڑا دی۔ حالانکہ وہ اس بارے میں بالکل نہیں سوچ رہی تھی اور نہ ہی ایسا کوئی خاص ارادہ تھا یہاں واپسی کا لیکن بوکھلا کر خوامخواہ ہی بولنا شروع کر دیا۔ ویسے بھی اسے پورا یقین تھا کہ مومن ان سب کو یہاں چھوٹے کمرے میں واپس نہیں آنے دے گا۔ اسے بھی عادت۔

"ہاں بالکل۔ اب تو واپس آ سکتے ہیں۔" مومن نے اس کی سوچ کے برخلاف فوراً ہی ہاں بھری تو ایلیا کا دل یک لخت ایک مایوسی میں ڈوبا۔ مومن سے اس جواب کی وہ ہرگز توقع نہیں کر رہی

www.pklibrary.com

تھی۔
"اچھا؟" اس کا لہجہ بنا سوچے سوالیہ سا ہو گیا۔
"ہاں!" وہ جواب دے کر جانچنے کے انداز میں کمرے کو دیکھنے لگا۔ پھر ریا کو اس کے حوالے کر کے بچوں کے کاٹ کی طرف بڑھ گیا۔
"یار، ابھی یہ کاٹ اتنے بڑے ہیں کہ یہ دونوں آرام سے ان میں سو سکتے ہیں۔ اور یہ دیکھو۔" اس نے دو ہک کھول کر دونوں کاٹ کی باہر کی طرف والی سائیڈیں نیچے اتار لیں۔
"اب ان کے باہر نکلنے کا مسئلہ بھی نہیں رہے گا۔ یہ دونوں والی سائیڈ سے خود ہی نیچے اتر آئیں گے۔ اور۔" اس نے اسی وقت ہی ایک کاٹ دیوار کے ساتھ لگا کر دوسرا اس کے ساتھ ملا لیا اور بچی ہوئی جگہ پر چھوٹی میز شفٹ کر دی۔
"تو اب ان کے کسی بھی سمت سے گرنے کا کوئی چانس نہیں۔"
"جی!" وہ از حد آزردہ سی بس یہی کہہ پائی۔ مومن نے اس کے جذبات کو بالکل ہی نہیں سمجھا تھا۔
"ہاں لیکن ابھی آنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کل آرام سے صفائی وغیرہ کروا کے یہاں شفٹ ہو سکتے ہو۔"
"جی، میں سمجھ گئی۔" وہ ریا کو لیے فوراً ہی باہر نکل گئی۔ مومن ان سب کی موجودگی سے ضرور تنگ آ چکے تھے۔ کیسے تو خوش ہو رہے تھے۔ اب آرام سے پوری رات سوئیں گے۔ نہ بچوں کا شور شرابا نہ میری کھٹ پٹ۔ ہاں تو ٹھیک ہے نا، مجھے کیوں اتنا درد ہو رہا ہے۔ اُن کی دردمندی تھوڑی ہے۔ ہاتھ جوڑ کر منتیں تو میں نے کی تھیں کہ بچوں کی خاطر میرا پروپوزل قبول کر لیں۔ اب اُس حیثیت، اس مقام میں بدلاؤ تھوڑی نا آ سکتا ہے۔ اور یہ دل لگی کی باتیں تو ضرور اپنی وقت گزاری کے لیے کرتے ہیں۔ اب جب تک کوئی باقاعدہ بندوبست نہیں ہو جاتا صاحب کی تیسری بیوی کا۔ مجھ سے ہنسی مذاق جاری رکھیں گے۔ میں تو ہوں ہی اجنبی۔ ان کے لیے بھی ماں کی اولاد کے لیے بھی۔ وہ تیسری آ کر ان پہ بھی قابض ہو جائے گی۔ میری حیثیت ایک دایہ کی ہے اور دایہ کو کوئی کب تک رکھتا ہے۔
وہ اپنی ڈبڈبائی آنکھوں کا پانی چھپانے کے لیے غصے سے لائٹ آف کر کے بستر پر آ گئی۔ اور بچوں کو تھپتھپانے لگی۔ سوچوں نے تو اب آدھی رات تک یونہی اس کے اندر اودھم مچانا تھا۔ مایوسی اور غصے کا غلبہ ہی ایسا ہوتا ہے۔ اسے ساری اچھی باتیں بھولنے لگیں۔ یاد رہ گیا تھا تو بس وہ پرانا مومن جسے کبھی اس کے جذبات سے کوئی سروکار نہیں ہوتا تھا۔ آج بھی اس نے یہی کیا تھا۔ بنا ان کے جذبات کی پروا کیے پھر سے دوسرے کمرے کی طرف اکیلا دھکیل دیا تھا۔

☆☆☆

"میرا ضمیر مجھے بھی سکون نہیں لینے دیتا، اگر میں خود کو دیبا کی ایسی حالت کا ذمہ دار سمجھتا ہوں آپ بھی مان لیں یہ بات۔" منصب آنکھیں موندے کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر بیٹھا تھا۔ رضوانہ اس کی پشت پر کھڑی اس کے سر میں تیل کی مالش کر رہی تھیں۔ بڑے دنوں سے دیکھ رہی تھیں کہ منصب اپنا بالکل خیال نہیں رکھتا تھا۔ آج زبردستی اسے تیل لگوانے بٹھا لیا تھا۔
"نہیں مانوں گی، کیونکہ میں بھی تو حیثیت اور مرتبے کے چکر میں پڑ گئی تھی۔ تمہیں منشی کا بیٹا کہنے پر میں نے ناپسندیدگی محسوس کی تھی اور جیسے ہی تم نے پروپوزل ٹھکرایا، میں نے فوراً بنا سوچے ارحم کا رشتہ قبول کر لیا۔"
"لیکن اگر میں ارحم کے پریشر میں نہ آتا تو اس کی نوبت ہی نہ آتی۔" وہ مصر تھا۔ رضوانہ نے اس کے بالوں کو مٹھی میں لے کر کھینچا، چہرے پر ہلکی مسکراہٹ تھی۔
"بہت شوق ہو رہا ہے جرم قبول کرنے کا۔

www.pklibrary.com

لگتا ہے۔ پولیس کے حوالے کرنا پڑے گا۔"

"جب تک دیبلہ ٹھیک نہیں ہو جاتی، میں خوش نہیں ہو سکتا امی!" وہ افسردہ سا سیدھا ہو بیٹھا۔

"اچھا، بلاوجہ خود کو اذیت میں نہ ڈالو، دیبلہ ان شاء اللہ بہت جلد ٹھیک ہو جائے گی۔"

"ہوں۔ ان شاء اللہ۔" وہ ایک آہ بھر کر اٹھ کھڑا ہوا "اچھا آپ آرام کریں، مجھے بھی نیند آئی ہے۔" وہ ماں کو پیار کرتے موبائل اٹھا کر باہر نکل آیا۔ لیکن دو قدم آگے آتے ہی ٹھٹک کر رک گیا۔

"دیبلہ۔ آپ؟" منصب نے نیم تاریک کوریڈور میں دیبلہ کو کھڑے دیکھا تو حیران ہو گیا۔

"میں شاید غلط سائیڈ پر آ گئی۔ مجھے کچن میں جانا تھا۔" وہ ہاتھ میں خالی گلاس لیے گھبرائی ہوئی سی کھڑی تھی۔ بات منصب کی سمجھ میں آ گئی۔ اس کو کچن کا راستہ بھول گیا تھا۔

"کوئی بات نہیں۔ آیئے میں لے جاتا ہوں۔" اس نے ایک طرف کو اشارہ کیا اور آہستہ روی سے چلنے لگا۔

"کمرے میں پانی تو موجود ہونا چاہیے، اور رمو؟" اسے خیال آیا تو دیبلہ کی طرف دیکھا اور وہ جو چور نگاہوں سے اسی کو دیکھتے ہوئے ساتھ ساتھ چل رہی تھی، گھبرا کر نظر ہٹالی۔

"جی وہ سو گئی ہے۔"

"ایک تو نیند بہت آتی ہے اس لڑکی کو۔" وہ ہلکا سا مسکرایا تو دیبلہ کا دل چاہا کہ اس سے کہے آپ مسکراتے ہوئے کتنے اچھے لگتے ہیں اتنا ہی کم مسکراتے ہیں۔

"لائیں میں پانی بھر دوں۔" منصب اس سے گلاس لیے کچن کے اندر چلا گیا اور کچھ دیر میں واپس آ کر گلاس اس کے ہاتھ میں دیا۔

"آپ ان آنٹی کے کمرے میں گئے تھے؟" دیبلہ نے انگلی سے پیچھے کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے نزدیک تو منصب اس گھر میں ایک کرایہ دار تھا، پھر وہ عورت۔

"آں ہاں۔" منصب نے بات سنبھالنے کے لیے کچھ وقت لیا "وہ میں ان سے کرائے کے متعلق کچھ بات کرنے گیا تھا۔ ڈیوٹی ٹائم بہت زیادہ ہے تا میرا، دن کو وقت ہی نہیں ملتا۔ ویسے کافی سخت مزاج خاتون ہیں۔ ان سے بات کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔"

منصب نے ہنس کر جملہ جوڑتے دیبلہ کے تاثرات دیکھے تو وہ بھی ایکدم خوش دکھائی دینے لگی۔ اس عورت کے متعلق اس کے جو خیالات تھے منصب ایک طرح سے ان کی تائید کر رہا تھا۔ وہ ایک دم ایکسائٹڈ ہوئی۔

"جی۔ اور اس نے زرتاج کو رہا کر یں اسے تہہ خانے میں بند کر دیتی ہے۔" اس نے منصب کے تھوڑا قریب ہوتے سرگوشی میں کہا تو منصب بری طرح چونکا۔ اس نے اسی کے متعلق جو بات شروع کی تھی وہ اسے تانیہ نے سمجھائی تھی۔ یہ اسی کا آئیڈیا تھا کہ بجائے رضوانہ آنٹی اور باقی خواتین سے متعلق دیبلہ کے خیالات کو تبدیل کرنے کے دیبلہ سے تصدیق کی جائے تب ہی معلوم ہو سکے گا کہ آخر وہ ان سب سے اتنا ڈرتی کیوں ہے۔

"اچھا؟" منصب حیران ہوا اور پھر ہاتھ سے دیبلہ کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے کچن سے دور ہونے لگا۔ دیبلہ بھی دبے پاؤں اس کے پیچھے چلنے لگی۔ دونوں کوریڈور سے نکل کر پہلے ہال میں آئے اور پھر منصب دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ اکتوبر شروع ہو چکا تھا۔ اور یہاں ماحول میں خنکی ہو گئی تھی۔ دیبلہ نے شال اپنے گرد اچھی طرح لپیٹ لی۔

"اب آپ مجھے بتائیں دیبلہ! کہ اس عورت نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟" منصب نے جان بوجھ کر لہجہ سرگوشیانہ رکھا۔

www.pklibrary.com

"اس نے مجھے تہہ خانے میں بند کیا تھا، وہاں وہ دوسری عورت بھی رہتی تھی۔ اور وہ تو پاگل بھی ہے۔"

"پاگل!" منصب کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ اسے وسیلہ کو بڑے دھیان سے سنتا تھا

۔

"وہ مجھے مارتی تھی۔ میرے بال نوچتی تھی۔ مجھے واش روم میں بند بھی کیا تھا۔ میری سانس بند ہو رہی تھی۔"

وسیلہ کا بتاتے ہوئے سانس اکھڑنے لگا اور وہ ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ منصب اتنا تو سمجھ رہا تھا کہ وہ نگینہ کے متعلق ہی بات کر رہی تھی لیکن وسیلہ تو چترال گئی تھی، پھر وہ نگینہ وسیلہ کے اتنے قریب کیسے رہتی تھی۔ دادی نے تو ہمیشہ یہی بتایا کہ نگینہ تہہ خانے میں رہتی تھی، اور وسیلہ بتا رہی تھی کہ وہ بھی تہہ خانے میں۔ منصب کا سن کر ہی دل دہل گیا

"وسیلہ آپ بھی چترال گئی ہیں؟" منصب نے تھوڑا سا جھک کر اس کا چہرہ دیکھا اور اس نے بھی حیرت سے سر اٹھایا۔ چترال کے ذکر سے اسے کوئی بات یاد تو آ رہی تھی۔ لیکن۔ وہ اپنے دماغ پہ زور دے رہی تھی۔ اسے تہہ خانہ یاد تھا۔ نگینہ یاد تھی۔ ایک سخت قسم کی عورت جو دھمکیاں دیتی تھی۔ ایک اونچی چوڑی سی عورت کھانا لاتی تھی جسے شاید اس نے دھکا دے کر باہر نکلنے کی کوشش بھی کی تھی۔ اور اس دن۔ وسیلہ کو یاد آیا کہ اس روز اسے بھوکا رکھا گیا تھا۔ اور۔ اور۔ وہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن بہت زور دینے پر بھی اسے بھی یہ یاد نہ آتا کہ آخر وہ اس تہہ خانے تک پہنچی کیسے تھی اور وہ سب عورتیں اس پہ ظلم کیوں کرتی تھیں، اور آخر وہ عورتیں تھیں کون۔ شاید وہ کڈنیپ ہوئی تھی۔ بالآخر اسے یہی سمجھ میں آتا۔

"اچھا آپ ذہن پر اتنا زور مت دیں وسیلہ۔ اور مجھ پہ بھروسا رکھیں۔ آخر میری وردی کس دن کام آئے گی۔"

اس نے نرمی سے وسیلہ کو تسلی دینے کی کوشش کی اور وسیلہ نے خالی خالی نظروں سے منصب کو دیکھا۔ اسے تو منصب کی وردی کے ذکر پر بھی کچھ آنے لگا تھا لیکن نجانے کیا۔

"چلیں اندر آ جائیں۔ یہاں تو بہت سردی ہے۔ آپ اپنے کمرے میں آرام کریں۔ آ جائیں۔" منصب نے اس کے لیے دروازہ کھولا اور وہ سر ہلاتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"ہاہ!" منصب نے اس کی پشت کو دیکھتے ایک بہت گہری آہ بھری۔ نجانے "اتفاقات" کا گھڑیال اب ایک ہی نمبر پہ آ کر رک کیوں گیا تھا۔ وہ ایک نمبر کہ جس پہ دونوں کے لیے لفظ "درد" درج تھا۔

اس نے اپنے موبائل میں واٹس ایپ کھول کر ایک بہت پیچھے گیا ہوا نمبر اوپن کیا۔ جس پر آٹھ ماہ پہلے کا آخری میسج ایک گانے کی صورت موجود تھا۔ وسیلہ سے شادی سے انکار کے بعد اسے وسیلہ کی جانب سے روزانہ ہی کال کرنے کے لیے کوئی بہت لمبی تحریر، کبھی کوئی شعر تو کبھی ہمت اور حوصلے سے حالات کا مقابلہ کرنے کی تحریک موصول ہوتی لیکن وہ تب بھی ٹس سے مس نہ ہوا اور بالآخر وسیلہ کی شادی کی تاریخ رکھ دی گئی تو اسے جو آخری میسج بھیجا گیا، وہ ایک گانا تھا، وہ گانا جو آٹھ ماہ سے منصب کے دل کی آواز، اس کے درد کا درماں تھا۔ اس نے پلے کر کے اپنے کمرے کا رخ کیا اور ہینڈز فری کانوں میں لگا لیے۔

تم اپنا رنج و غم، اپنی پریشانی مجھے دے دو
تمہیں غم کی قسم، اس دل کی ویرانی مجھے دے دو

یہ مانا میں کسی قابل نہیں ہوں ان نگاہوں میں

برا کیا ہے اگر یہ دکھ، یہ حیرانی مجھے دے دو
میں دیکھوں تو سہی، دنیا تمہیں کیسے ستاتی

ہے

کوئی دن کے لیے، اپنی نگہبانی مجھے دے دو

تم اپنا رنج و غم، اپنی پریشانی مجھے دے دو

اور وہ درد بٹانے والی آج خود کتنے رنج و غم کا شکار تھی۔ لیکن اب حالات اس نہج پر آ گئے تھے کہ وہ چاہ کر بھی وسیلے کے کسی رنج والم میں اس کے ساتھ شریک نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ اس گانے کے ایک ایک بول کو بس اپنے دل میں اترتا محسوس کر سکتا تھا۔ اور وہ ہفتوں سے بس یہی تو کر رہا تھا۔ اس کے سوا کچھ اس کے اختیار میں نہ تھا۔

☆☆☆

ایلیا نے اگلے ہی روز چھوٹے کمرے کو موسن کی مرضی کے مطابق اپنے اور بچوں کے لیے سیٹ کر لیا۔ موسن آفس سے آ چکا تھا۔ کھانا کھا کر وہ اس کی امی کی طرف چلا گیا تھا کیونکہ وہاں تانیہ آئی ہوئی تھی اور موسن کو امی نے کچھ بتانے کے لیے بلایا تھا۔ اور وہ چھوٹا موٹا سامان الماری میں سیٹ کر رہی تھی۔ سہ پہر کے چار بجنے والے تھے۔ ریہا تو اپنے کاٹ میں سو رہی تھی۔ اور عابس کو وہ کچھ دیر پہلے عفت امی کے پاس چھوڑ آئی تھی۔ اسے اپنے کام میں محض پندرہ بیس منٹ ہی گزرے تھے کہ موسن کمرے میں واپس آ گیا۔

"کام کر رہی ہو؟" موسن اس کی پشت پر آیا تو وہ چونک کر پلٹی۔

"جی بس ختم سمجھیں۔ بچوں کے کپڑے رکھ رہی تھی۔"

"ڈاکٹر تانیہ کو ان کے گھر چھوڑنے جا رہا ہوں۔ تم بھی ساتھ آ جاؤ۔"

"اچھا؟" اس نے کچھ اٹک کر سوالیہ سے انداز میں کہا۔ ایسا چونکہ پہلی مرتبہ ہو رہا تھا تو اس کے ذہن میں کچھ سوال آئے، البتہ پوچھا نہیں گیا۔

"عموماً منیب ہی اسے چھوڑ آتا ہے اور چونکہ وہ اس کی فرینڈ بھی ہے تو دونوں اکیلے چلے جاتے ہیں۔ لیکن ابھی منیب گھر پر نہیں ہے تو اخلاقاً میں نے ہی چھوڑنے کی بات کر دی، البتہ تمہارا ساتھ جانا مجھے ضروری لگ رہا ہے۔ کیونکہ میری ان سے ایسی کوئی بے تکلفی نہیں ہے۔"

موسن نے خود ہی وضاحت بھی کر دی تو ایلیا نے جواباً بس سر ہلا دیا اور اپنے کپڑوں کی طرف ایک نظر دیکھ کر دوبارہ سے چادر اتاری۔

"کپڑے چینج کرنا چاہو تو کر لو۔"

"نہیں نہیں، بس گاڑی میں ہی بیٹھے رہنا ہے، یہی ٹھیک ہیں۔" اس نے چادر اوڑھ لی۔ لیکن موسن نے بجائے کچھ کہنے کے الماری کھول کر کچھ دیر کپڑوں کو دیکھا اور پھر ایک پیلا سوٹ نکال کر اس کے ہاتھوں میں دیا اور بنا کچھ کہے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ حیرت سے منہ کھولے اپنے پیلے سوٹ کو دیکھ رہی تھی جب موسن دروازے کے نزدیک جا کر رکا۔

"دس منٹ میں آ جاؤ۔"

"جی جی!" وہ سمجھ تو گئی کہ اسے یہ ڈریس پہننا ہے لیکن موسن کی سنجیدگی سمجھ سے باہر تھی۔ وہ دس کے بجائے پانچ منٹ میں ہی باہر آ گئی۔ تانیہ کافی دیر سے آئی ہوئی تھی۔ اسے چونکہ موسن سے کچھ ضروری کام تھا تو اس لیے رکی ہوئی تھی۔ ایلیا نے رمشہ کو ریہا کے متعلق بتایا اور تانیہ کے ساتھ پیچھے بیٹھ گئی۔ موسن نے چشمہ لگایا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ تانیہ کے گھر تک کا راستہ وسیلے کے موضوع پر باتیں کرتے گزرا۔ تانیہ کو سرجن کفایت سے جمعہ کی اپائنٹمنٹ مل گئی تھی۔ سو دن بعد وسیلے، مدسا اور تانیہ نے موسن کے ساتھ پشاور جانا تھا۔

"او کے ایلیا، موسن بھائی بہت شکریہ۔" وہ مسکرا کر اجازت لیتے اپنے گھر میں داخل ہو گئی۔ لیکن موسن نے گاڑی اسٹارٹ نہیں کی اور مڑ کر اسے دیکھا۔

"آگے آؤ۔" لہجہ حکمانہ سا تھا۔ وہ اتر کر آگے آ بیٹھی۔ اور موسن نے کار پھر اسٹارٹ کر دی۔ آج وہ اس سے بنا نہیں کوئی بات کیوں

www.pklibrary.com

نہیں کر رہا تھا۔ ایلیا کو بھی کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ بس خاموشی سے بیٹھی راستوں کو دیکھے جا رہی تھی۔ کچھ دیر بعد ہی البتہ یہ احساس بھی ہو گیا کہ راستہ کچھ تبدیل ہے لیکن کچھ پوچھنے کی بھلا اس میں کہاں جرات تھی۔ چپ ہی بیٹھی رہی۔ اور مومن نے سڑک سے اتار کر گاڑی کو ایک فیملی گارڈن کے سامنے روک دیا۔

"آجاؤ۔" وہ چابی نکال کر باہر نکل گیا۔ ایلیا بھی نیچے اتر آئی۔ کار لاک کر کے مومن اس سے آگے آگے چلتے پارک میں داخل ہو گیا۔ یہ گارڈن سڑک کے کنارے لمبائی رخ پہ بنا ہوا تھا۔ جس گیٹ سے وہ دونوں داخل ہوئے وہاں کی روشیں دور تک واک کے لیے بنائی گئی تھیں جن کے کنارے کنارے لکڑی کے بنچ رکھے ہوئے تھے۔ گارڈن کے دوسرے انتہائی کونے میں بچوں کے جھولے تھے اور وہ جگہ یہاں سے بالکل مخالف سمت میں تھی۔ جہاں وہ اترے تھے یہاں لوگوں کا رش بالکل دکھائی نہ دیتا تھا۔

"واک کا موڈ ہے یا کہیں بیٹھنے کا؟" مومن نے چشمہ اتار کر پہلی مرتبہ کچھ پوچھا۔

"جو آپ کو ٹھیک لگے۔" اس نے ذرا کی ذرا نظریں اٹھا کر دیکھا۔

"ہوں۔" مومن نے لب بھینچ کر سوچا پھر بنچ کی طرف بڑھ گیا۔ ایلیا بھی پیچھے پیچھے چلتے اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔

"دو دن بعد وسیلہ کو پشاور لے جانا ہے، وہاں اس کے دماغ کے کچھ ٹیسٹ ہیں۔" مومن نے اسی سنجیدہ مزاجی سے کہتے رخ پھیر کر ایلیا کو دیکھا، اور اس نے کچھ نہ سمجھتے جلدی سے سر ہلا دیا۔ مومن کے ایسے آغاز سے وہ کچھ سمجھ نہیں پائی تھی۔

"میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔" اس نے خود ہی وضاحت کی۔ جس پر ایلیا نے چونک کر مومن کو دیکھا۔

"کیا کوئی پریشانی والی بات ہے؟"

"وہ تو چیک اپ کے بعد پتا چلے گا، بس تب تک بھی دعا ہے کہ کوئی پریشان کن بات نہ ہو۔"

"ان شاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔"

"یہ تمہاری طرف سے پہلا تسلی بھرا جملہ ہے۔" مومن نے معلوم نہیں کیوں جتایا تو وہ پھر حیران ہوئی۔

"جی؟"

"ایلیا، مجھے ایسی تسلی، ایسی ڈھارس کی روزانہ ضرورت ہوتی ہے۔ جو تم بالکل نہیں دیتیں۔" بالآخر اس نے کہہ ہی دیا

"سوری۔" اس نے بھی بلاتوقف اپنی غلطی فوراً تسلیم کی

"میں مانتا ہوں، تم پر مجھ سے بھی زیادہ ذمہ داریاں ہیں۔" وہ کہنی کو بنچ کی پشت پر رکھتے پورا اس کی طرف گھوم کر بیٹھ گیا۔ "دو چھوٹے بچوں کو سنبھالنا۔ دو دو گھروں کے سارے کام کاج دیکھنا۔ اپنی امی، وسیلہ اور میرے ابو جیسے بیماروں کی دیکھ بھال کرنا۔ مجھے سب سمجھ میں آتا ہے۔ لیکن۔"

وہ ایک گہرا سانس لیتے خود ہی رک گیا۔ اور ایلیا نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا لیکن کہا کچھ نہیں کیونکہ ابھی مومن کی بات ادھوری تھی۔

"لیکن ان دنوں میں اپنے آپ کو بھی ایک ذہنی مریض سے کم محسوس نہیں کر رہا۔"

"اللہ نہ کرے۔" وہ جیسے ڈر گئی تھی۔

"ایسا ہی ہے یار۔" مومن جھلا سا گیا۔ "جب بھی میرا دل خوش ہونے لگتا ہے، اٹھا کر میرے ہاتھ میں ایک نیا ٹاسک دے دیا جاتا ہے کہ تم پہلے اسے پورا کرو۔"

"لیکن پہلے تو آپ کبھی پریشان نہیں ہوتے تھے۔"

"اس کی وجہ بھی تو پوچھو۔"

"وجہ؟"

"تم ہو اس کی وجہ۔" وہ گہری سنجیدگی سے اس کو دیکھ رہا تھا۔ ایلیا نے تھوک نگلا۔ نجانے مومن کیا کہنا چاہ رہا تھا۔ اب اس نے کیا کر دیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆

www.pklibrary.com

مومن رضوانہ [اور] ایلیا کے ساتھ تھانہ آتا ہے۔ وسیلہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہوتی ہے، اس کی دماغی حالت خراب ہو جاتی ہے وہ [کسی کو نہیں] پہچانتی۔ منصب کی مدد سے مومن شہباز اور ارحم کے خلاف رپورٹ درج کرواتا ہے۔ ارحم اور شہباز اپنی [ملازمہ] کے ذریعے ہاسپٹل میں وسیلہ کو مارنے کی کوشش کرتے ہیں، عین وقت پر منصب آ جاتا ہے۔

مومن وسیلہ کو میانوالی لے آتا ہے۔ یہاں اس کا [علاج ہوتا] ہے لیکن اس کی دماغی حالت بہتر نہیں ہوتی۔ اس کے لیے تانیہ کی مدد لی جاتی ہے۔

دادی منصب کو بتا دیتی ہیں کہ وہ ان کا پوتا ہے، شہباز اسے مارنے کا [پلان بنا] لیتا ہے اس لیے وہ منشی کی بیوی سے رضوانہ کا بیٹا تبدیل کر دیتی ہیں۔ تاکہ اس کی جان بچ جائے۔

بارہویں قسط

"مم۔ میں کیسے؟" اسے پوچھنا ہی پڑا۔

"اس دن تمہاری ایک دوست آئی تھی گھر۔"

"میری دوست؟" ایلیا کا دماغ ایک دم بلینک ہو چکا تھا۔

"تمہاری کتنی دوست ہمارے گھر آئی ہیں پچھلے دنوں؟" اب وہ تھنے پھلا کر قدرے غصے سے دریافت کر رہا تھا۔

"اے۔ ے۔ک۔ س۔ ستارہ۔" اس نے گھبرا کر فوراً اگلا۔

"تو...... کیا کہہ رہی تھی وہ اس دن؟"

"کیا؟" ایلیا بس رو دینے کو تھی۔

"میرے متعلق؟"

"آپ نے کیا سنا اس دن؟" ایلیا کا سر مجرموں کی طرح جھک گیا۔ مومن نے جھکے سر کو پہلی مرتبہ مسکرا کر دیکھا۔

"تمہیں نہیں پتا، میرے متعلق کیا باتیں ہوئیں؟"

"آپ مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں۔" وہ منہ بسورے بیٹھی تھی، سمجھ میں آ گیا کہ چوری پکڑی گئی ہے اور مومن نے اس دن سب سن لیا تھا۔

"یہی......" مومن نے زور دے کر اس کی بات دہرائی "یہی ہے وہ وجہ ایلیا! جس کی طرف میں تمہارا دھیان دلانا چاہ رہا ہوں۔ دوسرے اگر بنا مجھ سے پوچھے اور بنا میرے جذبات کی پروا کیے اپنے اپنے کام کے بوجھ مجھ پر ڈالتے جائیں گے تو میں انہیں رعایت دینے کو تیار ہوں کیونکہ وہ دنیاوی معاملات اور ذمہ داریاں ہیں جو مجھ پر عائد ہیں لیکن تم اگر محبت کے معاملے میں بھی ایسا کرو گی تو میں ہرگز رعایت دینے کو تیار نہیں ہو سکتا۔ تم چاہتی ہو، میں ساری زندگی قرض ادا کرنے میں گزار دوں۔۔۔ تو پھر کیا ہوگی ہماری لو لائف۔ اور کیا ہوگا اس کا انجام۔ آج ہماری شادی کو آٹھ نو ماہ کا عرصہ بیت چکا ہے۔ اور اس دوران پہلے تمہیں یہ پتا چلتا ہے کہ تمہارے شوہر کو تم سے محبت ہو گئی ہے، اور ایک دن مجھے یہ پتا چلتا ہے کہ میری بیوی تو ہمیشہ سے مجھ سے محبت کرتی ہے۔ لیکن......"

وہ کچھ دیر کے لیے رُکا۔ بنا یہ جانے کے سر جھکا کر بیٹھی ایلیا کی پلکوں سے آنسو جاری ہیں۔ وہ اپنی لے میں کہے جا رہا تھا۔

"ہمارے تضادات آج بھی اسی ہٹ دھرمی سے ایک ہی جگہ پہ کھڑے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا ایلیا! یہ کوئی بددعا ہے، آزمائش ہے، سزا ہے۔ کیا ہے آخر؟ کیوں مجھے اتنی بندشوں کا سامنا ہے۔ کیوں ہم کھل کر ایک دوسرے سے کچھ کہہ نہیں سکتے۔ میں اظہار کر چکا ہوں، اور جواباً تم اتنی بڑی بے حس ہو کہ ایسی خبر سن کر بھی تمہارا دل اظہار کے لیے مچلتا

www.pklibrary.com

نہیں ہے۔"

"کیونکہ..... "اس نے مومن کی اتنی لمبی تقریر کے جواب میں، کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن آنسوؤں کے بوجھ اور رندھے گلے نے کیونکہ کا ہی گلا گھونٹ دیا۔ وہ مزید کچھ کہہ نہ پاتے ہچکیاں لے کر رونے لگی۔

"تم رو رہی ہو۔" مومن کے لیے یہ ایک بالکل نئی اور عجیب بات تھی۔ پہلے تو گھبرا کر اس نے آس پاس دیکھا۔ کسی کا دیکھ لینا بھی اسی کی مصیبت بننے والا تھا۔

"یار رونا بند کرو، کوئی دیکھے گا تو بنا کچھ پوچھے مجھے دھر لے گا۔" مومن نے التجا کی تو ایلیا نے بھی فوراً آنکھیں صاف کیں۔

"اب بتاؤ، کیونکہ کیا؟"

"کیونکہ جواباً اگر میں یہ کہتی کہ میں بھی پیار کرتی ہوں تو بات، بالکل بے اثر اور بہت پھیکی سی ہو جاتی۔"

"اُف خدایا۔" مومن نے جھرجھری لی "مطلب تم نے صرف اس وجہ سے اظہار نہیں کیا کیونکہ وہ جوابی کارروائی لگتا...... ویسے......" وہ کہتے کہتے کچھ سوچ کر رُکا پھر ایک دم ہنس پڑا۔

"بات تو ویسے ٹھیک ہے۔" اب وہ ہنس رہا تھا۔

"دیکھا...... میں نے کہا تھا۔" اس نے منہ پھلا کر مومن کی طرف دیکھا تو آنسو پھر گال پہ لڑھک آئے

"تو پھر دیکھو نا قدرت نے تمہاری کیسی مدد کی۔ لیکن۔ نہیں رُکو۔" وہ چونکا "اگر اس دن تمہاری دوست یہ سب نہ کہتی تو مجھے بتاؤ تمہارے ذہن میں آخر کیا تھا۔ اے ایلا۔ کیا تم بھی مجھے یہ بات نہ بتاتیں۔" وہ پھر سے الجھ گیا۔ تنک کر ایلیا کو دیکھا۔

"نہیں خیر۔ ایسا بھی نہیں ہے۔" وہ روتی آنکھوں سے مسکرا دی اور اس کی مسکراہٹ دیکھ کر لگا کہ اس کے ذہن میں بھی کچھ تھا۔

"بتاؤ نا۔ کیا تھا تمہارے دماغ میں؟"

"ابھی نہیں۔" وہ اب مسکرائے جا رہی تھی۔

"ابھی کیوں نہیں۔ دیکھو اب مجھے تنگ مت کرو۔"

"بتانے کی بات نہیں ہے مومن جی۔ گھر چل کر دکھا سکتی ہوں۔"

"ایسا کیا ہے؟" وہ بالکل سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"گھر پہنچنے تک سکون کریں۔" اس نے ہاتھ جوڑے تو مومن بھی ہنستے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ "تو چلو پھر دیر کیسی۔"

☆☆☆

شہناز بیگم کی آنکھ کچھ ملے جلے سے شور کی وجہ سے کھلی۔ نیند سے جاگنے پر فوری طور پر کچھ سمجھنا مشکل تھا لیکن ان کے ذہن میں سارہ کا خیال جو نہی آیا وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

باہر بچوں اور عورتوں کی آوازیں کیوں آ رہی تھیں۔ انہوں نے دوپٹہ کھینچ کر چپلیں پہنیں اور تقریباً دوڑ کر دروازے تک آ گئیں۔ لیکن دکھائی دیتا منظر مزید ہوش اُڑا گیا۔

صحن کے بیچوں بیچ وہ اُن کی ماموں زاد زیتون تھی، ساتھ اس کی دو بہوئیں شبنم، نور پری اور ان کے چار پانچ بچے کھڑے مسکرا رہے تھے۔ مسرت بوکھلائی ہوئی سی ان کو چھوٹے صحن کی طرف ہانک رہی تھی لیکن وہ بڑی خوش خلقی سے، سارہ سے بغل گیر ہو رہی تھیں۔ وہ گوری چٹی مصیبت پھر باہر گھوم رہی تھی۔

شہناز بیگم کی شعلہ بار آنکھیں، خاموشی سے مسرت پر تکی تھیں کیونکہ مسرت کو سختی سے تنبیہ کی ہوئی تھی کہ حویلی کا بڑا گیٹ ہر وقت بند رہا کرے۔

ایسے میں کسی کی آمد کی صورت میں وہ پہلے سارہ کو اس کے کمرے میں بند کرتی اور اس کے بعد مہمانوں کو چھوٹے صحن کی طرف لے جاتی۔

ساجن کے جانے کے بعد ان ہی کے کمرے کو شہناز نے مہمان خانے میں تبدیل کر دیا تھا۔ وہ

www.pklibrary.com

پورشن ارحم کے نئے گھر سے بہت دور پڑتا تھا۔ اب سے پہلے کئی مہمان خواتین کو بڑی خوبی سے نمٹا لیا گیا تھا لیکن آج۔

"وہ میں..... کھاٹ نکلوا رہی تھی، شہروز لالہ کے ساتھ۔ اُدھر فرے سے میں ضرورت تھی۔ پھاٹک کھلا ہوا تھا تو یہ اندر گھس آئیں۔" مسرت نے جلدی سے آ کر صفائی دی۔ شہناز چپ کھڑی سارہ اور ان خواتین کو دیکھ رہی تھیں۔

"آپ کہہ دیں بی بی! کہ یہ مسرت کی بہو ہے، کام کے لیے آئی ہوئی ہے۔" مسرت نے مشورے کے انداز میں کھسر پھسر کی۔

"نہیں کہہ سکتی۔" وہ ایک گہری سانس اندر کو کھینچ کر آگے بڑھ گئیں۔ مہمانوں کو بجائے دوسرے صحن دروازے کے اپنے کمرے میں ہی لے آئیں کہ یہ بھانڈا تو اب پھوٹ ہی چکا تھا۔ باقی کیا رہ گیا تھا۔ سارہ کو کچھ بھی اور ثابت کرنا اب کے لیے تو بہت آسان تھا لیکن آگے۔ مستقبل میں جب ارحم اسے باقاعدہ اپنی بیوی کے طور پر سب سے ملوانے کے در پے تھا۔ تب اس آج کے جھوٹ نے خود ان ہی کا منہ کالا کرنا تھا اور پھر وہ حویلی کا نیا آنے والا وارث، جس کی آمد کے آثار مہمان خواتین کی نگاہوں سے ہرگز چھپے نہ رہے تھے۔

شہناز نے خود کو ذہنی طور پر تیار کیا کہ انہوں نے زیتون بی بی اور بہوؤں کے سامنے ارحم کی کہانی کس انداز میں بیان کرنی تھی۔

☆☆☆

"یہ سب کیا ہے؟" مومن کی حیرت بھری نظریں بیڈ پہ بکھرے رنگ رنگ کے صفحات پر تھیں۔

"یہ تو ابھی آدھے بھی نہیں، صرف پچھلے آٹھ نو ماہ کے ہیں۔ جو اس سے پہلے لکھے تھے وہ تو ضائع کر دیے۔" ایلیا شرمندہ شرمندہ سی وضاحت کر رہی تھی۔

"پہلے کب؟" مومن کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

"پہلے یعنی کہ۔" وہ کہتے کہتے رکی "وہ میں آپ کو بعد میں بتاؤں گی۔ ابھی میں آپ کے لیے چائے بنانے جا رہی ہوں۔ آپ بس ان سب کو خود ہی پڑھ لیں۔"

وہ کھل کر کچھ بھی کہنے کی حالت میں نہ تھی۔ جلدی سے جان چھڑا کر باہر بھاگ گئی اور مومن نے ہنستے ہوئے وہ پلندہ اٹھایا۔ ایلیا نے بتایا تھا کہ ہر خط پر تاریخ لکھی ہوئی ہے اس لیے وہ ترتیب سے پڑھے۔ مومن نے تاریخوں کے حساب سے وہ سارا دستہ اکٹھا کیا اور پہلا خط آنکھوں کے سامنے رکھا۔

کیا کریں عرض تمنا کہ تجھے دیکھتے ہی
لفظ پیرایہ اظہار میں گم ہو جاتے ہیں

تحریم آپی کا دنیا سے جانا ہم سب کے لیے بہت بڑا غم ہے۔ لیکن ان کے جانے کے بعد ہم سب ہی ایک دوسرے سے ڈرتے اور گھبراتے پھر رہے ہیں۔

وسیلہ آپی کو لگتا ہے امی سے بات کرنا ان کے درد میں اضافہ کرنا ہے۔ ندرت ماما آپ سے بات نہیں کرتیں، انہیں لگتا ہے یہ آپ کے زخموں کو ادھیڑنا ہے۔ اور مجھے لگتا ہے امی ہوں یا آپ ہم سب کو اپنے دل کا حال ضرور کسی سے کہہ دینا چاہیے۔

امی کی دواؤں میں تو شاید سکون کی گولی بھی ہے تب ہی ان کو نیند تو آ جاتی ہے۔ لیکن آپ کا راتوں کو جاگنا، بہت تکلیف دہ ہے۔

کیا آپ ایک بار مجھ سے تحریم آپی کی باتیں کھل کر کریں گے۔ مومن جی میں آپ کو صبح سے شام تک، رات سے دن تک لگاتار اور بے حساب سن سکتی ہوں۔ مجھے آپ کا بولنا ہمیشہ سے بہت اچھا لگتا ہے۔

اگر وہ باتیں آپ کے دل کا احوال ہوں تو میں ایک ایک لفظ کو موتیوں کی طرح اپنے دامن میں سمیٹ سکتی ہوں۔ اور آپ کا بولنا اس لیے بھی بہت ضروری ہے کہ آپ کے اندر کا غبار آپ کو چین نہیں لینے دیتا کاش میں آپ سے کہہ سکتی کہ اپنے دل کی ہر

www.pklibrary.com

بات آپ مجھ سے شیئر کریں۔ (ایلیا جمال)

مومن نے دوسرا خط سامنے رکھا

ہماری دوستی بخشوں سے زندگی تو نہ مانگ
سخی تو ہیں مگر اتنے امیر ہم بھی نہیں!

جانتی ہوں صاحب...... آپ نے تو اس پروپوزل سے انکار ہی کرنا تھا۔ لیکن میں یہ بات نہ آپ کو بتا سکتی ہوں نہ ہی کسی اور کو کہ یہ رشتہ میرا دیرینہ خواب تھا جسے میں نے روتی آنکھوں کے ساتھ خود اپنی مرضی سے اپنے دل میں دفن کر دیا تھا۔

آج آپ کے انکار سے اندر کہیں بھی کچھ محسوس نہیں ہوا۔ لیکن کاش آپ صرف ایک بار مجھ پر بھروسا کر کے دیکھ لیتے۔ (ایلیا جمال)

مومن نے اگلا خط کھولا

بہت شکریہ مومن جی! آج آپ نے بالآخر رشتے کی ہامی بھر لی۔ کیونکہ میں نے آپ سے وعدہ کیا ہے کہ میری حیثیت صرف بچوں کی ماں کی ہو گی۔ آپ بیوی کے رشتے کے لیے چاہیں تو کسی بھی اور لڑکی کو پسند کر سکتے ہیں۔ آپ کی زندگی میں شامل ہونا، آپ کے نام سے جڑنا میری اتنی دیرینہ خواہش ہے کہ تب شاید میں ان جذبات کو کوئی نام بھی نہیں دے سکتی اور اب میں خود کو ثابت کروں گی۔ (ایلیا جمال)

چوتھا خط

تیسری شادی؟ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میرا مطلب ہے، میری بات کو اتنا سیریس لے لیں گے یہ تو بالکل نہیں سوچا تھا۔ اور۔ اور آپ لڑکی بھی دیکھ رہے ہیں؟ ہائے اللہ، ابھی تو ہماری شادی کو دو ہفتے بھی نہیں ہوئے۔ مومن جی! میں بڑی مشکل سے پرانے درد بھولی ہوں، میرے لیے پھر سے ہلاکو مت بنیں۔ میں کہہ رہی ہوں، یہ آپ کا بہت غلط فیصلہ ہے۔ اور ٹھیک ہے کہ میں نے وعدہ کیا تھا، لیکن نہیں میرے دل میں یہ تھا کہ میرے ہوتے اس کی سو سال تک نوبت نہیں آنے والی۔ سوچ لیں صاحب۔ یہ سودا آپ کو مہنگا پڑے گا۔ خدارا مجھے سوتن اور بچوں کو سوتیلی ماں کے حوالے مت کریں۔ (ایلیا مومن)

مومن نے ہنستے ہوئے اس خط کو سائیڈ پہ رکھا اور پانچواں خط سامنے لانے تک بے اختیار ہنستا ہی چلا گیا۔

اب تک ہیں دل خوش فہم کو امیدیں
یہ آخری شمعیں بھی بجھانے کے لیے آ!

معافی چاہتی ہوں مومن جی۔ مجھے واقعی ایسا لگا تھا کہ آپ کامران بھائی سے جیلس ہو گئے ہیں لیکن مجھے افسوس ہے کہ بات وہ نہیں نکلی، آپ کے لیے تو گھر کی ساری خواتین ایک برابر ہیں۔ ہاں لیکن اس نئے رشتے سے سارا فرق تو مجھے پڑتا ہے۔ آپ کے لیے تو جو آئی ہی بچوں کی ماں بن کر ہے اس کا ہونا نہ ہونا آپ کے لیے کیوں کوئی معنی رکھے۔ (ایلیا مومن)

"ہوں......" وہ لب بھینچ کر مسکرائے جا رہا تھا۔ ایک ایک لفظ ایک نئی دنیا دریافت کرنے جیسا تھا۔ اسے ساتھ ساتھ وہ سب باتیں یاد آ رہی تھیں جن کے آدھے ادھورے حوالے ایلیا نے ان خطوط میں دیے ہوئے تھے۔ اس نے چھٹا خط کھولا۔

"ہاں اچھا تو مطلب عروبہ ہی ہے وہ لڑکی۔ مجھے تو اس دن ہی شک ہو گیا تھا جب مامی نے بتایا کہ آپ کی نزہت خالہ اس رشتے سے ناخوش ہیں اور کھل کر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر چکی ہیں۔ یعنی ان کی ناپسندیدگی کی بیک پر عروبہ کی پسند بھی ہے۔ میں بتا رہی ہوں آپ کو، عروبہ نے بچوں کا کبھی خیال نہیں رکھنا، صرف آپ پر قبضہ جمانا چاہتی ہے۔ میرا نہیں تو بچوں کا سوچ لیں۔ (ایلیا مومن)

"واہ۔ بڑی پکی۔" وہ ابرو تان کر استہزائیہ ہنسا اور اگلا خط نکالا۔

تو میرے ہمراہ چلتا اور دنیا دیکھتی

آج آپ نے میرے بال بنائے، تیاری میں مدد کی، وسیلہ کے سامنے اپنی محبت کا اظہار کیا، اور۔ اور پھر کچھ "جھوٹ" بھی بولے۔ مجھے یہ سب کچھ بہت اچھا لگ رہا تھا مومن جی۔ لیکن نہیں، اب مجھے

www.pklibrary.com

بالکل اچھا نہیں لگ رہا۔ آپ وسیلہ کے علاج کے لیے میرا استعمال مت کریں، کہیں پھر میں ہی نہ مریض بن جاؤں۔ لیکن یہاں میری کسے پرواہ ہے۔ میں بظاہر صحت مند ہوں تو سب کے لیے آل اوکے والا معاملہ ہے۔ (ایلیا مومن)

"ہاہ!" مومن نے ایک آہ بھری، "ہر بظاہر صحت مند کو یہی شکوہ ہے میری جان۔" اس نے سر جھٹک کر اگلا خط نکالا اور پہلے ہی جملے پر ٹھٹک گیا۔

"مجھے نا، بالکل یہ اندازہ بھی نہیں ہوا کہ آپ میں دو نمبری بھی ہو سکتی ہے۔"

"ہیں اچھا؟" وہ دلچسپی سے آگے پڑھنے لگا۔

"وسیلہ آپی کی واپسی کے بعد میں بھی اتنی اپ سیٹ ہوئی کہ مجھے رونا آ گیا۔ آپ نے رات مجھے بہت محبت سے تسلی دی کہ آپ میرے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہونے دیں گے۔ میری لائف کا ادھورا پن ختم کریں گے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن مومن جی، آپ مجھ سے یہ ظاہری ہمدردی مت جتایا کریں۔ آپ کو تو مجھ پہ ترس آتا ہے لیکن میں کہیں کچھ زیادہ اونچے خواب نہ دیکھنے لگوں، ایسے میں آپ کو ہی مشکل ہوگی۔ (ایلیا مومن)

"اُف سیانے لوگ۔" وہ ہنس کر اور آگے بڑھا۔

چھوٹے چھوٹے ان خطوط میں مومن کی دلچسپی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ اس نے ایک اور خط نکالا۔

"مومن جی! کیا واقعی میں آپ کی پہلی محبت ہوں، لیکن یہ کیسے ممکن ہے۔ آپ نے مجھے کہا کہ وقت لے کر سوچو اس پر۔ لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ اس کا ڈراپ سین کچھ اور ہی نکلے گا۔ بھلا کوے سے اچھائی کی اُمید...... ناممکن۔" ایلیا نے "ناممکن" کو ذرا زیادہ موٹے مارکر سے مزید ابھار کر لکھا تھا۔

"واہ رے مومن تیری قسمت۔" اس نے مسکراتے ہوئے ایک آہ بھری۔ "جسے دل دینے کی بھول کر بیٹھے ہو، اس کے بھروسے کا یہ حال ہے۔ میڈم نے مجھے اپنی محبت جتانے کے لیے خطوط تھمائے اور چاہ یہ چلا کہ میں ہی کھوٹا سکہ نکلا ہوں۔"

وہ ہنس رہا تھا جب ایلیا سخت نروس اور گھبرائی گھبرائی سی کمرے میں داخل ہوئی۔ ہاتھ میں چائے کا کپ تھا۔ جو اس نے اندر آتے ہی قریبی میز پہ رکھا اور واپس گھوم گئی۔

"ارے رے۔" مومن نے بے ساختہ آواز لگائی تو اس کے قدم جم گئے۔ "اندر آؤ۔" اس نے رعب سے کہا تو ایلیا نہایت سست روی سے واپس پلٹی اور دروازے کے قریب والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ نظریں جھکا رکھی تھیں اور چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

"کیا ہے یہ سب؟" مومن نے لہجہ نرم رکھنے کی کوشش کی لیکن ہو نہیں پایا۔

"سوری......" وہ فوراً بولی۔ دل میں سخت پچھتاوا ہوا کہ اموشنل ہو کر خطوط تھمانے کی بھلا کیا ضرورت تھی۔

"سوری۔ کس لیے؟" مومن نے ابرو تانے۔

"نہیں وہ۔ ویسے ہی۔ میرا مطلب ہے۔" اس سے بالکل بات نہیں بن رہی تھی۔

"تو میں بھلا کو ہوں؟"

"او...... تو......" اس نے بے ساختہ پلکیں بھینچ کر لب آپس میں پیوست کیے۔ خطوط تھماتے یہ تو خیال ہی نہیں آیا کہ اندر کیا کچھ لکھا ہوا ہے۔ اپنی طرف سے میڈم جوابی اظہار فرما رہی تھیں۔ کوو میں دھرے اس کے ہاتھوں میں اپنا ہاتھ دے کر مومن نے اسے سامنے کھڑا کیا تھا۔

"اچھا تو وہ کون سے خط تھے جو تم نے اب ضائع کر دیے۔" وہ اب اس کے بالکل نزدیک کھڑا تھا۔ دونوں ہاتھ اس کے ہاتھوں کی انگلیوں میں پورے پھنسا لیے تھے۔

"یہ اب نہ پوچھیں۔ پلیز......" وہ سر نفی میں ہلانے لگی۔

"ہیں۔ کیوں۔ تم نے ہی نے کہا تھا کہ بعد میں بتاؤ گی۔"

"نہیں بس...... بالکل نہیں۔" وہ اکڑ ہی گئی۔

www.pklibrary.com

مومن کو دیکھ کر نجانے اسے ایسا کیوں لگا تھا جیسے خطوط اسے پسند نہیں آئے تھے۔ تب ہی ڈوب مرنے کو تیار کھڑی تھی۔

"تمہیں سچ میں ایسا لگتا ہے ایلیا، کہ میرا محبت کا اظہار صرف تمہارا دل رکھنا تھا۔" ایلیا چپ کھڑی تھی۔ کیسے کہتی کہ بے یقینی کا دشت بہت وسعت لیے ہوئے ہے۔ کہیں کنارہ دکھائی بھی دے تو اسے سراب کا دھوکا ہونے لگتا ہے۔

"تم ہی بتاؤ، کیسے یقین دلاؤں...... ہوں؟"

"ایلیا...... کہاں ہو......" عدرت ماسی کی آواز باہر سے سنائی دی تو مومن جھٹکے سے دور ہوتے بھاگ کر الماری تک پہنچا۔ ایلیا نے اس کی گھبراہٹ دیکھی تو اپنی بھول گئی۔ اور پھر بے ساختہ لبوں پر پہلے ہنسی آئی اور پھر قہقہہ چھوٹ گیا۔ جسے منہ پہ ہاتھ رکھ کر دباتے وہ فوراً باہر نکل گئی۔ بڑے بڑے چھپنے خان بن رہے تھے۔

☆☆☆

جالی کے باریک سفید اس سرسراتے پردے کے پیچھے نجانے سونے جیسا چمکتا ہوا سا کیا تھا۔ سنہری اپنی جانب کھینچتی ہوئی سی وہ چمک دیلہ کو بے اختیار کھڑکی کے نزدیک لے گئی۔

فیروزہ نے ناشتہ اس کے سامنے رکھ کر کھڑکی کے بھاری پردے ایک سائیڈ پہ کر کے فرنٹ کا جالی دار پردہ سرکایا اور کھڑکی پوری کھول دی۔ دیلہ نیند سے جاگ چکی تھی۔ اور جس وقت فیروزہ ناشتہ لے کر آئی وہ فریش ہو کر اس کا نکالا ہوا لائٹ اورنج اور سفید سوٹ بھی پہن چکی تھی۔ فیروزہ تو ناشتہ رکھ کر واپس چلی گئی اور چائے پیتے ہوئے دیلہ کو چھن چھن کر آتی وہ سنہری سی جھلک، بار بار اپنی جانب متوجہ کرتی رہی۔ اس نے کپ ہاتھ میں لیا اور کھڑکی میں چلی آئی۔ سفید پردہ ایک سائیڈ پہ کر دیا۔

میپل کا درخت۔ اس کے لبوں پہ بے ساختہ ایک بہت پرانا نام یوں آیا کہ وہ خود بھی سوچ میں پڑ گئی کہ وہ، کسی میپل ٹری کو بھی جانتی ہے اور اسے یہ بات ابھی ابھی یاد آ رہی تھی۔

پھر اسے یاد آیا کہ وہ اپنی یادداشت کھو چکی ہے اور اسے بہت کچھ بھول چکا ہے لیکن خزاں کے یہ پیلے پتے، سورج کی چمک سے جو سنہری سے لگ رہے تھے، وہ میپل کا درخت ان کی کھڑکی کے پیچھے والی سرسبز چراگاہ کے کنارے تو نجانے، کتنے برسوں سے موجود تھا لیکن دیلہ کو اس کے خزاں کے پیلے رنگ نے کسی یاد کی طرف کھینچا تھا۔

چراگاہ میں اس وقت کچھ بچے کھیل رہے تھے۔ ہاتھ میں بیٹ اور بال تھے۔ کچھ بڑے کچھ چھوٹے بچے اور۔

"خدارا بچا لیں۔ پنجے تیز کیے بیٹھا ہے وہ خونی بلا۔"

"لاحول ولا۔ ایلیا۔ کیسی لینگویج۔" دیلہ نے کھڑکی کے پٹ کو مضبوطی سے ہاتھ میں لیا۔ "میری بہن ایلیا۔ وہ۔ وہ مجھ سے چھوٹی تھی۔ وہ کہاں ہے۔ یااللہ وہ اسی گراؤنڈ میں تو کھڑی تھی۔ اور وہ کسی سے ڈر رہی تھی، پتا نہیں کون۔ مجھے یاد کیوں نہیں آ رہا۔ نہیں۔" وہ تیزی سے واپس پلٹی، کپ واپس میز پہ رکھا اور اپنی اورنج شال کھول کر اپنے گرد لپیٹ لی۔ کمرے سے نکل کر آس پاس دیکھا۔ وہ باہر نکل کر میپل کے درخت تک آ گئی۔

گھر کے سامنے کی ڈھلان اتر کر بائیں ہاتھ تھوڑا نیچے کر کے وہ سرسبز گراؤنڈ تھا، جہاں بچے کھیل رہے تھے۔ وہ کنارے پہ کھڑی ان سب بچوں کو بغور دیکھ رہی تھی۔ اسی وقت پیچھے جیپ کی آواز سنائی دی دیلہ نے پلٹ کر دیکھا تو گھر کے گیٹ سے جیپ نکل رہی تھی۔ منصب وردی پہنے ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھا تھا۔ گیٹ سے جیپ نکال کر وہ جوں ہی باہر آیا، نظر دیلہ پر پڑی تو حیرت زدہ سا فوراً نیچے اترا۔

"دیلہ آپ۔ یہاں باہر۔" وہ دیکھنے لگا کہ آیا کوئی اس کے ساتھ ہے یا نہیں۔

"وہ میں اکیلی ہی باہر نکلی ہوں۔ مجھے اصل میں۔ وہ درخت دیکھ کر کچھ یاد آ رہا تھا۔" وہ ہاتھ کے

www.pklibrary.com

اشارے سے بتانے لگی۔ منصب نے بھی اپنا رویہ نارمل کیا

"اچھا اچھا۔ گڈ۔ تو کیا یاد آیا۔" اب وہ مسکرا رہا تھا۔

"مجھے میری چھوٹی بہن ایلیا یاد آ گئی ہے۔"

"ارے واہ۔" منصب حقیقتاً خوش ہوا۔ "یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ اسے بھی سن کر بہت خوشی ہو گی۔ وہ اندر۔"

"لیکن۔ مجھے آپ کو دیکھ کر بھی ہمیشہ کچھ یاد آتا ہے۔" وہ ایک دم کھوئی کھوئی سی ہونے لگی۔ "مجھے ہمیشہ ایسا کیوں لگتا ہے جیسے ماضی میں کچھ خاص۔" وہ ایک دم اٹک گئی۔

"مجھے لگتا ہے جب میری یادداشت ٹھیک کام کرتی تھی میں تب سے آپ کو جانتی ہوں۔" وہ سیدھے صاف الفاظ میں نہایت شیریں انداز میں کہہ رہی تھی اور منصب کا دل کچھ پرانی یادوں، کچھ نئے نئے اندیشوں میں گھرا نہایت تیز رفتاری سے دھڑکے گیا۔

"میرا آپ سے کیا رشتہ رہا ہے؟" وہ الٹا اسی سے پوچھنے لگی اور منصب اس کی شکل دیکھ کر بس چند سیکنڈز کے لیے ہی سوچ میں پڑا اور پھر سانس اندر کو کھینچے اس بار کہہ ہی دیا۔

"دوستی کا۔"

"اچھا؟" وہ بے یقین تھی۔ منصب تو کیسا ریزرو رہتا تھا۔ بہت کھنچا کھنچا دور۔ اتنا کہ وہ باوجود چاہنے کے بھی اس سے زیادہ بات کرنے کی ہمت نہیں کر پائی۔

"تو پھر وہ ختم کیسے ہو گئی۔ آپ مجھ سے خفا کیوں لگتے ہیں۔ کیا میرا کوئی قصور تھا۔ اچھا آئی ایم سوری اگر۔"

"وسیلہ۔ پلیز۔" منصب کا ضبط جواب دینے لگا۔ وہ پلٹ کر فوراً جیپ میں بیٹھا اور اسٹارٹ کر کے تیزی سے رخصت ہو گیا۔ اس کا سینہ درد کی شدت سے پھٹ رہا تھا۔ پلکیں سیکنڈز میں نم ہوئی تھیں۔ آنکھیں ہاتھ کی پشت سے رگڑتے وہ تیزی سے جیپ بھگائے جا رہا تھا۔

وہ کیسے بتا سکتا تھا وسیلہ کو کہ سارے قصور اس کے اپنے تھے۔ اس کی ہر تکلیف کے پیچھے بس ایک ہی نام تھا۔ منصب رضا...... وہ نچلا لب دانتوں میں کھینچے اندھا دھند جیپ بھگائے جا رہا تھا۔

☆☆☆

مومن ڈنر کے وقت سب کو تنبیہ کرتا پھر رہا تھا کہ جلدی سو جائیں کیونکہ انہوں نے منہ اندھیرے پشاور کے لیے نکلنا تھا۔

وہ جس وقت امی سے مل کر آئی وسیلہ اور رمشہ سونے جا چکی تھیں۔ مومن کمپیوٹر پر کچھ کام کر رہا تھا۔ اور وہ چونکہ دوبارہ چھوٹے کمرے میں شفٹ ہو گئی تھی تو دونوں بچوں کو لیے یہاں آ گئی۔ اور اب دونوں کے سو جانے کے بعد اس نے بڑے کمرے میں جھانکا تو مومن اُسے جاگتے ہوئے ملا تھا۔ پچھلی شام خطوط پڑھنے والے معاملے کے بعد اس کا مومن سے بالکل آمنا سامنا نہیں ہو سکا تھا۔ شام میں وہ آفس سے لیٹ آیا اگلے روز چونکہ وسیلہ کو پشاور لے جانا تھا تو کچھ کلوزنگ کر رہے تھے۔

وہ شام کی چائے لائی تو مومن اپنے ابو کو جانے کے متعلق بتا رہا تھا۔ وہ اندر ہی اندر عجیب سی بے چین تھی۔ ماحول اور حالات اتنا اس کے آڑے آ رہے تھے۔ حالانکہ مومن نے اُس سے کہا تھا کہ وہ وسیلہ کی وجہ سے پریشان ہے اور اُسے جس تسلی کی ضرورت رہتی تھی، ایلیا وہ اُسے کبھی نہیں دے پائی تھی۔

وہ بہت ہمت کر کے بڑے کمرے میں داخل ہوئی۔

مومن نظر کا چشمہ لگائے لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ تھا۔ وہ نزدیک تو آئی لیکن بس چھوٹا موٹا سامان یہاں وہاں سے اُٹھایا۔ مقصد اپنی موجودگی جتانا تھا لیکن مومن نے سرسری ایک نظر دیکھا اور پھر کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ایلیا کا یہاں آنے کا اس وقت بس ایک ہی

www.pklibrary.com

مقصد تھا کہ اُسے جانے سے پہلے کسی طرح موسن کو تسلی دیتی ہے لیکن کیسے...... کن الفاظ میں اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ بس اس کی فرماں بردار طبیعت کے لیے یہی کافی ہو جاتا کہ کوئی، اسے ایک بار کچھ سمجھا دے تو دوبارہ کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔

"بچے سو گئے؟" موسن کی بھاری آواز کمرے کی خاموشی میں اچانک ہی سنائی دی تو اس کا دل رودھڑکن کی رفتار بھول گیا۔

"جج...... جی۔" اس نے فوراً خود کو سنبھالا۔ شکر ہے بات کرنے کا بہانہ مل گیا تھا ورنہ ماحول کی خاموشی نے تو اس کا گلا ہی گھونٹ دیا تھا۔

"آپ بھی اب آرام کر لیتے۔ صبح جلدی نکلنا ہے۔" وہ کمپیوٹر ٹیبل کے قریب آ کھڑی ہوئی۔

"تھوڑا سا کام اور ہے۔"

"تو اتوار کو واپس آ کر کر لیں، آفس تو اب منڈے کو جانا ہے۔" وہ بھی مُصر ہوئی۔

"اتوار کو تھکاوٹ ہوگی، سوچا ریسٹ کروں گا سارا دن۔" اس نے چشمہ اُتارا۔

"وہ بعد کی بات ہے، فی الحال ابھی کے ریسٹ پر دھیان دیں۔ صبح ڈرائیونگ کرنی ہے۔" اس نے چشمہ موسن کے ہاتھ سے لے کر فولڈ کر دیا اور ابرو سے اشارہ کیا کہ وہ لیپ ٹاپ آف کر دے اور موسن جو اس کی طرف دیکھتے کچھ سوچ رہا تھا خاموشی سے لیپ ٹاپ آف کرنے لگا۔ ایک چھوٹا سفری بیگ لا کر موسن کی کمپیوٹر ٹیبل پہ رکھ دیا۔

"یہ سب دیکھ لیں آپ کا سامان۔"

"سامان!" موسن نے بھنوؤں کو تعجب سے جوڑا "کس لیے۔"

"کل...... سفر کے لیے۔" وہ اس سے زیادہ حیران تھی۔

"یہ کیا۔ اور کیوں؟ ہم تو شام تک واپس آجائیں گے۔" وہ کہتے ساتھ زپ کھول کر اندر جھانکنے لگا۔ ایک سوٹ، ایک چھوٹا تاول، سوپ، ٹوتھ پیسٹ، ٹوتھ برش۔ ہیئر برش۔ کئی نائٹ ریفس واش۔ اور۔ ایک الگ شاپر میں کیک، بسکٹ، نمکلس وغیرہ۔

"اور اگر رہنا پڑ گیا تو۔ پہلے سے تھوڑی نا پتا ہوتا ہے۔ سفر کا معاملہ ہے، پھر ہسپتال، احتیاطاً سب کچھ ساتھ ہونا چاہیے، میں تو یہ کہہ رہی تھی کچھ رہ نہ گیا ہو، اس لیے دیکھ لیں۔"

"ارے یار! بہت ہے۔ اور دیکھنا یہ بھی گاڑی میں پڑا رہ جائے گا۔"

"اچھا، کوئی بات نہیں، واپس ہی آجائے گا نا۔" وہ دروازے کی چٹخنی چڑھا کر سوئچ بورڈ کی طرف بڑھی۔ لائٹ آف کر کے سبز نائٹ بلب آن کر دیا۔ پلٹ کر دیکھا۔ موسن بیڈ کے کنارے پر بیٹھ چکا تھا کچھ خیال آنے پر وہ قریب آئی اور سائیڈ ٹیبل سے موبائل اٹھا کر دور کمپیوٹر ٹیبل پر رکھ دیا۔

"موبائل بھی استعمال نہیں کرنا۔ گیارہ بج گئے ہیں اور مزید بالکل کوئی گنجائش نہیں۔"

"اچھا؟" موسن نے جاتے جاتے اس کی کلائی پکڑ کر روکا۔

"بالکل کچھ نہیں؟" اور اس کی تو ہاتھ پکڑ لینے پر ہی سٹی گم ہو گئی تھی۔ کچھ بولا ہی نہیں گیا۔

"ہوں۔ جاؤ۔" اس نے کچھ دیر تک جواب کا انتظار کیا اور پھر خود ہی اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اور اس حرکت نے ایلیا کو مزید نروس کر دیا۔

"مس...... سوری۔" وہ پریشان ہو کر فوراً بولی لیکن موسن ان سنی کرتے لیٹ گیا۔ وہ اسی طرح کھڑی دیکھ رہی تھی۔ موسن نے نظر انداز کرتے آنکھیں بھی بند کر لیں۔

ایلیا کا دل ایک خیال آنے پر اگرچہ زور دار طریقے سے دھڑکنے لگا تھا لیکن اس نے بھی ٹھان ہی لی تھی۔ ایک نظر سوئے ہوئے موسن کو دیکھا۔ ہونٹوں پر شرمیلی ہنسی تھی جسے وہ منہ پہ ہاتھ رکھ کر روک رہی تھی۔ موسن کے آنکھیں بند کرنے پر ہمت کچھ بڑھی تھی۔

اس نے جھک کر نہایت تیزی کے ساتھ موسن

www.pklibrary.com

کے سر کو چوما اور بنا اس کا ردعمل دیکھے چھوٹے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔ مومن نے حیرت سے آنکھیں کھولیں، اسے بھاگ کر جاتے دیکھا اور مسکراتے ہوئے پھر سکون سے آنکھیں موند لیں۔ تسلی کا یہ دل لبھاتا انداز بہت پیارا تھا۔

☆☆☆

ایلیا نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ ہاسپٹل اور سفر کے معاملات کا کچھ طے نہیں ہوتا۔ مومن کا خیال یہی تھا کہ وہ اگلی شام تک واپس آ جائیں گے لیکن وسیلہ کے ٹیسٹ وغیرہ ہونے اور رپورٹس آنے میں دو دن لگے تھے۔ آج سنیچر کی سہ پہر ان کی میانڈم واپسی ہو رہی تھی۔ وسیلہ کے ٹیسٹس کا پروسیس کافی طویل اور سنجیدہ نوعیت کا تھا۔ باہر وہ سب ہی مسلسل دعا گو رہے تھے اور اگلے دن جب اس کی رپورٹس ملنا تھیں تو مومن کا اضطراب، شدید سر درد کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ لیکن اللہ کا بے حد احسان ہوا کہ سرجن کفایت نے رپورٹس دیکھ کر بہت تسلی دی تھی۔

انہوں نے بتایا کہ دماغ اندرونی طور پر زیادہ ڈیمج نہیں ہوا۔ اور کوئی بھی پرانی یاد کسی بھی وقت وسیلہ کے لیے مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔ انہوں نے وسیلہ کے آس پاس پرانا ماحول پیدا کرنے کو بہت خوش آئند قرار دیا تھا۔ مومن نے واپسی کا سفر نسبتاً بہت پرسکون گزارا۔ سر کا درد البتہ اتنی آسانی سے جانے والا نہیں تھا۔ وہ سب شام سے کچھ پہلے میانڈم پہنچے۔

ایلیا نے بچوں کو تیار کیا۔ گھر میں سب بہت خوش تھے۔ مومن نے انہیں فون پر ہی وسیلہ کی رپورٹ سے متعلق اچھی خبریں سنا دی تھیں۔ توفیق ماموں، وسیلہ کی طبیعت کا حال جاننے خود اس طرف آنا چاہتے تھے۔ ندرت ان کو وہیل چیئر پر لانے لگیں تو انہوں نے ہاتھ سے منع کر دیا۔

"خود ہی آہستہ آہستہ چل کر جاتا ہوں۔"

انہوں نے ارادہ کیا اور ندرت کا ہاتھ تھام کر دوسرا ہاتھ دیوار سے لگا لگا کر چلنے لگے۔ رضوانہ کے گھر داخل ہونے تک ان کی چال کچھ اور رواں ہو گئی تھی۔

"دیکھا نا۔ ڈاکٹرز بھی یہی کہتے ہیں کہ جتنا زیادہ چلیں گے، اتنا ہی پرابلم کم ہوتی جائے گی۔ تم خوامخواہ مجھے کرسی پہ دھکیلے رہتی ہو۔"

وہ ندرت سے شکوہ کرتے برآمدے تک آ پہنچے۔ وہ بس مسکرا کر انہیں سنتی رہیں۔ توفیق اب واقعی فالج کے شدید اثر سے اسی فیصد تک باہر نکل آئے تھے۔ وہ اب ایک نارمل آدمی کی طرح اپنے سب ہی کام بنا کسی کی مدد کے، انجام دے لیتے تھے اور ندرت ان کو ایک مدت بعد گھر میں چلتے پھرتے دیکھ کر خوش ہوتی رہتی تھیں۔

"ارے بھائی جان!" رضوانہ بھائی کو آتے دیکھ کر بوکھلا کر اٹھیں۔ لیکن ندرت کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھتے انہوں نے خود کو ٹوکنے سے باز رکھا۔ پھر توفیق بھائی بھی تو کتنے نارمل انداز میں خود چل کر آ رہے تھے۔

"ماشاء اللہ۔ بہت مبارک ہو۔ بھیا تو اب بالکل خیریت سے ہیں۔ آئیں، یہاں بیٹھ جائیں۔" رضوانہ نے خود ہی کرسی ان کے نزدیک کی۔

"مامی اب ہمیں ٹریٹ دیں۔" ایلیا نے مسکرا کر ساس کو دیکھا۔ سب ہی اس وقت ہال کمرے میں بیٹھے تھے۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ اپنی اپنی پسند بتاؤ۔ میں سب بنا دوں گی۔"

وہ بے طرح خوش دکھائی دیتی تھیں۔ منصب ڈاکٹر تانیہ کو اس کے گھر چھوڑنے گیا تھا۔ اور مومن آتے ہی فریش ہونے چلا گیا تھا۔ ایلیا نے سب کے لیے چائے بنائی، ابھی سہ پہر ڈھلی تھی۔ رات کا کھانا ندرت اور ایلیا نے مل کر بنانا تھا۔

چائے پینے کے دوران ہی منصب بھی واپس آ گیا۔ جس وقت مومن نہا کر وہاں آیا سب ہی رمعہ سے پشاور کا احوال سن رہے تھے۔ وسیلہ البتہ اپنے کمرے میں ہی تھی۔ تانیہ ہی اسے اپنے روم میں لٹا

www.pklibrary.com

آئی تھی۔ باہر نکل کر تانیہ نے کچھ ضروری ہدایات سب کو دی تھیں، اور یہ بات بھی اس میں شامل تھی کہ اگر وسیلہ گھر کے کچھ لوگوں کو پسند نہیں کرتی تو اسے زبردستی گھلنے ملنے کا نہ کہا جائے کیونکہ اس کی اس وقتی حالت سے اُن سب نے بھرپور جائزہ کرنا تھا۔"

"چائے۔" ایلیا نے چائے کا کپ موسن کے آگے کیا تو اس نے پہلی مرتبہ سر اٹھا کر بغور ایلیا کو دیکھا۔ بڑے بڑے گرین پتوں والے اونی کے بلیک سوٹ میں وہ اس وقت بہت پیاری لگ رہی تھی۔ ایلیا نے نظر پڑنے پر گھبرا کے دوسری جانب دیکھا۔ سفر کی تھکاوٹ اور نہانے کی وجہ سے موسن کی آنکھیں ایک دم گلابی سی ہو رہی تھیں۔

"سردی بڑھ رہی ہے نا، ریا کا اپر اٹھانے جا رہی ہوں۔ پہلے ہی اس کو نزلہ ہے۔"

وہ اسی تیزی سے درمیانی دروازہ عبور کر گئی۔ موسن نے چائے ختم کر لی تھی۔ وہ بھی بلاوجہ مسکراتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"اوہو، میرا موبائل شاید کمرے میں رہ گیا۔" وہ تیز قدموں سے اپنے گھر کی طرف بڑھ گیا۔ ایلیا کے واپس آنے سے پہلے وہ اس تک پہنچنا چاہتا تھا اور وہی ہوا۔ وہ ریا کا اپر اٹھا کر کمرے سے نکلی تو بری طرح موسن کے سینے سے آ لگی۔

"آرام سے میری جان۔" موسن کی تو روح تک سرشار ہو گئی تھی۔

"آپ......" وہ سر اٹھا کر اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

"ہوں!" وہ اس کے شانوں سے دھکیلتے ہوئے اسے دوبارہ کمرے میں لے آیا۔ ایلیا اپنی مسکراہٹ دبا رہی تھی لیکن چہرا گلنار ہو رہا تھا۔ صاحب کی بے چینی تو ان کے انداز سے عیاں تھی۔ اس نے اندر آتے ہی پیٹھ پھیر لی۔ ہنسی روکنا بہت مشکل تھا۔

"تیار ہونے کا کیا مطلب۔" وہ اس کے پیچھے سے کھڑا چہرا اس کے کان کے قریب کیے پوچھ رہا تھا۔ "اور گھر بھی بلیک پہن لیا، تمہیں شرم نہیں آتی۔"

"پچی تیار تو نہیں ہوئی میں۔" وہ مسکرا کر وضاحت دے رہی تھی۔

"تو پھر کیوں اتنی پیاری لگ رہی ہو؟"

"کیوں جی۔ میں سادہ اچھی نہیں لگتی؟" وہ لاڈ سے پوچھنے لگی۔

"مت پوچھو، کتنی اچھی لگتی ہو۔" اس نے بازو پھیلا دیے۔

"سادہ یا تیار؟" وہ آہستہ آواز میں پوچھنے لگی۔

گزرے دو دنوں میں اس نے خود سے یہی عہد کیا تھا کہ موسن کی شوخیوں اور محبت پر اب وہ گھبرائے گی نہیں، موسن کی جھجک بھی نئی نئی تھی اور اس کی گھبراہٹ تو شاید برسوں پرانی اور دونوں مل کر ایک دوسرے کے نزدیک آنے کی راہوں میں رکاوٹ بن رہے تھے۔ چنچل کا ساتھ دیتا تھا۔ موسن اور اب ایلیا نے کشادہ دلی سے اس بڑھے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھنا تھا۔

☆☆☆

قمائزہ سے میمونہ اور انیس کی کال آئی تھی۔ میمونہ کے دیور عرفان کی شادی تھی اور انہوں نے رمشہ اور منصب کو بلایا تھا۔

وسیلہ کے گھر پہنچتے ہی منصب اور رمشہ نے جانے کی تیاری کر لی کیونکہ اگلے روز، اتوار کو انہوں نے عرفان کے ولیمہ میں شرکت کرنی تھی۔ منصب نے گھر میں سب کو بتا دیا تھا کہ وسیلہ کو چنچل کا درخت دیکھ کر کچھ یاد آنے لگا تھا اور اس نے اپنی بہن ایلیا کا بھی ذکر کیا تھا۔ اس کی بات سن کر ایلیا کو بھی وسیلہ کے سامنے لایا گیا کہ شاید اسے مزید کچھ یاد آئے لیکن وسیلہ کو صرف چند جملے اور نام ہی یاد آ سکا تھا کیونکہ ایلیا کے سامنے آنے پر، وہ اسی اجنبیت بلکہ ناپسندیدگی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

وسیلہ کے سو جانے کے بعد ایلیا اور رمشہ بہت دیر تک یہ پلان بناتے رہے تھے کہ وسیلہ کی یادداشت واپس لانے کے لیے کیسے اقدامات پر عمل

www.pklibrary.com

کرنا چاہیے۔

☆☆☆

مومن نے گاڑی گھر کے پورچ میں روک کر کچھ ضروری سامان، فی الحال گاڑی کے اندر ہی رہنے دیا۔ وہ منصب اور رمشہ کی روانگی کے وقت ان کی جیپ کے ساتھ ہی اپنی گاڑی میں یہ کہہ کر بازار تک آ گیا تھا کہ اسے کچھ ضروری سامان لینا ہے۔ منصب تو رمشہ کے ساتھ جیپ لیے آگے بڑھ گیا اور وہ بازار میں ہی گھوم پھر کر کچھ چیزیں لیتے، قریب نو بجے گھر واپس آیا۔ جب اپنے کمرے میں آیا تو بچوں کے روم کی لائٹ آف ملی اور خاموشی بتاتی تھی کہ بچے سو چکے ہیں۔ اس نے مسکرا کر کچھ سوچا، اپنے کمرے کی لائٹ بھی آف رہنے دی۔ اور دبے پاؤں واپس آ کر سامان کے تھیلے اٹھا لیے۔

مومن نے سرخ گلابوں کا گل دستہ سائیڈ ٹیبل پہ رکھ کر دوسرے تھیلے سے گلاب کی پتیاں نکال کر اپنے بیڈ کو سجایا۔ خوب صورت کینڈلز کو دور رکھی میزوں پر سجا کر وارڈ روب سے ایلیا کے لیے ایک سرخ لباس منتخب کیا۔ یہ سرخ لباس اگرچہ دلہن کا روایتی سرخ لباس نہیں تھا۔ بلکہ ایلیا کا سرما کا ایک میرون اور ریڈ ڈریس تھا، جو شاید اس نے ایک بار کہیں آتے جاتے ہی پہنا تھا، اسے بہت خوب صورت لگا تھا لیکن ایلیا سے دوبارہ کبھی کہنے کی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ یہ لباس زیادہ پہنا کرے۔ آج رات کے لیے البتہ اس کا انتخاب اسے بہت ہی مناسب لگا۔ لباس کو پلنگ کے کنارے رکھا اور اپنے لیے لائٹ آسمانی کرتا شلوار لے کر واش روم چلا گیا۔ اور مختصر سے وقت میں واپس آ کر موبائل اٹھایا۔ تھوڑی سوچ بچار کی، بالآخر ایلیا کے موبائل پر کال کر دی۔

ایلیا کی بچوں کو سلاتے اکثر آنکھ لگ جایا کرتی تھی لیکن ابھی کچھ دیر پہلے اس کی شاید کسی کھٹکے سے آنکھ کھلی تھی۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا جو ہلکا سا کھلا ہوا تھا۔ بڑے کمرے کی لائٹ آف دکھائی دی جس کا مطلب تھا، مومن ابھی نہیں آیا۔ وہ اب باہر نکلنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ مومن کی طرف سے موبائل پر کال آنے لگی۔ ایلیا کا دل پریشانی سے دھڑک اٹھا۔

"یا اللہ خیر۔ یہ کہاں سے کال کر رہے ہیں۔ کہیں گیٹ پر تو نہیں آئے ہوئے۔" وہ بنا دوپٹے کے ہی باہر بھاگی اور چھوٹے کمرے کے دروازے سے نکلتے ہی بڑے روم کے دروازے تک پہنچی۔ ہاتھ ہینڈل پہ تھا جب پیچھے کمرے سے مومن کے ہلکا سا کھانسنے کی آواز آئی

"آپ۔" وہ چونک کر پلٹی۔ کمرے میں نائٹ بلب جل رہا تھا اور مومن کا دھندلا سا عکس سامنے صوفے پر دکھائی دیا۔

"آپ آ گئے میں سمجھی، گیٹ پر بلا رہے ہیں۔" اس نے گہرا سکون کا سانس لیا۔ اس دوران مومن اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آ گیا۔

"بلا تو رہا ہوں لیکن گیٹ پر نہیں۔"

"آپ آئے کب۔ مجھے تو پتا ہی نہیں چلا۔" وہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"لائٹ آن کرو۔" وہ بنا اس کی بات کا جواب دیے اسے دیکھے جا رہا تھا۔

"ہاں لائٹ......" وہ بھی چونکی اور سوئچ بورڈ کی طرف بڑھ گئی۔ لائٹ آن کر کے پلٹی تو پہلی نظر بیڈ پر پڑی۔ اس کا ریڈ اور میرون سوٹ کنارے پہ رکھا تھا۔ اور لائٹ گرے بیڈ شیٹ پر سرخ گلابی پتیاں، اس کے گلے میں کچھ پھنسا، مومن کی طرف تو دیکھا ہی نہیں گیا۔ مومن نے اس کا سوٹ اٹھایا اور قریب آیا

"جاؤ، یہ چینج کرو۔"

"جی......" اس نے ہینگر کو تھاما اور فوراً پلٹنے لگی۔

"جلدی آنا، میں تمہارا ویٹ کر رہا ہوں۔"

اس نے ہینگر کو دوبارہ تھوڑا کھینچ کر تنبیہ کی اور وہ گھبرا کر پھر پلٹ گئی۔ آنکھوں کے بھی کئی رنگ کئی لہجے بے شمار موڈ ہوتے ہیں۔ وہ کچھ مدت ہوئی اب ان

www.pklibrary.com

آنکھوں میں محبت، شوخی، مستی خیزی اور اندرونی
مزاج کے کچھ بہت گہرے رنگوں کو الگ کرنا بھی سیکھ
گئی تھی۔ آج کا رنگ البتہ مومن کے مزاج کے ایک
بالکل نئے رنگ سے آشنا کروا گیا۔ ایلیا کی سانسیں
اس رنگ کی گہرائی میں ڈوبتی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ
مومن کو زیادہ انتظار نہ کرواتے کچھ ہی دیر میں واپس
آ گئی۔

سائیڈ ٹیبل کے گلدستے پر نظر پڑی تو ایلیا نے
مسکراتے ہوئے ان پھولوں کو اٹھا لیا۔ وجہ کچھ اپنی
گھبراہٹ پہ قابو پانا بھی تھا۔

"خوب صورت ہے؟" مومن مسکراتے
ہوئے اس کے نزدیک آیا

"جی۔ مجھے ایسے ڈیپ ریڈ روز بہت پسند ہیں
جن کی تہوں سے کالا رنگ جھلکنے لگتا ہے۔" وہ ایک
گلاب کو باہر نکال کر قدرت کی اس حسین تخلیق کو سراہ
رہی تھی۔

"بالوں میں لگا دوں؟" مومن نے ایک
گلاب نکالتے ایلیا سے اجازت چاہی۔

"آپ کو اچھا لگتا ہے؟" وہ ہنستے ہوئے پوچھ
رہی تھی۔

"ہاں، بہت۔" اس نے پھول کی لمبی سبز
ڈنڈی کو کاٹا اور ایلیا کے ہیئر بینڈ میں پھول اٹکا دیا
"اور ایسی بہت سی باتیں ہیں جو مجھے پسند تو تھیں لیکن
مجھے ان کا ادراک اب ہو رہا ہے۔" اس نے دراز
کھول کر ایک خاکی لفافہ نکالا اور اس میں سے یاسمین
اور گلاب کے گجرے نکال کر باری باری ایلیا کی
کلائیوں میں پہنا دیے۔ وہ حیرت سے مسکرا کر دیکھ
رہی تھی۔

"کہیں تمہیں تو یہ سب عجیب نہیں لگتا۔" اس
نے کچھ شرمندہ سا ہو کر سر کھجایا۔ اسے لگا، آج کل کی
کالج گرلز کا مزاج تو بالکل ہی الگ سا ہوتا ہے۔

"آپ کی کوئی بات بری نہیں لگتی۔" وہ
سر جھکائے اپنے گجرے سے کھیل رہی تھی۔

"کب سے؟" مومن نے کچھ دیر رک کر
بہت سوچ کر ایک سوال کیا۔ ایلیا نے بے ساختہ
سر اٹھایا، مومن کے چہرے پر ہلکی مسکراہٹ اور نظر
میں بہت گہرا سوال تھا۔ ایلیا جانتی تھی، مومن کو اب
تک اپنے اس سوال کا جواب نہیں مل پایا تھا۔ مومن
اس دوران ایلیا کا ہاتھ پکڑ کر بیڈ تک آیا اور بیڈ کے
کنارے پر بیٹھتے اسے بھی اپنے سامنے بٹھا لیا۔

"بتاؤ نا ایلیا۔ کب سے۔"

"ویسے تو ہمیشہ سے، بچپن سے۔ لیکن۔" اس کا
لہجہ ہلکا سا کپکپا گیا "تب تیرہ برس کی عمر سے۔ جب
ہم۔ مرغزار گھومنے گئے تھے۔ اونچائی پر چڑھتے
آپ نے میرا ہاتھ مضبوطی سے تھام رکھا تھا، آپ کو
لگتا تھا میں گر جاؤں گی۔ پھر جب ہم اوپر آ گئے آپ
کو تب بھی سب سے زیادہ فکر میری طرف سے لاحق
تھی۔ آپ کو لگتا میں اچانک کسی کھائی کی طرف دوڑ
جاؤں گی۔" وہ اب روانی سے مسکرا کر بتا رہی تھی۔
مومن کو بھی وہ تو یاد آ گیا۔ اس نے مسکرا کر ایلیا کو
دیکھا

"تو...... تم نے تب سے خط لکھنا شروع کیے
تھے۔"

"جی۔" اس نے مسکرا کر سر ہلایا "واپس آنے
کے کچھ دن بعد کی بات ہے، آپ نے مجھے کسی بات
پر ڈانٹا تو میں نے پہلی بار آپ کو خط لکھ کر اپنی ڈائری
میں چھپا لیا۔ اس میں نے آپ کو لکھا کہ مجھے سڑو
مومن بالکل اچھے نہیں لگتے۔ آپ صرف مرغزار
والے مومن بن کر رہا کریں۔ لیکن ظاہر ہے کہ آپ کو
بھیجا نہیں۔"

"ہوں۔ تو اندازاً کتنے خط تھے؟" وہ دلچسپی
سے پوچھ رہا تھا۔

"جی، وہ تو میں اکثر ہی لکھ لیتی تھی۔ ہوں گے
پچاس ساٹھ۔" وہ شرارت سے مسکرا رہی تھی۔

"تو ضائع کیوں کیے۔ اور کب؟"

"وہ تو......" ایلیا ایک دم ہی چپ ہو گئی۔
چہرے پر مسکراہٹ بھی نہیں تھی۔ مومن نے تعجب
سے دیکھا اور خاموشی سے جواب کا منتظر رہا۔

www.pklibrary.com

"مجھے پتا نہیں تھا کہ آپ کا اور تحریم آپی کا بچپن سے رشتہ طے ہے۔"

"اچھا۔ واقعی۔" مومن کے لیے یہ نئی بات تھی۔ "لیکن یہاں تو سب کو اس بات کا پتا تھا۔"

"جی، پر مجھے دسویں جماعت میں پتا چلا۔ آپ کی شادی سے کوئی سال بھر پہلے۔ میرے سامنے بھی کسی نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ امی ہی ہمیشہ بہت محتاط رہتی تھیں کہ گھر کے بچوں کے سامنے سنجیدہ باتیں نہ کی جائیں۔ خیر میں نے تب ہی سارے خط بھی پھاڑ دیے تھے اور اپنی سوچ کو بھی خود اپنی کوشش سے تبدیل کر لیا تھا۔"

"بہت مشکل ہوا ہوگا؟" وہ اسے توجہ سے دیکھ رہا تھا۔ ایلیا نے بس ہلکا سا سر اثبات میں ہلا دیا۔

"اتنی کم عمری میں بنا کسی کو کچھ بھی بتائے کیا ایسے جذباتی مسائل سے بندہ اکیلے نمٹ لیتا ہے؟"

وہ حیران ہو کر پوچھ رہا تھا۔

"جب درد ملتا ہے تو اللہ پاک اسے اٹھانے کی طاقت بھی عطا فرما دیتا ہے۔"

"تو مطلب دریا میں جاتی کار کی چھت پر چھلانگ یونہی نہیں لگی۔"

وہ آنکھوں میں بڑی انوکھی سی چمک لیے مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا "ہم سب بے وقوف تھے ایلیا! جو اتنی سی بات سمجھ نہیں پائے۔ حالانکہ انسان کا ہر وہ عمل جو بالکل بے اختیاری میں سرزد ہوتا ہے۔ وہ لاشعور میں چھپے اس جذبے کا پتا دیتا ہے جس کے نتیجے میں وہ عمل ہم نے انجام دیا تھا۔ جس طرح نفرت اور غصے میں بندہ بے اختیار گلے پر ہاتھ اٹھا دیتا ہے، بس اسی طرح محبت میں۔" وہ کچھ دیر کے لیے رکا پھر شرارت نے اندر گدگدی کی۔ "ڈوبتی کار کی چھت پر۔" وہ اسے یاد دلاتے کھل کر ہنس پڑا۔ ایلیا نے منہ پھلا لیا۔

"اب آپ تنگ کیا کریں گے مجھے۔"

"ہاں، دن میں کئی کئی بار۔" وہ ہنسا تو ایلیا اٹھنے لگی لیکن مومن نے کھینچ کر بٹھا لیا "اب میں خوش ہوں تو تم سے میری خوشی دیکھی نہیں جا رہی۔ ہاں؟

مجھے بتاؤ تم نے ایسا مومن احمد پہلے دیکھا تھا کیا؟"

"نہیں۔" وہ بھی شرما کر تائید کرنے لگی۔

"پتا ہے ایلیا! مجھے تحریم کہتی تھی کہ آپ ہر بات دل میں رکھتے ہیں، اور صرف تحریم نہیں، میرے متعلق ہر ایک کا یہی خیال تھا لیکن سچ تو یہ ہے ایلیا کہ تب میرے اندر کوئی گہرائی تھی ہی نہیں، کوئی جذبہ بہت شدت سے کبھی محسوس ہی نہیں ہوا۔ سب کچھ لگا بندھا ایک معمول پر چلتا ہوا سا تھا۔ مجھے ایسے انوکھے احساسات سے تم نے متعارف کروایا۔"

"وہ کیسے؟" اب وہ دلچسپی سے مومن کو دیکھ رہی تھی۔

"محبت میں کب اور کیسے کے جامع جواب کبھی نہیں ملتے کیونکہ یہ جذبات، بڑے ہی دبے پاؤں چپکے سے دل کی زمین پر پڑتے ہیں، یہ تو بس اچانک ایک دن خود ہم پر بھی انکشاف بن کر اترتے ہیں کہ یہی تو ہے وہ۔ زمانہ جسے محبت کہتا ہے اور بالآخر اس نے ہمیں بھی آ لیا۔"

"آپ کا "درد" کہیں یہی تو نہیں کہ اس نے آپ کو بھی آ لیا۔" ایلیا نے بے ساختہ پوچھا لہجے میں البتہ شرارت چھپی تھی، مومن نے قہقہہ لگایا۔

"نہیں بدتمیز لڑکی! میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ خوب صورت جذبہ بھلے ہر دل میں پلتا ہے لیکن وقت کا تعین نصیب سے ہوتا ہے۔ تیرہ اگر بہت ابتدائی عمر ہے تو تینتیس چونتیس بہت زیادہ لیکن عجب اتفاق ہے کہ دونوں دل ایک دوسرے پر جینے مرنے کے لیے بنے تھے۔

کہو ایلیا..... ہمیشہ ساتھ دو گی نا۔" مومن نے اپنی ہتھیلی اس کے سامنے کھولی۔ جس پر ایلیا نے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ رکھ کر سر اثبات میں ہلایا اور مومن نے اسی ہاتھ کو کھینچ کر ایلیا کو اپنے قریب کیا۔

"خوش تو ہو نا ایلیا؟"

"جی میں خوش ہوں، بہت خوش، بس اب دعا ہے مومن جی! سب پہلے جیسا ہو جائے۔" وہ اس کے سینے سے سر ٹکائے ہوئے کہہ رہی تھی۔

www.pklibrary.com

"پھر کہو۔" مومن نے اس کی تھوڑی اونچی کی۔ وہ حیرت سے دیکھنے لگی۔

"دعا ہے سب۔"

"نہیں اُس سے پہلے کیا کہا۔"

"اُس سے پہلے۔" وہ سوچ میں پڑ گئی، پھر کچھ آنے پر سر مومن کے سینے میں چھپایا "مومن جی۔"

"بہت اچھا لگتا ہے۔ کہا کرو۔"

"اور آپ بھی مجھے۔ جب۔" وہ روانی میں کہتے کہتے رک گئی، مومن نے حیرت سے اس کا چہرا دیکھا "میں۔ کیا کہتا ہوں تمہیں؟" اسے تو خود بھی یاد نہیں تھا۔

"ایلا۔" اس نے شرمائے شرمائے لہجے میں یاد دلایا تو مومن بھی ہنس دیا۔

"پتا ہے۔ جب بھی تمہیں ایلا کہا، بہت بے ساختہ بہت اندر سے نکلا۔"

"اور وہ کیا بات تھی۔ جو اس دن مجھے ڈانٹتے وقت کہی تھی، جب میں امی کے گھر فرش وغیرہ دھو رہی تھی۔"

"وہ۔" مومن نے دہ کولمبا کیا "اسی وقت بتا تو دی تھی۔" وہ تھوڑا سا جھینپ گیا۔

"جی۔ لیکن میری سمجھ میں کہاں آئی تھی۔" وہ اضطراری کیفیت میں اس کی آستین کا بٹن کھول بند کر رہی تھی۔

"سمجھ میں کیوں نہیں آئی؟"

"تحریم آپی آپ کی بیوی تھیں کیا آپ کو ان سے محبت نہیں تھی؟"

"یہی بات تو میں سمجھا رہا تھا میری جان، رشتے لائف میں لگے بندھے معمول کی طرح ہوتے ہیں۔ امی کا بچپن سے یہ کہنا کہ وہ تحریم کو اپنی بہو بنائیں گی۔ سن کر میں نے اپنا ذہن بنالیا تھا کہ جو امی نے کہا۔ وہی کرنا ہے۔ شادی کے بعد وابستگی ضرور پیدا ہوئی۔ جسے محبت بھی کہہ سکتے ہیں لیکن تمہارے آنے کے بعد جو آہستہ آہستہ میرے جذبات بدلے، انہیں محسوس کرنے تک کا ہر لمحہ انکشاف جیسا تھا۔

تمہارے دور جانے پر جس طرح میں نے تمہاری کمی کو محسوس کیا۔ رات کو سارے کام کاج نمٹا لینے کے بعد تمہارا کمرے میں آنا میرے لیے ہر لمحہ ایک نیا ہوتا تھا۔"

"اور میں سوچتی تھی کہ نجانے اس نفرت کو ختم کرنے میں میری کتنی عمر خرچ ہو جائے گی۔"

"جانتی ہو ایلیا، مجھے سب سے زیادہ تم میں کیا پسند ہے؟"

"ہوں؟" اُس نے حیران ہو کر خاموشی سے مومن کو دیکھا۔

"ایک روز تم سامنے بیٹھی میرا بیگ بنا رہی تھیں۔ جب میں امی اور ابو کو اسلام آباد چھوڑنے جا رہا تھا۔"

"جی یاد ہے۔" ایلیا کو یاد آیا، وہ اس روز یہ سمجھ رہی تھی کہ مومن بھی پندرہ دنوں کے لیے جا رہے ہیں۔

"میں نے تم سے کہا کہ اپنی امی کو میٹرس کے متعلق جھوٹ بولنا۔"

"جی یاد ہے۔" وہ مسکرا دی۔

"تب تم نے "جی" کہہ کر نظریں جھکائیں تو میں نے پہلی بار تمہیں بہت غور سے دیکھا تھا۔ میں یونہی بے ارادہ تم پر نظریں جمائے بیٹھا تھا لیکن پہلی بار میرے اندر ایک خیال پیدا ہوا کہ ایلیا کی آنکھیں بہت خوب صورت ہیں۔ اور جب وہ آنکھیں جھکاتی ہے تو دل بھی جیسے ڈوبنے لگتا ہے، اور اس کا شرمانا اپنی طرف کھینچتا ہوا سا کیوں لگتا ہے۔ تب میں بہت گھبرا کر اٹھ گیا کہ نجانے یہ کیسے اول فول خیالات آتے جا رہے ہیں۔"

"اول فول کیوں۔ میں تب بھی بیوی تھی آپ کی۔"

"وہی تو۔ میری پگلی سی وائف۔" مومن نے انگلی اس کی ناک پر بجائی۔ "ہمارا ایک دوسرے کی زندگی میں شامل ہونا چونکہ عام کپلز سے بہت ہٹ کر رہا ہے تو اس لیے یہ لفظ "بیوی" بیزار کن سے انتہا کا

www.pklibrary.com

خوش کن یونہی نہیں بن گیا، ہر لمحہ میں نے اس میں ایک نیا پن محسوس کیا۔ تم جب میرے آس پاس نہیں ہوتی تھیں تو میں سوچتا یہ چھوٹی سی مونو میری بیوی ہے۔" وہ اپنی ہی بات پر ہنسا تو الیا نے کشن اس کے کندھے پر مارا۔

"مجھے پتا تھا ایک دن یہ بات ضرور کہیں گے۔" وہ تحریم اور دیلہ جیسی لمبی پتلی نہ تھی۔ اس کا جسم نسبتاً بھرا ہوا اور قد درمیانہ تھا۔

"اور مجھے تو اب پتا چلا کہ یہی میری پسند ہے۔" وہ شوخی سے کہتے اس کے قریب ہوا۔

☆☆☆

منصب اور رمشہ رات کو تھانہ پہنچے۔ اگلے روز میمونہ کے دیور عرفان کا ولیمہ تھا۔ اتوار کی دوپہر ولیمہ اٹینڈ کرنے میں گزری۔

منصب کی وہیں راشد سے ملاقات ہوئی۔ اس وقت اگرچہ وہ سب بہت سارے دوستوں میں گھرے بیٹھے تھے اور کسی خاص گفتگو کا موقع نہ تھا تو راشد نے اجازت لیتے وقت، چپکے سے اشارہ دیا تھا کہ اسے منصب کو کچھ بہت خاص بتانا ہے۔

منصب کے لیے اس کا کہنا ہی کافی تھا۔ راشد سے ماضی میں وہ ارحم سے متعلق معلومات لیتا رہا تھا۔ اس نے کال کر کے میمونہ سے کہا کہ رمشہ کو وہ اپنے ساتھ ہی رکھے۔ وہ ایک دوست سے مل کر گھر آئے گا۔ پھر ولیمہ ختم ہونے پر وہ راشد کے ساتھ ہی وہاں سے نکل آیا۔

راشد اسے اپنی کار میں اپنے ڈیرے لے آیا۔ یہاں کے کلچر میں تقریباً ہر گھر میں مردانہ حصہ موجود ہوتا ہے۔ وہ راشد کے ساتھ اس کی مردانہ بیٹھک میں اکیلا تھا۔ راشد بلاوجہ ہی آؤ بھگت میں لگ گیا۔

"یہ سب چھوڑ دو یار! ابھی اتنے ڈٹ کر ولیمہ کھایا ہے۔" منصب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھالیا۔

"کھانے کے بعد چائے کا اپنا مزا ہے۔" وہ بھی مسکراتے ہوئے بیٹھ گیا۔

"ہاں لیکن صرف چائے۔ اوکے تو اب سناؤ۔ کیا حالات ہیں حویلی کے؟"

"یار! بڑی دھوم مچی ہے آج کل کسی پہاڑی حسینہ کی۔" وہ بھی سسپنس پھیلاتے نزدیک آبیٹھا، منصب پہلے ہی جملے پر چونک گیا۔

"کیا مطلب۔ یار میں ارحم خان کی بات کر رہا ہوں، اس کی حویلی؟"

"میں بھی اسی کی بات کر رہا ہوں میرے بھائی۔۔ اور مجھے لگا شاید تمہیں بھی اڑتی اڑتی خبر مل چکی ہوگی کچھ، لیکن بالکل ہی بے خبر لگتے ہو۔ تو سنو۔" راشد نزدیک ہو بیٹھا۔

"ارحم خان کی حویلی میں آج کل ایک عورت گھومتی پھرتی ہے۔ پر کشش ہے اور ہماری پشتو سے کچھ الگ پہاڑی زبان بولتی ہے۔ ارحم خان کا ڈرائیور فرمان میرا جاننے والا ہے۔ ایک دن خود ہی مزے لے کے بتا رہا تھا کہ پرانی بہو تو میکے میں بیمار پڑی ہے اور ارحم خان نئی بیوی لے آیا ہے۔"

"اچھا...... کب سے؟" منصب کے لیے یہ بالکل نئی بات تھی۔

"بس یہی کوئی مہینہ بھر سے۔ ویسے اس لڑکی کو چھپانے کی بڑی کوششیں ہو رہی ہیں۔ کہیں آنے جانے نہیں دیا جاتا۔ نہ ہی ارحم نے کھل کر کسی سے بات کی ہے۔ خفیہ رکھا جا رہا ہے معاملے کو۔ اب پتا نہیں بیوی ہے بھی کہ نہیں۔"

"ہوں...... منصب کا لہجہ پرسوچ ہوا" اور اس کے علاوہ کوئی بات؟"

"بس یہ ارحم خان کی شادیوں کے معاملے شروع سے بڑے مشکوک ہیں۔ نہ پہلی بیوی کو کسی نے دیکھا نہ یہ اب والا معمہ کسی کی سمجھ میں آ رہا ہے۔"

"لیکن یہ کیسے پتا چلا کہ وہ ارحم کی بیوی ہے۔ کیا پتا، بی بی کی کوئی رشتہ دار ہو اور کسی وجہ سے آئی ہوئی ہو۔"

"اگر ایسا ہوتا میرے بھائی، تو اس کو چھپانے کا کیا مطلب اور فرمان بتاتا ہے کہ وہ ارحم کے ساتھ گاڑی میں اکیلے گھومنے جاتی ہے۔ وہ حویلی کے

www.pklibrary.com

اندر کا بندہ ہے۔ پورے وثوق سے یونہی نہیں کہہ رہا تھا۔ کہتا ہے چترال کی پہاڑی زبان بولتی ہے دیکھنا منصب! یہ وہی چترالی لڑکی نکلے گی، جس کے قصے خود سنایا کرتا تھا۔ بالآخر اس کو لے ہی آیا۔ اچھا ویسے تمہارا کیا انٹرسٹ تھا اس سارے معاملے میں؟" راشد کو اچانک خیال آیا۔ "پولیس کا کچھ معاملہ ہے؟"

"ہاں پولیس کا ہی سمجھ لو۔ دراصل اس کی بیوی جس کا تم بتا رہے تھے کہ بیمار ہے۔ اس کے میکے میں میرا ملنا جلنا ہے۔"

"اچھا....." راشد کو حیرت ہوئی۔ "یار! پھر تو وہ بہت کچھ جانتی ہوگی۔ تو وہ۔"

"نہیں..... اس کا دماغی علاج ہو رہا ہے۔ ابھی وہ کچھ بتانے کی حالت میں نہیں۔ اس لیے بھی یہاں کی باتیں جاننا بہت ضروری ہے کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔" منصب نے سہولت سے راشد کو بتا دیا، کیونکہ راشد بہت دیرینہ، قابل اعتماد دوست تھا۔ وہ بھی سنجیدگی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔

"یار! ایک تو تم دور بہت چلے گئے ہو، ملنا جلنا بھی دیکھو کیسے اتفاق سے ہو پاتا ہے۔"

"تو تم آجایا کرو میاندم۔ کسی نے روکا ہے۔" منصب ہنس دیا۔

"ہاں، امی کہہ رہی تھیں۔ جائیں گے۔ لیکن پہلے شاید یہاں تمہاری بڑی سسٹر سے ملنا چاہتی ہیں۔" وہ کچھ کہتے کہتے رُکا۔

"اچھا؟ منصب کو اس کی بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی "میمونہ سے، کچھ کام تھا؟"

"آں۔ وہ تو شاید امی کو۔" وہ گڑبڑا کر موضوع بدلتے اسے اپنی نئی بارگین کے متعلق بتانے لگا اور منصب کا دھیان بھی یکسر بدل گیا۔

☆☆☆

"سب کچھ ہی بہت مشکوک ہے منصب! لیکن کہاں سے کون سا سرا پکڑا جائے، کچھ سمجھ میں ہی نہیں آتا۔"

"سب ہی مسئلوں کا حل تو وسیلہ کے ٹھیک ہونے میں ہی ہے تانیہ!" اس نے ایک سرد آہ کھینچی۔

"میں بالکل مایوس نہیں ہوں اس معاملے میں، ڈاکٹر نے کہا ہے ذہنی زخم بہت معمولی ہے، اب تو سمجھو، جو بھی کوشش کرنی ہے، ہمیں خود کرنی ہے۔" تانیہ ہرگز مایوس نہ تھی، لہجہ بھی پرجوش اور جذبے سے بھرپور تھا۔

"مومن کہہ رہا تھا، کہ ہمیں وسیلہ کو کہیں باہر لے جانا چاہیے۔ گھر کے بند ماحول میں بیٹھ کر بہت انتظار کر لیا۔ لیکن اسے لگتا ہے، وسیلہ کی یادوں کو کچھ زیادہ پیچھے سے اُٹھانا چاہیے۔"

"مطلب؟"

"ابھی کل ایلیا مشورہ دے رہی تھی کہ کالام جانا چاہیے، کیونکہ وسیلہ کی شادی سے کچھ عرصہ پہلے ہی سب کالام گئے تھے لیکن مومن نے اس بات کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ وسیلہ کو، زیادہ قریب کی باتیں یاد نہیں ہیں۔ بہت ماضی کی باتیں پھر بھی، اس کے ذہن سے ٹکرا رہی ہیں تو کیوں نہ اس کو پرانی باتیں یاد دلانے پر فوکس کیا جائے۔"

"مومن کی سوچ بھی درست ہوگی اپنی جگہ۔ لیکن مجھے لگتا ہے اسے کم پرانی باتیں بھی پریشان ضرور کرتی ہیں۔ جیسے اس نے مجھ سے کہا کہ وہ کسی تہہ خانے میں تھی اور کچھ عورتیں اس پر ظلم کرتی تھیں۔"

"ہاں لیکن وہ عورتیں کون تھیں اور کیوں اس کی دشمن تھیں، یہ سب اسے بالکل یاد نہیں۔ اور پچھلے دنوں ہی میری وردی کے ذکر پر بھی اس نے بے ساختہ یہی کہا کہ اسے وردی کے نام پر بھی، کوئی بات ہے جو یاد آ کر رہ جاتی ہے۔ خیر۔" وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"مومن نے جہاں کا پروگرام بنایا ہے، ہم اس کے ساتھ ہیں۔ دیکھتے ہیں اس ٹور کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔"

"مجھے لگتا ہے، سب بہتری کی طرف جا رہا ہے۔"

www.pklibrary.com

"بالکل۔ جانا بھی چاہیے، آخر ہماری ڈاکٹر صاحبہ اتنی محنت کر رہی ہیں۔"

"میں تو صرف ایک کوشش کر رہی ہوں منیب! لیکن تمہاری بات وہیں رہ گئی۔" وہ بھی کھڑی ہو چکی تھی۔ دونوں اس وقت رضوانہ کے گھر پر تھے۔ تانیہ کچھ دیر پہلے وسیلہ سے مل کر آئی تھی۔ اب منیب سے اس کی تفصیلی بات ہوئی تھی۔ جس میں منیب نے اسے وسیلہ کے حوالے سے راشد کی باتیں بتائی تھیں۔

"کون سی بات؟" منیب سوچ میں پڑ گیا۔

"میرا مطلب ہے تمہارے دوست نے تمہیں ارحم کے متعلق اتنی اہم باتیں بتائی ہیں۔ تو تمہیں کیا لگتا ہے، اس بارے میں مزید کیا کیا جا سکتا ہے۔"

"دل تو چاہتا ہے ڈائریکٹ حویلی پر چھاپہ ماردوں، ارحم خان کی ساری پول کھل جائے لیکن قانونی باریکیاں ہاتھ باندھ دیتی ہیں۔ میں نے کہا نا تانیہ ہر مسئلے کا حل وسیلہ کی یادداشت واپس آنے اور اس کی طرف سے ایک ٹھوس بیان دیے جانے میں ہے۔"

"ان شاء اللہ وہ وقت بھی جلد آجائے گا۔ پریشان مت ہو۔"

"ہوں۔ آجاؤ، تمہیں چھوڑ دوں۔ وہ اس سے پہلے باہر نکل گیا۔"

☆☆☆

مومن نے آفس سے آکر اپنا سامان رکھا، کپڑے بھی تبدیل کر لیے لیکن ہر طرف مکمل خاموشی تھی۔ نہ بچے دکھائی دیتے تھے نہ ایلیا۔ وہ آتشیں اوچی کرتا باہر آیا۔ امی ابو کا کمرا بھی خالی ملا، وہ حیران ہوتا برآمدے کا دروازہ کھولتے باہر آنے لگا جب ایلیا درمیانی دروازے سے اس گھر میں داخل ہوتی نظر آئی۔ مومن کی دن بھر کے بعد اب ملاقات ہو رہی تھی۔ دل اسے دیکھ کر ہی شاد ہو گیا۔ اس نے اپنی ہنسی روکی اور اسے قریب آنے دیا۔

"کمال ہے، یہاں کسی کو احساس ہی نہیں کہ کسی تھکے ہارے کے، آفس سے آنے کا وقت ہے۔" وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

"جی۔ میں اسی لیے آئی ہوں۔" وہ گھبرا گئی۔ مومن کی آنکھوں میں تو پہلے ہی دیکھا نہیں جا رہا تھا۔

"امی! ابو کہاں ہیں؟" وہ بغور ایلیا کو دیکھ رہا تھا۔ آسمانی گلابی لائٹ پرنٹڈ سوٹ میں، وہ بہت فریش لیکن مومن کی نظروں سے پریشان کچھ نروس سی کھڑی تھی۔

"جی۔ ابھی کھانے کے بعد امی کی طرف گئے ہیں۔ ماموں صبح سے ایک ہی جگہ بیٹھے تھے۔ اب ان کا کچھ چلنے پھرنے کا دل چاہ رہا تھا۔ اس لیے امی کی طرف چلے گئے۔" اس نے ساری بات نیچے دیکھتے مکمل کی۔

"اور بچے؟"

"جی، وہ بھی اُدھر ہی ہیں۔"

"مطلب۔ ادھر طرف ابھی اور کوئی نہیں ہے؟" وہ بولا تو شاید لفظی شرارت کے موڈ میں نہ آتا لیکن ایلیا کی گھبراہٹ خود بخود اکسا رہی تھی۔ اس نے بڑھ کر ایلیا کا ہاتھ بھی تھام لیا تھا۔

"تو......؟" وہ بے ساختہ پوچھ بیٹھی جس پر مومن نے قہقہہ لگایا۔

"تو یہ میری جان، کہ دل بے چارا فرصت کے لمحات کا ترسا ہوا ہے۔ اس لیے تمہیں سامنے بٹھا کر دیکھیں گے، تمہیں سنیں گے۔ اور بس ابھی کے لیے یہی میری خوراک ہے۔ کہ فی الحال میرا نہ تو کچھ کھانے کا موڈ ہے نہ کسی کے ساتھ باتیں کرنے کا۔ اس لیے میں تو اپنے کمرے میں جاؤں گا۔ تمہاری اپنی مرضی ہے۔"

اس نے کہہ کر ایلیا کا ہاتھ بھی چھوڑ دیا اور کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ ایلیا نے کچھ دیر تک اس کی پشت کو دیکھا پھر پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ مومن کمرے میں آکر پلٹا تو وہ بھی دروازے میں کھڑی تھی۔ مومن نے سوالیہ ابرو اٹھایا۔

"کچھ ڈسکس کرنا تھا۔ لیکن آپ کا تو بولنے کا موڈ نہیں ہے۔"

"سننے کا تو ہے۔" وہ مسکرایا" وہ بھی صرف تمہیں، آجاؤ۔ اس نے ہاتھ پکڑ کر ایلیا کو اپنے پاس بٹھا لیا۔" اس بار ایلیا بھی مسکرا دی۔

"دراصل میں وہاں سب پروگرام ڈسکس

www.pklibrary.com

کر رہے ہیں۔ مرغزار جانے کا۔"

"اچھا۔ کب؟"

"جی وہی تو آپ سے پوچھنا تھا۔"

"سنڈے کے علاوہ تو نہیں ہو سکتا۔ منصب بھی ڈیوٹی والا ہے۔"

"جی یہی کہہ رہے تھے لیکن بات یہ ہو رہی تھی کہ ایک ہی وہیکل ہو۔ مطلب کوئی کوچ وغیرہ۔ سب ایک ساتھ ہوں تو صحیح ہے۔"

"ہاں یہ تو صحیح ہے۔ کرتے ہیں پتا اور جا کون کون رہا ہے۔"

"جی، ہم سب گھر والے اور ڈاکٹر تانیہ۔"

"اور دادی؟"

"وہ نہیں جانا چاہتیں۔ کہتی ہیں۔ گھر پہ ریسٹ کروں گی۔"

"پاپا؟" اسے خیال آیا۔

"وہ بھی نہیں جا رہے۔ پھر ان کی وجہ سے امی نے کہا کہ میں بھی نہیں جاتی لیکن ماموں نے منع کر دیا۔ کہتے ہیں اب میں رہ سکتا ہوں۔"

"ہاں الحمدللہ۔ وہ خوش ہوتے ہیں اب اپنی صحت کی بحالی پر۔ کسی کی مدد لینا ایسے میں اچھا نہیں لگتا۔"

"تو اسی سنڈے کا ڈن کر دیں۔؟"

"جی امی تو۔۔۔ کیونکہ چھ سال بعد میں ایک بار پھر وہاں جانے کے لیے، بہت بے تاب ہوں جہاں کسی کا ہاتھ پکڑنا میرے لیے اتنا خوش آئند ثابت ہوا تھا۔" اس نے پیار سے ایلیا کا ہاتھ تھام رکھا تھا اور اسے دھیرے دھیرے سہلا رہا تھا۔

"اس بار نہ پکڑ لیں، سب کے سامنے۔" وہ شرما کر تنبیہہ کر رہی تھی۔

"اتنا کیوں گھبراتی ہو سب سے۔ میں تو اس بار بھی تھامے رکھوں گا، کون سا تم سمجھ دار ہو چکی ہو، آج بھی گرتی پڑتی رہتی ہو۔"

"ہاں بس یہی دکھائی دیتا ہے آپ کو۔" اس نے نروٹھے پن سے ہاتھ چھڑوایا، موحن تو شام تک سامنے بٹھا کر باتیں کر سکتا تھا۔ وہ بہانے سے ہاتھ چھڑا کر دروازے تک آئی اور شرارت سے مسکرا کر پیچھے دیکھا۔ موحن اس کے جانے پر مصنوعی غصے سے گھور کر دیکھ رہا تھا۔ وہ ہنستی ہوئی باہر نکل آئی۔

زندگی کے اس نئے آغاز کا آج وہ پہلا دن تھا۔ اور شادی کے آٹھ نو ماہ بعد شروع ہونے والا یہ ہنی مون پیریڈ، بلاشبہ زندگی کا حسین ترین وقت تھا۔ زندگی کے اس نئے سفر کی خوشیوں کے لیے، دعا کرتی کچن میں داخل ہوئی تو پلکیں خوشی سے نم ہو چکی تھیں۔

☆☆☆

"اتوار کی صبح۔ اچھا۔" تانیہ نے زیر لب دہرا کر سوچا "اور۔ کون کون جا رہا ہے۔؟"

"یہاں تو دادی، بس تمہی انکل کے علاوہ سب ہی۔"

"منصب جا رہا ہے؟" تانیہ نے تو نجانے کس خیال کے تحت پوچھا لیکن رمشہ اس کے سوال پر مسکرا دی۔

"ہاں۔ وہ بھی جا رہا ہے۔"

"تو کیا لگتا ہے رمشہ۔ مرغزار سے شام تک واپسی بھی ہو جائے گی؟"

وہ موبائل پر رمشہ سے بات کرتے کرتے ہی کچن تک آ گئی تھی لیکن مرغزار کا نام سن کر خدیجہ بیگم کا ہاتھ رکا۔ کام چھوڑ کر وہ کچن کے دروازے میں آ گئیں۔

"مرغزار۔ کون جا رہا ہے؟" انہوں نے کچھ ایسی تشویش سے سوال پوچھا کہ تانیہ کا یکلخت تو حیرت سے منہ کھلا پھر فوراً اس نے اپنے حواس یکجا کیے۔ امی کی ہوائیاں کس لیے اڑی تھیں، اسے سمجھنے میں بس بہت کم وقت لگا تھا۔ کسی کا تعلق مرغزار کے ایک دیہات سے تھا اور امی کی پریشانی کی وجہ یقیناً یہی نام بنتا تھا۔

"جی۔ ابھی طے نہیں ہوا۔" تانیہ نے سنبھل کر بات بنائی "ابھی کچھ جگہیں ڈسکس ہو رہی ہیں۔ زیادہ امکان مالم جبہ کا ہے۔" وہ انہیں بہلا کر فوراً دور چلی آئی۔

"کیا ہوا؟" رمشہ کے کان میں آدھی ادھوری باتیں پڑی تھیں۔ اسی لیے تانیہ سے پوچھا۔

"یار! وہ امی ابو بھی مرغزار کے لیے ہاں نہیں

www.pklibrary.com

کہیں گے۔ عیسیٰ کا تعلق اُسی علاقے سے ہے نا۔" وہ دبے لہجے میں کہتے کمرے میں آ گئی۔

"تو پھر تم؟" رمشہ کو خدشہ لاحق ہوا کہ تانیہ کہیں جانے سے منع نہ کر دے۔

"میں انہیں کہہ دوں گی کہ ہم مالم جبہ جا رہے ہیں۔"

"جھوٹ بولو گی؟" رمشہ کے لہجے میں تحیر تھی۔ تانیہ ہنس پڑی۔

"یار! کچھ نہیں ہوتا۔ واپس آ کر ان کو تصویریں دکھا دوں گی کہ بلاوجہ آپ وہم کر رہی تھیں۔ ویسے بھی عیسیٰ کا گاؤں مرغزار سے کچھ دور ہے۔ اب وہ کون سا سفید محل میں بیٹھا ہو گا۔ بس تم کسی سے کچھ مت کہنا۔" وہ ایک دم لاپروا ہوئی تو رمشہ بھی چپ ہو گئی۔

☆☆☆

اتوار کی صبح ناشتہ بھی معمول سے کچھ زیادہ ہی جلدی کر لیا گیا۔ ایلیا الارم لگا کر سوئی۔ رضوانہ نے پچھلی شام جانے سے معذرت کر لی تھی۔ وہ اور نجابی جھٹے سے گریز کر رہی تھیں۔ ایلیا نے بھی تائید کی کہ بلاوجہ تھکنے سے گھر پر ریسٹ کرنا بہتر ہے۔ ان کی وجہ سے عدرت کو بھی تسلی ہو گئی۔ تو تھی اب بالکل اکیلے نہ تھے۔ ورنہ پہلے صرف دادی تھیں تو وہ بے چاری خود بزرگ تھیں۔ کسی اور کا کیا خیال رکھ سکتی تھیں۔

مومن نے ہائی روف کا بندوبست لیا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر منصب تھا۔ ساتھ والی سیٹ پر مومن اور عالی کو اس نے اپنی گود میں لے لیا تھا۔ پیچھے سب خواتین بیٹھ گئیں اور آٹھ بجے سے کچھ پہلے ہی سب کی مرغزار روانگی ہو گئی۔

مینگورہ آنے تک تو موسم بھی بالکل صاف تھا لیکن سیدو شریف کے بعد جب مرغزار کا راستہ شروع ہوا تو سارا راستہ ہی گہرے کالے بادلوں سے گھرا ہوا تھا۔ منصب اور مومن اگر موسم کی صورت حال کو تشویش بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے تو لڑکیاں خوب انجوائے کر رہی تھیں۔

منصب نے بیک ویو مرر میں دیکھا تو نظر اتفاقاً ہی وسیلہ پر پڑی۔ اس کا چہرا ٹھنڈی خوش گوار ہوا کی وجہ سے دمک رہا تھا۔ مومن نے میوزک پلیئر آن کر کے پیچھے کو رخ پھیرا۔

"کیوں لیڈیز! بارش ہو گئی تو گھبراؤ گی تو نہیں؟" اس کی مسکراتی نظریں اس وقت اپنی لیڈی پر ہی تھیں۔ ایلیا نے میرون بلیک اور سفید پر نٹڈ بہت ہی خوب صورت سوٹ پہن رکھا تھا۔ میرون شال میں اس کے کھلے بال اور سفید چمکتا چہرا آج کل شرم کی لالی سے مستقل گلنار رہنے لگا تھا۔

"جی نہیں بھیا! ہم تو بارش کی دعائیں مانگ رہے ہیں۔" رمشہ نے تائیدی نظروں سے تانیہ کو دیکھا۔

"جی مومن بھائی! سیر کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔" تانیہ مسکرا دی۔ وسیلہ، تانیہ اور رمشہ اکٹھی بیٹھی ہوئی تھیں۔ اُن سے اگلی سیٹ پر ایلیا اور عدرت بیٹھی تھیں۔ ربا ایلیا کی گود میں تھی۔ آخری سیٹ پر کھانے پینے کا سامان اور بچوں کے اسٹالر رکھے تھے۔ سیدو شریف سے مرغزار کا راستہ مختصر لیکن بہت خوب صورت تھا۔ کچھ ہی دیر میں وہ سب سفید محل کے نزدیک پہنچ گئے۔ گاڑی پارک کر کے سامان وغیرہ لے کر سفید محل کے خوب صورت وسیع لان میں پہنچے تب تک بھی بارش نہ ہوئی تھی۔ اس لیے وہیں لان میں بیٹھ کر دیر تک گپ شپ اور کھانا پینا چلتا رہا۔ مومن نے اپنی امی اور ایلیا کی مدد سے، بہت سی پرانی یادوں کو جان بوجھ کر دہرایا کہ شاید وسیلہ کو کچھ یاد آ سکے۔ ایلیا کو برسوں پرانی بہت سی باتیں یاد تھیں۔ اس نے وسیلہ کو بہت کچھ یاد دلایا لیکن وہ بس الجھی نظروں سے ایک دم سپاٹ چہرا لیے ایلیا کو تکتی رہی، یوں لگا جیسے ایلیا کا مخاطب وہ ہو ہی نہیں۔ ایلیا نے مایوس ہو کر مومن کو دیکھا جس نے بس آنکھیں موند کر ایلیا کو تسلی دی۔ اس نے سوچا، کچھ دیر تک وہاں آس پاس کی جگہیں گھما کر ایک کوشش اور کریں گے کہ شاید کوئی جگہ دیکھ کر، وسیلہ کو کوئی گزری بات یاد آتی ہو۔

کھانے کے بعد ہلکی پھوار شروع ہوئی تو عدرت بچوں کو لیے کشادہ برآمدے میں آ بیٹھیں۔ عالی کو اسٹالر میں نیند آ گئی تھی۔ رمشہ اور وسیلہ بھی

www.pklibrary.com

وہیں ذرا فاصلے پر ریبا کو لیے کرسیوں پر بیٹھی تھیں۔ کھانے پینے کا سامان سمیٹ لیا گیا تھا۔ مومن کا خیال تھا کہ اتنا سب کچھ، ساتھ لیے پھرنے کے بجائے واپس گاڑی میں رکھ دیا جائے۔

مومن، منصب اور ایلیا سامان لیے واپس پیچھے جانے لگے تو تانیہ بھی ایلیا کی مدد کے خیال سے ساتھ ہولی۔ پھر پارکنگ میں آکر سامان دوبارہ ڈگی میں ایڈجسٹ کر دیا۔

پارکنگ کے ساتھ ہی چھوٹی چھوٹی کھانے پینے کی اشیاء کی دکانیں تھیں۔ وہ سب جوسز اور کولڈ ڈرنک خریدتے ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔

مومن اور ایلیا ایک شاپ میں داخل ہوئے تو تانیہ کچھ خریدنے کے لیے، ایک دوسری دکان میں چلی گئی۔ منصب تانیہ کے ساتھ تھا۔ فریج سے کولڈ ڈرنک نکالتے اس نے پلٹ کر تانیہ کو دیکھا۔

"تمہارے لیے کون سی تانیہ؟"

"ارے بالکل نہیں۔" تانیہ کو جھرجھری آگئی "بہت ٹھنڈ ہے۔ مجھے تو کافی یا چائے چاہیے۔" اس نے آپس میں ہاتھ رگڑے اور سگریٹ کی ڈبیا اٹھاتے وہ عزیز تھا، جس نے نام سن کر اس مرتبہ خوب دھیان سے کچھ دیر تانیہ کو دیکھا اور پھر باہر نکلتے فوراً موبائل نکال کر کال ملائی۔

"جی لالہ! مجھے لگتا ہے یہ وہی ہے آپ کی منگیتر۔ اس کے ساتھ ایک مرد بھی ہے۔ بہت بے تکلفی سے بلا رہا تھا۔ ہوں۔ میں یہیں ہوں، آس پاس، او کے مجھے بتا دیجیے گا، جب پہنچ جائیں۔" عزیز نے کال آف کر کے دیکھا۔

وہ دونوں اب ایک دوسری شاپ میں داخل ہو کر چائے کا پتہ کر رہے تھے۔ تب ہی ہلکی پھوار جیسی برستی بارش میں ایک دم تیزی آگئی، بارش کے ساتھ ہوا کے تیز جھکڑ بھی تھے۔

عزیز کے لیے سامنے والی شاپ میں جانا ممکن نہیں رہا تھا۔ اس کے قدم بھی وہیں رک گئے اور اس نے دیکھ لیا تھا کہ وہ دونوں بھی بارش کی وجہ سے باہر نہیں نکل سکتے تھے۔ لڑکے نے شاید چائے کا آرڈر بھی دے دیا تھا۔ وہ دونوں بہت پرسکون انداز میں برستی بارش کا نظارہ کرتے ہنس ہنس کر باتیں کیے جا رہے تھے۔

☆☆☆

"ہائے اللہ۔ تیز بارش۔" ایلیا نے گھبرا کر مومن کا کندھا جھنجھوڑا۔ وہ پے منٹ کر کے اب سامان اٹھا رہا تھا۔ بارش کی تیز آواز اس نے بھی سن لی تھی لیکن وہ ایلیا کی طرح پریشان نہیں ہوا تھا۔

"اچھا کوئی بات نہیں۔ رک جائے گی تھوڑی دیر میں۔" وہ بھی اس کے ساتھ دروازے میں آیا۔ طوفان کے تیور دیکھ کر اندازہ تو ہو گیا کہ ابھی، جلدی یہ تھمنے والا نہیں لیکن ایلیا کو اس نے لفظوں سے تسلی دی۔

"بچے۔ ماہی۔" وہ اسے سخت گھبرائی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"وہ لوگ تو سیف ہیں یار! ہم نے انہیں برآمدے میں بٹھایا تھا۔ پھر ان کے پاس رمشہ اور دیلہ بھی ہیں۔ ڈونٹ وری۔"

"اور یہ تانیہ اور بھیا؟" وہ ماتھا سکوڑ کر سامنے کی دکان میں دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"وہ شاید ہمارے ساتھ والی دکان میں گھس گئے ہیں۔ اور اب تم اپنے خدشوں کی دکان بند کرو، ہر کسی نے کوئی نہ کوئی شیلٹر ڈھونڈ لیا ہوگا۔"

"پتا نہیں، کب رکے گی۔" وہ پھر منہ بسورے کھڑی تھی۔

"اچھا ویسے ...... اس وقت اگر تم اکیلی ہوتیں؟" مومن کے چہرے پر ہنسی تھی۔ ایلیا نے آنکھیں پھیلائیں۔

"ہائے اللہ نہ کرے۔"

"جی۔ تو بہتر ہے کہ اس بات کا شکر کرتے چپ رہو، میں اپنے لیے چائے بنوا رہا ہوں۔ موسم سے لطف اندوز ہونے کا اس سے عمدہ موقع اور نہیں ہو سکتا۔" وہ مسکراتے ہوئے کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔

"تم بھی چائے پیو گی؟" مومن نے سوالیہ ایلیا کو

www.pklibrary.com

دیکھا تو اس بار، اس نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلا یا۔ وہ دونوں جس شاپ میں بارش کی وجہ سے پھنس گئے تھے وہ کافی کشادہ تھی۔ وہاں کھانے پینے کی اشیاء کے ساتھ کچھ کرسیاں اور دو چھوٹی میزیں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ دونوں نے اپنے لیے چائے بنوائی اور وہیں بیٹھ کر برستی بارش سے لطف لینے لگے۔

"تو۔ چائے کیوں اچھی لگنے لگی؟" موسن نے پہلا گھونٹ لیتے معنی خیزی سے ایلیا کو دیکھا۔ جس پر وہ جھینپ کر ہنس دی۔

"مجھے پتا نہیں تھا، اتنی مزے دار ہوتی ہے۔"

"اور مجھے یہ چائے اس وقت صرف تمہارے ساتھ کی وجہ سے اچھی لگ رہی ہے۔ تمہیں پتا ہے۔ جو وقت ہم گزار رہے ہوتے ہیں، وہ چاہے کتنا خوب صورت ہی کیوں نہ ہو، ہمیں اس کی خوب صورتی کا احساس اس میں رہتے، اس شدت سے نہیں ہوتا جتنا اس کے گزر جانے پر ہوتا ہے۔ ایسی یادیں گزر جانے کے بعد ایک خوب صورت پیراہن اوڑھ لیتی ہیں۔ اس کے سارے حسین رنگ ہمیں دور جانے پر دکھائی دیتے ہیں۔"

"مطلب یادیں بھی قوس قزح ہیں، جو دور سے بھلی لگتی ہیں۔" ایلیا نے اسے دیکھتے بے اختیار اس کی بات میں اضافہ کیا تو موسن نے ستائشی نظروں سے دیکھا۔

"واہ...... یہ شاعرانہ پوچ۔ ویسے بالکل سچ کہا۔"

"اللہ کرے آپی کی یادیں بھی واپس آ کر ان کی زندگی کو رنگوں سے بھر دیں۔" ایلیا نے بے ساختہ ایک آہ بھری۔

"ایسا ہی ہوگا ان شاء اللہ، رات کی سحر ضرور ہوتی ہے۔"

"جی۔" ایلیا اسے محویت سے بولتے دیکھ رہی تھی۔" کچھ عرصہ پہلے تک ہماری زندگیوں میں بھی ایک اندھیرا سا دور طاری ہو گیا تھا۔ تحریم آپی کی اچانک موت، وسیلہ کی عجیب و غریب حالات میں اچانک شادی، ماموں کی بیماری، دو نومولود بچوں کی پرورش، امی کی صحت، ان کے صدمے، میں اور آپ تو عنقریب پاگل ہی ہونے والے تھے، ایک سال پہلے تو سوچا بھی نہیں تھا کہ محض ایک برس بعد ہی سب کچھ اپنے آپ سنورتا چلا جائے گا۔"

"یہ ادراک بھی تم جیسی نیک روحوں کو ہوتا ہے ایلا۔" موسن اسے بہت محبت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا" ورنہ انسان ناشکری پر اتر آئے تو دنوں کا سنورنا اسے دکھائی نہیں دیتا۔ بس وہ کچھ اور نئی پریشانیاں گلے میں گھنٹی کی طرح سجائے انہی کا رونا رہتا ہے۔"

"جی بالکل۔ اللہ پاک ہمیں ایسی سوچ سے بچائے۔" اس نے تائید کرتے پلٹ کر دیکھا۔ بارش بہت ہلکی ہو چکی تھی۔

"چلیں موسن جی، کہیں بارش پھر سے نہ تیز ہو جائے۔" اسے تو بچوں کی ہی فکر لگی تھی۔

"ہاں۔ نکل چلتے ہیں۔" موسن بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ کاؤنٹر پر وہ چائے کی پے منٹ کر رہا تھا جب تانیہ اور منصب نے دکان میں جھانکا۔

"ہمارا یہی اندازہ تھا کہ آپ بھی ساتھ والی دکان میں ہیں۔" تانیہ ان کو دیکھ مسکرا دی۔ پے منٹ کر کے وہ چاروں اکٹھے باہر نکلے۔ اوپر چڑھ کر آتے وہ ہلکے ہلکے بھیگ چکے تھے۔ تانیہ اور منصب اپنے موبائل کیمروں سے تصویریں بھی بنا رہے تھے۔ دھلا دھلا سفید محل کچھ اور بھی حسین لگ رہا تھا۔ ندرت، بچے اور رمشہ وسیلہ سب ابھی تک وہیں برآمدے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان سب کو آتا دیکھ کر رمشہ اپنی جگہ سے اٹھی اور وسیلہ کو بھی ہاتھ تھام کر ساتھ چلنے کو کہا۔ محل کی سیڑھیاں اتر کر وسیلہ نیچے اتر رہی تھی جب فضا اچانک ہی گولیوں کی آوازوں سے گونج اٹھی۔

سب نے فائرنگ کی اتنے نزدیک آواز پر گھبرا کر آس پاس دیکھا۔ چہرے کپڑے سے چھپائے دو کم از کم چھ مرد تھے، جو یک لخت ان سب کے سروں پر پہنچے تھے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے تانیہ کو کھینچ کر دور لے گئے تھے۔

باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ

☆☆

مومن رضوانہ اور ایلیا کے ساتھ تھانہ آتا ہے۔ وسیلہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہوتی ہے، اس کی دماغی حالت خراب ہو جاتی ہے وہ کسی کو نہیں پہچانتی۔ منصب کی مدد سے مومن شہناز اور ارحم کے خلاف رپورٹ درج کرواتا ہے۔ ارحم اور شہناز اپنی ملازمہ کے ذریعے ہاسپٹل میں وسیلہ کو مارنے کی کوشش کرتے ہیں، عین وقت پر منصب آجاتا ہے۔

مومن وسیلہ کو میانیدیم لے آتا ہے۔ یہاں اس کا علاج ہوتا ہے لیکن اس کی دماغی حالت بہتر نہیں ہوتی۔ اس کے لیے تانیہ کی مدد لی جاتی ہے۔

دادی منصب کو بتا دیتی ہیں کہ وہ ان کا پوتا ہے، شہناز اسے مارنے کا پروگرام بناتی ہے اس لیے وہ منشی کی بیوی سے رضوانہ کا بیٹا تبدیل کر دیتی ہیں۔ تاکہ اس کی جان بچ جائے۔

تیرہویں قسط

چہرے نقاب سے چھپائے وہ کم از کم چھ مرد تھے جو یک لخت ان سب کے سروں پر پہنچے تھے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے تانیہ کو کھینچ کر دور لے گئے تھے۔

"رکو......" منصب ہی سب سے پہلے چلا کر پیچھے بھاگا، کیونکہ باقی لوگوں کو تو سمجھ میں ہی نہیں آئی ہوا کیا۔ منصب کے لیے بحیثیت پولیس مین اعصاب بحال رکھ کر رد عمل دینا فطری رہا۔

وہ سب تیزی کے ساتھ نیچے کی طرف دوڑتے جا رہے تھے۔ منصب قریب پہنچا تو ایک آدمی نے پلٹ کر اسے زور سے دھکا دیتے دور گرا دیا۔ منصب بمشکل خود کو سنبھال کر دوبارہ اٹھا۔ تب تک وہ نیچے پارکنگ میں پہنچ گئے تھے۔ منصب ابھی ڈھلان پر ہی تھا، ایک آدمی نے اسے اٹھتے دیکھا تو ریوالور نکال کر اس پہ فائر کر دیا اور اسی تیزی سے موڑ کاٹ کر غائب ہو گئے۔

گولی منصب کے ہاتھ پر لگی تھی اور ہتھیلی کے کونے کو چیرتی ہوئی نکل گئی تھی۔ ہاتھ سے خون کا فوارا نکلا اور منصب نے بے اختیار اپنی ہتھیلی کو کمر پہ زور سے دبایا تاکہ خون نکلنے سے روکا جا سکے لیکن خون کی روانی اس قدر تیز تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے منصب کی کمر خون سے لت پت ہو گئی۔ ادھر مومن نے آدمیوں کی فائرنگ اور تانیہ پر حملے کے نتیجے میں فوراً ایلیا اور رمشہ کو برآمدے کی طرف دھکیلا تھا۔ فوری طور پر سمجھنا مشکل تھا کہ ان حملہ آوروں کے عزائم کیا ہیں۔ تبھی وہ باقی ماندہ فیملی ممبرز کو وہاں سے دور کر رہا تھا۔ اُن آدمیوں کے تانیہ سمیت وہاں سے غائب ہوتے ہی سمجھ تو فوراً آ گیا کہ ان کا مقصد صرف تانیہ کو لے جانا تھا۔ تبھی وہ سب بھی دوڑ کر ڈھلان کے کنارے تک آ گئے تھے۔

منصب کو گولی لگتے اُن سب نے بھی دیکھا۔ مومن تو فوراً اس کی طرف بھاگا، اس کے لیے بھی سمجھنا مشکل تھا کہ منصب کو گولی کہاں لگی اور آخر میں کھڑی وسیلہ کی پھٹی پھٹی آنکھوں کے سامنے منصب کی بارش سے بھیگی شرٹ کمر سے بہتا خون۔ اسے اپنے ہاتھ یک لخت خون میں لتھڑے چپچپے سے محسوس ہوئے۔ اچھا بھلا روشن دن ایک کالی اندھیری طوفانی رات میں تبدیل ہوا۔

وسیلہ کا بی پی لو ہوتے اس کے اعصابی نظام کو ایسے ڈاؤن کر گیا کہ وہ گھاس پہ ہی لہرا کر گر گئی۔ رمشہ اور ایلیا اس کی طرف بھاگیں جبکہ مومن نے بھاگتے ہوئے منصب کو جا پکڑا۔

"کیا کر رہے ہو منصب! ان لوگوں کے پاس بندوقیں ہیں۔"

"تو کیا تانیہ کو کڈنیپ ہونے دیں۔"

digest novels lovers group

منصب نے جیب سے رومال نکال کر ہاتھ پر باندھنا شروع کیا تو مومن نے آگے بڑھ کر فوراً اس کی پٹی باندھی۔

"مجھے مت روکو، اور بالکل فکر مت کرو۔ مجھے ہیلپ کے لیے پولیس بلوانی پڑی تو منگوالوں گا۔ بس ان کی لوکیشن گم نہیں ہونی چاہیے۔" وہ اس بار ٹرکا نہیں جمپ لگا کر دوڑتے ان آدمیوں کے پیچھے بھاگ گیا۔

☆☆☆

تانیہ اُن آدمیوں کے شکنجے میں جکڑی لگاتار مزاحمت کررہی تھی۔ ساتھ ساتھ چلا بھی رہی تھی، ایک آدمی نے اپنے کندھے کا رومال تانیہ کے منہ پر باندھ دیا۔ ایک آدمی نے کال آنے پر موبائل کان سے لگایا۔

"جی سردار! کام ہوگیا۔ ہم پہنچنے والے ہیں۔" اس نے تو کہہ کر کال آف کردی لیکن تانیہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔ سردار سن کر پہلے تو صرف شک گزرا لیکن جب آدمی نے بتایا کہ پہنچنے والے ہیں تو رہا سہا شک بھی دور ہوگیا۔ وہ عیسیٰ کے علاقے میں تھی اور جلسے سے نکلے کچھ ہی دیر ہوئی تھی تو یقیناً اسے وہیں لے جایا جارہا تھا۔ اس مرتبہ اس نے بھی مزاحمت ترک کردی۔ جن لمحوں سے وہ جس ایک لمحے سے بچنے کی تگ ودو کررہے تھے بالآخر وہ اس کی زندگی میں آگیا تھا اور پہلی بار تانیہ کو احساس ہوا کہ وہ تو شاید بہت پہلے سے اس سامنے کے لیے تیار تھی۔ ہاں البتہ امی ابو سے جھوٹ بول کر نکلنے پر شدید پچھتاوا محسوس ہوا۔

"امی، ابو...... کاش میں آپ سے زندہ مل پاؤں۔" اس نے دکھ اور شرمندگی کے احساس سے آنکھیں میچ لیں۔

☆☆☆

منصب جس وقت گاڑی لیے پیچھے بھاگا، وہ آدمی اس سے بہت دور نکل گئے تھے اور سڑک پر آگے کہیں دکھائی نہ دیئے۔ تب منصب نے مقامی آبادی کے لوگوں سے سردار عیسیٰ کی حویلی کے متعلق پوچھنا شروع کیا۔ تانیہ نے ہی بہت پہلے بتایا تھا کہ عیسیٰ کا تعلق اسی علاقے سے ہے۔ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ صرف تانیہ کو اٹھا کر لے جانا عیسیٰ کا ہی کام ہوسکتا ہے۔ منصب کو تھوڑی وقت تو ہوئی اور وقت بھی لگا لیکن بالآخر وہ سردار عیسیٰ کے بنگلے تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔

"سردار عیسیٰ سے ملنا ہے۔" منصب نے گیٹ پر کھڑے چوکیدار کے ہاتھ پر اپنا کارڈ رکھتے اندر اطلاع دینے کو کہا۔ وہ دربان اسے رکنے کا کہہ کر فوراً اندر چلا گیا۔ منصب کی خون سے بھری شرٹ نے اسے بھی بوکھلا دیا تھا۔ وہ بھاگتا ہوا گیا اور کچھ دیر میں واپس آیا تو منصب کو ایک دوسرے گیٹ سے اندر جانے کو کہا۔ منصب اپنی گاڑی میں بیٹھ کر دوسرے لان میں داخل ہوا تو وہاں کچھ آدمی دکھائی دیئے۔ اسے ایک کمرے میں لاکر بٹھادیا گیا۔ منصب کو بلڈنگ کی ساخت دیکھ کر ہی سمجھ میں آگیا کہ اسے مردانہ ڈیرے میں لاکر بٹھایا گیا ہے۔ کچھ ہی دیر میں ایک لڑکا، وہاں دو خادموں سمیت آیا۔ دونوں نے ہی ہاتھوں میں بندوقیں لے رکھی تھیں۔

"جی فرمایئے۔" لڑکا کچھ اکھڑ اور مغرور قسم کا لگتا تھا۔ بنا سلام دعا نہایت روکھے لہجے میں دریافت کیا۔

"میں اے ایس پی منصب رضا ہوں۔ میری ساتھی تانیہ سرفراز کو ابھی ابھی کڈنیپ کرکے یہیں لایا گیا ہے۔" منصب نے اس سے بھی زیادہ اکھڑے لہجے میں اعتماد سے مدعا ظاہر کیا۔

"جی ہاں۔ مس تانیہ یہیں ہیں۔ اور محفوظ ہیں۔" اس نے بھی سہولت سے تسلیم کیا۔

"آپ سردار عیسیٰ ہیں؟ منصب نے کچھ اُلجھ کر دریافت کیا۔"

"جی نہیں، میرا نام عزیر ہے، میں سردار عیسیٰ کا چچازاد ہوں۔"

"مجھے عیسیٰ صاحب سے ملنا ہے۔ اور مس تانیہ سے بھی۔"

"جی، ہو جاتی ہے ملاقات۔ آپ کچھ دیر انتظار کریں۔" وہ بنا منصب کا جواب سنے اس بار باہر نکل گیا۔ منصب نے عزیر کی گفتگو کے بعد اپنے تناؤ میں واضح کمی ہوتی محسوس کی۔ اسے مومن اور باقی گھر والوں کا خیال آیا تو فوراً موبائل نکال کر مومن کو کال ملائی اور اسے صورت حال سے آگاہ کر کے تسلی دی۔

"میں وہاں آ ؤں؟" مومن نے اجازت چاہی۔

"نہیں مومن! میرا خیال ہے تم لوگوں کو اگر زیادہ کچھ مسئلہ نہیں تو وہیں پر ہمارا انتظار کرو۔ وہاں سب ٹھیک ہیں؟"

"ہاں، یوں تو کوئی پرابلم نہیں۔ یہاں آرام سے بیٹھا جا سکتا ہے۔ بس دیلہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے جوس وغیرہ دیا تو ہوش میں آ گئی ہے۔ اسے اندر لٹا دیا ہے۔ اب بہتر ہے۔"

"ہوں، میں بعد میں بات کرتا ہوں۔" منصب نے کسی کو اندر آتے دیکھا تو کال آف کر دی، کچھ ہی دیر میں نوجوان اندر داخل ہوا۔ نجانے کیوں دیکھتے ہی منصب کو یقین ہو گیا کہ یہی عیسیٰ ہو گا وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور عیسیٰ کی نظر منصب کی شرٹ پر پڑی جو خون سے بھری ہوئی تھی۔

"اوہو...... آپ تو زخمی......" وہ پریشان ہو کر بے اختیار آگے بڑھا تو منصب نے ہاتھ کے اشارے سے روکا۔

"جی نہیں، یہ ہاتھ کا خون ہے جو دبانے کی وجہ سے یہاں لگ گیا۔"

"اوہ۔ اچھا اچھا۔" عیسیٰ بھی تسلی ہونے پر اپنی جگہ رک گیا، کیونکہ منصب کے ہاتھ پر رومال بندھا بھی ہوا دیکھ لیا۔

"میں شرمندہ ہوں میرے آدمیوں کو گولی چلانی پڑی، جبکہ میں نے انہیں منع کیا تھا۔"

"مس تانیہ کہاں ہیں۔ اور میں جاننا چاہتا ہوں کہ انہیں اس انداز میں کیوں لایا گیا۔" منصب نے اس کی شرمندگی کو اگنور کیا۔

"آپ تشریف رکھیں۔"

"نہیں مجھے تانیہ سے ملنا ہے۔ ان کی خیریت جاننی ہے۔" منصب کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"آپ مس تانیہ کے؟" عیسیٰ نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"جی وہ ہماری ایک ہاسپٹل کی ڈاکٹر ہیں۔ میری کزن کا ذہنی علاج چل رہا ہے اور......"

"تو۔ آپ۔ آئی مین۔ کیا تانیہ کی شادی نہیں ہوئی؟" عیسیٰ کچھ گڑبڑا سا گیا۔

"شادی۔" منصب حجب ہوا۔

"جی نہیں۔"

"اوہ۔ آئی ایم سوری۔ مجھے لگا تانیہ نے شادی کر لی ہے۔ اور آپ سب سسرالی رشتہ دار وغیرہ۔

آئی ایم رئیلی ویری سوری۔ آپ تشریف رکھیں۔ میں آپ کو ساری بات بتاتا ہوں۔" عیسیٰ اُس وقت نہایت پشیمان سا لگ رہا تھا۔ منصب نے خاموشی سے اسے دیکھا، پہلی نظر تانیہ کی طرف سے لاحق ہوئی۔ عیسیٰ کچھ جذباتی مزاج کا بندہ معلوم ہوتا تھا۔ عجلت میں کچھ بھی کر بیٹھنے والا۔

"وہ ایکچوئلی، میں مہینوں سے تانیہ کو تلاش کر رہا تھا۔ مجھے اُن سے معافی مانگنی تھی۔"

"معافی؟" منصب کے لیے یہ ایک نئی بات تھی، کیونکہ اُسے تو کچھ اور معلوم تھا۔

"تانیہ میری منگیتر ہیں۔ میرے چھوٹے بھائی کی ڈاکٹر بھی رہی ہیں۔ میرے بھائی نے سوسائڈ کر لی تھی، مجھے لگا تھا یہ سب ڈاکٹر تانیہ کے غلط مشورے کی وجہ سے ہوا۔ لیکن ایسا نہیں تھا۔"

"اچھا۔" منصب اسے بغور سن رہا تھا۔ اگرچہ یہ سب باتیں اسے معلوم تھیں لیکن

اسے۔ ساہر نا تھا اس سے پہ اسپاٹ ر۔۔

"میرا بھائی جس کار میں گھر سے نکلا اُس کے بریکس فیل تھے۔ میرا ڈرائیور مکینک کو بلانے گیا ہوا تھا، اسی دوران صہیب باہر نکلا اور کار اسٹارٹ کر کے کہیں نکل گیا۔ اس کی نیت سوسائڈ کی نہیں تھی۔ حادثہ کار کی خرابی کی وجہ سے پیش آیا لیکن اِدھر دوسرے معاملات کچھ ایسے حساس ہو چکے تھے کہ مجھے لگا اس نے صدمے سے اپنی جان لے لی، میرے آدمیوں نے کلینک کی توڑ پھوڑ کی، تانیہ کے گھر بھی گئے، ارادہ تب بھی تانیہ کو اُٹھوا لینے کا تھا لیکن یہ لوگ پہلے ہی کہیں چلے گئے تھے۔ مجھے البتہ بھائی کی موت کے دو تین روز بعد پتا چلا کہ معاملہ سوسائڈ کے بجائے بریکس فیل ہونے کا تھا۔ لیکن تب دیر ہو چکی تھی۔ میں تب سے اگر تانیہ کو ڈھونڈ رہا ہوں تو وجہ صرف اس غلط فہمی کا ازالہ کرنا تھا۔"

"او۔ اگر ایسا ہے تو پھر ابھی آپ کے آدمیوں نے گن پوائنٹ پر تانیہ کو کیوں اٹھایا، فائرنگ بھی کی اور طریقہ بھی۔"

"آئی ایم سو سوری، میں بہت شرمندہ ہوں۔" عیسیٰ کا ایک بار پھر سر جھک گیا۔

"مجھے عزیر نے کچھ اس انداز میں بتایا کہ صاف لگا تانیہ کہیں شادی کر چکی ہیں اور اپنے شوہر اور سسرالی رشتہ داروں کے ساتھ گھومنے آئی ہوئی ہیں۔ مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔ میں مہینوں سے تانیہ کی تلاش میں سرگرداں ہوں اور معافی مانگ کر اپنے رشتے دوبارہ بحال کرنا چاہتا ہوں تو میرے لیے یہ بہت شاکنگ ثابت ہوا کہ میری منگیتر نے کہیں اور شادی کر لی ہے۔"

"تانیہ اپنے والدین کے ساتھ ہی رہتی ہے۔ اور کوئی رشتہ شادی وغیرہ اب تک نہیں ہوئے۔ ہماری فیملی کے ساتھ تانیہ کے دوستانہ مراسم ہیں۔ میری بہنوں کے ساتھ ان کی اچھی دوستی ہے۔ اور اسی رشتے کی مناسبت سے میں بھی تانیہ کو اپنی بہن ہی سمجھتا ہوں۔" منصب نے عیسیٰ کا مزاج دیکھتے وضاحت سے جواب دینا مناسب سمجھا اور جسے سن کر عیسیٰ کے تیور کچھ اور بھی درست ہوتے گئے۔

"کیا آپ مجھے تانیہ سے ملوا سکتے ہیں۔ وہ ٹھیک ہے نا؟" منصب کو پھر اس کی خیریت کی فکر لاحق ہوئی۔

"جی وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ لیکن میری ابھی اُن سے ملاقات نہیں ہوئی۔ آیئے، میں آپ کو اُن سے ملوا دوں۔" عیسیٰ فوراً اُٹھ کھڑا ہوا تو منصب نے بھی پیش قدمی کی۔ مختلف راہداریوں سے گزر کر وہ ایک کمرے کے سامنے رُکا۔ اور اس کا دروازہ منصب کے لیے کھولا۔

"جو کچھ میں نے ابھی آپ کو بتایا وہ آپ تانیہ کے سامنے دوہرا دیں۔ میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔" عیسیٰ بجائے اندر جانے کے وہیں سے پلٹ گیا اور منصب کمرے میں داخل ہوا۔ سامنے دیوار کے ساتھ ایک سنگل پلنگ رکھا تھا ساتھ دو کرسیاں، جن میں سے ایک پر تانیہ بیٹھی تھی اور سخت بے چین دکھائی دیتی تھی۔ منصب کو داخل ہوتے دیکھ کر وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"منصب...... تم......" وہ بے ساختہ دو قدم آگے بڑھی۔

"تم ٹھیک ہو۔" اسے یاد تھا منصب کے آگے بڑھنے پر فائر کیا گیا تھا۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں۔" منصب کو خود پہلی مرتبہ اطمینان محسوس ہوا۔ جب تک وہ تانیہ کو زندہ سلامت دیکھ نہ لیتا، سکون ملنا ناممکن تھا۔

"تمہیں یہاں تک کیسے آنے دیا گیا۔" وہ منصب کے باآسانی کچھ ہی دیر میں پیچھے آ جانے پر حیران تھی۔ منصب مسکرا دیا۔

"بیٹھ جاؤ بتاتا ہوں۔" وہ خود بھی کرسی گھسیٹ کر سامنے بیٹھ گیا اور جو کچھ عیسیٰ نے بتایا تھا سب تانیہ کے سامنے دہرا دیا اور جسے سن کر تانیہ

کا بھی حیرت سے برا حال تھا۔
"واقعی......" وہ بے یقینی سے ہنس دی۔ صہیب کی جان میری وجہ سے نہیں گئی۔ یہ تو۔ یہ تو۔"

"میں نے کہا تھا تانیہ کہ تم ایسا کر ہی نہیں سکتیں، بس تمہیں ہی خود پر بھروسا نہیں رہا تھا...... اور......" منصب نے گلا کھنکارا۔

"عیسیٰ تم سے شرمندہ ہے، سامنا بھی کرنے کی ہمت نہیں ہے۔ خصوصاً ابھی جس انداز میں تمہیں لایا گیا، وہ پشیمان ہے کہ پھر عجلت میں بھول کر بیٹھا۔"

"ہوں......" تانیہ نے بجھ کر سر ہلایا "ہر کام میں عجلت دکھاتے رہے ہیں۔ انہوں نے تو پرپوز بھی بنا سوچے سمجھے کیا تھا۔"

"ایک منٹ مومن کی کال۔" منصب نے کال اٹینڈ کر کے مومن کو بھی اب تک کی ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔

"او گڈ۔ یہ تو تانیہ کے حوالے سے بہت اچھی خبر ہے۔ تو منصب پھر وہاں سے آپ لوگوں کی روانگی۔"

"ہاں میں عیسیٰ سے بات کرتا ہوں۔ ہمیں اب یہاں سے نکلنا چاہیے۔" اس نے کال آف کر کے کمرے سے باہر جھانکا تو ایک گن مین دکھائی دیا۔

"بھائی، سردار عیسیٰ کو بھیج دیں۔" وہ پیغام دے کر واپس اندر آ گیا۔

"تمہیں عیسیٰ سے بہت نارمل انداز میں بات کرنا ہو گی، کوئی پرانا گلہ شکوہ نہیں۔ وہ سب بعد میں دیکھنے کے معاملات ہیں۔" منصب نے اسے آہستہ سے تنبیہ کی اور تانیہ نے بھی سر ہلا دیا۔ عیسیٰ بھی کچھ ہی دیر میں وہاں آ پہنچا اور اس مرتبہ بھی اس نے دروازے پر دستک دی۔ منصب دستک سن کر خود ہی باہر آ گیا۔

"جی، وہ میری پوری فیملی وہاں سفید محل میں رکی ہمارا انتظار کر رہی ہے۔ وہ سب ہماری وجہ سے بہت پریشان ہیں۔ اور مجھے کلینک بھی جانا ہے۔" منصب نے اپنا زخمی ہاتھ سامنے کیا۔

"جی مجھے بھی احساس ہے۔ اور میں نے تو آپ کے لیے ڈاکٹر کو بلوا بھیجا ہے۔ اگر آپ۔"

"جی نہیں شکریہ۔ آپ بس ہمیں اجازت دیجیے۔"

"میرے آدمی آپ کو چھوڑ آئیں گے۔ لیکن۔" وہ کہتے کہتے جھجک کر رکا "میں ایک بار پھر معافی چاہتا ہوں۔ جو کچھ بھی ہوا۔"

"جو کچھ بھی ہوا۔ اس پر ایک مرتبہ آپ خود ہی مس تانیہ سے بات کر لیں۔" منصب نے اس مرتبہ مسکرا کر عیسیٰ کی بات کاٹی اور اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر ہلکا سا دبا دیا اور اسے ابرو سے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ عیسیٰ پہلے تو بری طرح جھینپ گیا لیکن جب دیکھ لیا کہ منصب خود ساتھ نہیں آ رہا تو اپنا اعتماد بھی بحال ہوتا محسوس کیا۔ تانیہ سے اکیلے میں بات کرنا اس کے لیے نسبتاً آسان تھا۔
وہ منصب کو وہیں چھوڑ کر کمرے میں چلا آیا۔ تانیہ نے جب عیسیٰ کو اندر آتے دیکھا تو گھبرا کر پیٹھ پھیر لی۔ منصب بھی ساتھ نہیں تھا۔ وہ بری طرح پریشان ہو گئی۔ دل کی دھڑکن بھی بے ترتیب تھیں۔ گلا بری طرح خشک ہوا تھا۔

"مجھے معاف کر دو تانیہ!" عیسیٰ کے صاف، سادہ الفاظ پر اس نے حیرت سے پلٹ کر دیکھا تو عیسیٰ نے اپنے دونوں ہاتھ معافی کے انداز میں تانیہ کے سامنے جوڑ رکھے تھے۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔" وہ بے ساختہ کچھ قدم آگے آئی۔ "اس کی کوئی ضرورت نہیں۔" وہ اسے دیکھنے لگی۔

"میں نے بار بار تمہارا دل دکھایا ہے۔ یہ معافی اس کے مقابلے میں کچھ نہیں۔"

"مجھے صہیب کی ڈیتھ کا بہت افسوس ہے۔ میں معافی چاہتی ہوں کہ اس غم کی گھڑی میں، میں

آپ کے ساتھ نہیں تھی۔" اس کا سر جھکا ہوا تھا اور جوان بھائی کی موت کی تعزیت جو کتنوں سے تانیہ کے دل میں دبی تھی، اس نے سب سے پہلے اس کا اظہار کیا، جس پر عیسیٰ کو بھی بہت تعجب ہوا۔

"بے شک، صہیب کی موت بہت ہی دکھ کا وقت تھا۔ پر مجھے افسوس ہے کہ اس میں کچھ اور ان چاہے عوامل بھی شامل ہو گئے۔"

"کوئی بات نہیں۔ تکلیف میں انسان کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سب سے زیادہ متاثر ہوتی ہے۔ میں سمجھ سکتی ہوں۔"

"تو تم نے مجھے معاف کر دیا تانیہ!" اس نے بے ساختہ ہی تانیہ کی کلائی تھام لی تھی۔

"مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں ہے عیسیٰ! آپ جس تکلیف سے گزر رہے تھے، اس میں انسان سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو دیتا ہے۔" تانیہ نے غیر محسوس طریقے سے ہاتھ بھی چھڑا لیا۔

"تھینک یو تانیہ! اور میں تمہیں اس انداز میں یہاں بلوائے جانے پر بھی معذرت خواہ ہوں۔"

"جی، یہ واقعی غلطی ہے۔" اس مرتبہ تانیہ نے عیسیٰ کی طرف دیکھا تو چہرے پر سنجیدگی تھی۔

"کیونکہ میرے ساتھ ایک بہت حساس ذہنی پیشنٹ بھی موجود تھی۔ اس کی ذہنی حالت پر اس کا بہت برا اثر بھی پڑ سکتا ہے۔ میں اس کی بھی معالج ہوں اور اپنی وجہ سے ایک اور مریض کا نقصان اب افورڈ نہیں کر سکتی۔"

"آئی ایم سو سوری۔" وہ بس یہی کہہ پایا۔

"اب ہمیں اجازت چاہیے، دراصل ان کی فیملی وہاں مرغزار میں ہماری آمد کی منتظر ہے اور وہ سب کافی پریشان بھی ہیں۔"

"ہاں مجھے احساس ہے۔ آیئے۔" عیسیٰ کو مزید کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی تو کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

آنکھیں کھلیں تو نجانے ایسا کیوں لگا جیسے بہت لمبی نیند لی ہو۔ اتنی لمبی کہ اُسے اپنی زندگی کے واقعات چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں یاد آرہے تھے۔ اور ایک بات جو بار بار ذہن سے ٹکرا رہی تھی وہ منصب کی کمر سے خون کا بہنا تھا۔ دریا کا کنارا، انگوری دوپٹہ، بچہ۔ پانی سے نکلا تو جوان، اس کی خون سے لت پت کمر۔ آنے والے دنوں میں خون سے ڈرتے رہنا، منصب سے اتفاقی ملاقاتیں، تحریم کی شادی، ارحم، منگنی۔ جڑواں بچوں کی پیدائش۔ تحریم کی ڈیتھ۔ پھر اس کی ارحم سے شادی، تھانہ۔ نگی، تہہ خانہ۔ تو۔ تو پھر منصب ان سب حالات میں دوبارہ اس کی زندگی میں کب آیا۔ کیونکہ ابھی نیند میں جانے سے پہلے ہی مرغزار

میں اس کی کمر سے خون۔ جبکہ خون تو اس کے سر سے نکل رہا تھا۔ وسیلہ نے بے اختیار اپنے سر کو ہاتھ لگایا، اسے تو شہناز تائی نے سر پر سریا مارا تھا۔ وہ چیخ کر نیچے گری اور پھر۔ پھر منصب کہاں سے آیا۔ وہ بہت الجھی الجھی سی کچھ گزری جتی باتوں کو یاد کرتی چھت کو گھور رہی تھی۔ اور چھت کے پنکھے، وال کلاک، دیواروں کے رنگ کو دیکھتے یک لخت تڑپ کر اٹھ بیٹھی۔

"ممم۔ میں اپنے گھر ہوں۔ میا عدم۔ اپنی امی کے پاس۔ امی۔" وہ خوشی سے رو دی۔ اور فوراً بستر سے نکلی۔ اسے تہہ خانے سے، تھانے سے، نگی سے۔ تائی سے سب سے نجات مل گئی تھی۔ وہ بھاگ کر دروازے میں آئی۔ لیکن پاؤں یخ ٹھنڈے فرش پر لگے تو وہ حیرت سے رک گئی۔ وہ تو سخت گرمی کے ماحول میں تہہ خانے میں بند تھی۔ اور یہاں تو بہت ٹھنڈ۔

"تم یہاں آگئیں۔ میں تو بس نکلنے ہی والا تھا۔" باہر سے مومن بھیا کی آواز آئی تھی۔ وسیلہ نے ذرا سا سر باہر نکال کر دور راہداری کے آخری اینڈ کی طرف دیکھا، جہاں مومن بھیا اور ایلیا ایک

دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے تھے۔

"جی مومن جی، وہ ربیا کو امی کے پاس چھوڑنے آئی تھی۔ اب آپ ہی کی طرف آرہی تھی۔" ایلیا نے بازو پہ ربیا کو اٹھا رکھا تھا۔ مومن کندھے پر لیپ ٹاپ لٹکائے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ جیسے آفس کے لیے بالکل تیار ہو۔

"بس اب میں یہیں سے نکل رہا ہوں، تمہیں دیکھنے آیا تھا۔" مومن نے آواز کچھ آہستہ رکھتے مسکرا کر کہا اور آگے بڑھ کر بچی کے گال پہ پیار کیا اور پھر اسی تیزی سے اچانک ہی ایلیا کا گال بھی چوم لیا۔ وہ جھینپ کر پیچھے ہٹی لیکن مومن ہنس کر ہاتھ لہراتے وہاں سے دور چلا گیا۔ وسیلہ کے لبوں پر بے ساختہ ہنسی آگئی۔ اور آنکھیں پانی سے نم ہو گئیں۔ تہہ خانے کی تنہائی اور اکیلے پن میں وہ ایسے ہی مناظر کو تصور کیا کرتی تھی۔ سوچتی تھی کیا مومن اور ایلیا نے ایک دوسرے کو بخوشی قبول کرلیا ہوگا۔ اور آج۔ مومن کی خوشی اسے حیرت میں مبتلا کر گئی تھی۔ وہ تو تحریم سے شادی کے بعد بھی ایسے شوخ و شرارتی نہ ہوئے تھے۔ وہ ایلیا کے ساتھ خوش تھے۔ اور...... یہ...... بچی...... ربیا...... اس کے گال پہ آنسو لڑھک آئے۔ وہ جب بیاہ کر یہاں سے گئی تھی تو بچے چھ سات ماہ کے تھے۔ اب تو کتنی بڑی لگ رہی تھی۔ ایلیا واپس اندر چلی گئی تھی۔ دونوں راہداری کے اینڈ والے کمرے کے دروازے میں کھڑے تھے۔

دونوں نے وسیلہ کو نہیں دیکھا تھا۔ وسیلہ نے پلٹ کر جوتے تلاش کیے اور پہن کر واپس راہداری میں آئی۔ امی کے کمرے کے باہر وہ کچھ دیر تو گم سم کھڑی یہ سوچتی رہی کہ اُسے امی سے کس طرح ملنا ہے۔ شاید وہ رات کو یہاں آئی ہے۔ لیکن سر پر کوئی زخم کیوں نہیں ہے۔ وہ ڈھیر ساری حیرت لیے بالآخر کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آگئی۔

رضوانہ اور ایلیا کی ایک ساتھ وسیلہ پہ نظر پڑی۔ اُن دونوں نے بنا کوئی تاثر دیئے بے ساختہ ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔ چہرے ایک دم سپاٹ تھے۔ وسیلہ کو دیکھ کر ان کے چہروں پر کوئی ایکسائٹمنٹ تھی نہ خوشی۔ یہ دونوں ایک دم سنجیدہ، خاموش اور کچھ بجھی بجھی ہوئی سی تھیں۔

"امی......" وسیلہ نے نہایت آزردگی اور مایوسی بھرے لہجے میں پکارا تو رضوانہ نے حیران ہو کر ایلیا کو دیکھا۔ مرغزار سے واپسی پر بھی وسیلہ ایک دم نڈھال اور سوئی سوئی سی تھی۔ انہوں نے اسے جوس پلا کر نیند کی گولی کھلا دی تھی۔ ساری رات وہ سوئی رہی تھی۔ ثانیہ کو منصب اس کے گھر چھوڑ آیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اپنے والدین کو وہ خود ہی سمجھا دے ساری تفصیل سے آگاہ کر دے گی۔ مومن نے کلینک لے جا کر منصب کے ہاتھ کی ڈریسنگ کروائی تھی اور صبح وہ اپنی ڈیوٹی پر بھی چلا گیا تھا۔ وسیلہ کو انہوں نے ڈسٹرب نہیں کیا۔ سوچا جب تک اس کا دل چاہے وہ آرام کرتی رہے۔ اور اب۔

"ایلیا......" وہ روتے لہجے میں ایک بار پھر بولی تو اس مرتبہ ایلیا اور رضوانہ ایک ساتھ ہی شاک کی کیفیت سے باہر نکلیں۔ تعجب سے ایک دوسرے کو دیکھا، سمجھا اور ایلیا بھاگ کر وسیلہ کے قریب آئی۔

"آپی!" اس نے بے یقینی سے وسیلہ کی آنکھوں میں دیکھا تو وسیلہ اس سے لپٹ گئی۔

"ایلیا...... کیسی ہو تم...... میں...... میں تڑپ گئی تھی تم سب کو دیکھنے کے لیے، گھر واپس آنے کے لیے۔ امی امی۔" وہ ایلیا کو چھوڑ کر ماں کی طرف بھاگی، رضوانہ بھی تب تک سمجھ چکی تھیں کہ ان کی دعائیں رنگ لے آئیں۔ ان کی وسیلہ کی یادداشت واپس آگئی تھی۔ وہ وسیلہ کو اپنے ساتھ لپٹائے بے تحاشا پیار کیے جارہی تھیں۔

"شکر ہے میری بچی تم ٹھیک ہو گئیں۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔"

"امی آپ نے مجھے پہچانا نہیں تھا، ابھی جو میں کمرے میں آئی؟" وہ آنکھیں صاف کرتے اب حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

"آں نہیں۔ وہ اصل میں تم ہم سے ڈرتی

تھیں نا۔ تو۔"

"میں۔ آپ سے۔" اس نے حیرت سے ایلیا کو دیکھا۔

"میں کیوں ڈروں گی، اور کب؟" وہ حیرت سے سوال کر رہی تھی، کچھ بھی سمجھنا مشکل تھا۔

"آپی میں سب کچھ بتاتی ہوں، تم پہلے آرام سے یہاں بیٹھو اور ناشتہ کرو، کل شام سے کچھ نہیں کھایا۔" ایلیا نے اسے پکڑ کر سامنے کے بیڈ پر بٹھایا۔ وہ جان گئی کہ دیلہ کو یہ سب کچھ اتنی آسانی سے سمجھ میں نہیں آئے گا۔

"میں میانہ کب آئی؟" وہ پھر سوال پوچھنے لگی۔ اور اس کے سوال پر ایلیا مسکرا دی۔

"اس کا جواب تمہیں حیران کر دے گا اس لیے کہہ رہی ہوں پہلے تم آرام سے ناشتہ کرو، فریش ہو جاؤ، پھر پوری تفصیل بتاتی ہوں۔"

"ربیا تو کتنی بڑی ہو گئی ہے۔ اور عابی۔" وہ کہاں ہے؟ وہ ایلیا کو دیکھ رہی تھی۔

"عابی امی کے پاس ہے۔ اسے بھی لے آتی ہوں۔" اس نے آنکھوں آنکھوں میں امی کو کچھ اشارہ کیا اور باہر نکل آئی۔ سب سے پہلے دادی اور رمشہ کو جا کر خوش خبری سنائی، لیکن دونوں کو ہی دیلہ کے سامنے جانے سے منع کیا۔ ایلیاء کو اندازہ تھا کہ دادی کو دیکھتے ہی دیلہ کو پھر سے سوال ستانے لگیں گے۔ پھر وہ بھاگ کر ماموں اور مامی کے پاس آ گئی انہیں جلدی جلدی خوش خبری سنا کر بالترتیب، مومن منصب اور تانیہ کو بھی کال کر کے دیلہ کی یادداشت واپس آنے کا بتایا اور اسی تیزی سے کچن میں آ کر ناشتہ بھی تیار کیا۔ تانیہ نے کہا تھا کہ تھوڑی دیر میں وہ خود وہاں آ رہی ہے۔ منصب اور مومن دونوں نے بھی کہا کہ تانیہ ہی دیلہ کو سارے حالات سے آگاہ کرے۔

☆☆☆

"حیرت ہے مجھے واپس آئے تین ماہ ہو گئے ہیں۔" وہ ساری باتیں سن کر پہلا حیرت بھرا ردعمل

بھی دے پائی۔ اپنے اوپر گزرے حالات بھی دیلہ نے سب کو سنا دیئے۔ دادی سے بھی ملاقات کی۔ البتہ رمشہ کو اپنے گھر میں دیکھ کر اُسے بہت حیرت ہوئی تھی۔ اور وہ تو وہاں سب سے بہت کھلی ملی نظر رہی تھی جبکہ۔ دیلہ کو اچانک ہی پچھلی شام کا وہ آخری منظر یاد آیا جب اس نے زخمی منصب کو دیکھا تھا۔ لیکن اسے کسی سے منصب کے متعلق پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

تانیہ نے ہی اسے بتایا کہ پچھلے روز وہ سب مرغزار گھومنے گئے تھے اور وہیں اس کی یادداشت واپس آئی تھی۔ لیکن منصب کا ذکر کسی نے نہیں کیا تو وہ بھی چپ ہو گئی۔ کہنے سننے کو اتنی باتیں تھیں کہ ابھی وہ اس معاملے میں اپنا ذہن نہیں تھکانا چاہتی تھی۔ اس کے حالات یہاں ہر ایک کے لیے بہت حیرت اور صدمے کا باعث تھے۔ ایلیا کو بہت دکھ تھا کہ وہ تھانہ کی حویلی تک جا کر بھی خالی واپس لوٹ آئی تھی، اسے تو پتا ہی نہیں تھا کہ نیچے کسی تہہ خانے میں اس کی بہن بے بسی کی زندگی جی رہی ہے۔ مزید یہ معلوم ہونے پر کہ اس روز کسی جھگڑے کی نہیں بلکہ دیلہ کا کھانا پینا بند ہونے کی بات ہو رہی تھی۔ اس کا دل کٹ کر رہ گیا۔ شہباز تائی کے مظالم، ارحم کی لاتعلقی، دادی کی بے خبری، ایک عدد بچی کی اذیت ناک قربت۔ کتنی باتیں تھیں جنہیں دکھ اور حیرت سے سنتے نجانے وہ سب کتنی مرتبہ روئے تھے۔

وہ پورے گھر میں گھوم پھر کر ایک ایک چیز کو چھو کر اپنے یہاں ہونے کا یقین کر رہی تھی۔ اور وہ خوش بھی ہو رہی تھی کیونکہ یہاں بہت کچھ تبدیل ہو گیا تھا۔ سب سے زیادہ خوشی اسے تو تقی ماموں کو صحت یاب دیکھ کر ہوئی۔ وہ پہلے کی طرح نارمل انداز میں بات چیت کر سکتے تھے۔ چل پھر سکتے تھے۔ پھر دوسری بڑی خوشی مومن اور ایلیا کے تعلقات دیکھ کر ہوئی۔ تحریم کے چلے جانے کے بعد تو لگتا تھا رونق اِن در و دیوار کے اندر دوبارہ شاید داخل ہی نہ ہو گی۔ وقت جیسے تھم سا گیا تھا۔ اور مومن بھیا۔ اس نے مسکرا

کروال کلاک کی طرف دیکھا، وہ ابھی تک اُن سے نہ مل سکی تھی۔ لیکن اب وہ آفس سے آنے والے تھے۔ اُسے اُن سے بھی بہت ساری باتیں کرنی تھیں۔

☆☆☆

"ہم نے ابھی تک وسیلہ کو یہ حقیقت نہیں بتائی کہ وہ ہماری سگی بہن نہیں ہے اور وہ سب باتیں جو دادی سے پتا چلی تھیں۔"

"بتانا بھی نہیں چاہیے۔" تانیہ کی آواز بھی نہایت دھیمی سرگوشی جیسی تھی۔ مومن اور منصب جیسے ہی ڈیوٹی سے واپس آئے ایلیا نے تانیہ کو بلوا بھیجا۔ اب تک کے وقت میں وہ وسیلہ کے ساتھ بیٹھی اس کے حالات ڈسکس کرتی رہی تھی اور بہت سارے معاملات ابھی بھی ایسے تھے جن پر بات کرنا بہت ضروری تھا۔ مومن ابھی تک وسیلہ سے نہیں ملا تھا۔ منصب کو بھی آفس سے آتے ہی سیدھے یہیں بلا لیا گیا۔ وہ سب اس وقت مومن کے کمرے میں تھے۔

"وسیلہ بیک وقت بہت ساری حیرتوں سے نمٹ رہی ہے۔ اور اس کی ذہنی حالت کے لیے اتنا دباؤ بھی کم نہیں ہے۔ فی الحال اسے اپنے اور منصب کے بیچ سے بے خبر ہی رکھنا چاہیے۔"

"لیکن میری اور رمشہ کی اس گھر میں موجودگی پر آپ کیا جواز پیش کریں گے۔ شاید مجھے یہاں سے چلے جانا چاہیے۔" منصب نے مشورہ دیا۔

"نہیں منصب بھیا۔ ہم کچھ اور سوچتے ہیں۔" ایلیا کو یہ صلاح پسند نہیں آئی۔

"جذباتی مت بنو ایلیا! فی الحال صرف وسیلہ کے بارے میں سوچو۔" منصب نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"مجھے ایک آئیڈیا آیا ہے۔" تانیہ نے باری باری سب کو دیکھا۔

"ہاں کہو۔ کیسا آئیڈیا؟" منصب نے ہی سوال کیا۔

"ایلیا نے وسیلہ کو صرف اتنا بتایا کہ وہ جب زخمی ہو کر ہسپتال پہنچی تو ہم سب تھانہ پہنچے۔ اس نے میمونہ اور منصب کا ذکر اس وقت جان بوجھ کر نہیں کیا۔ اب رضوانہ آنٹی وسیلہ کو وہ ساری تفصیل بتائیں۔ اور اس سے کہیں کہ پہلے میں بھی منصب سے بدگمان ضرور تھی لیکن تین ماہ پہلے جب منصب کی کوششوں سے ہی تمہیں تہہ خانے سے نکال کر یہاں لایا گیا۔ اور اس میں جھوٹ تو کوئی نہیں ہے، منصب اگر اس صبح میمونہ کو حویلی نہ بھیجتا تو وسیلہ کا زندہ بچنا تک محال تھا۔

منصب نے نہ صرف ارحم اور اس کی ماں کی سازشوں کو ناکام بنایا بلکہ وسیلہ کے گھر والے یعنی آپ سب جو یہاں بے خبر بیٹھے تھے ان کو بھی وسیلہ کی حالت کی اطلاع دی۔ وسیلہ کے ارد گرد اس کے اپنوں کے پہنچتے ہی اس کی زندگی خطروں سے باہر آ گئی۔ منصب کے احسانات کی وجہ سے آپ سب کا دل اس کی طرف سے صاف ہو گیا۔"

"اچھا جی۔ اور اتنا صاف ہو گیا کہ اٹھا کر منصب کو اپنے گھر ہی رکھ لیا۔" منصب کو ابھی بھی تسلی نہیں ہوئی۔

"وہ تو پہلے بھی کہا تھا نا کہ تم یہاں کرائے دار ہو۔ وجہ کچھ بھی بتا دیں گے۔" تانیہ مصر تھی۔ منصب نے مومن کو دیکھا تو اس نے بھی مسکرا کر تائید کی۔

"تمہیں یہاں سے جانے تو نہیں دیں گے۔ اور ہاں منصب یہ معاملہ تو چلو سلجھ ہی جائے گا۔ آگے کے متعلق کیا رائے ہے۔ وسیلہ نے اپنے حالات تو تفصیل سے بتا دیے، اب کیا لائحہ عمل اختیار کرنا ہے؟"

"ہوں۔" منصب نے متانت سے سر ہلایا۔ وسیلہ کے حالات سے متعلق انہیں ایلیا نے کچھ دیر پہلے ہی تفصیل سے آگاہ کیا تھا۔

"وسیلہ کا بیان ریکارڈ ہونے سے پہلے ہمیں ڈاکٹر تانیہ اور سرجن کفایت سے وسیلہ کی میڈیکل رپورٹ حاصل کرنی ہوگی جس کے مطابق اب وہ

ذہنی لحاظ سے بالکل فٹ ہے۔ اس کے بعد دیلہ کا بیان جس میں وہ خود پر گزری اب تک کی روئیداد سنائے گی اور اس کے بعد خلع کا دعویٰ کرے گی۔ ساس کے مظالم سے بھی اہم شوہر کی لاتعلقی کا معاملہ ہے۔

شادی کر کے یہاں سے رخصت کرا لے جانے والا وہاں پہنچ کر دوبارہ دکھائی تک نہیں دیا۔ بیوی کے حقوق پورے کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔ اور دیلہ کے میکے والوں کی طرف سے اس کے کی رپورٹ درج کروانا کہ ارحم پہلی بیوی کی اجازت یا علم میں لائے دوسری شادی کر چکا ہے اور اس عورت کو چوری چھپے حویلی میں رکھا ہوا ہے۔ اس درخواست کی بنا پر سرچ وارنٹ حاصل کیا جائے گا اور حویلی پر ریڈ ہوگی۔ ریڈ تو خیر اس رپورٹ پر بھی بن جائے گی کہ بہو پر مظالم ڈھائے گئے ہیں اسے کسی تہہ خانے میں محبوس رکھا گیا اور اس پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔"

"ہوں ٹھیک۔" مومن نے ڈاکٹر تانیہ کو دیکھا۔

"میں ڈاکٹر کفایت سے بات کرتی ہوں۔ شاید ہمیں دیلہ کو ساتھ لے جانا پڑے۔ ڈاکٹر صاحب اس کا خود چیک اپ کریں گے۔ اسے سنیں گے اور فٹنس رپورٹ دیں گے۔ اس کے بعد پھر میں بھی رپورٹ بناتی ہوں۔"

"او کے، اور اس سب میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ تھانہ تک دیلہ کی صحت یابی کی اطلاع نہیں پہنچنی چاہیے ورنہ وہ لوگ ہوشیار ہو جائیں گے اور کچھ بھی نیا سوچ لیں گے۔ ہو سکتا ہے غائب ہی ہو جائیں۔" منصب نے مزید کہا جس پر سب نے سر ہلا دیا۔

☆☆☆

"کیا ہوا امی۔ ریبا کیوں روئے جا رہی ہے۔" دیلہ اسی وقت نہا کر نکلی تھی۔ ریبا کے رونے کی آواز سنی تو بال سلجھاتے امی کے کمرے میں آ گئی۔

"ایلیا اپنے گھر گئی ہے۔ مومن آفس سے آیا ہے نا، اس کو شاید کھانا دے رہی ہو۔"

"مومن بھیا آ گئے۔ مجھے ملنا ہے اُن سے۔ میں ریبا کو وہیں لے جاتی ہوں۔" اس نے برش رکھ کر ریبا کو بازوؤں پہ اٹھا لیا۔

"ارے کوئی بات نہیں۔ میں کال کر کے ایلیا کو بلا لیتی ہوں۔ تمہاری طبیعت۔" رضوانہ نے موبائل اٹھا لیا۔

"میری طبیعت کو کیا ہوا ہے۔" وہ مسکرا دی۔ "بالکل ٹھیک ہوں اب۔" وہ ان کی ایک نہ سنتے ریبا سے باتیں کرتی درمیانی دروازے میں آئی تو سامنا منصب سے ہو گیا۔

"آ آپ۔" وہ حیرت سے چند قدم پیچھے ہوئی۔ منصب کے پچھلے روز مرغزار میں ہونے کو اس نے پھر ایک اتفاق ہی گردانا تھا۔ لیکن یہاں اپنے گھر میں۔

"السلام علیکم۔" منصب خود بری طرح گڑبڑا گیا۔ وہ تو یہ سوچ کر یہاں تک آ گیا کہ اس کا کمرہ درمیانی دروازے سے نکلتے ہی عین سامنے تھا۔ بنا اندر لاؤنج میں جائے وہ جلدی سے کمرے میں داخل ہو سکتا تھا۔ سوچا کہ ادھر جب مومن اور امی وغیرہ دیلہ کو اس کے متعلق سمجھا دیں گی تو تب سامنا بھی کر لے گا لیکن اب اس نے دل ہی دل سخت پشیمانی محسوس کی۔ دیلہ نے اس کے سلام کا جواب بھی نہیں دیا تھا۔ اسے یہ سوچ کر سخت افسوس ہو رہا تھا کہ اس کی غیر موجودگی میں اس کے گھر والوں نے کیسے منصب کی ہر زیادتی کو فراموش کر دیا تھا۔ وہی منصب آج ان کے گھر کے اندر موجود تھا، امی تو کل تک جسے برداشت بھی نہ کرتی تھیں۔ وہ آنکھوں میں پانی کی نمی لیے وہیں سے واپس پلٹ آئی۔ منصب سے کسی قسم کی بات چیت کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔

"آپی۔ میری بات سمجھو۔" ایلیا نے اس کا کندھا چھوا تو اس نے بری طرح ایلیا کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"تمہاری کوئی بھی بات مجھے بالکل مطمئن نہیں

کر سکتی، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ لوگ اتنے جلدی بدل جائیں گے۔"

"تم ایک بار ٹھنڈے دل سے ہماری بات سنو۔" مومن بھی وہیں موجود تھا۔ اس نے دیلہ کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"مومن بھائی، بات یہ نہیں کہ کسی شخص نے مجھے ٹھکرا دیا تھا اور میں وہ شکست بھول نہیں پائی، ہر انسان اپنی رائے میں آزاد و خود مختار ہے، مجھے ویسی کوئی شکایت نہیں۔ لیکن منصب نے انکار کر کے ارحم کے میری زندگی میں آنے کی راہ ہموار کی جبکہ وہ اسے اچھی طرح جانتا تھا۔ منصب کا بچپن، جوانی جس حویلی میں گزری وہ اس کے مکینوں سے خوب واقف تھا لیکن اس نے پھر بھی میری زندگی اس جہنم میں جھونک دی، امی سے سمجھنے کی کوشش کریں کہ بدلہ یا انتقام میں نہیں لے رہی، اس نے مجھ سے لیا تھا۔ آپ صرف اتنا پوچھ کر بتا دیں، کہ اس نے مجھے کس بدلے کی آگ میں جھونکا تھا۔"

"یہ بھی تمہاری غلط فہمی ہے دیلہ، ورنہ خود سوچو کہ دادی جی تو اسی حویلی کا حصہ تھیں اور منصب سے کہیں زیادہ ان سب کو جانتی تھیں، پھر انہوں نے آخر ایسا کیوں ہونے دیا؟"

"کیوں؟" دیلہ نے بے ساختہ سر اٹھایا کہ یہ خیالات تو اسے تہہ خانے میں بھی ستاتے تھے کہ آخر دادی نے ان سب کو کیوں اندھیرے میں رکھا تھا۔"

"ہم سب بھی ان لوگوں کی ظاہری اچھائی کا شکار ہوئے، انہوں نے دادی کو اچھائی کا ڈھونگ کر کے بہلا دیا تھا۔ خود منصب کا بھی یہی ماننا تھا کہ اگر دادی اس رشتے سے مطمئن ہیں تو وہ کون ہوتا ہے کچھ کہنے والا۔ اور جہاں تک بات ہے ہمارا دل صاف ہونے کی تو اس کے لیے بھی ایک بات ہی کافی ہے دیلہ! کہ آج اگر تم ہماری آنکھوں کے سامنے زندہ سلامت موجود ہو تو اس کی وجہ منصب ہے۔

اللہ پاک کو اگر تمہاری زندگی منظور تھی تو منصب وہ سبب وہ ذریعہ تھا جسے اللہ نے بروقت تم تک پہنچایا۔ منصب شروع دن سے ان سب کی طرف سے مشکوک تھا۔ جس روز تمہیں حادثے کا شکار کیا گیا۔ منصب نے صبح سویرے اپنی بہن میمونہ کو حویلی بھیجا تھا، اسے اپنے ذرائع سے معلوم ہو گیا تھا کہ ارحم چترال سے واپس آ رہا ہے اس نے تمہاری خیریت جاننے کے لیے اپنی بہن کو بھیجا۔

جس وقت تمہارے سر پر چوٹ لگی، ارحم اور تمہاری ساس نے بجائے ہسپتال لے جانے کے تمہیں ڈیرے میں چھپا دیا۔ وہ تمہیں زخمی حالت میں ہی مار دینا چاہتے تھے۔ میمونہ کی مداخلت کی وجہ سے تمہیں ہسپتال لے جانے پر مجبور ہوئے اگر منصب پولیس کی مدد نہ لیتا تو وہ تمہارے زندہ بچ نکلنے کی ہر راہ مسدود کر چکے تھے۔ حتیٰ کہ بھی منصب ہی تھا جس نے فی الفور ہمیں تمہاری حالت کی اطلاع دے کر تھانہ جانے کو کہا۔ ہمارے پہنچنے کی وجہ سے بھی تمہاری ساس اور شوہر پر بہت دبا پڑا اور وہ کچھ غلط کرنے کی پوزیشن میں نہ رہے۔" مومن نے اس بار کچھ زیادہ تفصیل سے منصب کا دفاع کیا۔

"اور امی تو ابھی تک اسی غلط فہمی میں تھیں کہ تم اپنی سسرال میں ہی خوش رہ سکتی ہو، یہ تو منصب بھیا نے ہمیں کہا کہ دیلہ کو دوبارہ اس کی سسرال والوں کے حوالے نہ کیا جائے۔" ایلیا نے مزید کہا۔

"بھائی بھی بنا لیا۔" دیلہ نے شکایتی نظروں سے ایلیا کو دیکھا۔

"او کے۔ تم مت بنانا بھائی۔" ایلیا نے ہنس کر اس کے گلے میں بانہیں ڈالیں تو مومن کا بے ساختہ قہقہہ نکلا، جبکہ دیلہ بری طرح شرمندہ ہو گئی۔

"لیکن گھر لے آنے کا کیا مطلب۔ امی تو بنا سوچے کسی پر بھی بھروسا کر لیتی ہیں۔" دیلہ کا انداز اب کچھ دھیما سا تھا۔

"وہ اس لیے کہ منصب بھائی کی لائف کو کچھ خطرات تھے۔ اب امی اسے اپنا بیٹا ماننے لگی ہیں تو اس لیے انہوں نے اپنا گھر چھوڑ دیا اور یہاں کرایے

پر آ گئے۔ اور اب تم بھی اپنا دل صاف کرو۔ کیا تمہیں ہم سب پر بھروسا نہیں ہے آپی، کیا ہم کچھ غلط فیصلہ کریں گے۔"

"ہوں۔" دیلہ نے نیم رضامندی سے سر ہلا دیا۔

☆☆☆

"عیسیٰ تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔"

"بات۔ مجھ سے۔ تمہیں کیسے پتہ، مطلب تم سے کیا رابطہ۔" تانیہ ایک دم بری طرح بوکھلائی جس پر منصب کو ہنسی آ گئی۔

"اچھا تو ڈاکٹر صاحبہ بھی نروس ہوتی ہیں؟" وہ اسے تنگ کرنے لگا جس پر تانیہ بری طرح خفت زدہ ہوئی۔ وہ اس وقت ناشتہ کر کے بالکل ہی فارغ بیٹھی تھی جب منصب کی کال آ گئی۔ وہ بھی اپنے آفس میں تھا اور تھوڑا فری وقت میسر آیا تو تانیہ کو کال ملالی۔

"صاف بتاؤ منصب، کیا کہا عیسیٰ نے؟"

"اس روز مرغزار میں اس نے میرا نمبر لیا تھا، اور رات اس کی کال آ گئی، کہتا ہے تم سے بات کرنا چاہتا ہے اور گھر بھی آنا چاہتا ہے۔"

"نہیں نہیں۔" وہ بری طرح گھبرائی "امی ابو تو بہت پریشان ہو جائیں گے۔"

"کیوں، تم نے ان کو بتایا نہیں، جو کچھ وہاں مرغزار میں پیش آیا؟" منصب حیران ہو کر پوچھنے لگا۔

"بتایا تھا منصب اور بہت ڈانٹ بھی کھائی، کیونکہ میں گھر پر جھوٹ بول کر گئی تھی۔"

"ہوں۔ اور عیسیٰ کا سچ؟" منصب نے معنی خیزی سے دریافت کیا۔

"ہاں، وہ سب باتیں بھی بتائی تھیں۔"

"پھر تو انہیں خوش ہونا چاہیے، کیونکہ تمہاری جان کو اب کوئی خطرہ نہیں، الٹا وہ اپنے اب تک کے رویے پر شرمندہ بھی ہے۔"

"ہاں لیکن امی ابو کو اس کا یقین بھی تو آئے۔" تانیہ کا لہجہ کچھ سست اور مایوس کن سا تھا۔

"مطلب؟" منصب چونکا۔

"وہ کہتے ہیں یہ اس کی کوئی چال نہ ہو۔ بدلہ وغیرہ لینے کے لیے۔"

"ہوں۔" منصب بھلا اس امکان کو کیسے رد کر سکتا تھا۔ جبکہ دیلہ کی ہنستی بستی زندگی اس کے سامنے تھی جو ایک انتقام کی بھینٹ چڑھتے اسے کیا سے کیا بنا گئی تھی۔

"تو۔ کیا کہتی ہو، کیا کہنا چاہیے عیسیٰ کو۔ اور کیسے پتا چلے گا حقیقت کا۔"

"میں کیا کہوں منصب۔ تم ہی کوئی مشورہ دو۔ امی ابو صرف جذباتی بن کر سوچ رہے ہیں اور میں۔" اس نے ایک آہ بھری۔ "میرا دماغ بھی بالکل کام نہیں کر رہا۔"

"میرا تو یہ کہنا ہے تانیہ کہ عیسیٰ کی معذرت اور اس کے بیان پر شک کرنا بھی چلو۔ ایک لحاظ سے درست بات ہے ہر رسک لینا خود کو خطرے میں ڈالنا ہوگا لیکن اس امکان کو بھی رد نہیں کیا جا سکتا کہ کیا پتا وہ سچا ہو۔ تب ایسی صورت میں محض شک کی بنیاد پر ایک اچھے شخص کو کھو دینا بھی تو جائز نہیں۔"

"یہی تو ساری کنفیوژن ہے۔"

"تب تو ایک ہی حل ہے۔" منصب سیدھا ہو بیٹھا۔

"ہاں کہو۔"

"تمہیں بنا کسی لیپ کے عیسیٰ پر اپنے خدشات ظاہر کر دینے چاہئیں۔ میں ہی اسے سمجھاؤں گا کہ اگر وہ رشتہ بحال کرنے میں انٹرسٹڈ ہے تو اسے یقین دہانی تو کروانی پڑے گی۔ کیونکہ درمیان میں جو اتنا کچھ ہوا اسے اتنی آسانی سے اگنور نہیں کیا جا سکتا۔ خصوصاً اگر والدین کی نظر سے دیکھا جائے تو اولاد کا تحفظ اس کی سلامتی ہی ان کی اولین ترجیح ہوتی ہے۔ مجھے امید ہے وہ میری بات سمجھ جائے گا۔"

"تم صحیح کہتے ہو منصب۔ سیدھے اور صاف الفاظ میں ہی اپنا موقف سامنے رکھنا چاہیے۔ گول مول رویوں اور اپنی طرف سے بہت کچھ فرض کر لینا

پھر ایسے ہی نتائج سے ہمکنار کرتا ہے جیسا وسیلہ کے ساتھ ہوا۔ رضوانہ آنٹی اپنی طرف سے بہت کچھ فرض کرتی گئیں۔ دادی نے الگ مفروضے قائم کیے۔ کوئی بھی کھل کر کسی سے کچھ نہیں کہہ پایا اور دشمن اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔"

"ہوں۔ تم اپنے امی ابو کو بھی بتا دو موجودہ صورت حال، میں پھر عیشی سے بات کرکے بتاتا ہوں۔" منصب نے یہ کہہ کر اجازت لی اور تانیہ بھی ایک ہی سوچ میں گم ہوگئی۔

☆☆☆

حویلی کی سرخ اینٹوں سے لپٹی بیلیں خزاں کی وجہ سے بے رنگ، باسی اور مرجھائی ہوئی سی نظر آرہی تھیں۔ حویلی سے دور کچھ فاصلے پر جیپ میں منصب اور مومن بیٹھے تھے۔

"ایسے حالات میں اعصابی طور پہ خود کو مضبوط اور حاضر رکھنا پڑتا ہے مومن، یہ سچویشن ایسی ہے کہ جس میں کچھ بھی پیش آنے کی توقع رکھی جاتی ہے۔" منصب نے سنجیدہ نظروں سے مومن کو دیکھا اور اس نے بھی سر ہلا دیا۔ وہ دونوں اس وقت تھانہ میں تھے۔ کچھ دن پہلے بھی وہ یہاں آئے تھے۔ اس وقت وسیلہ بھی ان کے ساتھ تھی۔ تب وہ تینوں صرف پولیس اسٹیشن گئے تھے۔ پولیس نے اس کا بیان لیا تھا اور اس کی میڈیکل رپورٹس بھی دیکھی تھیں۔ اسی کی بنیاد پر سرچ وارنٹ تیار کیا گیا تھا۔ اور آج مومن اور منصب یہاں دوبارہ آئے تھے۔ پولیس کی گاڑی ان سے آگے تھی۔ یہاں کے اے ایس پی، دو لیڈی پولیس اور پانچ چھ کانسٹیبل اب پولیس وین میں حویلی پر ریڈ کرنے کے لیے روانہ ہو چکے تھے۔ منصب نے اپنی جیپ حویلی کے باہر روکی۔ اگلی پولیس وین سے نکل کر ڈیرے اور حویلی کو گھیرے میں لے لیا گیا تھا۔

ارحم ڈیرے پر موجود تھا۔

اس اچانک افتاد نے اسے سنبھلنے اور بھاگنے کا موقع نہیں دیا۔ بیوی پر تشدد اور جان لیوا حملے کے شبے میں اسے گرفتار کرلیا تھا۔ خواتین پولیس حویلی کے اندر گئیں تو وہاں صرف چار عورتیں موجود تھیں۔ جنہیں تھوڑی بہت مزاحمت کے بعد گرفتار کرلیا گیا۔ وسیلہ کے بیان میں جس تہہ خانے کا ذکر تھا اس کی تلاشی لی گئی، وہاں سے گلناز کو باہر لایا گیا۔ چترالی عورت نے بھی فوراً ہی تسلیم کرلیا کہ وہ ارحم خان کی بیوی ہے۔ وسیلہ کے بیان کی بہت سی باتیں موقع پر ہی درست ثابت ہو گئی تھیں۔ گلناز کی دستیابی پر اے ایس پی شفقت باہر منصب کے پاس آ گئے۔

"منصب، یہ ایک خاتون تو ذہنی طور پر معذور دکھائی دیتی ہے، اسے کیسے جیل میں ڈالیں۔"

"ہوں۔" منصب دونوں ہاتھ جیبوں میں ڈالے کچھ دیر کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ ارحم کے ڈیرے اور حویلی کو اس کی موجودگی میں بند کردیا گیا تھا۔ اس کے بعد ہی ملازمین، ارحم، اس کی بیوی اور شہباز کو گرفتار کرکے وین میں ڈال دیا گیا۔

"یہ ارحم خان کی خالہ ہے اور ظاہر ہے کہ اپنی ذہنی حالت کی وجہ سے بے قصور بھی ہے۔"

"کہیں یہ عورت ناٹک نہ کررہی ہو، میرے خیال سے اس کو بھی۔"

"نہیں نہیں سر۔" منصب نے ہاتھ بڑھا کر روکا "میں انہیں بچپن سے جانتا ہوں، یہ دانستہ کسی معاملے میں ملوث نہیں۔۔۔۔ اور۔۔۔ میرا خیال ہے انہیں میں اپنے ساتھ ہی لے جاتا ہوں۔ فی الحال یہاں کوئی ایسا نہیں جو ان کی دیکھ بھال کرسکے۔"

"آر یو شیور؟" سر شفقت اب جانے کے لیے تیار دکھائی دیتے تھے۔

"ہوں۔ انہیں میں میاندم ساتھ لے جاؤں گا۔ اور آپ سے تو رابطہ رہے گا ہی۔ اور ابھی تو ہم پولیس اسٹیشن تک ساتھ آرہے ہیں۔"

"ہاں، اب دیکھتے ہیں ارحم اپنے بچاؤ کے لیے کیا ہاتھ پیر مارتا ہے۔" سر شفقت پولیس جیپ میں بیٹھ گئے۔ پیچھے پیچھے منصب بھی مومن کو ساتھ لیے اپنی جیپ میں پولیس اسٹیشن چلا آیا۔ گلناز فی الحال پولیس وین میں تھی۔ منصب کا ارادہ تھا کہ میاندم

روانگی کے وقت وہ انہیں اپنے ساتھ لے جائے گا۔ اور اس سے آگے کے معاملات پر اس نے زیادہ سوچا ہی نہیں۔

جس وقت منصب جیپ روک کر تھانے کے اندر آیا، ارحم بری طرح چلاتے ہوئے ذاتی وکیل ہائر کرنے کی بات کر رہا تھا۔

"ضرور ہائر کرو وکیل اور اسے جتنے جھوٹ سکھانے پڑھانے ہیں، کر دیکھو۔" وہ بنا ارحم کی طرف دیکھے استہزائیہ ہنسا۔ وہ تکلیف دہ دن بھی لمحے کے لیے بھی منصب کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہوا تھا جب ارحم، اس کے آفس میں دندناتے ہوئے داخل ہوا تھا۔ کرسی کو ٹھوکر مار کر وہ اسے اپنے احسانات اور منصب کی نمک حرامی کی لسٹ سناتے اس کا سارا سکھ چین چھین کر لے گیا تھا۔ سچ ہے کہ وقت بھی کسی کا دوست نہیں ہوتا، اس دن خالی ہاتھ خالی دامن گھر لوٹتے منصب کو بھی اچھا وقت واپس آنے کا امکان یکسر دکھائی نہ دیتا تھا۔ تبھی تو ظلم کرنے والے بھول کیوں جاتے ہیں کہ وہ پروردگار بازی پلٹ بھی سکتا ہے۔

☆☆☆

"گلناز......" رضوانہ نے حیرت سے سامنے دیکھا۔ منصب جس عورت کا ہاتھ تھام کر سہارا دینے کے انداز میں اندر لا رہا تھا، وہ بلاشبہ گلناز ہی تھی۔ رضوانہ نے جسے برسوں پہلے دیکھا تھا اور آج وہ کتنی مختلف تھی۔

"اماں، یہ تو کتنی لاغر اور کمزور ہوگئی ہے۔ کوئی اس کا خیال نہیں رکھتا؟" انہوں نے حیرت سے پاس کھڑی ساس کو دیکھا۔

"خیال تو بہت رکھتی تھی اس کی بہن۔" اماں جی نے بھی آگے بڑھ کر گلناز کو بازو سے پکڑا۔ "لیکن عمر بھی تو کتنی ہوچکی، پھر ایک نیم پاگل انسان اپنے موڈ کا غلام ہوتا ہے۔ اس پر زور زبردستی نہیں چلتی۔ اس کا دل چاہتا ہے تو کھا پی لیتی ہے، ورنہ یونہی کھانا خراب ہوتا رہتا ہے۔" وہ بولتے ہوئے اسے اندر لے آئیں۔ منصب نے فون پر ہی امی کو بتا دیا تھا کہ وہ گلناز خالہ کو اپنے ساتھ لا رہا ہے۔ فیروزہ اور ایلیا نے ایک کمرا اس کے لیے خالی کیا۔ جس وقت اسے اندر لا کر بٹھایا گیا، تانیہ بھی وہاں موجود تھی۔

وہ بڑے دھیان سے گلناز کو دیکھ رہی تھی۔ ایک عجیب و غریب کردار کہ جس کے متعلق دیلہ کی روئیداد میں بہت کچھ سننے کو ملا تھا، جس کا ایک دھندلا سا خاکہ تانیہ کے ذہن نے ترتیب دے دیا تھا۔ گلناز اس خاکے سے اگرچہ بہت حد تک مشابہہ تھی لیکن تانیہ کی حیرت اس وقت کسی اور وجہ سے تھی۔ وہ بہت دھیان سے گلناز کی حرکات و سکنات کو دیکھ رہی تھی۔ نئی جگہ اور نئے چہروں کے بیچ اس کی جھجک، آنکھوں کا گھبرایا سا تاثر تانیہ کو کچھ سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔

"کیا دیکھ رہی ہیں تانیہ؟" دیلہ نے آہستہ سے اس کا کندھا چھوا تو وہ چونک کر مڑی پھر مسکرا دی۔

"کچھ نہیں۔ بس ویسے ہی ایک ڈاکٹر کی نظر سے ان کو دیکھ رہی تھی۔" تانیہ نے ابرو سے دور بیٹھی گلناز کی طرف اشارہ کیا۔

"تو...... کیا دیکھا پھر۔" دیلہ کے انداز میں دلچسپی سی تھی۔

"تم نے ان کے ساتھ بہت قریب سے وقت گزارا ہے دیلہ۔ تو کیا میں کچھ پوچھ سکتی ہوں۔" وہ بات کرتے باہر نکل آئی۔

"شیور۔ اجازت لینے کی بات نہیں ہے۔ پوچھیں۔" وہ دونوں چلتے ہوئے دیلہ کے کمرے میں آگئیں۔

"کیا یہ بات چیت کرتی ہیں؟"

"آں۔ نہیں۔" دیلہ نے نفی میں سر ہلایا "چپ کر کے بیٹھی رہتی تھی۔ کبھی زور زور سے ہنسنے لگتی کبھی چیخنے لگتی، کبھی اچانک حملہ آور ہو جاتا لیکن بولتا تو کبھی نوٹس نہیں کیا۔"

"تم نے کبھی اس سے بات کرنے کی کوشش کی؟"

"سچ کہوں تانیہ تو۔ ہاں میرا بہت مرتبہ یہ دل چاہا کہ بجائے ڈرنے کے کیوں نہ اسے دوست بنا لیا جائے۔ لیکن میری مجبوری یہ تھی کہ میں قید میں تھی، باہر مستقل تالا پڑا ہوتا تھا۔ میں صرف اسی ڈر سے اپنی سوچ پر کبھی عمل نہیں کر پائی کہ اگر بات چیت کا نتیجہ کچھ خطرناک نکلا تو میرے پاس بچ نکلنے کی کوئی راہ نہیں ہے، بس اسی لیے مکمل گریز اور خاموشی اختیار کیے رکھی۔"

"ہوں۔ یہ بات تو تمہاری سچ ہے۔" تانیہ نے متانت سے سر ہلایا۔

"یہ بات آپ کے ذہن میں کیوں آئی تانیہ؟"

"ہاں، ہے ایک وجہ، لیکن ابھی کچھ واضح نہیں ہے۔ میں منصب سے مشورہ کر کے کچھ بتا سکتی ہوں۔"

"منصب سے...... کیوں؟" دیبلہ نے چونک کر تانیہ کو دیکھا۔

"اسے سمجھ میں نہیں آیا کہ منصب تو باہر کا بندہ تھا، گلناز سے متعلق مشورہ تو گھر کے کسی فرد سے لینا چاہیے جیسے دادی، یا اس کی امی۔"

"وہ......" تانیہ کچھ دیر کے لیے گڑبڑائی" وہ اصل میں منصب انہیں ساتھ لایا ہے نا اپنی ذمہ داری پر...... تو......" تانیہ کو بروقت جواب سوجھا تو دیبلہ نے بھی سر ہلا دیا۔

☆☆☆

"جی شفقت صاحب...... سب خیریت......" منصب نے اے ایس پی تھانہ کی طرف سے کال آتی دیکھی تو موبائل کان سے لگاتے ایک سائیڈ پر نکل آیا۔

"ہاں کہہ سکتے ہو خیریت ہے۔" شفقت کا لہجہ کچھ ڈھیلا سا تھا۔ منصب مکمل اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"دراصل ارحم خان نے وکیل مقرر کر دیا ہے۔ اور بری خبر یہ ہے کہ اس نے الٹا تم پر کیس فائل کر دیا ہے۔"

"مجھ پر...... کیسا کیس؟" منصب ہمہ تن متوجہ تھا۔

"ارحم کا کہنا ہے کہ منصب کی نظر شادی سے پہلے سے، اس کی بیوی دیبلہ پر تھی اور اسی وجہ سے وہ اس کے ذاتی معاملات میں مداخلت کر رہا ہے۔ دیبلہ کو اس کی طرف سے بدگمان کرنے میں سارا ہاتھ منصب کا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ دیبلہ کے گھر پر اس کے ساتھ رہ رہا ہے۔"

"اچھا؟" منصب کو سن کر حیرت ہوئی" اور یہ بات ارحم خان تک کیسے پہنچی کہ میں یہاں رہتا ہوں، مطلب دیبلہ کے گھر۔"

"اس کے وکیل نے تمہارے متعلق معلومات حاصل کروائیں تو اس کے علم میں آئی یہ بات۔ کیا واقعی ایسا ہے منصب؟" شفقت کو بھی سن کر حیرت سی ہوئی۔

"ہاں ایسا ہے، لیکن اس کی ایک وجہ ہے۔ میں کچھ شواہد وغیرہ کے ساتھ ایک دو روز میں پہنچتا ہوں۔ اور۔" وہ رکا۔

"ارحم کا اپنی چترالی بیوی کے متعلق کیا کہنا ہے؟"

"کہتا ہے پہلی بیوی نے اول روز سے ایک فاصلہ بنائے رکھا، اس لیے کچھ مہینے ڈیڑھ بعد دوسری شادی کی نوبت آئی۔"

"حالانکہ یہ تو اگلے ہی روز چترال نکل گیا تھا۔"

"ہاں یہاں اس نے ہیرا پھیری سے کام لیا اور اپنی دوسری شادی کو ڈیڑھ مہینے بعد شو کر رہا ہے۔"

"او کے، میں آ کر ان سب معاملات کو دیکھتا ہوں۔"

"جلدی آنا۔ وہ لوگ ضمانت کے لیے ہاتھ پیر مار رہے ہیں۔ زیادہ امکان یہی ہے کہ کروا ہی لیں گے۔"

"ہوں۔" منصب نے کال آف کر کے اگلا نمبر موسن کا ملا لیا۔

☆☆☆

"کیا یہ واقعی ایک بالکل نارمل لڑکی تھی دادی۔ آپ کو یقین ہے؟" گلناز کا بغور مشاہدہ کرنے کے بعد تانیہ کی حیرت بجا تھی۔

"میرا مطلب ہے کیا پتا وہ بظاہر ٹھیک دکھائی دیتی ہو لیکن ذہنی طور پر بہت کمزور ہو۔"

"نہیں بیٹا۔ گلناز کو میں بارہ تیرہ برس کی عمر سے ہی بہت قریب سے دیکھتی آئی ہوں۔ وہ اپنی بہن شہناز کے بیاہ کے موقع پر اس کے ساتھ ہی حویلی آئی تھی۔ بالکل نارمل شوخ اور شرارتی سی بچی تھی، گھر بھر میں اودھم مچائے رکھتا بھاگ دوڑ کر سارے کام انجام دیتا، میرے ساتھ بیٹھ کر مجھ سے پرانے قصے سنتا، کہیں کچھ بھی عام لڑکیوں سے ہٹ کر نہیں تھا۔"

"کم گو تھی؟"

"بالکل نہیں۔" دادی نے فوراً نفی کی۔ "ہر وقت ہنستا مسکراتا اور باتوں کی پٹاری کھولے رکھتا، کم گو تو بالکل نہیں کہہ سکتے۔"

"عجیب بات ہے ویسے۔" وہ گردن موڑ کر کمرے کے اس انتہائی کونے کی طرف دیکھنے لگی۔ جہاں سمٹ کر بیٹھی گلناز اردگرد تو کیا پورے جہان سے بے خبر دکھائی دیتی تھی۔ تانیہ اپنی جگہ سے اٹھ کر گلناز کے قریب آئی اور پھر وہیں نیچے ہی فرش پر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ گلناز نے پلکیں جھپکیں جیسے اسے اپنے سامنے کسی کی موجودگی کا ادراک تو ضرور ہوا تھا لیکن اس نے دانستہ دیکھنے سے گریز کیا۔ تانیہ نے اپنا ہاتھ ہلکے سے اس کے گھٹنوں پہ رکھے ہاتھ پہ رکھا۔

"بات سنو۔" تانیہ نے آہستہ سے اسے پکارا تو اس نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔

"آپ مجھے بہت اچھی لگی ہیں۔ کیا میں آپ سے بات کر سکتی ہوں؟" تانیہ نے ہاتھ پھر اس کے ہاتھ پہ رکھا۔ گلناز کی پلکیں ایک بار پھر جھپکیں اور اس کی آنکھوں نے فرش پر، دائیں بائیں دیکھا لیکن نظروں کو سامنے اٹھایا نہیں۔ تانیہ کی پوری توجہ اس کے چہرے اور آنکھوں پر تھی اور ابھی تک صرف آنکھوں سے تانیہ کی باتوں کا رسپانس دے رہی تھیں۔ یا بس اتنا کہ اس نے اپنا ہاتھ ایک بار پیچھے کھینچا تھا۔

"آپ کا نام کیا ہے؟" تانیہ نے ہمت نہ ہارتے پھر بات کو آگے بڑھایا لیکن وہ یونہی بیٹھی رہی۔

"میرا نام تانیہ ہے، میں یہاں بالکل اکیلی ہوں۔ میرے ساتھ بات کرنے والا کوئی نہیں۔ اگر آپ مجھ سے بات کریں تو مجھے اچھا لگے گا۔"

"دادی بتا رہی تھیں کہ آپ کی آواز بہت خوب صورت ہے۔ کیا میں آپ کی آواز سن سکتی ہوں۔" تانیہ نے پھر اس کا ہاتھ ہلکا سا ہلا کر متوجہ کیا لیکن اس نے اپنے لب بے ساختہ بھینچ لیے تھے۔ تانیہ کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔ گلناز اسے سن بھی رہی تھی اور سمجھ بھی رہی تھی۔

"اچھا تو آپ کا نام گلناز ہے۔ دیکھیں آپ نے تو نہیں بتایا، مجھے دادی نے بتا دیا۔ ویسے بہت خوب صورت نام ہے گلناز۔"

"مجھے لگتا ہے گلناز آپ کی ہنسی بہت پیاری ہوگی۔ لیکن آپ اتنی سنجیدہ رہتی ہیں۔ ہنسا مسکرایا کریں۔ بہت اچھی لگیں گی۔" تانیہ نے ہمت نہ ہارتے یک طرفہ گفتگو جاری رکھی اور متواتر اس دوران گلناز کے تاثرات کا جائزہ لیا۔ کچھ دیر مزید اس نے کچھ ایسی ہی ملی جلی باتیں کیں۔ لیکن پھر ایلیا نے آواز دے کر متوجہ کیا تو تانیہ کو اٹھنا ہی پڑا۔

"اچھا گلناز! میں پھر آؤں گی۔ آپ سے باتیں کر کے مجھے بہت اچھا لگا۔" وہ مسکرا کر اسے دیکھتی وہاں سے اٹھ آئی۔ دادی نے مسکرا کر سر نفی میں ہلایا، انہیں تانیہ کی یہ کوشش بالکل بے فائدہ لگی۔

☆☆☆

"میں نے پہلے کہا تھا امی! غیروں پہ اتنا مہربان ہونے کی بالکل ضرورت نہیں تھی۔ دیکھ لیا

ارحم کی گندی سوچ نے اس کا کیا فائدہ اٹھایا۔" وسیلہ نے جب سے سنا کہ ارحم نے الٹا منصب کو پھنسانے کی کوشش کی تھی اس کا ڈپریشن کم ہونے میں ہی نہیں آرہا تھا۔ ارحم نے بجائے اپنے گناہ قبول کرنے کے وسیلہ کو ہی شک کے دائرے میں لاکھڑا کیا تھا۔ ریپوٹیشن پر سوال اٹھائے جانا کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے۔ وسیلہ کو اس کا خوب ادراک ہورہا تھا۔

"اچھا اب خود کو پریشان کرکے کیا ملے گا۔ منصب ہے نا سب دیکھنے کے لیے۔" رضوانہ کو وسیلہ کی فکر ہونے لگی۔ آج کل تو ہر چھوٹی بڑی بات وہ ذہن پہ سوار کرلیتی تھی۔

"منصب، منصب۔" وہ غصے سے چلا اٹھی "کتنا ڈیپنڈ کرنے لگی ہیں امی آپ اس پر۔ اور یہ کیا طریقہ ہے کسی کے احسان چکانے کا کہ لاکر گھر میں ہی بٹھا دیا جائے، آپ کی یہ چھوٹی سی لاپروائی ارحم اور تائی کے سارے بڑے بڑے گناہ چھپا دے گی لیکن آپ کو ابھی بھی ایک ہی نام سجھائی دے رہا ہے۔"

وہ بنا تھکے بولے ہی چلی گئی۔ رضوانہ نے بے بسی سے ساس کی طرف دیکھا۔ ان سب نے تو یہ فیصلہ کیا تھا کہ فی الحال وسیلہ کو اس سچ سے بے خبر رکھا جائے لیکن یہ بھی ارحم کی مہربانی کہ ایسا نہیں ہو پایا اور اس کے قائم کردہ کیس کے متعلق وسیلہ کو بھی پتہ چل گیا۔

"یہاں آؤ وسیلہ! ادھر میرے پاس بیٹھو۔" دادی نے اسی اطمینان بھرے لہجے میں اسے مخاطب کیا تو وہ جھلائی ہوئی سی ان کے نزدیک آئی۔

"آپ ہی سمجھائیں امی کو۔ ان لوگوں کا ہمارے ہاں رہنا بالکل ضروری نہیں۔ کرائے کے مکانوں کی کمی ہے کیا۔ یہ لوگ اگر ابھی بھی یہاں سے چلے جائیں تو ہم ارحم کو غلط ثابت کرسکتے ہیں۔"

"ارحم غلط ہی ثابت ہوگا، کیوں اتنا بوکھلا رہی ہو۔ بیٹھو شاباش۔" انہوں نے ہاتھ پکڑ کر وسیلہ کو اپنے پاس بٹھایا اور رضوانہ کو آنکھ کے اشارے سے باہر جانے کا کہا۔

رضوانہ خود بھی مجبور تھیں اب بھی سوچ رہی تھیں کہ وسیلہ کو سچ بتائے بنا اب چارہ نہیں ہے۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر باہر چلی گئیں۔ وسیلہ کو تو اماں ہی صحیح انداز میں سمجھا سکتی تھیں۔ اور ایسا ہی ہوا، ہاجرہ بیگم نے نرمی سے وسیلہ کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے شہباز کے اُن عزائم سے بھی آگاہ کردیا جنہوں نے ماضی میں اس کی ماں کو کتنا نقصان پہنچایا تھا اور جن کے نتیجے میں خود ہاجرہ بیگم کو کیسے کٹھن فیصلے کرنے پڑے تھے۔

"مَن..... صبا..... امی..... کا..... بیٹا....." وہ کھلا منہ لیے حیرت سے دادی کو دیکھ رہی تھی۔

"اور۔ ہم۔ میں۔" اگلا سچ اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ تھا۔

وہ اپنی ماں کی کچھ بھی نہیں لگتی تھی۔ اس کی بہنیں، دادی، مومن بھیا، مامی ماموں بچے کوئی بھی اس کا اپنا نہیں تھا۔ اور وہ۔ وہ برسوں سے اکیلی تھی۔ اور اس کی امی بیٹے کی محبت میں کتنی مجبور تھیں۔ وہ امی سے ان کے بیٹے کو باہر نکالنے کا کہہ رہی تھی۔ جب کہ اس گھر پر خود اس کا کوئی حق نہیں تھا۔ وہ عجیب بے ڈھنگے انداز میں سوچتی جارہی تھی اور جتنا زیادہ سوچ رہی تھی اتنا ہی انتشار کا شکار ہورہی تھی۔

"وسیلہ۔ رُکو۔ کہاں جارہی ہو۔" دادی اسے باہر نکلتا دیکھ کر پکارتی رہ گئیں لیکن وہ باہر صحن میں نکل آئی تھی۔ عجیب بے خبری کی سی کیفیت تھی، وہ برآمدے کے زینے پر ہی بیٹھ گئی۔ دادی نے ایلیا کو اس کے پیچھے بھیجا۔

"آپی، یہاں کیوں بیٹھ گئیں۔ اندر آؤ۔" ایلیا نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کہ متوجہ کیا لیکن وہ ہاتھوں پہ ماتھا گرائے رو رہی تھی۔ رمشہ بھی ایلیا کے پیچھے پیچھے باہر آگئی تھی۔

"رو کیوں رہی ہیں؟ ہم کیا آپ کے لیے

برائے ہو گئے اب۔ رشتے کیا صرف خون کے سچے ہوتے ہیں۔ بولو نا آپی۔" ایلیا کو بوکھلاہٹ میں کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیسے تسلی دے۔

"ہوتے ہیں۔ سچے رشتے تو خون کے ہی ہوتے ہیں۔" وہ کچھ اور زور سے رو پڑی۔

"نہ ہوتے تو کیا امی بنا کسی مصلحت کو خاطر میں لائے منصب کو اپنے گھر لے آتیں۔ اب امی باتیں سن رہی ہیں لیکن بیٹے کو گھر سے بھیجنے کو تیار نہیں۔"

"کیونکہ وہ خوش ہیں آپی! انہیں ان کا بیٹا ملا ہے۔ کیا آپ خوش نہیں ہیں۔"

"ہونا چاہتی ہوں۔" اس نے اپنے رندھے گلے پر قابو پایا، آنکھیں البتہ ابھی بھی برس رہی تھیں۔

"لیکن یہ مجھ سے ہو نہیں پا رہا۔ مجھے اپنا اکیلا پن بہت برا لگ رہا ہے۔" وہ پھر رونے بیٹھ گئی اور رمشہ جو ان دونوں کی پشت پہ کھڑی ان کی باتیں سن رہی تھی، وسیلہ کے دائیں جانب آ کر بیٹھ گئی۔ وسیلہ کا سر جھکا ہوا تھا۔ ایک ہاتھ سے وہ اپنی آنکھیں صاف کر رہی تھی اور دوسرا اس کے گھٹنے پہ دھرا تھا۔ رمشہ نے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا۔

"کیا اس لمس میں بھی خون کے سچے رشتے کی حدت محسوس نہیں ہو رہی۔"

"ہوں؟" وسیلہ نے روتی پلکیں اٹھا کر تعجب سے دائیں طرف بیٹھی رمشہ کی طرف دیکھا۔ کچھ دیر تک وہ عجیب خالی خالی نظروں سے، رمشہ کو دیکھے ہی گئی جیسے اسے رمشہ کی بات ہی سمجھ نہ آئی ہو۔ یا جیسے اس کا اس پہلو پر دھیان ہی نہ گیا ہو۔

"رمشہ اور میمونہ آپ کی سگی بہنیں ہیں آپی، آپ کا اپنا خون۔" ایلیا نے اس مرتبہ مسکرا کر یاد دلایا۔

"ہاں اور خوش صرف یہ لوگ ہی نہیں، ہم بھی ہوئے ہیں وسیلہ! ہمیں بھی تو اللہ نے بہن دی ہے۔ اور دکھی صرف تم نہیں کہ تم نے بہت سے سگے رشتے یک لخت کھو دیے، ہم بھی ہیں کہ ہم نے اپنا سگا بھائی کھویا ہے۔" رمشہ نے بظاہر مسکراتے ہوئے کہا لیکن آدھے جملے میں ہی اس کی پلکیں بھی نم ہو گئیں اور وسیلہ نے بے اختیار جذباتی ہو کر رمشہ کو اپنے گلے لگا لیا۔ وہ واقعی اب تک یہ نہیں سوچ سکی تھی کہ اس دنیا میں اس کی سگی، وہ بہنیں ہیں جو اسے ابھی ابھی ملی ہیں اور اکیلی تو وہ کبھی نہیں تھی۔ نجانے یہ حسد بھی اتنی بری چیز کیوں ہے، حقیقتیں ہی دھندلی پڑ جاتی ہیں۔

"آئی ایم سوری رمشہ! میں واقعی اس بارے میں تو سوچ ہی نہیں رہی تھی۔ اور مجھے میمونہ آپی سے بھی ملنا ہے۔" اس نے آنکھیں صاف کرتے مسکرا کر رمشہ کو دیکھا تو وہ بھی ہنس دی۔

"جی، وہ بھی بہت بے چین ہیں ملنے کے لیے ۔ میں انہیں آج ہی کہتی ہوں کہ وہ کچھ روز کے لیے یہاں آجائیں۔"

"مجھے امی سے بھی معافی مانگنی ہو گی، بلاوجہ میں ان پر اتنا چلائی ہوں۔" وہ اب سخت پشیمان لگ رہی تھی۔

"آپ جانتی ہیں وہ کبھی خفا نہیں ہوتیں، پھر آپ کا جذباتی ہونا بھی جائز ہے آپی!" ایلیا نے اس کا ہاتھ دبا کر تسلی دی۔

"لیکن مجھے سمجھ نہیں آتی، ارحم کے الزامات کا کیا کریں گے۔" وہ ایک نئی فکر میں پڑ گئی۔

"جی۔ وہ بھی سوچ لیا ہے۔" ایلیا اپنی جگہ سے اٹھ کر وسیلہ کے پیچھے آئی، اس کے بکھرے بال سمیٹ کر ہیئر بینڈ میں مقید کیے۔

"اور وہ یہ آپی، کہ اب اس سچ کو دنیا پر بھی تو ظاہر کرنا ہے۔ اور جب یہ سامنے آئے گا تو ارحم کے بے بنیاد الزامات اپنے آپ دم توڑ جائیں گے۔"

"کیا وہ لوگ مان جائیں گے۔" وسیلہ نے آنکھیں صاف کرتے اس بار لہجہ درست کیا۔ اس کا ذہن پہلی مرتبہ ایک اور سمت روانہ ہوا۔

"ماننا ہی پڑے گا۔ منصب بھیا آج کل ان ہی شواہد کو اکٹھا کرنے میں لگے ہیں۔ اور کریں گے ان شاء اللہ۔"

"اب اندر چلیں؟" اس نے وسیلہ کی تھوڑی اونچی کرتے مسکرا کر دیکھا تو اس نے بھی سر اثبات میں ہلایا۔ اسے اندر جا کر امی اور دادی سے معذرت کرنی تھی۔ بلکہ امی کو تو مبارک باد بھی دینی تھی، اللہ نے انہیں بیٹے کی خوشی سے بھی نوازا تھا۔ بس یہ خوشی ان تک پہنچتی دیر سے گی۔

☆☆☆

"اب ان لوگوں کو بچنا نہیں چاہیے ارحم۔ ان کے گناہ اب ناقابل معافی ہو چکے ہیں۔" شہباز کا سینہ سلگ رہا تھا۔ آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔

"بچ کر نکل بھی نہیں سکتا۔" ارحم نے ہاتھ میں پکڑے پیپرز کو جیسے منصب کی گردن سمجھ کر دبوچا۔ منصب کے گلے میں اس نے کیس تو ایسا پھنسایا تھا کہ اس کے بچ نکلنے کی راہ، ارحم کو دور دور تک دکھائی نہ دیتی تھی۔ اسے یقین تھا منصب اب وسیلہ کا رشتہ مانگنے کی بات کو جھٹلا ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ دیکھنے والوں نے دیکھا تھا کہ وسیلہ کے زخمی ہونے کے موقع پر بھی وہ تھانہ آ پہنچا تھا، ہاسپٹل میں بھی موجود تھا۔ اور اسے یہاں سے نکال لے جانے میں بھی اسی کا ہاتھ تھا۔ اور اب ان کے گھر کرائے دار بن کر رہنے کی حرکت تو جیسے اپنے پاؤں پہ آپ کلہاڑی مارنے والی حرکت تھی۔

"اور گلناز کو بھی اب جلد از جلد واپس لے آؤ ارحم! نجانے میری بہن وہاں کس حال میں ہے اور یہ کم بخت اسے کسی مقصد کے تحت نہ لے گئے ہوں۔"

شہباز کو اچانک ایک خیال نے پریشان کیا تو وہ سخت تشویش میں اٹھ کر ارحم کے نزدیک آ گئیں۔

"سنو ارحم! کہیں انہوں نے میری جھلی بہن کے ساتھ کچھ کر نہ دیا ہو۔ اسی نے بھی تو وسیلہ کو بہت پریشان کیا تھا تہ خانے میں، کہیں وہ اس کا بدلہ۔"

"نہیں۔" ارحم نے سر نفی میں ہلایا۔ بھنویں آپس میں جوڑے اب وہ سنجیدگی سے کچھ سوچ رہا تھا۔ "خالہ کی واپسی پر ابھی چپ رہیں۔"

"ہائیں۔ کیوں ارحم! اب میں واپس آ گئی ہوں، میں کیوں اپنی بہن کو ان ظالموں میں چھوڑ دوں۔"

"اس لیے کہ یہاں اس منصب پر ایک اور کیس بن سکتا ہے۔ میں شکایت درج کرواؤں گا کہ انہوں نے میری خالہ کو حبس بے جا میں رکھا ہوا ہے اور ہمیں بلیک میل کرنے کے لیے اسے اپنے ساتھ لے گیا ہے۔"

"ہیں......اچھا؟" شہباز کو بات کچھ زیادہ سمجھ میں نہیں آئی۔

"نہ تو وہ کیا میری آپ کی اجازت سے لے گیا ہے خالہ کو؟" ارحم الٹا ان سے پوچھنے لگا تو شہباز نے سر نفی میں ہلایا۔

"پوچھا تو نہیں تھا۔"

"تو بس فی الحال مجھے کیس دائر کرنے دیں۔ اسے تو میں چاروں جانب سے پھنساؤں گا، اور ایسے ایسے کیس کہ پولیس والے کی عقل ٹھکانے آ جائے گی۔" وہ قہقہے لگاتا اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

شہباز بھی اب کچھ کچھ سمجھتے اس رخ پر سوچنے بیٹھ گئی تھیں۔ بات تو ارحم کی سولہ آنے درست تھی۔ وہ بھلا کیا لگتا تھا گلناز کا کہ یوں اچک کر ساتھ لے گیا۔ منصب کی نیت اور اس کے ارادوں پر بجائے پریشان ہونے کے الٹا انہیں اسی کے گلے کی رسی بنانا چاہیے۔

☆☆☆

"انکل میں اپنے کیے پر سخت شرمندہ ہوں۔ اور میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے شہر، اپنے گھر واپس آ جائیں، شاید اس طرح بھی میرے پچھتاوؤں میں کچھ کمی آ سکے گی۔" عیسیٰ نے سر جھکائے از حد شرمندگی سے آغاز کیا اور سرفراز صاحب بس خاموش ہی بیٹھے رہے۔ منصب نے انہیں عیسیٰ سے ملاقات کے لیے تیار کیا تھا۔ منصب کی بات وہ ٹال نہیں پائے، ورنہ ان کا دل اب عیسیٰ کی صورت تک دیکھنے کا روادار نہ تھا۔ ان دونوں کی ملاقات ایک

ریسٹورنٹ میں ہو رہی تھی کیونکہ سرفراز احمد اسے گھر بلانے پر آمادہ نہ ہوئے تھے۔

"میری وجہ سے آپ سب ہجرت پر مجبور ہوئے، تانیہ صاحبہ کا کلینک بند ہوا۔ میں آپ کے ہر نقصان کا ازالہ کرنے کو بھی تیار ہوں۔" عیسیٰ بول تو رہا تھا لیکن کچھ مواقع زندگی میں واقعی ایسے آجاتے ہیں کہ انسان کے پاس الفاظ ہی ختم جاتے ہیں۔ وہ بھی اس وقت بالکل سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اپنا مدعا کن لفظوں میں سرفراز صاحب تک پہنچائے۔

"وہ نقصان قطعی اتنے اہم نہیں ہیں برخوردار، جن کی جانب آپ اشارہ دے رہے ہیں۔"

"سوری انکل! میرا وہ مطلب نہیں تھا۔" عیسیٰ ایک بار پھر بوکھلا سا گیا۔

"بس آپ میرے جوان بھائی کی موت کا صدمہ سمجھ کر میری کوتاہیوں کو فراموش کر دیں۔ میں حقیقتاً آپ سے نظریں ملانے کے بھی قابل نہیں ہوں۔" عیسیٰ نے اس مرتبہ اپنے دونوں ہاتھ سرفراز صاحب کے سامنے جوڑ دیے۔

"یہ سب مت کرو عیسیٰ!" سرفراز صاحب نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ چھڑوائے۔

"میرے دل میں تو کوئی گلہ کوئی شکایت باقی نہیں ہے۔ ہاں بس میں اتنا چاہتا ہوں کہ ہمیں آزادی سے جینے دیا جائے۔" وہ دبے لفظوں میں اسے جتا گئے کہ اب وہ اس سے کوئی رابطہ نہیں رکھنا چاہتے۔ عیسیٰ نے ان کی بات پر حیرت سے انہیں دیکھا۔

"اس کا مطلب آپ نے مجھے معاف نہیں کیا۔ انکل میں شرمندہ ہوں، معافی کا طلبگار بھی ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی چاہتا ہوں کہ تانیہ سے میرا رشتہ بھی قائم رہے۔"

"اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی یہ توقع رکھنا۔" سرفراز صاحب نے دانستہ بات کو ادھورا چھوڑ دیا۔

"انکل! میں سمجھ سکتا ہوں، آپ کے خدشات بھی بالکل بجا ہیں۔ لیکن میں ہر قسم کی گارنٹی دینے کو تیار ہوں۔ اور میں یقین دلاتا ہوں کہ آئندہ آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔ اور سچ پوچھیں انکل تو صہیب کی موت کے وقت بھی کچھ ایکدم ہی اتنا اپسیٹ ہو گیا تھا کہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی کام کرنا چھوڑ چکی تھی، ورنہ یقین مانیں میں ہر قسم کے حالات میں عموماً بہت متوازن رہتا ہوں۔ لیکن جوان بھائی کی موت۔ آپ پلیز سمجھنے کی کوشش کریں۔"

"سردار عیسیٰ! میں اُن والدین میں سے ہوں جو اپنے بچوں کے ہنر ان کے ٹیلنٹ کے آڑے آنے کے بجائے ان کی صحیح سمت میں رہنمائی کرتے ہیں۔ میں نے تانیہ کی قابلیت اس کے اپنی ذات پر اعتماد کی بدولت اسے وہی کرنے دیا جو وہ کرنا چاہتی تھی اور وہ اپنے پیشے اور اپنے کام سے بے حد مطمئن تھی، لیکن چند ماہ پہلے جو حادثہ اس کی زندگی میں پیش آیا اس نے بظاہر تو ہمارا کچھ نہیں بگاڑا، لیکن میری بیٹی کا اپنی ذات پر سے اعتماد بالکل تہس نہس کر دیا ہے۔ صہیب آپ کا بھائی لیکن تانیہ کا پیشنٹ تھا، بظاہر یہ لگتا ہے کہ وہ آپ کے خوف کی وجہ سے اپنا کلینک چھوڑ گئی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اب وہ اپنے آپ کو اس قابل ہی نہیں سمجھتی کہ اپنے کام کو جاری رکھ سکے، اسے لگتا ہے وہ اپنے پیشے سے انصاف نہیں کر پائی۔ اور مجھے جہاں اِن دکھائی دیتے حالات پر تکلیف ہے وہاں کچھ مستقبل کے ان دیکھے خدشات کی فکر بھی لاحق ہے، آج کرائسس کا شکار اس کا پیشہ ہوا، کل کو ازدواجی زندگی کی اونچ نیچ میں بھی وہ اپنی شخصیت کے ساتھ یہی سب کر بیٹھی تو ذمہ دار کون ہوگا۔ کیا میں نئے سرے سے کچھ اور پچھتاووں کے گرداب میں پھنس جاؤں گا کہ جانتے بوجھتے میں نے اپنی بیٹی کے ساتھ کیا کر دیا۔"

"مجھے بھی ان سب باتوں کا احساس ہے انکل! اور میں ان سب کوتاہیوں کا ازالہ کرنا چاہتا

ہوں۔ میں جانتا ہوں سر! کہ یہ ایسی خوشیاں نہیں جن کا حصول دولت سے ممکن ہو، میں وعدہ کرتا ہوں کہ تانیہ کی شخصیت کا کوئی رنگ آئندہ کبھی پھیکا نہیں پڑے گا یا کم از کم اس کی وجہ عیسیٰ نہیں ہوگا۔"

"ہوں......" سرفراز صاحب نے اس مرتبہ سوچنے کے لیے کچھ وقت لیا۔

"میں اس معاملے میں تانیہ کی رائے کو ترجیح دوں گا۔ وہ بہت سمجھدار بچی ہے، اپنا اچھا برا خود سمجھ سکتی ہے۔ باقی آپ کو سننے کے بعد اتنا ضرور کروں گا کہ اگر اس کا جواب ناں میں ہو تو اس کو کوشش کرنے کی ایک کوشش کروں گا۔"

"جی بہت شکریہ انکل! مجھے تانیہ کے جواب کا انتظار رہے گا۔" عیسیٰ کے لیے یہ بھی کیا کم تھا کہ انکل کا جواب مکمل انکار سے نیم رضامندی کی طرف آ گیا تھا۔

☆☆☆

"یہ تو بہت بڑا ٹوئسٹ ہے۔" اے ایس پی شفقت نے حیرت سے منصب کو دیکھا۔ "ارحم کو اس بارے میں معلوم ہے؟"

"بالکل نہیں۔" منصب ہنس دیا "ان کے لیے نہ صرف شاکنگ بلکہ بالکل بے تکی کا معاملہ ہوگا۔"

"ہاں، ایسا ہی ہے۔ وہ اسے اپنی دادی کی سازش، اور جھوٹ تصور کریں گے۔ اور یکسر جھٹلا دیں گے۔"

"نہیں جھٹلا پائیں گے۔" منصب نے ایک بڑا لفافہ سامنے میز پہ رکھا۔ شفقت احمد نے حیرت سے پہلے لفافہ اور پھر منصب کو دیکھا۔

"یہ کیا ہے؟"

"یہ میری ڈی این اے رپورٹس۔ جو میری بہن ایلیا اور والدہ رضوانہ سے میچ ہوتی ہیں۔ اور میری بہن میمونہ اور رمشہ کی رپورٹس جو وسیلہ سے میچ ہیں۔"

"واؤ...... گریٹ منصب......" اے ایس پی شفقت نے تعریفی نظروں سے منصب کو دیکھا۔

"اور میری دادی جان خود بھی بیان دینے کے لیے موجود ہیں۔ جو کچھ ماضی میں پیش آیا تھا، وہ اسے عدالت میں دہرانے کے لیے تیار ہیں۔"

"ہوں۔ تو مطلب ارحم کے الزام کو جھٹلانے کے لیے ہمارے پاس نہ صرف ایک مضبوط جواز آ گیا ہے بلکہ ان ثبوتوں کی وجہ سے ارحم کا دائر کردہ کیس بھی خارج ہو جائے گا۔ نہ صرف یہ بلکہ اب تو تم حویلی کے وارث کی حیثیت سے اپنے حق کا دعویٰ بھی کر سکتے ہو۔"

"ہوں۔ لیکن وہ سب فی الحال نہیں۔ ابھی کے لیے بس اتنا کہ یہ لوگ اپنے گناہ قبول کریں اور وسیلہ کو خلع مل جائے۔ اور اس کے لیے میں نے چترال سے بھی کچھ شواہد اکٹھے کیے ہیں۔ وہاں کچھ لوگ ایسے ہیں جو یہ گواہی دینے کے لیے تیار ہو جائیں گے کہ ارحم عین اپنی شادی کی پہلی رات اپنی دلہن کو یہاں چھوڑ کر چترال روانہ ہو گیا تھا۔ اور دوسری شادی ڈیڑھ دو ماہ بعد نہیں بلکہ دو دن بعد ہوئی تھی۔"

"ہاں اور اس کی دوسری بیوی کی میڈیکل رپورٹ بھی مددگار ثابت ہوگی۔ یہ ارحم پر ریلٹسی کے معاملے میں جھوٹ سے کام لے رہا تھا۔" اے ایس پی شفقت نے بھی تائید کی۔

"اچھا سر تو مجھے اجازت۔"

"اوکے منصب! اب یہ ان شاء اللہ با آسانی ہو جائے گا۔" منصب کے کھڑا ہونے پر شفقت احمد بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور منصب نے مصافحہ کر کے اجازت لی۔

ارحم کو چند دن پہلے ہی ضمانت پر رہائی مل گئی تھی۔ وہ سب دوبارہ اپنی حویلی چلے گئے تھے۔ اور ارحم نے منصب پر الزام لگا کر جو کیس فائل کیا تھا اس کے بل پر اسے پورا یقین تھا کہ وہ منصب کو پھنسا کر با آسانی اس شکنجے سے باہر نکل آئے گا۔ لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ منصب کا سچ تو خود اس کی حویلی کی دیواروں کو ہلا دینے والا ہے۔ منصب

ان ماں بیٹے کی حیرت کو محض تصور کر کے ہی اندر تک مسکرا دیا تھا۔

☆☆☆

"مجھے ایک بات سمجھ میں نہیں آرہی اماں۔" رضوانہ نے چائے کا کپ ساس کے سامنے رکھا اور اپنا کپ لیے ان کے سامنے بیٹھ گئیں۔

"ہاں کہو۔"

"منصب بتا رہا تھا کہ ارحم اور شہناز کی ضمانت پر رہائی ہو گئی ہے اور وہ حویلی چلے گئے ہیں۔ تو پھر وہ گلناز کی کوئی خیر خبر کیوں نہیں لے رہے۔ شہناز بھابی تو گلناز کے حوالے سے بہت حساس رہی ہیں۔"

"وہ تو میں بھی سوچ رہی تھی کہ گلناز کو وہ کیوں بلوا نہیں رہی۔" ناجرہ بیگم بھی اپنی جگہ حیران تھیں۔

"السلام علیکم۔" تانیہ اسی وقت کمرے میں مسکراتی ہوئی داخل ہوئی تو ان دونوں کی توجہ ادھر چلی گئی۔

"وعلیکم اسلام، جیتی رہو..... آؤ..... آؤ۔" دادی نے اپنے قریب جگہ بنائی۔

"کیسی ہیں دادی۔ طبیعت ٹھیک ہے آپ کی۔"

"اللہ کا شکر ہے بیٹا۔"

"اور آنٹی آپ۔" تانیہ نے رضوانہ کی طرف دیکھا "آپ کیسی ہیں؟"

"میں بھی ٹھیک ہوں، شکر ہے۔ تم سناؤ امی کیسی ہیں۔"

"سب خیریت ہے آنٹی، اور۔" تانیہ کی نظر بات کے دوران کمرے کے کونے میں گئی۔ گلناز آج بھی کمرے کے کونے میں نیچے زمین پر بیٹھی تھی۔ تانیہ نے سوالیہ آنٹی کی طرف دیکھا۔

"یہ کیسی ہیں۔ دوائی وغیرہ لے رہی ہیں۔" تانیہ ہی پچھلی مرتبہ گلناز کے لیے کچھ دوائیں لکھ کر دے گئی تھی۔

"ہاں۔ رمشہ کے ہاتھ سے کھا لیتی ہے۔ مجھے لگتا ہے وہ رمشہ کو پہچانتی ہے، کیونکہ وہ بتاتی ہے کہ ان کا بچپن سے حویلی میں آنا جانا ہے۔"

"جی یہی وجہ ہوگی۔" تانیہ اپنی جگہ سے اٹھ کر گلناز کے قریب آئی اور اس کے سامنے نیچے بیٹھ گئی۔

"السلام علیکم۔ کیسی ہیں گلناز!" تانیہ نے نہایت بشاش لہجے میں نہایت دوستانہ انداز میں گلناز کا ہاتھ تھاما۔

گلناز نے بے ساختہ سر اٹھا کر تانیہ کو دیکھا تو چہرے کا تاثر بدلا، پہچان کی ہلکی سی جھلک کے ساتھ ایک خوشی کی لہر سی دوڑی تھی چہرے پر۔

تانیہ نے ان سب تاثرات کو بڑی خوشی کی نظر سے دیکھا، پہلے کچھ بولنے کا ارادہ کیا لیکن ذرا دیر رک کر کچھ سوچا پھر گلناز کا ہاتھ تھام کر اسے کھڑا کیا۔ وہ بھی میکانکی انداز میں اٹھ کر کھڑا ہوتے حیرت سے تانیہ کو دیکھے گئی، جبکہ تانیہ مسکراتے ہوئے اسے دروازے کی طرف لے جانے لگی۔

اور راہداری سے ہوتے وہ گلناز کو باہر لان میں لے آئی۔ پہلے کرسی پر بیٹھنے کا ارادہ کیا لیکن پھر کچھ سوچ کر اس کا ہاتھ تھامے کیاریوں کے نزدیک لے آئی۔

"پھول اچھے لگتے ہیں گلناز!" تانیہ نے ایک پھول توڑ کر گلناز کے ہاتھ میں دیا، اور تانیہ کو شدید حیرت ہوئی یہ دیکھ کر کہ گلناز نے بے ساختہ پھول کو ناک کے قریب لے جا کر سونگھا تھا۔ بظاہر یہ ایک بہت معمولی بات تھی لیکن تانیہ جانتی تھی کہ یہ ہرگز ایک معمولی بات نہ تھی۔ گلناز کا عام انسانوں جیسے رسپانس دینا بہت اچھا سائن تھا۔ اور یہ صرف اس وجہ سے تھا کہ تانیہ نے اس سے بات چیت شروع کی تھی اور گھر جاتے وقت وہ دوسروں کو بھی یہ تنبیہ کر کے گئی تھی کہ گلناز کے ساتھ خاموشی سے پیش نہیں آنا بلکہ زیادہ سے زیادہ بولنا ہے۔ تبھی ایلیا اور رمشہ بھی اس سے بات کرتی رہی تھیں۔ کھانا دیتے وقت باقاعدہ اس سے پوچھا جاتا کہ وہ کیا پسند کرے گی۔

ایلیا اس کے سامنے کئی قسم کی چیزیں لے آتی

اور کہتی کہ اپنی پسند کی چیز اٹھالو۔ اور وہ بھی آگے سے ایسا ہی کرتی، جو پھل اسے اچھا لگتا وہ صرف اسی کو اٹھاتی۔ رمشہ نے اس کے کپڑے تبدیل کرواتے وقت اس کے سامنے تین ڈریس رکھے اور اس کی پسند پوچھی، گلناز نے تب بھی ایک گلابی ڈریس کو اٹھا لیا۔ کنگھی کرتے وقت بھی رمشہ اس سے باتیں کرتی رہی تھی۔

"تو پھول آپ کو اچھے لگتے ہیں گلناز!" تانیہ نے اس کے لیے رنگ برنگے پھولوں کا ایک گلدستہ بنا کر اس کے ہاتھ میں دیا۔ اور اس کا ہاتھ تھام کر گھاس پر چلنا شروع کیا۔

چلنا پھرنا صحت کے لیے بہت اچھا ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی اچھا دوست مل جائے تو اور بھی مزا آتا ہے۔ وہ اسے تقریباً کھینچ کر اپنے ساتھ چلنے پر آمادہ کر رہی تھی کیونکہ گلناز کی چال نارمل نہ تھی، وہ جیسے کھینچی چلی آ رہی تھی۔ تانیہ نے بھی کوشش جاری رکھی اگرچہ اسے کافی دقت ہو رہی تھی لیکن پھر تیسرے چکر تک کھینچا تانی میں بہت حد تک کمی آ گئی، حتیٰ کہ پانچویں چکر تک گلناز خود ہی چلنے لگ گئی۔ تانیہ نے اس سے بولنا بھی متواتر جاری رکھا تھا، اگرچہ دیکھ چکی تھی کہ گلناز کی طرف سے جواب ملنے کی کوئی امید نہیں لیکن وہ ہمت نہیں ہارنا چاہتی تھی۔ اسے یہ سن کر بہت حیرت ہوتی تھی کہ ایک بالکل نارمل لڑکی بنا کسی سر کی چوٹ وغیرہ کے کیسے اس حال تک پہنچ سکتی ہے۔

جہاں تک اس کی اسٹڈی بتاتی تھی تو یہ جمود کی کیفیت ہو سکتی تھی جس کو توڑنے کے لیے دوسروں کو کوشش کرنی پڑتی ہے۔ یا پھر کوئی اتنا شدید صدمہ کہ جو انسان کو اندرونی طور پر بری طرح توڑ پھوڑ دیتا ہے۔ اور اس سے نجات کے لیے بھی ظاہر ہے کہ علاج ہوتے ہیں۔ وہ گلناز کو لیے بہت دیر تک چلتی رہی، تبھی منصب اپنے آفس سے آتا دکھائی دیا۔ وہ گھر کے بیرونی باڑھ والے اوپن لان میں تھی۔ مسکرا کر منصب کو ہاتھ ہلایا اور گلناز کو کرسی پر بٹھا دیا۔ منصب بھی جیپ بند کر کے اسی طرف آ گیا۔

"واہ۔ خوب۔ ڈاکٹر صاحبہ تو بالکل ہمت ہارنے کو تیار نہیں۔"

"جی۔ اور کاش کہ اسے بہت پہلے کسی ڈاکٹر کو دکھا دیا جاتا۔" وہ گلناز کو کرسی پر بٹھا کر ایک سائیڈ پر آ گئی۔

"ہاں، یہ تو تم نے صحیح کہا، لیکن جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، ایسا بھی نہیں کیا گیا۔ مجھے اپنی امی کی باتیں یاد ہیں۔ وہ گھر میں یونہی ذکر کرتے بتاتی تھیں کہ بڑی بی بی بیمار رہتی ہے، ہر وقت کا سر درد انہیں بستر پر لا چکا تھا۔ گھر کے سارے کام کاج گلناز نے سنبھال لیے تھے۔ تبھی یونہی امی تبصرہ کرنے کے انداز میں بتاتیں کہ گلناز کو بالکل چپ لگ گئی ہے۔ بہن کی بیماری اور جمال خان کی بے وفائی نے اسے صدمہ لگا دیا ہے۔

گلناز بی بی کو دیکھ کر مجھے بہت افسوس ہوتا ہے تانیہ۔ اب تو یہ سوچ کر کہ وہ میرے امی ابو کے فیصلے کی وجہ سے۔" منصب کا لہجہ دکھی سا ہو گیا، تانیہ نے بے اختیار اس کے بازو پر تسلی دینے کے انداز میں تھپکی دی تھی۔ ادھر تانیہ کا پوچھنے وسیلہ جب گیٹ پر آئی تو قدم بے اختیار یہ دیکھ کر وہیں رُک گئے کہ منصب اور تانیہ سامنے لان میں آمنے سامنے کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ تانیہ نے اس کے بازو پہ اپنا ہاتھ رکھا تھا۔ اور۔ گلناز۔ وہ تو ان دونوں سے کافی دور کرسی پر اکیلی بیٹھی تھی۔ وسیلہ نے فوراً ہی اپنے قدم واپسی کے لیے کھینچ لیے، البتہ منصب نے اسے گیٹ پر آ کر رکتے اور پھر واپس پلٹ کر جاتے دیکھ لیا تھا۔

☆☆☆

"یہ کیا بکواس ہے ارحم۔ دماغ تو درست ہے ان لوگوں کا۔" شہناز کا ایک دم ہی پارہ چڑھ گیا۔

"منصب رضوانہ کا بیٹا ہے۔ یہ کون سا نیا افسانہ ہے۔ اور کون جاہل ہوگا جو ایسی فضول من گھڑت کہانی پر

یقین کرے گا۔"

"تو کیا یہ جھوٹ ہے کہ رضوانہ چچی کے بچے کی پیدائش منشی نوریز کے گھر پر ہوئی اور اسی رات اس کی بیوی کو بھی بچہ ہوا؟" ارحم نے جانتے کے انداز میں ماں سے سوال کیا تو وہ مزید جھنجھلا اٹھیں۔

"یہاں تک تو بات ٹھیک ہے لیکن یہ اس واقعے کو ایسا نیا موڑ دیں گے یہ تو سراسر گھٹیا حرکت ہے۔"

"تو کیا یہ پیدائش آپ کی موجودگی میں ہوئی تھی۔" ارحم کا لہجہ ایکدم سنجیدہ تھا۔ وہ ماں کی طرح غصے میں دکھائی نہ دیتا تھا۔

"نہیں، جس وقت میں وہاں پہنچی، بچے پیدا ہو چکے تھے۔ تمہاری دادی تھی ان دو عورتوں کے پاس۔"

"تب تو یہ ممکن ہے نا کہ بچے تبدیل کر دیئے گئے ہوں؟"

"تم بھی ان کی دو نمبری میں آ رہے ہو۔ اور وہ دایہ۔ کیا نام ہے کم بخت کا۔ ہاں وہ ثریا۔ وہ بھی کئی آج بھی موجود ہے۔ وہی ان کا جھوٹ سامنے لائے گی۔ میں آج ہی۔"

"کسی ثریا وریا کی ضرورت نہیں۔ منصب کے پاس ڈی این اے رپورٹ ہے۔" ارحم کا لہجہ سرد اور ڈھیلا سا تھا۔ شہناز نے چونک کر بیٹے کو دیکھا۔

"کیا ہے منصب کے پاس؟"

"وہ ایک ٹیسٹ کی رپورٹ ہوتی ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ منصب رضوانہ چچی کا بیٹا اور وسیلہ اس منشی کی بیٹی ہے۔"

"ہائے، ایسا کون سا ٹیسٹ ہوتا ہے۔ اور یہ رپورٹ شپورٹ تو جعلی بھی بنتی ہے نا۔ کیا ہوگا اس پولیس والے نے ایسا کوئی کھیلا۔"

"اس نے کہا کہ چاہیں تو ہم اپنی مرضی کی لیبارٹری سے دوبارہ یہ ٹیسٹ کروا سکتے ہیں۔" ارحم نے گویا جل کر اطلاع دی اور اس مرتبہ شہناز کا بھی منہ کھلا رہ گیا۔

"منصب حویلی کا وارث بن جائے گا۔ وہ بھی آدھو آدھ۔" شہناز تو صدمے سے جیسے گرنے والی ہو گئیں۔ "اور یہ سب کیا دھرا تمہاری دادی کا ہے۔ برسوں پہلے وہ اپنے پوتے کو بچا لے گئی تھی۔ جبکہ اس رات تو۔" وہ جیسے پلنگ کے کونے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئیں۔

اس رات کیا۔ ارحم چونکا۔

"اس منحوس کے بیٹے کا پتا تو میں اسی رات ہی صاف کرنے والی تھی۔ ایک بردہ فروش کے رقم بھی حوالے کر دی تھی۔ ارے اسی دن سے تو بچنا چاہ رہی تھی۔ اس کروڑوں کی جائیداد کا تمہیں اکیلا وارث بنانے کے لیے تو سارا چکر چلایا تھا۔ میں بھلا اس نا بہر والی، میری بہن کا حق غصب کرنے والی کی اولاد کو کیوں ہماری حق حلال کی دولت پر قبضہ کرنے دیتی۔ لیکن یہ بڑھیا۔ یہ اس معاملے میں بھی اپنی چال چل گئی۔ ارے ارحم اس رپورٹ کا کچھ کر سکتے ہو تو سوچو۔"

"یہ تو بہت مشکل ہے۔" ارحم نے سانس اندر کھینچا، "سوائے اس کے اب کوئی حل نہیں کہ اس منصب کو ہی دنیا سے اٹھوا دیا جائے۔"

"ارے ہاں نا۔ تو کرو اس کا کچھ۔ ابھی کنوارا ہے، بال بچے کوئی نہیں۔ نکال پھینکو اس کانٹے کو۔"

"اتنا آسان نہیں ہے۔ ایک تو وہ پولیس میں ہے، دوسرے ایسے حساس موقع پر کوئی بھی واقعہ خود ہمیں مشکوک کر دے گا۔"

"تو کچھ ایسا کرو کہ موت بالکل حادثہ لگے۔" شہناز تو ایکدم ہی سنجیدہ ہو گئیں، جیسے اب اس کے سوا اور کچھ سجھائی نہ دیتا ہو۔

"ہوں۔ کرتا ہوں کچھ۔" ارحم اچانک ہی کمرے سے باہر نکل گیا۔ یکے بعد دیگرے اتنا کچھ ہوا تھا کہ اسے اب سوچنے کے لیے بھی باقاعدہ فراغت چاہیے تھی۔

باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ

☆☆

موحن رضوانہ او[illegible]لیہ کے ساتھ تھانہ آتا ہے۔ وسیلہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہوتی ہے، اس کی دماغی حالت خراب ہوجاتی ہے وہ کسی کو [illegible] پہچانتی۔ منصب کی مدد سے موحن شہناز اور ارحم کے خلاف رپورٹ درج کرواتا ہے۔ ارحم اور شہناز اپنی ملازمہ کے ذریعے ہاسپٹل میں وسیلہ کو مارنے کی کوشش کرتے ہیں، عین وقت پر منصب آجاتا ہے۔

موحن وسیلہ کو میاندم لے آتا ہے۔ یہاں اس کا علاج ہوتا ہے لیکن اس کی دماغی حالت بہتر نہیں ہوتی۔ اس کے لیے تانیہ کی مدد لی جاتی ہے۔

دادی منصب کو بتادیتی ہیں کہ وہ ان کا پوتا ہے، شہناز اسے مارنے کا پروگرام بناتی ہے اس لیے وہ خشی کی بیوی سے رضوانہ کا بیٹا تبدیل کر دیتی ہیں تاکہ اس کی جان بچ جائے۔

چودھویں قسط

"تمہاری شکل امی سے بہت ملتی ہے وسیلہ!" میمونہ اس کی ٹھوڑی پہ ہاتھ رکھ کر چہرہ اونچا کیے اسے محبت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"ہمارے بابا کا رنگ گندمی سا تھا لیکن امی اتنی سفید تھیں کہ گال ہمیشہ سرخ رہتے تھے۔ میری اور رمشہ کی رنگت صاف ضرور ہے لیکن امی جیسی سفیدی تمہارے حصے میں آئی ہے۔"

"وسیلہ کی ہنسی اور ہونٹ اور دانت بھی بالکل امی جیسے ہیں۔" رمشہ بھی بغور بہن کو دیکھ رہی تھی۔

"منصب کا دل یونہی تو" میمونہ نے شوخی سے کہتے ایک دم زبان دانتوں میں دبا کر خود کو روکا۔ وسیلہ شادی شدہ تھی، اور یہ وہ کیا بکنے جا رہی تھی۔

"مجھے امی کی کوئی تصویر تو دکھاؤ۔" وسیلہ نے خود ہی بات کو بدل دیا۔

"ارے ہاں، ہیں نا۔ تمہاری خاطر ہی پرانا البم ساتھ لائی ہوں۔" میمونہ نے ہینڈ بیگ سے ایک البم نکال کر وسیلہ کی طرف بڑھایا۔

اس البم میں اس کے بابا، امی، منصب اور بہنوں کی بہت سی پرانی تصویریں تھیں۔ وہ اپنے ماں باپ کو بہت حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ آنکھیں بار بار چھلک پڑتیں۔ یہ بھی کیسی انہونی تھی، وہ اپنے سگے والدین کو ان کے گزر جانے کے بعد دیکھ پا رہی تھی اور یہ کتنی حیرت کی بات تھی کہ بجائے اس کے منصب ان کی امی سے قریب رہا تھا اور یہ تو تقریباً ہر تصویر سے ظاہر تھا کہ منصب کو اپنی ماں سے کتنا لگاؤ تھا۔ وہ رمشہ سے ہر تصویر کے بارے میں تفصیل سے پوچھ رہی تھی۔ میمونہ ان دونوں کو مصروف چھوڑ کر منصب کے کمرے میں آگئی۔ وہ آج صبح ہی اپنے شوہر کے ساتھ میاندم آئی تھی۔ منصب آفس سے آچکا تھا۔

اس وقت انیس کے ساتھ ہی بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ میمونہ اس کے کھانا کھانے کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے منصب سے کچھ بہت ضروری بات کرنی تھی۔

"آؤ بھئی... مل لیا بہن سے۔" منصب اسے مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔

"ہاں۔ میری بہن اس وقت اپنی حقیقی فیملی کا پرانا البم دیکھ رہی ہے۔"

"اچھا واہ۔ میری سیانی بہن تصویریں بھی ساتھ لائی ہے۔"

"جی...... اور اب سیانی بہن کو اپنے سیانے بھائی کا ایک مشورہ درکار ہے۔"

"ہاں ہاں ضرور...... کہو۔"

"آپ نے منصب سے بات کی؟" میمونہ نے بجائے منصب سے بات کرنے کے انیس کو دیکھا۔

"نہیں۔ میں نے سوچا تم خود بات کرو۔"

digestsnovels lovers group

"کیا ہوا بھئی۔۔۔ کیوں تجسس پھیلا رہی ہو۔" منصب کو ان کی باتوں سے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

"ہاں وہ اصل میں منصب! رمشہ کے لیے ایک رشتہ آیا ہے۔"

"اچھا..... گڈ..... کون ہے؟"

"ہم سے زیادہ تم جانتے ہو اس کے بارے میں۔" اس بار انیس نے مسکرا کر کہا تو منصب کو مزید حیرت ہوئی۔ سوالیہ نظروں سے میمونہ کو دیکھا۔

"تمہارے دوست راشد کی امی اور بہنیں آئی تھیں۔ راشد کا رشتہ لے کر۔"

"ہائیں۔۔۔ اچھا۔" وہ حیرت بھری ہنسی ہنس کر رہ گیا۔

"ارے ہاں۔۔۔ اس روز عرفان کے ولیمے والے دن ایسا ہی کچھ تو کہہ رہا تھا۔ گدھا کہیں کا۔" وہ پھر زور سے ہنس دیا۔

"کیسے لوگ ہیں منصب۔۔۔ اور لڑکا؟" میمونہ کو منصب کی رائے جاننے کا شدید اشتیاق ہو رہا تھا۔

"بہت اچھی فیملی ہے۔ اور لڑکا تو بہت ہی اچھا۔ میرا بچپن کا دوست ہے، اور اس کی ساری خوبیوں خامیوں سے واقف ہوں جن کی بنا پر بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ راشد سے اچھا لڑکا رمشہ کے لیے ہو ہی نہیں سکتا۔" وہ بہت دل سے اور فوری رائے دے رہا تھا۔ میمونہ اور انیس نے خوش ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

"ہم دونوں رات بھر یہی دعا کرتے رہے تھے کہ ہمیں تو رشتہ ہر لحاظ سے اچھا لگا ہے اب اللہ کرے منصب کوئی ایسی ویسی بات نہ کر دے۔"

"نہیں، مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے سن کر۔ بہت محنتی اور شریف لڑکا ہے اور اس سے بڑھ کر کسی خوبی کی ضرورت بھی نہیں۔"

"تو پھر ہاں بول دیں؟"

"رمشہ سے پوچھ کر جانا۔ باقی میری طرف سے ہاں ہے۔"

"رمشہ سے میں پوچھ لوں گی اور ہاں شادی وہ تین چار ماہ کے اندر ہی کرنا چاہتے ہیں۔"

"ہاں صحیح ہے۔ ہمیں بھی دیر کر کے کیا ملے گا۔"

"ٹھیک ہے مزید کوئی بات ہو تو راشد سے ہی کر لینا۔"

"اس کے والد سے ہی کرنی پڑے گی۔ وہ گدھا تو پچھلے کئی روز سے میری کال نہیں اٹھا رہا۔ وجہ تو مجھے اب سمجھ میں آ رہی ہے۔" وہ ہنسا تو میمونہ اور انیس نے بھی قہقہہ لگایا۔

☆☆☆

"مومن جی..... بات سنیں۔" وہ اس کے پیچھے آ کھڑی ہوئی تھی۔ مومن مسکراتے ہوئے پلٹا اور بازو اس کے گلے میں ڈال کر اپنے قریب کیا۔

"کہو مومن کی جان۔ کیا ستانا ہے؟"

"جی۔۔۔ وہ۔۔۔ تانیہ ہے نا۔" ایلیا پکڑے جانے پر بری طرح نروس ہو گئی۔

"ہوں..... ہوں..... ہے۔ تو؟" مومن نے شرارت سے اسے کھینچا اور قریب کیا۔

"وہ، اس کی صلح کروانی ہے۔" ایلیا نے تھوک نگلا۔

"اچھا؟" مومن نے بھنویں اکٹھی کیں، بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی تھی "کس سے؟"

"جی، وہ ان کے منگیتر سے۔" ایلیا نے پھر بے ربط جملہ جوڑا۔

"کیا بے سر پیر کی بولے جا رہی ہو ایلیا۔" مومن کو ابھی بھی بات پلے نہیں پڑی۔

"ہاں تو دور سے بات کریں نا۔" وہ منہ بناتے خود ہی پرے ہٹ گئی۔ مومن نے زور سے قہقہہ لگایا۔ پھر پلنگ کے کنارے بیٹھ کر کلائی سے گھڑی اتارنے لگا۔

"ہاں تو۔ اب کہو۔"

"وہ نا..... تانیہ کے منگیتر عیسیٰ ہیں نا۔ انہوں نے تانیہ کے ابو سے ملاقات کی تھی، وہ معافی مانگ کر رشتہ دوبارہ بحال کرنا چاہتے ہیں۔ تانیہ کے ابو نے فیصلہ تانیہ پر چھوڑا کہ جیسا وہ کہے۔۔۔ اور تانیہ

اب انکاری ہے۔ وہ عیسیٰ پر بھروسا نہیں کرنا چاہتی۔"

"ہوں۔" اچھا۔ مومن نے بغور اس کی بات سنی۔

"لیکن منصب بھیا نے بتایا کہ عیسیٰ انہیں برابر کال کر کے صلح پر آمادہ کر رہا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ کسی طرح ایک بار تانیہ سے روبرو بات ہو جائے۔"

"ہوں۔" سمجھ گیا۔ مومن نے سر ہلایا "ویسے تانیہ کو ایک بار تو سن لینا چاہیے۔"

"ہم بھی یہی کہہ رہے ہیں، لیکن وہ ہچکچا رہی ہے۔"

"کیا اسے کوئی ڈر ہے؟"

"نہیں، کہتی ہے۔ دوسرا موقع نہیں دینا چاہتی۔"

"ہاں تو ٹھیک ہے پہلے اسے سن لے، اور اگر سننے کے بعد بھی لگے کہ دوسرا موقع نہیں دینا چاہیے تو بے شک انکار کر دے، اور یہ بات اسے وسیلہ بہتر سمجھا سکتی ہے۔ وہ وکیل ہے اور وکیل سے بات کرنا اسے آتا ہے۔"

"جی۔۔۔لیکن۔" الیا کچھ جھجک سی گئی۔ انداز کچھ خجالت بھرا تھا۔ مومن نے ابرو اٹھائے۔

"وہ میں اور رمشہ سوچ رہے تھے کہ ان دونوں کو اتفاقاً کہیں ملوا دیا جائے۔" وہ آخر میں شرمندہ سی ہنسی ہنس دی۔ مومن کے ہونٹ بھی مسکرا دیے۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر پھر الیا کے قریب آیا اور کلائی سے پکڑ کر سامنے کھڑا کیا۔

"ایسی شرارتیں میری بیگم کو کب سے سوجھنا شروع ہوئیں۔۔۔ ہوں۔؟" وہ اسے مسکراتی شوخ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ الیا نے جھینپ کر لب دانتوں میں دبائے۔

"آپ سے ہی سیکھا ہے۔"

"واہ۔۔۔سیدھے مجھ پر الزام۔ وہ کیسے؟"

"اس روز آپ مجھے تانیہ کو ان کے گھر چھوڑنے کے لیے ساتھ لے گئے اور اسے ڈراپ کرنے کے بعد پارک لے گئے تھے۔ وہاں بنچ پر بیٹھ کر جب ہم نے باتیں کی تھیں۔" وہ سر جھکائے شرما کر یاد دلانے لگی۔

"تمہیں اچھا لگا تھا؟" وہ اسے اپنائیت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"بہت اچھا۔" اس نے پلکیں جھپکیں۔ "پارک کا بے حد پرسکون ماحول، بادلوں بھری سہ پہر۔ پرندوں کا شور، ٹھنڈی ہوا۔ آپ کی باتیں۔ دل چاہتا ہے مومن جی، ایسے پل روزانہ ہی کچھ دیر کے لیے ہماری زندگی میں آیا کریں۔"

"یار سچ کہتی ہو۔" مومن نے اسے اپنے قریب کیا ایسا کرنے سے نجانے کیوں اندر تک سکون بھر جاتا تھا۔ الیا کی آس پاس موجودگی مومن کے لیے ایک نعمت ایک تحفے سے کم نہ تھی۔

"میرا بھی بہت دل چاہتا ہے۔ لیکن یہ روزانہ کا معمول، ذمہ داریاں، بکھیڑے اپنے لیے وقت کہاں دیتے ہیں۔ ایسے میں مجھے اپنے کمرے میں آنا بھی میسر ہو جاتا ہے تو اسے میں اپنے لیے نعمت تصور کرتا ہوں۔ سوچتا ہوں شکر ہے ہمیں یہ پناہ گاہ میسر تھی۔ ورنہ دو معصوم بچی آخر کرتے بھی کیا۔" وہ آخر میں ہنسنے لگا۔

"بات کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں، تانیہ اور عیسیٰ کا بتائیں نا۔"

"ٹھیک ہے میں منصب سے بات کرتا ہوں۔"

"جی۔ وہ سر ہلاتے جانے کے لیے پلٹی لیکن مومن نے بازو سے پکڑ کر روکا۔ الیا نے تعجب سے نظریں اٹھائیں۔"

"شام کو تیار رہنا۔ آج ہم چلیں گے ٹھنڈی ہوا کھانے اور پرندوں کے نغمے سننے۔"

"ہوں......" وہ مسکرا کر باہر نکل گئی۔

☆☆☆

"اری کم بخت...... جلدی نکال۔ جلائے گی کیا۔" شہناز بیگم نے خمارہ کے سر پر تھپڑ لگایا۔ وہ ڈر کر فوراً تندور پہ جھکی۔ شہناز اس دوران چنگیر میں

رکھی گرم روٹیاں گننے لگیں۔

"چھوڑیں یہ سب۔" جلدی سے میری بات سنیں۔ پشت سے اچانک ہی ارحم کی آواز سنائی دی تو شہناز تعجب سے پلٹیں۔ ارحم صحن سے ڈیرے پر بیٹھا تھا۔ وہ کام چھوڑ کر اس کے پیچھے چل پڑیں۔ نجانے کیوں ارحم کا لہجہ اس کا انداز کچھ انجانی سی پریشانی لیے ہوئے محسوس ہوا۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں آگئیں۔

"کیا ہوا ارحم۔۔۔ خیریت تو ہے نا؟"

"مجھے پولیس اسٹیشن بلایا تھا اس آفیسر شفقت نے۔" وہ مٹھیاں بھینچے مسلسل کسی سوچ میں تھا۔

"تو۔۔۔۔ ہوا کیا ہے۔" شہناز کا دل بھی ہول گیا۔

"چترال سے انہوں نے پتا کروا لیا ہے۔ جس کے مطابق میں وسیلہ سے شادی کے فوراً بعد ہی چترال پہنچ گیا تھا اور سارہ کی رپورٹ سے بھی ظاہر ہو چکا ہے کہ حمل کتنے ماہ کا ہے۔ اب نہیں چھپا سکتے۔"

"تو کچھ دے دلا کر نمٹاؤ۔"

"آپ بھول رہی ہیں کہ اس سب کی بیک پر وہ منصب ہے۔ اب کیا اسے رشوت دوں۔۔۔ اور یہ بھی مت بھولا کریں کہ ہم ضمانت پر رہا ہوئے ہیں۔ یہ تلوار ابھی ہمارے سروں سے ٹلی ہے۔ اور اب غور سے سنیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔" اس نے ایک گہرا سانس لیا شہناز کی توجہ تو تھی ہی مکمل اسی کی جانب۔

"میں وسیلہ کو طلاق دے رہا ہوں۔ یعنی وہ جو خلع اس نے دائر کر رکھی ہے اس پر سائن کر رہا ہوں۔"

"اس سے کیا ہوگا۔" شہناز کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"وسیلہ کو اس زبردستی کے رشتے سے نجات ملے گی تو مسائل ہمارے ہی کم ہوں گے۔ یہ ایک طرح سے میری طرف سے اپنی سارہ سے شادی والی غلطی کا ازالہ ہوگا۔ اور اس وقت مجھے قانون کی نظر میں اپنے جرم کم کرنے ہیں۔ جہاں تک بات ہے وسیلہ پر تہہ خانے میں مظالم کرنے کا۔۔۔ تو اس کا جواب آپ خود دیں۔" اس نے ہاتھ کھڑے کر دیئے جس پر شہناز پر مزید پہاڑ ٹوٹا۔

"تو تم ماں کو اکیلا چھوڑ رہے ہو۔"

"میں نے آپ سے پہلے ہی پوچھا تھا کہ۔۔۔ پلان کرنے سے پہلے کیا اب کچھ آپ کے ذہن میں ہے۔ آپ نے کہا تھا سب سوچ لیا ہے۔ اور اب میں کیا کروں کہ آپ ایک ذرا سا حادثہ کروا کہ اس کی جان بھی نہیں لے سکیں۔"

"اچھا وہ چھوڑو۔ یہ بتاؤ خلع سے مسائل کم ہو سکتے ہیں۔"

"بالکل ہو سکتے ہیں۔ کم از کم یہ منصب ہمارا پیچھا چھوڑ سکتا ہے۔ اسے ہی دلچسپی ہے نا اس وسیلہ سے تو ٹھیک ہے۔ لے جانے دیں اسے۔"

"ہاں تو پھر جلدی نمٹاؤ اس خلع والے معاملے کو۔"

"اور آپ۔۔۔۔ آپ کیا کریں گی۔" اسے بھی مارے باندھے ماں کا خیال آ ہی گیا۔

"بس کیا کہوں گی، اپنی بچی بہن دکھا کر رضوانہ کی زیادتیاں بتاؤں گی۔ شاید مجھے بھی رعایت مل جائے۔"

"ہوں۔ مجھے بھی یہی لگتا ہے، اب تو جرم قبول کر لینے میں ہی عافیت ہے۔ بہرحال میں خلع کے پیپرز سائن کر کے بھیج رہا ہوں۔ آج ہی۔" وہ اسی تیزی سے واپس باہر نکل گیا۔

☆☆☆

"تم دیکھنا منصب۔ گلناز ایک دن بولنے بھی لگے گی اور بالکل نارمل لوگوں کی طرح بی ہیو کرے گی۔"

"ڈیئر! ہم بچپن سے انہیں ایسے ہی دیکھ رہے ہیں۔ اتنا آسان کہاں ہے۔" منصب کچھ زیادہ پر امید نہیں تھا۔ جیپ کی اسپیڈ کم کرتے ایک موڑ کاٹا۔

digest novels lovers group

وہ تانیہ کو واپس اس کے گھر چھوڑنے جا رہا تھا۔ آج کل وہ بڑی شدومد سے گلناز کا علاج کرنے میں لگی تھی۔ حالانکہ کسی نے بھی اس سے کہا نہیں تھا لیکن گلناز کو دیکھ کر اسے خود ہی ایسا لگا کہ اس عورت کو اب تک کے وقت میں ٹھیک سے ہینڈل نہیں کیا گیا۔ وہ صبح سویرے روزانہ ہی ان کے ہاں آجاتی اور دوپہر تک لگاتار گلناز کے ساتھ وقت گزارتی۔ اس کے ساتھ باتیں کرتی، اسے واک کرواتے، سارا گھر دکھاتے، ہر چیز کے متعلق بات کرنے پر اکساتی۔ ساتھ ساتھ دوائیں بھی جاری تھیں۔

"اصل مسئلہ یہ ہے منصب! کہ ان کے ساتھ اب تک کے وقت میں ویسے پیش ہی نہیں آیا گیا جیسا ان مریضوں کے ساتھ آنا چاہیے۔ ان کے کیس میں بگاڑ کے ذمہ دار دراصل وہ آس پاس کے لوگ ہیں جنہوں نے انہیں سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ ان کا دماغ کسی شدید صدمے کے زیر اثر ہے۔ اور جب سے یہ اس اثر میں ہیں انہیں تب ہی کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھا دینا چاہیے تھا۔ یقین کرو کہ ان کے اس حال تک پہنچنے کی نوبت ہی نہ آتی۔ یہ برسوں سے جمود کا شکار ہیں، جسے توڑنے کے لیے کبھی تو بہت محنت لگتی ہے اور کبھی بس ایک لمحہ ہی کافی ہوتا ہے۔ لیکن ان کی بدقسمتی کہ وہ لمحہ برسوں بیت گئے ابھی تک ان کی زندگی میں نہیں آسکا۔" تانیہ ایک آہ بھر کر سامنے دیکھتے ایک دم چونکی۔ یہ راستہ اس کے گھر کا تو نہیں تھا۔

"راستہ تبدیل ہے نا منصب؟" اس نے حیرت سے منصب کو دیکھا۔

"ہوں۔۔۔ آگیا تمہیں ہوش۔" وہ معنی خیزی سے مسکرایا، کیونکہ وہ لگاتار گلناز کے موضوع پر بولے جا رہی تھی۔

"تو۔" وہ حیران ہوئی "جانا کہاں ہے؟"

"جانا۔۔۔ بس۔۔۔ یہیں۔" اس نے تھوڑا اور آگے آنے پر کار کو ایک طرف پہ روکا۔ تانیہ نے باہر دیکھا تو وہ ایک فیملی پارک کے باہر رکے تھے۔ اس نے سوالیہ منصب کی طرف دیکھا۔

"اندر کوئی تمہارا منتظر ہے۔" اس نے ابرو اٹھایا۔

"کون۔۔۔" وہ ذرا دیر کو رکی "عیسیٰ؟" اس نے تائید کے انداز میں منصب کو دیکھا تو لہجے میں بھرپور حیرت تھی۔ منصب نے سر اثبات میں ہلایا۔

"ہاں۔ عیسیٰ نے ہم سے فیور مانگی کہ وہ ایک بار تم سے مل کر بات کرنا چاہتا ہے۔ اور ہاں ٹینشن مت لو۔ میں یہیں موجود رہوں گا۔ تم جب چاہے واپس آسکتی ہو۔ خود کو اکیلا مت سمجھنا۔" منصب نے اس بار سنجیدگی سے کہا تو تانیہ نے خاموشی سے منصب کو دیکھا۔

"کیا ہوا؟" منصب اس کی چپ پر متعجب ہوا۔

"کیا کہوں گی مل کر؟"

"تم کچھ مت کہو، بہتر ہوگا اس ملاقات میں صرف اس کو سنو اور چپ رہ کر جاننے کی کوشش کرو، شاید تمہیں اس کی نیت کو سمجھنے میں آسانی ہو۔"

"ہوں۔۔۔۔۔" تانیہ کو بات سمجھ میں آگئی اور اب اس کے لیے اس اجنبی ملاقات سے نمٹنا بھی قدرے آسان ہوگیا۔ "تھینکس منصب۔" اس نے ہلکا سا مسکرا کر منصب کو دیکھا اور کار کا دروازہ کھول کر باہر آگئی۔ ایک دو مرتبہ پیچھے مڑ کر دیکھتے بالآخر پارک کے اندر چلی گئی۔

☆☆☆

"امی۔ یہ ڈاک سے کچھ موصول ہوا ہے۔ اور نام دسیلہ کا لکھا ہوا ہے۔" ایلیا ایک لفافہ لیے اندر آئی تو چہرے پر کچھ پریشانی سی تھی۔ آخر دسیلہ کے نام کس نے ڈاک بھیجی ہوگی۔

"دسیلہ کے نام۔" رضوانہ بھی حیران ہوئیں۔

"اچھا تم خود ہی کھول لو۔ دسیلہ کو بعد میں دینا۔" مومن تو ابھی آفس سے نہیں آیا تھا اور منصب کچھ دیر پہلے ہی تانیہ کو اس کے گھر لے کر گیا تھا۔

"یہ۔۔۔۔۔ تو۔۔۔۔۔" اس نے سخت حیرت سے سر

الفیا ہو رضوانہ اسی کا منہ تک رہی تھیں۔
"بولو بھی الفیا۔ کیا ہے؟"
"امی یہ ارحم کی طرف سے طلاق نامہ۔ انہوں نے آپی کے خلع کے پیپرز پر سائن کر کے انہیں آزاد کر دیا ہے۔"
"اچھا؟" رضوانہ قطعی بے یقین تھیں۔ بات اگرچہ خوشی کی تھی۔ ان کی بچی کے سر سے ایک بہت بڑی بلا ٹلی تھی۔ لیکن جان کے دشمنوں کی طرف سے ایسی نوید کا ملنا فطری سی بات ہے کہ کچھ کھٹکا سا دیتا ہے۔
"کیا ہوا۔ کون تھا دروازے پر۔" وسیلہ کمرے میں داخل ہوئی تو انگلی سے عابس کو پکڑ رکھا تھا۔ بچے اب دھیرے دھیرے چلنا شروع ہو چکے تھے۔
"کیا ہے یہ؟" اس نے الفیا کے ہاتھ میں پیپر دیکھا تو سوالیہ امی کی طرف دیکھا۔
"ارحم کی طرف سے ہے۔" انہوں نے بتانا شروع کیا "خلع مل گئی ہے آپ کو۔"
"اچھا؟" وہ بھی قطعی بے یقین تھی۔ حیران ہو کر پیپر الفیا سے لیا اور خود دیکھنا شروع کیا "ہاں، بالکل۔ ارحم نے سائن کر دیے ہیں۔" وہ حیران حیران سی پلنگ کے کنارے بیٹھ گئی۔ اگرچہ یہ معاملہ انہیں اتنی آسانی سے حل ہونے والا نہیں لگا تھا۔ لیکن جب ہو چکا تو وسیلہ سمیت سب ہی خاموش ہو گئے۔ کہنے کے لیے کسی کے پاس کچھ نہیں تھا۔ عورت ہو یا مرد۔ شادی ایسے نئے سفر کا آغاز اس کی زندگی میں ایک بالکل نیا موڑ لینے جیسا ہوتا ہے۔ ایک بالکل نئی انجان سڑک کہ جس کی منزل کچھ بھی ہو سکتی ہے۔ امید البتہ بہت بہترین کی ہوتی ہے۔ رضوانہ اس پیپر کو ایک ماں کی نظر سے دیکھتے یہی سوچ پائیں کہ ان کی بچی کا نصیب بھی یہ کیسی منزل پہ رکا تھا۔ کوئی بھی ماں کبھی بھی اپنی بیٹی کو رخصت کرتے وقت یہ نہیں سوچ سکتی کہ ایک دن اس کی بیٹی کا سفر پلٹ کر پھر ان کی چوکھٹ پہ آ رکے گا۔ الفیا خاموش کھڑی بہن کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔ جس کا چہرہ دیکھ کر لگتا تھا وہ گزرے آٹھ نو ماہ کو کسی فلم کی طرح سوچ رہی تھی۔
"آں...... وہ مومن کو بتا دوں؟" الفیا نے ہی ماحول کی خاموشی کو توڑا "اور منصب بھیا کو۔"
"ہاں، مومن تو شاید راستے میں ہو۔ آتا ہی ہوگا۔ تب بتا دینا۔" "اچھا میں بھیا کو کال کرتی ہوں۔" الفیا موبائل منصب کا نمبر ملانے لگی۔
"ہاں، الفیا۔ کہو۔" "سب خیریت ہے۔" منصب ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو ثانیہ کو لے کر گھر سے نکلا تھا۔ اور اس وقت پارک کے باہر اپنی جیپ میں ہی بیٹھا تھا۔ الفیا نے جواباً خلع والی بات کہہ سنائی۔
"او۔" منصب بھی سن کر بری طرح حیران ہوا۔ ارحم نے بنا انہیں کسی الجھن میں ڈالے اتنی آسانی سے خلع دے دی تھی۔ تو کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ وہ سوچ میں پڑ گیا۔
"وسیلہ کو بتایا؟"
"جی۔ آپی نے خود دیکھا ہے پیپر۔"
"میں ویسے شفقت صاحب سے پوچھتا ہوں۔ نجانے وہاں ایسے کیا معاملات چل رہے ہیں کہ ارحم نے سر سے بوجھ کی طرح اس معاملے کو اتارا ہے۔" اس نے الفیا سے اجازت لے کر فوراً اے ایس پی شفقت کو کال ملائی، اور وسیلہ کی خلع والی بات سے آگاہ کیا۔
"میں سمجھ گیا منصب۔" شفقت احمد نے متانت سے سر ہلایا۔
"ارحم کی دوسری شادی، دوسری بیوی کی میڈیکل رپورٹ وغیرہ سب اس کے خلاف جا رہے ہیں۔ ایسے میں اسے سزا ہو سکتی ہے۔ اس نے ضرور سزا وغیرہ سے بچنے کے لیے یہ اقدام کیا ہے۔ اور اب وہ یقیناً آپ سے معافی کا طلب گار ہوگا۔"
"لیکن وسیلہ کو قید میں رکھنا، تشدد، اس کی ماں کا اقدام قتل۔ وہ سب تو قابل معافی نہیں ہو سکتے۔"
"بالکل۔ ایسا ہی ہے منصب۔ لیکن وہ وسیلہ کو آزاد کر کے اپنی طرف سے اپنے جرائم کا اثر کم

کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وسیلہ کے حوالے سے تو خیر میں اسے ایک اچھی خبر سمجھ رہا ہوں۔ وہ ابھی حال میں ہی ایک بہت بڑے کرائسس سے نکلی ہے۔ اسے اچھی خبروں کی اشد ضرورت ہے۔ تم سب اسے خوش رکھنے کی کوشش کرو۔ اور۔ ہاں۔ یاد آیا۔" شفقت احمد کو بڑی دیر بعد کچھ خیال آیا تو ایک فائل نیچے سے نکال کر اپنے سامنے رکھی کھول کر ایک صفحہ نکالا۔

"میں ابھی خود بھی تمہیں کال کرنے والا تھا۔ یہ لوگ ویسے سدھرنے والوں میں سے نہیں ہیں۔ ارحم کی ماں نے تم پر ایک اور کیس دائر کیا ہے۔"

"ایک اور کیس۔ وہ کیا؟" منصب چونکنا ہوا۔

"ہاں۔ اس کی خالہ کو حبس بے جا میں رکھنے کا کیس ہے۔"

"اوہ......" منصب بری طرح حیران ہوا۔ "سچ مچ بہت ہی کمینی ذہنیت کے مالک تھے یہ لوگ۔"

"پھر؟"

"کوئی بڑی بات نہیں۔ اس معاملے میں ویسے میں تمہاری ہیلپ کرنے کو تیار ہوں۔ میں آج ہی ایک رپورٹ تیار کر دیتا ہوں۔ جس میں لکھا ہوگا کہ ذہنی معذور اس خاتون کو منصب کی کسٹڈی میں دینے کی اجازت میں نے دی تھی۔ تم بھی چونکہ اب حویلی کا ایک فرد ہو تو اس رشتے کی حیثیت سے تمہیں کسٹڈی دی جا سکتی ہے۔"

"ہوں۔" منصب نے سر ہلایا۔

"اور منصب، بہتر ہوگا کہ تم اس عورت کو واپس حویلی لے آؤ۔ یہاں تو مجھو اچھائی کرنا ہی گلے پڑ رہا ہے۔" شفقت صاحب مسکرائے تو منصب بھی ہنس دیا۔

"ہاں۔ بالکل۔ میں خود انہیں واپس لے آتا ہوں۔ او کے اللہ حافظ۔" وہ کال ختم کر کے پارک کے دروازے کو دیکھنے لگا۔ جہاں سے کچھ دیر پہلے تانیہ اندر گئی تھی۔

☆☆☆

سرما کی اس خاموش سی دوپہر میں پارک اس دن بالکل ہی ویران اور خاموش تھا۔ تانیہ کو دور سے آتے دیکھ کر ہی عیسیٰ بینچ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ بلیک اور اسکن کلر کے ڈریس کے ساتھ بلیک شال اوڑھے وہ آج بھی بہت سوبر اور بارعب لگ رہی تھی۔ عیسیٰ کے دل میں تانیہ کو دیکھ کر پہلا ڈر یہی پیدا ہوا کہ کہیں وہ اس پیاری ہستی کو ہمیشہ کے لیے کھو نہ دے۔ قریب آنے پر سلام میں پہل بھی عیسیٰ نے کی اور تانیہ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بھی ہلکا سا سر ہلا کر بینچ کے کنارے بیٹھ گئی۔ مرغزار والے واقعے کے بعد یہ ان کی پہلی ملاقات تھی۔ تب کا آمنا سامنا تو لاحاصل اور ادھورا سا رہا تھا اور آج کی ملاقات۔۔۔ قبل از وقت کچھ بھی کہنا بے معنی تھا۔ منصب سچ کہتا تھا آج اسے صرف عیسیٰ کو سننا تھا۔ تب ہی۔

"یہ سات ماہ پہلے کی وہ رپورٹ ہے جو میں نے پولیس میں تمہارے خلاف درج کروائی تھی۔" عیسیٰ نے اس کی گود میں ایک پیپر رکھا تو تانیہ نے تعجب سے سر اٹھا کر عیسیٰ کو دیکھا۔ بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ بنا کوئی باقاعدہ بات چیت شروع کیے عیسیٰ نے نجانے کیا دکھانا شروع کر دیا تھا۔ وہ ابھی کچھ بھی کہہ نہیں پائی کہ عیسیٰ نے ایک اور پیپر اس کے گھٹنے پہ رکھا۔

"یہ اس کے محض پانچ دن بعد کی وہ رپورٹ جو میں نے اپنی پچھلی رپورٹ واپس لینے کے لیے داخل کی۔ ساتھ ڈرائیور اشفاق کا بیان ہے جس میں اس نے بتایا کہ حادثہ بریک فیل ہونے کی وجہ سے پیش آیا۔ صہیب کی موت سوسائڈ کے بجائے ایک حادثہ تھی جس کی ذمہ داری کسی فرد پر عائد نہیں ہوتی۔"

"لیکن یہ آپ مجھے کیوں دکھا رہے ہیں۔" وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

"منصب نے مجھ سے کہا کہ میری واپسی کو اگر تانیہ کے ہاں شک کی نظر دیکھا جائے تو اس پر مجھے بجائے خفا ہونے کے اپنی سچائی کا ثبوت دینا ہوگا۔ یہ رپورٹس چونکہ کئی ماہ پہلے کی ہیں اور تاریخ کے ساتھ

digest novels lovers group

میرے پاس موجود تھیں تو سوچا آپ کو دکھا دوں۔ میرا ارادہ قطعاً کسی بدلے وغیرہ کا نہیں ہے۔ جو میں نے آپ کو بتایا وہی اصل سچ ہے یہ اور یہ پیپرز اس کا ثبوت۔"

"آئی ایم سوری عیسیٰ۔۔۔ آپ شاید ہرٹ ہوئے ہیں اس بات سے۔" تانیہ نے پیپرز اس کی طرف واپس بڑھائے تو لہجے میں سخت پشیمانی سی تھی۔ اس کا نرم دل کسی کی ذرا سی عاجزی بھی برداشت نہیں کر پاتا تھا۔

"دراصل میری پیرنٹس وسیلہ کے ساتھ حال ہی میں جو کچھ پیش آیا اس کا اثر ہم سب کے ذہنوں پر بہت تازہ ہے۔ اور وہ ابھی بھی اس کرائسس سے پوری طرح باہر نہیں نکلیں۔ ایسے میں آپ کی واپسی۔۔۔ اور اُدھر مرغزار میں جس انداز سے یہ واپسی ہوئی، اس نے بلاوجہ وہموں میں ڈال دیا۔"

"آپ کو معذرت کرنے کی ضرورت نہیں ہے تانیہ۔۔۔۔ میں نے یہ کاغذات واقعی اپنے کہنے کا یقین دلانے کے لیے دکھائے ہیں۔ اس میں ناراضی کہیں شامل نہیں۔ لیکن آپ جانتی ہیں میرا طریقہ ہمیشہ سے بے ڈھنگا رہا ہے۔ اس بار بھی شاید یہی غلطی کر دی۔" مسکرایا تو تانیہ بھی ہنس دی۔

"وہ تو خیر کوئی بات نہیں، لیکن مجھے خوشی ہے کہ آپ نے ہماری بات کا برا نہیں مانا تھا بلکہ ہماری مجبوری کو سمجھا۔"

"جی بالکل۔۔۔ اتنا سب کچھ ہونے کے بعد آپ کا حق بنتا ہے کہ آپ پوری تسلی کے بعد واپس آئیں۔"

"لیکن میرے ذہن میں ایک الجھن ہے۔ اس کا میں نے کسی اور سے ذکر بھی نہیں کیا کیونکہ یہ بات صرف آپ سے پوچھنے کی تھی۔"

"ہاں کہو۔" عیسیٰ مکمل متوجہ ہوا۔

"آپ کی والدہ نے اپنا بیٹا کھویا ہے۔ ان کے درد کا اندازہ لگانا بھی ناممکن ہے تو کیا وہ مجھے قبول کر لیں گی۔ کیا مجھے دیکھ کر ان کے ذہن میں کوئی تلخ یاد۔"

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے تانیہ! جبکہ انہیں بھی حقیقت معلوم ہو چکی ہے۔"

"جی، وہ تو ہے لیکن مجھے لگا شاید میرا آپ کی لائف میں آنا ان کے لیے کوئی تلخ تجربہ نہ رہا ہو۔"

"ایکچوئلی درمیان میں اور بھی اتنا کچھ ہوا ہے کہ وہ تو خود شدت سے تمہاری آمد کی منتظر ہیں۔" عیسیٰ جیسے کچھ کہتے کہتے رُکا تو تانیہ نے چونک کر دیکھا۔

"درمیان میں۔ کیا مطلب، اور کیا ہوا ہے؟"

"میرے ماموں ہیں رفاقت، شاید میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا۔ انہیں بمع ان کی فیملی کے میں اپنے ہاں لایا تھا۔ یوں سمجھ لو کہ امی کے کہنے پر ہی ان کے بھائی کو اپنے ہاں سیٹل کیا، وہ طرموں اپنی بیٹی مجھ سے بیاہنا چاہتے تھے، ہم نے ویسے بھی ان کی مرضی کو زیادہ اہمیت نہیں دی تھی لیکن تم سے میری منگنی کے بعد ان کا غصہ کافی کھل کر سامنے آیا۔ میں اب تک کے وقت میں ان کو نہایت بے ضرر انسان سمجھتا رہا تھا۔ لیکن کسی بھی انسان کو اس کے ظاہر سے پہچاننا بہت مشکل ہوتا ہے۔

تمہارے ساتھ معاملات کشیدہ ہوئے تو انہوں نے اپنی کوششیں پھر سے تیز کر دیں، میری امی کو انہوں نے صرف مجبور ہی نہیں کیا بلکہ بلیک میل بھی کیا کہ وہ ہر حال میں ان کی بیٹی کو بہو بنا کر لے آئیں۔ امی تو مجبور بھی ہو گئی تھیں لیکن میں جب کسی طور نہیں مانا تو مجھ پر زیادتی کا الزام لگا کر ثانیہ کو مجھ پر تھوپنے کی کوشش کی گئی۔ خاندان میں میری عزت اس قدر اُچھالا گیا کہ چار لوگوں میں بیٹھنا اور جینا تک محال ہو گیا۔ صہیب کی موت کے بعد یہ دوسرا بہت اذیت ناک دور تھا جس سے بچ نکلنے کی مجھے راہ بھی دکھائی نہ دے رہی تھی لیکن سچ تو یہ ہے تانیہ! کہ جتنا میرے ماموں مجھے اپنے جال میں پھنساتے جا رہے تھے اتنا ہی میں ان سب سے متنفر ہو رہا تھا۔ میں نے بھی سوچ لیا تھا کہ عزت کا جنازہ تو ویسے ہی نکل چکا۔ لیکن ماموں کو

اپنے گندے عزائم میں، میں بھی کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔"

"اوہو......تو پھر؟"

"بس پھر یہ کہ تم مل گئیں اور اس پہلے مرحلے پر ہی میں چاہتا ہوں کہ تمہیں بھی ہر سچ سے آگاہ کر دوں، اس کے بعد فیصلہ کرنے کا اختیار تمہیں ہے کہ تم کیا کرتی ہو، جہاں تک بات ہے کسی بدلے یا انتقام کی تو سچ مانو تانیہ! الیسی باتوں کی تو میں اپنے میں سکت ہی نہیں پاتا۔"

"اچھا جی، تو اس لیے اغوا کیا تھا۔" وہ بے ساختہ ہی شکوہ کر گئی۔ جس پر عیسیٰ بھی خجالت سے ہنس دیا۔

"ہاں بھئی، کہہ لو تم بھی۔۔۔ لیکن اغوا نے کا مقصد خدانخواستہ کوئی انتقام لینا نہیں تھا، بس ایک بار پوچھنا چاہتا تھا کہ بنا مجھے کسی صفائی کا موقع دیئے آخر میری منگیتر نے کسی سے شادی کیوں رچالی۔"

"تو......ہوگئی تسلی۔" وہ مسکرا رہی تھی۔

"ابھی کہاں۔" وہ بھی بے ساختہ کہہ بیٹھا، کہ ظاہر ہے تانیہ کی طرف سے کوئی واضح جواب ابھی نہ ملا تھا۔ تانیہ بھی اس بات کو گول کر گئی۔

"اچھا۔ تو پھر۔۔۔وہ آپ کے ماموں کا معاملہ۔"

"ماموں کے ساتھ تو تعلقات سمجھو بالکل ہی ختم ہو گئے۔ انہیں امی نے حویلی سے بھیج دیا ہے۔ کچھ سال پہلے انہوں نے کچھ پراپرٹی اپنے نام کروائی تھی۔ بس امی نے وہ انہی کے پاس رہنے دی۔ جہاں تک تمہیں یہ ساری بات بتانے کا تعلق ہے تانیہ! تو وہ یہ کہ میری امی تو بہت شدت سے تمہاری منتظر ہیں۔ اپنوں کے دھوکے نے انہیں بہت رنجیدہ کیا ہے۔ وہ مجھے برا بھلا کہتی ہیں کہ اگر میں نے عجلت نہ دکھائی ہوتی تو آج تانیہ میری زندگی میں شامل ہوتی پھر ماموں بھی ایسے ہتھکنڈے نہ اپناتے۔ حالانکہ میرا ماننا تو یہ ہے کہ اگر اس وقت تم میری زندگی میں آگئی ہوتیں تو ہمیں ماموں کا اصل چہرہ کبھی دکھائی نہ دیتا۔ یقیناً اسی میں ہم سب کی بھلائی تھی۔

سچ کا یہ وقت اپنوں کے بے نقاب ہونے کے لیے آیا تھا۔ البتہ اس تفصیل کو میری طرف سے کوئی دباؤ مت سمجھنا، تم اپنے فیصلے میں مکمل آزاد ہو۔"

"جی میں کوئی ایسا گمان نہیں کروں گی۔ ابھی مجھے اجازت، کیونکہ منصب باہر میرا انتظار کر رہا ہوگا۔" وہ اپنا پرس سنبھال کر اٹھ کھڑی ہوئی، جبکہ عیسیٰ بس سوالیہ نظروں سے دیکھ کر رہ گیا۔ تانیہ کے لیے ان نظروں کا مفہوم سمجھنا مشکل نہیں تھا۔

"میں اپنے جواب سے آپ کو جلد ہی آگاہ کر دوں گی۔ اللہ حافظ۔" وہ اس مرتبہ رکی نہیں اور پارک سے باہر نکل آئی۔

☆☆☆

"یہ تو بڑی پریشانی والی بات ہے منصب۔" دادی نے تشویش بھری نظروں سے منصب کو دیکھا۔

"آپ کو ان لوگوں سے اور توقع بھی کیسی ہو سکتی ہے۔" وہ دادی کو دیکھ کر ہنس دیا کہ ان سے زیادہ حویلی والوں کو کون جان سکتا تھا۔

"ہاں اور اگر ایسی بات ہے بیٹا، تب تو ہمیں جلد از جلد گلناز کو واپس بھیج دینا چاہیے۔" رضوانہ کو تو سن کر ہی ہول اٹھنے لگے کہ شہباز نے ان کے بیٹے پر ایک اور کیس دائر کر دیا تھا۔

"ٹینشن نہ لیں امی۔۔۔ شفقت صاحب نے کہہ دیا ہے کہ اس معاملے کی ذمہ داری وہ خود پر لیں گے۔"

"اچھا ٹھیک ہے لیکن ہمیں کیا ملے گا، گلناز کو یہاں بٹھا کر، تم اسے حویلی بھیج دو۔" وہ پریشان تھیں۔ منصب نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

"کیوں اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان ہوتی ہیں۔۔۔ لے جاؤں گا۔ بہت جلد۔ بس مجھے کل دن کو اپنی ڈیوٹی کر لینے دیں۔ پھر اس کے بعد نکل چلیں گے۔"

"تم خود جاؤ گے؟" وہ اب اس بات پر

گھبرا گئیں۔

"جی ظاہر ہے کہ میں لایا تھا تو چھوڑنے بھی مجھے جانا چاہیے۔"

"اکیلے مت جانا۔ مومن کو بھی ساتھ لے جائے۔"

"اچھا ٹھیک ہے دیکھ لیتے ہیں۔" وہ انہیں تسلی دے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ایلیا نے بتایا تھا کہ تانیہ بھی آئی ہوئی ہے اور گلناز کے ساتھ ہے۔ وہ تانیہ سے ملنے کے لیے باہر نکل آیا۔ سوچا اس کو بھی بتادے کہ بلاوجہ اتنی محنت کی ضرورت نہیں۔ اس کی نئی پیشنٹ کو کل وہ واپس لیے جارہا ہے۔ رمشہ کے کمرے پر دستک دی تو کوئی رسپانس نہیں آیا۔ اس نے اندر جھانکا تو کمرہ خالی ملا۔ وہ ان سب کو دیکھتا ہوا گھر سے باہر نکل آیا کیونکہ گھر میں امی اور دادی کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔

اس نے سوچا ضرور باہر والے لان میں نکلے ہوں گے وہی ہوا۔ وہ سب تھے تو باہر لیکن بجائے لان کے دائیں ہاتھ کے گراؤنڈ میں اترے ہوئے تھے۔ پیپل کے درختوں کے نیچے بینچ پر بیٹھے خوش گپیاں ہو رہی تھیں۔ منصب کو یہ دیکھ کر بڑی خوش گوار سی حیرت ہوئی کہ گلناز آج اچھا سا سوٹ پہنے بال سلیقے سے باندھے ان سب کے ساتھ ایک بینچ پر یوں عام انداز میں بیٹھی تھی جیسے برسوں سے ان کے ساتھ ہو۔

منصب نے بڑی حیرت سے تانیہ کو دیکھا۔ اور ابرو اٹھا کر گلناز کی بابت کچھ پوچھنے کی کوشش کی جس پر وہ مسکراتی ہوئی منصب کے نزدیک آگئی۔

"دیکھ لو، تم تو ہمیں کچھ ماننے کو تیار ہی نہیں ہوتے نا۔"

"میری توبہ بھئی۔" اس نے ہنس کر کان کی لو کو چھوا "ڈاکٹر تانیہ کچھ بھی کر سکتی ہیں۔"

"تمہیں پتا ہے، آج اس نے مجھ سے بات کی ہے۔" وہ پرجوش ہو کر بتانے لگی۔

"واقعی...... کیا کہا؟"

"میں جب آج اس سے ملنے آئی تو یونہی پوچھ لیا کہ بتاؤ گلناز کہاں چلیں تو فوراً کہتی ہے باہر۔"

"واؤ...... یہ واقعی ایک بڑی کامیابی ہے۔ مطلب اس نے تمہیں سنا، سمجھا اور جواب بھی دیا۔ بہت اچھی بات ہے۔ لیکن تانیہ مجھے افسوس ہے کہ" وہ کچھ کہتے کہتے رک سا گیا۔ جس پر تانیہ نے تعجب سے دیکھا۔

"مجھے کل ہی گلناز کو یہاں سے لے جانا پڑے گا۔ میری تائی صاحبہ نے میرے خلاف بھی بے جا کیس کر دیا ہے۔ یعنی یہ کہ میں انہیں زبردستی یہاں لایا ہوں۔"

"اوہ...... پھر......؟"

"بس پھر واپس ہی جانا ہے۔" اس نے کندھے اچکائے اور یونہی سرسری اس کی نظر باقیوں کی طرف گئی تو وسیلہ کو چوروں کی طرح اس طرف دیکھتے پایا۔ وہ بینچ پر رمشہ کے ساتھ بیٹھی تھی۔ ایلیا اور بچے بھی وہیں تھے۔ باقی سب تو آپس کی باتوں میں مگن تھے لیکن ایک خاتون کی توجہ یکسر اسی جانب تھی۔ منصب کے لبوں پر جیسے مہینوں بعد ایک بڑی شرارتی سی مسکان آئی تھی۔ کوئی اندر ہی اندر جل تو ضرور رہا تھا لیکن جتانا ہرگز منظور نہ تھا۔ تب ہی بڑی مہارت سے رخ پھیر لیا۔

"کیا ہوا......" تانیہ نے اس کی ہنسی کو حیرت سے دیکھا۔ گلناز کی بات کرتے کرتے منصب کی توجہ نجانے کہاں بھٹکی تھی۔ تانیہ نے جب پلٹ کر دیکھا تو سبھی کو آپس میں مصروف پایا۔

"ہوں۔" وہ اسی مسکراتے چہرے کے ساتھ تانیہ کو دیکھ رہا تھا "کچھ نہیں۔"

"کچھ تو ہے خیر۔" وہ بھی مسکرا رہی تھی۔

منصب سے مزید کچھ بولا نہیں گیا۔ پنک سوٹ والی کی توجہ نے اسے باقی ہر بات بھلا دی تھی۔ آج ایک مدت بعد اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ فرصت سے وسیلہ کو دیکھے، اور اس کے گھورنے کو بھی خاطر میں نہ لائے، کیونکہ ارحم نام کی دیوار بالآخر مسمار ہو چکی تھی۔ اب تو وسیلہ بھی اسے روک نہیں پائے گی۔ ہاں لیکن ابھی یہ راستہ تھوڑا طویل اور پیچیدہ تھا۔

☆☆☆

صبح کی نماز پڑھ کر تسبیحات اور تلاوت ہاجرہ بیگم اور رضوانہ دونوں کا معمول تھا۔ گلناز بھی اِن دنوں چونکہ ان کے کمرے میں تھی تو ان دونوں نے خاموشی اور نیم تاریکی میں سارے عمل انجام دیے۔

صبح کی ہلکی روشنی اب کھڑکی سے آنا شروع ہوگئی تھی۔ رضوانہ نے ایک نظر گلناز کی طرف دیکھا، وہ آنکھوں پہ بازو رکھے لیٹی ہوئی تھی۔

"اماں، اس کی حرکات آج کل کچھ نارمل انسانوں جیسی لگنے لگی ہیں نا؟" رضوانہ نے اس کے لیٹنے کے انداز کو حیرت سے دیکھا تھا۔ کہیں سے نہ لگتا تھا کہ وہ ذہنی طور پر باقیوں سے کمزور ہے۔

"ہاں میں نے بھی نوٹ کیا ہے۔ اس کا اٹھنا بیٹھنا بھی کچھ دنوں سے ایسا ہوگیا ہے جیسے اسے معلوم ہو کہ وہ کسی کے گھر مہمان ہے۔ ورنہ ایک پاگل کو کہاں کچھ سمجھ ہوتی ہے۔"

"سب تانیہ کی محنت کا نتیجہ ہے۔ بہت محنتی لڑکی ہے۔ میری وسیلہ کو ٹھیک کرتے میں بھی اس نے کیسی جان لگادی تھی۔"

"ہاں لیکن گلناز پر اس کی محنت شاید رائیگاں جائے۔ آج ہی تو اس بے چاری نے واپس چلے جانا ہے۔"

"مجھے بہت خوشی ہوتی اماں! اگر گلناز ٹھیک ہوجاتی۔ میرے ضمیر پر بہت بوجھ ہے اس بات کا۔ غلطی تو جمال اور مجھ سے ہوئی نا۔ ہم نے ایک کم عمر لڑکی کے جذبات کو نہیں سمجھا۔ مجھے میری بے حسی کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے۔ لیکن گلناز پہلے جیسی نارمل ہوجائے تو اس بوجھ میں بھی کچھ نہ کچھ تو کمی آئے گی۔" رضوانہ نے ایک آہ بھری۔

"تانیہ ویسے صحیح کہتی ہے رضوانہ کہ گلناز بے چاری کا خیال اس طرح نہیں رکھا گیا جیسا کہ رکھنا چاہیے تھا۔ کیا پتا اس کو اگر سمجھا جاتا، سنا جاتا تو نوبت یہاں تک نہ آتی۔ مجھے یاد ہے جب جمال کی شادی کی خبر حویلی میں ملی تو شہناز ہردم شور مچائے رکھتی۔ خوب چیختی چلاتی، غصہ نکالتی، اور انجام یہ ہوا کہ سر درد کی مریضہ بن بیٹھی، ہر دم حویلی میں اودھم مچائے رکھنے والی شہناز گھنٹوں گھنٹوں گولیوں کے اثر سے بے سدھ پڑی ہوتی۔ گلناز ایک صدمے سے تو نڈھال تھی ہی بہن کا خیال بھی اسی کو رکھنا پڑ گیا۔ حویلی کے بھی کام دھندے بھی اس پر آپڑے تھے۔

کمال شہناز کو پکارتا ہوا حویلی میں داخل ہوتا اور یہ بے چاری بھاگ کر سامنے جا کھڑی ہوتی۔ ڈیرہ بھی اُن دنوں بیسیوں مردوں سے بھرا رہتا تھا۔ دن کا وقت وہاں کا کھانا پکانا بھی دیکھنا۔ یہ سب کچھ گلناز ہی دیکھنے لگی۔ کمال تو اُن دنوں مکمل اسی پر ہی انحصار کرنے لگا تھا۔ ہر کام میں اِسی کو آواز۔" وہ اپنی لے میں پرانے دنوں کی یادوں کو تازہ کیے بیٹھی تھیں کہ اچانک کمرے کے پرسکون ماحول کو ایک دلدوز چیخ نے یوں توڑا کہ رضوانہ اور ہاجرہ بیگم کے دل ہی دہل گئے۔ چیخ لیٹی ہوئی گلناز نے ماری تھی۔ وہ پلنگ پر بیٹھی زور زور سے دھاڑیں مار کر رو رہی تھی۔

ہاجرہ بیگم بھی نزدیک آئیں۔ کچھ ہی دیر میں وسیلہ اور رمشہ بھی کمرے میں آگئیں۔ ان کا کمرا چونکہ اسی راہداری میں تھا سبھی آواز پر چونک کر بھاگی تھیں۔ سب مل کر گلناز کو سنبھالنے کی کوششوں میں لگی تھیں لیکن وہ کسی سے سنبھل نہ رہی تھی پھر اچانک ہی سب کو دھکا دے کر دروازے کی طرف دوڑ گئی۔ رمشہ اس کے پیچھے بھاگی لیکن وہ بیرونی دروازہ کھول کر ڈھلان اتر گئی تھی۔ رمشہ نے بجائے اس کے پیچھے جانے کے صحن میں موجود منصب کے کمرے کا دروازہ بجایا۔

"کیا ہوا...... خیریت......" منصب نے بھی فوراً ہی دروازہ کھول دیا شاید وہ نیند سے جاگ گیا تھا۔

"وہ گلناز...... وہ باہر نکل گئی ہے۔ جلدی جاؤ منصب۔" اس نے پیچھے سے دھکا دے کر منصب کو آگے کیا اور وہ بھی اسی تیزی سے باہر نکل گیا۔ گلناز روتی چلاتی ڈھلان اترتی جا رہی تھی۔ منصب تیز

digest novels lovers group

دوڑتے جلد ہی اس تک پہنچ گیا اور بازو سے پکڑ کر اسے زبردستی روکا۔ دن کی روشنی نکل آئی تھی لیکن اس چراگاہ میں کوئی دکھائی نہ دیتا تھا۔ منصب نے شکر ادا کیا۔ ورنہ دیکھنے والے تو نجانے کیا کچھ اخذ کر لیتے ہیں۔ وہ گلناز کو بازو سے کھینچ کر پیچھے لانے لگا۔ اگرچہ یہ ایک مشکل کام تھا کیونکہ وہ متواتر پیچھے کو ہٹ رہی تھی۔ لیکن تبھی مومن بھی ان کی مدد کے لیے وہاں پہنچ گیا اور دونوں کسی طرح گلناز کو گھر واپس لے ہی آئے۔ لیکن گلناز کی ہچکیاں کم ہونے میں نہ آ رہی تھیں۔ مومن اور منصب نے اسے منصب کے کمرے میں لا بٹھایا تھا کیونکہ وہی دروازے کے سب سے قریب تھا۔ اور وہ نیچے قالین پر بیٹھ کر ایک مرتبہ پھر رونے لگی تھی۔ معلوم نہیں اسے اچانک کیا ہوا تھا۔ ہاجرہ بیگم سب سے زیادہ حیران تھیں کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی میں کبھی گلناز کو اس طرح روتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ تو بس ہنسی تھی اور اسکی اوٹ پٹانگ حرکتیں ہی کرتی تھی۔ اتنی شدت اور اتنے درد سے رونا تو شاید اسے آتا ہی نہ تھا۔

رمشہ نے تانیہ کو بھی کال کر دی تھی حالانکہ منصب منع کرتا رہ گیا کہ اتنی صبح اسے تکلیف دینا ٹھیک نہیں۔ اوپر سے سردی بھی اتنی شدید تھی۔ اسے لگا گلناز اپنے آپ ہی چپ ہو جائے گی لیکن تانیہ نے کہا کہ وہ ابھی پہنچ رہی ہے۔ اور وہ کچھ ہی دیر میں وہاں آ گئی۔ اس کے آنے تک سب وہیں صحن میں ہی پہرہ دینے کے انداز میں موجود رہے تاکہ وہ دوبارہ نہ بھاگ جائے لیکن تانیہ جب کمرے میں گئی تو وہ سب بھی یہاں وہاں بکھر گئے۔ تانیہ کے ساتھ گلناز کو انہوں نے ہمیشہ ہی مطمئن دیکھا تھا۔

☆☆☆

”کیا ہوا گلناز۔“ آپ ٹھیک ہیں۔ تانیہ نے ہاتھ آہستہ سے گلناز کے ہاتھ پر رکھا تو اس نے روتی پلکیں اٹھا کر اوپر دیکھا۔ نظر تانیہ سے ملی تو سر دوبارہ گھٹنوں پر دے دیا اور پھر رونا شروع کر دیا اس بار وہ ہلکی ہلکی سسکیاں لے رہی تھی۔

”میری دوست رو کیوں رہی ہے۔“ تانیہ نے اس کے سامنے قالین پر ہی آلتی پالتی مار لی۔
”بتائیں نا گلناز۔۔ کس بات نے آپ کو دکھی کیا ہے۔ کون سی یاد۔“ اور گلناز ایک بار پھر پوری شدت سے رونے لگی۔ تانیہ نے اپنے آخری جملے پر غور کیا۔۔ اس نے تو کون سی یاد ہی کہا تھا اور اسی ایک جملے نے گلناز کا ضبط توڑ دیا تھا۔
”ایسا ہوتا ہے گلناز۔ کبھی کبھار کوئی بھولا ہوا واقعہ بہت شدت سے آنکھوں کے آگے تازہ ہو جاتا ہے۔ تب دل بہت رنجیدہ ہو جاتا ہے۔ لیکن دیکھو۔“ وہ اس کے چہرے سے بال ہٹانے لگی۔
”ایسی باتیں کسی دوست سے کہہ لینا اچھا ہوتا ہے۔ میں چاہتی ہوں آج آپ ہر بات کہہ ڈالیں۔ کچھ بھی دل میں نہ رکھیں۔ آپ کو کوئی ڈر محسوس نہیں کرنا چاہیے۔ میں آپ کی ہر مدد کرنے کو تیار ہوں۔“
”وہ......وہ......“ وہ ہچکیوں کے بیچ کچھ بولی تھی۔ تانیہ نے اپنا سانس تک روک لیا۔ گلناز کچھ کہہ رہی تھی۔۔ ”وہ۔ میری۔ آپا۔ کو مار دیں گے۔“
”کون؟“ تانیہ نے بے ساختہ پوچھا۔
”نہیں۔“ وہ سر نفی میں ہلانے لگی۔ ہچکیوں پر بھی اس کا قابو نہ تھا۔
”وہ۔ نیند میں۔۔۔ ان کی جان۔“
”آپ کی آپا...... مطلب...... شہناز......“
تانیہ نے اپنا دماغ حاضر کیا تو گلناز نے ہولے سے سر ہلایا۔
”تو اس کو کون مارنا چاہتا تھا۔ اور کیوں۔“ تانیہ کا اپنا دل دھڑکنے لگا تھا۔ نجانے گلناز کیا کہنا چاہتی تھی۔
”وہ اگر ...... میں...... آپا...... کو سچ...... بتا دیتی۔“ وہ پھر سمجھا نہیں پا رہی تھی لیکن یہی اچھی بات تھی کہ وہ بولنے لگی تھی۔ بالآخر گلناز کا جمود ٹوٹ گیا تھا۔
”اور۔۔ وہ سچ کیا ہے گلناز۔“ تانیہ نے بہت پیار سے اس کے بالوں پہ ہاتھ پھیرا تو گلناز ایک بار

پھر رو دی۔ اس کی سسکیاں اتنی درد بھری تھیں کہ تانیہ کی وجہ جانے بغیر ہی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"سچ۔" اس نے ہچکی لی۔ "سچ۔" وہ عجیب سے انداز میں دوہرانے لگی۔ تانیہ نے پہلے تو اسے بنا روک ٹوک کیے رونے ہی دیا۔ گلناز کا رونا برسوں کی گھٹن کا نتیجہ تھا۔ جس سے آج اسے نجات ملی تھی۔ پھر اٹھ کر اسے پانی دیا۔

"تم اس وقت اپنوں میں ہو گلناز، اور یہاں کوئی تمہارا دشمن نہیں ہے۔ نہ ہی کوئی تمہیں دھمکی دے گا۔ تم مجھے آج آرام سے اپنی پوری کہانی سناؤ گی۔ اور ہم تمہاری آپا کو بھی کچھ نہیں ہونے دیں گے۔" تانیہ نے اسے تسلی بھرے انداز میں تھپکا۔ گلناز کو چپ ہونے میں بہت دیر لگ گئی۔ بڑی دیر بعد اس نے گہرے گہرے سانس لینا شروع کیے تو تانیہ کو کچھ پریشانی لاحق ہوئی۔ وہ اب سر اٹھا کر اردگرد دیکھ رہی تھی۔ گہرے سانس اب بھی لے رہی تھی۔ اور جیسے سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"گلناز اب آپ بالکل ٹھیک ہیں۔ لیکن آپ کسی گہرے صدمے میں تھیں۔ اور وہ بات آپ کو مجھے بتانی ہی ہوگی۔ بتائیں گلناز آپ کی کہانی کیا ہے۔" تانیہ نے پھر اسے متوجہ کرنا شروع کیا، اسے ڈر لاحق ہوا کہ گلناز کہیں پھر سے اپنی خاموشی کی دنیا میں نہ چلی جائے۔

"کمال بھائی۔" اس کے لبوں پہ ایک نام آکر رکا۔ پلکیں بھیگ گئیں۔ "میں ان کا قتل کرنا چاہتی ہوں۔ ایک بار چھری سے۔" وہ بھیگی پلکوں کو جھپک رہی تھی۔ اور تانیہ سوچ میں پڑ گئی کہ کمال کیوں۔ جبکہ رضوانہ آنٹی کے شوہر کا نام تو جمال تھا۔ اور وہ جمال کی منکوحہ تھی۔ اس نے سوچا کہ گلناز کو ٹوک کر اس کی صحیح کرے لیکن اس سے پہلے ہی گلناز خود بولنے لگی، وہ بولتی گئی اور تانیہ کی آنکھیں حیرت اور بے یقینی سے کھلتی گئیں۔

☆☆☆

"تانیہ ناشتہ۔" ایلیا نے ٹرے سامنے رکھی تو تانیہ نے کھوئے کھوئے انداز میں سر اوپر اٹھایا۔ کمرے سے نکل کر وہ باہر آئی تو یونہی بے خیالی میں ڈائننگ ٹیبل کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔

"نہیں۔ میرا جی نہیں چاہ رہا۔ تم گلناز کو ناشتہ دے دو۔" اس نے جیسے منت کی۔

"کیا ہوا تانیہ۔ گلناز اب ٹھیک ہے نا؟" رمشہ بھی اس کے قریب آئی۔ ان دونوں کے کمرے میں جاتے ہی وہ سب ناشتے کی تیاری میں مصروف ہو گئے تھے۔ مومن اور منصب نے ڈیوٹی پر جانا تھا۔ اور وہ سب شاید ناشتہ کر چکے تھے۔ صرف تانیہ اور گلناز ہی رہ گئی تھیں۔

"وہ......" تانیہ نے انگلی، کمرے کی جانب اٹھائی "وہ آج بولی ہے۔"

"گلناز۔۔۔ اچھا۔۔۔؟" رمشہ حیرت سے ہنسی "کیا کہا اس نے۔"

"سنو رمشہ میں ڈیوٹی سے جلدی آنے کی کوشش کروں گا۔ گلناز کو تیار ہونا چاہیے۔ مومن کو ہم راستے سے لیں گے۔ دو بجے تک کا ٹائم ہے نکلنے کا۔" منصب تیار ہو کر عجلت میں کہتا کمرے سے نکلا۔ سر پر ٹوپی سیدھی کی اور شاید امی اور دادی کو خدا حافظ کہنے کے لیے کمرے کی طرف بڑھا جب گھر کے مین گیٹ پر پہلے دستک ہوئی اور پھر دروازہ کھول کر کوئی اندر داخل ہوا۔ سب نے آواز پر پلٹ کر دیکھا تو شہناز تائی اندر داخل ہو رہی تھیں۔ چہرے پر کرختگی اور بیگانگی سجا رکھی تھی۔ اجنبی سی نظروں سے سامنے کھڑے افراد کو دیکھا۔ منصب پر نظر پڑی تو نفرت سے منہ پھیر لیا۔

"میں اپنی بہن کو لینے آئی ہوں۔ کہاں ہے گلناز۔"

"السلام علیکم۔ اندر آجائیں۔" ایلیا ہی آگے بڑھ کر زبردستی ان سے ملی اور ہاتھ پکڑ کر اندر لانے لگی۔ منصب نے اس دوران گیٹ سے باہر جھانکا۔ تائی اپنے ڈرائیور کے ساتھ آئی تھیں۔ ارحم شاید طلاق کے بعد آنے پر رضامند نہیں ہوا ہوگا۔ منصب

نے مصافحہ کر کے باہر دھوپ میں کرسیاں اور میز رکھی اور رمشہ سے ڈرائیور کی چائے کا کہا۔ گھڑی دیکھی اس کے آفس جانے کا ٹائم ہو چکا تھا لیکن وہ یہاں کے معاملات کو عورتوں پہ چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا اس لیے پولیس اسٹیشن کال کر کے اپنے گھنٹہ بھر بعد پہنچنے کا کہا۔ موبائل جیب میں رکھتے واپس آ گیا۔ ایلیا انہیں امی اور دادی کے کمرے میں لے گئی تھی۔ وسیلہ انہیں دیکھتے ہی کمرے سے باہر نکل گئی اسے تائی کی ڈھٹائی پر افسوس تھا۔ اس کے ساتھ اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی وہ ان کے گھر کس دھڑلے سے آن پہنچی تھیں۔

"ہمیں جیل پہنچا کر چین نہیں ملا تھا، میری پگلی بہن ہی رہ گئی تھی بدلے نکلوانے کے لیے۔" وہ ہاتھ نچا کر منصب پر غصہ نکال رہی تھیں۔

"کہاں ہے میری بہن۔ کیا کیا ہے اس کے ساتھ۔" وہ اب رضوانہ کو تیز نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ یہ بات وہ پہلے ہی طے کر کے آئی تھیں کہ اپنے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کے لیے اس وقت گلناز کا نام استعمال کرنے میں ہی فائدہ ہے۔

"برسوں پہلے کیا کوئی کسر رہ گئی تھی۔" انہوں نے نفرت سے رضوانہ کو دیکھا "اب کیا مار کے دم لو گی میری بہن کو۔"

"بہتر ہو گا آپ بجائے الزامات لگانے کے اپنی بہن سے مل لیں۔" منصب ہی آگے آیا۔ وہ ایک بار پھر اس کی امی کو ذہنی اذیت دے رہی تھیں اور اس سے یہ برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ بلکہ منصب کے لیے یہ الزام ہی برداشت کرنا بہت مشکل تھا کہ اس کی ماں کسی کو پاگل کرنے کے جرم میں شریک تھی۔

"جتنی چاہے کوشش کر لو، اپنی ماں کا جرم تم سب چھپا نہیں پاؤ گے۔ اور دیکھنا، تم لوگوں کو بھی جیل کی ہوا نہیں کھلوائی تو میرا نام شہناز نہیں۔"

"رضوانہ آنٹی نے کوئی جرم نہیں کیا۔" تانیہ جو کچھ دیر ہوئی دروازے میں آ کر ان کی باتیں سن رہی تھی۔ چند قدم اور آگے آ گئی۔

شہناز نے سخت برا منہ بناتے اس لڑکی کو دیکھا۔

"تم کون ہو، اور جانتی ہی کیا ہو۔"

"سب کچھ۔ وہ سب جو یہاں موجود کوئی شخص بھی نہیں جانتا۔ منصب تم پلیز کچھ دیر کے لیے باہر جاؤ۔ میں نے ان کو کچھ بتانا ہے۔ لیکن سوری تمہارے سامنے نہیں بتا سکتی۔" اس کا انداز معذرت خواہانہ سا تھا۔ منصب دل میں حیرت لیے خاموشی سے باہر چلا گیا۔

"کیا بکے جا رہی ہو لڑکی۔ میں تمہیں جانتی تک نہیں اور تم کہتی ہو مجھے سب پتا ہے۔"

"میں گلناز کی ڈاکٹر ہوں۔ ان کا علاج کر رہی تھی۔ اور آج آپ کی بہن نے جو انکشافات کیے وہ میں سب کو بتانا چاہتی ہوں پھر آپ خود فیصلہ کریں کہ کون مجرم ہے اور کون بے قصور۔"

"میری بہن کیسے کر سکتی ہے کوئی انکشاف۔ وہ تو بات ہی نہیں کرتی۔"

"اب کرتی ہے۔ اور جو کچھ آج اس کی زبانی میں نے سنا، آپ کو خصوصاً دل تھام کر سننا پڑے گا۔" تانیہ اس مرتبہ ایک اعتماد کے ساتھ آگے آئی۔ جو کچھ وہ دادی اور رضوانہ آنٹی سے کہنے آ رہی تھی، اب لگ رہا تھا اسے سننا سب سے زیادہ تو شہناز کے لیے ضروری تھا۔

"کیا بات ہے تانیہ ___ ایسا کیا کہا گلناز نے۔" ہاجرہ بیگم نے تانیہ کو دیکھا تو وہ ان کے پاس ہی آ کر بیٹھ گئی، ایک گہرا سانس لے کر چہرہ متوازن کیا اور آنکھیں شہناز پر جما دیں۔

"کیا یہ سچ ہے کہ جمال انکل اور رضوانہ آنٹی کی شادی کے صدمے نے آپ کو بیمار کر دیا تھا۔ اور آپ سکون کی گولیاں لے کر پہروں سو جایا کرتی تھیں۔"

"ہاں یہ سچ ہے۔ اس کی گواہ تو میں خود ہوں۔" دادی نے جب اس سوال پر شہناز کو چپ

بیٹھے دیکھا تو خود ہی کہہ اٹھیں۔ شہناز بھی تردید نہ کر پائیں۔

"گھر کے اور ڈیرے کے سب کام ان دنوں گلناز پر آپڑے تھے۔ وہ شوہر کی بے وفائی کے درد سے بھی نمٹ رہی تھی اور بہن کی بیماری گھر کی ذمہ داریاں بھی اس پر آپڑی تھیں۔" تانیہ نے بات کو آگے بڑھایا۔

"ہاں تو کیا کہنا چاہتی ہو، میری بیماری نے اسے پاگل کر دیا۔ کمال ہے اس سے زیادہ بے تکی بات تو میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ تم ڈاکٹر ہو یا وکیل... رضوانہ کے قصور میرے سر ڈالنے کی یہ بھونڈی کوشش۔"

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا، نہ ہی میں کسی کی وکیل ہوں۔" تانیہ نے خود پر ضبط کیا" نہ ہی میں آپ کو مورد الزام ٹھہرا رہی ہوں اور ایسا کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے، کیونکہ اس سب کی ذمہ دار نہ آپ ہیں نہ رضوانہ آنٹی نہ ہی جمال انکل... بلکہ گلناز کی اس تباہی کا ذمہ دار اور کوئی نہیں صرف اور صرف آپ کا شوہر ہے۔"

"کمال خان۔" شہناز نے بھنویں سکیڑیں۔ باقی سب بھی حیرت سے تانیہ کو دیکھنے لگے۔

"جن دنوں آپ بیمار ہو کر حویلی اور وہاں کے سب معاملات سے غافل پڑی تھیں۔ آپ کے شوہر نے اس کا بہت ناجائز فائدہ اٹھایا۔ گلناز کہتی ہے ایک رات میں ڈیوڑھی کے راستے کمال بھائی کو کھانا دینے گئی تو وہ وہاں اکیلے بیٹھے تھے۔ گلناز انہیں کھانا دے کر واپس آ گئی، لیکن پھر روزانہ یہی ہونے لگا، کمال خان ڈیرہ خالی ہو جانے کے بعد بھی وہیں بیٹھے رہتے تھے جب تک کہ گلناز کھانا لے کر خود وہاں نہ چلی جاتی۔ پہلے پہل تو وہ کھانا دے کر واپس آجایا کرتی تھی لیکن پھر اس کے گم سم اور اداس رہنے پر کمال خان اسے پاس بٹھا کر اس سے ہمدردی بھی کرنے لگے۔ کبھی جمال کی کوتاہیوں پر افسوس کا اظہار، کبھی تسلی دینا۔ گلناز چپ چاپ سنتی رہتی اور پھر واپس آجاتی۔ لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ ان روز روز کی ہمدردیوں کے پیچھے اس کے لیے کتنا بڑا طوفان چھپا تھا۔ ایک رات کمال خان اپنے آس پاس کے تمام معاملات کو اپنے حق میں کر کے ذہنی طور پر بالکل تیار تھا۔ اس نے گلناز کے آنے سے پہلے حویلی کو ملازموں تک سے خالی کر دیا اور جب وہ آئی تو ہمدردی جتاتے، ڈھارس بندھاتے اسے بیٹھک سے کمرے کے اندر لے گئے اور پھر دروازہ بند کر کے انہوں نے اپنے مذموم عزائم پر عمل کیا۔"

"جھوٹ...... بالکل جھوٹ۔" وہ ایک دم چلا اٹھیں" کمال نے ہمیشہ گلے کو اپنی چھوٹی بہن سمجھا ہے۔"

"اتنے پاکیزہ لفظ کا استعمال بھی مت کریں آپ۔" تانیہ کا دل کچھ دیر پہلے کی باتوں نے پہلے ہی بوجھل کر رکھا تھا۔ اس کا لہجہ تیز ہونے لگا۔

"آپ کے شوہر نے روز کے حساب سے ایک معصوم بچی کے دل اس کے جذبات اس کے جسم کو کیسے بیچا ہے۔ اسے ہر طرح سے بلیک میل کر کے چپ کروایا۔ وہ روتی چلاتی اور وہ اسے کہتے کہ اگر اس نے اپنی زبان کھولی یا گھر سے بھاگی تو وہ اس کی آپا یعنی کہ آپ کو نیند میں ہی کسی دن جان سے مار دیں گے۔ گلناز سب کچھ اپنے اوپر سہتے چپ رہتی، ایک روز کمال سے بچنے کے لیے تہہ خانے میں جا چھپی، تب وہ اسے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ناکام واپس چلے گئے۔ اس معصوم بچی نے اسی کو اپنی کامیابی سمجھا اور کمال سے بچنے کے لیے تہہ خانے میں پناہ لینے لگی۔

وہ جانور ایسا بھی نہیں ہونے دے رہا تھا۔ گلناز کو باہر بھی نکلنا پڑتا۔ گھر کے کام بھی دیکھنے پڑتے، اور وہ اسے ڈیرے تک آنے کے لیے بھی مجبور کر لیا کرتے تھے۔ لیکن یہ سب اتنا اذیت ناک تھا کہ چھپنے نکلنے کی کشمکش دن بہ دن اعصابی طور پر اسے کمزور اور اس کے ذہن کو معذور کرنے لگی۔ صرف آپ کی جان بچانے کی خاطر وہ اس انتہا کی بے بسی کا لگاتار شکار ہوتی رہی اور محض دو ہی سالوں

digest novels lovers group

میں مکمل پاگل ہو گئی۔ کیونکہ جب انسان اپنا درد اپنے اندر ہی رکھتا چلا جاتا ہے تو وہ کسی نہ کسی صورت باہر نکل کر رہتا ہے۔ گلناز نے بہنوئی کے ہاتھوں جو ٹارچر سہا وہ سولہ سترہ سال کی لڑکی کی برداشت سے کہیں بڑا تھا۔"

"یہ سب تم سے کس نے کہا؟" شہناز جو کچھ دیر پہلے تانیہ کے ایسے آغاز کو ایک اندازہ سمجھی تھیں، حالات وواقعات کو سنتے سکتے کی کیفیت میں آنے لگیں۔

"خود گلناز نے۔"

"لیکن وہ تو بول ہی نہیں سکتی۔" "سب جانتے ہیں وہ اب بول سکتی ہے کیونکہ وہ جس جمود کا شکار ہو چکی تھی۔ وہ آج بالآخر ٹوٹ گیا۔"

"اوہ۔ میں اب سمجھی۔" ہاجرہ بیگم نے ہاتھ اپنے منہ پہ رکھا۔ "صبح جب میں اور رضوانہ باتیں کر رہے تھے تو وہ کمال کا نام لیے جانے پر چیختی ہوئی باہر بھاگی تھی۔ یاد ہے رضوانہ ہم یہی باتیں کر رہے تھے، شہناز کی بیماری اس کا سوئے رہنا۔ گلناز کا گھر سنبھالنا۔ حتیٰ کہ میں نے ہی کہا کہ وہ کمال اور ڈیرے کے سب کام بھی خود کرتی تھی۔ اور بس وہ جو اتنی دیر سے چپ لیٹی ہم دونوں کو سن رہی تھی تو اس اذیت ناک وقت کے یاد آنے پر برداشت نہ کر پائی۔"

"لیکن وہ ٹھیک کب ہوئی اور کیسے۔" شہناز اپنی بہن جس صدمے سے دوچار ہوئی تھیں، اس کے بعد اپنا لب ولہجہ سنبھالنا بھی مشکل ہو گیا۔ حیرت سے سب کو دیکھ رہی تھیں۔ ذہن و دل تو ایک آندھیوں کی زد میں تھے کہ وہ خود کو سوچ بچار کے قابل بھی نہ پا رہی تھیں۔

"میں گلناز کو لاتی ہوں۔" تانیہ ان کی حیرت کو سمجھ رہی تھی۔ وہ کمرے سے باہر نکل گئی اور شہناز کے لیے وہاں موجود باقیوں سے نظریں ملانا بھی دوبھر ہو رہا تھا۔ یہی حال اس وقت ہاجرہ بیگم کا تھا۔ اللہ نے دو بیٹے دیئے دونوں ہی ان کی زندگی میں واپس لیے۔ یہی درد کیا کم تھا کہ اب ایک مرحوم بیٹے کے متعلق ایسی بات کا سامنے آنا۔ وہ سر جھکائے انگلیاں چٹخا رہی تھیں۔ یہی سوچ پائیں کہ کاش گلناز پہلے جیسی پاگل ہی نکلے، اور تانیہ کا کہا وہ کسی طرح جھوٹ ثابت کر دیں لیکن۔ آہٹ پر سر اٹھایا تو کمرے میں داخل ہوتی گلناز پہ نظر پڑتے ہی انہیں کسی انہونی کا احساس ہوا۔

"آپا......" بہن کو دیکھتے ہی گلناز کی آنکھیں پھر سے برس پڑیں۔ وہ آگے بڑھی اور شہناز نے اٹھ کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ اور وہ ایک بار پھر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ وہاں موجود سب ہی کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ ہاجرہ بیگم تو پلو سے آنکھیں صاف کرتے سر ہی نہیں اٹھا پائیں۔

"چلو یہاں سے۔" شہناز نے بنا کسی کی طرف دیکھے گلناز کو باہر کھینچا۔ وہ ذہنی طور پر اتنی ٹوٹ چکی تھیں کہ فوری طور پر وہاں سے نکل جانا چاہتی تھیں۔ رضوانہ نے بے اختیار تانیہ کی طرف دیکھا تو اس نے پلکیں جھپک کر تسلی دی۔ شہناز جو کرنا چاہتی تھیں، اسے روکنا اب لاحاصل تھا۔ گلناز ٹھیک ہو چکی تھی۔ سارے راز افشا ہو چکے تھے۔ شہناز کے لیے اب وہاں ایک پل بھی رکنا ناممکن تھا۔ رضوانہ کو مورد الزام ٹھہراتے وہ ان کے ساتھ کتنا برا کر چکی تھیں۔ آج پتا چلا ان کی اپنی دنیا تو برسوں پہلے اجڑ چکی تھی۔ رضوانہ تو اس قصے میں کہیں موجود ہی نہ تھی۔۔۔ وہ تیزی سے باہر نکل گئیں۔ گلناز نے پلٹ کر خاموش نظروں سے تانیہ کو دیکھا تو تانیہ نے مسکرا کر الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا، جس پر گلناز بس ہلکا سا مسکرائی اور وہ دونوں گھر کے دروازے سے باہر نکل گئیں۔

☆☆☆

"کتنے بدنصیب ہو خان۔" بدنصیب، بدبخت اور انتہا کے ظالم۔ بڑے سے بڑے انسان کو بھی موت کے بعد ایک جملہ تو نصیب ہو ہی جاتا ہے کہ بہت اچھا شخص تھا بے چارہ۔۔ پر تمہاری سیاہ بختی صرف تمہارے کرموں کا پھل ہے جو آج تمہاری قبر

پر تھوکتے بھی مجھے گھن آئے گی۔۔ بھائی کی کوتاہی، میری بیماری اور ایک معصوم لڑکی کی مجبوریوں سے تم نے اتنا گھناؤنا فائدہ اٹھایا، خدا تمہیں کبھی معاف نہ کرے کمال خان۔

اور کرے بھی کیوں۔ تمہاری سزا کے لیے یہی کیا کم ہے کہ آج مرنے کے اتنے سالوں بعد جبکہ لوگ مرے ہوئے کی بخشش کے لیے دعا کیا کرتے ہیں تمہیں بھر بھر کے بددعائیں مل رہی ہیں۔ کتنا رکیک فعل ہے ایک پاکیزہ رشتے کی حرمت کو پامال کرنا۔

۔اور تم نے نا صرف یہ گناہ کیا بلکہ برسوں میری بہن کی دیوانگی اس کی معذوری کو ایک تماشے کی طرح دیکھتے رہے، حتیٰ کہ یہ سوچ کر خوش بھی ہوتے ہوگے کہ اچھا ہے وہ کسی کو کچھ بتانے کے قابل نہیں رہی۔۔ پر یہ تم جیسے بدبخت ہوتے ہیں جنہیں قبر میں قدرت چین نہیں لینے دیتی۔ تمہاری قبر، تمہاری آخرت سب تباہ ہیں کمال خان کیونکہ گلناز بھی تمہیں معاف نہیں کر سکتی۔ اور میں۔"

شہناز بی بی سسک کر رو پڑی "کتنی بری ہوں میں۔ کتنی اندھی اور کتنی بے رحم۔ جب میں ہی رضوانہ کو معاف کرنے کو تیار نہ ہو رہی تھی۔ اب کس منہ سے اللہ سے معافی کی طلب گار ہو سکتی ہوں۔ برسوں اس آگ میں جلتے گزار دیے کہ میری بہن کی دیوانگی کی ذمہ دار اگر رضوانہ ہے تو بس اس کا جینا حرام کیے بغیر چین نہیں لوں گی۔ ایک بار بھی نہیں سوچا نجانے گلناز کا دکھ کیا ہے۔۔ کاش میں اپنے کیے کی سزا اس دنیا میں پالوں، کاش میرا انجام تمہارے جیسا نہ ہو کمال خان۔" وہ تصویر کے سامنے کھڑی رو رہی تھی جب گلناز نے بہن کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"بس کرو آپا۔۔ کیوں خود کو سزا دے رہی ہو۔"

"تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا تھا گلے۔" وہ پلٹ کر گلناز کے شانے جھنجوڑنے لگیں "ایک بار تو کہتیں، اشارے سے ہی جتاتیں۔ دیکھو تو، کتنا کچھ غلط ہو گیا میرے ہاتھوں سے۔ کس کس سے معافی مانگوں، اور بھلا کس منہ سے ان کا سامنا کروں جن کے ساتھ میں نے اتنا برا کیا اور انہوں نے میری بہن کو ٹھیک ٹھاک کر کے میرے سامنے لا کھڑا کیا۔"

"وہ سب اتنے اچھے ہیں آپا، کہ تمہیں کھلے دل سے معاف کر دیں گے۔"

"مجھے یقین نہیں آتا گلناز، یہ تم ہو۔۔ ایسے بولتی، مسکراتی، تندرست۔ یہ...... یہ صرف معجزہ ہے۔"

"یہ صرف ایک سبق ہے آپا۔ تمہارے لیے۔" وہ مسکرا رہی تھی۔ "زندگی بڑی تلخ حقیقت ہے اور ہم صرف مفروضوں کے تحت اس کے دو پلڑوں میں نفرت اور محبت کے پہاڑ بلند کرتے چلے جاتے ہیں۔"

"تم خوش ہو گلناز۔" شہناز نے روتی آنکھوں سے اس کی ٹھوڑی اونچی کی تو گلناز کے چہرے پر ایک تلخی سی آکر ٹھہر گئی۔ شہناز نے حیرت سے اس کا بدلتا رنگ دیکھا۔

"ہاں...... بہت خوش ہوں۔" اس نے ایک سرد آہ کھینچی۔ "بہت خوش کہ دنیا ایک غلیظ شخص کے وجود سے برسوں پہلے ہی پاک ہو چکی تھی۔ لیکن افسوس کہ میں بہت سالوں تک اس خوشی سے بے خبر تھی۔" وہ سفاکی سے کہتی وہاں سے چلی گئی اور شہناز نے ماتھا پیٹ کر کمال خان کی تصویر کو دیکھا اور پھر دیوار سے کھینچنے کے انداز میں اتار کر تصویر کو اسٹور روم کے دروازے پرے مارا۔

"اللہ تمہیں کبھی، کبھی معاف نہ کرے کمال خان، یہ میری بددعا ہے تمہیں۔"

☆☆☆

سارہ نے بچی کو جنم دیا تھا۔ ارحم کی امیدوں پر تو سنتے ہی اوس پڑ گئی تھی۔ جب سے منصب کے جائیداد میں حصہ دار بننے کا سنا تھا۔ سر میں ایک ہی سودا سما گیا تھا کہ کسی طرح اس جبری حصے دار کی راہیں دشوار کر دی ہیں۔ ایسے میں بیٹے کی پیدائش اس کے

اعتماد میں اضافے کا باعث بنی، لیکن سمارہ نے بھی بیٹی کا تحفہ دیا تھا۔ اس کا سن کر صرف مزاج ہی نہیں بگڑا، دماغ بھی نئے ادھیڑ بن میں لگ گیا تھا۔ حویلی کے اس نئے حصہ دار کی حقیقت چونکہ ابھی دنیا پر آشکار نہیں ہوئی تھی تو ارحم کے نزدیک یہ ایک بہت اچھا موقع تھا کہ اس ان چاہے کانٹے کو وقت پر ہی نکال دیا جاتا۔ سب سے پہلے اس نے عدالت میں وراثت کی منتقلی کی درخواست دی تھی۔ ایک بار سب کچھ اس کے نام منتقل ہو جاتا تو بعد میں منصب لاکھ سر پٹختا رہے، یہ قانونی کام اتنی آسانی سے نمٹنے والے نہیں ہوتے، لیکن ارحم کے لیے یہی کافی نہیں تھا۔ بھلا کیا ضرورت تھی ایک اضافی جھمیلا پالنے کی جو اس کے ذہن پر سوچ کر ہی جھنجلاہٹ سوار ہونے لگی کہ منصب بھی مستقبل میں اس کی برابری کی سطح پر آ کھڑا ہو۔ ارحم نے ایک گہرا سانس چھوڑتے موبائل اوپن کر کے نمبر ملایا۔

"بادشاہ خان...... ہوں، میں ہوں ارحم خان۔" اس نے اپنی آواز قدرے نیچی رکھی۔

"سلام خان جی......"

"تھانے میں ہو؟"

"جی خان ام ادر ہی ہے۔ حکم کرو۔"

"حویلی آنا لیکن چھپ چھپا کر... کہو تو کالے شیشوں والی کار بھیج دوں۔"

"مشکل نہیں ہے خان۔ کڑک سردی ہے آج کل۔ سر منہ لپیٹ کر آئے گا تو کچھ خبر نہیں ہوگا کسی کو۔"

"ہاں لیکن بہت لیٹ آنا۔ میں ملازموں کو بھی فارغ کر دوں گا۔ کچھ بہت ضروری معاملہ ہے۔ سمجھ رہے ہو نا۔"

"جی خان۔ سمجھ گیا۔"

"ہوں۔ او کے۔" ارحم کال آف کر کے پلٹا تو قدم جم سے گئے۔ شہناز اسے کھوجتی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

"اس کو کیوں بلا رہے ہو...... کیا کام ہے؟"

"اس طرح کیوں پوچھ رہی ہیں۔" وہ ماں کے تیور دیکھ کر حیران تھا۔ "آپ کو معلوم تو ہے۔ ہم پہلے بات کر چکے ہیں۔"

"کون سی بات؟"

"منصب کے لیے۔" اس نے اپنی طرف سے مطلع کیا وہ بھی بڑے عام انداز میں "تم اب بھی یہ سب سوچ رہے ہو۔ اب بھی؟" وہ جیسے چیخ اٹھیں، اور ارحم کے لیے یہ ایک نئی بات تھی۔

"ہاں کیوں۔۔۔ کیا مطلب؟"

"ارحم۔۔۔ تمہاری خالہ کا ٹھیک ہونا۔ اس کے انکشاف۔۔۔ ان لوگوں کی اچھائیاں۔۔۔ تم۔۔۔ اب بھی ایک کرائے کے قاتل کو بلا رہے ہو؟" شہناز کا صدمے سے برا حال تھا۔

"ارے بس بھی کر دیں۔" ارحم نے سخت بے زاری اور نفرت سے ہاتھ جھٹکا "ان سب باتوں کا منصب کی وراثت سے کیا لینا دینا۔۔۔ وہ مصیبت تو ابھی بھی سوار ہے سر پر لیکن بادشاہ خان کو بلانے کا کیا مطلب۔۔۔ کیا تم منصب کی جان لینا چاہتے ہو؟" شہناز کی آنکھیں پھیلی ہوئی سی تھیں۔ ارحم نے ایک مرتبہ پھر چونک کر دیکھا۔

"آپ تو ایسے بی ہیو کر رہی ہیں جیسے یہ نئی بات ہو۔ ہم پہلے ڈسکس کر چکے ہیں نا۔"

"پاگل ہو ارحم۔" شہناز چیخ ہی پڑیں "تم ابھی بھی یہ سب سوچ رہے ہو۔ تم منصب کی جان کیسے لے سکتے ہو جبکہ اس غریب کا کوئی قصور نہیں ہے۔ تم ایک ماں کی گود کیسے اجاڑ سکتے ہو۔ اس بے چاری کو ابھی ابھی اس کا بیٹا ملا ہے۔ تمہارا باپ تھا ہر برائی کی جڑ، ہر جرم کا ذمہ دار...... یا...... یا پھر میں...... جس نے منصب کو اس کے سگے ماں باپ سے جدا کر دیا۔ اب ایسا کچھ مت ہونے دو...... خدارا...... میری عاقبت سنورنے دو۔" وہ اچانک ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں اور ارحم کے آگے انہوں نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیے۔ ارحم نے ماں کی باتوں کو نہایت بے دلی اور کسی قدر غصے سے سنا تھا۔ اسے ہرگز یہ توقع نہیں تھی

کہ عین ایسے نازک موقع پر ماں اس کا ساتھ چھوڑ جائے گی۔۔۔ جبکہ باپ دادا کی جائیداد کا اکلوتا وارث بننے کے لیے وہ کسی بھی حد تک جانے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔

"دیکھیں میں کہہ رہا ہوں آپ سے۔ جذباتی بن کر مت سوچیں۔۔۔ اس سے پہلے کہ دنیا پر یہ سچ آشکار ہو۔ مجھے میرا کام کرنے دیں۔ آج میں عدالت میں درخواست دائر کر رہا ہوں۔ جس کے بعد وراثت قانونی طور پر میرے نام منتقل ہو جائے گی۔ مجھے ایسی کسی مصیبت کا اندازہ ہوتا تو پاپا کے بعد یہ کام میں بہت پہلے کروا چکا ہوتا۔ اب سے پہلے تو ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔" وہ اپنے آپ میں جھنجھلا رہا تھا۔ جانتا تھا آج کل قانونی کام بہت منظم طریقے ہو چکے تھے۔ سب سے پہلے اس نے باپ کے بھائیوں کی بابت پوچھا جاتا، جس کے نتیجے میں جمال چچا کی تینوں بیٹیوں کو اس کا وراثتی حق ملتا۔ جہاں تک منصب کی بات تھی تو ڈی این اے رپورٹ اور دادی کے بیان کے بعد جائیداد کا پورا معاملہ ایک لمبے عرصے تک جانچ پڑتال کی نذر ہو جاتا۔ ارحم کو بھی بہتر لگا کہ تین بہنوں کو بھلے ان کا حق دے دیا جائے لیکن ارحم کو منصب کی حصہ داری ہرگز قبول نہ تھی۔ اور اس کے لیے اس کم بخت کا جان سے جانا بہت ضروری ہو گیا تھا۔

"تم ایسا کچھ نہیں کرو گے ارحم۔" شہناز نے انگلی اٹھا کر بیٹے کو متنبہ کیا۔ "نہ تم منصب کی حیثیت کے آڑے آؤ گے اور نہ ہی اسے کوئی نقصان پہنچاؤ گے۔ میں کہہ رہی ہوں ارحم۔ بہت نقصان اٹھاؤ گے۔ قدرت کی لاٹھی بے آواز ہے۔ مت بددعائیں لو کسی ماں کی۔ آج تم بھی اولاد والے ہو گئے ہو۔ کسی کا برا مت سوچو۔ انسان بڑے گھاٹے میں آ جاتا ہے۔ ابھی بھی وقت ہے۔" وہ بول رہی تھیں لیکن ارحم جھٹکے سے بازو چھڑوا کر باہر نکل گیا۔ شہناز پھر بھی شور مچاتی اس کے پیچھے بڑے بھاٹک تک چلی آئیں۔ گلناز نے کمرے سے نکل کر دیکھا۔ تاسف بھری ایک آہ نکل گئی۔ اس کی آپا ذہنی طور پر آج کل بڑی منتشر ہو چکی تھیں۔ شوہر کے کردار نے انہیں آج زندگی کے اس موڑ پر آ کر توڑا تھا جبکہ وہ دنیا میں موجود ہی نہیں تھا۔ پر آپا تھیں کہ سنبھلتی دکھائی نہ دیتی تھیں۔ انہیں اپنی زیادتیوں کا پچھتاوا چین نہ لینے دیتا تھا۔ نجانے ارحم اتنا بگڑا ہوا کیوں لگ رہا تھا۔ کم از کم ماں کی صحت کا تو کچھ احساس کرے۔ وہ بس سوچ کر دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

فضا میں خنکی تو جیسے ٹھہر ہی گئی تھی۔ سورج نکلے ہفتہ بھر سے اوپر ہو گیا تھا۔ دھند نے ان دنوں پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ ہر کوئی صبح سویرے اپنے بستروں میں دبکا ہوا تھا۔ میانڈم کا سرسبز ماحول بڑے دن ہوئے برف کی سفیدی میں ڈھل چکا تھا۔ منصب نے یونیفارم پہن کر دستانے بھی ہاتھوں پر چڑھا لیے۔ وہ دوسروں کے آرام کے خیال سے خود ہی کچن کی طرف بڑھا کہ ایک گلاس دودھ گرم کر کے پی لے اور آفس چلا جائے۔ آج آفس سے واپسی بھی کچھ جلدی کرنی تھی کیونکہ گھر پر راشد کی امی اور بہنیں آ رہی تھیں۔ رمشہ کا رشتہ یوں تو راشد سے طے پا چکا تھا لیکن اب وہ لوگ شادی کی تاریخ رکھنے آنا چاہ رہے تھے۔

وہ کچن میں داخل ہوا تو سامنے چولہے کے نزدیک کسی کو کام میں مصروف پایا۔ سردی کی وجہ سے چونکہ مکمل شال اوڑھ رکھی تھی اس لیے سمجھنا مشکل تھا کہ کون ہے۔ فیروزہ، رمشہ، ایلیایا۔ وہ ہلکا سا کھنکارا جس پر وسیلہ نے بے اختیار پلٹ کر دیکھا۔

جامنی شال میں اس کا سفید گلابی چہرا کچھ سرخ سرخ سا محسوس ہوا۔ منصب پر نظر پڑتے ہی اس نے اپنا رخ دوبارہ پھیر لیا۔ منصب کے قدم پہلے تو بے ساختہ وہیں رکے کیونکہ اتنا تو گزرے کچھ عرصے کے دوران دیکھ ہی چکا تھا کہ باوجود ایک ہی گھر میں رہنے کے وہ اس سے مکمل گریز کرتی تھی۔ حتیٰ کہ سب گھر والے ایک جگہ موجود ہوتے وہ تب بھی

منصب کی وجہ سے اپنے کمرے میں چلی جاتی تھی۔
منصب کے دل میں بہت دنوں سے جتنا کچھ چل رہا تھا، اسے وہ اپنی خاموشی، عدم موجودگی اور سرد رویے سے مات دیتی آئی تھی۔ منصب چاہ کر بھی اپنے اندر کچھ کہنے کی ہمت نہیں کر پایا تھا۔ اس وقت بھی یہی سوچا کہ وسیلہ اسے دیکھ کر ضرور یہاں سے نکل جانا چاہتی ہوگی، لیکن اس کی عین دروازے میں موجودگی کی وجہ سے مشکل میں پھنس چکی ہے۔

منصب ایسے مواقع پر بڑا مصالحتی اور احساس کرنے والا بندہ تھا۔ کبھی قدم وہیں روک کر پہلے پہل واپس چلے جانے کا ہی ارادہ کیا لیکن پھر اگلے ہی لمحے ایک سوچ اس کے لبوں پر میٹھی مسکان بن کر ٹھہر گئی۔ مروت کی مار تم بہت کھا چکے منصب رضا، کبھی کبھار ڈھیٹ بن کر اپنا بھلا بھی سوچ لینا چاہیے۔ کیا پتا اسی ڈھٹائی میں اگلے کا بھی کچھ فائدہ چھپا ہو۔ کیا پتا یہ گریز محض ایک ظاہری پردہ، ایک انا کی دیوار کے سوا کچھ نہ ہو۔ کیا پتہ کوئی ہماری پہل کا منتظر ہو۔ کیا معلوم اگلے کو ہماری کم ہمتی سے سارے گلے ہوں۔ وہ کچھ کچھ اچھے گمان کرتا خود اپنی جرات کو بڑھاوا دیتے مزید آگے آیا۔ وہ ہنوز پیٹھ کیے کھڑی تھی۔ منصب نے دیکھ لیا تھا کہ وہ چائے بنا رہی ہے۔ چائے کی پتی شاید ابھی ہی ڈالی تھی کیونکہ کھولتے ہوئے دودھ پر ابھی چائے کا گہرا رنگ غالب نہیں آیا تھا۔ وہ اس وقت وسیلہ کی عین پشت پر کھڑا تھا اور وسیلہ کو بھی اس بات کا احساس ہو چکا تھا۔ دل کی دھڑکن تیز تر اور گھبراہٹ اس سے بھی سوا ہو چکی تھی۔ منصب یہاں تک کیوں آیا، اسے وہیں سے پلٹ جانا چاہیے تھا۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے بلاوجہ کپ سیدھے کیے۔

"دوسرا کپ دادی کے لیے؟" منصب نے ٹرے میں دو کپ دیکھ کر سوالیہ اسے دیکھا اب وہ پیچھے سے ہٹ کر اس کے برابر میں آ کھڑا ہوا تھا۔ وسیلہ نے سر نفی میں ہلایا۔

"وہ سو رہی ہیں۔"

"تو...... امی؟" اس نے پھر پوچھا۔ وسیلہ نے پھر سر کو نفی میں ہلایا۔ وہ بتا نہیں پائی کہ دو کپ تو اس نے بلاوجہ گھبراہٹ میں سیدھے کیے تھے۔ ذہن میں کچھ بھی نہیں تھا۔ اور جھوٹ بھی نہیں بول پائی کیونکہ امی اور دادی کے کمرے میں تو وہ گئی ہی نہ تھی۔

"رمشہ؟" وہ بھی جیسے ٹھان چکا تھا کہ چپ نہیں رہے گا۔ وسیلہ اس کے سوالوں سے زچ ہو چکی تھی۔ اس بار کوئی جواب نہیں دیا اور ٹھک سے چولہا بند کر دیا۔ انداز ہی بتانے کے لیے کافی تھا کہ وہ اس کی موجودگی سے تنگ ہے۔ منصب نے ہنسی بڑی مشکل سے ضبط کی۔ وسیلہ کا غصہ بالکل برا نہیں لگ رہا تھا۔ بلکہ وہ چاہتا تھا آج وہ اپنا سارا غصہ ایک ساتھ نکال ہی پھینکے۔

"مجھے ایک کپ مل سکتا ہے؟" اس نے پھر بڑے سکون سے سوال کیا، ایک طرح سے وسیلہ کی بیزاری کو مکمل نظر انداز کیا۔

"لے لیں۔" وسیلہ نے چہرہ سخت ہی رکھا۔

"میں تو بہت اسٹرونگ چائے پیتا ہوں، اسکی دودھ پتی تو بالکل بھی نہیں۔" اس نے منہ بنا کر اس پھیکی سی چائے کو ریجیکٹ کیا۔ وسیلہ کو کچھ اور غصہ آ گیا۔ حد ہے بدتمیزی کی۔ وہ تو وہاں رکنا بھی نہیں چاہتی تھی اور یہ ہیں کہ نخرے کیے جا رہے ہیں۔ اس نے چھلنی رکھ کر اپنے لیے چائے انڈیلی اور کپ اٹھا لیا۔

"خود بنا لیں۔" وہ اپنا کپ لے کر ہٹ گئی اور ایک اوپر والی کیبنٹ سے پلاسٹک کا ایک ڈبا نکالا۔ منصب نے غور سے دیکھا، وہ تو ٹیبلٹس وغیرہ کا باکس تھا۔ وسیلہ اسے کھول کر کچھ تلاش کر رہی تھی۔ منصب کام چھوڑ کر بغور دیکھنے لگا۔ وسیلہ نے گولیوں کا ایک پتا ہاتھ میں لیا۔ چھوٹی میز پہ رکھے جار میں سے دو تین بسکٹ نکال کر پلیٹ میں رکھے اور قدم دروازے کی طرف بڑھائے لیکن منصب اس سے پہلے ہی اس کے سامنے آ گیا۔

"کیا ہوا ہے۔" کس چیز کی گولی ہے؟ اس

نے دروازے پہ ہاتھ رکھ کر اس کا راستہ روک لیا تھا۔

"کچھ نہیں ہوا۔ یونہی۔" وہ اسے دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔ منصب نے بھی بنا کچھ اور پوچھے انگلیاں اس کے ماتھے پہ رکھ دیں۔ اوہ......تو اس کا چہرا یونہی سرخ نہیں لگ رہا تھا۔

"تمہیں تو بہت تیز بخار ہے۔" وہ پریشانی میں طرز تخاطب بھی درست نہیں کر پایا جبکہ وسیلہ کو "تمہیں" کہے ایک مدت گزر چکی تھی۔

"مجھے اپنے کمرے میں آرام کرنا ہے، راستہ دیں۔" وہ نکلنے کی کوشش میں تھی لیکن منصب نے اس کی کلائی پکڑ کر چائے کی ٹرے اپنے دوسرے ہاتھ میں لی اور اسے لا کر کرسی پہ بٹھایا، دواؤں کا باکس ابھی تک وہیں رکھا تھا۔ منصب نے اس میں سے ڈیجیٹل تھرمامیٹر نکالا اور وسیلہ کی طرف بڑھایا۔

"رکھو۔" اس نے سخت لہجے میں کہا اور وسیلہ نے تھرمامیٹر منہ میں رکھ لیا۔

"ایک سو تین......" منصب نے بیپ بجنے پر تھرمامیٹر کو جانچا اور حیرت سے وسیلہ کو دیکھا۔ "پاگل لڑکی۔ ایک سو تین بخار میں تم یہاں کھڑی خود چائے بنا رہی ہو۔ رمشہ کو نہیں جگا سکتیں۔ اور ہوا کیسے یہ بخار نہیں پتا۔" اس نے کہنی میز پہ ٹکا رکھی تھی۔ سر کو تھک کر ہتھیلی پہ گرایا۔ طبیعت کو اب تک کے وقت میں بڑی مشکل سے سنبھال کر کھڑی تھی۔ لیکن اب منصب کو خبر ہو گئی تو اس کے لیے بھی جبر مشکل ہو گیا تھا۔ چہرے سے آگ نکل رہی تھی۔ سر خالی خالی اور بھوک کی وجہ سے اب نقاہت بھی خوب ہونے لگی تھی۔ منصب نے ساتھ والی کرسی کھینچ کر اسے — جار میں سے کیک نکال کر دیا۔ وسیلہ نے پیچھے ہونے کی کوشش کی لیکن منصب نے زبردستی آگے بڑھ کر نا صرف کیک کھلا دیا بلکہ چائے کا کپ بھی پورا خالی کروایا۔

"رات کے بعد کچھ نہیں کھایا ہوگا۔ تمہیں تو گرم دودھ پینا چاہیے تھا۔ بخار میں کمزوری نہیں ہونی چاہیے۔ اچھا یہ گولی فوراً کھاؤ۔ پھر دودھ بھی گرم کرتا ہوں۔" وہ بنا اس کی سنے اسے گولی کھلا کر دودھ گرم کرنے چلا گیا۔ وسیلہ نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن وجود پر بے انتہا سستی چھا چکی تھی۔ وہ اٹھ کر کھڑی تو ہو گئی لیکن دروازے تک پہنچنے کے لیے قدموں میں تیزی نہیں لا سکی۔ مقصد صرف منصب سے دور ہونا تھا تب ہی وہاں سے نکلنے کے لیے زور لگایا لیکن منصب کی چستی کا مقابلہ نہیں کر پائی۔ وہ دوبارہ اس کے سر پر کھڑا تھا۔

"مجھ سے دور بھاگنے کی خواہش بھی جی بھر کے پوری کر لینا۔ تم نہ چاہو تو ظاہر ہے کہ زندگی بھر تمہارے سر پہ مسلط نہیں ہو سکتا۔ ان چاہے رشتوں کے ساتھ رہنا بھی کیا نہیں چاہیے۔ میں جانتا ہوں وسیلہ میری موجودگی تمہیں اپنے گھر میں کھل کر سانس لینے نہیں دیتی۔ اور یہ بات سب سے زیادہ میرے لیے تکلیف کا باعث ہے۔ لیکن تم پریشان مت ہو، مجھے اپنا واپس کوارٹر ملنے والا ہے۔ میرے لیے وہاں جا کر رہنا کوئی مسئلہ نہیں۔ بس ایک ڈیڑھ ماہ اور۔ اور ابھی تم کمرے میں جا کر آرام کرو۔ ذہن کو سوچوں کی نذر کرنے سے بندہ بیمار پڑتا ہے۔ تم اس وقت آزاد ہو، اپنوں میں ہو۔ اس خوشی کو محسوس کرو اور بے کار کی سوچوں کو حاوی مت ہونے دو۔" وہ اس کے مقابل کھڑا بولے جا رہا تھا۔ وسیلہ نے چپ کر کے اسے سنا، پلکیں نم ہوئیں، وجہ اسے بھی معلوم نہ تھی۔ نظریں نیچے فرش پر تھیں۔ جہاں دو فٹ کی دوری پر منصب کے قدم تھے اور پھر وہ قدم دور ہونے لگے۔

"جاؤ، شاباش اپنے کمرے میں آرام کرو۔"

وہ کہہ کر رکا نہیں اور جیپ میں بیٹھ کر سب سے پہلے رمشہ کو کال کی، اسے وسیلہ کی طبیعت کا بتایا اور آفس روانہ ہو گیا۔

☆☆☆

"ہ......ہا......ہیلو۔" اٹک اٹک کر بولتی وہ کوئی عورت تھی، جو کافی گھبرائی ہوئی سی تھی۔ منصب نے موبائل کی آواز مکمل بڑھائی۔ وہ اس وقت آفس میں اکیلا بیٹھا تھا۔

"جی۔ کون؟"

"تم...... منصب ہو؟" اسی گھبرائے انداز میں پوچھا گیا۔

"جی منصب بات کر رہا ہوں۔ آپ کون؟"

"میں ہوں...... گلناز......" نہایت دھیمے سے انداز میں کہا گیا اور منصب کو ٹھہر کر کچھ دیر سوچنا پڑ گیا۔ فوری طور پر وہ گلناز تو ذہن میں آئی ہی تھیں جو وِچ اور پگلی کے نام سے مشہور تھی۔

"آپ؟" منصب کا انداز سوالیہ اور جان لینے جیسا تھا۔

"تمہاری تائی کی بہن، ارحم کی خالہ......" اس بار گلناز نے نسبتاً کچھ اعتماد سے وضاحت کی اور منصب پہلے سے زیادہ حیران ہو گیا۔ گلناز بھی اتنے رواں اور نارمل انداز میں بات کر سکتی ہے شاید ناممکنات میں سے تھا۔ لیکن یہی سچ تھا، وہ گلناز ہی تھی جو اس سے مخاطب تھی۔

"جی جی السلام علیکم۔ کیسی ہیں خالہ۔" منصب نے زندگی میں پہلی بار اسے ایک رشتے سے پکارا۔

"میں ٹھیک ہوں منصب۔ تمہارا نمبر آپا کے موبائل میں تھا وہ آرام کر رہی ہیں۔ میں ان کے موبائل سے بات کر رہی ہوں۔ مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔"

"جی جی میں سن رہا ہوں۔"

"منصب، وہ کیسی ہے۔ تانیہ۔" گلناز کو بہت دنوں سے جس ایک ہستی کی برابر یاد ستا رہی تھی وہ ضروری بات کہتے کہتے اچانک ہی اپنے دل کی بات کہہ گئی۔

"جی تانیہ بالکل ٹھیک ہے۔ آپ کو بہت یاد کرتی ہے۔" منصب کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ تانیہ کے لیے گلناز کا یہ ایک جملہ پوری فیس موصول ہونے جیسا تھا۔

"اسے میرا اسلام دینا۔ میں بھی اسے بہت یاد کرتی ہوں۔"

"جی ضرور۔"

"منصب۔ مجھے کہنا تھا کہ ارحم کی نیت اچھی نہیں ہے۔ وہ تمہاری جان لینا چاہتا ہے۔ اپنا بہت خیال رکھو۔"

"اوہ۔۔۔ منصب چونکا" کیا کرنا چاہتا ہے وہ؟"

"کوئی آدمی ہے بادشاہ خان۔ اس کو روپے دے کر تمہیں مروانا چاہتا ہے۔"

"بادشاہ خان۔ وہ تو کرائے کا قاتل ہے اور پولیس کو مطلوب ہے۔ تو وہ آج کل تھانہ میں ہے۔"

"ہاں اور ارحم کو پتا ہے کہاں رہتا ہے۔"

"ہوں۔۔۔ میں کچھ کرتا ہوں اس بارے میں۔ آپ کا بہت شکریہ خالہ۔"

"سنو منصب۔" گلناز کا لہجہ ایک بار پھر کچھ جھجک بھرا ہو گیا۔

"جی خالہ۔ حکم کریں۔"

"وہ...... آپا...... وہ بہت روتی ہیں۔ بہت تکلیف میں ہیں۔ ارحم ان کی کچھ سنتا نہیں ہے۔ وہ سارا دن روتی چلاتی رہتی ہیں۔ مجھے ڈر ہے وہ بھی میری طرح پاگل نہ ہو جائیں۔ وہ ارحم کی منتیں کرتی کہ منصب کو کچھ مت کہو۔ سب کو معاف کر دو لیکن ارحم کچھ نہیں سنتا۔ تانیہ میری بہن کو بھی ٹھیک کر دے منصب۔" گلناز کا لہجہ بھیگ سا گیا۔

"آپ پریشان نہ ہوں خالہ...... اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ تائی جان کو کچھ نہیں ہو گا۔ آپ بے فکر ہو جائیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اور آپ کا بہت شکریہ آپ نے مجھے بروقت مطلع کیا۔"

"اپنا خیال رکھنا۔" گلناز نے کسی قدر سکون محسوس کرتے فون بند کر دیا۔ منصب البتہ بہت دیر تک اسی معاملے پر سوچتا رہا۔ گلناز کی کال کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اس کال میں بہت کچھ ایسا تھا جس پر فوری ایکشن لینے کی ضرورت تھی۔ حالانکہ اس میں جان کا خطرہ بھی تھا۔ لیکن جان کا خطرہ بھلا ایک جیتے جاگتے انسان کو کب نہیں ہوتا۔ ہمت کا قدم تو اٹھانا ہی پڑتا ہے۔

(آخری قسط آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆

digest novels lovers group

مومن رضوانہ اور ایلیا کے ساتھ تھانہ آتا ہے۔ وسیلہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہوتی ہے۔ اس کی دماغی حالت خراب ہو جاتی ہے وہ کسی کو نہیں پہچانتی۔ منصب کی مدد سے مومن شہناز اور ارحم کے خلاف رپورٹ درج کرواتا ہے۔ ارحم اور شہناز اپنی ملازمہ کے ذریعے ہاسپٹل میں وسیلہ کو مارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عین وقت پر منصب آ جاتا ہے۔

مومن وسیلہ کو میانڈیم [illegible] یہاں اس کا علاج ہوتا ہے لیکن اس کی دماغی حالت بہتر نہیں ہوتی۔ اس کے لیے تانیہ کی مدد لی جاتی ہے۔

دادی منصب کو بتا دیتی ہیں کہ وہ ان کا پوتا ہے۔ شہناز [illegible] نے کا پروگرام بناتی ہے اس لیے وہ منشی کی بیوی سے رضوانہ کا بیٹا تبدیل کر دیتی ہیں۔ تاکہ اس کی جان بچ جائے۔

digest novels lovers group

پندرھویں اور آخری قسط

"یا اللہ۔ یہ بچے تو مجھے تیار ہی نہیں ہونے دیں گے۔ ان لوگوں کو شیخوپورہ سے نکلے بھی کتنی دیر ہو گئی۔ اب تو بس پہنچنے ہی والے ہوں گے۔"

ایلیا پورے کمرے میں بوکھلائی سی گھوم رہی تھی۔ ساتھ ساتھ بڑبڑا بھی رہی تھی۔ راشد کے گھر والے کچھ ہی دیر میں یہاں پہنچنے والے تھے۔ وسیلہ اپنے کمرے میں رمشہ کو تیار کر رہی تھی۔ اس لیے بچوں کو اس کے پاس چھوڑ دیا گیا اور وہ دونوں تو باقاعدہ فائٹ کرنا سیکھ چکے تھے۔

"کیا ہو گیا ہے۔ کیوں بنا میوزک کے ناچ رہی ہو۔" مومن نے مسکرا کر اس کی حالت دیکھی جس پر اس کا اور بھی منہ بن گیا۔

"راشد بھائی کی امی اور بہنوں نے مجھے ماسی سمجھ لینا ہے جی۔"

"ارے واہ۔ میری شہزادی کو کس کی جرات ہے کہ ماسی سمجھے۔" وہ قریب تو آ گیا لیکن آرام کرنے کے انداز میں صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ ایلیا نے دونوں ہاتھ کمر پہ رکھ کر خاموش شکوہ بھری نظر ڈالی۔ کہ مطلب وہ بھی زبانی کلامی ہمدردی کرنے بیٹھ گیا تھا۔ جبکہ اسے کسی کی مدد چاہیے تھی۔ مومن سمجھ تو گیا لیکن مسکراتا رہا۔

"اب آ ہی گئے ہیں تو پلیز میری مدد کروا دیں۔" بالآخر اس نے کہہ ہی دیا۔

"جی جی ضرور کریں گے۔ لیکن یہ شیطانی ٹولہ میرے حوالے مت کرنا۔" اس نے صاف جتا دیا۔

"ہائیں۔" ایلیا کی آنکھیں پھیلیں "تو؟"

"تو۔ یہ کہ۔" اس نے سر کھجاتے کچھ سوچا، پھر عابی کو اٹھا کر کمرے سے نکل گیا۔ ایلیا دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی جب وہ ہی منٹ میں وہ واپس آ گیا۔ عابی اس کے ساتھ اب نہیں تھا۔

"عابی کو امی کو دے آیا ہوں۔" اس نے بتا کر چند کھلونے یہاں وہاں سے جمع کر کے ربا کو بیڈ پر بٹھایا اور اس کے بعد ایلیا کے قریب آ کر اسے شانوں سے تھام کر مسکراتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بٹھا دیا۔

"ہاں تو اب کریں گے ہم آپ کی ہیلپ۔" وہ ڈریسنگ ٹیبل کے کونے پر بیٹھ کر اسے بغور دیکھنے لگا۔

"کیا پہن رہی ہے میری ملکہ۔" اس نے ایلیا کی تھوڑی انگلی سے اونچی کی۔ اور ایلیا کی ساری جھنجھلاہٹ ساری بے زاری پل میں ہوا ہو گئی۔ مسکرا کر صوفے پہ رکھے ڈریس کی طرف اشارہ کیا۔

"واؤ۔ میرا فیورٹ ریڈ سوٹ۔" مومن نے نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو سرخ سوٹ دکھائی دیا۔ "جاؤ شاباش جلدی سے پہن کر آؤ۔ پھر میں تمہاری زلفیں سنوار کر تمہیں تیار کروں گا۔"

"جی۔ اور اس مرتبہ کی "دکھاوے" کے لیے

نہیں۔" وہ اسٹول سے اٹھ کر اس کے کان کے قریب کہتے ہنس کر دور چلی گئی۔ موحن نے کچھ دیر سوچا پھر قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ ایلیا اسے وہ دن یاد دلا رہی تھی جب دیلے کو دکھانے کے لیے اس نے ایلیا کے بال بنائے تھے۔

"آپ کو یاد نہیں آیا وہ پرانا وقت جب مجھے آپ سے اتنی ڈانٹ پڑی تھی۔"

"آتا ہے میری جان۔ اور جانتی ہو۔ مجھے یہاں ہونا ہے۔" اس نے ہاتھ اپنے دل پہ رکھا۔

"ہائے، اللہ نہ کرے۔ کیوں؟" اس کا تو دل دہل گیا۔ ہاتھ بے ساختہ موحن کے دل پہ رکھا۔

"کیونکہ پھر مجھے یہ افسوس ہوتا ہے کہ میں نے ان حسین آنکھوں کی گہرائی کو تب کیوں محسوس نہ کیا تھا۔ اور یہ چھوٹی سی موٹو جو آج میری زندگی ہے، مجھ سے اتنی دور کیوں تھی۔"

"اچھا بس بھی کریں۔" وہ بری طرح خجل ہو گئی۔ "قدرت کا مقرر کردہ وقت ہی سب سے حسین ہوتا ہے۔ سارے کب، کیوں، کیسے خود بخود سمجھ میں آنے لگتے ہیں۔ اور مجھے جو وقت آج حاصل ہے، وہی سب سے خوبصورت لگتا ہے، اور اس نے ابھی ہی آنا تھا۔ بس دعا ہے کہ اس کا یہ حسن کبھی ختم نہ ہو۔ ہماری محبت، ہماری خوشیوں کو کسی کی نظر نہ لگے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے سنجیدہ سی ہو گئی۔ موحن نے کچھ دیر اسے بغور دیکھا پھر نرمی سے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"محبت ہمیں کس طرح وہمی بنا دیتی ہے، ابھی تمہیں سن کر محسوس ہوا اور یہ کسی بھی رشتے میں خلوص کی انتہا ہوتی ہے ایلیا! جب بندے کا دل موم سے بھی نرم ہو جاتا ہے اور وہ اپنی خوشیوں پر بھی کھل کر خوش نہیں ہو پاتا، کہ کھو دینے کا ڈر اس کی خوشیوں پر بھی غالب آنے لگتا ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے، ہمارے دکھ کے دن بیت چکے۔ یہ ہمارے صبر کا انعام ہے جو ہمیں ایک دوسرے کے حصول سے میسر آیا ہے۔ اس کی عمر بہت طویل ہو گی ان شاء اللہ۔"

"ان شاء اللہ" وہ اس کے سینے پہ سر رکھے مسکرا دی۔

☆☆☆

"کہاں غائب ہو لڑکی! کتنے دن ہو گئے یہاں کا چکر ہی نہیں لگایا۔" اتوار کی صبح جبکہ باہر ہلکی دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ منصب ناشتے کے بعد بیرونی لان کی کرسیوں پر آ بیٹھا۔ تانیہ واقعی بہت دن ہوئے یہاں دکھائی نہ دی تھی۔ وہ بھی ہفتہ بھر ڈیوٹی میں مصروف رہا تھا۔ آج سوچا اس کی خیریت معلوم کر لے۔

"میں بھی آج ہی سوچ رہی تھی آنے کا۔ دیکھ رہے ہو نا، کتنی سردی ہو گئی ہے۔ ابو کی طبیعت بھی ٹھنڈ کی وجہ سے کچھ خراب ہو گئی تھی۔"

"اوہو۔ اب کیسے ہیں۔"

"ہاں شکر ہے، اب تو ٹھیک ہیں۔ یہاں سردی بھی تو ینگورہ کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ میں سوچ رہی تھی ہمیں گھر واپس چلے جانا چاہیے۔"

"اچھا!" منصب کو سن کر حیرت ہوئی "بھروسا آ گیا عیسیٰ پر؟" اس کا لہجہ ہلکا پھلکا اور انداز مزاحیہ تھا تانیہ ہنس پڑی۔

"ہاں، کچھ ایسا ہی سمجھ لو۔ اس سے بات کر کے تسلی تو ہوئی تھی۔"

"تو پھر مہینوں سے بے چارے کو انتظار کی سولی پر کیوں لٹکا رکھا ہے۔ جواب بھی دے ہی دو۔"

"جواب۔ مطلب ہاں میں؟" تانیہ نے الٹا اسی سے پوچھ لیا۔

"ہاں بھئی۔ اور کیا، جب تسلی ہے تو پھر انکار کے کیا معنی؟"

"اس بارے میں تو زیادہ نہیں سوچا، لیکن اپنے گھر تو جا ہی سکتے ہیں۔"

کیا "انکل آنٹی کی طرف سے کچھ ایشو ہے؟" اب کے منصب بھی سنجیدہ ہوا۔ عیسیٰ سے پارک والی ملاقات کو اب کافی وقت ہو گیا تھا۔ تانیہ کی خاموشی اس کی سمجھ سے باہر تھی۔

"امی ابو کی طرف سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ انہوں نے مجھے اختیار دیا ہے۔ لیکن میں خود بہت کنفیوژ ہوں۔ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔" تانیہ نے ایک گہری آہ بھری۔ لہجہ تھکا تھکا سا تھا۔

"اچھا تم یہیں آجاؤ۔ آرام سے بات کرلیتے ہیں۔" منصب کو لگا آمنے سامنے بات کرلینا زیادہ ٹھیک رہے گا۔ نجانے تانیہ کے کیا خدشات تھے۔

"ہوں۔ میں آتی ہوں کچھ دیر میں۔" تانیہ نے بھی اپنے ذہن کو بات کے لیے آمادہ کیا۔ منصب نے کال آف کرکے سر کرسی کی پشت سے ٹکایا۔ اسے بھی تانیہ سے کچھ ڈسکس کرنا تھا۔

☆☆☆

گیارہ بجے کے قریب دھوپ میں ہلکی سی تپش محسوس ہونے لگی تو ہاجرہ بیگم اور رضوانہ باہر برآمدے میں آبیٹھیں۔ اس سے قبل دھوپ بھی اتنی ٹھنڈی تھی کہ باہر نکلنے کو جی ہی نہیں چاہ رہا تھا۔

"اماں جی! مجھے لگتا ہے ہمیں وسیلہ سے ایک بار پھر کھل کر بات کرنی ہوگی۔ اب تو اس کی طلاق کو کتنا وقت ہوگیا۔"

"ہوں، بات تو ٹھیک ہے۔ لیکن وہ جو کچھ سننا ہی نہیں چاہتی اس کا کیا کریں؟" وہ سوچ میں پڑ گئیں۔ منصب نے کچھ عرصہ پہلے انہی سے اس بارے میں بات کی تھی کہ وہ نہ صرف وسیلہ سے از حد شرمندہ ہے بلکہ اب بھی اس کا طلب گار ہے، اور اگر وسیلہ اسے معاف کرنے کا ظرف رکھتی ہے تو وہ اپنی کوتاہیوں کا ازالہ کرنا چاہتا ہے۔ ہاجرہ بیگم نے یہ بات تب ہی وسیلہ سے کہہ دی تھی لیکن اس کی طرف سے کوئی رسپانس دیکھنے میں نہیں آیا۔ بعد میں رمشہ، ایلیا حتی کہ مومن بھی اسے بہت بار سمجھا چکا تھا کہ اسے پرانی باتوں کو بھول کر اپنے فیوچر کے متعلق سوچنا ہوگا۔ اور منصب سے بہتر اس کے لیے کوئی نہیں ہوسکتا۔ لیکن وہ بالکل خاموش تھی۔

"شاید اسے کچھ وقت دینا چاہیے۔" ہاجرہ بیگم نے متانت سے اپنا خیال ظاہر کیا تو رضوانہ نے کچھ کہہ دیکھا۔

"ہاں، امی آپ کو ایسا کیوں لگتا ہے... میرا مطلب ہے میں تو جلد ہی فیصلہ کرنے کو اس کے حق میں بہتر سمجھ رہی ہوں تاکہ وہ پرانی باتوں سے چھٹکارا پالے۔"

"وہ بھی ٹھیک رضوانہ۔ لیکن وسیلہ جیسی سنجیدہ اور حساس بچی کے ساتھ شاید ایسا رویہ مناسب نہیں۔"

"شاید آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ آج کل کے بچے الگ ہی ڈھنگ سے سوچتے ہیں۔" رضوانہ نے ایک آہ بھری۔

☆☆☆

"جی تو کیا چل رہا ہے انسپکٹر صاحب کے دماغ میں؟" وہ قریب دو گھنٹے بعد اس کے روبرو تھی۔ رمشہ دونوں کے سامنے کافی رکھ گئی تھی۔ دھوپ اس ٹھنڈ میں بہت بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ پنک اور سفید سوٹ میں بال کیچر میں جکڑے وہ گلابی شال اوڑھے ہوئے تھی۔ دادی اور رضوانہ آنٹی سے وہ برآمدے میں مل آئی تھی۔ وسیلہ بھی اس وقت وہیں بیٹھی ہوئی تھی۔ تانیہ کے اہتمام کو اس نے بہت توجہ سے دیکھا تھا۔ پھر اس کی عجلت۔ وہ کچھ ہی دیر میں یہ کہہ کر باہر چلی گئی تھی کہ اسے منصب سے کچھ ضروری کام ہے۔ وسیلہ بھی اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی۔ رمشہ نے اس کی سنجیدگی کو محسوس کرلیا تھا تب ہی ان دونوں کو کافی دے کر وہ وسیلہ کے پاس آگئی۔

"تم کیوں اندر آگئیں۔ اتنی اچھی دھوپ نکلی ہے۔ واک کرتے ہیں۔"

"نہیں۔ مجھے کسی کی پرائیویسی میں مخل ہونے کا کوئی شوق نہیں ہے۔"

"ہیں۔" رمشہ نے تعجب سے گھور کر وسیلہ کو دیکھا "تانیہ اور منصب کی پرائیویسی؟"

"میرا مطلب ہے وہ کہہ گئی ہے کہ اسے کچھ ضروری کام ہے۔" وسیلہ کے منہ سے منصب کا نام تک نہیں نکل پایا۔ گھر والے بھی اس گریز کو اب اچھی

طرح بچ جان چکے تھے۔ لیکن رمشہ پچھلے کچھ دنوں سے مسلسل اسی بارے میں کچھ سوچ رہی تھی۔ جب سے اس کا رشتہ طے ہوا تھا گھر میں اس کی جلدی شادی کی باتیں ہو رہی تھیں۔ اور وہ تب سے اسی سوچ میں تھی کہ منصب کے معاملے پر وسیلہ سے ایک بار کھل کر ضرور بات کرے گی۔

"ہاں، خیر ان کا تو چلتا رہتا ہے، میرا خیال ہے وہ لوگ واپس وینکوور شفٹ ہونا چاہ رہے ہیں۔ اسی سلسلے میں کچھ کام ہوگا۔ اچھا وہ چھوڑو، تم اپنے پلانز بتاؤ۔ کیا سوچ رہی ہو آج کل؟"

"میں!" وہ مسکرا دی "پریکٹس کر کے ان شاء اللہ باقاعدہ وکالت شروع کروں گی۔"

"یہ تو بہت اچھا سوچا۔ وقت کا مصروف گزرنا خود اپنی صحت کے لیے بہت اچھا ہوتا ہے۔ لیکن۔ وسیلہ!" رمشہ آخر میں کچھ اٹک گئی۔ وسیلہ نے چونک کر سر اٹھایا۔

"میرا مطلب ہے، اگر تم گھر بسانے کے متعلق بھی سوچو تو دادی اور آنٹی کو بہت خوشی ملے گی۔ وہ بہت پریشان رہتی ہیں، بلکہ اس حوالے سے تو سب ہی پریشان ہیں۔"

"میں نے کبھی انکار نہیں کیا رمشہ۔ لیکن فی الحال صرف وکالت۔ اور ہاں اگر کچھ سالوں تک کوئی اچھا بندہ ایسا مل گیا جس کے ساتھ زندگی گزارنے کے بارے میں سوچا جا سکے تو میں بھی ذہن بنانے کی کوشش کر لوں گی۔"

"تو۔ تم منصب بھائی کو بالکل معاف نہیں کر رہیں۔" رمشہ کا لہجہ مایوس سا ہو گیا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا، یہاں معافی کا مطلب منصب سے رشتہ جوڑنا کیوں سمجھا جا رہا ہے۔ میں کہہ چکی ہوں، بات معافی کی نہیں ہے۔ مجھے تمہارے بھائی سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ ہاں لیکن شادی وغیرہ کا فیصلہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ اور میں منصب سے شادی نہیں کر سکتی۔"

"لیکن کیوں وسیلہ۔"

"کیونکہ وقت کے ساتھ خیالات ایک سے نہیں رہتے، ان میں بھی بدلاؤ آتا ہے۔ تم سب بلاوجہ اس بات کو پرانے تناظر میں دیکھ رہے ہو، جبکہ یہاں واقعی بہت کچھ بدل چکا ہے۔"

"بتاؤ نا وسیلہ۔ منصب میں کیا بدلاؤ آیا ہے؟"

"عجیب بات ہے۔ تم لوگوں کو دکھائی نہیں دیتا۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ رمشہ نے پلٹ کر اسے حیرت سے دیکھا اور پھر خود بھی اس کے پیچھے آ گئی۔

"کیا دکھائی نہیں دیتا؟"

"تم لوگوں کو اپنے بھائی کے جذبات کا بھی احساس کرنا چاہیے۔ میں نہیں کہتی کہ کچھ غلط ہوا ہے کیونکہ میری شادی ہو چکی تھی اور مجھ پر جو بیت رہی تھی اس کی یہاں کسی کو خبر نہیں تھی۔ ایسے میں اس کا لائف میں آگے قدم بڑھانا اور اپنے خیالات کو کسی اور جانب موڑنا بالکل جائز تھا۔ البتہ ابھی کچھ دن پہلے دادی کے ہاتھ جو پیغام بھجوایا گیا، اس کی وجہ سوائے میرے دکھوں کا مداوا کرنے کی کوشش کے اور کچھ نہیں تھا۔"

"اور کیا ہے منصب کے خیالات میں بدلاؤ کی وجہ؟" رمشہ نے تحمل کا مظاہرہ کیا جبکہ بات کچھ کچھ پلے پڑ گئی تھی۔ جواباً وسیلہ نے کھڑکی کا پردہ ایک سائیڈ پہ کر دیا۔ سامنے لان کی کرسیوں پر تانیہ اور منصب باتوں میں مشغول تھے۔

"تمہارا مطلب ہے، بیچ کے عرصے میں تانیہ نے وہ جگہ پُر کی تھی؟" رمشہ نے اس مرتبہ کھل کر پوچھ لیا۔

"یہی سچ ہے رمشہ۔ اور مجھے لگتا ہے یہ بہت صحیح بھی ہے۔"

"اول تو ایسی کوئی بات ہے ہی نہیں۔ دوسرے وہ عیسیٰ کی منگیتر ہے۔" رمشہ نے اس کا خیال فوراً رد کیا۔

"تو مرغزار کے واقعے کو اتنا عرصہ گزر گیا۔ تانیہ بھی عیسیٰ کو معاف نہیں کر پا رہی۔ اسے بھی تو

عیسیٰ سے جدا ہوتے وقت یہی لگا تھا کہ یہ موڑ اب ہمیشہ کے لیے کلوز ہو چکا۔ اس لیے جب منصب اسے ملا تو دونوں کا میچ پرفیکٹ ہو گیا۔"

"ہاں بظاہر ایسا ہی لگتا ہے دبیلہ۔ تانیہ کے لیے منصب کیسا دوست ہے اور منصب کے خیالات تانیہ کے متعلق کیا ہیں۔ تم اندازہ لگانے کی غلطی مت کرو۔"

"تو ٹھیک ہے، میں وعدہ کرتی ہوں کہ اس معاملے کی تہہ تک میں بہت نیوٹرل ہو کر پہنچوں گی۔"

"ضرور کرو یہ کوشش، لیکن ایسا میں صرف امی، دادی اور باقی سب گھر والوں کی وجہ سے چاہوں گی۔ میرا اس سب میں کوئی ذاتی انٹرسٹ نہیں ہے۔ میں چاہتی ہوں، وہ مجھ پر دباؤ ڈالنا بند کر دیں۔" دبیلہ نے آخر میں واضح بھی کر دیا اس کی دلچسپی کس وجہ سے ہے۔ رمشہ نے متانت سے سر ہلایا۔ اس نے دبیلہ کی نظروں کے تعاقب میں باہر لان کی طرف دیکھا۔ منصب نے اپنی ہتھیلی مسکرا کر تانیہ کے سامنے پھیلائی تھی، جس پر تانیہ نے ہنستے ہوئے ہلکی سی تالی بجائی اور دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ دبیلہ نے ایک چور نظر رمشہ پر ڈالی لیکن وہ جواباً دبیلہ سے نظر بھی نہیں ملا پائی۔

☆☆☆

"میرے الجھے دماغ میں تو بہت کچھ چلتا رہتا ہے۔" منصب کافی کا کپ اٹھاتے ایکدم ست ڈھیلے انداز میں ہنس دیا "پہلے تم کہو، کیا کنفیوژن ہے؟"

"ایک ہی کنفیوژن ہے منصب کہ کیا مجھے عیسیٰ پر دوبارہ بھروسا کرنا چاہیے؟"

"ہاں، رائے تو میری یہی ہے۔ کہ عیسیٰ صحیح بندہ ثابت ہوگا۔ لیکن جہاں تک بھرپور تسلی وغیرہ کی بات ہے تو پہلے اسٹیپ میں تم لوگوں کا مینگورہ شفٹ ہونا بہت ضروری ہے۔ اپنا گھر اپنا کلینک دوبارہ سنبھالو۔ اور اس دوران عیسیٰ اور اس کی فیملی کے رویے جانچو۔ دیکھو کہ وہ تم سب کی واپسی پر کیسا رویہ اپناتے ہیں۔ تم تو رویے جج کرنے میں ماہر ہو۔ اس کی امی اس کی بہنوں وغیرہ سے ملنا پڑے تو پیچھے مت ہٹنا کیونکہ یہی موقع ہوگا جب تم ان سب کو سنو گی۔ کیا پتا ہر بات عیسیٰ کے کہے کی تصدیق کرتی جائے۔"

"ہوں۔" تانیہ اسر ہلاتے جیسے ساتھ ساتھ کسی نتیجے پر پہنچ رہی تھی "تم صحیح کہتے ہو منصب۔ اور ایسا ہی ہونا چاہیے۔ رائٹ۔ میرا دماغ حقیقی معنوں میں بند ہو چکا تھا۔ تھینکس منصب۔ تم نے واقعی ہماری بہت بڑی مشکل حل کی ہے۔"

"تو پھر میری فیس؟" اس نے مسکرا کر ہتھیلی تانیہ کے سامنے کی اور اس نے ہنس کر منصب کے بڑھے ہاتھ پر تالی بجادی۔

"حاضر جناب۔ جو فیس آپ حکم کریں۔"

"تو پھر جواباً اب آپ میری مشکل حل کریں گی۔"

"جی ضرور۔ تو کیا ہے آپ کی مشکل؟"

"گورنمنٹ کی طرف سے مجھے ذاتی گھر ملنے والا ہے۔ یہیں پولیس اسٹیشن کے قریب ہی۔ تو میں چاہتا ہوں رمشہ کی شادی کے بعد میں وہاں شفٹ ہو جاؤں۔"

"ہوں۔" تانیہ نے سر ہلایا "اور مشکل؟"

"امی نہیں جانے دیں گی۔"

"تو کیا یہ تمہاری مرضی پر ہے کہ ذاتی مکان لو یا نہ لو۔"

"ہاں اگر میں یہ فائدہ نہ اٹھانا چاہوں تو کوارٹر کسی اور کو بھی دیا جا سکتا ہے۔ اب ظاہر ہے یہاں میرا ذاتی مکان ہے تو میرے پاس آپشن موجود ہے۔"

"تو پھر مت جاؤ۔ کیا ضرورت ہے ماں سے دور جانے کی۔"

"یہی تو اصل مشکل ہے ڈیئر!" منصب نے ایک گہری آہ بھری۔ "دبیلہ کو میری صورت سے بھی

چڑ ہے۔ آخر کب تک اس کے سر پر مسلط رہوں۔ انسان کے لیے اپنا گھر وہ جگہ ہوتی ہے جہاں آکر وہ مکمل بے فکر اور آزاد ہوتا ہے۔ سکون کا دوسرا نام گھر کی پناہ ہے۔ لیکن میں تو یہاں آکر عجیب الجھن میں پھنس گیا ہوں۔ سارا وقت یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ وسیلہ کہاں ہے، مجھے کہاں بیٹھنا ہے، کہاں نہیں۔ اس سے ٹکراؤ نہ ہو جائے۔ اسی کشمکش میں سارا وقت ہم دونوں کو اپنے اپنے روم میں گزارنا پڑتا ہے۔"

"لیکن اس مسئلے کا ایک حل اور بھی تو ہے نا؟" تانیہ نے معنی خیزی سے دھیان دلایا، چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

"اس کے لیے وہ تیار نہیں۔" منصب نے مایوسی سے سر نفی میں ہلایا۔

"کیا مکمل انکار۔ مطلب کوئی گنجائش نہیں؟" وہ متعجب ہوئی۔

"ہاں لگتا تو ایسا ہی ہے۔"

"پھر تو تمہیں اپنی امی کو کونس کرنا چاہیے کہ وہ تمہیں جانے دیں۔ ان سے وعدہ کرو کہ آتے جاتے رہو گے۔ وہ بھی تم سے ملنے بلکہ کبھی کبھار رہنے آسکتی ہیں۔ یہاں وسیلہ کے پاس تو دادی ہیں۔"

"تو پھر کوارٹر کی درخواست دے دوں؟"

"ایک بار وسیلہ سے بات کرلیں؟ اگر تم کہو۔" تانیہ نے اجازت چاہی۔

"مجھے نہیں لگتا۔ شاید وہ مجھے معاف نہیں کر پا رہی، اور جسٹی فائڈ بھی ہے۔" منصب نے کندھے اچکائے۔ "میری کم ہمتی نے اس کی زندگی کیا سے کیا کردی تھی۔ ایسے انسان سے آگے وہ کیا اچھی امید رکھے۔"

"لیکن تم لوگ اب ایک ہی فیملی ہو۔ خدشات ہونے تو نہیں چاہئیں۔"

"اور اگر پھر بھی ہیں تانیہ۔ تب دباؤ دینا بالکل جائز نہیں۔"

"ہاں خیر!" اس نے ہاتھ جھٹکے۔ "قائل کرنے اور مجبور کرنے کا فرق میں بھی سمجھتی ہوں۔ وسیلہ خود بہت مجبور اور سمجھ دار ہے۔ اس کے انکار کی ضرور کوئی وجہ ہوگی۔ او کے پھر مجھے اجازت۔ میں آج امی ابو سے مینگورہ جانے کی بات کرتی ہوں۔"

"ہاں۔ پھر دوست سے ملنے سفر کر کے آنا پڑے گا۔" وہ مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ "بلکہ کچھ زیادہ طویل سفر۔" منصب نے ابرو اٹھا کر دور کا اشارہ کیا۔ جس پر تانیہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ منصب کا اشارہ یقیناً مرغزار کی جانب تھا۔

"دیکھتے ہیں۔" وہ شرما دی، اور منصب نے اس کے شرمانے کو اس کی رضامندی کی نظر سے دیکھا۔ عیسیٰ کا صبر ضرور رنگ لانے والا تھا۔

☆☆☆

راشد کے گھر والے کچھ دن ہوئے ہو کر جا چکے تھے۔ شادی کے لیے دو ماہ بعد کی تاریخ رکھی گئی تھی۔ گھر میں ان دنوں سب کی توجہ کا مرکز رمشہ کی شادی تھی۔ لیکن رمشہ خود کسی اور ہی چکر میں الجھی تھی۔ اس نے منصب کو وہ ساری باتیں بتا دیں جو اس روز وسیلہ نے کی تھیں۔

"واؤ انٹرسٹنگ!" وہ بہن کی بات سن کر بے اختیار کچھ ایسے ہنسا کہ رمشہ نے اُسے گھور کر دیکھا۔

"اس میں انٹرسٹنگ کیا ہے بھلا؟"

"مجھے پہلے دل کھول کر ہنس تو لینے دو۔"

"تم پاگل ہو گئے ہو منصب۔" رمشہ اب جھنجلا رہی تھی۔

"ہوں، او کے۔ سنجیدہ بات کرتے ہیں۔" اس نے ہنسی روکی "اور کیا کیا باتیں ہوئیں؟"

"بس پھر آخر میں اس نے یہ کہا کہ میرا اس سب میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے، یہ تو میں امی اور دادی کی وجہ سے چاہ رہی ہوں کہ حقیقت کا پتا چلے تاکہ وہ اس پر دباؤ ڈالنا بند کردیں۔"

"ہوں۔" منصب نے بھی اس بار سنجیدگی سے سنا۔ "حقیقت تو واقعی پتا چلنی چاہیے۔"

"مجھے بھی بتاؤ، کیا ہے حقیقت؟"

"تم تو خیر بہت بڑی اُلو ہو۔ تمہیں میں بتا بھی چکا ہوں لیکن تم وسیلہ کا دماغ صاف نہیں کر پائیں۔ چلو، خیر اسی میں بہتری تھی۔" وہ آخر میں پھر مسکرانے لگا۔

"اُلو نہیں ہوں۔" رمشہ بھی ہنس دی "میں نے بھی اسی لیے نہیں بتائی وہ تانیہ کو بہن سمجھنے والی بات۔ کیونکہ میں چاہتی تھی اب یہ معاملہ ذرا خوب صورت طریقے سے کھلے۔"

"واہ!" منصب نے بے اختیار اسے تعریفی نظر سے دیکھا" پھر تو مجھے اپنے الفاظ واپس لینے چاہئیں۔"

"جی ہاں۔ اور یہ بتاؤ کہ تم کیا سوچ رہے ہو"

"میں تو ملنے کے لیے کوئی خوبصورت مقام سوچ رہا ہوں، لیکن ایک تو ہر طرف برف پھیلی ہے۔ اس ٹھنڈ میں نکلیں بھی تو کہاں۔" وہ اب سر کھجا رہا تھا۔

"وہ ایسا کرتے ہیں شاپنگ کے بہانے ایک آدھ چکر مینگورہ کا لگا آتے ہیں وہاں جانے سے وسیلہ بھی انکار نہیں کرے گی۔ تم بہت خوش لگ رہے ہو یہ سب سن کر۔ کیا وجہ ہے؟"

"وجہ تو بہت واضح ہے نا۔ اب تک میں یہ سمجھ رہا تھا کہ اس نے مجھے معاف نہیں کیا اس لیے میرا ساتھ نامنظور ہے۔ لیکن یہاں تو معاملہ غلط فہمی کا نکلا۔ وہ صرف اس لیے سب کو انکار کر رہی ہے کہ اسے لگتا ہے اب میری دلچسپی کا محور تانیہ ہے، اور وہ ہمارے آڑے نہیں آنا چاہتی۔ اور ظاہر ہے کہ اب مجھے اس کی غلط فہمی دور کرنی ہے تیاری کر لی ہیں۔"

"اوکے۔" رمشہ بھی خوش دکھائی دے رہی تھی۔ ٹینشن سے باہر نکل گئی۔ اسے اب جلد از جلد ایڈی وغیرہ سے مشورہ کرنا تھا۔

☆☆☆

ہلکی ہلکی دھوپ لیے وہ بھی ایک خوش گوار اتوار تھا۔ ہفتے بھر سے یہاں اچھی دھوپ نکل رہی تھی۔ برف پگھلنے کا موسم آگیا تھا۔ سڑکیں اور آبادیاں تو تقریباً صاف بھی ہو چکی تھیں۔ سفیدی اب اونچی چوٹیوں تک جا رہی تھی۔ ناشتے کے بعد وہ سب دو گاڑیوں میں مینگورہ کے لیے روانہ ہوئے۔

وسیلہ اگرچہ جانے کے لیے تیار نہ ہو رہی تھی لیکن اس کے علاوہ یہاں باقی سب جانتے تھے کہ یہ پروگرام تو بنایا ہی اس کے لیے گیا تھا تب ہی رمشہ جذباتی بچ دیتے خفا ہو گئی تو وسیلہ بھی جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ دادی، رضوانہ، عدرت اور توفیق صاحب گھر رہی تھے۔ مومن نے گھر سے روانہ ہوتے وقت بڑی شرافت کا مظاہرہ کرتے ایلیا، بچوں اور وسیلہ کو اپنے ساتھ بٹھالیا اور رمشہ بھائی کے ساتھ اس کی گاڑی میں بیٹھ گئی۔

سب کچھ چونکہ پہلے ہی آپس میں طے تھا اس لیے خاموشی اور سنجیدگی سے سفر شروع کر دیا گیا۔ وسیلہ کو ان سب کے عزائم کی بھنک تک نہیں پڑی۔ وہ ریبا کو لیے پچھلی سیٹ پر مگن بیٹھی تھی۔ میاندم سے نکل کر مین روڈ پر آتے ہی سردی کی شدت بھی بہت حد تک کم ہو گئی۔ دریائے سوات کے کنارے کنارے مینگورہ کا سفر جاری تھا۔ میاندم سے نکلے انہیں کچھ ہی دیر ہوئی تھی۔ اگلی آبادی آئی تو چائے لینے کے لیے مومن نیچے اترا اور ایلیا کو بھی اشارے سے ساتھ آنے کا اشارہ کر دیا۔

"یہ کہاں رک رہے ہو؟" وسیلہ نے ابرو سکوڑ کر باہر دیکھا

"بس چائے کافی کا پتا کر رہے ہیں۔" مومن مختصر جواب دے کر ایلیا اور بچوں سمیت دور چلا گیا۔ وہ پرس سے موبائل نکال کر اس پر جھک گئی۔ درمیان میں شاید دو ہی منٹ گزرے تھے کہ گاڑی کا دروازہ کھول کر کوئی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور فوراً ہی گاڑی تیز رفتاری سے اسٹارٹ بھی ہو گئی۔ وسیلہ نے تعجب سے سر اٹھایا کہ مومن بھائی نے ایلیا اور بچوں کی آمد کا انتظار کیے بغیر گاڑی کیوں چلا دی لیکن نظر منصب پر پڑی تو بری طرح بوکھلائی۔

"یہ آپ کی گاڑی نہیں ہے۔" وہ فوری طور پر اسے غلط فہمی بھی اس لیے چلا اٹھی لیکن جب منصب پر اس شور شرابے کا کوئی اثر نہ ہوا۔

وسیلہ کی پلکیں غصے اور جھنجھلاہٹ سے نم ہو رہی تھیں نہ اسے ان سب کی پلاننگ پسند آئی تھی نہ منصب کی یہ دل لگی کی باتیں کوئی اثر کر رہی تھیں۔ وہ کھولتا دماغ لیے گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔

جب منصب نے گاڑی فضا گٹ کے خوب صورت پارک کے سامنے سڑک سے اتار کر ایک پرسکون جگہ روک دی۔ صبح سویرے شدید سردی کے موسم میں پارک بالکل ویران پڑا تھا۔ منصب مسکرا کر کار سے نیچے اتر گیا۔ شکر ادا کیا کہ پارک کا کینٹیریا کھلا ہوا تھا۔ اس نے دو کپ کافی بنوائی اور واپس آ کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر پہلے چھوٹی ٹرے درمیان میں رکھی اور خود بھی سامنے بیٹھ گیا۔ کار کا دروازہ کھلا ہی رہنے دیا۔

"سوری، بنا تمہاری اجازت کے یہ سب پلان کرنا پڑ گیا۔" وسیلہ چہرے پر خفگی اور آنکھوں میں اجنبیت لیے چہرہ دوسری جانب کیے بیٹھی تھی۔

"لیکن وسیلہ۔ اگر ایک شخص اپنے کیے پر نادم ہے، اور معافی مانگنا چاہتا ہے تو اسے کم از کم اس کا موقع تو ملنا چاہیے۔ کیا یہ سب باتیں میرے دماغ کو کچوکے نہیں لگاتیں کہ اگر میں نے اس وقت شادی سے انکار نہ کیا ہوتا تو تمہاری زندگی اتنے بڑے طوفان سے نہ ٹکراتی، تمہیں دوبارہ پروپوز کرنے کے پیچھے کسی ہمدردی یا ازالے جیسے کوئی جذبات نہیں ہیں۔ غلطی پر پچھتاوا اپنی جگہ۔ لیکن تمہارا ساتھ چاہنے کے پیچھے صرف میری محبت کارفرما ہے۔

رمشہ نے بتایا کہ تم وکالت شروع کرنا چاہتی ہو، مجھے سن کر خوشی ہوئی۔ اور یہ سن کر اور بھی اچھا لگا کہ تم اپنے حق کے لیے لڑنا چاہتی ہو۔ تم پر جس جس کی طرف سے جو جو زیادتی ہوئی، تم اپنی تعلیم اپنی ڈگری کے بل پر اس کو ٹکر دینے میں کھڑا کرنا چاہتی ہو، یہ یقیناً تمہارا حق ہے میں بس تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔" وسیلہ خاموش تھی۔ اس نے کافی کا کپ اسے تھمایا۔

"اور ہاں، ایک بات اور۔ انسان کی زندگی میں بدلاؤ آنا بھی بھلے ایک حقیقت ہے لیکن سوچنے کی بات ہے کہ اگر کہیں کوئی تبدیلی آ چکی تھی اور میں مروت میں یا مجبور کیے جانے پر تمہیں پروپوز کر رہا تھا، تو تمہارے انکار کے بعد پیچھے ہٹنا اور اس نئے رجحان کی طرف قدم بڑھانا میرے لیے کتنا آسان ہو جاتا لیکن میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ جب تک تم چاہو، میں تمہارا انتظار کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"ہمیں چلنا چاہیے۔" اس نے خالی کپ سامنے رکھتے بنا اس کی طرف دیکھے آرڈر جاری کیا اور منصب نے کچھ دیر اسے دیکھا اور پھر گاڑی سے باہر نکل گیا۔

"چلو کم از کم اس نے سنا تو سہی۔" وہ اسی پر اکتفا کرتے ڈرائیونگ سیٹ پر واپس آیا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

☆☆☆

"بس جی، ہو گئی شاپنگ۔" ایلیا نے ڈھیر سارے شاپنگ بیگز ڈگی میں ٹھونسے اور مومن نے ہاتھ اٹھا کر اللہ کا شکر ادا کیا۔

"اور اب سوائے کسی اچھے ریسٹورنٹ جانے کے میرا کہیں اور جانے کا موڈ نہیں۔" اس نے انگلی اٹھا کر متنبہ کیا۔ رمشہ، وسیلہ اور تانیہ بھی ان کے قریب آ چکی تھیں۔ تانیہ کچھ دن ہوئے اپنی فیملی کے ساتھ اپنے چکوروالے گھر دوبارہ شفٹ ہو چکی تھی۔ اسے رمشہ نے کال کر کے شاپنگ سنٹر بلا لیا تھا۔ وہ بھی کافی دیر سے ان کے ساتھ شاپنگ کروانے میں مصروف تھی۔ تانیہ نے ان سب سے اپنے گھر آنے پر بہت اصرار کیا لیکن مومن کا کہنا تھا کہ رمشہ کی شادی کا دعوت نامہ دینے وہ باقاعدہ اہتمام سے آئیں گے۔ تب ہی دوپہر کا کھانا ریسٹورنٹ میں کھایا گیا۔ کھانے کے دوران ان کے درمیان یہ طے پایا تھا کہ ساری ویڈنگ ارینجمنٹ مومن ہی کریں

میانڈم روانہ ہو جائیں گے اور منصب تانیہ کو اس کے گھر چھوڑنے کے بعد پیچھے آئے گا۔ اس وقت سہ پہر کے تین بجے تھے۔ منصب تانیہ کو لے کر اس کے گھر کے لیے نکلا اور وہ سب میانڈم روانہ ہو گئے۔

مومن نے بڑے روڈ سے میانڈم کی طرف ٹرن لیا تو موبائل پر منصب کی کال آنے لگی۔

"ہاں بھئی، کہاں پہنچے تم، ہم تو گھر والے روڈ پر چڑھ آئے۔"

"ہاں وہ ابھی یہی بتانے کے لیے کال کی تھی، میں فی الحال گھر نہیں آ رہا۔" منصب نے کچھ ٹھہر ٹھہر آغاز لیا تو مومن چونک گیا۔

"کیا مطلب۔ کہاں ہو تم؟"

"میں تھانہ جا رہا ہوں۔"

"تھانہ۔ کیوں؟" مومن کو سن کر ہی تشویش ہوئی لیکن پھر سوچا شاید اپنی بہن سے ملنا ہو۔

"کیا سنز کی طرف؟"

"آں۔ وہاں بھی جاؤں گا، لیکن ابھی تو حویلی۔" وہ مومن کے لہجے کو دیکھتے سنبھل کر جواب دینے کی کوشش کر رہا تھا لیکن مومن کے لیے پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔

"کیوں منصب۔ اچانک حویلی کس لیے۔ تمہیں پتا ہے وہاں۔" وہ کہتے کہتے رک گیا۔ باقی سب اس کی جانب متوجہ تھیں۔

"یار ٹینشن مت لو۔ بس وہ گلناز خالہ کی کال آئی تھی۔ شہناز تائی کی وجہ سے بہت پریشان تھیں۔ میں چاہتا ہوں، ارحم کو سمجھاؤں۔"

"یہ سب تمہارے کرنے کے کام نہیں ہیں منصب! ان سب سے دور ہی رہو۔ میں تو کہتا ہوں واپس آ جاؤ۔" مومن نے کار پارکنگ میں روکی۔ خواتین سامان لے کر اندر آ گئیں لیکن سب کے چہروں پر پریشانی آ چکی تھی۔ رمشہ کا بس نہیں چل رہا تھا، یہیں سے واپس پلٹ جاتی اور بھائی کو اپنے ساتھ لے آتی۔ اسے معلوم تھا کہ ارحم نے کسی کرائے کے قاتل کو کر رکھا ہے۔ ایسے میں منصب کا تھانہ جانا۔ وہ کمرے میں آ کر سست سی بیٹھ گئی۔

"کیا ہوا۔ شاپنگ اچھی نہیں ہوئی؟" رضوانہ ان کے اترے چہرے دیکھ کر عام انداز میں مسکرائیں لیکن ایلیا اور رمشہ نے بے ساختہ ایک دوسرے کو دیکھا۔

"جی نہیں، بس تھکاوٹ ہے۔" ایلیا ہلکا سا مسکرائی۔

"امی کو بتا دو ایلیا! وہی روک سکتی ہیں بھیا کو۔" رمشہ نے دھیمی آواز میں کہنا شروع کیا لیکن رضوانہ نے پھر بھی سن لیا۔

"کیا بتا دو۔ کیا ہوا؟" وہ تو بتا جانے ہی ہاتھ پیر چھوڑنے لگیں۔ ایلیا نے لب چباتے دیلہ کو دیکھا پھر خود ہی امی کو بتا دیا کہ "منصب بھیا تھانہ گئے ہیں۔ وہ بھی حویلی۔"

"پاگل ہے یہ لڑکا!" انہوں نے ہاتھ سینے پہ مارا" وہ۔ کیا نام ہے، کوئی بادشاہ خان اس کے پیچھے لگا ہے نا۔ تت۔ تو ایسے میں وہاں جانے کا کیا مطلب، میرا فون دو ایلیا۔" وہ دل پہ ہاتھ رکھے بیٹھ ہی گئیں۔

"اتنا کیوں پریشان ہو رہی ہیں۔ بیٹھ جائیں یہاں۔" دیلہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ماں کے پاس آئی۔ ایلیا اس دوران منصب کو کال ملاتے ہوئے ماں کے قریب آئی۔

"ہیلو منصب۔ کہاں ہو۔ دیکھو، تم فوراً واپس آؤ۔"

"ارے امی! کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ اب تو میں تھانہ پہنچنے والا ہوں۔ آپ پلیز زیادہ نہ سوچیں۔ بس گلناز خالہ اور تائی سے مل کر واپس آ رہا ہوں۔"

اس نے ماں کی نہ سنتے بس اپنی کہہ کر کال ہی آف کر دی۔

"یا اللہ۔ یہ تو کچھ سن ہی نہیں رہا۔ ارے کوئی دادی کو بتاؤ۔"

وہ ہاتھوں پہ سر گرائے نڈھال سی ہو گئیں۔ محض دو چار دن پہلے خود ہی بیٹھا بتا رہا تھا کہ ارحم نے

کرائے کا قاتل چھوڑا ہے اس کے پیچھے۔ ایسے میں خود خطرے کے منہ میں جانا، وسیلہ نے انہیں زبردستی لٹا دیا۔ دادی بھی سن کر پریشان ہو گئیں۔ ندرت مامی اور توفیق ماموں بھی وہیں آ گئے۔ سب ہی اپنے اپنے تبصرے کر رہے تھے۔

وسیلہ اگرچہ کسی بات میں حصہ نہیں لے رہی تھی لیکن ذہن اس کا بھی متواتر ایک ادھیڑ بن میں تھا۔ آخر منصب نے اتنی لاپروائی کا مظاہرہ کیوں کیا تھا۔ کیا اس کی سرد مہری وجہ بنی تھی۔ وہ لب کاٹتے بے سر پیر کی باتیں سوچ رہی تھی۔ وہ خاموشی سے آ کر اپنے کمرے میں بیٹھ گئی۔ رمشہ پریشانی سے یہاں وہاں چکر کاٹ رہی تھی۔ ساتھ ساتھ بڑبڑا بھی رہی تھی۔

وسیلہ کے جی میں آیا کہ رمشہ کے تو بہن اور بہنوئی تھانہ سے ہیں۔ تو اسے ان کو کال کرنی چاہیے لیکن رمشہ کا تو لگتا تھا دماغ ہی کام کرنا چھوڑ گیا تھا۔ اور وسیلہ مارے لحاظ کے کہہ ہی نہیں پا رہی تھی۔ آخر رمشہ کو خود کیوں خیال نہیں آ رہا تھا، انیس بھائی خود حویلی جا کر منصب کو وہاں سے واپس لا سکتے تھے۔ لیکن وہ یہ سب باتیں بھی سوچ کر رہ گئی۔ کہنے کی جرات نہیں کر پائی۔

☆☆☆

"مومن، تم منصب کو کال ملاؤ، اتنی دیر ہو گئی، اب تو وہ حویلی سے نکل آیا ہوگا۔"

توفیق صاحب نے مومن سے کہا تو اس نے فوراً موبائل نکالا۔ لیکن منصب کا نمبر بند آ رہا تھا۔ مومن کا دل بے ساختہ بہت شدت سے دھڑکا۔

"نمبر آف ہے۔" اس نے ڈرتے ڈرتے پھوپھو کو دیکھا لیکن انہوں نے پھر یااللہ کہہ کر سر پکڑا۔

"اب کیا کریں۔ دیکھ رہے ہیں بھیا۔ کتنا لاپرواہ ہے۔ میرا کچھ خیال ہی نہیں۔" وہ باقاعدہ رونے لگ گئیں۔

"اچھا اب رونا بند کرو، خیریت کی دعا کرتے ہیں۔" انہوں نے تسلی دینے کی کوشش کی اور وسیلہ جو اسی وقت دروازے میں آ کر رکی تھی۔ واپس پلٹ کر کمرے میں آ گئی۔

"رمشہ! تم اپنی سسٹر کو کال کرو، میرا مطلب ہے میمونہ سے بات کرو۔" وہ اکثر ہی بھول جاتی تھی کہ رمشہ اور میمونہ ہی اس کی سگی بہنیں ہیں۔ "انیس بھائی ذرا جا کر پتا کریں۔" وسیلہ نے اس بار بنا کسی سوچ بچار کے سیدھے کہہ دیا اور رمشہ کو بھی ہوش آیا۔

"ہاں، میمونہ سے بات کرنی چاہیے۔ مجھے یہ خیال کیوں نہیں آیا۔" وہ فوراً اپنے موبائل کی طرف لپکی۔ وہ بھی سن کر پریشان ہو گئی تھی۔

"بابا سے ہمیشہ یہ ان ہی حرکتوں پر ڈانٹ کھاتا تھا۔" وہ پلنگ کے کنارے بیٹھی اب انگلیاں چٹخا کر ٹینشن نکال رہی تھی۔ وسیلہ نے اسے مسکرا کر دیکھا۔ رشتوں کی تبدیلی محبت میں کمی نہیں لا سکی تھی۔ وہ حقیقتاً اپنے بھائی کے لیے پریشان تھی۔ میمونہ کی کال قریب بیس منٹ بعد آئی۔

"کہو۔ منصب سے بات ہوئی۔ کہاں ہے؟" وہ موبائل آن کرتے ہی شروع ہو گئی۔

"نہیں یار۔ میرا تو اپنا دماغ اب کام نہیں کر رہا۔ منصب کا موبائل تو ویسے بھی بند آ رہا تھا۔ میں نے انیس کو حویلی بھیجا تو ارحم نے کہا کہ یہاں تو منصب آیا ہی نہیں۔ اب یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تمہارے مطابق تو اسے حویلی پہنچے بہت وقت ہو گیا۔ یہ تو مجھے صاف کچھ گڑبڑ لگ رہی ہے۔ انیس اب راشد سے رابطہ کر رہے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ تم لوگوں نے اسے اجازت کیسے دی۔"

"ہم سے کیا پوچھ کر گیا تھا۔ اور یہ ارحم۔" رمشہ اپنی پلکیں جھپک کر اپنا رونا قابو میں کر رہی تھی۔

"میمونہ! اس نے منصب کے ساتھ کچھ کر نہ دیا ہو۔"

"اللہ نہ کرے۔ میں انیس سے کہتی ہوں پولیس میں بات کریں۔" میمونہ کا دل ڈوبنے سا لگا۔

وسیلہ ان دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔ اس نے ایک دم ہی آگے بڑھ کر رمشہ سے موبائل لے لیا۔

"میمونہ آپی۔ میں دبیلہ۔"

"دبیلہ۔" میمونہ نے اسے پیار سے پکارا۔ "کیسی ہو؟"

"جی۔ وہ۔" وہ کہتے ساتھ ہی ٹھٹک گئی۔

"ہاں بولو دبیلہ۔"

"وہ آپ انیس بھائی سے کہیں کہ ارحم سے دوبارہ ملیں۔ اور اُن سے کہیں کہ تم ان پر سے سارے کیس واپس لے لیں گے۔ میرے ساتھ جو کچھ ہوا۔ میں انہیں معاف کرتی ہوں۔ لیکن وہ منصب کو واپس بھیج دیں۔"

"ہاں۔ ہاں۔ میں کہتی ہوں۔" میمونہ نے فوراً ہی کال کاٹ دی۔ رمشہ نے دبیلہ کی طرف دیکھا تو اس کا چہرا ایک دم اترا ہوا محسوس کیا۔ منصب کی گمشدگی کی پریشانی اس کے بھی چہرے سے عیاں تھی۔ وہ وہاں زیادہ دیر تک نہیں بیٹھ پائی اور واش روم میں گھس گئی۔ رمشہ کو صاف لگ رہا تھا کہ اسے رونا آ رہا تھا۔ لیکن وہ اپنے جذبات چھپانا چاہتی تھی۔

☆☆☆

"کیا ہوا ہے تائی کو؟" وہ شہناز تائی کے سرہانے کھڑا انتہائی افسوس سے گلناز بی بی کو دیکھ رہا تھا۔ شہناز تائی ایک دم بیمار، نڈھال اور غشی کی حالت میں محسوس ہوئیں۔

"وہ۔ ارحم شاید۔ اپنے نام کروا رہا تھا سب کچھ، لیکن۔ آپا کو پتا چلا تو کاغذ پھاڑ دیے۔ تو ارحم نے ماں سے بہت جھگڑا کیا۔ ہاتھ بھی اٹھا دیا۔ تمہیں جان سے مارنے کی باتیں کر رہا تھا۔ آپا پھر عجیب عجیب باتیں کرنے لگیں۔ ارحم کو بددعائیں دے رہی تھیں۔" گلناز ساری بات بتاتے اسے دکھی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ وہ اب بھی رک رک کر بہت دھیمی آواز میں بات سمجھا پائی تھیں۔ ایک مدت سے بولنے کی عادت ختم ہو گئی تھی، تو بات کرتے خود بھی بے یقین سی رہتیں۔

"ابھی ارحم کہاں ہے؟"

"ڈیرے پر۔ تم۔ اُدھر نہیں گئے؟"

"نہیں میں تو سیدھا اندر آ گیا۔ آپ کی ملازمہ سے پتہ کیا۔ اس کو ذرا گھر بھیجا ہے۔" وہ دور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ گلناز باہر چلی گئیں۔ ارحم قریب دس بارہ منٹ بعد اندر آیا تو منصب کو دیکھ کر بری طرح چونکا۔

"تم۔ یہاں؟" وہ دروازے میں ہی رُکا۔

"کمال ہے تمہیں حیرت ہو رہی ہے۔ تمہارے بندے تو نظر رکھتے ہیں نا مجھ پر؟" وہ مسکرا دیا۔

"کس لیے آئے ہو؟" اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"تمہاری ماں نے بلایا ہے۔ اور یہ تائی کو کیا ہوا ہے۔ ڈاکٹر کو کیوں نہیں دکھاتے، حالت دیکھی ہے اِن کی۔"

"میں نے کچھ نہیں کیا۔ اپنے شوہر کے غم میں کو روتی رہتی ہیں۔" وہ استہزائیہ ہنسا اور منصب بس ایک دکھ بھری نظر ڈال کر رہ گیا۔

"وجہ جو بھی ہو ارحم۔ خیال تو تمہیں رکھنا چاہیے۔"

"مجھے تمہارے مشورے کی ضرورت نہیں، میری ماں ہے، میں خود دیکھ لوں گا۔"

"اِن کا علاج کراؤ، اور جب یہ ٹھیک ہو جائیں تو انہیں بتاؤ کہ منصب کو اس کی جائیداد میں کوئی حصہ نہیں چاہیے۔ میری طرف سے سب کچھ تمہیں مبارک ہو۔ میرے خلاف منصوبے بنانا بند کر دو، نقصان تمہارا ہی ہوگا۔"

"واٹ دا ہیل۔" وہ طنزیہ ہنسا۔ "کیا بگاڑ لو گے تم میرا؟"

"بتاؤں۔ یا سنواؤں؟" منصب نے اس مرتبہ مسکرا کر اسے دیکھا اور موبائل نکال کر ایک وائس میسج اوپن کیا۔

"اچھا تو سن ہی لو۔" اس نے آواز اونچی کر کے موبائل ارحم کے نزدیک کیا۔

"ہیلو منصب، کیا حال ہیں۔ اچھا وہ بادشاہ خان کا گھر کا تا معلوم ہو گیا ہے۔ آج ہی اسے ساتھیوں

سمیت گرفتار کرلیا گیا ہے۔ اس نے یہ اقرار بھی کرلیا ہے کہ ارحم خان اس کے ساتھ رابطے میں تھا۔ اور یہ ارحم خان کے لیے کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔ بادشاہ خان کے ایجنسیوں سے رابطے تھے۔ ارحم کا اسے ہائیر کرنا اُسے سلاخوں کے پیچھے ڈال سکتا ہے۔ بہتر ہوگا ارحم کو اس بارے میں آگاہ کردو، باقی تمہیں بہت مبارک ہو، بادشاہ خان کی گرفتاری کے ساتھ ہی تمہاری جان کو لگے خطرات بھی ٹل گئے ہیں۔ ٹیک کیئر۔

"وائس ختم ہوگئی۔" منصب نے موبائل آف کیا۔

"یہ اے ایس پی شفقت احمد تھے۔ اور تمہارا ساتھی اس وقت پولیس کی حراست میں ہے۔ اِن فیکٹ تمہارے گرد بھی گھیرا تنگ ہونے والا ہے۔"

"یہ۔ یہ سب جھوٹ ہے۔" ارحم کی زبان لڑکھڑا گئی۔

"اوکے۔ تو بادشاہ کو کال کر کے دیکھ لو۔ وہ تمہیں سچ بھی بتادے گا اور پولیس کے ہاتھ بھی ایک اور ثبوت آجائے گا تمہارے اس سے رابطے میں ہونے کا۔" اس بار منصب کا لہجہ طنزیہ ہوا اور ارحم کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔

"تم میرے ساتھ ایسا نہیں ہونے دے سکتے۔" وہ بوکھلا سا گیا۔

"ہاں بالکل۔ تم میرے تایازاد ہو، میں چاہوں تو تمہیں بچا سکتا ہوں۔ لیکن میری شرط؟" اس نے ابرو اٹھایا۔

"بولو۔ کیا شرط ہے؟" ارحم نے بادلِ نخواستہ لہجہ نرم رکھا۔

"تائی کا علاج، ان کی دیکھ بھال۔ ان کا ہر طرح سے خیال رکھنا۔ اگرچہ یہ باتیں شرطوں سے کرنے والی نہیں ہیں۔ اولاد کی حیثیت سے تمہارا فرض ہیں۔۔ دوسرے مجھ سے اور میرے معاملات سے مکمل لاتعلقی برتو گے۔ ویسے بھی ایک نتیجہ تم ابھی ابھی دیکھ چکے، اور اگر میں درمیان میں نہ آؤں تو بہت جلد بھگت بھی سکتے ہو۔ تیسرے مجھے واقعی اس حویلی اور اس کی دولت سے کوئی سروکار نہیں۔ لیکن کان کھول کر سن لو، میں نے اپنا حصہ تائی امی کے نام کردیا ہے جو ان کی وفات کے بعد مجھے منتقل ہوجائے گا۔ اس لیے تم ان کا خیال رکھو، ان کی زندگی کی دعا مانگو تمہارا یہ عیش و آرام ان کی زندگی تک ہے۔"

یہ سن کر ارحم پر سکتہ طاری ہوگیا تھا۔

"ایک بات بتاؤں ارحم! تم نے ہمارے نئے رشتے کو صرف دولت کے تناظر میں دیکھا ہے جبکہ میرے لیے صرف رشتے اہم ہیں۔ آج میں خود کو تم سے کہیں زیادہ امیر سمجھتا ہوں کیونکہ مجھے محبت کرنے والا بھرا پرا خاندان مل گیا ہے۔ ایک دن تم نے مجھے نمک حرام، احسان فراموش اور نجانے کیا کچھ سنا دیا تھا جبکہ حقیقت یہ نکلی کہ دادی کے میری تعلیم پر لگائے اخراجات تو دراصل ازالہ تھے اس حادثے کا جو نہ چاہتے ہوئے بھی ان سے سرزد ہوگیا تھا۔

ہاں جب بھی میں نے یہ دیکھا کہ تم اس دولت، اس حیثیت کا غلط استعمال کررہے ہو تو میں واپس آنے میں دیر نہیں لگاؤں گا، اور تم دیکھو گے کہ تم سے کیسے اپنے حصے کی ایک ایک پائی وصول کرتا ہوں۔ لہٰذا بہت سنبھل کر رہنا۔"

منصب نے انگلی اٹھا کر اسے وارن کیا اور گلناز بی بی کی طرف دیکھا۔

"آپ مجھ سے رابطے میں رہیے گا خالہ! اور اب سے ارحم آپ کو کبھی منع نہیں کرے گا۔" تائی کی طبیعت ٹھیک ہوجائے تو میں ان سے ملنے دوبارہ آؤں گا۔ ابھی مجھے اجازت۔ وہ کہہ کر رکا نہیں اور باہر نکل آیا۔ موبائل پر ڈھیر ساری میسڈ کالز آئی ہوئی تھیں۔ اسے ایک ایک کرکے سب کو تسلی دینی تھی۔ جانتا تھا اس کا موبائل آف ہونے کی وجہ سے سب پریشان ہوگئے تھے۔

منصب کو جینکورہ میں شاپنگ کے دوران سر شفقت کی کال آئی تھی۔ وہ اسے کچھ خاص بتانا چاہتے تھے۔ منصب نے انہیں بتایا کہ وہ اس وقت

مینگورہ میں ہے اور اسے تھانہ میں کچھ اور کام بھی ہیں اس لیے وہ کچھ دیر میں وہیں حاضر ہوتا ہے۔ لیکن تانیہ کو چھوڑ کر جو نہی سفر پر روانہ ہوا، اسی کی کال آئی اور اس کے بعد چارجنگ ختم ہونے کی وجہ سے اس کا موبائل آف ہو گیا۔ موبائل کو اس نے شفقت سر کے آفس میں آکر تھوڑا سا چارج کیا۔

انہوں نے جب بادشاہ خان کی گرفتاری کا بتایا تو منصب نے ہی ان سے کہا کہ وہ اس بیان کا باقاعدہ اسے ایک وائس بھی بھیج دیں کیونکہ ارحم اس طرح یقین نہیں کرے گا۔ پھر پولیس اسٹیشن سے وہ سیدھا حویلی آیا۔

یہاں کے معاملات نمٹا لینے کے بعد پہلا فون میمونہ کو کیا۔ اس سے خوب ساری ڈانٹ کھائی اور اب مسکراتے ہوئے میمونہ کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ میمونہ نے کہا کہ "میاں دم کال کر کے خود ہی سب کو بتاتی ہوں کہ تم کہیں گم وم نہیں ہوئے اور بچے کتنے ہو۔" وہ غصے میں کہہ کر کال کاٹ گئی۔ منصب نے قہقہہ لگایا۔

☆☆☆

"جانتے بھی ہو، کتنا پریشان کیا ہے تم نے سب کو۔" میمونہ نے اس کے بازو پہ دو ہتڑ جمائے۔

"مجھے جب ارحم نے کہا کہ یہاں تو تم آئے ہی نہیں، قسم سے مجھے چکر آ گیا۔" انیس نے سر گھما کر بتایا تو منصب زور سے ہنس دیا۔

"یار! جب تم نے اس سے پوچھا تب میں واقعی ان سے نہیں ملا تھا۔ تھانہ آتے ہی پہلے پولیس اسٹیشن جانا پڑ گیا۔ وہاں کافی دیر بیٹھا رہا۔ اس دوران موبائل بھی آف تھا۔ تب ہی شاید میاں دم اور تھانہ میں میری ڈھنڈیا مچ گئی۔"

"اور کچھ لوگوں نے تو فوراً سارے ہتھیار ڈال دیے۔" میمونہ معنی خیزی سے مسکرائی تو منصب نے آنکھیں چھوٹی کر کے دیکھا۔

"مطلب؟"

"بتادوں؟" میمونہ نے انیس سے تائید چاہی تو وہ بھی ہنس دیا۔

"بتاؤ بھی۔ کیا معمہ ہے؟"

"جس وقت ہر طرف تمہاری گمشدگی کی آگ لگی تھی، مجھے رمشہ کی کال آئی۔ اور اسی کے ہاتھوں سے وسیلہ نے موبائل لے کر مجھے کہا کہ انیس بھائی کو ارحم کے پاس بھیجوں تاکہ وہ ارحم سے کہیں کہ وسیلہ اس پر لگے سارے کیس واپس لینے کو تیار ہے۔ بس کسی طرح اس کے پولیس والے کو جان کی امان دی جائے۔" وہ آخر میں کھلکھلا کر ہنس پڑی لیکن منصب کو بالکل یقین نہیں آیا۔

"مذاق کر رہی ہو؟"

"ہاں بھئی، تمہیں کیسے یقین آئے گا۔ لیکن ہم تو تمہارے ساتھ میاں دم جانے کو تیار بیٹھے ہیں۔"

"اچھا واہ۔ یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔ لیکن۔" وہ ایکدم چونکا "اس بات کا پچھلی بات سے کیا لینا دینا۔"

"وہ تو وہیں جا کر بتائیں گے۔" وہ شوخی سے ہنس دی۔ منصب نے کندھے اچکائے۔

"او کے تو پھر چلو میرے ساتھ۔ دیر کس بات کی ہے۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ چائے اس نے میمونہ کے گھر آکر پی بھی۔ اور اتنا ریسٹ کافی تھا۔ کچھ ہی دیر میں وہ میمونہ، انیس اور چھوٹے شہیر کو لیے میاں دم کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆☆☆

"ایک تو ان رشتوں کے ہیر پھیر نے مجھے بالکل ہی چکرا دیا ہے۔ دیکھیں نا دادی۔ اب مجھے اپنی ہی سگی بہن کا ہاتھ مانگنے کے لیے اپنے بھائی کی سگی ماں کے پاس جانا ہے۔ ہاں۔ کچھ ایسا ہی۔ ہے نا؟" میمونہ نے اپنے ہی جملے کی تصدیق کے لیے رمشہ کو دیکھا اور وہاں موجود سب ہنس پڑے۔

"بس تم اتنا تردد نہ کرو۔ یہاں سب کو پتا ہے۔" دادی نے اسے چھیڑا۔

"ہاں اور جہاں تک تمہاری خواہش کی بات ہے تو ہم میں سے کسی کو کوئی اعتراض نہیں بلکہ مجھے تو

یہ تصور ہی گھنٹوں شاد رکھتا ہے کہ میری وسیلہ میری بہو بن جائے گی، اور کبھی یہ سوچ کر خوشی ہوتی ہے کہ میرا بیٹا میرا داماد بن رہا ہے۔ وہی بات کہ کبھی عجیب سی خوشی ہوتی ہے تو کبھی واقعی سر چکرانے لگتا ہے۔"

رضوانہ بھی تصور کر کے خوب لطف لے رہی تھیں۔

"اعتراض تو میرے بھائی کو بھی بالکل کوئی نہیں ہے۔" میمونہ دبی دبی ہنسی سے کہنے لگی" البتہ آپ کی بیٹی۔"

"مجھے لگتا ہے پیار سے بہت منا لیا، اب سختی کرنی پڑے گی۔" ندرت مامی نے سر ہلاتے کچھ سوچ بچار کی جس پر سب چونکے۔

"یعنی؟"

"توفیق سے کہتی ہوں، وہی جا کر بات کریں، ان کے سامنے چوں بھی نہیں کرتی۔"

رضوانہ چونکہ وسیلہ کی فطرت سے واقف تھیں تو انہیں ساری فکریں ندرت کے ایک آئیڈیے کے بعد زائل ہوتی محسوس ہونے لگیں۔

☆☆☆

توفیق ماموں بہت شفیق اور نرم خو انسان تھے لیکن اس کے باوجود ان کی شخصیت میں ایک رعب اور بات میں دم ہوتا تھا۔ وہ دباؤ وغیرہ کے ویسے بھی قائل نہ تھے۔ البتہ ایک بات انہوں نے غور کرنے کے انداز میں وسیلہ کے سامنے رکھی کہ اسے اپنی ماں کی خوشی کو ضرور مقدم رکھنا چاہیے۔ منصب اس کا بیٹا تھا تو وسیلہ بیٹی۔ انہیں اگر منصب کو چھوڑ کر اس کے لیے کسی بھی اور کو پسند کرنا پڑا تو ویسی خوشی کبھی محسوس نہیں کر سکتیں جیسی منصب کے لیے کریں گی۔ وسیلہ نے ان کو خاموشی سے سنا اور اگلی صبح جب ایلیا اس کی رائے جاننے آئی تو اس نے ہامی بھر لی۔ اسی نئی خبر پر خوشی اور جوش دکھائی دیتا رہا۔ میمونہ آپی بھی ابھی یہیں تھیں۔ اور شادی کی تاریخ طے کر کے جانا چاہتی تھیں۔ وسیلہ اس وقت آگ کے دھیمے شعلوں کو دیکھ رہی تھی جب دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ اس نے سر اٹھا کر یونہی سرسری دیکھا لیکن نظر جب اندر داخل ہوتے منصب پر پڑی تو گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تھینک یو وسیلہ جی۔" وہ مؤدب بننے کی کوشش کرتے بھی مسکرا رہا تھا۔ وسیلہ نے گھبرا کر یونہی بالوں کو کان کے پیچھے دھکیلا۔

"یہ ہامی اُس دن نہیں بھر سکتی تھیں۔ فضا کٹ میں گلا گھونٹ رکھا تھا کسی نے۔" منصب کے لہجے میں شوخی تھی، وہ بس سر جھکا کر رہ گئی۔

"مجھے تو ماموں نے کہا۔" وسیلہ نے از حد سنجیدگی کے ساتھ نہایت صاف گوئی سے وضاحت کی تو منصب کا منہ کھلا رہ گیا۔

"مطلب۔ فورس کیا گیا؟" اس کی بوکھلاہٹ اس کے لہجے سے عیاں تھی۔ وسیلہ نے خاموشی سے منہ پھیر لیا کہ اب یہی سچ تھا۔

"لیکن میں ہرگز اس۔ دباؤ وغیرہ کے حق میں نہیں ہوں۔۔۔ اس۔ ان فیئر۔" وہ ایکدم ہی بہت پریشان دکھائی دینے لگا تھا۔ "اور پلیز وسیلہ آپ وہی کریں جو آپ کی مرضی ہے۔ میں ان سب کو خود سمجھا لوں گا۔" وہ دروازے کی طرف پلٹ گیا۔

"ہمارے بڑے ہمارے بھلے کے لیے ہی ہمیں سمجھاتے ہیں۔

امی کی صحت ان کی زندگی ان کی خوشی میرے لیے بھی ہر بات سے بڑھ کر ہے۔"

"لیکن امی کو خوش کرنے کا یہی ایک طریقہ تو نہیں ہے۔ آپ اپنی پریکٹس شروع کریں۔ وکالت کا باقاعدہ آغاز کریں۔ ان کو خوش اور مصروف دکھائی دیں۔ وہ خود بخود مطمئن ہوتی جائیں گی۔"

"دراصل مجھے۔ کچھ کنفیس (اقرار) کرنا ہے۔" اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ چہرے پر وہی سنجیدگی تھی۔

"جی کہیں۔" وہ اب مکمل متوجہ تھا۔

"اگر میں یہ سچ آپ کو آج نہ بتاتی تو کچھ دن بعد کہیں نہ کہیں سے ضرور آپ کو معلوم ہو جاتا کہ وسیلہ کو توفیق ماموں نے رضامند کیا، تب آپ کے

دل میں گرہ پڑ سکتی تھی کہ شاید مجھے مجبور کیا گیا ہو۔"

"ہوں۔ ہوں۔ تو؟" منصب ابرو جوڑے اب اسے بغور سن رہا تھا۔

"تو۔ وہ۔" وسیلہ نے ابرو سے اس کے ہاتھ کی جانب اشارہ کیا۔ منصب نے کچھ نہ سمجھتے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا۔ اس کی بند مٹھی میں ایک نیلے رنگ کی مخملی ڈبیا دبی تھی جو اس نے کچھ دیر پہلے جیب سے نکالی تھی۔

"یہ۔ تو۔ انگوٹھی ہے۔" اس نے بند ڈبیا کو دوبارہ جیب میں رکھنے کی کوشش کی لیکن وسیلہ نے اپنا ہاتھ آگے کر کے انگلیاں پھیلائیں۔

"میرے لیے ہے تو پہنا سکتے ہیں۔"

"لیکن۔" منصب ابھی تک تذبذب میں تھا۔

"ماموں کی کوشش بے شک مجھے میرا بھلا سمجھانے کی تھی لیکن میرے ہامی بھرنے کی وجہ یہ نہیں تھی۔" وہ سر جھکائے پہلی مرتبہ تھوڑا سا مسکرائی اور معلوم نہیں آگے کیا کہنا چاہتی تھی۔

"وہ آپ نے فضا گٹ میں جو باتیں کیں، ان سے بہت کچھ کلیئر ہو گیا تھا۔" بالآخر اسے ایک جملہ سوجھ ہی گیا جبکہ منصب نے رک کر غور کیا کہ فضا گٹ میں کیا کیا باتیں ہوئی تھیں۔ ذہن میں کچھ دیر ان باتوں کو دوہرایا اور چہرے پر آسودہ سی مسکراہٹ آ گئی

"اس روز تو بہت سی باتیں کلیئر ہوئی تھیں۔ بڑی الجھن کیا تھی؟" وہ اب شرارتی انداز میں سوال کر رہا تھا۔

"ساری باتیں۔" وہ بات کو گول مول کرتے دوسری جانب پلٹ گئی۔

"بدگمانی نرا بندے کے دماغ کا فتور ہوتا ہے۔" وہ تدبر سے سمجھانے لگا۔

"جی نہیں، میں بدگمان نہیں ہوتی۔"

"لو جی، ابھی تو بدگمانی نہیں تھی۔" اس نے آہ بھر کر چھت کو دیکھا۔ "ہمارا پورا رشتہ داؤ پہ لگا ہوا تھا لڑکی۔" اس نے وسیلہ کا کان مروڑ کر یاد دلایا اور وہ ہنسے چلی گئی۔

"بس اب آپ جائیں۔"

"ایک بار پھر بہت معذرت وسیلہ۔ وہ کڑا وقت جو تم نے بہت قریب سے دیکھا، اگرچہ اب گزر چکا ہے لیکن اس کی یادیں شاید زندگی بھر مجھے بے چین رکھیں گی۔"

"منصب، آپ یہ سوری والی بات آئندہ کبھی نہیں کریں گے۔" وہ جو اسے بغور سن رہی تھی۔ پورے استحکام سے کہنا شروع کیا" کیونکہ مجھے اس کڑے وقت سے نکالنے والے بھی آپ تھے۔ بجلی کا تار میرے پیروں سے شاید پانچ قدم کی دوری پر تھا جب میمونہ نے حویلی کے بڑے پھاٹک پر دستک دی، اگر وہ اس وقت وہاں نہ پہنچتی تو میں آج زندہ ہی نہ ہوتی، اب تو شہباز چچی اپنے منصوبے خود اپنے منہ سے قبول کر رہی ہیں۔ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اگر آپ نے راشد بھائی کے ذمہ میری چھان بین کا کام نہ لگایا ہوتا تو نہ ارم کی چترال سے واپسی کا پتا چلتا نہ آپ میمونہ آپی کو بھیجتے۔"

"یہ سب اللہ کی طرف سے ہوا، میں کون ہوں کوئی پلان کرنے والا۔"

"ہوں۔ تو اب میں کہہ رہی ہوں کہ جو کچھ میرے ساتھ ہوا۔ وہ میرے نصیب کا لکھا تھا۔ اس لیے آپ بھی یہ بات نہیں کریں گے۔"

"بہتر جناب!" اس مرتبہ منصب بھی مسکرا دیا۔ ماتھے تک ہاتھ لے جاتے شرارت سے اسے سیلیوٹ کیا اور کمرے سے نکل گیا۔

☆☆☆

"میم۔ وہ۔ عیسیٰ صاحب آئے ہیں۔" نواز نے پردہ سرکا کر کچھ جھجک بھرے انداز میں اطلاع دی۔ تانیہ سمجھ رہی تھی اس کی پریشانی کی وجہ کیا ہے۔ لیکن اس نے بنا کوئی تاثر دیے سر کو اثبات میں ہلایا۔

"آنے دیں۔" اور نواز واپس پلٹ گیا۔ دھڑکنیں تو تانیہ کی بھی بے ترتیب ہوئیں لیکن اس

لیے چہرے کو سپاٹ رکھنے کی کوشش کی۔ مینی کی آمد کی ترجیح دیے وہ خود بھی کررہی تھی۔ جب سے وہ لوگ پشاور واپس آئے تھے، مینی کی امی اور بہنیں دو مرتبہ ان کے ہاں آچکی تھیں۔ سلطانہ آنٹی ایک سیدھی سادی سی خاتون تھیں۔ تانیہ نے بجائے شرم جھجک کے خود بھی ان سے بہت سی باتیں کی تھیں۔ اور ان سب کو ان کر تانیہ کو بہت تسلی ہوئی تھی۔ بلکہ امی اور بابا بھی بہت مطمئن دکھائی دیے تھے۔

"آہم م م۔" مینی نے اس کی توجہ کھنکار کر اپنی جانب مبذول کی تو تانیہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے بیٹھو۔" مینی اس کے اٹھ کھڑا ہونے سے گھبرا سا گیا۔ جبکہ تانیہ مسکرادی۔

"پشتو سن کر آئے ہیں کیا؟"

"نہیں تو۔" اس نے سمجھ نہ آنے والے انداز میں ابرو جوڑے۔

"تو پھر ایک مشرقی لڑکی کو اپنا فرض نبھا لینے دیں۔" وہ حسی خری سے مسکرائی تو مینی بھی مسکرا دیا۔

"رشتہ دوبارہ استوار کرنے پر بہت شکریہ۔" آج کی آمد پچھلی کئی ملاقاتوں کی نسبت کافی اعتماد لیے ہوئے تھی۔ اس کی انکل سرفراز اور آنٹی سے بھی بات ہوئی تھی۔ تانیہ سے البتہ میاندم میں پارک والی ملاقات کے بعد آج ملنا ہو رہا تھا۔

"چلو شکر ہے، یہ تو ایک اضافی خوبی نکل آئی ہے تم میں۔ بے ادب بیوی کے ساتھ بھی گزارا کرنے کو تیار تھا۔" وہ مسکراتے ہوئے سامنے بیٹھ گیا۔

"آپ کی شرائط بھی ویسے باادب بیوی سے متعلق نہیں تھیں۔" اس نے بڑی لطافت سے یاد دلایا۔

"ہاں وہ۔" مینی بری طرح جھینپ گیا۔ یہ شروع شروع کے دنوں کی بات تھی جب اس نے تانیہ کو بیوی کے خواص بتائے تھے۔ "اب بھی تو تمہارا ارادہ تھا پھر۔" اس نے حساب برابر کرنے

کی کوشش کی اور تانیہ بھی ہنسی نہیں روک پائی۔

"میں نے تو سوچنے کے لیے کافی طویل وقت دیا تھا۔" وہ بھی مسکرا کر جدائی کا وقت یاد دلانے لگی۔

"اور یہ بیچ کا وقت بہت اہم ہوا کرتا ہے۔" مینی کی خوب صورت گہری آنکھیں بڑی توجہ سے تانیہ کے چہرے پر جمی تھیں۔ "اچھا وقت بھی سہانے خواب جیسا ہوتا ہے۔ آنکھیں تو بیچ محنتوں میں گزرے وقت پر ہی کھلتی ہیں۔"

"جی یہ سچ ہے۔ لیکن میری دعا ہے اللہ ہم سب کو کڑے وقتوں سے بچائے۔" اس نے ایک آہ بھری۔ "دیکھا جائے تو اس جہان کی زندگی ہی ایک سہانا خواب ہے، اصل آنکھ تو اس دنیا میں ہی کھلنی ہے نا۔"

"کاش یہ بات صہیب کی سمجھ میں بھی آجاتی، اس کا حد درجہ حساس ہونا ہی اس کی پرابلم تھا۔" مینی کی سرد آہ بھی بڑی بے اختیار تھی۔ تانیہ لب بھینچے خاموش ہی رہی۔ دل میں یونہی ایک خیال سا آیا کہ اب تو زندگی بھر کا ساتھ ہونے والا ہے، کیا صہیب کا ذکر ان کے بیچ ہمیشہ ایسی تکلیف دہ خاموشی بن جایا کرے گا۔

"آپ نے وہ وقت دیکھا نہیں ہے تانیہ، جب پہلے صہیب کی موت، پھر اس کے بعد ہماری بدگمانی، نفرت، انتقام لینے کی کوشش۔ لیکن محض تین چار دنوں کے اندر ہی ڈرائیور کی زبانی حقیقت کا پتا چلنا اور اس کے نتیجے میں آپ کے خلاف پیدا ہونے والے جذبات کا یک لخت پشیمانی اور ازالے میں ڈھلنا، ہم نے اپنی ذات پر جھیلا ہے۔ اس روز اگرچہ وہ خودکشی کرنے کی نیت سے نہیں نکلا تھا لیکن جتنا وہ جذباتی تھا، ہمارا اس کے متعلق ایسا سوچنا بہت آسان ثابت ہوا۔ اور اسی وجہ سے ایک طویل عرصے کے لیے ہمارے معاملات التوا اور کرائسس کا شکار ہوگئے۔ کچھ قصور میری جلد بازی کا بھی ہے۔ لیکن اب میں تحمل اور برداشت کا سبق سیکھ رہا ہوں۔"

"جی یہ سچ ہے۔" تانیہ نے تائید میں سر ہلایا

"فوری طور پر آنے والی تکلیف ہی تو صحیح معنوں میں انسان کی ہمت کا امتحان ہوتی ہے۔ کوئی بھی اچھا برا واقعہ چاہے جتنی شدید نوعیت کا کیوں نہ ہو، اپنا اثر وقت کے ساتھ کم کرتے بالآخر مکمل کھو دیتا ہے۔ نہ کسی چیز کو بقا ہے نہ کسی اثر کو۔

پریشے کی شادی، اس کی جدائی کا دکھ بھی ایک عارضی تکلیف ثابت ہوتا، کاش کہ صہیب بھی چند دن اپنا صبر آزما کر دیکھ لیتا۔"

"اچھا ویسے، صبر برداشت کی پریکٹس میں کہیں کہیں خوشی کے پڑاؤ بھی آجایا کرتے ہیں۔ جسے اللہ کی طرف سے انعام سمجھا جاتا ہے۔" عیسیٰ نے معنی خیزی سے اضافہ کیا تو بات فوراً ہی تانیہ کی سمجھ میں آگئی۔

"اور ڈیٹ کیا طے کی ہے اس خوشی کے پڑاؤ کی؟" اس نے بھی فوراً ہی لطافت سے پوچھ لیا جس پر عیسیٰ نے زبردست قہقہہ لگایا۔

"بس چند ماہ۔ اور اس کی وجہ بھی میں بتاؤں گا۔" اس نے فی الفور بتایا تو تانیہ نے مسکرا کر سر جھکا لیا۔

☆☆☆

آج تو تھکاوٹ نے برا حال کر دیا تھا۔ دو کولیگ چھٹی پر گئے ہوئے تھے۔ مومن کو ان کے کام بھی نمٹانا پڑ گئے تھے۔ گھر واپسی بھی شام کے قریب ہوئی۔ وقت چونکہ کھانے کا تھا تو وہ وہیں ابو کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ کھانا ایک ساتھ کھا لینے کے بعد بھی وہ دیر تک حال احوال کرتا رہا۔ پھر یہ سوچ کر پھوپھو کی طرف چلا گیا کہ اگر مزید دیر کی تو وہ سب کہیں سو نہ جائیں۔ اُن سے روزانہ کی ملاقات بھی روٹین کا حصہ تھی۔

"تم آؤ گی؟" اس نے جاتے جاتے رُک کر ایلیا کو دیکھا جو کچن کے دروازے میں کھڑی تھی۔

"جی۔ وہ بچے کمرے میں اکیلے ہیں۔ میں ان کے پاس جا رہی ہوں۔"

"ہاں ٹھیک۔ میں پھر کچھ دیر پھوپھو وغیرہ کے ساتھ بیٹھ آتا ہوں۔" وہ ادھر ہی چلا گیا۔ ایلیا نے اس کی پشت کو دیکھتے شرارت سے اپنی ہنسی لبوں میں دبائی۔ آج تو مراد ہی بر آئی تھی۔ سب کچھ اس کی مرضی کے مطابق ہو رہا تھا۔ وہ جلدی سے اپنے کمرے میں آئی۔ بچے چھوٹے کمرے میں سوئے ہوئے تھے۔ اس نے بڑے کمرے کی لائٹ جلائی اور الماری سے کچھ سامان نکالا۔ بیڈ کے داہنے طرف کونے میں چھوٹا صوفہ اور گلاس ٹیبل تھی۔ اس نے میز سے چیزیں ہٹا کر دو، تین کینڈل اسٹینڈ رکھ دیے۔ جلانے کا ارادہ بعد میں کرتے اپنا جامنی پیازی ڈریس نکال لیا۔ واپس آکر جلدی سے بال بنائے، میک اپ کیا اور ہلکی سی جیولری پہن لی۔ کوشش یہی تھی کہ اس رات جیسی ہی لگے۔ جب۔۔۔ موبائل کی بیل نے متوجہ کیا تو وہ جلدی سے بیڈ کے نزدیک آئی۔ کال رمشہ کی طرف سے تھی۔ ایلیا نے مسکراتے ہوئے کال اٹینڈ کی۔

"جی۔"

"ہو گئے سارے کام؟" رمشہ کی آواز ہلکی سرگوشی جیسی تھی۔

"ہاں۔ یہاں سب تیار ہے۔"

"بس ٹھیک ہے۔ پھر میں اُن کی محفل بھی برخاست کرنے کا کچھ سوچتی ہوں۔"

"سب جاگ رہے ہیں؟"

"نہیں خواتین سب ہی اپنے کمروں میں ہیں۔ مومن بھائی، باہر لاؤنج میں منصب کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ میں منصب کو کسی بہانے وہاں سے اٹھاتی ہوں تو یہ بھی یقیناً اٹھ جائیں گے۔"

"اوکے، اوکے۔ میں ان کا ویٹ کر رہی ہوں۔" ایلیا کا بلاوجہ ہی دل دھڑکنے لگا۔ کال آف کر کے جلدی سے کینڈلز جلائیں، اور ایک خیال آنے پر کمرے کی لائٹ آف کر دی۔ جلتی کینڈلز کی خوبصورتی میں ایک دم ہی اضافہ ہوا۔ کمرے کا ماحول سنہری سا لگنے لگا۔

"واؤ۔" وہ موبائل میز پہ رکھ کر دونوں مٹھیاں

آنکھیں میں بھینچے اپنے تخلیق کردہ ماحول سے آپ ہی مسرور ہو رہی تھی، جب پیچھے دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ ایلیا کے تو قدم ہی جیسے اپنی جگہ پر جم گئے۔ پلٹ کر دیکھنا محال تھا۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں میچ لیں۔ دونوں لب خجالت سے دانتوں میں دبا لیے۔ جانے جانے موحن کا ری ایکشن کیسا ہوگا۔ وہ آنکھیں بند کیے کچھ دیر کھڑی ہی رہی۔ موحن اندر آ چکے تھے لیکن کچھ بول نہیں رہے تھے۔ وہ اپنی جگہ پر تھمی کھڑی تھی جب موحن نے اپنے ہاتھ اس کے دونوں شانوں پر رکھے۔

"سرپرائز ہے ہوں؟"

"آپ کو تو کچھ یاد بھی نہیں ہوگا۔" وہ ہلکا سا خفا ہوئی۔

"تم ہو نا یاد رکھنے کے لیے۔" موحن نے کندھوں سے نیچے لے جاتے اپنے دونوں ہاتھ اس کے دونوں ہاتھوں میں دے دیے۔

"کیسا لگ رہا ہے۔ ایک سال بعد؟" ایلیا مسکراتے ہوئے اس کی جانب گھومی۔

"پچھلے سال کی اس رات کو یاد کر رہا ہوں۔" موحن کے موڈ اور لہجے میں ایکدم ہی بشاشت آ گئی تھی۔ ایلیا کے سرپرائز نے ساری تھکن پل میں اتار دی تھی۔ اسے واقعی یاد نہیں تھا کہ آج ان کی شادی کی سالگرہ ہے۔ لیکن ایلیا نے بہت خوب صورت انداز میں یاد دلایا تھا۔ کمرے میں آتے اس کی پہلی نظر جلتی کینڈلز پر پڑی تو وہ صرف حجب ہوا تھا لیکن کینڈل کے ساتھ کیک اور چھری نے سوچنے پر مجبور کیا۔ سالگرہ تو نہ اس کی تھی نہ ایلیا کی۔ بچوں کی بھی کچھ ماہ پہلے گزری تھی۔ پھر کمرے کا ماحول۔ اور خود ایلیا کی تیاری سے بس چند سیکنڈز لگے سمجھنے میں کہ آج ان کی شادی کی پہلی سالگرہ تھی۔ ایلیا نے سیکنڈ ٹائم رمشہ کے ساتھ جا کر کچھ چیزیں خریدی تھیں۔ اس نے گھر میں صرف رمشہ کو اپنا رازدار بنایا تھا اور اس کی بھی ایک خاص وجہ تھی۔

"تو۔ کیا یاد آیا؟" وہ دلچسپی سے پوچھنے لگی۔

"گردن تک اونچا کپڑوں کا ایک ڈھیر بانہوں میں سمیٹے بھاگتی ہوئی چڑیل۔" موحن نے ہلکا سا آگے جھک کر شرارت سے یاد دلایا تو ایلیا نے بے ساختہ ماتھے پہ ہاتھ مارا۔

"اللہ، آپ کی یادداشت تو غضب ہے۔ میں سوچ رہی تھی۔ کم از کم یہ بات تو بالکل یاد نہ ہو۔"

"ارے واہ۔ کیوں یاد نہ ہو۔ اوہ" وہ تھوڑا پیچھے کو ہو کر سر سے پیر تک ایلیا کو دیکھنے لگا۔ "یہ ڈریس بھی وہی ہے نا؟"

"جی۔ بالکل۔ تب تو آپ نے اس ڈریس والی کو غصے سے گھورا ہوگا۔ اس لیے آج دوبارہ پہن لیا۔"

"تا کہ پیار سے دیکھوں؟" اس نے جملہ جوڑا تو وہ جھینپ کر ٹیبل کی طرف بڑھ گئی۔ "کیک کاٹ لیں۔"

"یار سرپرائز دینا ضروری تھا کیا۔ صبح تو کم از کم بتا تیں۔ میں بھی تمہارے لیے کچھ لے آتا۔ بلکہ شام کو سب مل کر مناتے۔"

"اونہوں۔" ایلیا نے سنجیدگی سے ٹوکا "یہاں آپ کچھ بھول رہے ہیں۔"

"مطلب؟" موحن نے ابرو جوڑے۔

"جناب، پچھلے سال اس دن دو شادیاں ہوئی تھیں۔ میں نہیں چاہتی تھی، سب کو انوالو کر کے میں دیلہ آپی کا دل دکھاؤں۔"

"اوہ" موحن نے سر ہلایا "ہاں سوری۔ یہ بات بالکل دھیان میں نہیں تھی۔ دیلہ کے لیے اس دن کی یادیں بہت تلخ رہی ہیں۔ خیر، یہ تو تم نے اچھا کیا۔ لیکن مجھے تو یاد دلا دیتیں۔"

"کوئی بات نہیں، مجھے اگلے دن بھی تحفہ لینے میں کوئی اعتراض نہیں۔" اس نے لطافت سے جتایا کہ تحفہ تو وہ لے گی۔ موحن بھی ہنس دیا۔ دونوں نے مل کر کیک کاٹا۔ اور ایلیا نے موحن کو گھڑی کا گفٹ دیا۔

"واؤ۔ یہ تو عین میری پسند کے مطابق ہے۔"

میں بھی لیدر کی گھڑی لینے کا سوچ رہا تھا۔ فل اسٹیل
واچ کافی ہیوی ہو جاتی ہے۔" وہ پہن کر دیکھنے لگا۔
"بجی بہت لائٹ فیلنگز آ رہی ہیں۔" اس نے اپنی
بھاری گھڑی اتار دی تھی۔ براؤن لیدر بینڈ والی
گھڑی خوبصورت بھی بہت لگ رہی تھی۔

"اچھا ویسے مجھے ہیوی فیلنگ والے تحفے پسند
ہیں۔" اس نے خالی کلائی پر فرضی کنگن کھنکا کر اشارہ
دیا، مومن اس کی حاضر جوابی پر پہلے تو بے ساختہ ہنسا
لیکن پھر بٹوہ کھول کر پانچ پانچ کے دو بڑے نوٹ
نکالے۔

"زیادہ پھیلنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ تم ابھی لو
اپنا کیش گفٹ اور پھر چاہے اس سے اینٹیں خرید
لو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"یہ شوہر لوگ زیادہ ہی کنجوس ہوتے ہیں۔"
اس نے رقم بھی لے لی اور منہ بھی خوب بنایا۔

"اچھا گفٹ اگلے سال کے لیے ادھار رہا۔
پرامس۔" اس نے پیار بھری مسکراہٹ سے ٹالنے کی
کوشش کی۔

"واہ۔ جیسے اگلے سال تو بڑا یاد رہے گا یہ دن۔
لکھ لیں۔ مجھے ہی ساری زندگی آپ کو یاد دلانا پڑے
گا۔" اس نے منہ پھلایا۔

"ہوں۔ اور میری دعا ہے اللہ پاک نے اس
"ساری زندگی" میں ہمارے لیے ڈھیروں ڈھیر
سال لکھے ہوں۔ اتنے کہ ایک دن تم مجھے چھڑی اور
میں تمہیں بتیسی گفٹ کر رہا ہوں گا۔" وہ اچھے موڈ میں
محبت سے ایلیا کو دیکھتے ان آنے والے سالوں کو
سوچ رہا تھا جب سچ مچ وہ ایک بوڑھی ایلیا ہو گی۔
ایلیا نے اس کی مسکراہٹ کو غور سے دیکھا۔

"تنگ نہیں آئیں گے؟"

"میں تنگ نہیں آتا۔ جن سے محبت ہو انہیں
عادت جیسا اپنا لیتا ہوں۔ اور عادتیں تو چاہ کر بھی
ترک کرنا مشکل ہو جاتی ہیں۔ ہے نا؟" وہ اسے
بہت توجہ سے دیکھتے تائید چاہ رہا تھا۔ ایلیا نے مسکرا
کر سر ہلایا۔

"اچھا آپ یہ میٹھا کھائیں۔ میں ذرا چینج
کرلوں۔" وہ اٹھنے لگی لیکن مومن نے ہاتھ تھام کر
روک لیا۔

"نہیں۔ ایسے نہیں۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا
ہوا" ابھی کچھ انٹرسٹنگ کرنا ہے۔"

"کیا؟" وہ نا سمجھی سے دیکھنے لگی۔

"اس رات کی یاد تازہ کرتے ہیں۔" وہ کچھ
سوچ کر مسکرا رہا تھا۔

☆☆☆

ایلیا اور مومن کی اینورسری سے کچھ ڈیڑھ ماہ
بعد کی بات تھی جب پہلے رمشہ اور راشد شادی کے
خوبصورت رشتے میں بندھے اور اس کے ایک ہفتے
بعد منصب اور وسیلہ کی شادی انجام پائی۔ رمشہ اور
راشد بھی شادی میں شریک تھے۔ وہ بھی میمونہ کی
طرح تھانہ بیاہ کر گئی تھی۔ اور میمونہ اس وجہ سے بہت
خوش بھی تھی۔ رضوانہ نے منصب کو گورنمنٹ کی
رہائش نہیں لینے دی۔ انہیں اور دادی کو اپنے اکیلے
گھر میں وسیلہ اور منصب دونوں کی ضرورت تھی تب
ہی منصب کے کمرے کو سجایا گیا۔

ڈاکٹر تانیہ بھی اپنی والدہ کے ساتھ شادی میں
شریک تھی۔ اس کی اور عیسیٰ کی شادی چند ماہ بعد طے
پائی تھی۔ رمشہ اور ایلیا نے دلہن بنی وسیلہ کو اس کے
کمرے میں پہنچایا۔ وسیلہ نے اورنج اور میرون رنگ
کا لہنگا پہنا تھا۔ فنکشن چونکہ ہال میں رکھا گیا تھا تو
اختتام پر صرف گھر والے ہی دلہن کو لے کر آئے۔ گھر
میں میمونہ اور رمشہ مہمان تھیں، انیس، راشد اور مومن
نے بڑی شرافت سے دولہا کو بھی وقت پر اس کے
کمرے میں بھیج دیا۔

وہ جس وقت کمرے میں داخل ہوا، بجی سنوری
وسیلہ بلاوجہ ہی دوپٹہ درست کرنے لگی۔

منصب کو البتہ اسے نروس دیکھ کر خاصی تقویت
ملی، کیونکہ اندر سے وہ بھی اچھا خاصا گھبرایا ہوا تھا۔
گھڑی، بٹوہ، اور جیب کا دیگر سامان ٹیبل پر رکھتے
اس نے ذہن پر بہت زور دیا۔ پچھلی رات تک بھی

اچھے خاصے ڈائیلاگز یاد تھے۔ اُف کہاں اُڑ گئیں بار بار کی دوہرائی باتیں۔ منصب بیڈ کے نزدیک آ کر کنارے پر بیٹھا۔

"ارے یار۔ تم اتنی خوب صورت لگ رہی ہو۔ میرا دماغ بھی کام کرنا چھوڑ گیا ہے۔" اس نے انتہائی بے بسی سے اعتراف کیا تو دسیلہ نے ہنس کر منہ گھٹنوں میں دے دیا۔

"مجھے بالکل آئیڈیا نہیں کہ کس طرح بات شروع کرتے ہیں، اور جو سوچا تھا وہ صفا چٹ ہو گیا۔" وہ بتاتا جا رہا تھا اور دسیلہ کا ہنسی دباتے چہرا سرخ ہو گیا۔

"اچھا بس، کوئی بات نہیں۔" اس نے اپنی ہنسی بمشکل روکی، مسکراتے ہوئے اب وہ اپنے سجے سنورے ہاتھوں پہ نظریں جمائے بیٹھی تھی۔

"اِدھر بھی دیکھ لو۔ تھوڑی بہت محنت تو دلہا بے چارا بھی خود پہ کرتا ہے۔" دسیلہ نے کہنا ماننے کی کوشش کرتے آہستہ آہستہ نظریں اوپر اٹھائیں، نظر بمشکل ہی منصب کے چہرے پر ڈالی اور ہنس کر رخ پھیر لیا۔

"ہنس ایسے رہی ہو جیسے جوکر دیکھ لیا ہو۔" منصب نے مصنوعی دکھ سے آہ بھرتے جیب سے گفٹ نکالا۔

"یار! یہ گفٹ کا بھی عجیب ہے۔ لڑکے بے چارے اسکول کے زمانے سے سوچنا شروع کر دیتے ہیں کہ پہلی رات تحفہ کیا دیں گے۔۔۔ اور آخر میں اماں ایک انگوٹھی پکڑا دیتی ہیں کہ جاؤ بیٹا دلہن کو دے دینا۔"

وہ سنجیدگی سے صفائی دے رہا تھا۔ دسیلہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔ منصب کی بونگیوں نے ماحول کی ساری سنجیدگی ختم کر دی تھی۔ دسیلہ نے ڈبیا کھلنے پر خود ہی ہاتھ آگے کر دیا، چہرا البتہ دوسری جانب ہی تھا جب اچانک ہی پیروں کو کچھ چھوا تو اس نے چونک کر سر گھمایا۔ منصب اپنی جگہ سے اٹھ کر تھوڑا پیچھے ہو بیٹھا

"تھا اور ایک بہت نفیس گولڈن پازیب دو اس۔۔۔ پاؤں میں پہنا رہا تھا۔ ہلکی مسکراہٹ لیے آنکھیں اوپر اٹھا کر معنی خیزی سے دسیلہ کو دیکھا تو اس نے شرما کر سر جھکا لیا۔

"اماں کو نہیں پتا کہ اپنی خاص ہستی کے لیے خاص تحفہ ان کا محنتی بچہ پہلے ہی خرید چکا ہے۔"

"تو وہ انگوٹھی؟" دسیلہ نے ہلکا سا ابرو اٹھا کر استفسار کیا۔

"ہاں۔ اب لگی ہو نا ایک دم روایتی بیوی۔" منصب نے بے ساختہ انگلی لہرائی جبکہ دسیلہ نے شرم ترک کرتے ہتھیلی آگے پھیلا دی۔

"لائیں میری ساسو ماں والا گفٹ۔"

"یہ لیں زوجہ محترمہ، میں وردی کے ساتھ گولڈ رنگ پہنتا اچھا بھی نہیں لگوں گا۔" اس نے دوسری جیب سے چھوٹی ڈبیا نکال کر اس کی ہتھیلی پر دھر دی۔

"شکریہ۔ گفٹ بہت خوب صورت ہے۔"

"دیکھ تو لو۔" منصب نے اس کی بند مٹھی کی طرف اشارہ کیا، لیکن دسیلہ نے مسکرا کر ابرو اپنے پاؤں کی جانب اٹھایا، پیر کو حرکت دے کر پازیب کو ہلکا سا چھنکایا تو منصب کے ہونٹ مسکرا اٹھے، وہ پازیب کی بات کر رہی تھی۔

"بڑی نوازش جناب۔ تعریف اور پسندیدگی تحفے کی خوب صورتی کو کچھ اور بڑھا دیتی ہے۔ اور تحفہ دینے والے کا حوصلہ بھی۔" منصب نے مسکرا کر کہتے دسیلہ کا مہندی والا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ خوشی کی نمی دسیلہ کی پلکوں پر ستاروں کی طرح چمک اٹھی۔

تہہ خانے کی قید بے بسی میں اپنے پروردگار سے مانگی گئی اس کی تمام دعائیں پوری ہوئی تھیں۔ اللہ نے منصب کی صورت اسے ایک بہترین انعام سے نوازا تھا۔

☆☆

digest novels lovers group